جلد پنجم

تبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

مُصنفہ فخر المفسرین زبدۃ المحدثین عمدۃ المتکلمین فاضل اجل حضرت

مولانا ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ،

تفسیر فتح المنّان

المشہور بہ

تفسیر حقّانی

اس بے نظیر تفسیر میں جس طرح بے شمار دریائے علوم کو کوزے میں بند کیا ہے
اسی طرح اس کی زبان عام فہم سلیس اور صاف ہے تاکہ ہر خاص و عام
استفادہ کرے اور لطائف و حقائق و نکاتِ قرآنیہ سے
فیض یاب ہو

ناشر
میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

تفسیر حقانی

جلد پنجم

صفحہ	سُورۃ	پارہ	شمارِ پارہ
۱		تبٰرک الذی	۲۹
۱	الملک		
۲۶	القلم		
۴۹	الحاقۃ		
۶۵	المعارج		
۷۸	نوحؑ		
۹۲	الجن		
۱۱۰	المزمل		
۱۲۸	المدثر		
۱۴۵	القیٰمۃ		
۱۵۸	الدھر		
۱۷۶	المرسلٰت		
۱۹۶		عم	۳۰
۱۹۶	النبأ		

شمارِ پارہ	پارہ	سُورۃ	صفحہ
		النّٰزعٰت	۲۱۶
		عبس	۲۳۵
		التکویر	۲۴۹
		الانفطار	۲۶۶
		التطفیف	۲۷۶
		الانشقاق	۲۹۴
		البروج	۳۰۳
		الطارق	۳۱۰
		الاعلیٰ	۳۲۴
		الغاشیۃ	۳۳۵
		الفجر	۳۴۴
		البلد	۳۵۹
		الشمس	۳۷۰
		الّیل	۳۸۲
		الضحیٰ	۳۹۴
		الانشراح	۴۰۴
		التین	۴۱۴
		العلق	۴۲۰
		القدر	۴۳۴
		البینۃ	۴۴۳
		الزلزال	۴۵۳
		العٰدیٰت	۴۵۷
		القارعۃ	۴۶۲

شمار پارہ	پارہ	سورۃ	صفحہ
		التکاثر	۴۶۶
		العصر	۴۷۱
		الهمزة	۴۷۸
		الفیل	۴۸۲
		القریش	۴۸۷
		الماعون	۴۹۱
		الکوثر	۴۹۷
		الکفرون	۵۰۳
		النصر	۵۰۷
		اللهب	۵۱۲
		الاخلاص	۵۱۷
		الفلق	۵۲۸
		الناس	۵۳۸

جُغرافیۃ العَرب ۵۴۵

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

تفسیر حقانی

پارہ ۲۹

تَبٰرَكَ الَّذِيْ

سورۂ ملک

مکیہ ہے اس کی تیس آیات دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ
بابرکت ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں (دارین کی) سلطنت ہے اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝١ نِ الَّذِيْ
ہر چیز پر قادر ہے جس نے

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ
موت اور زندگی بنائی تاکہ تمہیں آزمائے

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ
کہ تم میں کس کے اچھے کام ہیں اور وہ (بڑا) زبردست

الْغَفُوْرُ ۝٢ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
(اور) بخشنے والا ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے

طِبَاقًا ط مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ
بنا دیے (اے نظر کرنے والو) رحمٰن کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں

مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ
کوئی فرق دیکھا؟ تو پھر نگاہ دوڑا کیا

تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝٣ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ
تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے پھر دوبارہ

كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا
دیکھ (حاصل یہ) ہوگا کہ تیری نگاہ تھک کر اور خیرہ ہو کر

وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝٤
تیری طرف لوٹ آئے گی

ترکیب

تبارک تفاعل من البرکۃ وہی النماء والزیادۃ حسیۃ کانت او عقلیۃ وکثرۃ الخیر ودوامہ ایضا وصیغۃ التفاعل للمبالغۃ فی ذلک الملک مبتدا بیدہ خبر والجملۃ صلۃ الذی وہو فاعل تبارک وھو علی کل شئ قدیر الجملۃ معطوفۃ علی الصلۃ مقررۃ لمضمونہا لیبلوکم واللام متعلقۃ بخلق ایکم مبتدا احسن عملا خبرہ والجملۃ واقعۃ موقع المفعول ثانیا لفعل البلویٰ المتضمن معنی العلم الذی خلق سبع سمٰوٰت قیل ہو نعت للعزیز الغفور او بیان او بدل والاوجہ انہ نصب او رفع علی المدح متعلق بالموصولین السابقین معنی وان کان منقطعا عنہما اعرابا طباقا صفۃ سبع سمٰوٰت ای مطابقۃ علی انہ مصدر وصف بہ المفعول او مصدر موکد لمحذوف ہو صفتہا ای طوبقت طباقا۔ او ذات طباق جمع طبق کجبل وجبال او طبقۃ کرجبۃ ورحاب ما تریٰ صفۃ اخری لسبع سمٰوات ذو فریٰ تفوت ومعناہما واحد کرتین مصدر ای رجعتین والمراد بالتثنیۃ التکریر والتکثیر کما فی لبیک وسعدیک ینقلب مجزوم لکونہ جواب الامر خاسئا بعیدا عن اصابۃ المطلوب کانہ طرد عنہ طردا بالصغار۔ حال من البصر وھو حسیر حال فعیل بمعنی فاعل من الحسر وہو الاعیاء۔ یقال حسر بصرہ یحسر حسورا ای کل وانقطع وبلغ الغایۃ فی الاعیاء۔

تفسیر

اس سورت کا نام سورۂ تبارک اور واقیہ اور منجیہ ہے۔ تبارک اس لیے کہ یہ لفظ اس کے اول میں ہے اور اس کے پڑھنے اور عمل کرنے والے کو برکت حاصل ہوتی ہے۔ واقیہ اور منجیہ اس لیے کہ اپنے پڑھنے والے کو ضلالت سے دنیا میں، عذاب سے آخرت میں بچاتی اور نجات دیتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں تیس ۳۰ آیت ہیں جنہوں نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ وہ بخشا گیا وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ) ابن عباسؓ فرماتے ہیں بعض صحابہؓ نے ایک قبر پر خیمہ قائم کیا اور اسے معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے وہاں ایک آدمی کو سنا کہ تبارک الذی پڑھتا ہے یہاں تک کہ اس کو تمام کیا، تب اس صحابی نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپؐ نے فرمایا یہ سورہ مانعہ ہے یہ منجیہ ہے اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے (رواہ الترمذی) جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک کہ الم تنزیل و تبارک الذی بیدہ الملک تمام نہ کر لیتے تھے۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

رحمانیات ربانیات

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی اس کے بعد سورۂ حاقہ و سورۂ معارج نازل ہوئی۔ مگر حسن بصریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ لیکن کلام کا طرز کہے دیتا ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی اور یہ سورت رحمانیات سے ہے کہ بجائے اسم ذات کے اسم رحمٰن اس میں مستعمل ہے اور دیگر سورتیں کہ ان میں اسم رب کا استعمال ہے ان کو ربانیات کہتے ہیں۔

ربط اس سورت کا اس سے پہلے سورۂ تحریم سے متعدد وجوہ سے ہے جو تامل کرنے سے واضح ہوسکتی ہیں ازاں جملہ یہ کہ پہلی سورت میں آداب و شرائط مرد و عورت کے مذکور تھے کہ عورت کو مرد کی مخالفت نہ کرنی

چاہیے اور مرد کو لازم ہے کہ اہل وعیال کو معاصی سے روکے اور ان سے لڑ کر یا ان کی رضامندی کے لیے احکام الٰہی میں کوتاہی نہ کرے۔

لو تحرم ما احل اللہ ۔ اس سورت میں لوازم وآداب خدائی مذکور ہیں۔ وہاں ایک گھر کی ریاست مذکور تھی یہاں تمام عالم کی جہان داری مسطور ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ اس سورت میں مرد وعورت کی خانہ داری مذکور تھی اور یہ بھی کہ باوجودے کہ مرد گھر بناتا ہے اور عورت کے لیے رزق وآسائش کا سامان کرتا ہے مگر پھر بھی وہ ذرا سی خلافِ طبع بات پر بگڑ بیٹھتی ہے اور مرد کو اس کے فرائضِ منصبی کے ترک کرنے پر مجبور کرتی ہے، اس سورت میں یہ بتلایا گیا کہ خدا تعالیٰ بادشاہِ حقیقی ہے موت وحیات کا مالک ہے، دنیا کا گھر آسمان و زمین اسی نے بنائے، اس گھر کو قندیلوں سے آراستہ کیا، رزق وروزی کے سامان پیدا کیے، دارِ آخرت کا رستہ بتانے والے ہادی بھیجے، اور پھر ہر طرح سے اس کا قبضہ وقدرت ہے مگر اس کے بندے اس کی کیا کیا نافرمانی کرتے ہیں، اس کی خدائی میں اوروں کو حصہ دار ٹھیراتے ہیں۔ مگر وہ دنیا میں اس پر بھی کسی کے رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا، وغیرہ کرتا ہے۔ اس میں بالا دستوں کو تعلیم ہے کہ زیردستوں پر رحم کیا کریں اور اپنے بالادست کی نافرمانی سے باز آئیں، ورنہ ایک دوسرے جہان میں جہنم کے قید خانے میں سزا بھگتنی پڑے گی، اور اس مخالفت ونافرمانی سے اس کی بادشاہت میں کوئی بھی قصور نہیں آتا۔

ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں کی زیادہ توجہ ان چند مسائل کی طرف ہے:۔

اول خدا تعالیٰ کی توحید وصفات کا مسئلہ۔

دوم دارِ آخرت کا مسئلہ کہ وہ ایک جہان ہے جہاں جا کر برے بھلے کاموں کی جزا وسزا پانی ضرور ہے۔

سوم نبوت کا مسئلہ کہ اس نے دنیا میں بندوں کی رہ نمائی کے لیے وقتاً فوقتاً حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں۔

چہارم اصلاحِ معاش کا مسئلہ کہ دنیا میں ایسا کرنا چاہیے من جملہ ان کے حقوقِ زوجیت وخانہ داری کے طریقے بھی ہیں۔

قرآن مجید میں کمال یہ ہے کہ ان مسائل کو مختلف عنوان اور نئے نئے اسلوب سے موٹی موٹی نظیروں اور عام محاوروں اور مشہور قصوں اور لوگوں کے مسلّمہ واقعات اور ذہن میں بیٹھے ہوئے علوم وخیالات میں بیان کرتا جاتا ہے جس سے عالم وجاہل اپنے اپنے مذاق کے موافق لطف حاصل کرتے ہیں۔

سورۂ تحریم میں ابتداء مسئلہ معاش سے تھی اور بعد میں اور مسائل بھی ضمناً بیان ہوئے تھے۔ اس سورت میں ابتداء مسئلہ مبدء حق سبحانہ کی ذات وصفات سے کی گئی اور اس کے بعد اور مسائل بھی بیان کیے گئے اور معاد کے مسئلہ کا بھی ثبوت پیش کیا گیا تاکہ اس بادشاہِ حقیقی سے ڈر کر ہر کوئی مسئلہ معاش کے قوانین اور دستورات کی پابندی کرے۔ اس کے اور بھی وجوہ ہیں:۔

فقال تبارک الذی بیدہ الملک بڑا بابرکت ہے وہ جس کے قبضہ میں ملک ہے۔ برکت خیر کثیر وافزائش ودوام مبارک جس میں یہ برکت ہو۔ دنیا میں جس کے پاس مال واولاد زیادہ ہو اس کو کہتے ہیں "اس کے مال واولاد میں برکت ہے" اور جو یہ چیزیں جلد جاتی رہیں تو کہتے ہیں "اس کے مال واولاد میں برکت نہ ہوئی"۔ اور اگر ہر ہر چیز اپنے موقع پر کام آئے تو اس میں بھی برکت کا لفظ مستعمل

ہوتا ہے، فضول خرچی سے جو مال اُڑ جائے تو کہتے ہیں "برکت نہ ہوئی" یا بے موقع صرف ہو تب بھی کہتے ہیں "برکت نہ ہوئی"۔ انہیں لحاظ سے علم کی برکت اور عمر کی برکت ہے۔ خیر کثیر اور موقع پر استعمال اور مثمر بنتائج ہونا اور دوام یہ چار باتیں برکت کے معنی میں ملحوظ ہیں۔ جو شخص اس جہان زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہو اور جس نے دنیا میں طرح طرح کی مخلوق پیدا کی ہو اور پھر ہر ایک کی روزی رزق اور ان کے سامان عطا کرتا ہو اس سے زیادہ بابرکت کون ہے کہ اس قدر صرف کرنے پر بھی اس کے ہاں کمی نہیں، اس لیے لفظ تبارک فرمایا گیا جس کے معنی ہیں زیادہ برکت والا۔ الذی بیدہ الملک گویا تبارک کے دعویٰ پر ایک واضح دلیل ہے۔ مُلک عالم محسوسات آسمان و زمین حجر و شجر انسان و اشجار و احجار یعنی عالم اجسام۔ ملک جب اس کے ہاتھ یعنی قبضہ میں ہے تو اس کے بابرکت ہونے میں کلام ہے اور اسی لیے تبٰرک اللہ یا تبٰرک الرحمٰن نہ فرمایا ورنہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا عالم ملک کو جب تصور کیا جائے اور ذرہ سے لے کر آفتاب تک جو کچھ اس کے فیضان و انعامات کے دریا رواں ہیں اور پھر ہر روز ترکیبات نادرہ و اوضاع عجیبہ امکان سے فعلیت کے مرتبہ میں ظاہر ہو رہے ہیں ان کو بھی خیال کیا جائے تو بے اختیار دل کو اس کی طرف کشش پیدا ہو اور روح پکار اٹھے کہ تو ہی تو ہی تو ہی ہے تو ہی!

عالم ملک کے لیے بہ لحاظ فیض رسانی لفظ تبٰرک مناسب ہے جیسا کہ عالم ملکوت کے لیے (جو نفس ناطقہ سے لے کر قلم اعلیٰ تک ہے یعنی عالم ارواح) باعتبار تنزیہ و تقدیس کے جو روحانی عالم کے لیے مناسب ہے لفظ تسبیح زیبا ہے چنانچہ سورہ یٰسٓ کے اخیر میں فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شئ فرمایا۔ وہاں تبٰرک الذی بیدہ ملکوت کل شئ نہ کہا بیدہ الملک میں اس طرف وہم جا سکتا تھا کہ موجودہ عالم اجسام پر اس کی بادشاہی ہے، اس سے بڑھ کر اور قدرت اس میں نہیں، اس لیے ترقی دی گئی وھو علیٰ کل شئ قدیر کہ وہ ہر شئے پر قادر ہے ایسے ایسے اور سیکڑوں عالم پیدا کر سکتا ہے، اس عالم کو فنا کر سکتا ہے، اس میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے، جہاں تک تمہارے فہم کو بھی رسائی نہیں وہاں تک بلکہ اس سے بھی پرے تک اس کی قدرت کا جھنڈا قائم ہے۔

شئے

شئے کے لفظ میں علماء نے بہت کلام کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں لفظ کے لحاظ سے شئے ممکن کو کہتے ہیں جس سے واجب اور ممتنع خارج ہیں، اس لیے اس کو اپنی ذات پر قادر مان کر یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنی صفات کو نیست کر سکتا ہے غلط خیال ہے کس لیے کہ وہ اور اس کی صفات واجب ہیں ممکن نہیں اور ممکن نہیں تو شئے کا اطلاق بھی ان پر جائز نہیں اسی طرح محالات عقلیہ بھی کہ اپنے جیسا دوسرا بھی پیدا کر سکتا ہے وغیرہ قدرت کے تحت میں نہیں اس لیے کہ ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت ہی نہیں اس کی قدرت میں کوئی قصور نہیں۔

بعض کہتے ہیں شئے موجود کو کہتے ہیں جس میں ممکن اور واجب دونوں شریک ہیں نہ کہ ممتنع۔ پھر ان اصول پر علماء کلام نے بہت سی تفریعات قائم کی ہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کسی کی کیا قدرت ہوگی کہ عالم وجود (جس میں فلک و ملکوت ہیں) اور عالم عدم دونوں اسی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے فرماتا ہے الذی خلق الموت والحیٰوۃ کہ اس نے موت یعنی عالم عدم اور حیات یعنی عالم وجود بنایا۔ یا یوں کہو اس نے اپنی برکت کا اظہار دو جملوں میں کیا۔ اول الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شئ قدیر جس سے تمام نعمتوں کی طرف اشارہ تھا۔ دوسرا جملہ الذی خلق الموت والحیٰوۃ ہے۔ اس میں عالم

آخرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے، موت سے مراد دنیا کی موت اور حیات سے مراد حشر کے دن کی حیات۔ گویا ایک جملہ میں اِس جہان کی بادشاہت کا ثبوت تھا تو دوسرے میں اُس جہانِ باقی کی بادشاہت کی طرف ایمار ہے۔

پھر جو دونوں جہان کا بادشاہ ہو اس سے زیادہ کون مبارک ہے؟ اس لیے ہر حال میں اس کی طرف ملتجی ہونا چاہیے۔ اس تقدیر پر موت کا مقدم کرنا اور حیات کا مؤخر کرنا بھی ہر ایک کی تقدیم و تاخیرِ ذاتی پر مبنی ہے کس لیے کہ دنیا کی موت اول ہوتی ہے پھر آخرت کی زندگی ہوگی۔ یا یوں کہو کہ من جملہ ظہورِ برکاتِ الٰہیہ کے ایک برکت انسان کو اپنا مظہر بنا کر علم و ادراک سے مزیّن کرنا اور خلافت کی کرسی پر بٹھانا ہے مگر پوری برکت یہ ہے کہ عالمِ باقی کے لیے نیک کاموں پر بھی اس کو آمادہ کر دینا چاہیے اس لیے برے کاموں سے روکنے والی اور نیک کاموں پر آمادہ کرنے والی چیز کو ذکر کیا کہ اس نے موت اور زندگی بنائی۔

دنیا کی زندگی مراد لی جائے تو موت کو اس لیے مقدم کیا کہ موت کو خیال کرتا رہے اور اس چند روزہ زندگی کو ہیچ سمجھے۔ دوم یہ کہ اس جہان میں ذاتی اور حیات عارضی ہے اور ذاتی عارضی پر مقدم ہوتا ہے۔

اور اگر موت سے مراد وہ حالت لی جائے جو نطفہ میں تھی یعنی انسان جس وقت نطفہ تھا تو بھی موت مقدم ہے۔ حیات تو نعمت ہی ہے مگر دنیا میں موت بھی اس کے برکات کا مظہر ہے کس لیے کہ اگر موت نہ ہو اول تو یہ قویٰ جسمانیہ سو دو سو برس کے بعد بلکہ اس سے پہلے بے کار ہو جائیں اور زندگی وبال ہو جائے۔ دوم دنیا میں بہت لوگوں کی موت اور دوسروں کے لیے راحت ہوتی ہے۔ سوم دارِ آخرت کی زندگی اس کڑوے پھل کے کھانے پر موقوف ہے ہر ایک کو اس پُل سے گزرنا ہے اور عالمِ جاودانی میں جانا اور نیک و

بد اعمال کی سزا و جزا پانا ہے۔

اس لیے فرماتا ہے لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ کس کے اچھے عمل ہیں؟ یہ دنیا ایک کھیت ہے جس نے نیک کاموں کا تخم بویا ہے وہ اس جہان میں اس کے عمدہ پھل پائے گا، برکت حاصل کرے گا۔ حُسنِ عمل کی تفسیر بعض روایات میں یوں آئی ہے۔ احسن عقلا واورع عن محارم اللّٰہ واسرع فی طاعۃ اللّٰہ۔ کہ عقل عمدہ پیدا کرے کس لیے کہ تمام دینیات کا اعتبار و مدارِ عقل پر ہے عاقل بہت جلد عبرت حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے بعد خدا کی ممنوع چیزوں سے اور ممنوع کاموں سے بچے اور اس کی اطاعت میں جلدی کرے غفلت اور آج کل میں اس عمرِ گراں مایہ کو نہ گزارے۔

ایک بات قابلِ بحث یہ باقی ہے کہ موت زوالِ حیات کا نام ہے۔ پھر اس کے پیدا کرنے کے کیا معنی؟

جواب (۱) موت و حیات میں مقابلہ ہے تقابلِ عدم و ملکہ کا۔ کس لیے کہ موت اس کے حس و حرکات کا زوال ہے کہ جس میں اس حس و ادراک کی صلاحیت ہو اس لیے لکڑی پتھر کو مردہ یا زندہ نہیں کہتے۔ اور عدمِ ملکہ عدمِ محض نہیں۔ بلکہ اس میں وجود کا شائبہ ہے اس لیے اس کا مخلوق ہونا بعید از قیاس نہیں۔

(۲) بعض روایات سے ثابت ہے کہ عالمِ مثالی میں موت و حیات وجودی چیزیں ہیں موت کو اُس عالم میں ابلق مینڈھے سے مشابہت ہے اور حیات کو ابلق گھوڑے سے اس لیے ان پر خلق کا لفظ استعمال کرنا درست ہے۔ لیکن بعض علماء نے خلق کو بمعنی جعل قرار دیا کہ موت اور زندگی بنائی۔

سوال لیبلو حق سبحانہ کی نسبت کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ کس لیے کہ اس کو ہر چیز کا علم ازلی ہے اس کو آزمائش کی

ضرورت کیا ہے؟۔

علمِ اجمالی و تفصیلی

جواب۔ علم کی دو قسم ہیں۔ ایک اجمالی، یعنی اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے۔ دوم تفصیلی، یعنی اشیاء کے پیدا ہونے کے بعد۔ علمِ تفصیلی میں حق سبحانہ کو علمِ اجمالی سے کوئی زیادہ بات معلوم نہیں ہوتی، دونوں کا یکساں انکشاف ہوتا ہے، اس جگہ مراد علمِ تفصیلی ہے اور وہی بندوں پر الزام واکرام کے لیے حجت وسند ہے۔

بندوں کے اعمال دو قسم کے ہیں۔ بد یا نیک۔ ان کے وقوع ہونے کے بعد خدا کی طرف سے دو ہی باتیں پیش آتی ہیں یا پوری سزا و جزا۔ نیک اعمال کا عمدہ بدلہ، جنت۔ برے اعمال کی سزا جہنم، یا درگزر اور بخشش۔ اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرمادیا وھو العزیز کہ وہ زبردست ہے ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے نیک کاموں کا بدلہ بھی دے سکتا ہے، برے کاموں کی سزا بھی دے سکتا ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اس میں پہلی بات کی طرف اشارہ ہے۔

الغفور وہ معاف کرنے والا بھی ہے اس میں دوسری بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز شایانِ شاہی بھی، یہ دونوں وصف ہیں، بادشاہ میں اگر قدرت و شوکت نہیں تو بھی اس کی بادشاہت میں نقص ہے۔ اور اگر بخشش و عطا نہیں تو بھی اس کی سلطنت اور اس کی برکت میں کمی ہے۔

تبٰرک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر تک مسئلہ توحید و اثبات صفاتِ باری کا ثبوت تھا اور الذی خلق الموت والحیٰوۃ پہلے مسئلہ کا تتمہ اور دوسرے مسئلہ معاد کی تمہید ہے۔ لیبلوکم ایکم احسن عملاً وھو العزیز الغفور میں مسئلہ معاد کا بیان ہے۔ اور دونوں مسئلوں میں تقدیم و تاخیر ایک عجب لطف دے رہا ہے۔ کس لیے کہ انسان جب تک خدائے قادر اور اس کی صفاتِ شاہنشاہی وغیرہ کا قائل نہ ہوگا مرنے کے بعد یا دنیا میں نیک و بد کاموں کی سزا و جزا کا بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ اور یہی اعتقاد انسان کو راستی نیکوکاری، بر واحسان کی طرف محرک اور بری باتوں سے مانع ہے۔

چوں کہ مسئلہ توحید ایک ایسے بیان سے ثابت کیا کہ جس کو عقولِ عالیہ بخوبی سمجھ سکتی ہیں مگر عقولِ سافلہ و متوسطہ بغیر کسی نظیر و شاہد کے جو اس کی شاہنشاہی اور قدرتِ کاملہ کی واضح دلیل ہو اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکتی تھی اور سمجھانا ہر فریق کا مقصود تھا اس لیے اس کے بعد شواہد و دلائل پیش کرتا ہے:۔

پہلا شاہد

فقال الذی خلق سبع سمٰوٰت طباقاً وہ کہ جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے۔ عالمِ ملک میں آسمانوں اور ان کے ستاروں سے بڑھ کر کوئی بڑی چیز نہیں آفتاب ماہتاب زحل مشتری مریخ زہرہ عطارد اس قدر بڑے اجسام ہیں کہ زمین سے لاکھوں اور ہزاروں حصے زیادہ ہیں پھر ان میں نور اور عجائبات رکھے ہوئے ہیں جن کے آگے زمین کے عجائب و مخلوقات کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ ان ساتوں کے سوا جو ایک کے اوپر دوسرا ہے اور سیکڑوں ثوابت اور بعض ستارے ہیں جو زمین سے کروڑوں حصے بڑھ کر ہیں یہ کس نے بنائے؟ یہ از خود نہیں بن گئے کس لیے کہ اجرام علویہ کا مادہ یکساں ہے اور ہر ایک کا مقتضیٰ طبعی برابر ہے، پھر ان کو اوپر تلے اور بڑا چھوٹا کس نے کر دیا از خود ہوتے تو یکساں ہوتے طباقاً کے لفظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ جب ان

ستاروں کی یہ کیفیت ہے تو ان آسمانوں کی وسعت کا کیا ٹھکانا ہے جن میں یہ ہیں اور حرکت کرتے پھرتے ہیں۔

حال کا فلسفہ سات آسمانوں کا قائل نہیں وہ ان بلند سات ستاروں کو سبع سمٰوات کا مصداق سمجھتے ہیں۔ مگر توریت سفر الخلیقہ کے اول باب اور دیگر مقامات پر بھی آسمانوں کا بنانا مذکور ہے۔ پاک کتابیں اور اگلے حکیم سب اس کی شہادت دے رہے ہیں۔

ان ستاروں کی ایسی تیز حرکت کہ منٹوں میں سیکڑوں کوس کا فاصلہ طے کر جاتے ہیں پھر باہم ٹکراتے نہیں پاتے ہر ایک اپنے مدار پر دورہ کر رہا ہے۔ یہ اسی بادشاہ ذوالجلال قادر کا کام ہے نہ طبائع اجرام علویہ کا نہ کسی اور کا پھر ان کی شعاعوں سے جو کچھ تاثیرات زمین پر ہوتی ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔

دوسرا شاہد

اس کے بعد دوسرا شاہد اس محکم عمارت کی استواری ہے۔ فقال ماتریٰ فی خلق الرحمٰن من تفٰوت اے نظر کرنے والے تو رحمٰن کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں (جو بڑا بابرکت اور بادشاہ اور قادر ہے) کوئی فرق نہیں دیکھے گا۔

قدرت نے اپنی کاری گری میں کہیں فرق نہیں کیا ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات نباتات عناصر اجرام علویہ سبع سمٰوات اور نیرات تک یکساں کاری گری کی ہے یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے بنایا اور بعض کو یوں ہی کیف ما اتفق بے سوچے سمجھے یا بے کار و فضول بنا دیا ہے۔ صرف انسان کے اعضا کا تناسب اور حسنِ ترتیب عقل کو حیرت میں ڈالنے والی چیز ہے کسی درخت کے پتے یا پھول کو ہاتھ میں لے کر دیکھے گا تو آپ بول اٹھے گا کہ سبحان اللہ تیری صنعت، یہ ہیں ماتریٰ فی خلق الرحمٰن من تفٰوت کے معنی۔ یہ مراد نہیں کہ مخلوقات میں باعتبار ان کی جسامت اور رنگت اور تاثیر کے کوئی فرق نہیں کیوں کہ اگر ایسا ہو تو شبہ ہو جائے کہ یہ طبیعتِ اجسام کا یکساں فعل ہے اور نیز کارخانۂ دنیا میں انتظام نہ رہے۔

فارجع البصر ھل تریٰ من فطور۔ اگر ایک بار دیکھنے میں شبہ باقی رہ جائے تو پھر دیکھ تجھ کو کوئی اس کی صنعت میں فطور بھی دکھائی دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فطور فطر کی جمع ہے اور فطر کے معنی درز یا دراڑ کے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں اس کے معنی خلل کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی کچھ منقول ہے۔ سدّی کہتے ہیں فطور کے معنی خروق ہیں، شگاف کے لحاظ سے یہ دیکھنا آسمانوں اور ستاروں کے لیے زیادہ چسپاں ہیں۔

سوال۔ احادیثِ صحیحہ و آیاتِ قرآنیہ سے آسمانوں میں دروازے ثابت ہیں ابواب السماء کا لفظ آیا ہے پھر فطور تو پایا گیا۔

جواب کسی چھت یا مکانِ مرتفع میں کھڑکی یا دروازہ جو ہوتا ہے تو کاری گر کے ارادہ اور صنعت سے ہوتا ہے اس کو فطور نہیں کہتے۔ فطور دراڑ یا درز وہ ہے جو کاری گر کی صنعت میں قصور ہونے سے اس کے ارادے بغیر ہو جائے یہی اس عمارت کا نقص ہے۔ اس کے بعد بھی اگر شبہ رہ جائے تو ثم ارجع البصر کرتین پھر دوبارہ نگاہ کر۔

سوال۔ یہ نگاہ دوبارہ نہ ہو گی بلکہ تیسری بار کے لیے کہ دوبار اس سے پہلے نظر کر چکا پھر کرتین کا لفظ کیوں کر صحیح ہو گا جو کرۃ جو بمعنی بار کا تثنیہ ہے۔

جواب تثنیہ سے مراد کثرت ہے جس کے معنی ہوں گے بار بار دیکھ یعنی کئی بار نظر کر کہ شبہ نہ رہے اور عرب کی زبان میں تثنیہ کثرت کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ لبیک وسعدیک حنانیک وہذا ذیک۔

ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر کوئی عیب
وخلل دکھائی نہ دے گا، بلکہ نگاہ دیکھتے دیکھتے تھک جائیگی۔
پھر کر آئے گی تیری طرف تیری نگاہ خیرہ اور ماندہ ہو کر۔ خاسئا
مبعدًا من قولک خسأت الکلب اذا باعدتہ۔ مبرد کہتے
ہیں خاسئ کے معنی ہیں دھتکارا ہوا، ذلیل۔ ابن عباس رض کہتے
ہیں خاسئ وہ ہے جو اپنے مقصود کو نہ دیکھے۔ (حسیرا) یہ حسر
العین بعد المرئی سے مفعول بھی ہو سکتا ہے اور حسور تکان کے
معنی سے فاعل بھی ہو سکتا ہے۔ بہت دیر تک جب کسی چیز
کو دیکھا جاتا ہے تو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور اندھیرا سا ہو جاتا
ہے نگاہ جو اس شئے پر تھی ایسی حالت میں وہاں سے لوٹ
آتی اور چندھیا جاتی ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (تاروں کی) قندیلوں سے آراستہ کر رکھا ہے

وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَ

اور ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا رکھا ہے اور

أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ⑤

ان کے لیے آتشی عذاب بھی تیار کر رکھا ہے

ترکیب

الدنیا من الدنو بمعنی القرب فہی صفۃ للسماء ای القربیٰ
الی الارض من بقیۃ السماوات وہی التی یراہا الناس مصابیح
جمع مصباح اراد بہا الکواکب لانہا تضئ کاضاءۃ السرج
ففی الکلام استعارۃ تصریحیۃ لان حقیقۃ المصابیح السرج۔
والباء یتعلق بزینا وجعلنا عطف علی زینا رجوما مفعول
ثان لجعلنا والرجوم جمع رجم بالفتح وہو مصدر یراد بہ
المرجوم والضمیر المنصوب فی جعلناہا الی المصابیح واللام
فی للشیطین تتعلق بجعلنا وقیل برجوما واعتدنا عطف
علی زینا السعیر قال مبرد سعرت النار فہی مسعورۃ وسعیر
کقولک مقبولۃ وقبیل۔

تفسیر

تیسرا شاہد

ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح کہ ہم نے نیچے کے
آسمان کو (یعنی ساتوں آسمانوں میں جو سب سے نیچے ہے اور
جو ہم کو دکھائی دیتا ہے) ستاروں کے چراغوں سے رونق
دی۔ جب رات کو دیکھتے ہیں تو ہزاروں قندیلیں نظر آتی
ہیں آسمان پر جگمگاہٹ دکھائی دیتی ہے۔ اہل ہیئت نے
ثابت کیا ہے کہ وہ تارے جو از خود حرکت نہیں کرتے
ان کو ثوابت کہتے ہیں، آٹھویں آسمان پر ہیں، اور سات
ستارے چاند سورج عطارد مریخ زہرہ مشتری زحل
جو حرکت خود بھی کرتے ہیں ان میں سے صرف چاند تو اول
آسمان پر ہے جس کو سب سے نیچے کا آسمان اور السماء الدنیا
کہتے ہیں، باقی اوپر کے آسمانوں میں ہیں۔ مگر آسمان صاف
اور شفاف ہیں اس لیے اوپر کے آسمانوں کے ستارے
اور ثوابت بھی اسی آسمان پر دکھائی دیتے ہیں جس طرح پانچ
چھے آئینے اوپر تلے دھرے ہوں اور اوپر کے آئینوں میں
نقش و نگار ہوں وہ سب نیچے کے آئینے میں معلوم
ہوتے ہیں۔

اب غور کرو کہ ان ثوابت و سیارات کا ایسا طلوع
و غروب اور ایسے مواقع پر ہونا یہ بھی اس حکیم و قادر کا فعل
ہے جس نے ان میں روشنی عطا کی۔ نئی ہیئت والوں کے
نزدیک یہ ثوابت و سیارات ابعاد مختلفہ پر دورہ کرتے
ہیں اور جو بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں وہ بہت دور
ہیں گو فی نفسہ وہ زمین سے سیکڑوں حصے بڑے ہیں اور
بعض ایسے دور ہیں کہ دکھائی ہی نہیں دیتے اور یہ فضا جس
میں دورہ کر رہے ہیں آسمان ہے اور ہر ستارے کے لحاظ سے

فضاء کی وسعت ہے، ستارے مشہور ہمیشہ سے سات ہیں اس لیے ان ساتوں فضاء کو سبع سماوات کہتے ہیں گو حال میں اور بھی ستارے ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس فضاء کا شب میں مختلف قندیلوں سے مزین نظر آنا بہت قوی دلیل آثار قدرت و حکمت پر ہے۔

چوتھا شاہد

وجعلنٰھا رجوما للشیٰطین کہ ہم نے تاروں کو شیاطین کے پھینک مارنے کے لیے بھی تیار کر رکھا ہے[1] احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ شیاطین اسرار آسمانی سننے کے لیے اوپر چڑھا کرتے ہیں فرشتے ان کو انگاروں سے مارتے ہیں۔ رات کو جو تارہ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ بھی رجوم ہیں۔

سورۂ صٰفّٰت میں بھی آیا ہے انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب وحفظا من کل شیطٰن مارد لا یسمعون الی الملا الاعلیٰ ویقذفون من کل جانب دحورا ولھم عذاب واصب الا من خطف الخطفۃ فاتبعہ شھاب ثاقب۔ جعلنٰھا کی ضمیر جنس مصابیح کی طرف راجع ہے نہ کہ عین مصابیح کی طرف کس لیے کہ شیاطین پر وہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں (ابن کثیر)

لفظ مصابیح یا کواکب یا نجوم ان ستاروں پر بھی مستعمل ہوتا ہے جو آسمانوں پر ہیں اور ان ادخنہ[2] پر بھی جو رات کو ٹوٹتے ہیں۔ یہ جنس ہے اس کے بعض افراد زینت کا کام دیتے ہیں اور بعض سے شیاطین مارے جاتے ہیں نہ یہ کہ وہ خاص ستارے جو آسمانوں پر ہیں شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ زمین سے جو ادخنہ اٹھ کر اوپر جاتے ہیں اور کرۂ نار کے قریب پہنچتے ہیں تو ان میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ جلتے ہوئے انار کی طرح چھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ گو علت یہ نہ ہو مگر اس سے کام یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔

حال کی تحقیقات سے دُم دار ستارے اور دیگر چھوٹنے والے ستارے ادخنہ ثابت نہیں ہوئے بلکہ وہ بھی ایک خاص ستارے اور خاص مادے ہیں اور لوگوں نے بھی بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ جب کبھی یہ تارے ٹوٹتے ہیں تو سیدھے زمین کی طرف نہیں آتے جو ان کا حیز طبعی تھا بلکہ اِدھر اُدھر ایسے جاتے ہیں جیسا کہ کسی نے پھینک کر مارا ہو۔ شیاطین کا وجود اور اسرار سماوات کے سننے کے لیے اوپر جانا کئی بار ہم ثابت کر چکے ہیں مقدمہ دیکھو۔

یہ شیاطین کی دنیا میں سزا ہے آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے یہ شاہد بھی اس کی شاہنشاہی پر دال ہے کہ مفسدوں کے لیے کیسے توپ گولے تیار کر رکھے ہیں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ

اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے

[1] بعض مفسرین نے وجعلنٰھا رجوما للشیٰطین کے یہ بھی معنی بیان کیے ہیں کہ ان ستاروں سے شیاطین یعنی منجمین مارے جاتے ہیں کہ ان کی تاثیرات سے احکام لگاتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اوروں کو بھی گمراہی میں ڈالتے ہیں ان کے لیے ہم نے عذاب آتش تیار کر رکھا ہے ۱۲ منہ

[2] ادخنہ جمع دخان کی، یعنی دھواں، بخارات۔

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٦﴾ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا
اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے — جب اس میں ڈالے جائیں گے
سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ﴿٧﴾
تو اس کے شور کی آواز سنیں گے — اور وہ جوش مارتی ہوگی
تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا
(اور) جوش کے مارے پھٹی پڑتی ہوگی — جب اس میں
أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا
ایک گروہ ڈالا جائے گا — تو ان سے اس کے داروغہ پوچھیں گے
أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾ قَالُوا بَلَىٰ
کیا تمہارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ — وہ کہیں گے ہاں
قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَ
بے شک ہمارے پاس نذیر تو آیا تھا — پھر ہم نے جھٹلا دیا — اور
قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ
کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔
أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَ
تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو — اور
قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا
(فرشتوں سے) کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو
كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا
کاہے کو دوزخیوں میں سے ہوتے — پھر وہ اپنے
بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾
گناہوں کا اقرار کریں گے سو پھٹکار ہے — دوزخیوں پر

ترکیب

عذاب جهنم مبتدا، وللذين كفروا خبر مقدم وقرئ عذاب بالنصب على انه عطف على عذاب السعير وللذين على لهم شهيقا منصوب على انه مفعول سمعوا لها في محل النصب على الحال اى كائنا لها وهى تفور الجملة حال من الضمير فى فيها تكاد الخ الجملة اما حال من فاعل تفور او خبر آخر كلما القى استيناف مسوق لبيان حال اهلها بعد بيان حال نفسها وقيل حال من ضميرها بلى كان يكفى فى الجواب ولكن جاؤا بالجملة المجاب بها مبالغة فى الاعتراف قد جاءنا الخ فسحقا قرئ الجمهور باسكان الحاء وقرئ بضمها وهما لغتان مثل الرعب منصوب قال الزجاج وابو على الفارسى منصوب على المصدر اى سحقهم الله سحقا وكان القياس اسحاقا فجاء المصدر على الحذف واسحق البعد۔

تفسیر

ان شواہد کے بعد پھر مسئلہ معاد کو شروع کرتا ہے اور اس کے لیے مناسبت یہ تھی کہ شیاطین کے لیے عذاب السعیر تیار کرنا فرمایا تھا اس مناسبت سے شیاطین کے سوا اور جس قدر کفار و مشرکین ہیں ان کا بھی انجام کار بیان فرماتا ہے:۔ فقال وللذین کفروا بربھم عذاب جھنم کہ ان کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا جہنم کا عذاب ہے جو بری جگہ ہے۔

رب کا لفظ مربی اور محسن کے ہم معنی ہے پھر دیکھیے جو اپنے مربی و محسن کا انکار کرے اس کے لیے عذاب جہنم نہ ہو تو اور کیا ہو۔ اس لفظ نے عجب لطف پیدا کر دیا۔ انکار کرنا ایک تو یہی معمولی انکار ہے کہ اس کے رسول کو

ف کلما القی فیہا فوج، اس سے معلوم ہوا کہ تمام دوزخی ایک بار دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ ہر ایک گروہ اور فرقہ ایک ملک کے یا ایک خاندان کے یا ایک مذہب کے یکے بعد دیگر داخل ہوں گے اور ہر ایک گروہ علی حسب مراتب ہر طبقہ میں بند ہوگا اور ان کے شرمندہ کرنے کے لیے ملائکہ یہ سوال کریں گے اور وہ یہ جواب دیں گے

نہیں مانا یا اس کے احکام کو نہ مانا یا صفاتِ توحید و تنزیہ کے خلاف اعتقاد کیا۔ انہیں باتوں کے مرتکب کو کافر کہا جاتا تھا شرک بھی اسی میں آگیا۔ دوسرا سرے سے اس کی ذات کا انکار کرنا جیسا کہ دہریے کہتے ہیں۔ یہ سب لوگ کافر سمجھے جاتے ہیں۔ اور اس کی نعمتوں کی ناشکری اور گلہ گزاری بھی ایک قسم کا کفر یا کفران ہے ایسے لوگوں کے لیے بھی عذاب جہنم ہے گو ابدی نہ ہو۔

اس کے بعد اذا القوا سے لے کر فسحقا لاصحٰب السعیر تک جہنم اور جہنمیوں کے کچھ حالات خوفناک بیان فرماتا ہے:۔

(۱) کہ جب یہ کفار اس میں ڈالے جائیں گے تو بجائے خیر مقدم و مرحبًا واہلًا و سہلاً کے جہنم کی آوازیں سنیں گے جو اس کے جوش سے نکلتی ہوں گی۔ جب آگ زیادہ گرم اور تیز ہوتی ہے تو اس کے شعلوں میں سے ایک مہیب صدا آیا کرتی ہے اسی طرح جہنم کی آواز ہوگی وہ تنور جب زیادہ گرم ہوگا جس کو جوش اور غصہ کرنے اور غصہ سے پھٹے پڑنے کو استعارۃً تعبیر کیا تو اس کی دور دراز سے ہیبت ناک آوازیں آئیں گی العیاذ باللہ۔

(۲) کلما جب جہنم میں ایک گروہ داخل ہوگا تو ان سے جہنم کے داروغہ یعنی فرشتے پوچھیں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی نذیرؔ ڈرانے والا نہیں آیا اور تم کو اس گمراہی سے نہیں روکا جس کے سبب آج اس بلا میں گرفتار ہوئے؟ کفار فرشتوں کے جواب میں کہیں گے بلٰی کیوں نہیں قد جاءنا نذیر بے شک ہمارے پاس نذیر آیا فکذبنا لیکن ہم نے جھٹلا دیا۔

ف ہر نذیر کی تکذیب اسی کے موافق ہے۔ رسول اور کتابوں کی تکذیب ان کو نہ ماننا یا ان کے احکام و ہدایات کو قبول نہ کرنا جیسا کہ کفار کرتے تھے۔ ہائے دنیا میں جو ہادی اصلاح کرنے آیا لوگوں نے پھولوں کی جگہ ان کی راہ میں کانٹے ہی ڈالے یحسرۃً علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون یا ان کے نائبوں حضرات علماء کرام کی تکذیب، ان کو نہ ماننا ان سے تمسخر کرنا ان کی عیب جوئی کرنا ان پر بہتان لگا کر ان کے اعتبار میں فرق ڈالنا وغیرہ۔ نذیر عقل کی تکذیب آیاتِ الٰہیہ و حوادثِ دہر میں غور و تدبر نہ کرنا اور توحید و خداپرستی پر نہ چلنا، رسوم و شہوات میں پڑا رہنا، بت پرستی و بدکاری سے باز نہ آنا۔ عمر کے تبدل، موتِ اقران و انقلاباتِ دہر کے نذیر کی تکذیب، عبرت نہ پکڑنا، عالمِ جاودانی سے غافل رہنا اس ہستی اور فانی جہان کی چیزوں پر مفتون ہونا ہے۔ ہائے افسوس اس نذیر کو ہم کس طرح جھٹلا رہے ہیں۔ بیماری یا مصیبت خدا تعالیٰ کا ایک نذیر آیا تھا اس کے بعد پھر ہم انہیں ظلمات میں مبتلا ہوگئے۔ اقارب و احباب سامنے مرتے ہیں یہ بھی ایک نذیر ہے جو ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا

لہ نذیر خدا رسول اور اس کی کتاب یا اس کے نائب علماء و واعظین۔ اور جہاں کہیں یہ نہ آئیں تو وہاں احکام شرعیہ مواخذہ نہیں وہاں نذیر عقل و فکر اور آیاتِ قدرت میں غور و فکر ہی نذیر ہے جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا حکم دیتا ہے وہاں صرف توحید ہی کافی ہے۔ اور عمر کا تبدل حوادثِ دہر موتِ اقران و امثال بھی خدا کا نذیر ہے جو بندے کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے عالمِ جاودانی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مگر یہ غفلات شہوات کے ایسے گراں تودوں میں دبا ہوا ہے کہ سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔

ہے ؎

تمہیں ہے چلنی عدم کی منزل کہ جس میں کھٹکا قدم قدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

مگر ہم سمجھے ہوئے ہیں کہ یہی مر گئے اور دنیا میں انہی کا نام و نشان مٹ گیا بھلا ہم کب مرنے والے ہیں۔

وقلنا کفار کہیں گے "ہم نے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا ما نزل اللہ من شیٔ کہ خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی نہ کتاب بھیجی نہ احکام نہ حوادث و مصائب یہ تو فلاں سبب سے ہوا اور موت یوں آئی افلاس یوں آگیا تھا، اقبال اس لیے جاتا رہا تھا، بیماری اس وجہ سے ہوگئی تھی یہ امور اسباب پر مبنی تھے خدا نے کیا کیا؟" ان انتم الا فی ضلٰل کبیر اے تم جو نذیر کہلاتے ہو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو تم کہتے ہو خدا نے کتاب بھیجی رسول بھیجا احکام بھیجے۔ اس کو کیا پڑی تھی جو وہ ایسا کرتا؟ تم کہتے ہو گناہوں سے مصیبت آئی وبا زنا سے بھیجی قحط بھیجا بیماری بھیجی اس نے کچھ نہیں بھیجا یہ پرانے خیالات اور جہالت کی باتیں ہیں۔ اول تو خدا ہی کہاں ہے اور ہے بھی تو وہ اس عالم میں کر کیا سکتا ہے؟ یہاں تک کفار کی گفتگو تھی[1] جو دوزخ میں فرشتوں سے بطور اقرار جرم کریں گے۔

ف اگرچہ نذیر واحد ہے مگر ایک نذیر کا بھی وہی مقصد ہے جو دوسرے کا تھا اس لیے انتم جمع کے لفظ سے سب کا انکار تھا۔

ف بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ ان انتم الا فی ضلٰل کبیر دوزخ کے فرشتوں کا ہوگا کفار کی تقریر سن کر کہ اے بدنصیبو! تم بڑی گمراہی میں تھے۔ یا اب بڑی مصیبت میں پڑے رہو۔ مصیبت و عذاب جو ضلالت کے سبب آتا ہے اس پر بھی ضلال کا لفظ مجازاً محاورۂ عرب میں مستعمل ہوتا ہے لیکن اول قول قوی ہے۔

اس کے بعد فرشتے کہیں گے کیا تم نے کسی ناصح کی بات نہ سنی یا تم کو از خود عقل نہ تھی جو خدا کے نذیروں کو جھٹلایا جس کے سبب اس بلا میں پڑے؟ تب کفار کہیں گے لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر کہ اگر ہم کسی ناصح کی بات سنتے یا خود عقل کرتے تو آج کاہے کو دوزخیوں میں ہوتے۔

ف انسان کی فلاح کے دو ہی طریق ہیں۔ اوّل اور آسان یہ کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سن کر مان لے، یہ تقلید کا مرتبہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم یہ کہ خود عقلِ سلیم سے غور و تدبر کرے۔ یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہ ہوں تو اس کے برباد ہونے میں کیا شک ہے؟

ف کفار دنیا میں سنتے تھے عقل بھی رکھتے تھے ہزاروں ایجاد و اختراع کرتے تھے مگر آخرت کے بارے میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں، گویا بہرے اور بے عقل تھے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے فاعترفوا بذنبهم فسحقا لاصحٰب السعیر کہ قیامت میں یا جہنم میں اپنے جرم کا اقرار کیا سو پھٹکار اور لعنت ہے دوزخیوں پر۔ دوزخ میں جا کر اقرار کیا پھر اس کا کیا فائدہ؟ دنیا میں کرتے تو لعنت کے بدلے رحمت ہوتی۔

فوائد

[1] آج کل نئی روشنی والوں اور ان کے مرید فرقۂ آریہ لوگوں کی یہی گفتگو ہے جس کی غلطی کا اقرار ہمارے سامنے کب کر سکتے ہیں وہیں دوزخ کے فرشتوں کے سامنے کریں گے ۱۲ منہ

ف ان آیات میں مسئلہ معاد کی نہایت پُر اثر واقعات کی بیان میں تصویر کھینچی بالخصوص معاد کے متعلق ایک گروہ اشقیاء کا حال اور اس کے ٹھکانے کی ہیبت خیز کیفیت بیان فرمائی اور بئس المصیر کی پوری توضیح کر دی کہ وہ جگہ ایسی ہے کہ آگ کے شعلوں میں سے ہیبت ناک آوازیں سنائی دیں گی اور جہنم غصہ کے مارے پھٹی پڑتی ہوگی اور وہاں دوزخ کے فرشتے جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی رسول نہیں آیا جو تم کو اس مصیبت سے بچنے کی راہ بتاتا۔ اس ضمن میں مسئلہ نبوت کی بھی تصریح کر دی کہ دنیا میں اس کام کے لیے آتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتا اس کو یہ عذاب الیم ہمیشہ کے لیے بھگتنا پڑتا ہے اور یوں حسرت و افسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے اور دانت پیسنے پڑتے ہیں۔ نبی کی تصدیق و اطاعت کے لیے اس سے بڑھ کر مخاطبین کے واسطے اور کوئی بیان پُر اثر ہو نہیں سکتا۔ کلام میں ان مقاصد کو ملحوظ رکھنا اور دل کش عبارت میں بیان کرنا اعجاز ہے۔

ف شروع سورت میں بیان کیا گیا تھا کہ اس کے قبضہ میں ملک ہے یعنی وہی بادشاہِ حقیقی ہے پھر جس طرح لوازمِ سلطنت میں سے قدرتِ کاملہ اور حیات و ممات پر قبضہ سات آسمانوں کا گھر بنانا اور کس خوبی سے بنانا اور پھر اس کو تاروں کی قندیلوں سے روشن کرنا اور اس کاخ کے چوروں کو تاروں سے مار کر ہانکنا بیان فرمایا تھا جس سراسر رحمت اور برکت کا اظہار تھا۔ اسی طرح شیاطین اور ان کے بعد بنی آدم کے کفار و منکرین کا جہنم کے قید خانے میں بیان فرما کر جو سراسر جبروت و اقتدارِ شاہانہ کی دلیل ہے۔ اس کے بعد فرماں برداروں کے اعزاز و اکرام بیان فرمائے گا۔ بقولہ ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ الخ اس تمامی بیان سے بہت سے مذاہبِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ کی اصلاح و رَدّ ہے۔ کس لیے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کے سوا کسی اور کو پوجتے ہیں یا اس کی خدائی میں حصے دار ٹھیراتے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا اور خدائی کمیٹی کا تیسرا رکن قرار دیتے ہیں اور جس طرح کہ ہنود اپنے اوتاروں کو خدا اور قادرِ مطلق سمجھتے ہیں یا بعض لوگ ملائکہ و دیگر ارواحِ طیبات کو اس درجے پر مانتے ہیں ان کا ملک میں کون سا حصہ ہے؟ کس نے آسمان و زمین بنانے میں مدد کی ہے اور کس کا موت و حیات پر قبضہ ہے اور کون قادرِ مطلق ہے؟ ان کے یہ الٰہ دنیا میں بہت باتوں میں عاجز تھے[1]۔ اور اسی طرح آخرت میں کسی کا کیا حصہ ہے کون اس کے قید خانے سے زبردستی چھڑا سکتا ہے؟ کون وہاں انعام و اکرام دے سکتا ہے؟ یہ سب دلائل و براہین توحیدِ خالص کے لیے ایسے ہیں کہ جن میں کسی کو بھی مجالِ دم زدن نہیں اور اسی طرح جو لوگ کواکب و نیرات کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی تاثیر سے سعادت و نحوست موت و حیات سمجھتے ہیں جیسا کہ مجوس اور فرقۂ صابئہ

[1] حضرت عیسٰی علیہ السلام بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے سولی پر لٹکائے گئے وہاں بہت روئے پیٹے کہ اے خدا مجھے چھڑا اگر نہ چھوٹ سکے پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے کھانا کھاتے سوتے جاگتے تھے الغرض تمام خصائصِ بشریہ میں جکڑے ہو جو عجز و حدوث کے آثار ہیں۔ اسی طرح ہنود کے اوتار اور جمیع مذاہب کے معبودوں کا حال ہے۔ خواہ علویات میں سے ہوں خواہ سفلیات میں، پتھر و مٹی تانبے سونے چاندی کے بت ہوں یا ارواحِ طیبات و ملائکہ ہوں، سب مخلوق ہیں، صفتِ الوہیت میں کسی کو بھی حصہ نہیں ۱۲ منہ

ان کی بھی کمال تسلی ہے کہ تمہارے معبود ہمارے بنائے ہوئے مسخر ہیں وہ کیا کر سکتے ہیں؟ الغرض مسئلہ معاد و نبوت میں بھی الٹ پھیر کر پھر مسئلہ توحید کو ثابت کر دیا۔ اور نیز دنیا کے مغروروں متکبروں کو بھی سمجھا دیا کہ تم اپنی شاہی اور حکومت پر ناز کرکے ہم سے سرکشی نہ کرو، تمہاری بادشاہی ہمارے مقابلے میں کیا چیز ہے تم کو قدرت کیا ہے تم کو موت و حیات کے کیا مالک ہو تم نے آسمان و ستارے کہاں بنائے ہیں علویات پر تمہاری کیا حکومت ہے؟ لہذا ہماری طرف رجوع کرو سرنیاز جھکاؤ ورنہ جہنم کا قیدخانہ تیار ہے۔

ف ۳ مسلمانوں کا فرقہ مرجئہ کہتا ہے وللذین کفروا کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں کفار ہی جائیں گے مؤمن نہ جائیں گے خواہ وہ کیسے ہی گنہ گار کیوں نہ ہوں ایمان کے بعد کوئی عملِ بد جہنم میں نہیں لے جا سکتا۔ یہ عیسائیوں کے عقیدے کے قریب قریب ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے کس لیے کہ کفروا کا لفظ بڑا وسیع ہے کفارِ شرعی کو بھی شامل ہے اور جو ایمان دار ہو کر اس کی ناشکری کرتے ہیں ان کو بھی، گو ان کو ابدی جہنم نہ ہوگا ایمان کی بدولت۔ اور نیز دیگر آیات و احادیث میں تصریح ہے کہ ایمان دار گنہ گاروں کو بھی بقدرِ گناہ عذاب ہے۔ لیکن عذاب دائمی نہیں اور یہ مسئلہ علمِ کلام میں نہایت صراحت سے مذکور ہے جو چاہے وہاں دیکھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ

وہ جو　اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہیں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَ

ان کے لیے بخشش　اور بڑا اجر ہے　اور

اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ

تم اپنی بات　چھپاؤ　یا اس کو ظاہر کرو

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬

بے شک وہ تو دلوں کی بات بھی (خوب) جانتا ہے

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ

کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے　کچھ پیدا کیا　حالانکہ وہ باریک بین

ع ۱۴

الْخَبِيْرُ ⑭

اور (بڑا) خبردار ہے

ترکیب

الذین موصول یخشون الجملۃ صلۃ بالغیب متعلق بیخشون ویمکن ان یکون حالاً من ضمیر یخشون ای غائبین مغفرۃ مبتدا۔ واجر کبیر معطوف علیہ لہم خبر مقدم و الجملۃ خبر ان والموصول والصلۃ اسمہا۔ واسروا الخ جملۃ مستانفۃ مسوقۃ لبیان تساوی الاسرار والجہر بالنسبۃ الی علم اللہ تعالیٰ انہ الجملۃ تعلیل وتقریر لما قبلہا۔ من خلق من فی موضع رفع فاعل یعلم والمفعول محذوف ای الایعلم الخالق خلقہ وقیل الفاعل مضمر ومن مفعولہ ای الایعلم اللہ المخلوق الذی خلقہ وھو اللطیف الخبیر حال من فاعل یعلم۔

تفسیر

مسئلہ معاد کی بابت گروہِ اشقیاء کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان الذین یخشون ربہم بالغیب کہ وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب میں یعنی دنیا میں کہ یہاں آخرت کا عذاب و ثواب ان کی آنکھوں سے غائب ہے محض مخبرِ صادق علیہ السلام کے کہنے پر ایمان لاکر آئندہ آنے والی مصیبتوں سے ڈرتے اور خدا کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ لوگوں کے سامنے تو ہر ایک پرہیزگاری جتلایا کرتا ہے مگر ان کے غیب میں یعنی خلوت میں اللہ سے ڈرنے والے ہی در اصل پرہیزگار ہیں۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر میکنند

خدا سے ڈرنا دراصل پوشیدگی ہی میں ڈرنا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ پوشیدگی میں تو خدا سے ڈرے اور ظاہر میں نہ ڈرے، رند و فاسق بنا رہے۔ لہم مغفرۃ واجر کبیر ان کے لیے معافی اور بڑا اجر ہے۔ اگر بشریت سے ان سے کوئی گناہ سرزد بھی ہوا جس پر بعد میں اظہارِ ندامت کیا گیا تو اُن کے لیے مغفرت ہے اور اجر ہے یعنی بدلہ جو روحانی اور جسمانی جنت اور وہاں کے نعیم کو شامل ہے اور وہ بھی کیسا؟ اجر کبیر یعنی بڑا بے تعداد ہمیشہ کے لیے۔

ف مقابلہ پہلے گروہ کا یہ چاہتا تھا کہ ان الذین یشکرون ربھم کہتے جیسا کہ اشقیاء کے بارے میں فرمایا تھا واللذین کفروا بربھم کیوں کہ کفر کا مقابلہ شکر ہے نہ کہ ڈرنا۔ اس کی کیا وجہ کہ یخشون کہا یشکرون نہ کہا؟

جواب شکر منعم کی نعمت کا اظہار و تعریف یا اس کا بدلہ دینا زبان سے خواہ ہاتھ پاؤں سے خواہ دل سے۔ اور سورت کا سیاق اظہار شانِ شاہنشاہی ہے کہ وہ ایسا اور ایسا شاہنشاہِ حقیقی ہے اس کے لیے ڈرنا اور عجز و نیاز سے پیش آنا ہی مناسب ہے اور جو خدا سے ڈرے گا وہ شکرگزاری تو بدرجۂ اولیٰ کرے گا شکرگزاری عبودیت و محکومیت ثابت نہیں کرتی جیسا کہ ڈرنا اور کانپنا ثابت کرتا ہے، شکرگزاری برابر والا بھی اپنے مساوی درجہ کے محسن کی کر سکتا ہے اور اس جگہ عجز و نیاز زیادہ مرغوب ہے جو خشیت میں رکھا ہوا ہے شکرگزاری بھی عمدہ چیز ہے مگر ہر ایک بات کا ایک محل ہے یہاں ڈرنا ہی مناسب مقام ہے۔

فرمایا تھا کہ غائبانہ اس سے ڈرنا چاہیے کس لیے کہ ظاہر ڈر اور اطاعت ایسے شخص کی جو مخفی امور اور دلی اسرار پر واقف ہو کچھ مفید نہیں اور خدا تعالیٰ کو ہر بات کی خبر ہے واسروا قولکم او اجھروا بہ خواہ تم اس بات کو ظاہر کرو یا پوشیدہ کس لیے کہ انہ علیم بذات الصدور کہ وہ سینوں کی باتیں جانتا ہے اور کیوں نہ جانے الا یعلم من خلق وہ خالق ہے اور خالق کو اپنی مخلوق کا علم ضرور ہے اگر علم نہ ہو تو ارادہ و اختیار سے پیدا نہ کر سکے اور قطع نظر خالق ہونے کے وھو اللطیف الخبیر وہ لطیف ہے مجردات و روحانیات کا علم اسی لیے وسیع ہے کہ جسمانیت کے حجاب حاجز نہیں لیکن وہ ان سے بھی زیادہ لطیف ہے تو اس کے علم کی کیا حد ہے۔ مجردات و روحانیات کو صرف توجہ و التفات معلوم کرنے کے لیے شرط ہے اور وہ توجہ اس قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے برخلاف اس کے کہ وہ الخبیر ہے ہر ہر ذرہ کی طرف التفات و توجہ رکھتا ہے کس لیے کہ جو مخلوق کے ساتھ اس کے خالق کا رابطہ ہے وہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا ہے اس لیے ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

اشقیا کی سزا و اتقیا کی جزا کی بابت کچھ عجب نہیں کہ ان لوگوں کا یہ خیال ہو کہ سزا و جزا ہر ایک کے اعمال اور احوال جاننے اور یاد رکھنے پر موقوف ہے حالانکہ صدہا کام لوگ مخفی کرتے ہیں ان کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی پھر وہ کیونکر سزا و جزا دے سکتا ہے؟ اس خیال کے ابطال میں یہ آیات واسروا قولکم او اجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر نہایت اثر رکھتی ہے[1]۔ اور مکہ کے کفار اکثر ایسا خیال رکھتے تھے ان کے ناتربیت یافتہ دماغوں میں خدا تعالیٰ اور اس کے اوصاف علم و قدرت محدود تھے۔

ف من خلق سے بعض علما نے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے یہاں تک کہ بندہ اور اس کے اعمال سب کا خالق وہی ہے، اگر بندہ خالق ہوتا تو اس کو علم بھی ہوتا۔

---

[1] واسروا قولکم او اجھروا بہ دلیل ہے بالغیب ڈرنے کے لیے۔ بالغیب کیوں ڈرو کس لیے کہ وہ مخفی اور ظاہر باتیں جانتا ہے پھر اور ترقی کرتا ہے انہ علیم بذات الصدور کہ جواہر اور موجود فی الخارج چیزوں کے جاننے پر انحصار نہیں، وہ دلی خیالات سے بھی واقف ہے، پھر اس پر دلیل لاتا ہے الا یعلم من خلق کہ وہ خالق ہے اور خالق کو مخلوق کا علم ہے، معلوم ہوا کہ دلی خیالات بھی اس کے مخلوق ہیں، اس کے بعد اور ترقی کرتا ہے، وہ لطیف ہے، مجردات کو غیب کی سیکڑوں باتیں معلوم ہوتی ہیں چہ جائیکہ لطیف ہو، تمام مجردات اس کے آگے کثیف ہیں اور اس پر خبیر بھی ہو ۱۲ منہ

حالانکہ جس کام کو کرتا ہے اس میں اپنے عضلات کی حرکت و سکون کا بھی اس کو علم نہیں چہ جائیکہ اس کی تمام باریکیوں کی خبر ہو جب خبر نہیں تو بالارادہ خالق بھی نہیں ہاں نیک و بد کام کا بدلہ تو محض اختیار و ارادے کو نیک و بد کام میں متوجہ کرنے پر ہے۔ اور ارادہ متوجہ کرنے کے بعد وہ کام خدا پیدا کر دیتا ہے۔

ف ۲ غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں پھر یہ جو غیب پر ایمان لانا اور غیب میں ڈرنا ہے کس کی نسبت ہے؟ خدا تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب ہی نہیں ہاں بندہ کے لحاظ سے بہت چیزیں غائب ہیں پھر بندوں میں بھی بعض چیزیں بعض کے نزدیک غیب ہیں تو بعض کے نزدیک حاضر اس لیے ہر ایک کا غیب جداگانہ ہے اور غیب الغیب کا خزانہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ وعندہ مفاتح الغیب۔

لطیفہ بعض کہتے ہیں غیب انسان کا قلب ہے جس کو دوسرا نہیں دیکھ سکتا تب غیب سے ڈرنے کے یہ معنی ہوئے کہ دل سے یا دل میں خدا سے ڈرے تاکہ دل میں نور پیدا ہو۔

ف ۳ حکماء نے بدلائل ثابت کیا ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ جسمانیت کے حجاب علم و ادراک سے مانع ہیں اس لیے ملائکہ جسمانی کثافت سے بری ہونے کے سبب اور ان کے بعد روحانیات ان کے بعد جن اور دیگر لطیف اجسام سے مرکب چیزیں ان چیزوں کو خوب جان لیتے ہیں جو ہماری آنکھوں یا حواس سے باہر ہوتی ہیں۔ خواب میں جب روح کا تعلق جسم سے کسی قدر کم ہو کر دوسری طرف توجہ ہوتی ہے تو ہزاروں باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح مکاشفہ و مشاہدہ میں جب ریاضات و افکار سے روح منور ہو جاتی اور جسمانی حجاب کمزور ہو جاتے ہیں تو سیکڑوں چیزیں دور دراز کی دکھائی دے جاتی ہیں اسی طرح بعد مرنے تو پردہ ہی کھل جاتا ہے اگرچہ حق سبحانہ لطیف ہے اس کے علم کی تو کچھ انتہا ہی نہیں اس لیے علوم کے خزانے اس کے پاس ہیں وہ جس قدر جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي

وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا تو اس پر چلا

مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾

پھرا کرو اور اس کی روزی کھاؤ (پیو) اور اسی کے پاس پھر کر جانا ہے

أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ

کیا تم کو اس کا جو آسمان میں ہے خوف نہیں رہا کہ وہ تم کو

بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾

زمین میں دھنسا دے پھر وہ پڑی لرزا کرے

أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ

کیا تم کو اس کا جو آسمان میں ہے ڈر نہیں رہا کہ تم پر

عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ

پتھر برسا دے پھر تم کو معلوم ہو جائے گا

كَيْفَ نَذِيرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ

کہ میرا ڈرانا کیسا ہے اور تم سے پہلے

الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ

لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں پھر (دیکھا)

كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾

ہماری ناراضی کا کیسا نتیجہ ہوا؟

ترکیب

الارض مفعول اول لجعل ذلولا مفعول ثان لہ لکم متعلق لجعل فامشوا الفاء لترتیب الامر بالمشی علی الجعل المذکور والیہ النشور جملۃ مستانفۃ من فی محل النصب علی انہ مفعول امنتم والاستفہام انکاری ان یخسف الجملۃ بتاویل المصدر بدل اشتمال من الموصول ای من وکذا ان یرسل بدل من من الذلول من الذل وہو الانقیاد واللین ومنہ یقال دابۃ ذلول المناکب جمع منکب وہو الجانب ومنہ منکب الرجل ومنہ الریح النکباء لانہا تاتی من جانب دون جانب تمور من المور وہو التردد فی المجئ والذہاب ای التحرک والاضطراب۔ والحاصب ریح فیہا حجارۃ وحصباء کانہا تقلع الحصباء لشدتہا وقوتہا وقیل ہو سحاب فیہا حجارۃ۔

النکیر العقاب المنکر وانما اسقط الیاء من نذیری و من نکیری لتکون مشابھۃ لرؤس الاٰی المتقدمۃ والمتاخرۃ والکسرۃ دلیل علی حذف الیاء۔ وفی کلام العرب کثیراً ما یحذف الیاء والواو والالف من آخر الکلمۃ فی حالۃ الوقف۔

تفسیر

اب تک اس بادشاہ بابرکت کے وہ انعام و افضال بیان ہوئے تھے جو عالم بالا سے متعلق تھے۔ جیسا کہ آسمانوں اور ستاروں کا پیدا کرنا جو اس کی قدرتِ تامّہ کے لیے شواہد تھے اور ان کے ضمن میں مسئلہ توحید و نبوت و معاد کا بھی سلسلہ وار ثبوت تھا۔ اب یہاں سے زمین کے متعلق اپنی بادشاہی اور عالم سفلی کے انعام بیان کرتا ہے، اور یہ بھی جتلاتا ہے کہ ہم وہ ہیں جو تمہاری مخفی اور ظاہر باتیں جانتے ہیں، اس پر بھی تمہارے لیے ہم نے زمین میں آسائش کے سامان پیدا کر رکھے ہیں، اور تمہارے لیے امن کا گھر بنا رکھا ہے، پس ہماری مخالفت سے ڈرو اور نعمتوں کا شکریہ ادا کرو ورنہ ہم چاہیں تو اسی زمین کو تمہاری ہلاکت کا باعث کر دیں، تم کو اس میں غرق کر دیں یا چاہیں تو اس گھر کی چھت یعنی آسمان سے تم پر پتھراؤ کر دیں جیسا کہ پہلوں کے ساتھ ہوا۔

فقال ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا

کہ اس نے زمین کو تمہارے لیے نرم بنا دیا۔

(۱) یعنی اس کو ایسا سخت اور خشن کیا کہ اس پر چل پھر سکتے ہیں۔

(۲) یا یہ کہ اس کو نرم بنایا کہ جس کو کھود سکتے ہیں مکانات بنا سکتے ہیں اگر سخت سنگِ خارا ہوتی تو مشکل پڑ جاتی۔

(۳) یا یہ کہ لوہے پتھر تانبے چاندی جیسی ہوتی تو گرمی میں نہایت گرم اور سردی میں نہایت سرد ہو جاتی نہ کھیتی ہو سکتی نہ باغ لگ سکتے رزق و روزی کا سامان مہیا نہ ہوتا۔

(۴) یا یہ کہ اس نے ہمارے لیے مسخر کیا اگر ہلے جلے جاتی تو مسخر نہ ہوتی اس پر چلنا پھرنا محال ہوتا۔

(۵) یا یہ کہ پانی اور ہوا کی طرح خفیف ہوتی تو کوئی اس پر بس نہیں سکتا تھا۔

(۶) جب زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تو فامشوا فی مناکبھا اس کے راستوں میں چلو۔

مناکب میں چلنے کے کئی معنی ہیں۔

(۱) صاحب کشاف کہتے ہیں یہ نہایت مسخر ہونے کے معنی میں ایک تمثیل اور محاورہ ہے۔

(۲) قتادہ و ضحاک و ابن عباسؓ کہتے ہیں زمین کے مناکب پہاڑ اور ٹیلے ہیں اس لیے کہ انسان کے مناکب (مونڈھے) اونچے ہوتے ہیں اور پہاڑ اور ٹیلے بھی بلند ہیں اس لیے ان کو مناکب الارض کہتے ہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ جب میں نے اس کے پہاڑ اور ٹیلے تمہارے چلنے کے لیے مسخر کر دیے تو اس کے اور اجزا میں تو اور بھی اچھی طرح سے چل سکتے ہو۔

(۳) مناکب الارض سے مراد زمین کے راستے اور گھاٹیاں اور کنارے اور اطراف ہیں کس لیے کہ انسان کے مناکب بھی اس کے بدن کے کنارے اور جوانب ہیں۔ اس مناسبت سے زمین کے کناروں اور جوانب اور راستوں کو بھی مناکب کہنے لگے۔ یہ حسن و مجاہد و مقاتل و کلبی و بروایت عطا ابن عباسؓ کا اور فراء اور ابن قتیبہ کا قول ہے۔

وکلوا من رزقہ اور اللہ کی پیدا کی ہوئی روزی کھاؤ جو اس نے تمہارے لیے زمین سے نکالی۔ رزق کو اپنی طرف مضاف کر کے یہ بتلا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تمہارا نہیں۔ اور مِن کے لفظ سے یہ بھی بتا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کل رزق تمہارے کھانے کے لیے نہیں جیسا کہ بعض بلانوشوں کا خیال ہے

کہ سور کتا شراب گو، گو بر سب چٹ کر جاؤ فامشوا اور کلوا دونوں امر ہیں مگر یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہیں۔

ان دونوں باتوں کے بعد یہ بھی بتا دیا والیہ النشور کہ دنیا میں چلنا پھرنا کھانا پینا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ چند روزہ منزل ہے اور جمع ہونا اسی کے پاس ہے پس دنیا اور اس کی نعمتوں پر ایسا فریفتہ نہ ہونا چاہیے کہ منزلِ مقصود ہی کو بھول جاؤ، کفر و بدکاری اور شہوت پرستی میں بے ہوش پڑے رہو۔

اس کے بعد دنیا اور اس کے لذائذ کے متوالوں اور کفر و بدکاریوں کے مستوں کو جو خدا کی زمین میں رہ کر باغی ہو گئے ہیں آگاہ کیا جاتا ہے:۔

فقال ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض فاذا ھی تمور کہ اے بے خبرو! زمین پر تسلط پا کر کیا تم آسمان والوں سے نڈر ہو گئے اور اس بات سے امن میں ہو گئے کہ تم کو وہ زمین میں دھنسا دے اور یکایک زمین تمہارے دھنسانے کے لیے ہلنے اور لرزنے لگے جیسا کہ زلزلے کے وقت ہوتا ہے، زمین ہل کر پھٹ جاتی ہے اور آدمی اور بڑے بڑے مکانات اندر سما جاتے ہیں۔

من فی السماء سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان میں رہا کرتا ہے۔

یہ خیال فاسد ہے کس لیے کہ آسمان حادث ہیں اور وہ قدیم ہے جب آسمان نہ تھے تو بھی وہ تھا۔

دوم وہ مکان میں ہونے سے پاک ہے، ہاں احادیثِ صحیحہ میں جو خدا تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر بیان کیا گیا ہے تو اس سے مراد جہتِ علو ہے، اور آسمان مظہرِ تجلیات بارگاہِ قدس ہیں اس لیے ناواقفوں کو اس کا پتہ بتانا مکانیت ثابت نہیں کرتا۔

اور آیت میں من فی السماء سے بالخصوص خدائے پاک مراد نہیں بلکہ اس کے کارکن ملائکہ مراد ہیں کس لیے کہ ہر بلا اور نعمت عالمِ بالا سے آتی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرب کے جاہل اس بات کے قائل تھے کہ خدائے پاک آسمان پر ہے، ان کے خیال کے موافق ان کو ڈرایا گیا ہے کہ اس آسمان والے سے نڈر نہ ہو جاؤ۔

اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جس کی آسمان پر حکومت ہے اس سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور کتبِ الہامیہ کے محاورہ میں خدائے پاک کو آسمانوں سے جہت فوقانی اور مظہرِ تجلیات کے لحاظ سے منسوب کرتے آئے ہیں۔

دوسری تنبیہ

اور بیان فرماتا ہے ام امنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصبا۔ کہ کیا تم آسمان والے سے نڈر ہو گئے کہ تم پر پتھراؤ نہ کر سکے گا؟ یعنی زمین بھی وہ بالادست دھنسا سکتا ہے اور اوپر سے پتھر بھی برسا سکتا ہے۔ ہر طرح سے ہلاک کر سکتا ہے۔ اب بھی یہ دونوں بلائیں وقتاً فوقتاً قوموں پر نازل ہوئی ہیں۔ زلزلہ آیا شہر کے شہر زمین میں سما گئے۔ اور اوپر سے سیر سیر کے اولے اور کہیں ویسے پتھر برسے ہیں۔

فستعلمون کیف نذیر اس کے بعد تمہیں اے اہلِ مکہ جلد معلوم ہو جائے گا کہ نذیر یعنی رسول کیسا تھا سچا تھا یا جھوٹا؟

اس کے بعد اسی قسم کے گزشتہ واقعات سے عبرت دلاتا ہے ولقد کذب الذین من قبلھم فکیف کان نکیر۔ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا، قوم عاد و ثمود وغیرہ نے، پھر سن لیا کہ کیسا بڑا عذاب نازل ہوا؟

ان آیات میں مسئلہ توحید و نبوت و معاد تینوں کا

بیان اور ہی اُسلوب سے ہوا جیساکہ عالمِ بالا کے بیان میں
ان تینوں مسئلوں کا ثبوت اور پیرایہ میں تھا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَٰٓفَّٰتٍ
اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرند اُڑتے نہیں دیکھے (جو اُڑنے میں) پر کھولتے

وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا
اور سمیٹتے ہیں جن کو رحمٰن کے سوا کوئی نہیں

الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾
تھام رہا بے شک وہ ہر چیز کا نگراں ہے

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ
بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو رحمٰن کے

يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ
مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا کچھ نہیں

الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ أَمَّنْ
کافر تو (محض) دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں بھلا وہ کون

هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ
ہے جو تم کو روزی دے گا اگر وہ اپنی روزی

رِزْقَهُ ۚ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾
بند کرلے کچھ نہیں بلکہ وہ سرکشی اور بدکنے پر اڑے ہوئے ہیں

ترکیب

او الھمزۃ للاستفہام والواو للعطف علی مقدر ای اغفلوا ولم ینظروا الی الطیر جمع طائر ویقع علی الواحد والجمع وقال ابن الانباری الطیر جمع طائر وتانیثہا اکثر من تذکیرہا و لایقال للواحد طیر بل طائر وقلما یقال للانثی طائرۃ فی فوقھم ظرف لصٰفّٰت او حال وصٰفّٰت حال من الطیر او من الضمیر فی فوقھم ۔ ویقبضن معطوف علی صافات حملاً علی المعنی ای ویقبضن او صافات وقابضات مایمسکھن یجوز ان یکون مستانفاً وان یکون حالاً من الضمیر فی یقبضن امن قرئ الجمہور بتشدید المیم علی ادغام میم ام فی میم من وام بمعنی بل من الاستفہامیۃ مبتدأ ھذا خبرہ الذی موصول یرزقکم صلتہا والمجموع صفۃ ھذا ینصرکم صفت لجند ومن دون الرحمٰن فی محل النصب علی الحال من فاعل ینصرکم ان امسک رزقہ جواب الشرط محذوف لدلالۃ ما قبلہ علیہ ای ان امسک رزقہ فمن یرزقکم غیرہ لجوا من اللجاج ھو تقحم الامر مع کثرۃ الصوران عنہ والعتو العناد والطغیان والشرود قال ابن عباسؓ فی عتو ونفور ای فی ضلال ۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ کیا تم اس کے ارضی وسماوی عذاب سے نڈر ہوگئے؟ اس کے بعد ولقد کذب الذین من قبلھم سے اس امر پر ایک شہادت پیش کی تھی اب اس پر ایک برہان پیش کرتا ہے اور اپنی قدرتِ کاملہ کا تصرف آسمان وزمین کے سوا فضا یعنی ہوا میں بھی دکھاتا ہے۔

فقال اولم یروا الی الطیر فوقھم کہ کیا وہ اپنے اوپر پرندوں کی ٹکڑیاں اڑتے نہیں دیکھتے صٰفّٰت پر کھولے ہوئے ویقبضن اور سمیٹے ہوئے۔ اڑنے میں پرندہ پروں کو کھول دیتا ہے اور جب اس کو اُڑنے میں زور دینا ہوتا ہے تو پروں کو سمیٹ بھی لیتا ہے یعنی دونوں حالتوں میں اُڑتا اور ہوا میں معلق رہتا ہے نیچے نہیں گر پڑتا مایمسکھن الا الرحمٰن ان کو رحمٰن کے سوا اور کوئی تھامے ہوئے نہیں اسی کا یدِ قدرت ان کو ادھر میں تھامے رہتا ہے۔ یعنی ان کے اجسام میں (ہرچند چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں) اسی نے ایک ایسا ہلکا پن رکھا ہے جو باوجود پر سمیٹنے کے بھی ہوا میں اڑے چلے جاتے ہیں۔ اور دوسرے اجسام گو اُن سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اس طرح ادھر میں نہیں ٹھہر سکتے

دیکھو اس کی ہوا اور فضا، پر بھی بادشاہت ہے۔

ف۱ نحاس کہتے ہیں کہ جب پرند اپنے بازو کھول کر اُڑتے ہیں تو ان کو صافّات کہتے ہیں اور جب سمیٹ لیتے ہیں تو قابض کہتے ہیں۔

ف۲ صفّت کا مقابلہ قابضات اسم فاعل کا صیغہ نہیں لایا گیا بلکہ یقبضن مضارع کا استعمال ہوا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پرندوں میں اڑتے وقت پر پھیلائے رہنا اکثریہ بات ہے اور پر سمیٹ لینا اور پر مارتے اڑنا گاہے گاہے جو مضارع کے تجدّد و حدوث سے مفہوم ہوتا ہے، برخلاف اس کے اسم فاعل دوام و ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

ف۳ پھر جو ایسی بوجھل چیزوں کو ہوا میں معلق دوڑانے پر قادر ہے کیا وہ اوپر سے پتھراؤ نہیں کر سکتا؟ یا زمین کے رہنے والوں کو زمین میں نہیں دھنسا سکتا؟ لیکن انه بکل شئ بصیر۔ وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے، اور اس کی نگہبانی کر رہا ہے، ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کا بھی وہی نگہبان ہے اور زمین اور اس کے رہنے والوں کا بھی وہی نگہبان ہے اگر ذرا بھی اپنی نگہبانی چھوڑ دے تو ہر چیز ہلاک ہو جائے۔ بڑے بڑے کرات کس تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں ان کا بھی وہی نگہبان یا گارڈ ہے آپس میں لڑنے نہیں دیتا۔ دریا میں بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں دوڑتی پھرتی ہیں ان کا بھی وہی نگہبان ہے، انسان کا وجود اور اس کی حیات میں خلل انداز چیزوں کی روک تھام اسی کا کام ہے۔

ایک کور باطن ان سب باتوں کو اسباب سے جانتا ہے، روشن ضمیر مسبب الاسباب سے سمجھتا ہے، توحید و شرک کفر و اسلام میں یہی فرق ہے۔ کافر اپنے اسباب پر مغرور رہتا ہے وہ انہیں کو اپنی فتح و نصرت کا لشکر سمجھتا ہے، اس لیے ان کے مقابلہ میں فرماتا ہے امّن ھٰذا الذی ھو جند لکم ینصرکم من دون الرحمٰن کہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو تم کو رحمٰن کے مقابلے میں مدد دے سکے گا؟ وہ جب چاہتا ہے ان اسباب میں کھنڈت ڈال دیتا ہے۔ ریل گاڑی کو الٹا دیتا ہے، تار کو روک دیتا ہے، دریا میں آگ بوٹوں کو ڈبو دیتا ہے، باوجود صفائی کے وبا کا لشکر بھیج کر ستیاناس کرا دیتا ہے، لشکروں کے دلوں میں ضعف و خوف ڈال دیتا ہے، عقلیں مار دیتا ہے، پھر جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے۔ پھر وہاں کوئی تدبیر نہیں چلتی، کوئی سبب کام نہیں آتا۔ اس کے بادلوں کے لشکر اور ہوا کے توپ خانے اور آسمانی پتھروں کے گولے اور زلزلے کا ڈائنامیٹ تھوڑی سی دیر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے بارہا مشاہدہ کیا ہوگا۔ الغرض سب تدبیریں بگاڑ دیتا ہے پھر وہاں کوئی کام نہیں آسکتا۔

اسباب ظاہریہ کے سوا عرب کے جاہل بلکہ عموماً اور ملکوں کے جاہل بھی اپنے خیالی معبودوں اور ان کی عجائب تاثیروں کو ہر مصیبت کے وقت اپنا یار و مددگار سمجھتے تھے بلکہ اب تک سمجھتے ہیں۔ اپنی جان اور اولاد اور مال کی حفاظت اور ترقی کہیں ستاروں پر محوّل کرتے ہیں اور کہیں غیر مرئی ارواح کے سپرد کرتے ہیں کہیں ٹوٹکوں اور منتروں کی تاثیرات سے مرض و بلا کا دفعیہ سمجھتے ہیں، اور خدائے قادر کو چھوڑ کر ان چیزوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں، اس لیے فرماتا ہے ان الکٰفرون الا فی غرور کہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوتے ہیں، اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اسلام انسان کو ان بکھیڑوں سے نجات بخش دیتا ہے۔

کسی کی التجا کرنی اور اس کو پوجنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔

اول دفع مضرت کہ ہماری مصیبت کو روک دے گا، سو کفار و مشرکین کا اپنے خیالی معبودوں کی نسبت یہ بھی

خیال تھا جس کو امّن ھٰذا الذی ھو جند لکم ینصرکم من دون الرحمٰن میں رد کر دیا اور بطور رد کر دیا۔

دوسرا سبب نفع کی امید کہ اس سے یہ فائدہ پہنچے گا، یہ دے گا، وہ دے گا، سو کفار و مشرکین کو اپنے آلہۃ باطلہ کی نسبت یہ بھی خیال تھا کہ کسی سے رزق روزی مانگتے تھے کسی سے اولاد، تندرستی طلب کرتے تھے۔ اس خیال کا ابطال اس جملہ میں کرتا ہے امّن ھٰذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ[1] کہ بتاؤ وہ کون ہے جو تم کو رزق روزی یا کچھ بھی دے سکے اگر وہ اپنا رزق یا بخشش روک لے؟ کوئی نہیں، کس لیے کہ سب اس کے سوا ممکن ہیں جو اپنی ذات و صفات ہی میں اس کے محتاج ہیں۔ صرف بارش بند کر لے تو معلوم ہو جائے سب کچھ جانتے ہیں۔

بل لجوا فی عتو و نفور بلکہ یہ اپنی سرکشی اور گمراہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لجاج اڑنا۔ انسان میں دو قوت عمدہ ہیں۔ پہلی عملیہ۔ دوسری علمیہ۔ پس عتو حرصِ دنیا کے سبب سے ہے جو قوتِ عملیہ کے بطلان پر دلالت کرتا ہے۔ اور نفور حق سے جہل کے سبب جو بطلانِ قوتِ علمیہ پر دلیل ہے۔ یعنی ان بدنصیبوں نے اپنی دونوں قوتوں کو خراب کر دیا اس لیے ہٹ کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ

بھلا وہ جو اپنا منہ اوندھا کر کے چلتا ہے وہ

اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ

زیادہ راہِ راست پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر سیدھا

مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ

چلا جاتا ہے کہہ دو اسی نے تو تم کو پیدا کیا

وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ

اور تمہارے لیے کان اور آنکھ اور

الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾

دل بھی بنائے ہیں (مگر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ

کہہ دو اسی نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور

اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى

اسی کے پاس جمع کر کے لائے جاؤ گے اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ

هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

وعدہ کب (پورا) ہوگا (بتاؤ) اگر تم سچے ہو

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا

کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو صاف

نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً

صاف ڈر سنانے والا ہوں پھر جب اس کو دیکھیں گے پاس آ لگا ہے

سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ

تو کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے اور کہا جائیگا

هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

یہ وہی تو ہے جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

ترکیب

[1] یرزق روزی دینا ہے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور کبھی مطلق دینے کے معنی میں بھی، خواہ رزق دینا یا اولاد و تندرستی دینا۔ کہتے ہیں رزقنی اللہ اولادًا و اموالًا، رزقہ اللہ صلاحًا۔ یہاں یرزقکم عام معنی میں مراد لیا جائے تو نہایت مناسب ہے۔ ۱۲ منہ

مکبًّا حال من ضمیر یمشی علیٰ وجھہ توکید اھدٰی خبر من والہمزۃ للاستفہام الفاء لترتیب ذلک علی ما ظہر من سوء حالہم والمکب اسم فاعل من اکبّ اللازم المطاوع لکبہ یقال کبہ اللہ فاکب ای سقط وہذا خلاف القیاس لان الہمزۃ اذا دخلت علی اللازم تصیرہ متعدیا وہنا قد دخلت علی المتعدی فصیرتہ لازماً۔ ہذا قول الواحدیؔ وقال صاحب الکشاف لیس الامر کذلک وما جاء شیٔ من بناء افعل مطاوعا بل قولک اکب معناہ دخل فی الکب وصار ذاکب وقس علیہ نظائرہ اقشع وانقض واما مطاوع کب و قشع فہو انکب وانقشع۔ امن یمشی خبر من محذوف لدلالۃ خبر من الاولیٰ وہو اھدیٰ وقیل لاحاجۃ الی ذلک لان من الثانیۃ معطوفۃ علی من الاولی عطف المفرد علی المفرد کقولک ازید قائم ام عمرو، والخبر واحد لان ام لاحد الشیئین۔ قلیلاً ما نعت لمحذوف وما مزیدۃ لتاکید التقلیل ای شکراً قلیلاً او زماناً قلیلاً۔ ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف اخبرونی فلما الفاء فصیحۃ معربۃ عن تقدیر جملتین وترتیب الشرطیۃ علیہما کانہ قیل قد اتاہم الموعود بہ فرؤہ فلما رؤہ الخ زلفۃ مصدر بمعنی الفاعل ای قریبا او حال من المفعول سیئت الخ جواب لما یقال ساء الشیٔ یسوء فہو سیٔ اذا قبح واسوء وقیل عطف علی سیئت عطف المجہول علی المجہول۔ تدّعون قرأ الجمہور بالتشدید فہو اما من الدعاء او من الدعویٰ کما قال الزجاج والمعنی تطلبون وتستعجلون وتمنون وتساٴلون وقریٔ مخففاً ومعناہ ظاہر۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ عتو اور نفور میں اڑے ہوئے ہیں، اب ان دونوں وصفوں کی قباحت بیان فرماتا ہے۔ فقال افمن یمشی مکبًّا علیٰ وجھہ اھدیٰ امن یمشی سویا علیٰ صراط مستقیم کہ کیا وہ شخص جو اونچے نیچے رستے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا ہوا چلتا ہے اس سے زیادہ سیدھے رستے پر ہے جو صاف اور برابر رستے میں سیدھا چلا جاتا ہے گرتا پڑتا نہیں؟ حالانکہ دونوں کو برابر کوئی نہیں کہے گا چہ جائے کہ اس ٹھوکریں کھانے والے اندھے کو جو بُرے رستے پر چلتا ہے اس سے زیادہ رستے پر اور مقصود کو پہنچنے والا کہے۔ پس وہ جو آسمانی قانون اور انبیاء علیہم السلام کے رستے پر صاف چلا جاتا ہے وہ مؤمن نیک ہے ضرور منزل مقصود کو پہنچے گا اور یہ ٹھوکریں کھانے والا جاہل سرکش نفس اور شہوت اور جہالت اور رسمِ آبائی کے رستے پر چلتا ہے جو بڑا خار دار اور خطرناک رستہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے عمیق گڑھوں میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا پڑتا جاتا ہے یہی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے گا گڑھوں میں گر کر ہلاک ہوگا۔ یہ کافر سرکش اسلام سے نفرت کرنے والے کی مثال ہے۔

پھر بعض مفسرین کہتے ہیں اس میں کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموم مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شخصِ خاص کی طرف دونوں مثالوں میں اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں اس میں حضرت نبی علیہ السلام اور ابوجہل مراد ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں حمزہ بن عبد المطلب اور ابوجہل مراد ہیں۔

کجی اور راستی کا بیان

بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں کافر و مؤمن کی روشِ کجی و راستی کا بیان ہے۔ بعض کہتے ہیں آخرت کے حال کا ذکر ہے کہ کفار آخرت میں اوندھے گرتے ہوئے چلیں گے۔ کما قال ونحشرھم یوم القیمۃ علیٰ وجوھھم اور مؤمن جنت کی طرف سیدھے دوڑتے ہوئے جائیں گے

یہ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور کفر کی تمثیل ہے کہ آخرت میں بھی وہ یوں متمثل ہو کر سامنے آئے گی۔ یہ بھی مسئلہ نبوت کے متعلق ایک پُر اثر بیان ہے۔ اس کے بعد اثباتِ قدرتِ کاملہ پر پھر ایسے دلائل شروع کرتا ہے جن سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ مرنے کے بعد بارِ دگر زندہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے کس لیے کہ کفارِ عرب حشر کے منکر تھے اور یہ انکار اصولِ حسنات سے روکنے والا اور شہوت پرستی پر جرأت دلانے والا تھا۔

دوسرا شاہد

اول شاہد تو پہلے گزر چکا تھا۔ اب دوسرا شاہد ذکر کرتا ہے۔

فقال ھو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون کہ وہی تو ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا نیست سے ہست میں لایا اور اس کے بعد تمہارے لیے شنوائی اور دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل بنائے پر تم کم شکر کرتے ہو۔ پہلی دلیل میں پرندوں کا ہوا میں تھامنا مذکور تھا[1] جو اس کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ یہاں انسان کی پیدائش اور اس کی صفات پیدا کرنا بیان فرماتا ہے جو ایک عجیب حیرت بخش مسئلہ ہے جس میں جس قدر غور کرتے جاؤ ہزاروں اسرارِ قدرت سمجھ میں آتے جائیں گے۔ آخر عقل و ادراک خیرہ ہو کر یہی کہہ دیتا ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

اس برہان میں کئی باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) یہ کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تم کو عقل و ادراک ہوش و حواس عطا کیے اس کو چھوڑ کر اور کی طرف جھکنا کس قدر ناانصافی ہے۔

(۲) یہ کہ بن مانگے جس نے تم کو یہ جواہر عطا کیے جن میں سے ایک کی بھی قیمت کوئی نہیں دے سکتا نہ وہ کسی طرح مول لیے جا سکتے ہیں پھر وہ تمہاری رفعِ حاجات و دفعِ بلیات میں تمہارے مانگنے پر کیوں کوتاہی کرنے لگا پھر اور کی طرف کیوں جاتے ہو کیا یہی شکر گزاری ہے؟

(۳) تم نے دنیا میں آنے کا راز نہیں سمجھا حالاں کہ ہم نے تم کو کان دیے تھے کہ بزرگوں سے سن کر سمجھتے اور آنکھیں بھی دی تھیں کہ اس کی مخلوقات میں نظر کر کے عبرت حاصل کرتے اور جانتے کہ یہ لوگ" اس جہان میں آتے اور چند دن رہ کر چلے جاتے ہیں کیا بات ہے؟ آنکھوں سے بھی تم نے کام نہ لیا دل بھی دیے تھے کہ خود غور کرتے مراقبہ کر کے سمجھتے مگر ان سے بھی کام نہ لیا ان کو تو حبِ دنیا و حبِ شہوات سے بھر رکھا ہے ہمارے آنے کے لیے جگہ ہی باقی نہ رکھی پھر ان چیزوں کی یہی شکر گزاری ہے؟ سچ ہے قلیلا ما تشکرون۔

(۴) جس نے تم کو اول بار بغیر نمونے کے بنا دیا تمہارے جسم کے اجزاء کن کن غذاؤں سے کیسے جمع کیے پھر کیا وہ بارِ دگر تم کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا؟۔

تیسرا شاہد

اس کے بعد تیسرا شاہد بیان فرماتا ہے جس میں یہاں آنے کے راز کو کسی قدر بیان کیا ہے کہ اسی کے پاس جا رہے ہو پھر کچھ کر کے جاؤ۔

فقال ھو الذی ذرأکم فی الارض والیہ تحشرون کہ اسی نے تو تم کو زمین پر پھیلا دیا کوئی ملک نہیں کہ جہاں اولادِ حضرتِ آدمؑ نہ ہو تھوڑے دنوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل دنیا بھر میں پھیل گئی یہ برکت اسی نے عطا کی ہے پھر جس نے پھیلایا وہی تم کو سمیٹ کر اپنے پاس ایک روز جمع کر لے گا۔

[1] بقولہ اولم یروا الی الطیر الخ ۱۲ منہ

واضح ہو کہ یہ دلائل صحت و ثبوتِ حشر و نشر کے لیے تھے تاکہ وہ آزمائش صحیح سمجھی جائے جس کا اول سورت میں ذکر تھا لیبلوکم ایکم احسن عملاً وھو العزیز الغفور۔ پھر اس مقصود کے ثابت کرنے کے لیے اپنے کمالِ قدرت پر چند دلائل بیان فرمائے اور ان کو ھو الذی ذرأکم فی الارض تک تمام کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس کو ابتدائً پیدا کرنے کی قدرت ہے وہ مرنے کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے' اس لیے اس کے یہ جملہ والیہ تحشرون گویا تمام دلائل کا نتیجہ ہے جس کے ثبوت میں کسی عقلمند کو ذرا بھی کلام نہ ہونا چاہیے۔ اس جملے کو سن کر منکرینِ حشر کو کوئی حجت باقی نہ رہی مگر صرف تمسخر کے طور پر کہنے لگے ویقولون متٰی ھٰذا الوعد ان کنتم صٰدقین کہ وہ وعدہ یعنی قیامت کب ہے اگر تم سچے ہو تو اس کی تعیین کرو۔ یہ ایک مہمل سوال ہے کس لیے کہ خواہ وہ کبھی ہو اس کے لیے عاقل کو تیاری کرنا چاہیے اس لیے اس کا جواب بھی دوسری طرح سے دیا گیا قل انما العلم عند اللہ وانما انا نذیر مبین کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دے کہ اس کے وقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں جو ہوں تو تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں صاف صاف' اس کے تعینِ وقت کا علم کوئی ضروری نہیں' ہاں اس کا علم ضروری ہے جو تدبیر کے لیے کافی ہے سو وہ مجھے حاصل ہے' اور اس کا مجھے کامل یقین ہے' پھر جب وہ وقت آئے گا کہ جس کا کوئی تعین نہیں' جانے کب آجائے تو کیا حال ہوگا۔

فلما راوہ زلفۃً جب کہ اس وعدے کو دیکھیں گے کہ قریب آگیا تو سیئت وجوہ الذین کفروا منکروں کے منہ بگڑ جائیں گے۔ دہشت اور ہیبت کے مارے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ وقیل ھٰذا الذی کنتم بہ تدعون اور اس وقت شرمندہ اور ذلیل کرنے کے لیے کہا جائے گا (فرشتے کہیں گے یا ایک دوسرے سے کہے گا) لو یہ ہے وہ وقت کہ جس کی بابت تمہیں دعویٰ تھا کہ ہرگز نہ ہوگا۔ یا یہ ہے وہ کہ جس کو تم دنیا میں پکارتے اور مانگتے تھے کہ وہ کب ہے اور کیوں نہیں جلد آچکتا۔

معاذ اللہ مصیبت کا وقت بھی برا وقت ہوتا ہے۔ خصوصاً جس کا کوئی تدارک نہ ہو سکے۔ جب وہ سامنے آتا معلوم ہو جاتا ہے تو ہوش و حواس باقی نہیں رہتے اور رنج و تکلیف ہیبت و دہشت کے آثار چہرے پر ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ جب ایسی مصیبت آنے والی ہو اور اس کے آنے میں کچھ بھی کلام نہ ہو تو اس سے بے خبر رہ کر حجت بازی کرنا کیسی حماقت اور کیسی بدنصیبی ہے۔

ان آیات میں مسئلہ حشر کی ہولناک کیفیت بیان کی گئی جو رسالت کا ایک مقصدِ اعظم ہے کس لیے کہ یہی انسان کے شہوانی خیالات کو پست کرنے والی چیز ہے۔

ف حشرِ حقیقی کا تو ایک وقت معین ہے کہ آسمان و زمین یعنی یہ عالم ناسوتی فنا ہو کر عالم ملکوتی ظہور کرے گا اور وہاں اس عالم کی ہر چیز اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہوگی اور تمام بنی آدم خدا تعالیٰ کے پاس حاضر کیے جائیں گے جزا و سزا کے لیے' اور یہی راز ہے اس جہان میں آنے کا جس کو پہلے لیبلوکم ایکم احسن عملاً میں بیان فرمایا تھا مگر مرنے کے بعد بھی خدا کے پاس ارواح جزا و سزا کے لیے حاضر کی جاتی ہیں اور اس کو قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں' اور کیا سچا قول ہے من مات فقد قامت قیامتہ کہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہوگئی' یہ قیامت کبریٰ کا دروازہ ہے اور یہ بھی مبہم رکھی گئی ہے تاکہ انتظامِ عالم میں خلل نہ آئے اور نہ یہ کہ ہر وقت ہوشیار رہے' پھر یہ کبھی فرادیٰ فرادیٰ ہوتی ہے اور کبھی کوئی آسمانی حادثہ یکایک

آپڑتا ہے کہ جس سے ہزاروں لاکھوں یک بارگی ملکِ عدم میں پہنچ جاتے ہیں، ان باتوں کی طرف بھی والیہ تحشرون میں اشارہ تھا کہ کفار و مشرکین کی قوتِ نظریہ اور عملیہ دونوں خراب ہو چکی تھیں وہ اس کی بابت بھی وقت کی تعیین پوچھتے تھے کہ وہ حادثہ جس کو ہم محض خدا کی طرف سے اپنے کفر و بت پرستی کی سزا میں سمجھیں کب آئے گا؟ یہ بڑا گستاخانہ سوال ہے اس عالم میں سینکڑوں حوادث پہلے گزر چکے جن کے آثار تمہارے سامنے ہیں اور بہت سے گزر رہے ہیں پھر ان کی بابت سوال کرنا کہ وہ کب ہوں گے بڑی بیہودہ بات ہے جس کا جواب یہی ہے کہ جب اس کو سامنے آتے دیکھیں گے تو منہ بگڑ جائیں گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَ

کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو

مَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ

ہلاک کرے یا ہم پر مہربانی کرے پھر وہ کون ہے جو منکروں کو

مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ

دردناک عذاب سے بچا سکے کہہ دو وہی رحمٰن ہے

اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ

ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسہ بھی کر رکھا ہے پھر تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا

مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ

کہ کون صریح گمراہی میں پڑا ہے کہہ دو

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاۗؤُكُمْ غَوْرًا

بھلا دیکھو تو سہی اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے

فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے گا؟

ترکیب

ارءیتم بمعنی اخبرونی کما قال اکثر المفسرین والجملۃ الشرطیۃ ان اھلکنی اللّٰہ الخ سدت مسد المفعولین فمن یجیر الکٰفرین الخ جواب الشرط اٰمنا بہ و علیہ توکلنا صفۃ الرحمٰن وقیل ھو ضمیر الشان اٰمنا بہ خبر الرحمٰن من استفھامیۃ فی محل النصب علٰی انہ مفعول تعلمون ان اصبح شرط غورًا خبر اصبح والغور مصدر فی معنی الغائر ویقال غار الماء غورًا ای نضب فمن یاتیکم الجملۃ جواب الشرط معین ظاہر تراہ العیون وقیل ہو من معن الماء اذا کثر وقال قتادۃ والضحاک ای جار۔

تفسیر

ان امورِ آخرت کو سن کر کفار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ کیا ہم پر قحط و وبا وغیرہ کا عذاب آئے گا تو تم بچ جاؤ گے؟ یہ بھی ایک نامعقول گفتگو تھی اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے قل ارءیتم ان اھلکنی اللّٰہ ومن معی اورحمنا فمن یجیر الکٰفرین من عذاب الیم کہ اے نبی! ان سے کہہ دے کہ بتاؤ اگر مجھے اور میرے ساتھ والوں ایمان داروں کو اللہ ہلاک کر دے یا اپنی مہربانی سے بچا لے جو کچھ ہو مگر تم عذاب الیم سے جو تمہارے کفر کا بدلہ ہے کس طرح بچ سکتے ہو اپنی فکر کرو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کفار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہؓ کو برا بھلا کہتے تھے اور کوستے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے معبودوں کو نہیں مانتے یہ جلد ہلاک و
۲ ع ۱۶ ۲ برباد ہوں گے۔ اس کے رد و جواب میں یہ کہا گیا کہ ہمارا کام اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے ہلاک کرے چاہے

بچالے، مگر تم کو تمہارے معبود عذاب الیم سے کسی طرح بچا نہیں سکتے۔

ہم کو ہلاک کرے یا مہربانی کرے شک کے طور سے نہیں کہا بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اور اپنے گروہ پر مہربانی کا بھروسہ کامل تھا اور آپؐ کو وعدہ دیا گیا تھا لیکن ایسے محل پر مخالف ہٹ دھرم سے اسی طرح گفتگو کی جایا کرتی ہے۔

اسی لیے اس کے بعد فرماتا ہے قل ھو الرحمٰن اٰمنّا بہ وعلیہ توکلنا کہ ان سے کہہ دے وہ رحمٰن یعنی نہایت مہربانی کرنے والا ہے، ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر ہمارا ہر کام میں بھروسہ ہے۔ بے شک وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں ایمان لانے والوں کو نوازتا ہے۔ تمہارے بُت ہمارا کچھ بھی نہ کر سکیں گے تم ایسے بے ہودہ خیالات کی صریح گمراہی میں ہو، ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا فستعلمون من ھو فی ضلٰل مبین کہ کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

ابھی سے کیا مراد؟ موت کے بعد جو قریب ہے یا وہ بلائیں جو عن قریب تم پر آنے والی ہیں، چنانچہ قحط آیا، مقہور ہوئے۔ یا یہ مراد ہے کہ خدا پاک نورِ ہدایت کو پھیلاتا جاتا ہے ابھی تم کو بعد بس معلوم ہو جائے گا کہ ہم صریح گمراہی میں تھے، چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد ہزاروں لاکھوں اسلام کے نور سے منور ہوئے اور بعد میں مقر ہو گئے کہ ہم گمراہی میں تھے، یا قیامت کے دن۔ گو قیامت بظاہر دور ہے مگر آنے والی ہے اور آنے والی دور بھی نزدیک ہوتی ہے۔

اس کے بعد ان کے بتوں کی کمزوری اور خدائے تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایک دلیل بیان فرماتا ہے قل ارءیتم ان اصبح ماؤکم غورًا فمن یاتیکم بماء معین۔ کہ ان سے کہہ بھلا بتاؤ تو سہی خدا اگر تمہارے پانی کو (یعنی کنوؤں کے یا نہروں کے پانی کو) سکھا دے تو پھر وہ کون ہے جو کثرت سے پانی تمہارے پاس لے آئے۔ اس بات کو وہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں، بس میرا بادشاہ بابرکت جس نے برکت کے یہ سامان کیے اس پر بھی قادر ہے کہ وہ پانی کہ جس پر تمہاری زندگی کا مدار ہے خشک کر دے، پھر وہ قادر نافع وضار ہے یا تمہارے معبود؟ میرے معبود کے ہاتھ تمہاری جان ہے، تمہارے معبودوں کے ہاتھ میرا کچھ بھی نہیں۔ سبحان اللہ! کس موقع پر کلام تمام کیا ہے کہ جس کو اول واوسط سے کمال ارتباط ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جملے کے بعد مستحب ہے کہ اللہ رب العٰلمین کہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ پانی لائے گا۔ بعض متکبرین نے یہ آیت سن کر کہا ہم کھود کر پانی نکال لائیں گے، خدا نے اس کی آنکھوں کا پانی کھود یا۔ اللہ سے ڈرتا رہے گستاخی نہ کرے۔

سورۂ قلم

مکیہ ہے اس میں باون آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ

نون قسم ہے قلم کی اور اس کی جو اس سے لکھتے ہیں

اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢ وَ

آپ اپنے رب کی عنایت سے دیوانے نہیں اور

اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝٣

آپ کے لیے تو بے شمار اجر ہے

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝٤ فَسَتُبْصِرُ

اور آپ جو ہیں تو بڑے ہی خوش خلق ہیں سو اب آپ بھی دیکھ لیں

وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝٦

اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ

سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝٧

سے بہکا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝٨

پس آپ جھٹلانے والوں کی نہ مانیں

ترکیب

ن قرئ بادغام النون الثانیۃ من ہجائہا فی الواو قرئ بالاظہار و بالفتح و بالکسر و بالضم اما الفتح فباضمار فعل و الفتح علی اضمار القسم او لالتقاء الساکنین و الضم علی البناء۔ والقلم الواو للقسم وما موصولۃ یسطرون صلۃ والعائد محذوف والجملۃ معطوفۃ علی القلم ما انت الجملۃ جواب القسم وان لک الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ وانک ایضا معطوفۃ علیہا والجملات الثلاث جواب القسم۔ بایکم المفتون الباء زائدۃ ویمکن ان یکون المفتون مصدرا مثل المعقول والمیسور ای بایکم الجنون۔

تفسیر

جمہور کے نزدیک یہ سورت بھی مکے میں نازل ہوئی ہے۔ حسن و عکرمہ و عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ اقرأ نازل ہوئی۔ پھر سورۂ نٓ پھر مزمل پھر مدثر۔ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ کچھ مکے میں اور کچھ مدینے میں نازل ہوئی۔ اس سورت کو سورۂ قلم بھی کہتے ہیں اور سورۂ نون بھی۔ کس لیے کہ نون بھی اس کے اول میں ہے اور قلم بھی ہے۔

اس سورت میں بھی بلحاظ تقدم نزول کے مسئلہ نبوت پر دل چسپ بحث ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں جو مخالفین نبوت اپنے خیالات فاسدہ سے عیب ثابت کرتے تھے کہ آپ دیوانے ہیں اور ناحق دنیا سے لڑتے جھگڑتے ہیں بدخلق ہیں، ان کی بدلائل نوبہ نفی کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہ تھی نہ مستبعد کس لیے کہ ملک عرب اور اس کا مکہ شہر گمراہی اور ہلاکت کی اندھیریوں میں پڑا ہوا تھا، ایسے وقت خدائے پاک کی توحید و عظمت بیان کرنا اور مکارم اخلاق کی تعلیم دینا اور ان بری باتوں کی ممانعت کرنا جو ان کی طبیعت میں خمیر ہو گئی تھیں اور صدیوں سے وہ اپنے باپ دادا کو انہیں پر چلتے دیکھتے آئے تھے ایک نہایت حیرت خیز بات تھی جس کے قائل کو دیوانہ کہنا کچھ بڑی بات نہ تھی، اور جابجا پُر درد الفاظ میں منادی کرنا اور دردمندی سے ان ڈوبتوں کو بچانے کی کوشش کرنا ان کی طبیعت کے برخلاف کام تھا جس کو بدخلقی اور تعصب کہتے تھے اور آپ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ آپ کے حق میں مہلک خیال کرتے تھے اور آپ کو اس طریقہ سے پھیر کر اپنی طرف لانا آپ کے حق میں بہتر خیال کرتے تھے۔ ان سب باتوں کا رد ان آیات میں بڑے تسلی بخش الفاظ میں کیا گیا ہے۔

عرب میں دستور تھا کہ جھوٹی بات پر کبھی قسم نہ کھاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو کوئی جھوٹ پر قسم کھائیگا برباد ہو جائے گا۔ اس لیے خدائے پاک اپنے کلام کو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرتا ہے قسم سے شروع کرتا ہے:۔

فقال نٓ والقلم وما یسطرون کہ قسم ہے نون اور قلم سے لکھی ہوئی چیزوں کی ما انت الخ کہ تو اے محمد! فضل الٰہی سے دیوانہ نہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

نون سے کیا مراد ہے؟

نون سے کیا مراد ہے؟ اس کی پوری بحث سورہ بقرہ کی تفسیر الٓمٓ میں ہم کر آتے ہیں مگر یہاں اس قدر جان لینا کافی ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نون کسی کلمہ کا حرفِ ابتدائی یا اخیر حرف ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

ابتدائی حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں یہ ناصر یا ننصر یا نحن ننصر کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد! کفار کے غلبہ و شوکت اور اپنے متبعین کے ضعف و قلت کا خیال نہ کر۔ ہم اس دین کی مدد کریں گے اور غلبہ دیں گے۔ چنانچہ غلبہ دیا اور وعدہ سچا کر دکھایا۔ بعض کہتے ہیں نور[1] کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد! دنیا ظلمات سے بھر گئی ہے اللہ نے اپنا نور ظاہر کیا جو تجھے بھیجا اور جہان کو روشن کرنے کے لیے مکے کے پہاڑوں سے آفتابِ ہدایت کو جلوہ گر کیا جس کی کرنیں تھوڑے سے دنوں میں زمین کے کناروں تک پھیل گئیں اور وہ کسی کے روکے سے نہ رکیں واللہ متم نورہ۔

اور اخیر حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں الرحمٰن کی طرف اشارہ ہے کہ ہم رحمٰن ہیں اپنی رحمتِ کاملہ سے دنیا میں نبی اور کتابیں بھیجی ہیں۔

بعض کہتے ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس سورت کی آیات میں اخیر حرف نون ہے جیسا کہ بلغاء فصحاء اول ہی کہہ دیتے ہیں کہ لام یعنی لام کی ردیف ہوگی ان سب صورتوں میں نون حروف میں سے ایک حرف تہجی مراد ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ نون سے مراد مچھلی ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں وہ مچھلی کہ جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو لقمہ کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مچھلی ہے جس کی پشت پر زمین ہے جس کا نام لیموث یا بلہوت ہے۔ پھر اس کی تفصیل میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جب خدا نے آسمان و زمین بنائے تو عرش سے فرشتہ بھیجا جس نے زمین کو اپنے مونڈھوں پر اٹھا لیا مگر فرشتہ کے پاؤں ٹکنے کی جگہ نہ تھی خدا نے ایک بیل بھیجا جس کے چالیس ہزار سینگ تھے اور چالیس ہزار پاؤں تھے بیل کے کوہان پر زمرد کی چوکی رکھی اس پر فرشتہ نے پاؤں رکھے مگر پھر بیل کے پاؤں رکھنے کی کوئی جگہ نہ تھی اس کے لیے ایک بڑا پتھر پیدا کیا جس پر وہ بیل کھڑا ہوا اور بیل کے سینگ زمین میں سے باہر نکل آئے ہیں اور اس کے نتھنے سمندر میں ہیں جب دم لیتا ہے تو سمندر کا پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور کف بھی پیدا ہوتے ہیں اور جب دم کھینچتا ہے تو پانی سمٹ جاتا ہے یعنی مد و جزر اس کے سانس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ پتھر جس پر بیل کھڑا ہے ایک مچھلی پر ہے جس کا یہاں ذکر ہے اور مچھلی پانی پر ہے اور پانی ہوا پر ہے جس سے اشارہ ہے کہ جہان کی بنیاد ہوا پر ہے۔ پھر اس مچھلی اور بیل کی بابت عجائب و غرائب روایات مذکور ہیں۔ یہ روایات ابن المنذر و عبد بن حمید و ابن مردویہ نے کی ہیں اور مجاہد و سدی و مقاتل و مرہ ہمدانی و عطا خراسانی کلبی وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ یہ روایات محققین محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں اس لیے انہوں نے

---

[1] تب اس میں اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہوگا جو حضرت یسعیاہ علیہ السلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت لکھ گئے تھے جس کا کتاب یسعیاہ کے ساٹھویں باب میں ذکر ہے بقولہ اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ۱۲ منہ

ان روایات کو اپنی کتابوں میں لکھنا برا سمجھا۔ فن موضوعات[1] میں ائمہ جرح و تعدیل نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے۔

صوفیہ کرام کا مذہب

بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ نون سے مراد نفسِ کلیہ اور قلم سے عقلِ کلی ہے۔ اول میں کنایہ ہے کلمہ کے اول حرف کے ساتھ اور دوم باب تشبیہ سے ہے کہ نفس میں صورِ موجودات تاثیرِ عقل سے منقش ہو جاتے ہیں جیساکہ صورِ لوح پر قلم کی تاثیر سے منقش ہوتی ہیں۔ وما یسطرون سے مراد صورِ اشیاء اور ان کی ماہیات اور ان کے احوال جو صادر ہونے والے ہیں اور لکھنے والے عقول متوسط ارواح مقدسہ ہیں اگرچہ کاتب ازلی حقیقت میں وہی ہے لیکن ان کی طرف مجازاً اس لیے منسوب کیا گیا کہ وہ ذریعہ ہیں۔ (از تفسیر علامہ محی الدین ابن عربی)

بعض کہتے ہیں نون سے ذاتِ باری اور قلم سے صفات مراد ہیں۔ وما یسطرون سے وہ افعال و حالات جو الواحِ تقدیر پر لکھے جاتے ہیں۔ (عرائس)

صاف مطلب یہ ہے کہ نٓ ایک حرف ہے جو شروع کلام میں کسی خاص رمز کے لیے آیا ہے جس کو وہی خوب جانتا ہے جیساکہ اور حروف سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں۔

قلم سے کیا مراد ہے؟

والقلم وما یسطرون سے قسم شروع ہوتی ہے کہ قلم کی قسم اور اس کی جو لکھتے ہیں۔ اب قلم سے خواہ وہ نورانی قلم مراد لو یعنی اندازۂ الٰہیہ کہ جس نے ازل میں ہر شے کو الواحِ علیہ پر ثابت کر دیا جیساکہ حدیثِ صحیح میں آیا ہے جفّ القلم بما انت لاق (رواہ البخاری) قلم کے خشک ہونے سے کنایہ ہے قلمِ الٰہی سے مقادیر لکھے جانے اور ان سے فارغ ہو جانے سے۔ ترمذی نے روایت کی ہے کہ اول خدا نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے کہا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں فرمایا تقدیر لکھ، پھر جو ہوا اور ابد تک ہوگا سب کچھ لکھا گیا۔ قلم اور لوح وہی تقدیرِ علمی اور مرتبۂ ثبوت فی علم اللہ ہے جو ازل میں تھا جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔

اس نوشتۂ ازلی کا ثبوت انجیل متی کے ۲۶ باب

[1] یہ ایک حدیث کا فن ہے جس میں محدثین نے تحقیق و تدقیق سے جھوٹی اور لوگوں کی بنائی ہوئی حدیثوں کو جداگانہ لکھ دیا ہے جیساکہ ابن حبان و عقیل ازدی کی تصنیف اور دارقطنی کے افراد اور خطیب کی تاریخ اور کامل بن عدی کی اور میزان ذہبی کی ان بزرگوں نے ضعاف و موضوعات کو چھانٹ لیا ہے۔ اور بعض علما نے خاص موضوعات کے لیے تصانیف کی ہیں جیساکہ موضوعات ابن الجوزی و صغانی و جوزقانی و قزوینی۔ پھر مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس کا مختصر اور سخاوی کا مقاصد اور تمیز الطیب من الخبیث ربیع کی۔ اور سیوطی نے ایک رسالہ بنام ذیل لکھا ابن جوزی کے موضوعات پر اور دوسرا اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ۔ اور عراقی نے احیاء العلوم پر تخریج لکھی اور طاہر ہندی نے تذکرہ لکھا اور ملا علی قاری نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔ پھر ان کے بعد شوکانی نے الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ایک جامع کتاب لکھی ۱۲ منہ

۴۸ ۵ جملے سے بھی ہے۔ قولہ "کیا تو نہیں جانتا کہ میں ابھی اپنے باپ سے مانگ سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ ثمن سے زیادہ میرے لیے حاضر کر دے گا۔ (۴۴:۵) پر نوشتوں کی بات کہ یوں ہی ہونا ضرور ہے تب کیوں کر پوری ہوگی۔

خواہ اس سے مراد وہ قلم اور وہ لکھنا ہو کہ جو ملائکہ انسان کے نیک و بدکام لکھتے ہیں جس میں منکرینِ نبوت کے لیے سرزنش ہے۔

خواہ دنیاوی لوگوں کے قلم اور ان کی تحریرات مراد ہوں، پھر عام ہے کہ ہر معاملہ و انتظامِ دنیا کی بابت ہوں کس لیے کہ یہ بھی انعامِ الٰہی ہے جس پر دنیا کے صدہا انتظام مربوط ہیں، خواہ علماء ربانیین کے قلم اور ان کی تحریر مقدس اور الہامی کتابوں کی بابت ہو جس کو قریش بھی عمدہ اور متبرک سمجھتے تھے یا عام علمی قلمیں اور ان کی تحریریں ہوں جس سے اشارہ ہے کہ اسی دنیا میں پہلے بھی انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور ان کے منہ کی الہامی باتیں لوگوں نے تحریر کی ہیں، اور پھر ان کو بھی اس عہد کے جاہلوں نے دیوانہ بنایا ہے جس پر وہ عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے ہیں اور ان باتوں کو اہلِ قلم مؤرخین نے لکھا ہے ان سے پوچھ دیکھو بہر حال یہ ایک عمدہ اور اعلیٰ چیز کی قسم ہے کفار کے ابطال کے لیے کہ وہ نبوتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے اور آپ کو دیوانہ کہتے تھے، اس بات کا رد کرنے میں نون اور قلم اور تحریر کی قسم سے ایک عمدہ مناسبت ہے۔ کس لیے کہ نبوت علوم کا سرچشمہ ہے جو ایک اعلیٰ ترین نور ہے جس کے فیوضات بعد میں یا اس کے روبرو مبارک ہاتھ لکھا کرتے ہیں اور مقدس صحائف میں درج ہیں اور وہ دنیا کی اصلاح و فلاح کا عمدہ ذریعہ ہوتے ہیں مگر جاہل دماغ جب ان باتوں کو قبول نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دیوانہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر معنی سے قسم اور مقسم بہ میں مناسبت ہے۔

اور پھر ان چیزوں کی قسم سورت تبارک سے کمال مناسبت رکھتی ہے کس لیے کہ اس سورت میں خدا تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کا اظہار کیا تھا اور اس کے متعلق آسمانوں و زمین کا بلند اور وسیع مکان بنانا اور مطیع اور سرکشوں کے لیے دار الانعام اور جہنم کا قید خانہ وغیرہ امور ذکر فرمائے تھے مگر دفترِ شاہانہ کا ذکر نہ آیا تھا، اس لیے یہاں نون اور قلم اور تحریر سے وہ بات بھی ثابت کر دی۔ قلم کے فضائل یعنی علم کی خوبیاں اور قلم سے نبوت کی مناسبت کہ قلم جس طرح لکھنے والے کے ہاتھ میں مجبور ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام تابعِ الہام ہیں، آپ سے کچھ نہیں فرماتے وما ینطق عن الھوی پر علماء نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔

کس لیے مجنون کہتے تھے

تین چیزوں کی قسم کھائی ن قلم۔ تحریر کی اور قسم کھا کر تین باتیں بیان فرمائیں:

(۱) ما انت بنعمۃ ربک بمجنون کہ تو اے نبی اپنے رب کی نعمت یعنی عنایت سے دیوانہ نہیں اور جملہ کو اسمیہ اور با سے مؤکد کیا جو عین مقتضائے بلاغت تھا کس لیے کہ وہ آپ کو مجنون بھی بڑے زور سے کہتے اور وجہ مجنون کہنے کی وہی تعلیمِ توحید و مکارمِ اخلاق تھی مگر نیا ایک سبب اور بھی پیدا ہو گیا تھا وہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارِ نبوت کے بعد کہ جس سے تمام مکے میں کھلبلی پڑ گئی تھی حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ام ایمنؓ آپ کی لونڈی اور زیدؓ آپ کے متبنّٰی ایمان لائے تو آپ نے ان کو وضو اور نماز کے طریقے سکھائے جس سے اور بھی اہلِ مکہ کو نئی بات دیکھ کر حیرت ہوئی اور آپ کو دیوانہ کہنا

شروع کر دیا اور لطف یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد دانائی کے نبوت سے پہلے نہ صرف قریشِ مکہ بلکہ اور اطراف و جوانب کے لوگ بھی قائل تھے اور آپؐ کی زیرکی ضرب المثل تھی۔

(۲) وان لک لاجرا غیر ممنون کہ آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے۔ یہ گویا دلیل ہے پہلے جملے کی کس لیے کہ دیوانے کی کوئی بات قابلِ مدح اور سببِ اجر نہیں ہوتی کیوں کہ اس کا کوئی کام عقل و ہوش سے نہیں ہوتا، برخلاف اس کے آپؐ کو اجر ہے ان تمام مساعی جمیلہ کا اور اجر بھی کیسا؟ بے انتہا، کس لیے کہ دنیا میں توحید و خداپرستی اور مکارمِ اخلاق کے (ان کے مٹ جانے کے بعد) آپؐ ہی مروّج اور معلم ہیں جب تک دنیا میں یہ باتیں جاری رہیں گی آپؐ کو بھی برابر اجر ملتا رہے گا اور ہر ایک نیک کام کے بانی اور مروّج کو بعد میں اجر ملا کرتا ہے یہ اس کے باقیات الصالحات میں شمار ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دنیا میں گویا ایسے آدمی زندہ رہ کر نیک کام میں حصہ لینے والے شمار ہوتے ہیں اور زندہ تصور کیے جاتے ہیں۔

ف ممنون مقطوع کو کہتے ہیں مننت الحبل اذا قطعتہ غیر ممنون غیر مقطوع کہ وہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور یہی معنی ہیں۔

(۳) وانک لعلیٰ خلق عظیم اور بے شک تو بڑے خُلق پر ہے۔ یہ بھی اسی جملے کی ایک دلیلِ قوی ہے۔ کس لیے کہ مجنون کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے، برخلاف اس کے کہ آپؐ کے اخلاقِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ کے وہ بھی بالاتفاق قائل تھے، پھر دیوانہ کہنا دیوانہ پن ہے۔

خُلق کیا ہے؟

خُلق ایک نفسانی ملکہ ہے جس کے سبب انسان عمدہ کام بآسانی کر سکتا ہے، اچھے کام کرنا اور بات ہے اور ان کو آسانی سے کرنا اور بات ہے، پس وہ حالت جس کی وجہ سے بسہولت نیک کاموں کو کر سکے اس کو خلق کہتے ہیں جس کی جمع اخلاق آتی ہے۔ خُلق خلق بالضم و بالضمتین خوئے (صراح) خلق بخل اور لالچ اور غضب اور معاملات میں تشدد سے بچنا اور لوگوں سے معاملات میں نرمی درگزر مروّت سیر چشمی سے پیش آنا انتقام سے درگزر کرنا اقارب و احباب کے ساتھ سلوک کرنا بلکہ بدی کے مقابلے میں نیکی کرنا۔ کینہ اور حسد سے دور رہنا بھی خلق میں داخل ہے۔ حیا و شرم کرنا سخت کلامی اور فحش گوئی اور طعنہ بازی سے بچنا اس کا ایک جز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں یہ سب باتیں فطری طور پر خمیر کر دی گئی تھیں ان باتوں کو بہ تکلف عمل میں لانے کی حاجت نہ تھی بلکہ بے تکلف خود بخود آپؐ سے سرزد ہوتی تھیں۔ خُلقِ محمدی دنیا میں مشہور ہے۔ حضرتؐ کی روحِ پاک میں معارفِ الٰہیہ حقہ کے قبول کرنے کی نہایت استعداد رکھی تھی اور بری باتوں غلط عقائد کے قبول کرنے کی قطعاً استعداد نہ تھی اس لیے یہ ملکہ آپؐ میں تھا جس کو خلق سے تعبیر کیا۔

حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے خُلقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا تو فرمایا آپؐ کا خلق قرآن تھا جس سے وہ راضی اس سے آپؐ راضی، جس سے وہ ناخوش اس سے آپؐ ناخوش تھے۔

(اخرجہ البیہقی فی الدلائل و ابن مردویہ و ابن المنذر)

اس قسم کی ایک روایت سعد بن ہشام سے مسلم و ابن المنذر و حاکم وغیرہم نے نقل کی ہیں جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرتؐ کا نفس مقدس بالطبع عالمِ قدس کی طرف مائل اور اس کے ساتھ جس قدر چیزیں متعلق ہیں ان کی طرف راغب تھا اور لذاتِ بدنیہ اور سعادتِ

دنیویہ سے بالطبع آپؐ کو سخت نفرت تھی۔ وذٰلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آپؐ سے زیادہ کوئی خوش خلق نہ تھا جب کسی نے بلایا تو آپؐ نے یہ فرمایا لبیک یعنی حاضر۔ نہ عمر بھر کسی کو مارا نہ گالی دی نہ سخت کلامی سے پیش آئے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ دس برس تک میں حضرت کی خدمت میں رہا آپ نے کبھی مجھے کسی کام کے کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں کیا اور نہ کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں نہ کیا۔ کتب شمائل اور سیر میں اس سے زیادہ آپؐ کے مکارم اخلاق مذکور ہیں۔

آج کل جھگڑا بازی اور فحش گوئی اور بے جا دل لگی اور ہنسی کا نام خُلق رکھا ہے۔ افسوس۔

ف علیٰ کا لفظ استعلاء کے لیے عرب میں مستعمل ہوتا ہے۔ علیٰ خلق کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ آپؐ ان اخلاقِ حمیدہ پر حاوی اور غالب ہیں اور عظیم کے لفظ نے اور بھی معنی میں وسعت پیدا کر دی کس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے انبیاء علیہم السلام کی اقتداء و اتباع کا حکم دیا گیا ہے بقولہ اولٰئك الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ اور یہ ظاہر ہے کہ معرفتِ الٰہی اور احکام شرائع میں یہ اقتداء نہیں تو لامحالہ ان کے اخلاق میں اقتداء کرنا ہے تو جو ہر ایک نبی علیہ السلام کے اخلاق تھے ان سب کا مجموعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم ہوا، اس لیے آپؐ کا خلق عظیم تھا۔ کیا خوب کہا ہے خسرو علیہ الرحمہ نے ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ تین باتیں تین چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمائیں جن میں سے ہر ایک کو دوسری سے مناسبتِ تامہ ہے اور پھر ہر ایک کو ہر ایک چیز سے کہ جس کی قسم کھائی ہے عجب مناسبت ہے۔ اور مجموعہ کو مجموعہ سے مناسبت ہے۔ یہ کمالِ بلاغت ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ تینوں باتیں جدا جدا بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہیں۔ اور مجموع مرکب ہو کر بھی جس کی تقریر اذہانِ صافیہ پر چھوڑتا ہوں۔

پیشین گوئی

اس برہانِ قاطع کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا آئندہ آنے والی نشانی سے پورا اطمینان دلاتا ہے اور ایک پیشین گوئی کرتا ہے جس کو اہلِ مکہ نے بہت جلد آنکھوں سے دیکھ لیا۔

فقال فستبصر ویبصرون کہ اے محمدؐ! ابھی آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے، کیا دیکھ لیں گے؟ بعض علماء کہتے ہیں دنیا کی سزا جو بدر کے دن اور ایک قحطِ عظیم سے قریش کو ملی جس کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ بعض فرماتے ہیں یہ عذاب آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ مگر میں کہتا ہوں بایکم المفتون، یبصرون کا مفعول ہے بذریعہ ب تب یہ معنی ہوئے کہ ابھی معلوم ہو جائیگا کہ تم میں سے کون فتنے میں پڑا ہے۔ دیوانہ یا مقہور ہے۔ چنانچہ چند برسوں کے بعد جب آفتابِ ہدایت اور بلند ہوا تو تمام عرب نے جان لیا کہ ہم گمراہی پر تھے ناحق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ لونڈیاں غلام، بوڑھے اور بچے شریف و وضیع سب کی آنکھوں میں ان کی وہ پہلی حالت جو بت پرستی اور ہر قسم کی بدکاری تھی متبدل ہو گئی۔ یہ کوئی تھوڑی بات نہیں کوئی شخص جو دراصل خداتعالیٰ کا فرستادہ نہ ہو اور اس کو اپنے نورِ باطن و تاثیر بے حد کا پورا بھروسہ نہ ہو ایسی جاہل بت پرست مغرور بدکار قوم کی نسبت یہ دعویٰ کر سکتا ہے؟ نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کی ایسی جلد کایا پلٹ دینے کا بیڑا اٹھایا اور نہ اٹھا سکتے تھے۔ اس اعجاز سے بڑھ کر دنیا میں کسی نبی نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین کہ تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستے سے بچلا ہوا اور کون رستے پر ہے؟ جو گمراہ ہے اور گمراہی کو ہدایت جانتا ہے اس سے بڑھ کر کون دیوانہ ہے اور ہدایت پانے والے سے جو سیدھی راہ چلا جارہا ہے کون عقل مند ہے؟ اس میں اشارہ ہے کہ وہی گمراہ ہیں اور وہی دیوانے ہیں۔ ان کے دیوانہ ہونے کی دلیل ان کی گمراہی ہے، اور آپ اور آپ کے متبعین کے عاقل ہونے کی دلیل ہدایت پر ہونا ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ جو اپنے آپ کو عاقل اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں جھوٹے ہیں کس لیے کہ تو ہدایت پر اور وہ گمراہی پر ہیں۔ اور امتیاز جو ہدایت وگمراہی سے حاصل ہو وہ اس امتیاز سے بہتر ہے جو عقل وجنون سے حاصل ہو کس لیے کہ وہ سعادت وشقاوت ابدیہ کا ثمرہ ہے اور یہ سعادت وشقاوت دنیویہ کا نتیجہ ہے۔

پھر جب یہ دیوانے ہیں اور دیوانگی سے جھٹلاتے ہیں فلا تطع المکذبین ان جھٹلانے والوں کا کہا نہ مان۔ کیوں کہ وہ تجھے اسی حالت خراب کی طرف بلائے ہیں جس میں وہ خود مبتلا ہیں۔ دنیا میں جو مذہب وملت کا جھگڑا اور لڑائی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ ہدایت پانے والا دوسرے گمراہ بھائی کو دیکھ رہا ہے کہ یہ ڈوبا جاتا ہے اس لیے اس کے بچانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس کو ڈوبتا جان کر اس کے برخلاف کوشش کرتا ہے اور پھر ہر ایک فریق کو دوسرے سے رفتہ رفتہ رنج وعداوت بھی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ جنگ وجدال ہوتا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾

وہ چاہتے ہیں آپ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾

اور اے رسول آپ کسی ایسے کے کہنے میں آجانا جو بُری قسمیں کھاتا ہے

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ

ذلیل طعنہ باز چغل خور بھی ہے بھلی باتوں سے

لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ

روکنے والا ظالم بدکار سرکش اس پر

ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ

بد اصل بھی ہے اس سبب کہ وہ مال و

وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا

اولاد والا بھی ہے جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں

قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ

تو کہتا ہے یہ تو پہلوں کی کہانیاں ہیں (آپ دیکھیں) عنقریب ہم

عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

اس کے ناک پر داغ لگاتے ہیں

ترکیب

فیدھنون عطف علی تدھن داخل فی حیز لو وھو مبتدا محذوف ای فھم یدھنون وجواب لو محذوف وکذا مفعول ودوا ای ودوا ادھانک لو تدھن فیدھنون و یمکن ان یکون فیدھنون مع المبتدا المحذوف جواب لو والشرط والجزاء الجملۃ مفعول ودوا وفی بعض المصاحف فیدھنوا بحذف النون علی انہ جواب التمنی المفھوم من ودوا ان کان الخ بالفتح مصدریۃ متعلق بقولہ ولا تطع ای لا تطع من ہذہ مثالبہ لان کان متمولا مستظہرا بالبنین۔ ہذا قول الفراء والزجاج۔ وقری ان بالکسر علی الشرط و

جواب الشرط محذوف دل علیہ اذا تتلیٰ ای ان کان ذو مال یکفر او لا تطع ایہا المخاطب کل حلاف شارطا یسارہ اذا شرط قال جوابہ۔

تفسیر

اول بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اطاعت سے منع کیا تھا بقولہ فلا تطع المکذبین اب اسی بات کو اور مؤکد کرتا ہے۔

فقال ودوا کہ وہ کفار چاہتے ہیں لو تدہن کہ اگر آپ مداہنت[1] کر جائیں حق سے چشم پوشی کر لیں صاف صاف بتوں اور بت پرستی کی برائی نہ کریں تو فیدہنون وہ بھی آپ سے تشدد نہ کریں گول گول باتیں کہنے میں کچھ ممانعت نہ کریں۔

مفسرین نے ان آیات کے متعلق نقل کیا ہے کہ ابوجہل و اسود بن عبد یغوث و اخنس بن شریق وغیرہ مکہ کے رؤسا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اگر اس پند و نصیحت سے آپ کی یہ غرض ہے کہ دنیا کا عیش و عشرت میسر آئے تو آپ فرمائیے اگر عورتوں سے رغبت ہے تو عمدہ سے عمدہ کنواری لڑکیاں آپ کے لیے حاضر کریں اور آپ کا جس سے فرمائیں نکاح کرا دیں، اگر دولت مقصود ہو تو ہم مال اور مواشی حاضر کریں، اگر سرداری مقصود ہے تو آپ ہماری قوم میں عالی نسب عقل مند ہیں ہم آپ کو سردار بنا لیں آپ نے فرمایا مجھے ان باتوں میں سے کوئی مطلوب نہیں، صرف تمہاری بھلائی مقصود ہے کہ تم ہلاکت میں نہ پڑو اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا آج تو آپ عبادت کیا کریں مگر بتوں کی مذمت اور ان کی پرستش سے منع نہ کریں ہم بھی آپ پر طعن و تشنیع نہ کریں گے۔ آں حضرتؐ نے سکوت کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی ودوا لو تدہن الخ۔

مگر ان سب کفار میں ولید بن المغیرہ بڑا بدذات تھا، اس کی بدذاتی یہ تھی کہ جھوٹا بات بات پر قسمیں کھانے والا، چغل خور نیک کاموں سے روکنے والا بدمزاج سرکش حرامی تھا مال و اولاد کا بڑا گھمنڈ تھا وہ اپنی امارت و ریاست کے نشہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو حقیر سمجھتا تھا اور اپنی حکومت کی کوشش کرتا تھا کہ میرا کہنا مانیں عدول حکمی نہ کریں اس توحید و خدا پرستی سے باز آئیں اس لیے بالخصوص اس کی اطاعت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا۔ آپؐ خود بھی اس کی اطاعت کرنے والے نہیں تھے مگر تاکیداً حکم دیا اور اس کا نام نہیں لیا اس کے اوصافِ رذیلہ بیان کر دیے تاکہ لوگوں کو ایسے اوصاف سے نفرت ہو اور ترک کریں اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ایسے اوصاف کا شخص اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی اطاعت کرے۔

فقال ولا تطع کل حلاف کہ آپ ہر ایک بہت قسمیں کھانے والے کی نہ مانیں بات بات پر قسمیں کھانا رذالت و کاذب ہونے کی دلیل ہے۔ مہین ذلیل حقیر دنیاوی باتوں پر جھوٹ بولنا قسمیں کھانا ذلیل کر دیتا ہے جس سے

---

[1] مداہنت فی الدین یہ ہے کہ بد مذاہب فساق فجار کو منع نہ کرے جیسا کوئی ہو اسی کے مطابق اس سے پیش آئے۔ اس کی ممانعت احادیثِ صحیحہ میں آئی ہے بلکہ ایسے امور سے نفرت و بیزاری ظاہر کرنا دین ہے۔ جس کو آج کل تعصب کہتے ہیں اور برا سمجھتے ہیں۔ مگر یہ نادانی ہے۔ لیکن مداہنت اور چیز ہے اور خوش خلقی اور چیز ہے۔ بعض صاحبوں نے ترش روئی اور سخت مزاجی کا نام دین رکھا ہے یہ بھی غلطی ہے۔ ۱۲ منہ

اس کی پست ہمتی اور ہلکا پن ثابت ہوتا ہے اس کے علاوہ وہ موذی بھی ہو۔

ھمّازٍ۔ طعن کرنے والا لوگوں کو بُرا کہنے والا لوگوں کے حسب و نسب اخلاق صورت شکل پر طعنہ کر کے لوگوں کو ایذا دینے والا۔

مشّاءٍ بنمیم چغل خور ایک کو دوسرے سے لڑا دینے والا۔

منّاعٍ للخیر نیکی سے منع کرنے والا۔ اگر اس کی اولاد یا نوکروں میں سے کوئی آں حضرتؐ کے پاس آتا تو یہ دھمکاتا کہ کھانا بند کر دوں گا۔

معتدٍ ظالم، لوگوں کے حقوق تلف کرنے والا۔ مزدور سے کام لیا مار پیٹ کر نکال دیا۔

اثیم بدکار، شراب پینے والا، زنا لواطت کرنے والا۔

عتلٍّ سرکش اڑیل بدمزاج کسی کی بات خود پسندی سے نہ ماننے والا۔

بعد ذٰلک ان سب عیبوں کے بعد زنیم ولدالزنا۔ حرام کا نطفہ بیشتر اخلاقِ رذیلہ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ولید کو اٹھارہ برس کے بعد اس کے باپ نے کہا تھا کہ یہ میرے نطفہ سے ہے۔ حرامی اولاد میں خیر و برکت شجاعت و حمیت کم ہوتی ہے جن والیانِ ملک نے بے شمار عورتیں گھر میں ڈال کر حرامی اولاد جنوائی نہ ان میں شجاعت و عفت دکھائی دیتی ہے نہ ریاست و سیاست کی غیرت باقی ہے مرد چھچھورے بدکار کمینہ پرست عورتیں فاحشہ، خاندان بر باد ہوا۔

نطفے میں ضرور ایک نیک و بد اثر ہوتا ہے۔ علاوہ صحت و مرضِ جسمانی کے حلالی حرامی ہونے کا بھی ایک اثر ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ میں آچکا ہے۔ زنیم کے معنی شعبی نے شریر کے بھی بیان کیے ہیں۔ عکرمہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے زنیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی گردن میں رسولی تھی جس سے وہ پہچانا جاتا تھا۔ اور لغت میں زنمہ کے معنی زیادہ کے ہیں، اور بکری کے کان بجبر ڈالتے ہیں اور وہ سوکھ کر لٹک جاتے ہیں تو ان کو زنمۃ الشاۃ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ، جس میں ان باتوں میں سے ایک بھی ہو وہ بھی قابلِ نفرت ہے اس کی اطاعت کیسی چہ جائے کہ اس میں اس قدر عیب ہوں۔

ان کان ذا مال و بنین اس لیے کہ وہ مال اور لڑکوں والا ہے مغرور اور نافرمان ہوا ہے اور اس نالائقی پر یہ نعمت پا کر شکر گزاری نہیں کرتا۔ بلکہ اذا تتلٰی علیہ اٰیٰتنا قال اساطیر الاوّلین جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں کہ سُن کر اپنے اخلاق درست کرے ہماری طرف رجوع ہو وہ سُن کر یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں کلام الٰہی نہیں اس لیے اس ناشکر کے لیے دنیا ہی میں ایسی سزا دی جائے گی کہ جو اس کے کبر و غرور کو مٹا دے وہ کیا؟

سنسمہ علی الخرطوم کہ ہم ابھی اس کی ناک پر جو بڑی اور بے ڈول ہونے کے سبب ہاتھی کی سونڈ جیسی ہے داغ اور نشان لگا دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بدر کی لڑائی میں کسی انصاری کی تلوار سے اس کی ناک پر چرکا لگا، مکے میں آکر اس پہ پھایا لگایا اچھا ہی نہ ہوا، ایک داغ ہو گیا اور آخر اسی مرض میں سخت تلخی اٹھا کر سیدھا جہنم میں گیا۔

فوائد

فؔ اس بدبخت نے نبی علیہ السلام کو دیوانہ کہا تھا، جس سے مقصود نبوت کا ابطال تھا اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بڑے واضح دلائل سے ثابت کی اور دلائل میں آپؐ کے اخلاقِ حمیدہ اور اجرِ آخرت ثابت کر کے نہ صرف جنون کی نفی کی بلکہ نبوت کی تصدیق کی اور آپؐ کے خُلقِ عظیم کے مقابلے میں اس بدبخت کے دس عیب بیان فرمائے جس سے بالمقابل اخلاقِ حمیدہ کی

شرح بھی ہوگئی اور آسمانی حکم کا مقابلہ کرنے والے کی دنیا و آخرت کی بربادی و خرابی اور توہین بھی کی گئی تاکہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔

ف ۲ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عیب لگانے والے کے دس عیب واقعی بیان کیے گئے تو حضرتؐ کے ساتھ سلوک اور حسنِ خدمت سے پیش آنے والے کی بھی یہ حالت ہے کہ ایک بھلائی کرنے والے کو دس بھلائیاں دنیا اور آخرت میں ملتی ہیں اور کم از کم دس پشتوں تک اس کا صلہ ملتا ہے جس کی نظیر صحابہ کرامؓ کی جاں فشانیاں ہیں کہ ان کو بہت جلد سرسبز ملکوں کا مالک کر دیا اور ابد تک وہ اور ان کی نسلیں برگزیدہ اور مبارک سمجھی جاتی ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ اس پر دس برکت بھیجے گا۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و آلہ و بارک وسلم۔

ف ۳ اس متکبر کو اور بھی سزا دے سکتا تھا ناک پر داغ لگانے کی سزا کیوں تجویز فرمائی گئی؟ ناک ہی غرور و خود بینی کا نشان ہے اور عرف میں ناک عزت و آبرو کو بھی کہتے ہیں اس لیے اس غرور و خود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا خداوند جہان کے ساتھ سرتابی و سرکشی کی مناسب سزا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں کنایہ ہے اس کی عزتِ دنیویہ بگاڑ دینے سے۔

ف ۴ کیا ولید کی ناک بڑی اور سونڈ جیسی تھی؟ نہیں مگر متکبر اور مغرور اپنی ناک بڑھایا کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ناک بڑھانا بلندی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ پستی پیدا کرتا ہے اس لیے اس کو سونڈ سے تعبیر کیا۔ اور ممکن ہے کہ دراصل اس بدبخت کی ناک ظاہری لمبی اور جھکی ہوئی ہو جو ادبار و ہلاکت کا نشان ہے اور ایسے کریہ المنظر مغرور کی ناک کو خرطوم کہنا جو ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں اس کی پوری اہانت بھی ہے، اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس نے اصحاب الفیل کا واقعہ دیکھا تھا ان کی لمبی ناک کا جو مآل کار ہوا اسے خیال کر کے باز آئے۔

ف ۵ حضرات انبیاء علیہم السلام کو باوجود حلم اور خلق کے کبھی ضرورت مجبور کرتی ہے کہ وہ مخالف سرکش کو سخت الفاظ سے یاد کریں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کو سانپوں کا بچہ کہہ دیا تھا اور قرآن مجید نے تو کسی کا نام نہیں لیا۔ ایک اوصاف رذیلہ کی تصویر کھینچی ہے۔ اب اتفاق سے وہ اوصاف رذیلہ ولید میں ہوں یا کسی اور میں۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ
ہم نے ان کی باغ والوں کی طرح آزمائش کی ہے
إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾
جب کہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم صبح کو اس کا میوہ توڑ ہی لیویں گے
وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا
اور ان شاء اللہ نہ کہتے تھے پھر تو اس پر رات ہی میں آچکے
طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾
رب کی طرف سے ایک جھونکا چل گیا حالانکہ وہ سوتے ہی پڑے تھے
فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا۟
پھر صبح کو وہ باغ ایسا ہو گیا جیسا کہ کٹا ہوا ہوتا ہے پھر وہ صبح کو
مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ
پکارنے لگے کہ اگر تم کو پھل توڑنے ہیں
حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ﴿٢٢﴾
تو سویرے اپنے باغ میں جا پہنچو
فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن
پھر وہ باہم چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے چلے کہ

لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾

تمہارے باغ میں کوئی محتاج نہ آنے پاوے

وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا

اور وہ سویرے ہی اپنے ارادہ پر مضبوط ہوکر چلے پھر جب

رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ

(جلا ہوا) اسکو دیکھا تو کہنے لگے بے شک ہم راہ بھول گئے ہیں بلکہ

نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ

ہماری قسمت پھوٹ گئی پھر ان میں کے اچھے شخص نے کہا

أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کس لیے اس کی تسبیح نہیں کرتے

قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا

تب وہ بھی کہنے لگے ہمارے رب کی پاک ذات ہے (در اصل) ہم ہی

ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ

خطاوار تھے پھر تو ایک دوسرے کو

بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا

ملامت کرنے لگے کہنے لگے ہائے رے

إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ رَبُّنَا

بے شک ہم بھی سرکش تھے شاید ہمارا رب

أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا

ہم کو اس سے بہتر (باغ) دے کیونکہ ہم اپنے رب کی

رَاغِبُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ

طرف رجوع ہوئے یوں (آتی) ہے مصیبت

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ

اور آخرت کی مصیبت تو بڑھ کر ہے کاش

كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾

وہ جانیں بھی تو۔

ترکیب

اذ تعلیلیۃ او ظرفیۃ بنوع تسمح لان الانقسام کان قبل ابتلائہم لیصرمنہا جواب القسم مصبحین حال من الفاعل فی یصرمنہا ولا یستثنون جملۃ مستانفۃ لبیان ما وقع منہم وقیل حال فتنادوا معطوف علی اقسموا وما بینہما اعتراض لبیان ما نزل بتلک الجنۃ ان اغدوا ان مفسرۃ لان فی التنادی معنی القول او مصدریۃ ای اخرجوا غدوًا ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف فاغدوا وہم یتخافتون الجملۃ حال من فاعل فانطلقوا ان لا یدخلنہا ان مفسرۃ للتخافت المذکور لما فیہ من معنی القول علیٰ حرد یتعلق بقادرین وقادرین حال وقیل خبر غدوا لانہا حملت علی اصبحوا۔

تفسیر

اہل مکہ خصوصًا ولید وغیرہ ثروت وحشمت پر نازاں ہوکر کہتے تھے کہ ہم پر خدا کی نظرِ عنایت ہے جو دنیا میں ایسا دیا وہ آخرت میں اس سے بھی زیادہ دے گا' ایسے خیالات اکثر بے دین متمولوں کے دل میں گذرا کرتے ہیں اور دین دار مساکین کی دل شکنی اور شبہ کا باعث ہوا کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اس تموّل وشوکت کی وجہ بیان فرماتا ہے :۔

فقال انا بلونٰھم کہ ہم نے جوان کو یہ فراخ دستی اور عیش وآرام دے رکھے ہیں یہ ان کی آزمائش ہے۔ بدکار منافق فاجر کافر بت پرستوں کو دنیا میں نعمتیں دی جایا کرتی ہیں آزمائش کے لیے' ان پر پھولنا نہ چاہیے یہ اور بھی ان کی غفلت وگمراہی وسرکشی کا سبب ہو جاتا ہے۔ آخرت میں سوال ہوگا کہ کیا شکر گذاری کی تھی ؟ اور نیز یہ نعمتیں فانیہ ہیں یہ اور بھی ان کے دلوں کو فنا کے بعد صدمہ کا باعث ہوتی ہیں۔

وقف لازم

ع (۲۳) ۱ ۲

قصہ اصحاب الجنۃ

کما بلونا اصحب الجنۃ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔ باغ والے کون تھے اور کب تھے؟ اور ان کی کیا آزمائش تھی؟ اور مکے کے کفار کے روبرو ان کا ذکر کیوں کیا گیا کیا وہ اس بات سے واقف تھے؟

(۱) اول بات کی نسبت مورخین نے یہ لکھا ہے کہ ملک یمن میں شہر صنعا سے دو کوس کے قریب ایک شخص کا باغ تھا جس کا مالک بڑا باخدا شخص تھا آمدنی میں سے فقرا و مساکین کے حصے مقرر کر رکھے تھے باغ کے میووں میں بھی حصے مقرر تھے اور اس کے اندر جو کھیتی ہوتی تھی اس میں سے بھی حصے تھے اور یہ حضرت عیسے علیہ السلام کے بعد کا ذکر ہے، پھر جب وہ مرد باخدا مر گیا تو اس کے بیٹے اس کے وارث ہوئے ان کی نیت میں فرق آگیا۔ کہنے لگے ہم عیال دار ہیں اگر باپ کی طرح لٹائیں گے تو کیا ٹھیک لگے گا۔ یہ شیطانی وسواس ان کے دلوں میں گھس آئے اور تجویز ٹھیری کہ بڑے تڑکے اٹھ کر پھل توڑ کر گھر میں لے آو فقرا کے آنے سے پہلے۔ مگر ان میں ایک بھائی خدا ترس بھی تھا اس نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو فقرا و مساکین کو مدد دینے سے برکت ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں کے لشکر نگہبانی کیا کرتے ہیں، خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے مہربان ہوتا ہے، اپنے خدائے پاک کو نہ بھولو، اپنی تدابیر پر ناز نہ کرو، وہی تدابیر کو درست کرتا ہے وہی بگاڑ دیتا ہے، آخر اس کی بات نہ مانی اور بڑے سویرے اٹھ کر چلے ادھر خدا کی طرف سے رات ہی میں ان کی نیت بدلنے سے اس تیار باغ پر مصیبت آگئی۔ کوئی لو کا ایسا جھونکا چلا کہ جس نے جلا کر برباد کر دیا جب باغ کے قریب پہنچے تو جھلسا ہوا دیکھتے ہیں۔ پہلے سمجھے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہم راہ بھول کر کسی اور کے اس برباد باغ میں آنکلے، ہمارا باغ تو شاداب و تر و تازہ ہے۔ یعنی اس کی ایسی حیثیت بگڑ گئی تھی کہ یکایک پہچان بھی نہ سکے، مگر جب خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہی باغ ہے، اس پر آسمانی مصیبت آپڑی۔ پھر تو باہم کڑھنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور ایک دوسرے کو کہنے لگا تو نے یہ صلاح دی تھی، وہ کہنے لگا تو نے ہی تو کہا تھا، اس مرد باخدا نے کہا کیوں جی میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو اور اس کی تسبیح و تقدیس کو نہ بھولو۔ پھر کہنے لگے بے شک ہم خطاوار تھے اور ہمارے رب کی پاک ذات ہے ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اپنے کیے پر نادم ہوتے ہیں، امید ہے کہ ہمارا خدا اس سے بہتر دے۔ چنانچہ اس کے بعد خدا نے اس باغ میں بڑی برکت دی۔ ابو خالد یمانی کہتے ہیں کہ میں نے وہ باغ دیکھا ہے جس میں ایک ایک خوشہ انگور کا ایسا تھا کہ جیسے سیاہ آدمی کھڑا ہو[1]

(۲) اور آزمائش ان کی یہ تھی کہ انہوں نے اس نعمت کا شکر نہ کیا، نیت میں فتور آیا اس لیے اس پر بلا آگئی اور جب توبہ کی نادم ہوئے تو خدا نے پھر اس سے بہتر دیا اور کذلک العذاب کا فقرہ کہہ رہا ہے کہ جو کوئی خداوند تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا نہ کرے گا اور اس کو اس کے موقع پر صرف نہ کرے گا اس پر بلائے آسمانی کبھی نہ کبھی ضرور ٹوٹ پڑے گی۔ عمر اور جوانی اور تندرستی بھی ایک نعمت ہے اس کو بے کار اور ناشائستہ افعال میں صرف کرنے والے آخر ایک روز مصیبت کا منہ دیکھتے ہیں بیماری اور بے وقت پیری اور پست ہمتی وغیرہ کس قدر مصائب ان پر آپڑتے ہیں۔ کہیں آتشک میں سڑے پڑے ہیں کہیں

[1] انگور کا خوشہ لمبا ہوتا ہے پھر بعض سیاہ انگور کا خوشہ گز سوا گز کا بھی لمبا ہوتا ہے لٹکا ہوا دور سے سیاہ آدمی کھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے ۱۲ منہ

کثرتِ مے نوشی سے بدن میں رعشہ پڑ گیا، دانت گر گئے تیس برس کے اندر ہی اندر نکمے ہو گئے، گردن ہلنے لگی، بال پک گئے، چہرے کی تازگی جاتی رہی، ضعفِ معدہ، درد گردہ سلسل البول دمہ ضعفِ بصارت کیا کیا آفات ہم اس وقت کے عیاش لوگوں میں دیکھتے ہیں۔ ابھی آخرت کا عذاب باقی ہے۔

مال اور ملک بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے اس میں عدل وانصاف ملحوظ نہ رکھنا غرباء وفقراء کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا بلکہ عیاشی اور فضول خرچی میں اڑانا حق داروں کو محروم کر کے رنڈیوں بھانڈوں مسخروں کو دینا بے برکتی کا باعث ہوتا ہے، تھوڑے دنوں میں خزانہ خالی، ملک میں ابتری، لشکر میں بے دلی اور ہر طرح کی بے امنی پیدا ہو جاتی ہے، موقع پاکر دشمن کھڑے ہو جاتے ہیں، آخر ایک روز سب دولت وملک چھوڑنا پڑتا ہے اور پھر بے پر برائیوں کا سیاہ داغ ابد تک باقی رہ جاتا ہے۔ دیکھو پچھلے عیاش بادشاہوں کو۔

(۳) مکے کے کفار اس قصے کو بخوبی جانتے تھے کس لیے کہ گرمی وسردی میں شام اور یمن جایا کرتے تھے اس کے علاوہ اس مضمون کو ان کے دل تسلیم کرتے تھے کہ خدا کی راہ میں دینا نیک پھل لاتا ہے اور سرکشی اور بخل برے نتائج دکھاتا ہے کیوں کہ وہ دہریے نہ تھے جو خدا کو اور اس کی قدرتوں کو نہ مانتے ہوں وہ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرتوں کو مانتے تھے مگر اپنے خیالِ فاسد میں اور لوگوں کو بھی ان امور میں شریک سمجھتے تھے کہ اس نے ان کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں۔ ولید اور مکے کے اور سردار اپنی دولت پر گھمنڈ کر کے پیغمبر علیہ السلام سے سرکشی کرتے تھے اور فقراء سے بے رحمی کرتے تھے۔ اس کے بدلے سات برس کے قحط میں مبتلا ہوئے۔ کتوں کو بھون بھون کر کھانے کی نوبت آئی۔ اور پھر جب اسلام لائے اور توبہ کی تو خدا نے ان کو ملکوں کا مالک کر دیا۔ یہ منّاع للخیر کی شرح ہوئی۔

اب ہم الفاظِ قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہیں:۔

لیصرمنّھا یہ صرم یصرم کا مضارع ہے جمع مذکر غائب با نون ثقیلہ۔ اور ہا ضمیر جنت کی طرف راجع ہے۔ صرم پھلوں اور کھیتی کا کاٹنا۔ انصرام انقطاع، اصرام پھلوں کے کٹنے کا وقت آنا اور مفلس ہو جانا۔ اور تلوار کو صارم اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ زیادہ کاٹنے والی ہے۔ صریم شب تاریک۔ و صبح۔ فاصبحت کالصریم۔ یعنی جل کر سیاہ ہو گیا۔

ولا یستثنون جمہور مفسرین کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تھے اور کسی آئندہ کام کرنے کا اظہار کرنا اور ان شاء اللہ نہ کہنا بے برکتی کا باعث ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی کہ مساکین وفقراء کو مستثنیٰ نہ کرتے تھے محرومی سے۔

طائف اسم فاعل ہے طیف سے یا طوف سے۔ علی الاول۔ طائف کے معنی رات میں آنے والی چیز۔ یہاں مراد ہے لو کا جھونکا جس نے جلا کر باغ کو سیاہ کر دیا۔

حرثکم حرث کھیتی۔ اس سے مراد پھل اور کھیتی اور انگور سب ہیں کس لیے کہ باغ میں صرف ایک ہی چیز نہ تھی مگر پھلوں کا توڑنا زیادہ مقصود تھا اس لیے صارمین فرمایا۔

حرد آہنگ کردن۔ دعع ف ا ک ۲ صراح) یعنی صبح کو اپنے ارادے پر مضبوط ہو کر چلے۔ اس کے معنی منع کرنے کے بھی ہیں کہ صبح کو مساکین کے منع کرنے کے لیے قادر ہو کر چلے، بعض کہتے ہیں حرد اس باغ کا نام تھا کہ اس باغ پر چلے قادر ہو کر۔

انا لضالون۔ یہ اول بار دیکھ کر کہا جب کہ باغ پہچانا نہ گیا۔

بل نحن محرومون اس وقت کہا کہ جب پہچان گئے کہ

تقدیر پھوٹ گئی باغ تو وہی ہے۔

اوسطھم سے مراد منجھلا نہیں بلکہ ان میں سے بھلا۔ (ای اعدلہم و افضلہم وبینا وجہہ فی تفسیر قولہ امۃ وسطاً، کبیر)

لولا تسبحون۔ کیوں نہیں تسبیح کرتے یعنی اپنے رب کی پاکی نہیں بیان کرتے تھے ان ناپاک خیالات سے کہ "اگر ہم دیں گے تو محتاج ہو جائیں گے۔" پھر کون دیتا ہے۔ خدا بدلہ اور برکت کیوں دینے لگا اور جو نہ دے تو ہم کیا کریں؟" ان خیالات سے روکنے کو تسبیح کرنے سے تعبیر کیا۔ نہ یہ مراد کہ زبانی تسبیح کیوں نہیں پڑھتے کس لیے کہ اس سے مساکین کو کیا فائدہ تھا؟۔

جب مصیبت دیکھ چکے تو قالوا سبحٰن ربنا کہنے لگے کہ پاک ذات ہے ہمارے رب کی اس کے وعدے سچے ہیں انا کنا ظٰلمین ہماری بدگمانی تھی ہم نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ عسٰی ربنا ان یبدلنا خیراً منھا انا الٰی ربنا راغبون چوں کہ خدا پرست کے بیٹے تھے اور خود بھی اچھے تھے، یہ ایک شیطانی وسوسہ آگیا تھا جس کے سبب مصیبت آپڑی مگر پھر سمجھ گئے اور تائب ہوئے اور امید خیر کی اللہ سے رکھی، اور ہر مصیبت کے بعد اگر اس کی طرف رجوع و رغبت کی جاتی ہے تو وہ راحت اور اس تلف شدہ چیز کا بدلہ دیتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن پر کوئی مصیبت آئے تو اناللہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیے تاکہ دنیا یا آخرت میں اس کا بدلہ ملے۔

اس تمام قصے کے بعد فرماتا ہے کذٰلک العذاب کہ یوں آپڑا کرتی ہے مصیبت، اس سے کبھی نڈر نہ رہے لیکن عذاب آخرت اس سے بھی بڑھ کر ہے، مگر یہ لوگ جانتے نہیں، اگر وہاں آنے والی مصیبت کا یقین ہو جائے تو یقیناً اس کی فکر کریں جب کچھ بھی فکر نہیں تو معلوم ہوتا ہے

کہ اس کا کچھ بھی یقین نہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمت کے

النَّعِيْمِ (۳۴) اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ

باغ ہیں　پھر کیا ہم فرماں برداروں کو

كَالْمُجْرِمِيْنَ (۳۵) مَا لَكُمْ كَيْفَ

نافرمانوں جیسا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہوا کیسا

تَحْكُمُوْنَ (۳۶) اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ

فیصلہ کر رہے ہو؟ کیا تمہارے لیے کوئی نوشتہ ہے

فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ (۳۷) اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ

جس میں تم پڑھا کرتے ہو　کہ تمہارے لیے وہی ہے

لَمَا تَخَيَّرُوْنَ (۳۸) اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ

جس کو تم پسند کرو　کیا تمہارے لیے ہم نے قسمیں

عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

کھالی ہیں　جو قیامت تک چلی جائیں گی

اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ (۳۹) سَلْهُمْ

کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے۔ (اے رسول) آپ ان سے پوچھو

اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ (۴۰) اَمْ لَهُمْ

کہ ان میں سے اس کا کس کو یقین ہے　کیا ان کے

شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ

معبود ہیں　پھر اپنے معبودوں کو تو لے آئیں

اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ (۴۱)

اگر وہ سچے ہیں۔

ترکیب

جنت النعیم اسم ان للمتقین خبرا عند ربھم
یجوز ان یکون ظرفا للاستقرار وان یکون حالا من جنات ۔
افنجعل الھمزۃ للانکار والفاء للعطف علی مقدر یقتضیہ المقام
ای انحیف فی الحکم فنجعل المسلمین کالکافرین ام منقطعۃ کتٰب
موصوف فیہ تدرسون الجملۃ صفۃ لکتاب ان قرء الجمھور بالکسر
علی انھا معمولۃ لتدرسون ای تدرسون فی الکتاب ان
لکم فیہ لما تخیرون ۔ وقیل تم الکلام عند قولہ تدرسون ثم
ابتدا فقال ان لکم الخ بالغۃ بالرفع نعت لایمان وبالنصب
علی الحال والعامل فیھا الظرف الی یوم القیٰمۃ متعلق بالمقدر
فی لکم ای ثابتۃ لکم الی یوم القیامۃ اوببالغۃ ای ایمان تبلغ
ذلک الیوم ۔

تفسیر

گروہِ اشقیا کا حال پہلے مجملاً بیان فرمایا تھا کہ ولعذاب
الاٰخرۃ اکبر لوکانوا یعلمون اب سعداء کے گروہ کا حال بیان
فرماتا ہے :۔

فقال ان للمتقین عند ربھم جنّٰت النعیم ۔ کہ
پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یعنی دارِ آخرت
میں نعمت و عیش کے باغ ہیں جن میں کچھ بھی کدورت و کلفت
نہیں، برخلاف دنیا کے باغوں کے ۔

مقاتل کہتے ہیں اس آیت کو سن کر کفارِ مکہ کہتے تھے
جب دنیا میں خدا نے ہم کو مسلمانوں سے مال اور دولت
میں بہتر کیا تو آخرت میں کیا بڑھ کر نہیں کرے گا اور بڑھ کر
نہیں تو برابر تو ضرور ہی کرے گا۔ اس کے جواب میں فرماتا
ہے ۔ یا یوں کہو اس آیت پر کفار کو یہ خیال گزرنے والا
تھا چنانچہ انہوں نے ایسا کہا بھی اس کے رد میں یہ آیت
آئی ۔ افنجعل المسلمین کالمجرمین کہ کیا ہم فرمانبرداروں
پرہیزگاروں کو نافرمانوں کفار و بدکاروں جیسا کر دیں گے؟
یعنی نہیں کریں گے ۔ دونوں برابر نہ ہوں گے اور ابھی ہم
کہہ چکے ہیں کہ اشرار کے لیے جہنم ہے ۔ پس مسلمانوں کے
لیے ہرگز نہیں ۔ اب ان کے لیے ضرور جنّٰت النعیم ہیں
جن میں کفار کو حصہ نہیں، پھر بڑھ کر اور برابر ہونا کیسا؟
مالکم کیف تحکمون تمہیں کیا ہوا کیہ فیصلہ کرتے ہو
کہیں نیک اور بد بھی برابر ہوتے ہیں؟

پھر اس بات کو مؤکد کرتا ہے ام لکم کتٰب فیہ
تدرسون ان لکم فیہ لما تخیّرون کہ اس خیال کو
عقل سے تو کچھ بھی مدد اور ثبوت نہیں ملتا پھر کیا کوئی دلیلِ
نقلی تمہارے پاس ہے یعنی کوئی کتابِ آسمانی ہے کہ جس
میں یہ لکھا ہے کہ جو تم پسند کرو گے اور چاہو گے قیامت میں
تمہیں وہی ملے گا؟ ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں یہ ہو پھر کس لیے
کہتے ہو۔

اب ایک اور بات ہے کہ خدا نے تمہارے لیے عہد
اور ذمہ داری کر لی ہو اور قسم مؤکد کھائی ہو کہ جو تم کہتے
ہو وہ وہی کرے گا سو یہ بھی نہیں ام لکم ایمان علینا
بالغۃ الی یوم القیٰمۃ ان لکم لما تحکمون کہ کیا تمہارے
لیے ہم پر عہد اور قسم ہیں قیامت تک یعنی مستحکم جو کبھی
نہ ٹوٹے کہ ہم تمہیں وہی دیں گے جو تم کہتے ہو۔ ایسے غلط
خیال اکثر مذاہبِ باطلہ میں لوگوں کو ہوا کرتے ہیں، یہود کو
بھی تھا اور ہند میں برہمنوں کو بھی ہے اور جاہل مسلمانوں
بزرگوں کی اولاد میں بھی سنا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم
فلاں کی اولاد ہیں، ہم پر آگ حرام ہے ۔ اس لیے فرماتا ہے
سلھم ایھم بذٰلک زعیم (کہ ان سے پوچھ کہ کون اس کا
دعوے دار ہے)

جب خدا کی طرف سے یہ نہیں تو کیا اپنے معبودوں کے
گھمنڈ پر ایسا کہتے ہو کہ وہ ایسا کر دیں گے ہم ان کو پوجتے
نذر بھینٹ چڑھاتے ہیں، اس لیے فرماتا ہے ام لھم شرکاء
فلیاتوا بشرکائھم ان کانوا صٰدقین کہ کیا ان
کے معبود ہیں جن کو وہ ہمارا شریک اور کارمختار جان کر

پوچھتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں وہ ایسا کر دیں گے اچھا ان کو لاؤ اور کھلا تو دو اگر سچے ہیں۔ یعنی یہ بھی غلط خیال ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ

جس دن　پردہ　کھل جائے گا　اور

يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾

وہ سجدہ کے لیے بلائے جائیں گے　تو سجدہ نہ کر سکیں گے

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ

ان کی آنکھیں نیچی　ہوں گی　ذلت ان پر چڑھی ہو گی

وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ

اور وہ پہلے (دنیا میں) سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے اور وہ

سٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِیْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ

بھلے چنگے تھے　مجھے　اور　اس کے جھٹلانے

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

والوں کو　چھوڑ دو　ابھی رفتہ رفتہ انہیں پکڑے لیتے ہیں

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاُمْلِیْ

ایسا کہ انہیں　خبر بھی نہ ہو　اور (اے نبی) ہم ان کو

لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِیْ مَتِيْنٌ ﴿٤٥﴾ اَمْ

ڈھیل دے رہے ہیں بے شک ہمارا داؤ　پکا ہے　کیا

تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں　کہ جس کے تاوان کا　ان پر

مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ

بوجھ پڑ رہا ہے　کیا ان کے پاس غیب (کا دفتر) ہے

فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤٧﴾

کہ وہ　لکھا کرتے　ہیں

ر: کہ جس کے تاوان میں دبے جاتے ہیں۔

ترکیب

یوم منصوب اما بقولہ فلیاتو ا واما باذکر ویدعون معطوف علی یکشف فلا یستطیعون جواب یوم یکشف خاشعۃ بالنصب علی انہا حال من ضمیر یدعون ابصارہم مرفوع علی انہ فاعل خاشعۃ ونسبۃ الخشوع الی الابصار بظہور اثرہ فیہا وھم سالمون الجملۃ حال من فی یدعون و من منصوب محلًا عطفًا علی المنصوب فی ذرنی۔

تفسیر

اس کے بعد قیامت کا ہولناک واقعہ بیان فرماتا ہے کہ اس روز ان کے افترا اور خیالی ڈھکوسلوں کا یہ نتیجہ ہوگا:۔

فقال یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون کہ جس دن پردہ کھل جائے گا اور وہ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔

ساق کیا ہے؟

ساق کے لغوی معنی پنڈلی کے ہیں پھر کیا یہ حقیقت پر محمول ہے یا کنایہ ہے؟ اول احتمال کی طرف فرقہ مشبہہ گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس روز دراصل خدا تعالیٰ بندوں پر تجلی کرے گا اور پوری تجلی دیکھنے کی کسی کو قدرت نہ ہو گی اس لیے صرف پنڈلی کھل جائے گی جو ادنیٰ تجلی ہو گی۔ گو وہ پنڈلی ہماری جیسی پنڈلی نہ ہو لیکن اس کی ذات کے مناسب ہو گی تب سجدے کے لیے حکم ہو گا پس جو لوگ دنیا میں اس کو سجدہ نہیں کرتے تھے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ان کی پشت تختہ کی طرح ہو جائے گی۔ یہ مضمون اکثر احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے اور اہلِ ظاہر کا اسی طرف رجحان ہے۔ مگر اہلِ حق

کہتے ہیں اس میں استعارہ مراد ہے کس لیے کہ لفظ حقیقی معنی پر محمول ہو نہیں سکتا کیوں کہ خدا تعالےٰ اعضاء سے پاک ہے۔

پھر اس سے کیا مراد ہے ؟ اس میں چند اقوال ہیں :۔
اول یہ کہ مراد شدت و کرب ہے جو قیامت کے روز ہوگا۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے کسی نے اس کے معنی دریافت کیے آپ نے یہی بیان فرمائے اور فرمایا جب تم کو کسی لفظِ قرآنی کے معنی معلوم نہ ہوا کریں تو شعرائے عرب کے اشعار کو دیکھا کرو۔ پھر آپ نے اس معنی کی سند میں یہ شعر پڑھا ؎

سنّ لنا قومک ضرب الاعناق
وقامت الحرب بنا علی ساق

اور اسی طرح مجاہد نے بھی اس معنی کے ثبوت میں ابو عبیدہ اور جریر وغیرہ کے چند اشعار پڑھے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کسی کام پر زور کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پائنچے چڑھاتا ہے اور پنڈلی کھل جاتی ہے۔ اس لیے شدت کے موقع پر کہا کرتے ہیں کشف عن ساقہ[1]۔

دوم ابی سعید، ضریر کا قول ہے وہ یہ کہ کشفِ ساق سے مراد پردہ اور اصل کھل جانا ہے یہ ایک محاورہ ہے۔ اور ساق ہر شے کی اصل اور جڑ ہے کہ جس پر وہ کھڑی ہوتی ہو جیساکہ ساق الشجر و ساق الانسان۔ تب یہ معنی ہوئے کہ جس روز حقائق الاشیاء اور ان کے اصول ظاہر ہو جائیں گے یعنی قیامت کے دن کہ یہ پردہ کھل جائے گا جیساکہ سورۂ قٓ میں فرمایا تھا لقد کنت فی غفلۃ من ھذا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (کہ تو اے انسان اس سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیرا پردہ کھول دیا۔

پس تیری آنکھیں آج تیز ہیں) اس عالم میں پردۂ حسی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے اس پر شہوات و لذات حبِ دنیا کے اور بھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حقیقت الامر منکشف نہیں ہونے دیتے اس لیے ادیان و مذاہب میں اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کوئی کچھ بے تُکی کہہ رہا ہے جس طرح کہ مکے کے کفار واہی تباہی منصوبے بیان کرتے تھے۔

سرّ

یہی قول بہت درست ہے اور سرّ اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایک تو ذات ہے کہ جس کا ادراک محال ہے اور وہ مستقل محض ہے۔ دوسرے صفاتِ کمال ہیں کہ جو جُدا جُدا عالم میں ظاہر نہیں ہو سکتے علم بغیر قدرت کے اور قدرت بغیر علم کے اور دونوں بغیر حیات کے پائے نہیں جاتے اور صفات تابع محض ہیں ذات کے ان میں بغیر ذات کے کچھ بھی استقلال نہیں۔
سوم جہاتِ کمال کہ جن کو حقائقِ الٰہیہ بھی کہتے ہیں اور وہ بَین بَین ہیں نہ صفات کی طرح محض غیر مستقل نہ ذات کی طرح محض مستقل اور ان جہاتِ کمال کو اس عالم میں انسان کے اعضاء کے ساتھ پوری مشابہت اور ایک خاص نسبت ہے کیوں کہ انسان کے اعضا ہاتھ پاؤں پنڈلی منہ وغیرہ نہ اس کی صفات کی طرح محض غیر مستقل ہیں اور نہ ذاتِ انسان کی طرح مستقل ہیں اور انسان کے کمالات کا مظاہر بھی ہیں۔ شرع شریف میں ان حقائق کی چند چیزوں کے ساتھ تفصیل واقع ہوئی ہے اور یہ چیزیں ان حقائق کی تمثیل و تشبیہ ہیں نہ کہ عین۔ اور وہ یہ ہیں وجہ عین ید یمین اصابع حقو یعنی کمر ساق قدم (منہ آنکھ ہاتھ داہنا ہاتھ انگلیاں کمر پنڈلی قدم) اب جس طرح ساق اور قدم اور وجہ وغیرہ کو جو حقائقِ الٰہیہ ہیں اور ان الفاظ میں ایک استعارہ کے طور پر بیان ہوئے ہیں خود بھی پنڈلی اور

[1] اس کی پنڈلی کھل گئی۔

پاؤں اور منہ سمجھ لینا غلطی اور تشبیہ ہے جیسا کہ مشبہہ اور اہلِ ظواہر کا مذہب ہے، اسی طرح ان کی تاویل و انکار کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں محض غلطی ہے۔ اہلِ سنت اس افراط و تفریط دونوں سے بری ہیں اور اہلِ سنت کے اس عقیدے کو بخاری و مسلم وغیرہما کی وہ حدیث بھی مخالف نہیں کہ جو حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن اپنی ساق کھولے گا تو ہر ایمان دار مرد و عورت سجدہ کریں گے اور جو دنیا میں ریاکاری کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختے کی طرح اکڑ جائے گی سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اور صحیح مسلم میں اس سے بھی زیادہ مشرح روایت ہے۔ کس لیے کہ ان روایات میں بھی کشفِ ساق سے اسی جہتِ کمالیہ کا ظاہر ہونا مراد ہے جس کو استعارہ کے طور پر ساق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الحاصل محشر میں رب العزت کی ایک تجلی خاص ہوگی جس کو کشفِ ساق سے تعبیر کیا ہے جس کے آگے کفار و مشرکین سجدہ نہ کر سکیں گے اور اس کے سوا اس نورانی تجلی کی طرف نظر بھی نہ کر سکیں گے خاشعۃ ابصارھم بلکہ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی ترھقھم ذلۃ اور ان پر ذلت و رسوائی چڑھے گی کیوں کہ انہوں نے غیر اللہ کی پرستش کرکے اس کے نام پاک کی توہین و تذلیل کی تھی۔ مظاہر کو پوجا تھا۔

یہ لوگ سجدہ اور جمال باکمال پر نظر کیوں نہ کر سکیں گے؟ اس لیے کہ وقد کانوا یدعون الی السجود وھم سالمون دنیا میں انہوں نے اس مادۂ غیبیہ کو جو انسان میں خداوندِ عالم نے ودیعت رکھا ہے اور وہی اس کو اس کا مشتاقِ دیدار اور مطیع بناتا ہے، نافرمانی اور سرکشی کرکے ضائع کر دیا تھا۔ اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ اس سے پہلے یعنی دنیا میں ان کو سجدے کے لیے اس وقت میں بلایا جاتا تھا کہ وہ سالم تھے ان کی فطرت اور اصلی مادے میں کوئی نقصان نہیں آیا تھا پھر انہوں نے انکار و سرکشی کی اور رفتہ رفتہ اس کو برباد کر دیا۔ آج اس تجلی کے میدان میں سب کو کھڑا کرکے تجلی نورانی کا جلوہ دکھایا جائے گا تاکہ شقی و سعید کا پورا امتیاز ہو جائے پھر وہ جو دنیا میں اس کے آگے جھکتے تھے سر کے بل اسی کے آگے عاجزی کرتے ہوئے گرتے تھے دل بھی اسی کے آگے جھکے ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں وہ اشتیاق و محبت کا شعلہ تھا جس کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ فوراً اس کے آگے سجدہ میں گر پڑیں گے انہیں کہاں تاب رہے گی اور اس کے دربار فیض آثار سے سرفرازی حاصل کریں گے۔ اس وقت مشتاقانِ جمالِ کبریائی کی عجیب حالت ہوگی۔ اور بد لوگ نہ کر سکیں گے۔ وہ جنت میں اور یہ جہنم میں بھیج دیے جائیں گے۔

ابراہیم تیمی کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ وہ اذان و تکبیر کی آوازوں سے بلائے جاتے تھے پر نہ آتے تھے۔ سعید ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ وہ حی علی الفلاح سنتے تھے اور نہ آتے تھے۔ کعب احبار کہتے ہیں کہ یہ آیت نہیں نازل ہوئی مگر ان لوگوں کے لیے جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں وہ کفار جو دنیا میں بلائے جاتے تھے اور وہ امن کی حالت میں تھے پھر آج بلائے جائیں گے اور وہ خائف ہوں گے۔

ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ آیت میں قیامت کا معاملہ مراد نہیں کیوں کہ اس روز عبادت و سجدہ نہیں، وہاں تو یہیں کے اعمال کا بدلہ ملے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ انسان کے وقتِ اخیر کا معاملہ ہے اس وقت خدا کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ اور پہلے تو لوگ اس کو نماز و عبادت کے لیے بلاتے تھے مگر نہیں آتا تھا، اب بجز حسرت کے اور کچھ نہیں، یا بڑھاپے یا مرض کا واقعہ ہے کہ جوانی اور تندرستی

ہیں جو سلامتی کا وقت تھا خدا تعالیٰ کے آگے نہیں جھکتے تھے لوگ بلاتے تھے نہیں آتے تھے اور نشے میں چور تھے، اب بڑھاپا اور بیماری آئی تو خود اس کی طرف جھکنے اور عبادت و نماز ادا کرنے کی قدرت نہیں رہی۔ یہ مراد بھی ممکن ہے مگر یہ کہنا کہ آخرت میں سجدہ نہیں ٹھیک نہیں کس لیے کہ وہاں سجدہ بطور تکلیف کے نہیں بلکہ بطور امتحان و سرزنش کے ہوگا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان میں وہ بخت تکذیب کرتے تھے اور آپ کو ٹھٹھوں میں اڑاتے تھے اور دھمکاتے بھی تھے اس لیے آپ کو کمال رنج ان کی بد نصیبی اور سرکشی پر ہوتا تھا اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے۔

فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث کہ چھوڑ مجھے اور اسے جو اس بات کو جھٹلا رہا ہے۔ یعنی آپ کچھ رنج و فکر نہ کریں میں آپ سمجھ لوں گا۔ سنستدرجھم من حیث لا یعلمون میں رفتہ رفتہ انہیں ابھی پکڑے لیتا ہوں اس طرح سے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ استدراج جلدی نہ کرنا۔ اور اس کے اصلی معنی ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا۔ کہتے ہیں استدرج فلان فلانا ای استخرج ما عندہ قلیلا قلیلا اور اسی سے تدریج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا استدراج بندہ کے لیے یہ ہے کہ نعمت پر نعمت مراد پر مراد ملے جائے اور یہ بدکاری اور ناشکری اور کفر میں پڑا ہوا ہو یہاں تک کہ کشتی بھر جائے جلد ڈوب جائے، عذاب الٰہی نازل ہو جائے۔ یکایک موت آجائے یا اور کوئی ایسی مصیبت آئی کہ سر بھی نہ اٹھا سکے تو بہ اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی مہلت بھی نہ ملے۔ یہ ہے کہ عیش و نشاط میں پڑا ہوا مگن ہے اور اپنی بدکاری کے عمدہ پھل سمجھ رہا ہے ادھر مصیبت ہے

کہ چپکے چپکے اس کے پاس آن لگی ہے اور اس کم بخت کو خبر بھی نہیں۔ آج کن شادمانیوں کے ساتھ فاحشہ عورتوں کو لیے مے نوشی کر رہا ہے شام کو مر گئے کل اسی وقت گور کے تنگ اور اندھیرے گڑھے میں پڑے اعمال کو بھگت رہے ہیں۔ یہ ہے اللہ کا استدراج جس سے بندہ واقف بھی نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی استدراج ہے کہ انسان کی عمر گراں مایہ آناً فاناً کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہر صبح آفتاب کی جگمگاہٹ دیکھ کر خوش ہوتا ہے، ہر رات اس کی بہار لیتا ہے مگر یہ خبر نہیں کہ یہ میرے سفر کے منازل ہیں جو بے اختیار طے ہو رہے ہیں، پھر یکبارگی منزل پر پہنچ گیا اب آنکھ کھل گئی رونے پیٹنے لگا مگر اب کیا ہوتا ہے۔

اسی لیے فرماتا ہے واملی لھم ان کیدی متین کہ میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں میرا داؤ بڑا مضبوط ہے کہ جس سے رستگاری ممکن نہیں اور کیونکر رستگاری ہو سکے جب کہ اس کا داؤ انسان کے جمیع قوائے ادراکیہ کو احاطہ کیے ہو اور بری بات کو بھلی سمجھا ہو۔ جیسا کہ کفار مکہ کہ تو ان کو علوم نافعہ بتا رہا ہے اور آب حیات پلا رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس کے مقابلے میں سرکشی کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ آپ کی اس کو کوئی غرض دنیاوی نہیں ام تسئلھم اجرا فھم من مغرم مثقلون کہ کیا آپ ان سے کوئی اجر یا مزدوری مانگتے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں جس لیے آپ سے استفادہ نہیں کرتے۔

ام عندھم الغیب فھم یکتبون۔ اور جب آپ سے استفادہ نہیں کرتے تو پھر کیا ان کے پاس غیب ہے؟ یعنی انہیں امورِ غیبیہ احکامِ الٰہیہ و منافع و مضراتِ آخرت کا بطور کشف و الہام علم ہے کہ جس کو وہ لکھتے ہیں یا اپنے دلوں کے ورقوں پر لکھے

بیٹھے ہیں۔ پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو قطعاً جان لینا چاہیے کہ وہ کیدِ الٰہی میں گرفتار ہیں کہ ان کو کسی طرح فکر و تامل کرنے کی مہلت نہیں ملتی اور کسی طرح ان کے دلوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ
پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے

كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ
نہ ہو جائیں جب اس نے اپنے رب کو پکارا اور وہ

مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ
بہت ہی غمگین تھا اگر اس کے رب کی رحمت اسے

نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ
نہ سنبھال لیتی تو وہ برے حال سے چٹیل

وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ
میدان میں پھینکا جاتا پھر اس کو اس کے رب نے برگزیدہ کیا

فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ
سو اس کو نیک بندوں میں شامل کر لیا اور کافر تو

يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ
آپ کو گھور گھور کر ڈگا دینے ہی

بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ
لگے تھے جب کہ انہوں نے قرآن سنا تھا

وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَ
اور وہ کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے اور

ع ۲ ۱۹ مَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾
حالانکہ یہ قرآن تمام دنیا کے لیے صرف نصیحت ہے۔

ترکیب

اذ العامل فیہا معنی قولہ کصاحب الحوت یرید لا تکن کصاحب الحوت حال ندائہ وذلک لانہ فی ذلک الوقت کان مکظوماً فکانہ قیل لا تکن مکظوماً۔ وھو مکظوم الجملۃ حال من ضمیر نادیٰ وعلیہا یدور النہی لا علی النداء لانہ امر مستحسن تدارکہ فعل ماض مذکر حمل علی معنی النعمۃ لان تانیث النعمۃ غیر حقیقی۔ نعمۃ موصوف من ربہ صفۃ والمجموع فاعل تدارک و الضمیر فی تدارکہ مفعولہ۔ ہذا قراءۃ الجمہور وقری بتشدید الدال تدارکہ وہو مضارع ادغمت التاء فی الدال و الاصل تتدارک بتائین وقری تدارکتہ بتاء التانیث لنبذ جواب لولا التقدیر الآیۃ لولا ہذہ النعمۃ لنبذ بالعراء مع وصف المذمومیۃ فلما حصلت ہذہ النعمۃ لم یوجد النبذ بالعراء مع ہذا الوصف لانہ لما فقد ہذا الوصف صح المجموع وان ہی المخففۃ من المثقلۃ واللام فی لیزلقونک دلیل علیہا۔ قرا الجمہور بضم الیاء وقرا نافع و اہل المدینۃ بفتحہا والاول من ازلق والثانی من زلق ومعناہما واحد وہو التنحی من موضع (للغزش) بابصارہم والباء اما للتعدیۃ واما للسببیۃ لما سمعوا الذکر و لما ظرفیۃ منصوبۃ بیزلقونک وقیل ہی حرف وجوابہا محذوف ای لما سمعوا الذکر کادوا یزلقونک وما ھو الخ الجملۃ مستانفۃ او فی محل نصب علی الحال من فاعل یقولون ای والحال انہ تذکیر۔

تفسیر

کفار کے طریق کی مذمت بیان فرما کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقلال کی تاکید کرتا ہے اور ضمناً ایک نبی کی جلد بازی پر عتاب ہونے کا تذکرہ بھی کرتا ہے:۔

فقال فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر کہ انجام ان کفار کا کیا ہوتا ہے ان پر عذاب آنے کے لیے جلدی نہ کر جیسا کہ

مچھلی والے نے کی تھی یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے، ان کا نام نہ لیا مچھلی والا کہہ کے یہ بتا دیا کہ اس جلد بازی کا نتیجہ مچھلی کے پیٹ میں جانا ہوا۔

پھر حضرت یونس علیہ السلام کا مختصراً تذکرہ کرتا ہے اذنادیٰ وھو مکظوم کہ اس نے اپنے رب کو مچھلی کے پیٹ میں پکارا نہایت غم والم کی حالت میں اور لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین کہا مکظوم مشتق ہے کظم سے جس کے معنی ہیں برتن کے بھر دینے کے۔ کہتے ہیں کظم السقاء اذا ملاہ۔ جب رنج و غم سے بھر جاتا ہے تو اس کو بھی کاظم کہتے ہیں اور مکظوم بھی اور اسی طرح غصہ سے بھرے ہوئے کو بھی)

ف ان کا قصہ کئی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ شہر نینویٰ کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ فلاں روز تم پر عذاب آئے گا۔ لوگوں نے یقین کر کے رونا اور توبہ کرنا شروع کیا جس لیے وہ آتا ہوا عذاب ان سے ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو غصہ آیا کہ میں جھوٹا ہوا اس لیے نینویٰ شہر چھوڑ کر کہیں کو چل دیے رستے میں ایک کشتی پر سوار ہوئے دریا میں ڈالے گئے مچھلی نے لقمہ کر لیا اس کے پیٹ میں آپ نے پھر اپنے رب کو پکارا تو مچھلی نے ایک کنارے پر جا کر اُگل دیا۔ اللہ نے وہاں کدو کے پتوں سے ان پر سایہ کیا اور پھر ان کو سمجھایا کہ ہم کو اپنی مخلوق پر رحم ہے ہم ایسا جلد انھیں کیونکر ہلاک کر دیتے؟ پھر خدائے پاک میں اور ان میں مصالحت وصفائی ہوئی اور شہر نینویٰ کی طرف بھیجے گئے۔

اس بات کو مجملاً بیان فرماتا ہے لولا ان تدارکہ کہ اگر رحمتِ الٰہی اس کے لیے دست گیر نہ ہوتی تو میدان میں مچھلی کے پیٹ سے برے حال میں ڈالے جاتے یا وہیں مر جاتے۔ پھر قیامت کے میدان میں برے حال میں لائے جاتے مگر اس کو اللہ نے برگزیدہ کر لیا یعنی نواز دیا اس سے درگزر کی اور پھر نینویٰ کی طرف بھیجا پھر وہ بہت صلاحیت پر آگیا وہ تیزی جاتی رہی اور نہ نیک تو پہلے سے تھے کس لیے کہ نبی تھے اور اجتبا۔ کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان کو نوازا ان کی جلدبازی سے درگزر کیا پھر اسی نبوت کے کام پر بھیجے گئے کس لیے کہ وہ اول سے نبی تھے یہ نہیں کہ بعد میں ہوئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا حال بیان فرما کر پھر آپ کی وہ حالت بیان فرماتے ہیں کہ جو قوم کے ہاتھوں پیش آرہی تھی اور جس سے آپ کا جلدی کرنا اور یونس علیہ السلام کی طرح دل میں پیچ و تاب لانا ممکن تھا فقال وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر۔ کہ تحقیق نزدیک تر تھا کہ کافر تجھ کو اپنی آنکھوں سے ڈگمگا دیں صبر و استقلال کے مقام سے، کہ ان کی تیز تیز نگاہیں دیکھ کر

ے معاذ اللہ حضرت یونس علیہ السلام خدائے پاک پر کیا غصہ ہوتے اور کون اس سے لڑ جھگڑ سکتا ہے مگر اس کے خاصوں میں اور اس میں محبت کے گلے اور شکایات اور رنج و غصہ بھی ہوا کرتے ہیں۔ اس حالت کا مبدل ہونا باہمی صلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بات سے کوئی حضرت یونس علیہ السلام پر طعن نہ کرے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے یونسؑ پر تفضیل نہ دو، اس سے یہی غرض ہے۔ ورنہ آپؐ کو جمیع انبیاء علیہم السلام پر خدا نے فضیلت دی ہے۔ یہ آپؐ کی کسرِ نفس اور دوسرے نبی کی توقیر ہے۔ یہ نہیں کہ اپنے سے تمام اگلے انبیاء علیہم السلام کو چور اور راہ زن کہہ دیا جیسا کہ انجیل میں ہے۔ ۱۲ منہ

آپ کو بھی غصہ آجائے اور مضطرب ہو کر یونس علیہ السلام کی طرح قبل از وقت ان کے لیے دعائے بد کریں اور نزولِ عذاب کے منتظر ہو جائیں، اور یہ کب کرتے ہیں لما سمعوا الذکر جب کہ قرآن مجید سنتے ہیں یہ اس لیے کہ عین نصیحت کے وقت جو سراسر خیر خواہی کا وقت ہوتا ہے ایسی سخت مخالفت ناصح کو جوش میں لے آتی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت محبوب تھا اور اپنی برائی سننے سے اس قدر غصہ نہیں آتا جس قدر کہ محبوب کی تحقیر سن کر غصہ آتا ہے۔

یہ ان کی ایک بات ہے جو آنکھوں سے متعلق ہے۔ اس پر بس نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی برا بھلا کہتے ہیں ویقولون انہ لمجنون اور کہتے ہیں تحقیق یہ شخص یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانہ ہے۔ حالانکہ کوئی جنون اور دیوانگی کی بات آپؐ میں یا آپؐ کے کلام میں نہیں پاتے کس لیے کہ جو کلام کہ آپ لوگوں کو سناتے ہیں وما ھو الا ذکر للعٰلمین وہ نہ صرف ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کے لیے نافع اور سود مند ہے بلکہ تمام جہان کے لیے۔ کس لیے کہ اُس عہد میں تمام جہان بت پرستی اور بدکاری کی نجاست میں آلودہ تھا، اور قرآن مجید تمام نجاستوں کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اس کے مکارم اخلاق و اصولِ حسنات وارکان سعادت دارین کے زیور اور لباس سے مزین کرنے والی بھی ہے۔ پھر جب ایک قوم یا ایک شخص کو نصیحت و سعادت سکھانے والے کو مجنون نہیں کہا جاتا تو تمام جہان کے ناصح اور معلم سعادت کو کیوں کر دیوانہ کہہ دیا اور وہ کیوں کر دیوانہ ہو سکتا ہے۔

اکثر مفسرین لیزلقونک بابصارھم کے یہ بھی معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ تیز تیز اور غصہ بھری نگاہوں سے آپؐ کو دیکھتے تھے اور اس سے آپؐ کو مقام صبر و استقلال سے پھسلانا چاہتے تھے۔ اور کلام عرب میں اس قسم کی تیز اور غصہ بھری نگاہ کو "گرا دینے والی، کھا لینے والی" کہتے ہیں من قولھم نظر الی نظرا یکاد یصرعنی و یکاد یاکلنی کہتے ہیں ایسا دیکھتا ہے جیسا کہ مجھے کھا جائے گا یا گرا دے گا۔ ایک شعر میں بھی یہ مضمون آیا ہے ؎

یتقارضون اذا التقوا فی موطن
نظرا یزیل مواطئ الاقدام

اور ابن عباسؓ نے بھی ایسے محل پر ایک شعر پڑھا ہے ؎

نظروا الیّ باعین محمرۃ
نظر التیوس الی شفار الجاذر

(کبیر)

مگر اہلِ روایت کے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کفارِ مکہ نے یہ دیکھا کہ آپؐ کی نبوت کے ابطال میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بنی اسد کے قبیلے میں سے جو نظرِ بد کے حق میں مشہور تھا ایک شخص کو لائے جو اس قبیلے میں بھی ممتاز تھا اور وہ جب تین روز بھوکا رہ کر کسی چیز کو دیکھتا اور یہ کہتا تھا کہ واہ کیا خوب ہے تو اس میں فوراً اثر ہوتا تھا، اس کو بہت کچھ طمع دی اور اس نے تین روز کا فاقہ کیا اور جہاں آپؐ قرآن مجید سنا رہے تھے وہاں گیا اور آپؐ کو دیکھ کر اسی نیت سے کہا واہ کیا خوب شکل اور کیا خوب آواز ہے مگر آپؐ پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور اپنا سا منہ لے کر چلا آیا۔ ان آیات میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔

اب قابلِ بحث یہ بات ہے کہ آیا در اصل نظر میں کوئی ایسا اثر ہے کہ جس کو دیکھا جائے اس پر کوئی برا اثر پہنچے جس کو "اصابۃ العین" کہتے ہیں؟ معتزلہ کہتے ہیں

نہیں کس یہ کہ ایک جسم کا اثر دوسرے تک بغیر مماسّہ کے پہنچ نہیں سکتا اور نظر میں یہ بات ہوتی نہیں پھر محض توہم باطل ہے جس کا اثر متوہم کو محسوس ہوتا ہے اور توہمات کا اثر انسان پر محسوس ہونا بدیہی بات ہے۔

محققین قائل ہیں کہ اثر ہوتا ہے کہ علاوہ مماسّہ اجسام کے نفوس میں بھی ایک خاص اثر ہے جس کو دوسرے نفوس قبول کر لیتے ہیں جس کی نظیر عمل مسمریزم ہے۔ روحانی اثر جسمانی اثر سے بڑے قوی ہوتے ہیں، روحِ طیبات کے آثار معجزات و کرامات ہیں ارواحِ خبیثہ کا اثر ویسا ہی خبیث ہوتا ہے۔ پھر اس اثر کی علت میں گفتگو ہے کوئی کہتا ہے نظر کرنے والے کی آنکھ میں اجزائے لحمیہ ہوتے ہیں جو شعاع بصری کے ساتھ نکل کر مرئی پر برا اثر کرتے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں۔ اب تک کوئی علت معین نہیں ہوئی ہے۔ احادیث سے بھی نظر بد کا اثر ثابت ہوتا ہے۔

حضرت امام بصریؒ فرماتے ہیں انہیں آیات وان یکاد الخ کا پڑھ کر دم کرنا نظر بد کا بہت سریع الاثر علاج ہے۔ اور جس کی نظر بد کا اثر پہنچا ہے اس کے ہاتھ پاؤں اعضا دھلا کر اس کے پانی سے مریضِ نظر کو غسل دینا بھی عمدہ علاج ہے۔ کہیں نظر والے کے پاؤں کی مٹی بھی لے کر آگ میں ڈالتے ہیں۔ کہیں سرخ مرچیں آگ میں جلاتے ہیں۔ ہندوستانی خیالات نے اس کو از حد ترقی دی ہے۔ پھر کہیں نظر کے لیے گنڈا ڈالتے ہیں کہیں فال کھولتے ہیں کہیں سیاہ ٹیکے لگاتے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں۔ جاہل قوموں میں بقدرِ جہل اس کا زیادہ چرچا ہے۔

سُورۃ حاقّہ

مکیہ ہے اس میں باون آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَاقَّةُ ۱ مَا الْحَاقَّةُ ۲ وَمَآ

ہونے والی　کیا ہی ہے ہونے والی　اور آپ

اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ۳ كَذَّبَتْ

کیا جانیں کیا ہے ہونے والی (یعنی قیامت)　ثمود اور عاد نے

ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۴ فَاَمَّا

کھڑکھڑا دینے والے واقعہ کو جھٹلایا تھا　پھر

ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۵

ثمود تو کڑک سے ہلاک کیے گئے

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ

اور عاد تو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے

صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ

جو زناٹے کا طوفان تھا　وہ ان پر سات رات

سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا

اور آٹھ دن لگاتار چلائی　(اے مخاطب)

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ

تو اس قوم کو اس حادثہ میں اس طرح بچھڑے ہوئے دیکھ رہا

اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۷ فَهَلْ تَرٰى

ہے گویا کھجور کے کھوکھلے ٹھنڈ پڑے ہیں　پھر تو ان میں سے

لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۸

کسی کو بھی بچا ہوا دیکھتا ہے؟

ترکیب

الحاقۃ ای الساعۃ او الحالۃ او التی یحق فیہا الامور مبتدا ما الحاقۃ خبرہا واصلہ ما ہی فوضع الظاہر موضع

المضمر لتہویل وما مبتدا ادرٰیک خبرہ ما الحاقۃ الجملۃ فی محل النصب لکونہا مفعولاً ثانیا لاادرٰیک واما ثمود مبتدا فاھلکوا الخ خبرہ طاغیۃ مصدر کالعافیۃ قیل الصیحۃ التی جاوزت الحد وہی صیحۃ جبرئیل وقیل الرجفۃ ای لزلزلۃ صرصر الشدید الصوت لہا صرصرۃ عاتیۃ من العتو فقیل عتت الریح علی الخزان فلم یکن لہم علیہا سبیل وقیل عتت علی عاد فما قدروا علی ردہا بحیلۃ من استتار ببناء او استناد الی جبل وقیل لیس من العتو بمعنی العصیان بل بمعنی بلوغ الشیٔ وانتہائہ کما فی قولہ تعالی (وقد بلغت من الکبر عتیا) عاتیۃ ای بالغۃ منتہاہا فی القوۃ والشدۃ سخرہا جملۃ مستانفۃ لبیان کیفیۃ اہلاکہم ویجوز ان تکون صفۃ لریح وان تکون حالا منہا وثمانیۃ ایام معطوف علی سبع لیال وہما منصوبان علی انہما ظرف لسخر حسوما الحسوم جمع حاسم کشہود وقعود والحسم فی اللغۃ القطع بالاستیصال ومنہ الحسام السیف ومعناہ فی الایۃ التتابع لان تلک الریاح لما کانت متتابعۃ ما سکنت ساعۃً کانہا قطعت القوم واستاصلتہم فعلی ہذا القول انتصابہ علی لغت لسبع لیال الخ ای متتابعات وہذا قول الاکثرین۔ وقیل الحسوم مصدر کالشکور والکفور فعلی ہذا انتصابہ اما بفعل مضمر والتقدیر یحسم حسوماً واما لکونہ مفعولا لہ ای سخرہا علیہم الاستیصال وقیل حال من الریح ای مستاصلۃ وصرعیٰ جمع صریع یعنی موتیٰ ہو حال کانہم الخ حال من القوم او جملۃ مستانفۃ۔ والنخل یذکر ویؤنث۔ ہذا اخبار عن عظم اجسامہم۔

تفسیر

قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ سورت بھی بالاتفاق مکیہ ہے۔ یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ وابن زبیرؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ حاقہ اور اس کی مثل اور سورت پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورت کی سورۂ نون سے یہ ہے کہ انسان کی بدکرداری وکفر پر جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے سزا نازل ہوتی ہے جو دراصل اسی کے افعالِ بد کا نتیجہ یا ایک اثر غیر منفک ہوتا ہے، اس کی دو قسم ہیں:۔

قسمِ اول کو ابتلاء کہتے ہیں جو محض اس کی سرزنش اور تنبیہ کے لیے ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے اپنے کردارِ بد سے باز آجائے اور اسی کو امتحان و آزمائش بھی کہتے ہیں، جیسا کہ قحط و وبا بدامنی باہمی نفاق وقتال وجدال جبار حاکموں کا تسلط، زلزلہ ژالہ باری کثرتِ امراض طوفانِ ہوا سیلاب وغیرہ یہ مصیبت ایک حیثیت سے قہر تو دوسری حیثیت سے (کہ یہ زاجر ہے اس کے سبب سے باز آئیں گے) مہر بھی ہے اس لیے اس میں بدوں کے ساتھ نیک بھی پس جاتے ہیں تاکہ نیکوں کو تنبیہ ہو جو امر معروف میں ان سے کوتاہی صادر ہوئی تھی کچھ اس سستی کا خمیازہ یہ بھی تو اٹھائیں یا ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے یا رفع درجاتِ اخرویہ کا وسیلہ ہو جائے اور ان کا امتحان بھی ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں؟

اب اس کلیہ کو آپ اس کے سیکڑوں امثال پر مطابق کر لیجیے۔ طوفانِ نوح۔ سدوم وغیرہ بستیوں کی بربادی، بنی اسرائیل پر وبا۔ اور غیر بادشاہوں کا تسلط جس میں سیکڑوں تہِ تیغ ہو گئے۔ حضرت دانیال علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی قیدیوں میں بابل پہنچے انہیں نظائر کو قرآن مجید نے بار بار بندوں کو یاد دلایا ہے کہ ان پر پڑی تھی تم سن کر باز آجاؤ اور پہلی کتابوں میں بھی ان ہولناک وقائع کو یاد دلایا ہے۔

قسم دوم انتقام، جو ابتلاء کے بعد بھی نہ سمجھے۔ اور اس سزا کو حاقہ کہتے ہیں جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور

یہ انتقام الٰہی اخیر پر ہوتا ہے جہاں نہ توبہ کی مہلت نہ استغفار کی فرصت ملتی ہے اور اس کے بعد دنیا سے رحلت ہوکر عالمِ برزخ کا قیدخانہ ہوتا ہے یا قیامت کا تازیانہ۔ اس میں نیک لوگ شامل نہیں ہوتے ان کو خدائے پاک بہرطور محفوظ ہی رکھتا ہے جو اس کی عدالت کا عین مقتضیٰ ہے۔

سورۂ نون میں کفارِ مکہ کو ابتلاء سے ڈرایا گیا تھا اور باغ والوں کا قصہ بھی یاد دلایا تھا انا بلونٰھم کما بلونا اصحٰب الجنۃ جو ان کی گستاخی کی سزا تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے تھے جیسا کہ اصحاب الجنۃ کی بدنیتی کی سزا ان کو ملی تھی مگر مکے کے کفار جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی تھی اس ابتلاء کو جو سات برس کا قحط تھا اور بھی مصائب تھے کب خاطر میں لانے والے تھے اس کے بعد بھی وہ ایسے ہی سخت دل رہے اور ڈھٹائی سے سخت عذاب آنے کے خواستگار رہے۔ اس لیے اس سورۂ مبارکہ میں حاقہ عذاب بیان فرماتا ہے جو بیشتر قیامت میں ہوگا اور کبھی غیرتِ الٰہی دنیا میں بھی نازل کر دیتی ہے اور پہلی امتوں پر جو دنیا میں حاقہ نازل ہوا اس کی ان کے مسلمہ واقعات سے نظیر دیتا ہے۔

فقال الحاقۃ ما الحاقۃ حاقہ کیا ہی حاقہ ہے۔ یہ اور اس کے بعد کا جملہ وما ادرٰک ما الحاقۃ کہ تو کیا جانے کہ کیا ہے حاقہ؟ حاقہ کی عظمتِ شان کے لیے آیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں زید ما زید کہ زید کیا زید ہے۔ مفسرین کہتے ہیں الحاقہ سے مراد یہاں قیامت ہے۔ پھر اس کے لفظی معنی میں چند اقوال ہیں۔

اول حاقہ حق بمعنی ثابت سے ہے پھر حاقہ کے معنی ہیں الساعۃ الواجبۃ الثابتۃ۔

دوم یہ وہ ساعت ہے کہ جس میں سب باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ اور بھی اقوال ہیں۔

وما ادرٰک میں مخاطب بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر مخاطب۔ وہ حاقہ کی حقیقت سے بے شک واقف نہ تھے اس لیے ما ادرٰک کہنا بے جا نہیں اور اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مخاطب ہوں تو وہ بھی حاقہ کی کنہ نہیں جانتے تھے، علم بالکنہ کی نفی ہے نہ کہ علم بالوجہ و بوجہ کی اس لیے آپؐ کی نسبت بھی ما ادرٰک کہنا ناروا نہیں۔

ف یحییٰ بن سلام کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں ما ادرٰک ماضی کے صیغہ سے آیا ہے آخر اس چیز کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا ہے اور جہاں کہیں ما یدریک کے صیغہ سے آیا ہے وہاں وہ بات آپؐ سے بھی مخفی رکھی گئی ہے وفیہ ما فیہ۔

اب اس کے بعد چند نظائر حاقہ کے بیان فرماتا ہے جو اگلی قوموں پر دنیا میں نازل ہوئیں۔

(۱) عاد و ثمود کی ہلاکت جو عرب کے ملک میں ہوئی، اور وہ ایک متواتر روایت تھی جس کا کوئی عرب انکار نہیں کر سکتا تھا۔ فقال کذبت ثمود و عاد بالقارعۃ کہ قوم ثمود نے جو عرب کے شمال و مغرب کے حصے میں آباد تھی جن کے پہاڑوں میں تراشے ہوئے گھر اب تک یادگار ہیں اور اسی طرح ان سے پہلے قوم عاد نے جو یمن میں رہتے تھے۔

قارعہ کا بیان:

قارعۃ یعنی قیامت کو جھٹلانا تو رسولوں اور ان کی تمام باتوں کو بھی تھا مگر قیامت کی تکذیب ایک ایسا فعلِ بد ہے جو انسان کو دلیر بنا کر تمام اصولِ سعادت سے روک دیتا ہے۔ اس لیے بالخصوص اس کا نام لیا گیا۔ اور قیامت کو قارعہ اس لیے کہا کہ قرع ٹھونکنے اور کھڑکھڑانے کو کہتے ہیں اور قیامت بھی ایک ایسا ہول ناک واقعہ ہے کہ دلوں کو اپنی ہول و دہشت سے ہلا دے گا اس لیے

اس کی ہول ناک حالت یاد دلانے کے لیے القارعۃ کے لفظ سے تعبیر کیا اور حاقہ اور قارعہ رؤس آیات میں ایک حسن خاص بھی رکھتے ہیں جو نظمِ قرآنیہ کو اور بھی لطف دے رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القارعۃ سے مراد خاص قیامت نہیں بلکہ عموماً زواجر اور گناہوں سے روکنے والی اور دل کو ہلانے والی باتیں ہیں جو ان کے انبیاء علیہم السلام حضرت صالح و حضرت ہود نے بیان فرمائی تھیں۔

دونوں قومیں ایک جرم میں شریک تھیں ہر چند ان کے انبیاء نے سمجھایا جب نہ مانا تو انتقامِ الٰہی کا وقت آگیا پھر آگے ہر فرقے کی ہلاکت بیان فرماتا ہے۔

طاغیہ کا بیان

فاما ثمود فاھلکوا بالطاغیۃ کہ قومِ ثمود طاغیہ سے ہلاک ہوئی۔ یہ زلزلہ کی سخت اور حد سے متجاوز آواز تھی، جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے انا ارسلنا علیھم صیحۃ واحدۃ فکانوا کھشیم المحتظر۔ بعض کہتے ہیں بجلی کی کڑک تھی۔ بعض کہتے ہیں طاغیہ مصدر ہے جیسا کہ کاذبہ و عاقبہ تب اس کے یہ معنی کہ وہ سرکشی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں طاغیہ سے مراد وہ بدنہاد شخص ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھی، اور ت مذکر کے لیے بھی آجاتی ہے جیسا کہ نسابۃ اور راویۃ میں ہے۔ اگر طاغیہ سے مراد وہ فاحشہ عورت لی جائے کہ جس کے کہنے سے اس بدبخت نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں تو اور بھی انسب ہے لیکن قولِ اول قوی ہے۔

قومِ عاد کی ہلاکت

ف ثمود کا واقعہ بہ نسبت عاد کے واقعہ کے زمانے کے قریب تھا اس لیے اول اس کو ذکر کیا کیوں کہ قریب زمانے کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اس کے بعد عاد کے واقعہ کو، جو اس سے پہلے گزرا تھا۔ فقال واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ لیکن عاد سو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے۔ جو صرصر یعنی زناٹے کی تھی اور عاتیۃ بہت تیز و تند تھی کسی کے بس کی نہ تھی سخرھا علیھم سبع لیال و ثمنیۃ ایام حسوما اس کو ان پر سات رات اور آٹھ دن پے در پے مسلط کیا تھا برابر چلتی رہی جس نے نہ کوئی درخت چھوڑا نہ مکان قوم عاد ہلاک ہوگئی۔ ہوا بدھ کے روز صبح سے شروع ہوئی تھی پھر اگلے بدھ کی شام کو تھمی۔ ان ایام کو عرب عجوز کہتے ہیں۔ سردی بھی سخت تھی۔ اور سردی کا اخیر موسم تھا۔ عرب میں اس موسم کے یہ نام ہیں۔ صن صنبر و بر آمر مؤتمر معلل مطفی الجمر مکفی الظعن۔

سخرھا کے لفظ میں اشارہ ہے کہ ہم نے مسخر و مسلط کیا تھا اس کو کوئی موسم و کواکب کی تاثیر سے نہ سمجھے کس لیے کہ گمراہ ہر ایک آسمانی چیز کو سببِ ظاہری پر منحصر کرتے ہیں، ان کی کوتاہ نگاہیں مسبب الاسباب تک نہیں پہنچتیں۔

عاد قوم کے لوگ بڑے قد آور تھے ہوا کے بعد فتری القوم فیھا صرعی ہر ایک کی لاش میدان میں زخمی ہوئی ایسی پڑی دکھائی دیتی ہے جیسا کہ کھجور کے بڑے بڑے درخت کٹے پڑے ہوں کانھم اعجاز نخل خاویۃ۔ کھوکھلے ٹھنڈوں سے اس لیے تشبیہ دی کہ ان کے اندر نورِ معرفت کچھ نہ تھا یا یوں بھی انسان اندر سے مجوف ہوتا ہے اور لمبے بھی تھے اس لیے کھجور کے درختوں سے جو کھوکھلے ہوتے ہیں پوری تشبیہ ہے۔

فھل تری لھم من باقیۃ پھر آپ کو اے دیکھنے والے ان میں سے کوئی بھی باقی دکھائی دیا؟ سب مر کر رہ گئے۔ لیکن حضرت ہود علیہ السلام اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ سب بچ گئے اور حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو

پہلے سے خبر دی تھی مگر انہوں نے ٹھٹھوں میں اڑا دیا۔ بڑے مال دار بڑے زور آور تھے۔

عاد و ثمود کے قصے کی پوری شرح مؤرخانہ طور پر ہم سورۂ اعراف کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں وہاں دیکھو۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَ

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور

الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾ فَعَصَوْا

اُلٹی ہوئی بستیوں والے گناہ کے مرتکب ہوئے سو ہر ایک نے

رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً

اپنے رسولِ خدا کی نافرمانی کی تھی تو ہم نے ان کو خوب ہی

رَّابِيَةً ﴿١٠﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ

پکڑا بے شک ہم نے جب کہ پانی حد سے گزر گیا تھا

حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾

تو تم کو کشتی میں سوار کر لیا تھا

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ

تاکہ ہم اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور (یہ بات) یاد

اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

یاد رکھنے والے کانوں میں پڑی رہے

ترکیب

من موصولۃ قبلہ قرأ الجمہور بفتح القاف وسکون الباء ای ومن تقدمہ من الامم وقرأ ابو عمرو وعاصم والکسائی بکسر القاف وفتح الباء معناہ من جہتہ وطرفہ وعلی الوجہین ہو صلۃ والمجموع معطوف علی فرعون وہو فاعل جاء والمؤتفکت معطوف علیہ بالخاطئۃ مفعول جاء والباء للتعدیۃ و والخاطئۃ اما مصدر کالخطاء واما الفعلۃ ای بالفعلۃ الخاطئۃ رسول ربہم مفعول عصوا ای عصی کل واحد رسول ربہ اخذۃ مفعول مطلق رابیۃ صفۃ من ربا الشیٔ اذا زاد انا مبتدأ حملنکم خبرہ فی الجاریۃ حال من مفعولہ اذ فی متعلقۃ بمحذوف لیست بصلۃ للحمل لما طغا الماء ظرف لحملنا وخلت بین المبتدا وخبرہ لنجعلہا واللام متعلقۃ بمحذوف ای فعلنا والضمیر المنصوب فی نجعلہا للفعلۃ ای انجاء المؤمنین واہلاک الکافرین وہی معلومۃ وان کانت غیر مذکورۃ قال الفراء الضمیر للسفینۃ وتعیہا معطوف علی نجعل ای ولتعیہا وہی بکسر العین عند القراء السبعۃ وقرئ باسکان العین کما فی فخذ وکبد وانما فعل ذلک لان حرف المضارعۃ لا ینفصل من الفعل فاشبہ ما ہو من نفس الکلمۃ وصار کقول من قال وہو وہی ومثل ذلک قولہ ویتقہ فی قراءۃ من سکن القاف (الکبیر) والوعی ان تحفظ الشیٔ فی نفسک والایعاء ان تحفظ فی غیرک (البیضاوی)

تفسیر

(۲) فرعون کا قصہ۔

(۳) وہ جو اس سے پہلے گزرے ہیں ان کا واقعہ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے فرعون کے عہد تک جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہد تھا۔ اس عرصہ میں بھی بہت انبیاء آئے اور ان کی امتوں پر نافرمانی سے بلائیں نازل ہوئیں اور وہ غارت کر دیے گئے ان کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ یا من قبلہ سے فرعونی لوگ مراد ہیں یعنی فرعون اور اس کے لوگوں کا قصہ کہ وہ اپنی بدکاری کی وجہ سے قلزم میں غرق ہوئے۔

(۴) مؤتفکۃ الٹی ہوئی بستیاں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں پانچ بستیاں جو جھیل مردار کے کنارے پر آباد تھیں سدوم عامورا وغیرہ ان کی بدکاری اور نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے الٹی گئی تھیں فرماتا ہے ان سب لوگوں نے

خطا کی گناہوں میں پڑ گئے تھے۔ پھر سب کے قصے کو مختصر کرتا ہے۔

فعصوا رسول ربھم کہ نہ صرف گناہ ہی کیے تھے بلکہ گناہوں کے سبب دل سیاہ ہو گئے تھے جس لیے خداوند تعالیٰ کے رسولوں کی نافرمانی کی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا علیٰ ہذا القیاس اس سے پہلے لوگوں نے یا اس کے بعد لوگوں نے اور سدوم وغیرہ بستیوں کے رہنے والوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی کمی نہ کی فاخذھم اخذۃ رابیۃ پھر تو ان سب کو اللہ قادر نے انتقام میں زور سے پکڑا ہر ایک مختلف عذابوں میں مبتلا کر کے غارت کیا گیا۔ فرعون اور اس کی قوم بدکو قلزم میں ڈبویا۔ لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسائے ان کی بستیوں کو الٹ دیا۔

(۵) انا لما طغا الماء یہ پانچویں نظیر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہے گرچہ من قبلہ میں اجمالی طور پر داخل تھی مگر ایک بڑا عبرت ناک واقعہ تھا۔ اس قصے میں سے صرف ان باقی رہ جانے والوں پر کشتی میں سوار کر لینے کا احسان یاد دلاتا ہے کہ جن کی اولاد نے پھر بدکاری پر بدکاری اور بت پرستی پر بت پرستی کی یہ فرعون اور قوم لوط اور مکے کے کفار کون ہیں انہیں کی اولاد۔ کہ اے سرکشو! جب پانی کی طغیانی ہوئی تو تم کو (تمہارے باپ دادا کو جن کی پشتوں میں تم نالائق نمک حرام تھے) ہم نے کشتی پر اٹھا لیا تاکہ یہ ہمارا فعل آیندہ نسلوں میں یادگار رہے مگر تم بھول گئے اور تاکہ اس کو یاد رکھنے والے کان سنیں۔ تم سنتے ہو مگر تمہارے کان اس کو پھینک دیتے ہیں محفوظ نہیں رکھتے۔ یہاں اجمالی بیان ہر ایک قوم کا کافی تھا اس لیے اسی پر بس کی گئی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾
پھر جب صور میں ایک ہی پھونک ماری جائے گی

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا
اور زمین اور پہاڑ دونوں کو اٹھا کر ایک ہی بار
دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ
پٹک دیا جائے گا تو اس روز ہونے والی ہو
الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ
پڑے گی (قیامت آجائے گی) اس روز آسمان پھٹ کر
يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى
شکستہ ہو جائیں گے اور فرشتے اس کے
اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ
کناروں پر ہوں گے اور آپ کے رب کا تخت اس
فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ
روز آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہوں گے اس دن
تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾
تم حاضر کیے جاؤ گے تم میں سے کسی کا راز چھپ نہ سکے گا۔
فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ
پھر جس کو اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا
فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾
تو وہ کہے گا اجی لینا میرا اعمال نامہ تو پڑھنا
اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾
میں تو سمجھا ہوا تھا کہ (ایک دن) مجھے میرا حساب ملنا ہے
فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ
سو وہ تو دل پسند عیش میں ہوگا بلند
جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾
بہشت میں کہ جس کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے

۱؎ والقطوف جمع قطف وھو المقطوع ای الثمر (باقی بر صفحہ آیندہ)

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي

کھاؤ اور پیو ان کاموں کے صلے میں جو تم نے

الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ

گزشتہ دنوں میں آگے بھیجے تھے پھر جس کا اعمال نامہ اس کے

كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ

بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو کہے گا اے کاش میرا

أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا

اعمال نامہ نہ ملتا اور مجھے اپنے حساب کی

حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ

کیا خبر تھی ہائے کہیں (موت) فیصلہ کر دینے

الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾

والی آجاتی میرا مال بھی میرے کام نہ آیا

هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ

میری حکومت بھی جاتی رہی (حکم ہوگا) اس کو پکڑو

فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾

پھر اس کو طوق پہناؤ پھر اس کو دہکتی آگ میں ڈالو

ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ

پھر اس کو ستر گز کی زنجیر

ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾ إِنَّهُ كَانَ

میں جکڑو کیوں کہ یہ

لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا

خدائے عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا اور نہ

يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾

غریبوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتا تھا

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ﴿٣٥﴾ وَلَا

پھر اس کا بھی آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور

طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿٣٦﴾ لَا

نہ کھانا ہے مگر زخموں کا دھوون جس کو

يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿٣٧﴾

گنہگاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھائے گا

ع ۴۷
۵

ترکیب

نفخة واحدة بالرفع علی انہا مفعول مالم یسم فاعلہ من نفخ المجہول وانما حسن تذکیر الفعل للفصل اوان التانیث غیر حقیقی وقری بالنصب علی ان فی الصور مفعول مالم یسم فاعلہ ثم نصب نفخۃ علی انہا مفعول مطلق واحدۃ تاکید لہا وحملت الارض الخ بالتخفیف وقری مشددا عطف علی نفخ فدکتا ای جملۃ الارض وجملۃ الجبال من الدک (کوفتن وریزہ کردن وہموار کردن صراح) والدک ابلغ من الدق۔ ناقۃ دکاء لاسنام لہا ومنہ الدکۃ بالفتح (چبوترہ) والدکان بالضم دکۃ واحدۃ قال الفراء لایجوز ہنا الا النصب لارتفاع الضمیر فی دکتا ولم یقل فدککن لانہ جعل الجبال کالواحدۃ والارض کالواحدۃ کما قال ان السموٰت والارض کانتا رتقا ولم یقل کن فیومئذ ظرف لوقعت وانشقت معطوف علی وقعت یومئذ ظرف لواہیۃ فیومئذ وما

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ماسلفتم ای قدمتم من اعمالکم الصالحۃ الاسلاف تقدیم ماترجو ان یعود علیک بخیر فہو کالاقراض ومنہ یقال اسلف فی کذا اذا قدم فیہ مالہ ذرعہا الخ صفۃ لسلسلۃ غسلین فعلین من الغسل ماء الغسل من الجروح بعد الغسل من صدید وقیح ودم ۱۲ منہ

[1] یالیتہا الضمیر یعود الی الموتۃ الاولی فانہا کالمذکور او الی الحالۃ التی شاہدہا یالیت ہذہ الحالۃ کانت الموتۃ التی قضیت علی ۱۲ منہ

بعدہا جواب اذا نفخ قال الزجاج یقال لکل ماضعف جداً و ہی فہو واہ ارجائہا ای اطرافہا وجوانبہا جمع رجی مقصود یقال رجا و رجوان والجمع الارجاء۔ ثمانیۃ بالرفع علی انہ فاعل یحمل فوقہم ای فوق الملائکۃ الذین علی الارجاء۔ وقیل ان الحملۃ یحملون العرش فوق رؤسہم والضمیر قبل الذکر جائز کقولہ۔ فی بیتہ یؤتی الحکم۔ فوقہم ویومئذ منصوبان بیحمل علی انہما ظرفان لہ ھاءم من اسماء الفعل۔ ہا بمعنی خذ یقال ہاء یا فتی ومعناہ تناول ویفتحون الہمزۃ للمذکر کالکاف فی ہاک ویقال للاثنین ہاءما وللجمع ہاءموا وہاءم والمیم فی ہذہ الموضع کالمیم فی انتما وانتم والضمۃ فی ھاءم انماہی ضمۃ میم الجمع ویقال للانثی ہاء یا امرءۃ وہاءما یا امرءتان وہاؤن یانسوۃ مفعول ہاءم محذوف وکتٰبیہ مفعول اقرءوا لانہ اقرب العاملین ولانہ لوکان مفعول ہاءم لقیل اقرءوہ اذ الاولیٰ اضمارہ حیث امکن والہاء فی کتٰبیہ وحسابیہ ومالیہ ہی ہاء السکت وحق ہذہ الہاآت ان تثبت فی الوقف وتسقط فی الوصل ولما کانت مثبتۃ فی الامام ای مصحف عثمان رض استحبوا الوقف علیہا وقرا ابن حیصن باسکان الیاء بغیر ہاء۔ وقرء جماعۃ باثبات الہاء فی الوصل والوقف جمیعا لاتباع المصحف۔

تفسیر

دنیاوی حاقہ کے نظائر بیان فرماکر ایک سخت حاقہ کا ذکر کرتا ہے یعنی قیامت کے برپا ہونے کا۔ پھر اس کی تمام کیفیت ہولناک بیان فرماتا ہے کہ صور پھونکا جائے گا ایک ہی بار کے پھونکنے میں اول زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے پھر اس کے بعد علویات فنا ہوں گے آسمان پھٹ جائیں گے اور فرشتے جو آسمانوں میں تھے نکل کر اس کے کناروں پر آجائیں گے۔ اس طرح کہ جب کوئی مکان گرتا ہو تو اس کے رہنے والے چھوڑ کر اس کے گرد ہوجاتے ہیں اس کے بعد جب کہ تمام چیزیں فنا ہوجائیں گی الاماشاء اللہ تو بارِ دیگر صور پھونکے گا جس کی کیفیت سورۂ زمر میں بیان ہوئی تو تمام چیزیں بار دگر پیدا ہوں گی مُردے زندہ ہوں گے عدالت کے لیے تخت رب العالمین لاکر رکھا جائے گا جس کو آٹھ فرشتے اٹھاتے ہوں گے (اور ہر ایک کے ساتھ ہزاروں کی جماعت ہوگی) پھر بنی آدم خدا تعالیٰ کے حضور میں لائے جائیں گے کوئی شخص مخفی نہ رہ سکے گا نہ کوئی بات اس سے مخفی رہے گی پھر نامۂ اعمال اگر دائیں ہاتھ میں دیا گیا جو نیک ہونے کی علامت ہے تو وہ خوشی میں آکر لوگوں سے یا خدا کی طرف سے نامۂ اعمال دیکھنے والوں کو کہے گا لو میرا نامۂ اعمال دیکھو اور میں پہلے سے سمجھا ہوا تھا کہ حساب لیا جائے گا اس لیے دنیا میں نیک کام کرتا اور بدیوں سے بچتا تھا۔ پھر وہ عمدہ عیش میں ہوگا۔ یعنی حیاتِ جاودانی عطا ہوگی اور سعادتِ باقیہ ملے گی بلند یا بیش قیمت باغوں میں رہے گا جس کے میوے جھکے ہوں گے یعنی پختہ۔ کس لیے پختگی پر میوے جھک جاتے ہیں یا اس کے لیے قریب ہونگے توڑنے میں دقت نہ ہوگی ہاتھ بڑھایا اور توڑ لیا ان کو سُنا دیا جائے گا کھاؤ پیو مزے کرو یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہے جو دنیا میں تم نے کیے تھے۔

اور جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ افسوس و حسرت سے کہے گا کیا ہوتا جو میرا اعمال نامہ مجھے نہ ملتا اور میرا حساب مجھے نہ بتلایا جاتا پھر وہاں کی سختی اور عذاب اور طرح طرح کی رسوائی دیکھ کر موت کی آرزو کرے گا کہ کاش! میں مرجاؤں تو اس بلا سے چھوٹ جاؤں۔ مگر وہاں پھر موت کہاں؟ وہاں دنیا کی نعمتیں یاد کرکے روئے گا کہ آج میرا مال کچھ کام نہیں آیا نہ کوئی رشوت لیتا ہے نہ مالدار سمجھ کر لحاظ و عزت کرتا ہے۔ یا یہ کہ دنیا میں نیک کاموں پر صرف کرتا تو یہاں کام آتا جیسا کہ اوروں کے کام آرہا ہے اس کے بدلے میں اس کی سزائیں کم ہورہی ہیں اجر مل رہے ہیں اور نہ آج میری عزت و حشمت و شوکت کچھ کام آئی یہاں

بادشاہ و فقیر دونوں برابر ہیں نہ کوئی خاندان کو پوچھتا ہے نہ حسب و نسب دریافت کرتا ہے یا یہ کہ میری حجت و دلیل باطل ہو گئی جو دنیا میں باطل مذہب اور بے ہودہ باتوں کے برحق ثابت کرنے میں کیا کرتا تھا اور بڑی زبان چلایا کرتا تھا۔ پھر اس کے لیے حکم ہو گا کہ اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق پہناؤ (وہ اس کے اعمالِ بد ہوں گے) اور اس کو دہکتی آگ میں ڈالو اور ستر گز کی زنجیر میں جکڑو یہ اس لیے کہ نہ یہ اللہ پر ایمان لاتا تھا نہ اس کے اعمال اچھے تھے مالی عبادت سے بھی دور تھا کس لیے کہ فقراء کو آپ کھلانا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا تھا۔

یہ آیات کا خلاصہ مطلب تھا، اب ان کے متعلق کچھ فوائد ہیں جو خالی از لطف نہ ہوں گے وہی ہذہ۔

ف ۱ پہلے نفخہ پر تمام عالم خراب و برباد ہو جائے گا اس کے بعد جب بارِ دگر نفخۂ صور ہو گا اور ہر چیز بارِ دگر زندہ ہو گی تب عدالت کے لیے لوگ خدائے پاک کے روبرو لائے جائیں گے حالانکہ آیت میں وانشقت السماء کے بعد عرش اٹھانے کا ذکر کر کے کہہ دیا کہ آج کے روز پیش پا کیے جاؤ گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یومئذ تعرضون سے مراد وہی دن نہیں کہ جس روز خراب عالم کے لیے نفخۂ صور ہو گا۔ بلکہ اور دن۔ یا یوں کہو یوم سے مراد زمانہ ہے جس میں نفخہ اولیٰ و ثانیہ و صعقہ و نشور و حساب و وقوف سب کچھ ہو گا۔ یوم زمانہ اور وقت کے لیے کلام عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔

ف ۲ والملک علیٰ ارجائہا ملک سے ایک فرشتہ مراد نہیں بلکہ جنس۔ یہ عالم کے برباد ہونے کی کسی گھر کے برباد ہونے سے تمثیل ہے کہ جب وہ گھر گرنے کو ہوتا ہے تو وہاں کے لوگ نکل کر باہر کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں گو بعد میں وہ بھی ہلاک ہو جاویں گے اور جو ہلاک نہ مانے جاویں تو بھی ممکن ہے کس لیے کہ ایک جگہ آیا ہے الا من شاء اللہ پس ممکن ہے کہ ملائکہ مستثنیٰ ہوں۔

ف ۳ ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمٰنیۃ ایسا ہی مضمون سورۂ زمر کی اس آیت میں ہے وتری الملٰئکۃ حافّین من حول العرش اب کلام یہ ہے کہ تختِ رب العٰلمین کے سر پر اٹھانے سے کیا مطلب؟ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ ایک تمثیل ہے لوگوں کے سمجھانے کے لیے۔ دنیا میں بادشاہوں کے دربار اور ان کے تختِ عدالت سے کہ جس کو خدام کی جماعت عزت و احترام سے دربار میں لا کر رکھتی ہے تاکہ وہ اس پر بیٹھ کر عدالت کرے۔

بعض علماء اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں ان کے نزدیک کوئی تاویل اور توجیہ آیات و احادیث میں جائز نہیں ہر ایک کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا دراصل قرآن و احادیث کا ماننا کہتے ہیں، اگرچہ خوش اعتقادی کا یہی مقتضا ہے مگر جب اسلوبِ کلام میں غور کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن مجید اعلیٰ درجہ کی بلاغت و فصاحت کے قوالب میں ڈھلا ہوا ہے تو یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ بلغاء کے کلام میں مجاز استعارہ تمثیل و تشبیہ بہت کچھ ہوتا ہے محاوراتِ زبان اور عرف کا بہت خیال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ سب باتیں موجود ہیں پھر جس طرح معتزلہ کا یہ قول تفریط ہے کہ مہما امکن حقیقی معنی ہونے پر بھی وہ تاویل کرتے ہیں اور اس طرح کی تاویلات کا دروازہ کھولنا متکلم کی مراد کو ظاہر نہیں ہونے دیتا انہیں کی تقلید سے آج کل کے تعلیم یافتہ قرآن کو خیالاتِ مغربیہ پر تاویلات کے ذریعہ سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اسی کو مغزِ سخن تک پہنچنا اور اعلیٰ درجہ کی لیاقتِ سخن فہمی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بالکل تاویل و توجیہ استعارہ کنایہ مجاز تمثیل کا دروازہ بند کر کے ظاہری معنی پر محمول کرنا سخت افراط ہے جو کلام کو مہمل اور بے نمک بلکہ غلط بنا دینے کا پورا ذریعہ ہے

اب اپنے قاعدے کے موافق ہر فریق قرآن مجید کے ایسے مواقع میں تفسیر کرتا ہے مگر حق وہی بات ہے کہ جس کو اہلِ سنت والجماعۃ کے علماء ربانیین اختیار کیے ہوئے ہیں وہ یہ کہ جہاں تک ظاہری معنی مراد لیے جا سکتے ہوں تو کلام کو ضرور حقیقی معنی پر محمول کرنا چاہیے اور جہاں تعذر ہو خواہ عقلِ سلیم کے فتوے سے خواہ اصولِ اسلامیہ و دیگر آیات واحادیثِ صحیحہ کی وجہ سے تو وہاں ضرور مجاز پر محمول کرنا پڑے گا مگر مجازی معنی کی زمام بھی ہر ایک کے ہاتھ میں نہیں بلکہ علماء راسخین کے۔

آیاتِ مذکورہ میں معتزلہ تاویل کرتے ہیں کہ عرش و کرسی کے معنی مجازی مراد ہیں تسلط و حکومت وغیرہ اور فرشتوں کے سر پر اٹھانے سے مراد ان کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہے۔ اہلِ سنت میں سے بیضاوی وغیرہ علماء کلام فرماتے ہیں کہ یہ تمثیل ہے کس لیے کہ خدائے پاک مجسم نہیں جو کسی تخت پر بیٹھے یا اس کے لیے کوئی جگہ معین کی جائے یہ چیزیں اس کے لیے حدوث اور نقصان کا باعث ہیں۔ اسی طرح صوفیہ کرام بھی ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔ پھر ان میں سے کسی نے کہا کہ عرشِ مجید صورت جہان داری حق سبحانہ تعالیٰ کی ہے یعنی اس کی جہان داری اور بادشاہت کو عرش سے تعبیر کیا ہے اور قیامت میں وہ بصورت عرش یعنی تختِ شاہی ظہور کرے گی۔

اس کی جہان داری دنیا میں چار صفت سے ہے کہ موجودات میں کوئی ذرہ بھی ان سے خالی نہیں وہ سب کو محیط ہیں اوّل علم دوم قدرت سوم ارادہ۔ چہارم حکمت۔ آخرت میں ان چاروں صفتوں کے ساتھ چار صفات اور زیادہ ہوں گی تاکہ دونوں جہان داریوں میں امتیازِ کلی ہو جائے اور وہ چار یہ ہیں اول ظہور انکشافِ تام کہ اس عالم میں ہر چیز کی اصل حقیقت ہر ایک پر واضح ہو جائیگی دھوکہ اور شبہ اور غلطی نہ رہے گی وہاں جاہل و عالم کافر و مومن سب پر حقائق خفیہ برابر ظاہر ہوں گے اس بات پر قرآن مجید میں بھی کئی ایک جگہ اشارہ ہے ازاں جملہ یوم تبلی السرائر۔ اسمع بھم وابصر یوم یاتوننا۔ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔

دوم کمالِ بلوغ کہ ہر چیز مرتبہ نقصان سے اپنے موافق مرتبہ کمال پر پہنچ جائے گی استعداد و قابلیت کا مرتبہ فعلیت پر آجائے گا یہاں تک کہ جو دنیا میں لنگڑے لولے اندھے زخمی بیمار مرے تھے صحیح و سالم اٹھیں گے اور اسی طرح قوائے باطنیہ کا حال ہوگا۔ خلود و بقائے غیر متناہی بھی اس صفت کی وجہ سے ہوگی جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔

سوم تقدس کہ کدورات والواث سے ہر شے دور ہو جائیگی کس لیے کہ عالمِ حدثی کا چھلکا دور ہو کر عالم باقی و صافی کا جوہر نکل آئے گا۔

چہارم صفتِ عدل و ابقائے حق کہ جس کے سبب پورا پورا انصاف ہوگا ہر ایک کو اسی کے پیمانے سے تول کر دیا جائے گا۔

پھر جب اس عالم میں جہان داری کے ساتھ جس کو عرش کہا گیا یہ چار صفات اور مل گئیں تو گرانی اور وزن بڑھ گیا اور اس عرشِ معنوی کو عرشِ صوری کے ساتھ ایک خاص مشابہت ہے دنیا میں یہ عرش جہان داری چار فرشتوں پر تھا جو اُن چار صفتوں کے مظاہر تھے آخرت میں اس گراں باری کی وجہ سے چار اور بڑھائے جائیں گے جو ان چار صفتوں کے مظاہر ہوں گے۔ یہ معنی ہیں قیامت میں آٹھ فرشتوں کے تختِ رب العلمین اٹھانے کے۔

بعض فرماتے ہیں عرش رب العلمین سے مراد انسان کا قلب ہے آج اس کو چار صفات اٹھائے ہوئے ہیں قیامت میں آٹھ اٹھائیں گی۔ اور اٹھانا عبارت ہے ان صفات کے استیلاء سے۔ پھر ان صفات میں کلام طویل ہے۔

ف ۴ عرشِ ربک سے وہ عرش مراد ہے جو کو سب آسمانوں سے اوپر کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہی عرش قیامت میں دربارِ عدالت کے لیے لاکر رکھا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں وہ اور ہوگا۔

قریب الفہم وہی قول ہے جو بیضاوی نے فرمایا ہے۔ کس لیے کہ انسان اِس عالمِ ناسوت میں کسی معنی کو صور و اشکال سے مجرد کرکے مشکل سمجھتا ہے اور ہر ایک معنی کی اپنے مشاہد صور میں تصویر کھینچتا ہے۔ اب صرف فرمانا تو یہ مقصود تھا کہ قیامت کے دن خدائے ذوالجلال جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے عدالت کرے گا اور خیالِ انسانی اس عدالت کی تصویر تمام شاہانہ تجملات میں کھینچتا ہے کہ تخت ہوگا اور اس کے گرداگرد ایسے خدام و سپاہ ہوں گے جیسا کہ اولوالعزم شاہوں کے دربار میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ انسانی ادراک سے بھی بہت دور تر ہے اس کے دربار اور اس کی عدالت کی اصل حقیقت بیان کرنے کے لیے نہ الفاظ ہیں اور نہ اذہانِ انسانیہ تیار ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو اس کے مشابہ تصویر میں بیان فرمانا پورا اظہار ہے اس لیے تخت لایا جانا اور تخت پر جلوس فرمانا اور تخت کے اردگرد ملائکہ کا صف بستہ کھڑا ہونا اور مجرموں اور نیکوں کا پیش ہونا اور اپنے ایمان اور نیک اعمال کی جزا اور کفر و بدکاری کی سزا حیاتِ جاودانی یا رنج و عذابِ دائمی پانا اور ان کا مسرت کرنا اور ان کا حسرت و افسوس کرنا ایک سچے واقعہ کی تصویر کھینچتا ہے۔ نہ محض ترغیب و ترہیب ہے جیسا کہ کوڑھ مغز اور تنگ دماغ خیال کرتے ہیں۔

ف ۵ یومئذ تعرضون سے لے کر آخیر تک اس عدالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ سب حاضر ہوں گے کوئی بات مخفی نہ رہے گی۔ پھر آگے جزا و سزا کی تشریح کرتا ہے کہ جس کی کتاب (یعنی نامۂ اعمال جو دنیا میں کراماً کاتبین نے اس کے نامۂ اعمال کا روزنامچہ لکھا تھا اور وہ ایک عالمِ غیب کا فوٹو ہے ہماری قلموں اور ہمارے کاغذوں کا لکھا ہوا دفتر نہیں) اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ خوش ہوگا اور جس کے بائیں ہاتھ میں دی گئی وہ روئے پیٹے گا داہنا ہاتھ اشارہ ہے جانبِ اقویٰ سے جو عقل و نور و غلبہ ایمان کی جانب ہے اور بایاں ہاتھ اشارہ ہے جانبِ اضعف نفسانی حیوانی کی طرف۔

ف ۶ ھنیئا ہنا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو بے مشقت ملے (قاموس) ہنٔ گوارا شدن طعام و شراب ہنی گوارندہ۔ ہنیئا منصوب ہے یا اس لیے کہ مفعولِ مطلق کی صفت ہے ای اکلا و شربا ہنیئا یا صفت ہے مصدر کے قائم مقام کی گئی ای ہنئتم ہنیئا۔ ہنی بروزن فعیل والمصدر رہن۔

اس کے بعد جہنمیوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس کے لیے فرشتوں کو حکم ہوگا خذوہ کہ اس کو پکڑو و قہر و عذاب میں فغلوہ پھر اس کے ہاتھ اس کی گردن میں باندھو غل بالضم گردن بند جمع اغلال (صراح) یہ اس لیے کہ اس نے دنیا میں فراخ دستی کی نعمت کا شکریہ ادا نہ کیا تھا اور کارِ خیر میں ہاتھ نہ کھولے تھے۔

ثم پھر حکم ہوگا الجحیم صلوہ اس کو دہکتی آگ میں ڈال دو یعنی باندھ کر ڈالو کہ ہاتھ پاؤں نہ مار سکے ثم پھر حکم ہوگا فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعا فاسلکوہ کہ ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو کہ پڑا پڑا جگہ سے ہلنے بھی نہ پائے۔ بعض علماء کہتے ہیں ستر گز سے تعداد مقصود نہیں بلکہ طول مراد ہے جیسا کہ اس آیت میں ان تستغفر لھم سبعین مرۃ مراد مراتِ کثیرہ ہیں۔ لمبی زنجیر اشارہ ہے اس کے حرص و ہوا و طولِ امل دنیا کی طرف کہ بڑی بڑی لمبی زنجیروں میں دنیا کی بندھا ہوا تھا جن کا اس کے خیال میں کہیں سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا۔ یوں ہوگا اور یوں کروں گا۔ اس میں خدا تعالیٰ سے غافل رہا کہ موت آگئی۔ جس کو وہاں کی زنجیر سے

بچنا ہو یہاں کی زنجیر سے نکلے۔ شہوات و لذات کی لمبی زنجیریں اس کو جکڑے ہوئے ہیں اور طوق بھی گلے میں بدکاری اور اخلاقِ رذیلہ کے پڑے ہوئے ہیں اور شہوت و حرص کی دہکتی آگ میں ایسی زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے۔ مردانِ خدا ہی ان بیڑیوں اور اس آگ سے نکل بھاگے ہیں۔ دنیا کے کام کرتے ہیں بیاہ شادی کرتے ہیں مگر دل نہیں لگاتے لیکن بقدرِ ضرورت۔

پھر آگے ان جہنمیوں کا اصل جرم بیان فرماتا ہے کہ جس کے سبب وہ آج اس جرم میں گرفتار ہوئے فقال انہ کان کہ تسلسلِ حوادث کا قائل تھا اور اسباب کی زنجیروں میں بند تھا۔ ہر حادثہ کو اس کے سبب کی طرف منسوب کرتا تھا مسببِ الاسباب تک نظر نہیں پہنچتی تھی اس لیے لا یؤمن باللہ العظیم وہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ یہ اشارہ ہے کہ اس کی قوتِ نظریہ باطل ہو چکی تھی۔ وہ احمق ان پتلیوں کو آپ سے حرکت کرنے والا سمجھا ہوا تھا یہ نہیں جانتا تھا کہ پسِ پردہ کوئی اور حرکت دے رہا ہے۔ ایک خدا بزرگ و برتر کو چھوڑ کر سیکڑوں اسباب کی طرف دوڑا دوڑا پھرتا تھا اور اپنی طمع اور خام خیالی سے بہت چیزوں کو قضا و قدر کا مالک مختار جان کر ان کی طرف رجوع کرتا تھا۔

الغرض یہ کافر و مشرک تھا توحید و ایمان کی روشنی نصیب نہ تھی اس کے علاوہ قوتِ عملیہ بھی باطل ہو گئی تھی ولا یحض علیٰ طعام المسکین کس لیے کہ عملی کاموں میں عبادت کے بعد نفعِ خلائق اعلیٰ درجہ کی نیکوکاری ہے۔ پھر یہ بدبخت خدائے بزرگ پر تو ایمان ہی نہیں رکھتا تھا کہ یہ سمجھتا تھا کھانا کھلانے کا بدلہ دنیا اور آخرت میں خدا پاک دے گا اس کی رضامندی ہمارے لیے کام آئیگی پھر آپ مسکین غریب کو روپیہ پیسہ دینا کپڑا اپہنانا راحت پہنچانا تو درکنار معمولی کھانا بھی نہیں دیتا تھا اور دینا تو درکنار اوروں کو بھی اس طرف رغبت نہیں دلاتا تھا۔ بلکہ اس کام کو عبث اور فضول جانتا تھا کبھی یہ حیلہ کرتا تھا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ کبھی یہ کہ ان کا ہمارے اوپر کیا حق ہے۔ اور ان لوگوں کو دینا بے ہمتی بے غیرتی گداگری سکھانا ہے۔ یہ گفتگو ان درماندوں کے حق میں کہ جو دراصل قابلِ ترحم ہیں محض بخل اور اندرونی خباثت پر مبنی ہے۔

ایسی تنگی اور مصیبت کے ٹالنے یا کم کرنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ تسلی دلاسا دینے والا اور چارہ گری کرنے والا ہو۔

دوم یہ کہ ایسی درماندگی کے وقت کھانا کھلایا جائے۔

اور اسی لیے اہلِ مصیبت کے ساتھ تعزیت میں یہ دونوں باتیں برتی جاتی ہیں۔ تسلی دلاسا بھی دلایا جاتا ہے کھانا بھی کھلایا جاتا ہے سو اس کے لیے یہ دونوں نہ ہوں گے فلیس لہ الیوم ھٰھنا حمیم کہ آج اس کا یہاں کوئی دوست حمایتی نہ ہوگا جو اس کو چھڑا دے۔ یہ اس لیے کہ بڑا حمایت کرنے والا اللہ ہے اور اس کی حمایت کا پرتو دوسرے حامیوں کے دلوں پر پڑتا ہے جو حمایت پر کمر باندھتے ہیں سو اللہ پر تو اس کا ایمان ہی نہ تھا اس سے بگاڑ رکھی تھی۔ ولا طعام اور نہ کھانا ہے کس لیے کہ دنیا میں یہ کسی کو نہیں کھلاتا تھا الا من غسلین ہاں وہ جو لوگوں کے دل دکھاتا تھا اب ان زخمیوں کا دھوون ضرور پینے کو ملے گا۔ جو خطاکاروں کا کھانا ہے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا
پھر جس کو تم دیکھتے ہو اور جس کو تم نہیں دیکھتے ہیں
لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ
ان کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک یہ (قرآن) معزز رسول کے

كَرِیْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ
قول کا کلام ہے اور نہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے
قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ
(مگر) تم بہت ہی کم یقین کرتے ہو اور نہ کسی کاہن کا
كَاهِنٍ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾
کلام ہے (مگر) بہت ہی کم سمجھتے ہو
تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَ
یہ رب العلمین کا نازل کیا ہوا ہے اور
لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴿۴۴﴾
اگر محمدؐ ہم پر کوئی بات بھی بنا کر کہتے
لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ
تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر
لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا
گردن مار دیتے پھر
مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ﴿۴۷﴾
تم میں سے کوئی بھی اس کو روکنے والا بھی نہ تھا
وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾
اور بے شک یہ قرآن پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے
وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾
اور ہم خوب جانتے ہیں کہ بعض تم میں سے جھٹلانے والے ہیں
وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾
اور بے شک قرآن کافروں کے لیے حسرت ہے
وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ
اور یہ یقین کرنے کے قابل ہے پس اپنے رب کے
بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۵۲﴾ ع
نام کی تسبیح (وتقدیس) کرتے رہو جو بلند شان ہے ۞

ترکیب

فلا اقسم قیل لا مزیدۃ او فلا رد لانکارہم البعث ثم اقسم وقیل نافیۃ للقسم کانہ قال لا اقسم علی ان القرآن قول رسول کریم لظہور الامر واستغناء عن التحقیق بالقسم انہ لقول الخ جواب القسم مؤکدۃ بان واللام والاسمیۃ وما ہو الخ الجملۃ تاکید لقولہ انہ لقول رسول کریم قلیلا ما زائدۃ للتاکید ولا بقول کاہن عطف علی قولہ بقول شاعر۔ تنزیل خبر مبتدء ہو تنزیل تقول قرء الجمہور مبنیا للفاعل والتقول تکلف القول والافتراء والاقاویل جمع اقوال جمع قول کالابیت جمع ابیات جمع بیت والاقوال المفتراۃ اقاویل تحقیرا لہا لاخذنا جواب لو حاجزین وصف لاحد فانہ عام لکونہ نکرۃ واقعۃ فی سیاق النفی حق الیقین من اضافۃ الصفۃ للموصوف ای للیقین الحق وقیل ہو کقولک محض الیقین۔

تفسیر

یہاں تک امور حاقہ کا بیان شواہد کے ساتھ اور اخیر حاقہ قیامت کا مفصل بیان تھا کہ اس طرح سے ہوگی اور اس کے بعد نیکوں کی یہ حالت اور بدوں کی یہ صورت ہوگی۔

اس بیان میں دو مسئلے ثابت کیے گئے۔

پہلا مسئلہ توحید باری تعالیٰ کہ اس کی نافرمانی کی سزا کو کوئی دوسرا روک نہیں سکتا عاد و ثمود و نوح علیہ السلام کی قوموں پر جو کچھ حوادث آئے دنیا نے آنکھ سے دیکھے محفوظ کانوں نے سن کر یاد رکھے یہ اس کی توحید کی پوری دلیل ہے کس لیے کہ اگر کوئی دوسرا بھی اس کا شریک ہوتا
۲ ع ۱۵ ۶ جیسا کہ ان لوگوں کا اعتقاد تھا اور اسی لیے وہ اس کی پرستش کرتے تھے تو ایسے مواقع میں ان کی مدد کرتا عذاب الٰہی کو

ٹال دینا۔

دوسرا مسئلہ معاد کا قیامت برپا ہوگی اور وہاں یہ ہوگا۔

اس کے بعد اب تیسرے مسئلہ نبوت کو ثابت کرتا ہے جس پر دونوں مسئلوں کی بنیاد ہے کس لیے کہ پچھلے واقعات گو محسوس تھے مگر ان کو جاہل اسباب پر مبنی کرتے تھے اس کے بعد قیامت کا واقعہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہے اب زیادہ دار و مدار نقل پر رہا ہے اس لیے نقل کا استحکام ضروری ہوا فقال فلا اقسم بما تبصرون وما لا تبصرون کہ میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی کہ جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی کہ جن کو تم نہیں دیکھتے۔

مفسرین نے اس باب میں متعدد اقوال بیان فرمائے ہیں:-

بعض کہتے ہیں بما تبصرون سے مراد عالم شہادت محسوسات آسمان و زمین وغیرہ اور ما لا تبصرون سے عالم غیب روحانیات و عالم جن و ملائکہ اب دونوں کو ملاکر سب چیزیں آگئیں خالق و مخلوق دنیا و آخرت اجسام و ارواح انس و جن نعماء ظاہریہ و باطنیہ۔ بعض کہتے ہیں ما تبصرون سے مراد واقعات گزشتہ کہ جن کے آثار اب تک تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں و ما لا تبصرون سے مراد قیامت کا واقعہ جو نظروں سے غائب ہے۔ بعض کہتے ہیں ما تبصرون سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو کفار کے سامنے تھے اور ما لا تبصرون سے مراد جبرئیل علیہ السلام جو ان کو دکھائی نہیں دیتے تھے قرآن شریف کے لانے میں یہی دو واسطے ہیں اس لیے ان کی قسم کھا کر جو اللہ کے نزدیک محترم تھے یہ بیان فرماتا ہے انہ لقول رسول کریم۔

بعض مفسرین کہتے ہیں فلا اقسم میں لا نفی کے لیے ہے حق سبحانہ فرماتا ہے کہ مجھے ان چیزوں کی قسم کھانے کی حاجت نہیں کس لیے کہ بات ظاہر ہے وہ کیا کہ انہ لقول الخ کہ یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے۔ رسول کریم سے یہاں مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو کافر شاعر و کاہن کہتے تھے نہ کہ جبرئیل کس لیے کہ ان کی نسبت وہ یہ نہیں کہتے تھے البتہ سورہ اذا الشمس کورت میں انہ لقول رسول کریم سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں کس لیے کہ اس کے بعد ہے وما ہو بقول شیطن رجیم جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ملک کریم کا کلام ہے نہ کہ شیطان رجیم کا اسی طرح اس جگہ فرماتا ہے وما ہو بقول شاعر کہ یہ شاعر کا کلام نہیں جیسا کہ ابوجہل کہتا ہے کس لیے کہ اول تو شعراء کو وزن و بحر لازم ہے اور قرآن مجید میں یہ بات نہیں، دوم شعراء تخیلات بے اصل مبالغہ کو دخل دیتے ہیں قرآن مجید میں یہ بالکل نہیں، بلکہ قرآن میں حقائق و معارف بدلائل ثابت کیے گئے ہیں دونوں کلاموں میں بڑا ہی فرق ہے، لیکن قلیلاً ما تؤمنون تم بہت کم مانتے ہو محض ہٹ دھرمی کر رہے ہو ولا بقول کاھن اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے جیسا کہ عقبہ کہتا ہے۔

کاہن عرب میں اس کو کہتے تھے جو جن اور چڑیلوں کی نذر و نیاز کیا کرتے تھے اور کبھی ارواح خبیثہ ان پر مسلط ہو کر عالم محسوس کے واقعات مقفی اور مسجع عبارت میں بیان کیا کرتے تھے کہ فلاں مسافر فلاں منزل پر ہے اس وقت یہ کر رہا ہے یا فلاں شخص کا مال چور چرا کر فلاں جگہ لے گیا ہے وغیر ذلک جیسا کہ ہندوستان میں بعض لوگ بھتنیوں وغیرہ کے زور سے ایسی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ کوئی شیخ سدو سے پوچھا کرتا ہے کسی کے سر پر میراں آتے ہیں کسی کے زین خاں کسی کے بھیروں کسی کے ہنومان۔

قرآن مجید میں اور ایسے کلام میں بہت بڑا فرق ہے۔ اول تو ایسے لوگ مکارم اخلاق و اصلاح معاش و معاد

کے قوانین کی تعلیم کیا جائیں نہ ان کو عالمِ آخرت کے احوال کی خبر نہ واقعاتِ گزشتہ کی صحیح صحیح خبر. نہ روح کو منور کرنے والے علوم نہ مکارم اخلاق کی تعلیم۔ برخلاف اس کے قرآن مجید میں یہ سب باتیں ہیں۔

دوم وہ بھوت وجن اپنی نذر و نیاز کی تاکید کرتے ہیں اور جو نہیں مانتا اس پر خفا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے قرآن مجید میں ان باتوں کی برائی بت پرستی اور ان خباثث کی مذمت کی ہے۔ پھر کیا یہ خباثث اپنی برائی آپ کرتے ہیں؟ ذرا غور کرو لیکن قلیلا ما تذکرون تم کم غور کرتے ہو بہت کم سمجھتے ہو۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کم ایمان لاتے ہو کم سمجھتے ہو کے معنی ہیں کہ بالکل نہیں لاتے بالکل نہیں سمجھتے کس لیے کہ محاورہ ہے جب کوئی نہیں آتا تو اس کو کہتے ہیں کم آتے ہو۔ اسی طرح عرب کا یہ محاورہ ہے۔

اب ایک بات یہ باقی رہ گئی کہ قرآن مجید تو اللہ کا کلام ہے جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے تنزیل من رب العٰلمین کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے کلام اپنے متکلم کی شان خود بیان کر دیتا ہے۔ شہوت پرستوں عیاشوں کا کلام ویسا ہی ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے کلام میں شان شوکت نمایاں ہوتی ہے۔ حکیموں کے کلام میں حکمت کے انوار چمکا کرتے ہیں۔ اب قرآن کا شان و انداز کہے دیتا ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ ہر قوم و ہر ملک کے لوگوں کو اسی شانِ ربوبیت سے مامور کرتا ہے بلالحاظ شرافتِ خاندانی و دولت مندی ہر ایک کو انہیں بزرگی بھرے لفظوں سے مغفرت کا وعدہ اور سزا کی خبر دیتا ہے۔

پھر جب یہ اللہ کا کلام ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم و جبرئیل علیہ السلام کا کلام کیوں کر کہہ دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابست اور تھوڑا سا علاقہ بھی کافی ہوتا ہے خود بادشاہ نوکر سے کہہ دیا کرتا ہے تم اپنے ملک میں ایسا کرو اپنے گھوڑوں کو یوں رکھو حالانکہ ملک اور گھوڑے بادشاہ کے ہوتے ہیں۔

قرآن مجید دراصل کلام الٰہی ہے مگر عالمِ ملکوت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک لانے میں جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں اس لیے ان کا کلام کہہ دینا ٹھیک ہے وہی اپنی زبان سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کرتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے امت کو سناتے ہیں اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کہہ دینا بھی بے جا نہیں۔

ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے رسول اپنی طرف سے بھی کچھ اس کلام میں جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوتا تھا ملا دیتے ہوں اس کو دفع کرتا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین الخ کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بھی بناتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے، عرب میں دستور تھا کہ جب مجرم کو قتل کرتے تھے تو اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے تھے کہ کچھ نہ کر سکے پھر اس کی گردن مار دیتے تھے اس طریقے کے موافق رسول کی نسبت کلام کیا گیا (ابن جریر) فراء و ابن قتیبہ و مبرد و زجاج کہتے ہیں یمین کے معنی ہیں قوت کے یعنی ہم اس کو مضبوطی سے پکڑتے کہ سر کنے نہ پاتا اور ثم لقطعنا منہ الوتین کے معنی بھی ابن قتیبہ کے نزدیک یہ ہیں کہ ہلاک کر دیتے خاص گردن مار دینا مراد نہیں۔ وتین ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ دل کی رگ ہے۔ بعض کہتے ہیں شاہ رگ مراد ہے جو گردن میں نمایاں ہے حلقوم کے قریب اس کے کٹ جانے سے آدمی بچ نہیں سکتا۔

فما منکم من احد عنہ حاجزین پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچا نہ سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ کہتے اور ہماری طرف منسوب کرتے

جیسا کہ منکرین نبوت کا شبہ ہے تو ہم اپنے قدیم قانون کے موافق جس کا کہ ہم نے توریت میں بھی ذکر کیا ہے ضرور ہلاک کر دیتے، سرسبز نہ ہونے دیتے۔

یہ ایک اور دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے ہے جس کی طرف توریت میں ایما ہے۔ توریت سفر استثنا کے اٹھارھویں باب میں ۲۰ فقرہ یہ ہے :۔ "لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔ دنیاوی بادشاہ فرامین اور احکام شاہی میں جعل کرنے والے یا جھوٹے مدعی کو بنظر انتظام مملکت نہیں چھوڑتے تو پھر خداوند عالم نبوت کے باب میں جھوٹے مدعی کو کب سلامت چھوڑے اور اس کو سرسبز بھی ہونے دے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اظہار نبوت کے بعد سرسبز ہوتے گئے روز بروز ترقی ہوتی گئی ان کے خلفاء کے عہد میں عرب کے ریگستان سے نکل کر مشرق و مغرب میں کس شان و شوکت اور آسمانی برکت کے ساتھ اسلام پھیلا اور جاہل وحشی قوموں پر سایہ فگن ہوا۔ اور جس نے اس کو نہیں مانا بہت جلد خوار و ذلیل یا دل میں پشیمان ہوا۔ ان باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے وانہ لتذکرۃ للمتقین کہ یہ قرآن پرہیزگاروں خداترس لوگوں کے لیے نصیحت و پند ہے۔ اس میں کہانت اور شاعری اور شہوانی کون سی بات ہے۔

جو قومیں سخت وحشی اور درندہ تھیں پھر جو وہ کایا پلٹ ہو گئیں مہذب خداپرست با خدا راست باز رحم دل محنتی اولوالعزم ذوفہم سلیم بن گئیں ان کے لیے اس پندنامہ کے سوا اور کون سی کتاب تھی؟ تھوڑی دیر کے لیے عرب کے ایام جاہلیت کی سیر کیجیے اس کے بعد اسلامی دنیا کو دیکھیے پھر یہ رات دن کا فرق آپ کو حیرت میں نہ ڈالے گا جب کہ آپ قرآن مجید کو تذکرۃ تسلیم کر لیں گے۔

وانا لنعلم ان منکم مکذبین اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اے کفار قریش! تم میں سے بعض تو ذاتی تکذیب یعنی جھٹلانے والے ہیں جو کبھی بھی اس پر ایمان نہ لائیں گے اور ان کا کفر ہی پر خاتمہ ہوگا ان کو بے شک اس قرآن سے کچھ نفع نہیں بلکہ وانہ لحسرۃ علی الکفرین بلکہ وہ ان کے لیے حسرت و افسوس کا باعث ہے، دنیا میں غلبہ و شوکت اسلام کے وقت، آخرت میں عذاب کے وقت کہ ہائے ہم نے اس کو کیوں نہ مانا۔

اور یہ شک و شبہ جو لوگ پیدا کرتے ہیں انہیں کی ناپاکی اور کجی باطن کے سبب سے ہے ورنہ قرآن تو لحق الیقین سراپا یقین کرنے کے قابل ہے کوئی بات شبہ و انکار کی نہیں۔

ان تینوں مباحث کو پورا کر کے کلام کو اپنی تقدیس و تسبیح کرنے پر تمام کرتا ہے فسبح باسم ربك العظیم کہ اپنے رب کی پاکی بیان کر جس نے قرآن بندوں کی بہتری کے لیے نازل کیا۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات پر عمل کرنے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں سبحان ربی العظیم و سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے اور پھر ہر نماز میں یہی طریقہ مسنون ہو گیا کہ رکوع اور سجود میں بجز تسبیح کے اور کوئی چیز نہیں اور یہی مذہب ہے فقہا و محدثین کا۔

ولہ الحمد علی الاتمام حمداً کثیراً
سبحانک اللھم وبحمدک

سورۂ معارج

مکیہ ہے اس میں چوالیس آیات دو رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ①

کسی سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا

لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ② مِّنَ

جو کافروں کو ہونے والا ہے جس کو اللہ ذی مراتب

اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ ③ تَعۡرُجُ

کی طرف سے کوئی دفع نہیں کر سکتا فرشتے اور روح

الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ

اس کی طرف اس دن چڑھ رہے ہوں گے

یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ

کہ جس کی درازی پچاس ہزار برس کی

سَنَۃٍ ④ فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِیۡلًا ⑤

ہوگی (اے نبی) آپ اچھی طرح سے صبر کیے رہو

اِنَّہُمۡ یَرَوۡنَہٗ بَعِیۡدًا ⑥ وَّ نَرٰىہُ قَرِیۡبًا ⑦

وہ تو اس کو بہت دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں

ترکیب

سأل قرأ الجمہور بالہمزۃ من السؤال وہو متضمن بمعنی الدعاء ولذا عدی بالباء وقرئ بغیر ہمزۃ وہو اما من باب التخفیف والمعنی واحد او من السیلان والمعنی سال وادی جہنم یقال لہ سائل کما قال زید بن ثابت ویؤیدہ قراءۃ ابن عباسؓ سال سیل ای اندفع واو بعذاب واقع بعذاب والباء بمعنی عن کقولہ فاسئل بہ خبیرا وہو مفعول ثان لسال والمفعول الاول محذوف ای اللہ او النبی سال یتعدی الی مفعولین ویجوز الاقتصار علی احدہما قالہ ابو علی الفارسی للکافرین الجار متعلق بواقع ویمکن ان یتعلق بثابت ویکون صفۃ اخری بعذاب والاولیٰ واقع لیس لہ صفۃ اخری لعذاب اوحال منہ او مستانفۃ من اللہ متعلق بواقع ای واقع من جہۃ سبحانہ او متعلق بدافع ای لیس لہ دافع من جہتہ تعالیٰ ذی المعارج صفۃ للہ تعالیٰ جمع معرج بفتح المیم وہو موضع الصعود تعرج الملٰئکۃ استیناف لبیان ارتفاع تلک المعارج علی التمثیل والتخییل فی یوم متعلق بتعرج وقیل بواقع وقیل بسال اذا جعل من السیلان والضمیر فی یرونہ و نراہ للعذاب او لیوم القیامۃ۔

تفسیر

قرطبی کہتے ہیں یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ کا بھی یہی قول ہے اور مضامین بھی اسی کے مؤید ہیں۔

شانِ نزول

نسائی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ عذاب کا سوال کرنے والا نضر بن حارث ابن کلدہ کافر تھا، سورۃ الحاقہ سن کر اس سنگ دل نے تمسخر شروع کر دیا اور کہنے لگا اگر یہ حق ہے تو یہ عذاب ضرور ہم پر آئے اور اسی طرح سے اور سیاہ باطن لوگ بھی تمسخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا؟ ان کے فکر میں قیامت کا آنا ایک امرِ محال تھا اس لیے انکار کے طور سے سوال کرتے تھے، اس پر یہ سورۃ مبارکہ نازل ہوئی جس میں اس دن کی ہیبت ناک کیفیت اور اس

عذاب کا آنا مذکور ہے جو کسی تدبیر سے ٹالے نہیں ٹلے گا۔

مناسبت

اور مناسبت کی وجہ بھی سورۃ الحاقہ سے ظاہر ہے کس لیے کہ اس سورت میں اُسی حاقہ کی تفصیل و تاکید ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ حاقہ ایسا ہے کہ جس کے دن کی درازی پچاس ہزار برس کی ہے

اور یہ بھی کہ حاقہ یعنی قیامت کا سر بھی اس سورت میں بیان کر دیا گیا کہ در اصل وہ دن ملائکہ اور ارواح کے عالم اجسام سے فراغت پا کر اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے کا دن ہے وہ اُس دن اس کی طرف چڑھیں گے تعرج الملٰئکۃ الخ گویا اِس عالم کی بنا، تعمیر و بقا و تدابیر میں جو مصروف تھے (کوئی فرشتہ ابر سے کوئی ہوا سے کوئی پانی سے متعلق تھا پھر جمادات نباتات حیوانات پر ارواح مجردہ معین تھے کہ وہ ان کی تولید و تغذیہ وغیرہ کا بند و بست کرتے تھے کرّاتِ افلاک و آفتاب و سیارات کو حرکت دے رہے تھے جن کو حکما نفوسِ فلکیہ وغیرہ کہتے ہیں) اُس دن یہ عالم خراب ہو جائے گا اور وہ سب فارغ ہو جائیں گے اور چونکہ وہ نورانی ہیں حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کی طرف عروج و صعود کر جائیں گے، اور بھی وجوہِ مناسبت ہیں جو غور و فکر کرنے سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

فقال سال سائل بعذاب واقع کہ کسی سوال کرنے والے یعنی درخواست کرنے والے نے عذاب کی درخواست کی جو پڑنے والا ہے۔ سائل نضر بن حارث تھا۔ مگر اس ذلیل کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ وہ اس قابل نہ تھا۔ یا یہ کہ قرآن مجید کی عادت نہیں کہ معائب میں کسی کا نام لیا جائے، اور نیز یہ بھی ہے کہ نام لینے میں ایک شخص کا تعین ہو جاتا اور اب تعمیم ہے تاکہ ہر ایک ایسی بات کا خواستگار جو کمال حماقت اور دلیری کر کے ایک آنے والی مصیبت کو بلاتا ہے اور اس کی خبر دینے والے کی شکر گزاری کی جگہ تضحیک کرنا چاہتا ہے اس آیت کا مصداق سمجھا جائے۔ سائل کے بعد فاعل سائل کا اظہار کیا لطف دے رہا ہے جس کو بلغا پسند کرتے ہیں۔ اور اس مانگنے والے نے کیا مانگا؟ عذاب اور عذاب بھی کیسا؟ واقع جو قطعاً آنے والا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سوال کرنے والے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ آپؐ کو جب کفار کی تکذیب و تمسخر سے رنج ہوا تو بارگاہِ الٰہی میں سوال کیا، الٰہی ان پر عذاب کا تازیانہ نازل کر تاکہ ان کی سرکشی ٹوٹے۔ دعا آپؐ کی قبول ہوئی اور قریش پر سات برس کا وہ جگہ خراش قحط پڑا کہ ہڈیوں اور مُردار تک کھانے کی نوبت آئی اور چلّا اٹھے اس لیے بعد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے فاصبر صبراً جمیلا دعا کے اثر ظاہر ہونے میں جلدی نہ کرو بلکہ صبر کرو اور اس میں قدرے تنبیہ بھی ہے کہ ایذا کی برداشت کرو، بد دعا نہ کیا کرو جب ناصحِ مشفق ناامید ہو جاتا ہے اور اس کو بے حد ایذائیں پہنچتی ہیں تو وہ اس ناپاک قوم کے لیے بد دعا بھی کر دیا کرتا ہے یہ بھی ایک انسانی خاصیت ہے اور اس میں مصلحت بھی ہوتی ہے کہ یہ بے ثمر درخت کٹ جائیں تو اور عمدہ ثمر دار پیدا ہوں اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی عذاب کی درخواست کی تھی جس پر طوفان آیا اور دنیا غرقاب ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کے لیے بد دعا کی تھی اس تقدیر پر سائل سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تنکیر تعظیم کے لیے ہے اور لفظ واقع میں اور اسی طرح اس کے بعد کے جملوں میں للکٰفرین اور لیس لہ دافع میں کہ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور من اللہ ذی المعارج میں کہ وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو بڑا بلند مرتبہ ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجابت کی تسلی بھی ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گا جس میں عذاب دنیا کی طرف اور عذاب آخرت کی طرف اشارہ ہے۔ دنیا میں قحط آیا، بدر میں مارے گئے

مسلمانوں کے ہاتھ میں مسخر ہوئے۔

آخرت کا عذاب تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ میں بتایا گیا اور پھر آپ کو تنبیہ اور جلد عذاب نہ آنے پر دلاسا بھی دیتا ہے فاصبر صبراً جمیلاً کہ خوب اور عمدہ طور پر صبر کر یہ جو کچھ بھی کہیں کہنے دے۔ اور اگر سائل نضر بن حارث قرار دیا جائے تو عذاب واقع الخ میں عذاب آنے کا قطعی اشارہ کر کے فاصبر صبراً جمیلاً میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کا حکم دیتا ہے۔

یہاں تک تفسیر سائل سوال کے معنی میں لیے جانے پر تھی جیسا کہ جمہور کا قول ہے خواہ سائل کو ہمزہ کے اظہار سے پڑھیں یا تخفیف کر کے۔ مگر بعض نے سال کو سیلان کے معنی میں لیا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ کفار کے لیے عذاب واقع ہونے والا بہہ پڑا دریا کی طرح امڈ آیا جس میں قیامت کے ہولناک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو تعرج الملئکۃ الخ سے سمجھا جاتا ہے۔ یعنی وہ بے خبر اس کی تکذیب کر رہے ہیں اور وہ ہے کہ امڈا آرہا ہے۔

پھر آگے اس کی تشریح ہے واقع للکفرین کہ وہ عذاب کافروں کے لیے ہونے والا ہے۔ کفر باعث اس عذاب کا ہے کوئی کافر کیوں نہ ہو سب کو وہ عذاب پیش آنے والا ہے لیس لہ دافع اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں من اللہ ذی المعارج اور وہ عذاب کس کی طرف سے ہوگا جو کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا؟ اللہ کی طرف سے جو رتبوں والا ہے معارج معرج کی جمع چڑھنے کی جگہ ومعارج علیہا یظہرون مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں:-

(۱) ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سماوات اور ان کو معارج اس لیے کہا کہ ان میں فرشتے چڑھا کرتے ہیں۔

(۲) قتادہ کہتے ہیں فضائل ونعماء کو کہ یہ لوگوں کی طرف مختلف طور پر پہنچتے ہیں۔

(۳) معارج سے درجات مراد ہیں جو دنیا و آخرت میں لوگوں کو مختلف طور پر عطا ہوئے اور ہوں گے۔

(۴) بعض کہتے ہیں بندوں کے اعمال وادراکات ہیں کہ ان کے سبب اس کے بندے مراتب درجات میں ترقی کر کے اس تک پہنچتے ہیں اور وہ متفاوت ہیں۔

اور مراتب قرب حق بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو عارفان راہ حق طے کر جاتے ہیں۔

انسانی بقا وفنا بھی معارج ہیں جن کو طے کرتے کرتے مقصود تک پہنچتا ہے۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ ہی رتبہ اور فضائل عطا کرنے والا ہے آخرت میں اور دنیا میں بھی ایمان داروں کو اور یہ کہ عالم میں اس کا فیضان وسائل سے پہنچتا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے فالمقسمت امراً۔ فالمدبرت امراً۔ پس ذی المعارج میں ان ارواح مختلفہ کی طرف اشارہ ہے جو ارتفاع مراتب حاجات کے لیے اس عالم میں بمنزلہ سیڑھیوں کے ہیں اور نزول آثار رحمت کے لیے بمنزلہ منازل کے ہیں۔

اور اللہ کو ذی المعارج اس لیے کہا کہ یہ درجات اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے عطا کرے اور یہ بھی کہ وہ خود بلند مرتبوں والا ہے بہت بلند شان ہے اس تک پہنچنے کے لیے ایمان واعمال وخلوص کی سیڑھیاں درکار ہیں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ کہ فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھیں گے اس دن کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔

روح سے مراد بعض کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں

ان کی عظمت کے لیے ان کو ملائکہ سے جداگانہ بلفظِ روح بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں تنزل الملئکۃ والروح وقولہ تعالیٰ یوم یقوم الروح والملئکۃ صفا اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح درجۂ نزول میں اول اور صعود میں آخر ہے۔

اور اسی جگہ بعض اہلِ کشف نے کہا ہے کہ روح نورِ عظیم ہے اور وہ جمیع انوار سے جلال الٰہی کے قریب تر ہے اور اسی سے تمام ارواحِ ملائکہ اور ارواحِ بشریہ جو تمام ارواح سے اخیر درجہ میں ہیں پھیلتی ہیں اور دونوں طرفوں کے درمیان معارج مراتب ارواح ملکیہ ومدارج منازل انوار قدسیہ کے ہیں اور ان کی مقدار حق سبحانہ کے سوا۔ کوئی نہیں جانتا۔

بعض کہتے ہیں روح سے مراد ایک اور چیز ہے یعنی نورِ عظیم جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

بعض کہتے ہیں ارواحِ بشریہ مراد ہیں۔

بعض کہتے ہیں جمیع ارواحِ حیوانیہ ونباتیہ وفلکیہ وغیرہ۔

تعرج سے مراد اوپر چڑھنا جیسا کہ جمہور کا قول ہے بعض کہتے ہیں عروجِ حسی مراد نہیں بلکہ عروج رتبۃً۔ یعنی اسرارِ ملائکہ اور روح کو خداوند کے نزدیک عروج یعنی بلند مرتبہ حاصل ہوگا۔

فی یوم سے مراد جمہور کے نزدیک قیامت کا دن ہے۔ بعض کہتے ہیں دنیا کا دن ہے۔

مقدارہ خمسین الف سنۃ پچاس ہزار برس کی درازی جمہور کے نزدیک دراصل ہوگی۔ لیکن ایمان داروں کے حق میں نہ ہوگی، دلیل اس پر آیت اصحب الجنۃ یومئذ خیر مستقرا واحسن مقیلا۔ اور یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت پچاس ہزار برس کی درازی اس دن کی بڑی درازی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ مومن پر بہت کم ہوگا یہاں تک کہ وہ دن نماز پڑھنے کے وقت کے برابر ہوگا۔ (اخرجہ احمد وابویعلی وابن جریر وابن ابی حاتم والبیہقی فی البعث) لیکن اس کی سند میں دراج وابی الہیثم دو راوی ضعیف ہیں۔ اسی طرح ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روی ہے کہ اس دن کی درازی مومن پر اس قدر ہوگی کہ جس قدر عصر اور ظہر کا وقت ہے (اخرجہ ابن ابی حاتم والحاکم والبیہقی)

بعض کہتے ہیں عدد حقیقۃً مراد نہیں بلکہ درازی مراد ہے اس تقدیر پر اس آیت اور سورہ سجدہ کی اس آیت میں یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون کچھ بھی منافات نہیں کس لیے کہ اسی درازی کو کبھی ہزار برس سے کبھی زیادہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اول تقدیر پر مطابقت یوں ہوگی کہ دنیا سے لے کر اول آسمان تک مقدارِ رفعت ہزار برس ہے اور اسفلِ عالم سے لے کر انتہاء عرش تک پچاس ہزار۔ پس سورہ سجدہ میں اول رفعت بیان ہوئی اور اس سورت میں دوسری کچھ بھی منافات نہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے کثرتِ اندوہ و رنج مراد ہے اور رنج واندوہ کے دن کی درازی محاورہ میں بہت بڑی بیان کی جاتی ہے۔ شبِ فراق اور روزِ جدائی وایام مصیبت کی درازی ہزاروں برس کی بیان کرنا کمالِ بلاغت اور قوم کی بول چال کی رعایت ہے نہ کہ جھوٹ یا مبالغہ۔

(۱) ان اقوال پر لحاظ کرکے آیت کے معنی میں چند اقوال ہیں:۔

(۱) یہ کہ ملائکہ اور ارواح (جو اس عالم کی تدبیر وتصرف میں مصروف ومعین تھے جن کی طرف ذی المعارج میں اشارہ تھا۔ کس لیے کہ ہر چیز عالم کے ساتھ ایک فرشتہ

اور روح مدبر حق سبحانہ کی طرف سے معین ہے وہی اس مادہ کو ان قوالب میں ڈھال رہے ہیں اور وہ بحکم الٰہی ان کے نمو اور بقا اور اشکال و تولید و تناسل و توالد کے محافظ ہیں) سب اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو جائیں گے اور چونکہ وہ نور ہیں اپنے حیز اصلی نور الانوار حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس تک چڑھیں گے اور وہ بارگاہ عالم ناسوتی سے بہت بلند ہے یہاں تک کہ اگر کوئی تیز رفتار چڑھ کر جائے تو پچاس ہزار برس میں بھی وہاں تک نہ پہنچے۔ اور یہ کس دن ہوگا قیامت کے دن جو بڑا مصیبت کا دن ہوگا۔ اس تقدیر پر فی یوم، تعرج کے متعلق ہوگا۔

(۲) یہ کہ اس روز جو بڑے سے بڑا عاقل اور ذکی فیصلہ کرنے بیٹھے تو پچاس ہزار برس میں بھی فیصلہ نہ کر سکے اور وہ ایام دنیا کے آدھے دن میں کرے گا۔ اور اس دن ملائکہ اور روح اپنے اپنے مواضع و مواقع رفعت میں بہت جلد عروج کر جائیں گے اگر اور کوئی وہاں تک چڑھے تو پچاس ہزار برس میں چڑھ سکے۔ یہ وہب اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔

(۳) ابی مسلم[1] کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا تمام دن ہے جس کی ابتدا اول آفرینش اور انتہا آخر فنا ہے پھر حق سبحانہ نے بیان فرمادیا کہ دنیا کے دن میں ملائکہ کا عروج و نزول ضرور ہے اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم کو قیامت کا دن وقت معلوم ہو جائے کس لیے کہ نہیں معلوم کہ اس دن میں سے کس قدر گزر گیا اور کس قدر باقی رہا۔ (تفسیر کبیر)

(۴) صاحب عرائس فرماتے ہیں کہ ملائکہ اور روح کے عالم ملکوت میں مقامات معینہ ہیں پھر جب کوئی فرشتہ موقع نزول سے مرتبہ معلومہ کی طرف چڑھتا ہے تو ایک ایسے دن بھر میں چڑھتا ہے کہ جس کی مقدار ہمارے نزدیک پچاس ہزار برس کے مساوی ہے اور وہ تو ایک ساعت سے بھی کم (وقت) میں چڑھ جاتے ہیں' اور حق کے لیے کوئی مکان اور منتہیٰ نہیں کہ جہاں مخلوق چڑھ کر جاتی ہو بلکہ اس کی عزت و جلال کا ظہور ہر ذرہ سے عیاں ہے' پھر جب قرب و بعد مسافت نہیں اور افہام اور اوہام اٹھا دیے تو روح کے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ وصال میں کچھ دیر نہیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے فاصبر صبرا جمیلا کہ اے نبی! عمدہ صبر کر تیرے جھٹلانے والوں کو عذاب مقرر ہے۔ سہل فرماتے ہیں صبر جمیل رضا ہے بغیر شکوے کے۔

انھم یرونہ بعیدا کس لیے کہ وہ اس کے معتقد نہیں۔

ونرٰہ قریبا کس لیے کہ وہ دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝٨ وَتَكُونُ

جس دن کہ آسمان (پگھل کر) تانبے جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ

الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝٩ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيمٌ

اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو

حَمِيمًا ۝١٠ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ

دیکھ کر بھی نہ پوچھے گا گنہگار چاہے گا کہ

لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ

اس دن کے عذاب کے بدلے میں

بِبَنِيهِ ۝١١ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝١٢ وَ

اپنی اولاد اور بیوی اور بھائی اور

[1] یعنی ابتداء آفرینش سے لے کر فنا تک تمام ایام دنیا کو ایک دن سمجھیے جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے ۱۲ منہ

فَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ

اپنے اس کنبہ کو جو اس کو پناہ دیتا تھا اور جو کچھ کہ

فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿۱۴﴾

زمین پر ہے سب کچھ دیدے پھر چھوٹ جائے

كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً

ہرگز نہ ہوگا وہ بہت تیز آگ ہے دماغ تک کو

لِلشَّوَىٰ ﴿۱۶﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَ

کھینچ لے گی جس نے (دین سے) پیٹھ پھیری اور منہ

تَوَلَّىٰ ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿۱۸﴾

موڑا اور مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا اور (خدا بھی دیا) اس کو پکاریگی

ترکیب

یوم ناصبہ قریبا والتقدیر ونراہ قریبا یوم یکون کذا ویمکن ان یکون بدلا عن فی یوم ان علق بہ ولا یسئل مبنیا للفاعل فالمفعول الثانی محذوف ای لا یسئل حمیم حمیما نصرہ ولا شفاعتہ وقری مبنیا للمفعول علی اسقاط حرف الجر ای لا یسئل حمیم عن حمیم این حمیمک وکیف حالہ ای الحمیم القریب یبصرونہم یقال بصرت بہ ابصر ویقال بصرت ازید بکذا فاذا حذفت الجار قلت بصرنی زید کذا۔ استیناف او حال وجمع الضمیرین لعموم الحمیم لکونہ واقعا فی سیاق النفی لو یفتدی بمعنی ان والجملۃ مفعول یود المجرم فاعلہ ومن معطوف علی بنیہ والجملۃ حال من احد الضمیرین فی یبصرونہم او استیناف ثم ینجیہ عطف علی یفتدی ای یود لو یفتدی ثم ینجیہ الافتداء والعطف بثم للاستبعاد وکلا ردع للمجرم انہا الضمیر للنار او مبہم یفسرہ لظی وہو خبر او بدل او القصۃ نزاعۃ قرء الجمہور بالرفع علی انہا خبر ثان لان او خبر مبتدا محذوف او تکون لظی بدلا من الضمیر المنصوب ونزاعۃ خبران وقری بالنصب علی الحال والشوی الاطراف او جمع شواۃ کنوی ونواۃ وہی جلدۃ الراس۔

تفسیر

اُس دن کی درازی بیان فرما کر اس کی اور تشریح ہولناک حالات سے کرتا ہے اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ آج جو اس دن کے منکر ہیں اور دنیا ہی پر دل دادہ اور فریفتہ ہیں اس روز ان کی یہ حالت ہوگی گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے۔

(۱) فقال یوم تکون السماء کالمہل کہ جس دن آسمان پگھلے تانبے جیسے ہو جائیں گے۔ عکرمہ وغیرہ کہتے ہیں مہل تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ سمٰوٰت پر جب فساد طاری ہوگا تو ان کا مادہ ایسی رنگتوں میں آجائے گا۔ پہلے اس گھر کی چھت آسمان توڑے جائیں گے پھر نیچے کی نوبت آئے گی۔

(۲) وتکون الجبال کالعہن اور پہاڑ رنگی ہوئی پشم کی طرح ہو کر اُڑتے پھریں گے۔ پہاڑ بعض سیاہ بعض سرخ بعض سفید ہیں جب ان کے ریزے ریزے ہو کر باہم مل جائیں گے تو رنگین نظر آئیں گے اس لیے عہن سے پوری تشبیہ ہے۔ یہ نفخۂ اولی کا حال تھا، اب نفخۂ ثانیہ کا حال بیان فرماتا ہے جب کہ بارِ دگر ہر چیز پیدا ہوگی۔

(۳) ولا یسئل حمیم حمیما کہ کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ اپنی اپنی پڑی ہوگی یبصرونہم باہم دیکھ کر بھی کوئی التفات نہ کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ ملائکہ کی طرف رجوع ہے کہ ملائکہ ہر ایک

نیک و بد کو دیکھیں گے کوئی چھپ نہ سکے گا دوست کا دوست کو پوچھنا تو درکنار بلکہ

(۴) یود المجرم الخ گناہ گار آرزو کرے گا کہ کاش مجھے چھوڑ دیا جائے اور میرے بدلے میں میری اولاد اور بیوی اور بھائیوں اور کنبے کو جو اس کے مددگار دنیا میں تھے اور جو کچھ مال وحشمت دنیا پر ہے سب لے لے۔ انہیں لوگوں کے لیے تو دنیا جمع کرتا اور خدا سے غافل تھا مگر نہ چھوٹے گا کس لیے کہ انھا جہنم کی آگ شعلہ مارتی ہوگی جھلستی ہوگی زبانِ حال سے وہ خود یا اس کے داروغہ پکاریں گے ان دوگروہوں کو۔

(۱) من ادبر وتولٰی۔ جس نے خدا سے منہ پھیرا اور نبی علیہ السلام سے پھر گیا۔

(۲) وجمع فاوعٰی مال جمع کیا کسی حق دار کا حق نہ دیا بلکہ سمیٹ کر رکھ لیا اور جمع کرنے میں حلال وحرام کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ معاذ اللہ ایک کفر روگردانی اس پر یہ طمع و حرص مردم آزاری یہ ہے مجرم۔

يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (۲۶) وَالَّذِيْنَ
قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہیں اور وہ
هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (۲۷)
جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرا کرتے ہیں
اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ (۲۸)
کس لیے کہ ان کے رب کے عذاب کا خطرہ لگا ہوا ہے
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (۲۹)
اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ
مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (۳۰)
سے کس لیے کہ اس میں ان پر کچھ بھی الزام نہیں
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
پھر جس نے اس کے سوا اور کچھ چاہا تو وہ حد سے گزرنے

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (۱۹) اِذَا مَسَّهُ
آدمی کمٹک بنایا گیا ہے جب اس کو برائی
الشَّرُّ جَزُوْعًا (۲۰) وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ
پہنچتی ہے تو چلا اٹھتا ہے اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے
مَنُوْعًا (۲۱) اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ (۲۲) الَّذِيْنَ
تو کنجوس ہو جاتا ہے مگر نمازی وہ جو
هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (۲۳) وَ
اپنی نمازوں میں ہمیشہ لگے ہوئے ہیں اور
الَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ (۲۴) ع ۱ (۳۵) ۷
وہ جو ان کے مالوں میں حصہ معین ہے
لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۲۵) وَالَّذِيْنَ
سائل اور غیر سائل کے لیے اور وہ جو

الْعٰدُوْنَ (۳۱) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ
والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں
وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (۳۲) وَالَّذِيْنَ هُمْ
اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں اور وہ جو
بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ (۳۳) وَالَّذِيْنَ
اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور وہ
هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (۳۴)
جو اپنی نمازوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں
اُولٰٓئِكَ فِىْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ (۳۵)
وہی لوگ باغوں میں عزت سے رہا کریں گے

ترکیب

ھلوعًا حال مقدرۃ من الانسان الھلع اشد الحرص یقال ھلع الرجل یھلع ھلعًا و ھلاعًا فھو ھالع و ھلوع و کذا جزوعًا و منوعًا حالان و اذا الاولیٰ ظرف لجزوعًا و الاخریٰ لمنوعًا الا المصلین استثناء من الجنس و المستثنیٰ منہ الانسان و ھو جنس فی جنت ظرف لمکرمون ۔

تفسیر

اور یہ مال جمع کرنا اور کنجوسی کرنا اس لیے ہے کہ ان الانسان خلق ھلوعًا انسان (بعض کہتے ہیں اس سے مراد کفار ہیں) فطرتی طور پر لالچی اور بے صبر پیدا ہوا ہے اس کم بخت کی دور اندیشی اور اس کی زیرکی (جو خداوند عالم کی طرف سے بہ نسبت اور حیوانات کے زیادہ ملی تھی) اس کو بخل اور لالچ پر آمادہ کرتی ہے اور بڑے بڑے خیالات اور امیدیں بندھاتی ہے کہ سیکڑوں برس کا انتظام کرتا ہے اور اپنی عمر رواں کی بے ثباتی سے بے خبر ہو کر دنیا ہی میں محو ہو جاتا ہے، یہ حالت آخرت اور حق سبحانہٗ سے غافل کرنے والی ہے ۔ اس سے باز رہنے کو یہ اس کی جبلت بیان فرمائی جاتی ہے ۔

ابن عباسؓ سے کسی نے ہلوع کے معنی دریافت کیے ۔ فرمایا آپ ہی حق سبحانہٗ اس کی تفسیر کرتا ہے کہ اذا مسہ الشر جزوعًا الخ جب اس کو برائی پہنچتی ہے بیماری تنگدستی زن و فرزند و اقارب کی موت یا کسی مقصود میں ناکامی جنگ اور خصومتِ عدالتی میں شکست مال و جاہ کا زوال وغیرہ کوئی بات پیش آجاتی ہے تو فریاد کرنے لگتا ہے ، صبر و شکیبائی کو کھو بیٹھتا ہے، کفر کے کلمات اور خدا کا گلہ و شکوہ آغاز کرتا ہے ۔ الغرض خدا پاک سے امید کی رسی کو کاٹ ڈالتا ہے، یہ بھی بری حالت ہے جو اس کے ضعفِ ایمان اور خدائے ذوالجلال پر توکل نہ کرنے کی دلیل ہے، و اذا مسہ الخیر منوعًا اور جب خیر تندرستی اولاد مال و جاہ و عزت میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو ہاتھ روک لیتا ہے کہ بس اب تو نعمت حاصل ہو گئی، اتفاقی بات تھی روز روز کہاں حاصل ہوتی ہے اس کو دودک کر رکھو اس میں سے حق داروں کا حق ادا نہ کرو گویا یہ اس نعمت کو خدائے پاک کا عطیہ نہیں سمجھتا بلکہ اپنی محنت و کوشش اور بخت و اتفاق کی یاوری خیال کرتا ہے یہ بھی نامحمود حالت ہے جس کو ایمان کی روشنی سے کچھ بھی بہرہ نہیں ۔

پھر فرمایا کہ اس مکروہ حالت سے آٹھ گروہ مستثنیٰ ہیں اور ان کو جہنم نہ بلائے گی ۔ فقال

(۱) الا المصلین مگر نمازی ۔ صرف ایک بار یا دو بار نماز پڑھنا کافی نہیں بلکہ الذین ھم علیٰ صلاتھم دائمون وہ جو اپنی نماز میں ہمیشہ ادا کیے چلے جاتے ہیں ۔ کبھی ترک نہیں کرتے ۔

یہ فرقہ سب فرقوں سے اول ذکر ہوا اور یہ ہے بھی اول اور یہ اس لیے مستثنیٰ ہے کہ نماز بندے اور خدا تعالےٰ میں ایک اعلیٰ رابطہ ہے جو اس کو پنج گانہ اس کی بارگاہ تک باریابی کا موقع دیتی ہے بھلا جو پانچ وقت دن رات میں حضورِ قلب اور دلی نیاز سے اس کے سامنے جائے گا اس کی روح پر اس کے انوار کا پرتو کیوں کر نہ پڑے گا اور اس کی یہ ظلمت کیوں کر دور نہ ہو گی اور اس کا سختی و نرمی میں اپنے قادرِ مطلق پر کیوں کر توکل نہ ہو گا؟ اور جو پنج گانہ اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس کے آگے سر نیاز خم کرتا ہے اس پر اس کی کیوں کر رحمت نہ ہو گی ۔ وہ ضرور آخرت کی بلاؤں سے اس کی برکت سے نجات پائے گا ۔

(۲) والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل و المحروم کہ جن کے مال میں سائل اور محروم یعنی بے سوال کا جو نہ مانگنے کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے حق ہے اور حق بھی کیسا معلوم کہ اس نے کھول دیا ہے کہ اس قدر دیا کروں گا

یہ نہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا بلکہ ایک حصہ معین کر دیا۔
قتادہ و محمد بن سیرین وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ[ف] ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم و معین کیا گیا ہے۔
ابن عباسؓ فرماتے ہیں زکوٰۃ کے بعد اگر اور نہ دے تو اس پر کچھ الزام نہیں۔
مجاہد اور عطاء۔ ونخعی وغیرہ فرماتے ہیں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ خیر وخیرات مراد ہے کس لیے کہ صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ وصدقات کے مصارف بیان فرمادیے گئے ہیں اور اس کا مصرف سائل ومحروم بیان فرمایا۔
فی اموالھم جمع کا صیغہ بتارہا ہے کہ سب مالوں میں خیرات جاری ہے زراعت میں سے مواشی میں سے تجارت میں سے نقدیں سے جس طرح ممکن ہو نفع پہنچاتے ہیں، مکان ہیں تو مفت ان میں مساکین وغرباء کو رہنے دیتے ہیں، مہمان کو اُتارتے ہیں، ان کی گاڑی اور گھوڑوں کو حاجت والے مانگ کر لے جاتے ہیں ان کے کپڑوں اور ہتیاروں اور کتابوں اور دیگر اشیاء سے نفع اٹھاتے ہیں، یہ کریم النفس دریغ نہیں کرتے۔
حق کا لفظ کہہ رہا ہے کہ ایسے درماندوں کا ان کے مال میں بڑا زور ہے اور حصہ معین ہے جیسا شریکوں کا ہوا کرتا ہے ان کے دامن ہمیشہ مسکینوں کے ہاتھ میں رہا کرتے ہیں۔
سائل تو معلوم ہوتا ہے مگر محروم کے معنی میں علماء کے متعدد قول ہیں۔

محروم کے معنی

(۱) تو وہی جو ہم نے پہلے بیان کیا بے زبان منہ بند۔
(۲) بعض کہتے ہیں محروم بے زبان جانور ہیں کچھ نہیں کہتے اس لیے محروم رہ جاتے ہیں ان پر رحم کرنا اور ان کو اپنی کھیتی پانی یا نقد مال سے نفع پہنچانا چاہیے (اس سے یہ مراد نہیں کہ گائے بیل کی پرستش کی جائے)۔
(۳) بعض کہتے ہیں محروم وہ مصیبت زدہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کو دینا زیادہ ثواب ہے کس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسکین وہ نہیں کہ جو لقمہ یا دو لقمہ یا ایک چھوارا یا دو چھوارے مانگ کر لے جائے بلکہ وہ جو حاجت مند ہے اور کسی سے سوال نہیں کرتا۔ باوجود اس کے سائل کو مقدم اس لیے کیا کہ یہ نفس الامر میں ہر جگہ پہلے پہنچا کرتا ہے۔
افسوس ہے ان سائلوں پر کہ جنہوں نے اس کو دائمی پیشہ بنا لیا ہے اور اس کے ساتھ اظہار کرامت و ولایت کا بھی دعویٰ کرتے ہیں افسوس صد افسوس۔
نماز بدنی وروحانی عبادت تھی اس کے بعد مالی عبادت بھی ضرور ہے اس لیے اس دوسرے جملہ کو اس کے بعد بیان فرما کر جتلا دیا کہ نری نماز کافی نہیں مال میں سے خیرات وصدقات بھی دیا کرو ؎

بخیل ار بود زاہد بحر و بر
بہشتی نباشد بہ حکم خبر

(۴) والذین یصدقون بیوم الدین وہ جو جزاء کے دن کو سچا جانتے ہیں۔ اس میں سب نیکیوں کی طرف اشارہ ہے اور ہر قسم کی بدی سے بچنے کی طرف ایماء۔ ہے کس لیے کہ جو شخص کہ جزاء کے دن کا معتقد ہوگا وہ جو نیکی کرے گا دل کھول کر کرے گا، غرباء کو دینا اقارب۔ ضعفاء پر رحم کرنا سب کے بدلے کی یقینی امید ضرور تحریک کرتی ہے اسی طرح ہر قسم کے ظلم اور ناحق شناسی سے روکنے کو بھی یہ یقین سدِ قوی ہے یہ جملہ اور اس کے بعد کا جملہ پہلے اور آئندہ احکام کے لیے تاکید کا فائدہ بخشتا ہے۔

ف صدقۃ الفطر اور نفقاتِ واجبہ بھی اس میں شامل ہیں ۱۲ منہ

(۴) والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈراکرتے ہیں کس لیے ان عذاب ربھم غیر مامون ان کے رب کے عذاب کا کچھ ٹھیک نہیں کہ کب اور کس وقت نازل ہوجائے اس سے نڈر رہنا نہ چاہیے۔

پہلا جملہ عذاب اور ثواب آخرت کے خوف وامید کی وجہ سے نیکی پر اُبھارنے والا بدی سے روکنے والا تھا مگر انسانی حرص وطمع وشہوت کبھی اس قدر دور دراز کی سزا یا جزا سے غافل کرکے بدی میں ڈال دیتے ہیں مگر جب اس کو بُرے کام پر دنیا ہی میں تازیانے پڑنے کا خوف دلایا جاتا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا ہی میں ایسے بدکاموں کی سزا مل جاتی ہے (بیماری تنگ دستی بے عزتی کوئی ناگہانی مصیبت ارضی وسماوی عامہ یا خاصہ قحط وبا تسلط حکام ظالم وغلبہ اعداء یا موت لخت جگر وخانہ خرابی وغیرہ) تو بہت جلد متنبہ ہوجاتا ہے اس لیے اس کے بعد ان عذاب ربھم غیر مامون بھی سنا دیا اور دنیا میں اعمال بد پر سزا آنا یقینی بات ہے بارہا مشاہدہ ہوا ہے اور ہر روز ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی کور باطن اس سزا کو من اللہ نہ سمجھے اور اسباب کی طرف منسوب کرے مگر عاقل جب غور کرکے دیکھے گا تو اسباب کا سلسلہ بھی اسی مسبب الاسباب کے ہاتھ میں دیکھے گا۔

یہاں تک یہ چار اوصاف ذکر ہوئے ان میں دو پہلے قوت عملیہ کی تکمیل کے لیے تھے اور چونکہ مقصود تر تھے اس لیے ان کو مقدم کیا اور یہ دونوں اخیر قوت نظریہ کی تکمیل کے لیے ہیں اور یہ دونوں ان دونوں کے لیے محرک ہیں۔

اس کے بعد چار فریق اور بیان فرماتا ہے جن میں چار صفات حقوق العباد کے ملحوظ رکھنے اور تمدن اور نظام عالم کے قائم رکھنے کے لیے بیان فرمائے اور ان چاروں میں اخیر جملہ تہذیب روحانی کے لیے بھی ایک رکن اعظم ہے اور اسی پر صفات کا اتمام ہے فقال:۔

(۱) والذین ھم لفروجھم حفظون الا علی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین کہ وہ جو اپنے ستر خاص کو محفوظ رکھتے ہیں کسی پر نہیں کھولتے یعنی جماع نہیں کرتے مگر اسی قدر پر بس کرنا انسان کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ دھرنا تھا کس لیے کہ انسان میں یہ ایک ایسی قوت رکھی ہے کہ اس کو مجبور ومقہور کردیتی ہے اور اس کے حواس وعقل میں اپنے غلبہ کے وقت فتور ڈال دیتی ہے اور اسی لیے یہ تجرد اسلام میں کوئی عمدہ بات نہیں گو عیسائیوں کے راہبوں اور ہنود کے گشائیوں جوگیوں میں عمدہ عبادت اور نفس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا مقابلہ ہے اس لیے اس کے بعد اس حکیم مطلق نے دو جگہ کے لیے اجازت دیدی۔

(۱) الا علی ازواجھم اول بیوی کے لیے۔ مرد کو اپنی بیوی سے جماع درست ہے کس لیے کہ بیوی کو زوج یعنی اس کا جوڑا کہتے ہیں جو دونوں کے ملنے سے امور خانہ داری سرانجام پاتے ہیں اس کے اندر بھی خدا تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے اگر مرد اس پر ازار نہ کھولے تو اس کی حاجت روا نہ ہو اس کے لیے فتنہ میں پڑنے کا خوف ہے' پھر باہم اتحاد قائم نہ رہے' دوم مرد وعورت کی محبت باہمی کا جس پر تمام خانہ داری موقوف ہے بیشتر اسی اختلاط پر مدار ہے۔ بیوی کون ہے اور کیا شرطیں ہیں اس کو عرف پر چھوڑ دیا اور قرآن میں متعدد جگہ بتلایا گیا۔ سوم نسل انسانی کا ابقاء منشا خداوندی ہے اور وہ بجز اس کے عادۃً ہو نہیں سکتا۔

(۲) اوما ملکت ایمانھم لونڈیوں پر جو مردوں کے ہاتھ کا مال ہیں یہاں بھی جماع کرنا ممنوع نہیں۔ لونڈی غلام بنانے کا دستور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے بھی پایا جاتا ہے توریت موجودہ میں لونڈی غلاموں کے احکام مذکور ہیں۔ دیکھو کتاب استثنار کا ۲۱ باب ۱۰ ورس میں کتاب مذکور ۲ باب کا ۱۳ ورس" اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کردے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی

دھار سے قتل کر مگر عورتیں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کی ساری لوٹ اپنے لیے لے۔" کتاب مذکور کا ۱۵ باب ۱۲ تا ۱۷ جملہ جس میں غلام لونڈیوں کے رکھنے اور آزاد کرنے کا صاف حکم ہے، اور ۲۱ باب میں صحبت کرنے کی اجازت ہے۔

آج کل کی عیسائی قومیں اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اہلِ اسلام پر عیب لگاتی ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ اسلام میں لونڈی غلاموں کے حقوق عیسائی آزاد رعیت سے زیادہ ملحوظ ہیں۔ لونڈی جب مرد کا مال ہے اور گھر میں رہ کر کاروبار کرتی ہے اگر اس کا کسی سے نکاح نہیں کیا گیا تو اس کے ساتھ ہم بستری بھی اس پر ترحم اور اولاد کی ماں کہلانے کے لیے عزت دینا ہے۔

فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون جو ان دونوں طریقوں کے سوا قضاء شہوت کے لیے اور طریقہ عمل میں لائے وہ حد سے تجاوز کرنے والا سرکش اور خدا کا باغی ہے۔

متعہ کی حرمت

متعہ کی ہوئی عورت بھی اس آیت سے حرام ثابت ہوتی ہے کس لیے کہ وہ نہ بیوی ہے کہ کوئی حقِ زوجیت میراث و نان و پارچہ وغیرہ اس کے لیے ثابت نہیں نہ وہ لونڈی ہے اور اسی طرح وطی فی الدبر بھی ممنوع ہے خواہ لڑکے سے ہو (خواہ غیر عورت سے ہو خواہ اپنی بیوی یا لونڈی سے ہو کس لیے کہ وہ بیوی ہے نہ لونڈی، اور جلق لگانا اور عورت کو عورت سے مساحقت کرنا اور عورت کو اس کام کے لیے نوکر رکھنا یا مخفی آشنائی کرنا یا اجرت دے کر یہ فعل کرنا سب ممنوع ہیں۔

(۲) والذین هم لامنتهم وعهدهم راعون وہ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں۔

امانت کی کئی قسمیں ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی امانت اس کے عطا کردہ قویٰ اور اموال ہیں ان کو بے جا صرف نہ کرنا چاہیے۔

۲۔ بات کی امانت۔

۳۔ آقا اور میاں کے مال کی امانت۔

۴۔ علماء کے پاس علم امانت ہے اس کو نہ چھپائیں۔

اسی طرح عہد بھی کئی قسم کا ہے خدا کا عہد کہ اسی کی عبادت کریں گے باہمی بندوں کے جائز عہد خاوند و بیوی کا باہمی موافقت وحسن معاشرت کا عہد جو لفظ نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ سب کی رعایت لازم ہے۔

(۳) والذین هم بشهدٰتهم قائمون وہ جو اپنی گواہی پر قائم ہیں، یعنی گواہی ادا کرنے میں نہ کسی کی رعایت کرتے ہیں نہ کسی سے ڈرتے ہیں اس سے انتظام عالم کا قیام اور حقوقِ عباد کا تحفظ تام ہے۔ لفظ قائم بتلا رہا ہے کہ نہ تو گواہی چھپائی جائے کہ کہہ دے میں نہیں جانتا اور نہ حیلہ بہانے سے کنارہ کشی کرے دونوں کبیرہ گناہ ہیں کس لیے کہ اس میں حقوق العباد تلف ہوتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ گناہ ہے کہ جھوٹی گواہی دے حقوق العباد کی شہادت کے سوا توحید و رسالت کی گواہی بھی ہر ایماندار پر واجب ہے۔

(۴) والذین هم علی صلاتهم یحافظون وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمیشہ پڑھنا جو پہلے مذکور ہوا تھا اور بات ہے اور محافظت رکھنا جو یہاں مذکور ہے اور بات ہے کس لیے کہ محافظت کے معنی شرائط و ارکان کی بجا آوری اور مفسدات و مکروہات سے بچنا ہے اور اہتمام کرنا اور حضورِ قلب سے ادا کرنا ہے۔

جن میں یہ آٹھ صفات ہیں اولئک فی جنت مکرمون وہی لوگ مرنے کے بعد دوسرے جہان میں باغوں میں عزت سے رہا کریں گے۔ وہاں کی عزت اور وہاں کے دائمی عیش اور آیات میں مفصل مذکور ہیں۔

فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قِبَلَکَ مُھْطِعِیْنَ ﴿۳۶﴾
پھر ان کافروں کو کیا ہوا جو آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ﴿۳۷﴾
دائیں اور بائیں (جانب) سے پرا باندھے ہوئے

اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ اَنْ
کیا ان میں سے ہر ایک طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمت کے

یُّدْخَلَ جَنَّۃَ نَعِیْمٍ ﴿۳۸﴾ کَلَّا ط اِنَّا
باغوں میں داخل کیا جائے گا ہرگز نہیں کیونکہ ہم نے

خَلَقْنٰھُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ
انکو اس چیز سے پیدا کیا ہے کہ جس کو وہ بھی جانتے ہیں پھر ہم مشرقوں اور

بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا
مغربوں کے رب کی قسم کھاتے ہیں (یعنی اپنی ذات کی) کہ ہم

لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا
ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آسکتے ہیں

مِّنْھُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْھُمْ
اور ہم عاجز بھی نہیں ہیں پھر انہیں چھوڑ دو

یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَھُمُ
باتیں بنانے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پالیں

الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ
جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جس دن کہ قبروں سے دوڑتے

مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّھُمْ اِلٰی
ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی نشان کی

نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَۃً
طرف دوڑتے چلے جاتے ہیں آنکھیں نیچی

اَبْصَارُھُمْ تَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ ط ذٰلِکَ
کیے ہوئے ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی یہ ہے

ع ٢ / ٩ / ٨

الْیَوْمُ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾
وہ دن کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

ترکیب

مھطعین المطع المسرع وقیل الماد عنقہ ہو حال من الذین کفروا قبلک حولک معمول مھطعین عزین جمع عزۃ وہی العصبۃ من الناس وقیل اصلہا عزوۃ من العزو وکان کل فرقۃ تعتزی ای تنسب الی غیر من تعتزی الیہ الاخری فی الصحاح العزۃ الفرقۃ من الناس والہاء عوض عن الیاء والجمع عزی وعزون عن تتعلق بعزین ویجوز ان تکون حالا ان یدخل الجملۃ مفعول یطمع انا لقادرون جواب القسم و ما نحن اما جواب آخر للقسم او حال عن القادرون یخوضوا ویلعبوا مجزومان علی انہما جواب الامر یوم بدل من یومہم سراعا جمع سریع و الاجداث جمع جدث وہو القبر ہو حال من فاعل یخرجون وکذا کانہم نصب عند الجمہور بفتح النون وسکون الصاد بمعنی العلم وقری بضم النون والصاد جمع نصب کاسد واسد الایفاض الاسراع فی القاموس وفض یفض وفضا بالسکون و بالتحریک عدا واسرع خاشعۃ منصوب علی الحال من ضمیر یوفضون ابصارہم مرفوع علی انہا فاعل خاشعۃ ترھقھم من الرہق یقال رہقہ بالکسر یرہقہ رہقا غشیہ ومنہ المراہق اذا غشیہ الاحتلام و الجملۃ مستانفۃ او حال من فاعل یوفضون او یخرجون ذلک مبتدأ الیوم الخ خبرہ او المجموع مبتدأ والخبر محذوف

تفسیر

اہل جنت کا اعزاز و اکرام سن کر مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو ہو کر آتے اور ارد گرد بیٹھ کر تمسخر کی

راہ سے کہتے تھے کہ اگر آپ کا فرمانا حق ہے کہ دارِ آخرت میں یوں نعمتیں ملیں گی تو ان ذلیل و خوار لوگوں سے جو آپ کے تابع ہو گئے ہیں ہم اشراف ان نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے ہم زیادہ عزت و شوکت و حشمت والے ہیں پھر وہاں ان بے چاروں کو تو ہم دھکے دے کر نکال دیں گے اور آپ جا بیٹھیں گے (تفسیر کبیر) ان کے خیالات کا رد ان آیات میں کیا گیا کہ ان منکروں کو کیا ہوا جو تیرے آس پاس پرا باندھے دوڑے چلے آتے ہیں۔ کیا ان میں سے ہر ایک کو یہ طمع ہے کہ وہ جنت النعیم میں داخل کیا جائے گا؟ یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے وہ بھی جانتے ہیں۔ یعنی منی سے جو نہایت حقیر ہے پھر اس عالم قدس میں بغیر اس کے کہ اس ناپاکی کے آثار بہیمیہ قوائے روحانیہ وملکوتیہ کو ایمان و اعمالِ صالحہ سے جلا دے کر مٹا دے کس طرح سے جا سکتا ہے۔

ابن کثیر اپنی تفسیر میں ان آیات کے اس طور سے معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کفار کو کیا ہو گیا جو جماعتیں کی جماعتیں تیرے پاس سے معجزات دیکھ کر بھاگے چلے جاتے ہیں ذرا انہیں ٹھہرتے اور کان لگا کر نہیں سنتے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے فما لھم عن التذکرۃ معرضین کانھم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ اور پھر اس کی تائید میں حسن بصری کا قول نقل کیا ہے۔

سچ ہے انسان گندہ جب تک ایمان اور عمل صالح سے نورانیت اور پاکیزگی حاصل نہ کرلے محض مال دنیاوی حشمت وشوکت کی وجہ سے اس عالم قدس تک نہیں پہنچ سکتا وہ پاک جگہ ناپاکوں کے قابل نہیں۔

امام احمد و ابن ماجہ و حاکم و بیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت فمال الذین الخ مما یعلمون تک پڑھی پھر اپنے ہاتھ پر تھوک کر اس پہ انگلی رکھی اور فرمایا کہ "اللہ فرماتا ہے لے ابن آدم! کیا تو مجھے عاجز کر دے گا حالانکہ میں نے تجھے ایسی چیز سے پیدا کیا یہاں تک کہ تیرے ہاتھ پاؤں بنائے تو کپڑے پہن کر پھرنے لگا۔ زمین کا ایک روز تجھے پیوند ہونا ہے"۔ جمع کرتا جاتا رکھتا جاتا ہے یہاں تک کہ گلے میں دم آگیا تو کہنے لگا مجھے صدقہ دینے کی مہلت دی جائے۔ انسان نسب و مال عارضی چیز کا کیا فخر کرتا ہے سب کی ایک ماں ایک باپ ہے ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں، سب ایک راہ سے آئے ہیں۔ سب خاک میں جائیں گے۔ اس میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ اللہ کی یاد اور اس کی تجلی سے جو صفائی حاصل ہوتی ہے البتہ وہ ایک امتیازی چیز ہے۔

مکہ کے کفار حشر کے منکر تھے اور سخت سرکشی کیا کرتے تھے اس لیے ان کو سنایا جاتا ہے فلا اقسم برب المشارق[1] والمغرب انا لقدرون الخ کہ مشارق و مغارب کے رب کی یعنی اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے بہتر لوگ پیدا کر دینے پر قادر ہیں۔ ہم بدل سکتے ہیں اور اس سے عاجز نہیں تم کو غارت کر کے اور آیندہ نسلیں عمدہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اور جگہ بھی یہی مضمون آیا ہے فسیاتی اللہ بقوم الخ

بعض مفسرین کہتے ہیں خدا نے تھوڑے دنوں بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بدکاروں کے ہلاک و برباد ہو جانے کے بعد) ایسی مطیع اور نیک قوم عطا کی جو دنیا بھر میں راستی پھیلانے

لہ مشارق مشرق کی جمع آفتاب نکلنے کی جگہ اور مغارب مغرب کی جمع آفتاب غروب ہونے کی جگہ مشرق اور مغرب کی گرمی اور سردی کے موسموں کے لحاظ سے جو آفتاب برآمد و غائب ہوتا ہے دو مشرق اور دو مغرب کہہ سکتے ہیں جاڑے میں جنوب کی طرف سے گرمی میں شمال کے رخ مائل ہو کر آفتاب نکلتا ہے اسی طرح غروب ہوتا ہے رب المشرقین و رب المغربین آیا ہے لیکن ہر روز آفتاب کا طلوع و غروب بدلتا رہتا ہے اس لیے مشارق و مغارب کہے جاتے ہیں ان کا مالک جس کے حکم سے یہ ہو رہا ہے (باقی برصفحہ آیندہ)

کے لیے آمادہ ہوگئی اور خدا تعالیٰ کے دین مرضی کی وہی حامل و معین ہوئی۔ ان کو جس طرح اخلاقی و روحانی سلطنتیں ملی تھیں اسی طرح ظاہری سلطنتیں بھی عطا کی گئیں جیسا کہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی تھی۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور اُن ناہنجاروں سے روگردانی کا حکم دیتا ہے فقال فذرہم یخوضوا کہ ان کو چھوڑ باتیں بنانے دے یا ہر قسم کی بدکاری میں گھسنے دے دیلعبوا اور کھیلنے دے۔ اولاد و مال و زن و فرزند سب ایک کھیل و تماشا ہے جو انسان کو اس کی منزلِ مقصود سے روکتا ہے یہاں تک کہ اپنے موعودوں کو پالیں یعنی قیامت کو اور اس سے پہلے موت کو پھر قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہوکر تخت رب العلمین کی طرف اسی طرح دوڑے چلے آئیں گے جیسا کہ کوئی شرط میں نشان گڑے ہوئے تک جلد جلد دوڑتا ہے۔

یا یہ کہ جس طرح دنیا میں اپنے بتوں اور خیالی معبودوں کی طرف دوڑتے ہیں اسی طرح قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں بحکمِ قدیر تختِ رب العلمین کی طرف دوڑیں گے آنکھیں شرمندگی کے مارے نیچی ہوں گی مونہوں پر لعنت کی سیاہی چڑھی ہوگی۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ دنیا میں کیا گیا تھا اور تم انکار کرتے تھے۔

سورۃ نوح

مکیہ ہے اس میں اٹھائیس آیات دو رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اَنۡ

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا کہ

اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ

اپنی قوم کو اس دن سے پہلے کہ ان پر سخت عذاب آئے

عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ① قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ

متنبہ کردو نوح نے کہا اے قوم میں

لَـكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ② اَنِ اعۡبُدُوا

تم کو صاف صاف ڈرسنانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت

اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ وَاَطِيۡعُوۡنِ ③ يَغۡفِرۡ

کیا کرو اور اسی سے ڈرا کرو اور میرے کہنے پر چلو تا کہ وہ

لَـكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرۡكُمۡ

تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تم کو ایک

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا

معین وقت تک مہلت دے کیونکہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب

جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ④

آجاتا ہے تو وہ ڈھیل نہیں دیتا اگر تم جانتے ہو (تو مانو)

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِىۡ لَيۡلًا

نوح نے کہا اے رب میں اپنی قوم کو رات دن

وَّنَهَارًا ⑤ فَلَمۡ يَزِدۡهُمۡ دُعَآءِىۡۤ

بلایا کیا پھر تو وہ میرے بلانے سے اور بھی زیادہ

اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَاِنِّىۡ كُلَّمَا دَعَوۡتُهُمۡ

بھاگتے رہے اور میں نے جب ان کو بلایا

لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِىۡۤ

کہ تو انہیں بخش دے تو اپنے کانوں میں انگلیاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رب المشارق والمغارب ہے جو کمال قدرت رکھتا ہے اس لیے رب المشارق والمغارب کی صفت یاد دلا کر قسم کھانا اپنی کمال قدرت دکھانا اور جتلانا ہے۔

ابو محمد عبد الحق

أَذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ

ٹھونسنے لگے اور کپڑے ڈھانکنے لگے اور

أَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ ⑦

ضد کرنے لگے اور بڑا غرور کرنے لگے

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ إِنِّي

پھر میں نے ان کو کھلم کھلا بھی بلایا پھر میں نے ان کو

أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ⑨

خبردار بھی کردیا اور چپکے چپکے بھی کہا

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ

سو میں نے کہہ دیا کہ اپنے رب سے بخشش مانگو کیونکہ وہ

كَانَ غَفَّارًا ⑩ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم

بڑا بخشنے والا ہے تاکہ تم پر برستے ہوئے

مِّدْرَارًا ⑪ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ

بادل بھیجے اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی

وَبَنِينَ ⑫ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَ

دے اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے اور

يَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ⑬

تمہارے لیے نہریں جاری کر دے۔

ترکیب

ان انذر ان معنی ای و یجوز ان یکون مصدریۃ من قبل متعلق بانذر قال یقوم قوم بکسر المیم اصلہ قومی حذفت الیاء والکسرۃ دلیل علیہا والجملۃ مستانفۃ ان اعبدوا اللہ ان تفسیریۃ لانذیر او ہی مصدریۃ مجزوم علی انہ جواب الاوامر الثلاثۃ ومن للتبعیض وقال الاخفش زائدۃ ویؤخر معطوف علی یغفر لیلا ونہارا ظرفان لدعوت الافرار الا استثناء مفرغ لتغفر واللام للسببیۃ جعلوا جواب کلما۔ جہارا منصوب علی المصدریۃ لان الدعاء یکون جہارا وغیر جہار فالجہار احد نوعیہ ویجوز ان یکون مصدرا فی موضع الحال ای مجاہرا او ذا جہارا و صفۃ مصدر محذوف بمعنی دعاء جہارا ای مجاہرا بہ اسرارا مفعول مطلق من اسررت یرسل وکذا مابعدہ یمدد یجعل مجزوم علی انہ جواب الامر ای استغفروا والمدرار الدرور وہو التحلب بالمطر وانتصابہ اما علی الحال من السماء ولم یؤنث لان مفعالا یذکر و یؤنث او انہ نعت لمصدر محذوف ای ارسالا مدرارا۔

تفسیر

یہ سورہ مبارکہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ قریش کی سرکشی اور اخیر نبی علیہ السلام کی ہدایتوں پر تمسخر اور وعدوں کی تکذیب اور تکبر حد کو پہنچ گیا تھا اس لیے ان لوگوں کی مثل سرکش اور نافرمان قوم کا عبرتناک واقعہ سنایا جاتا ہے جو نوح علیہ السلام پیغمبر کی نبوت میں گزرا جس سے قریش کے کان بھی آشنا تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام لمک کے بیٹے اور وہ متوشلخ کا بیٹا اور وہ حنوک کا اور وہ یارد کا اور وہ محللئیل کا اور وہ قینان کا اور وہ انوش کا اور وہ شیث کا اور وہ آدم علیہ السلام کا۔ آدم علیہ السلام سے تخمیناً سولہ سو برس گزرے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس عرصہ میں حضرت آدمؑ کی اولاد دنیا میں بہت پھیل گئی تھی اور زمین بدکاری اور ظلم سے بھر گئی تھی۔

توریت یا اور کسی صحیفہ سے یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کس ملک میں اور کس شہر میں پیدا ہوئے تھے؟ مگر اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت نوح آرمینیا و کردستان وغیرہ ایشیاء کوچک میں پیدا ہوئے تھے

اور اس شہر اور گاؤں کا نام معلوم نہیں کیا تھا جہاں حضرت نوحؑ رہا کرتے تھے اور طوفان کے بعد جو بار دیگر دنیا آباد ہوئی تو سب سے پہلا یہی ملک بنی آدم کا وطن معلوم ہوتا ہے۔ انہیں اطراف میں وہ برج بنایا گیا تھا جو طوفان کے بعد آیندہ طوفان سے بچنے کے لیے لوگوں نے بنایا تھا اس کے نشان اب تک بغداد کے نواح میں سیاحوں کو دکھائی دیتے ہیں اور شہر بابل اور نینوا بھی یہیں بسے تھے جو اب خاک کے تودے اور ڈھئی ہوئی عمارات کے نشان کچھ کچھ معلوم ہوتے ہیں اور کھودنے سے بڑی بڑی اینٹیں اور حیرت انگیز بنیادیں نکلتی ہیں اور بابل کی اینٹوں سے کسریٰ نے مدائن میں طاق بنایا اور خلفاء بنی العباس کے عہد میں بغداد شہر کی عمارات چنی گئیں اور کوفہ اور بصرہ بھی آباد ہوا تھا۔

الغرض حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو بت پرستی اور مکاری سے منع کرنا شروع کیا اور توحید اور مکارم اخلاق اور خداپرستی کی تعلیم کی۔ لوگوں کی زندگی کے ایام پورے ہو چکنے کو تھے نہ مانا اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے۔ اب ان آیات میں خداتعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کا بھیجنا اور قوم کو ڈر سنانا اور قوم کا نہ ماننا اور پھر نوحؑ کا حق سبحانہ سے بطور شکایت قوم یہ عرض کرنا کہ میں نے ان کو یوں سمجھایا میرا کہا انہوں نے نہ مانا بیان فرماتا ہے فقال:۔

انا ارسلنا نوحا الیٰ قومہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کس لیے کہ ان انذر قومك من قبل ان یاتیھم عذاب الیم کہ اپنی قوم کو عذاب الیم (دنیا کا غرق آخرت کا جہنم) کے آنے سے پہلے ڈرا اور خبردار کر تاکہ وہ اپنی بدکرداری سے باز آئیں۔

قال یقوم انی لکم نذیر مبین نوح نے حسب الامر قوم سے کہا اے قوم میں تمہارے لیے صاف صاف ڈرانے والا ہوں کوئی مخفی اور مبہم اور معمہ کی بات نہیں۔ ایسی قوم جو دریائے نکبت میں ڈوب رہی ہو اس کے ناصح کو مناسب یہی ہے صاف صاف کہے ابہام اور معمہ میں گول گول باتیں نہ کہے کہ وہ سود مند نہیں ہوتیں۔

ان اعبدوا اللہ اول یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو بت پرستی اور توہمات باطلہ کی پابندی چھوڑ دو اسی کے ہاتھ میں موت و حیات نفع و نقصان ہے۔ معلوم ہوا کہ قوم بت پرست تھی اس لیے پہلے توحید کا حکم دیا کیوں کہ تمام مکارم اخلاق کی بنیاد توحید خداپرستی ہے۔

(۲) واتقوہ اور اللہ سے ڈرا بھی کرو بدکرداری اور جس قدر مکروہ کام ہیں چھوڑ دو کس لیے کہ ایسے کاموں پر وہ سزا دیتا ہے، یہ ہیں اللہ سے ڈرنے کے معنی۔ معلوم ہوا کہ قوم بڑی بدکردار تھی زمین کو ان کی بدکاری اور گندے کاموں نے گندہ کر رکھا تھا۔

(۳) واطیعون اور معاملات اور اصلاح رسم و رواج اور درستی اخلاق و امور تمدن معاشرت و طریق عبادت میں میرا کہا مانو جس راہ میں تم کو لے چلوں چلو کس لیے کہ سعادت کے پُرخطر رستہ کا ہادی نبی ہوتا ہے جو قوم اس کے قدم بقدم چلے گی سعادت دارین تک پہنچے گی، اور جس نے رسول کو چھوڑ دیا وہ پرخار اور عمیق گھاٹیوں میں ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی۔ صحابہؓ آں حضرتؐ کے قدم بقدم چلے دین و دنیا کے بادشاہ ہو گئے، آج کل اکثر مسلمانوں نے اپنے ہادی برحق کا رستہ چھوڑ رکھا ہے اس لیے دین و دنیا کی رسوائیاں اور ذلتیں ان پر سوار ہیں۔

اس حکم برداری کا یہ ثمرہ ہوگا۔

(۱) یغفر لکم من ذنوبکم تمہارے گناہ بخش دے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں من تبعیض کے لیے ہے، تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کچھ گناہ بخش دے گا یعنی حقوق العباد معاف نہ ہوں گے وہ ادا کرنے سے یا ان کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔

(۲) ویؤخرکم الیٰ اجل مسمی اور تم کو ایک معین مدت تک دنیا میں رہنے آرام کرنے دے گا غارت و برباد نہ کرے گا

جیسا کہ معتوب لوگ کیے جاتے ہیں اور آخر کار یہ بھی کیے گئے۔
مدتِ معین تک اس لیے فرمایا کہ دنیا میں ہمیشہ کوئی نہیں ٹھیرتا اور نہ یہ ہمیشہ ٹھیرنے کا مقام ہے کس لیے کہ ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر۔ اللہ کا وعدہ جب آتا ہے تو ٹلتا نہیں یعنی موت کا وقت معہود نہیں ٹلتا باقی عقاب و عذاب میں گرفتار ہو کر فنا ہونا جو گناہوں پر ہوتا ہے نیکوکاری سے ٹل جاتا ہے۔

لو کنتم تعلمون اگر تم کو خبر ہے تو میری اطاعت کرو ایمان لاؤ۔ یا یہ کہ کاش وہ جانتے مگر وہ بدنصیب قوم برسوں بلکہ سیکڑوں برس کے سمجھانے پر بھی نہ مانی اور اس قدر عرصے میں عذاب نہ آنے سے اور بھی دلیر ہو گئی تب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے بطور مناجات عرض کرنا شروع کیا۔

قال رب انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً فلم یزدھم دعائی الا فراراً کہ اے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن ہدایت کی طرف بلایا وعظ و پند کیا اس کام میں کوئی کمی نہیں کی مگر وہ اس سے اور بھی بھاگنے لگے وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا کہ تو انھیں معاف کردے یعنی تیری طرف معافی کے لیے بلانا چاہا تو انہوں نے

(۱) اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں کہ کہیں میری بات سننے میں نہ آئے اور اسی پر بس نہیں کیا

(۲) بلکہ اپنے اوپر کپڑا ڈال کیا منہ چھپا لیے کہ میری صورت بھی نہ دیکھیں، یا یہ عداوت کرنے سے کنایہ ہے، کہتے ہیں کہ فلاں نے دشمن کا جامہ پہن لیا، ابن عباسؓ کہتے ہیں اس لیے کپڑا ڈالتے تھے کہ پہچانے نہ جائیں اور ان کو پیغمبر نہ بلائے۔

(۳) اور اپنے کفر و بدکاری پر اڑ گئے ہرگز توبہ و ندامت نہیں کرتے۔

(۴) اور بڑا غرور کرنے لگے۔

استغفار کے فوائد

اس پر بھی میں نے بس نہیں کی بلکہ ثم انی دعوتھم جھارا اس کے بعد بھی میں نے باآواز بلند ان کو بلایا ثم انی اعلنت لھم پھر میں نے ان کو خبردار بھی کیا اور جتا دیا کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس پیغام لایا ہوں واسررت لھم اسرارا اور مخفی طور پر بھی سمجھا دیا یعنی ہر طور سے بلایا اور نصیحت کی فقلت استغفروا ربکم کہ تم اور کسی سے نہیں بلکہ اپنے پرورش کرنے والے محسن اور مربی سے معافی مانگو انہ کان غفارا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے یرسل السماء علیکم مدرارا وہ

(۱) تم پر بارش برسائے گا قحط و گرانی کے عذاب سے نجات دے گا۔ لفظی معنی یہ ہوئے کہ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے گا سماء سے مراد بادل ہے۔

(۲) ویمددکم باموال وبنین اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے گا۔ اولاد نہ کہا جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں کس لیے کہ لڑکیوں کی پیدائش سے وہ ناخوش ہوتے تھے اس لیے بنین کہا یعنی لڑکے دے گا۔

(۳) ویجعل لکم جنّٰت اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے گا خوب میوے کھاؤ گے۔

(۴) ویجعل لکم انھرا اور تمہارے لیے نہریں تیار کر دے گا۔

ان دنیا کی چیزوں کی طرف طبائع عامہ کی رغبت ہوتی ہے اور وہ قوم بھی انہیں پر فریفتہ تھی اس لیے معافی مانگنے پر ان چیزوں کا وعدہ دیا اور یہ وعدہ سچا تھا طمع خام نہ تھی۔ اب بھی استغفار کی یہ خاصیت ہے کہ جو کوئی سچے دل سے اور عجز و نیاز سے اپنے رب العلمین سے معافی مانگتا رہے گا اس کے مال و اولاد میں برکت ہوگی قحط سالی رفع ہوگی زمین کی پیداوار

زیادہ ہوگی مجرب بات ہے۔

روایت ہے کسی نے حسن بصری رحمہ اللہ سے قحط سالی کی شکایت کی فرمایا استغفار کر۔ ایک نے تنگ دستی کا گلہ کیا کسی اور نے نسل کی قلت کا شکوہ کیا۔ ایک اور نے کہا زمین کی پیداوار کم ہوتی ہے سب کو آپ نے اللہ سے مغفرت مانگنے کا حکم دیا۔ ربیع بن صُبیح نے کہا آپ سے لوگوں نے مختلف اغراض بیان کیے اور جدا جدا چیزیں چاہیں آپ نے سب کو استغفار کا ہی حکم دیا۔ حسنؒ نے یہ آیت پڑھی۔

علمائے کرام فرماتے ہیں صرف زبان سے استغفر اللہ کہنا کافی نہیں بلکہ گناہوں سے باز آئے اور دل اور زبان کو پاک رکھے اور عجز و نیاز اور خلوص دل سے استغفار کرے۔ دنیا میں اس کی یہ برکتیں ہیں آخرت میں جنت ہے کس لیے کہ اہل جنت کی شان میں آیا ہے وبالاسحار ھم یستغفرون کہ صبح کے وقت خدا سے معافی مانگا کرتے تھے۔ اور احادیث صحیحہ میں استغفار کے بہت سے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ راقم الحروف بھی ہر صبح استغفر اللہ الذی لاالہ الاھو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھا کرتا ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۴﴾ وَ

تمہیں کیا ہوگیا جو تم اللہ کی عظمت نہیں سمجھتے حالانکہ

قَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿۱۵﴾ أَلَمْ تَرَوْا

اس نے تم کو رنگ برنگ کا پیدا کیا ہے کیا تم نہیں دیکھتے

كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

کہ سات آسمان اوپر تلے (کیسے) بنائے

طِبَاقًا ﴿۱۶﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا

ہیں اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا بنایا

وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۷﴾ وَاللّٰهُ

اور آفتاب کو چراغ بنا دیا اور اللہ

أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۸﴾ ثُمَّ

ہی نے تم کو زمین سے اگایا لہلہاتا ہوا اگایا پھر

يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿۱۹﴾

وہ اسی میں تم کو لوٹا کرلے جائیگا اور اسی میں سے (پھر) باہر نکالے گا

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ

اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے

بِسَاطًا ﴿۲۰﴾ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا

بچھونا کردیا تاکہ تم اس کے کھلے

سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۱﴾ ع

رستوں میں چلا کرو۔

۱ ع ۲۰ ۹

ترکیب

الوقار بمعنی التوقیر ترجون بمعنی تعتقدون وانما عبر عن الاعتقاد بالرجاء التابع لادنی الظن مبالغۃً و للّٰہ اللام للتبیین بیان للموقر ویمکن ان یکون صلۃً للوقار وقد خلقکم الجملۃ حال من الضمیر فی لکم اطوارا مختلفین حال من ضمیر فی خلقکم وقیل مفعول ثان لخلق بمعنی جعل قال اللیث الطور التارۃ یعنی حال بعد حال وقال ابن الانباری الطور الحال والھیئۃ وجمعہ اطوار طباقا انتصابہ علی المصدریۃ یقال طابقہ طباقا ومطابقۃ او حال بمعنی ذات طباق فحذف ذات واقیم طباقا مقامہ نباتا منصوب علی انہ مفعول مطلق ولم یقل انباتا کما یقتضیہ الظاہر للدقیقۃ اللطیفۃ و ہی انہ لو قال انباتا کان صفۃ للّٰہ تعالٰی وہم لا یعتقدونہ بل اکثر المادیین بل کلہم یقولون اللّٰہ لا ینبتنا ولما قال نباتا صار صفۃ للنبات والنبات العجیب مشاہد محسوس یستدل بہ علی وجود الباری تعالٰی شانہ فنباتا اما مصدر علی حذف الزوائد ویسمی اسم المصدر ویجوز ان یکون

مصدرًا النبتم مقدر تقدیرہ انبتکم فنبتم نباتا حسنًا فیکون منصوبا
بالمطاوع المقدر عند الخلیل والزجاج ہو مصدر محمول علی المعنی
لان معنی انبتکم جعلکم تنبتون نباتا وقیل المعنی اللہ انبت لکم
من الارض النبات فعلی ہذا ہو مفعول بہ وعلی الاول معنی
انبتکم انشأکم فاستعیر الانبات للانشاء لانہ اول علی الحدوث
والتکون من الارض۔ فجاجا جمع فج وہو الطریق الواسع سبلا
جمع سبیل وہو مفعول فیہ۔

تفسیر

مگر واہ ری بدنصیب قوم اس پر بھی نوح علیہ السلام کا
کہا نہ مانا جس پر ناچار ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے
ان سے کہا مالکم لا ترجون للہ وقارا کہ تمہیں کیا ہو گیا
جو تم اللہ سے عزت و حرمت کی امید نہیں رکھتے اپنے بتوں
سے رکھتے ہو کہ فلاں عزت دے گا فلاں مال دے گا۔ یہ بھی
معنی ہوسکتے ہیں کہ تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی توقیر و عزت
نہیں خیال کرتے اور دل میں نہیں لاتے اوروں کی عزت و
حرمت دل میں ہے مگر ہائے اللہ کی نہیں جس لیے ان سے
ڈرتے اور ان کی نذر و نیاز کرتے ہو۔

دلائل توحید

نوح علیہ السلام نے اول توحید کا حکم دیا اس کے بعد
اس کے ثبوت میں چند دلائل بیان فرمائے۔
(۱) وقد خلقکم اطوارا کہ اس نے تم کو طرح طرح
سے بنایا تم اول نطفہ تھے پھر علقہ ہوئے پھر مضغہ ہوئے پھر
انسان بنے یا یہ کہ کسی کو امیر کسی کو غریب کسی کو خوبصورت
کسی کو بدصورت بنایا پھر سب کا ڈھانچ ایک ہے مگر
صورتیں جدا جدا۔ یہ نہ مادہ بے شعور کا کام ہے نہ طبیعت
کی کاری گری ہے آخر کوئی علیم و خبیر ہے کہ جس نے یہ
بڑا کام کیا ہے۔ یہ بڑی مستحکم دلیل ہے جو انسان ہی کے حالات
سے متعلق ہے اپنے آپ ہی میں غور کرے گا تو سیکڑوں نشانِ
قدرت پائے گا۔

دلائل انفس کے بعد اب دلائل آفاق شروع
کرتا ہے۔

(۲) الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوٰت طباقا
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے کیسے سات آسمان اوپر تلے
بنائے؟ آسمانوں کے وجود پر کئی بار بحث ہو چکی ہے۔ سماوات
اس کی قدرتِ کاملہ کا بڑا نمونہ ہیں۔

(۳) وجعل القمر فیہن نورا وجعل الشمس سراجا
کہ اس نے آسمانوں میں چاند کو روشنی اور سورج کو چراغ بنایا
آفتاب و ماہتاب کا فرق دہریوں اور مادیوں کو حیرت میں
ڈال دینے والا ہے اور ناچار ایک حکیم و علیم و قدیر کا قائل ہونا
پڑتا ہے۔

س چاند پہلے آسمان پر ہے ساتوں میں نور ہونا کیونکر
فرما دیا۔

جواب ۱: کبھی ایک چیز کو جو ایک جرم خاص میں
ہوتی ہے اس کا مجموعہ میں ہونا عرفاً بیان کر دیا جاتا ہے کہتے
ہیں بادشاہ ہندستان میں ہے حالانکہ وہ اس کے ایک
خاص جزو میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بیان فرمایا
گیا۔

س چاند نہ روشنی میں بڑھ کر ہے نہ جسم میں
پھر اس کو تو نور فرمایا جو بڑھ کر بات ہے اور آفتاب کو چراغ
اس میں کیا رمز ہے۔

جواب (۱) آفتاب کی روشنی میں گرمی ہے جس طرح
چراغ کی اس لیے اس کو چراغ کہا اور چاند میں یہ بات نہیں
اس کو محض نور کہہ دیا۔

(۲) ضوء جس کو چمک کہتے ہیں نور یعنی روشنی
سے بڑھ کر ہے اس لیے آفتاب جو چمکتا ہوا ہے

اس کو ضیاء[1] اور سراج کہا کیوں کہ چراغ میں چمک ہے اور اس چمک سے روشنی پیدا ہوتی ہے اس لیے ماہتاب کو روشنی فرمایا جو آفتاب کی چمک سے ہے۔

(۴) پھر اول دلیل کی تشریح کرتے ہیں جو ایک طور سے نئی دلیل ہے فقال واللہ انبتکم من الارض نباتا ثم یعیدکم فیہا ویخرجکم اخراجا کہ اللہ نے تم کو زمین سے اُگایا۔ حضرت آدم علیہ السلام جو سب بنی آدم کی اصل ہیں ان کا زمین سے بنانا اور اُگانا ان کی اولاد کا اُگانا یا یوں کہو کہ انسان مٹی سے بنتا ہے اور منی زمین کی غذاؤں سے اور وہ غذائیں زمین سے اُگتی ہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کو خاک سے اُگایا مگر نباتا کے لفظ میں اس اُگنے کی دل کش کیفیت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے اول پودے کیسے لہلہاتے ہوئے لگتے ہیں، لڑکپن کا نشو و نما جوانی کی بہاریں کیا دل کش نظارہ ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ کس طرح سوکھتے جاتے ہیں اور پھر خاک میں جا ملتے ہیں ان باتوں کو وہ خود بھی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔

جب اس قدیر کی قدرتِ کاملہ ثابت ہو گئی تو گویا حشر کے دن قبروں سے نکالنے پر قادر ہونا بھی ثابت کر دیا، ان کے مقابلے میں یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ حشر کے دن وہ پھر تم کو اس خاک میں سے نکالے گا اور لفظ اِخراجا میں اس کی کیفیتِ خاص کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرات انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے۔ اس دلیل میں انسان کی ابتداء اور انتہاء اور اس کی بے ثباتی سب کچھ بیان کر دی اور مسئلہ مبدء و معاد کا پورا ثبوت کر دیا جو نبوت کا اہم کام تھا۔

(۵) واللہ جعل لکم الارض بساطا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا نہ زیادہ سخت کیا نہ زیادہ نرم بلکہ رہنے ٹھیرنے چلنے پھرنے کے قابل، نہ یہ مادہ کا کام ہے نہ طبیعتِ اجسام کا نہ کسی اور کا بلکہ اس علیم و حکیم کا۔ لتسلکوا منہا سبلا فجاجا تاکہ تم کشادہ رستوں میں چلا کرو۔

اول دنیا کے گھر کے باشندے بیان فرمائے یعنی انسان اور ان کا بنانا بھی بتایا کہ کس طرح اور کس چیز سے پیدا ہوئے اور کب تک یہاں رہیں گے آخر کیا ہو جائیں گے پھر اس گھر کی چھت سبع سموات بیان فرمائی کہ کس صناع نے کس حکمتِ کاملہ سے اس کو بنایا اور اس کو چاند و سورج سے منور کیا رات میں ماہتاب اور دن میں آفتاب روشنی دیتے ہیں کیسی عمدہ قندیلیں اس حکیم نے روشن کی ہیں اور ان میں نور کا کیا مادہ ڈالا ہے جو ہزاروں برسوں سے اسی طرح چلا آتا ہے اس کے بعد زمین کی کیفیت بیان فرمائی جو اس گھر کا فرش ہے جس سے یہ مقصود کہ دنیا کا گھر فرش اور چھت اور اس کے رہنے والے اسی نے بنائے ہیں پھر اور کسی کا کیا حق اور کون سا حصہ ہے جو اس کو بھی اس کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔

سبلا فجاجا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کفر و بدکاری کے رستے تنگ اور پُرخار اور پُرخطر ہیں ان پر نہ چلو توحید و خدا پرستی کا وسیع رستہ ہے اس پر چلو تاکہ منزلِ سعادت کو پہنچو۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَ

نوح نے کہا اے میرے رب انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور

اتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا

اس کو مانا کہ جس کو اس کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ بھی

خَسَارًا ﴿۲۲﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۳﴾

فائدہ نہیں دیا اور انہوں نے بڑا فریب کیا

[1] ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا ۱۲

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا

اور قوم نے (آپس میں) کہا اپنے معبودوں کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ

تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ

وَدّ کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث کو

وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ

اور نہ یعوق و نسر کو حالانکہ وہ بہت کو گمراہ کر چکے ہیں

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

(وہ بت) ستمگاروں کو تباہی کے سوا اور کچھ نہیں دیا کرتے

ترکیب

انهم الجملة مفعول قال من مفعول اتبعوا والضمير فاعله قرئ ولدا بفتح الواو وسكون اللام وهما لغتان وقرئ بفتح الاول وسكون الثاني وهي لغة وقيل جمع الولد كبارا قرء الجمهور بالتشديد اي كبيرا عظيما كقراء وحمال قال المبرد الفعال للمبالغة وقرئ بكسر الكاف وتخفيف الباء هو جمع كبير وقرء الجمهور بفتح الواو وقرئ بضمها قال الليث بضم الواو صنم لقريش وبفتحها صنم كان لقوم نوح وفي الصحاح الود بالفتح الوتد في لغة اهل نجد كانهم سكنوا التاء وادغموها في الدال سواعا يغوث منصرفان يغوث ويعوق عند الجمهور غير منصرفين فان كان عربيين فللعلمية ووزن الفعل وان كان عجميين فللعجمة والعلمية وقرئ منصرفين للتناسب بما قبلهما ولا تزد الظلمين معطوف على رب انهم عصوني وقال ابو حيان انه معطوف على قد اضلوا ومعنى الضلال الخسران والعذاب۔

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام نے دلائل بھی قائم کیے پھر بھی اس کم بخت قوم نے خدا پاک کی طرف رجوع نہ کیا اور کوئی امید ان کی ہدایت کی باقی نہ رہی تب نا امید ہو کر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرنے لگے قال نوح رب انهم عصوني کہ یا رب ان لوگوں نے میرا کہا نہ مانا واتبعوا من لم يزده ماله وولده الا خسارا اور ان ناپاک اور گمراہوں کے تابع ہو گئے کہ جن کے مال اور اولاد نے بجائے فائدۂ آخرت کے ان کو اور نقصان دیا۔ مال اور اولاد کی افزائش سے اور بھی سرکشی اور گمراہی میں پڑ گئے اور اترا گئے اور سمجھنے لگے کہ ہم جس طریقے پر ہیں وہی برحق ہے کس لیے کہ اگر برحق نہ ہوتا تو پھلتے پھولتے نہیں یہ شخص ناحق کی بک بک کیا کرتا ہے۔

ف خدا کی پناہ انسان بدکاری پر بدکاری و بت پرستی کرے اور خدا کی طرف سے اس کو کوئی روکنے والی سزا نہ ملے اور وہ افزائش مال اور اولاد میں ترقی کرتا جائے پھر وہ تو اپنے طریقہ کو کبھی برا نہیں سمجھے گا بلکہ اور بھی دل کھول کر کرے گا اور مغرور ہوتا جائے گا۔ یہ بڑا فتنہ اور آزمائش ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ بت پرست و بدکار قومیں کس طرح سے پھولتی پھلتی ہیں، یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے لیے دنیا یا آخرت میں کوئی سخت عذاب تیار ہے۔

ومكروا مكرا كبارا اور بڑے مکر و فریب کیے کہیں ان بتوں اور ہیاکل کی پرستش کی عجیب دلیلیں بنا رکھی تھیں اور بحث میں ہارتے نہ تھے کمینوں اور لُچّوں شہدوں کو لالچ دے کر حضرت نوح علیہ السلام کی توہین و ایذا پر آمادہ کیا اور انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

وقالوا لا تذرن الهتكم اور بڑی دلیری سے ان کے سرداروں نے کہہ دیا کہ خبردار اپنے معبودوں کو اس شخص کے کہنے سے نہ چھوڑنا ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا خصوصاً ان پانچ معبودوں کو تو ہرگز نہ چھوڑنا ۱ وَدّ کو ۲ سُواع کو ۳ یغوث کو ۴ یعوق کو

نسر کو۔

ف ۲ دنیا میں جب حضرت آدم علیہ السلام آئے اور ان کی اولاد پھیلی اس کے ساتھ ہی شیطان نے بھی قابو پایا تھوڑے ہی زمانے بعد حضرت کی اولاد میں بدکاری اور جور و جفا نے رواج پایا شروع کیا قوتِ بہیمیہ اور قوتِ غضبیہ نے اپنا جلوہ دکھایا اور فرشتوں کا من یفسد فیہا ویسفک الدماء کہنا صادق آیا قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا شیطان کا اثر اول انہیں دونوں قوتوں پر ہوا کرتا ہے، اس کے بعد قوتِ عملیہ میں بھی ان کے ظلمات سے خلل ڈال دیتا ہے۔ پھر سیکڑوں توہمات باطلہ علمی حقیقی قرار پا جاتے ہیں۔ شدہ شدہ توہمات و تخیلات کی پرستش بھی شروع ہو گئی اور اس وادی جہالت میں ٹکریں مارتے مارتے ایک باقاعدہ مخلوق پرستی بھی شروع ہوئی اور ایک جدید مذہب کی بنیاد پڑ گئی جو صابیہ[۲] کے نام سے مشہور تھا یہ فرقہ بقول بعض مؤرخین طہمورث کے اول سال جلوس میں پیدا ہوا ان کے دو فریق تھے ایک اصحاب ہیاکل یعنی ستاروں کی شکل و صورت کو ان کی روحانیت کا مظہر جان کر پرستش کرتے تھے۔ دوسرے اصحاب اشخاص جو ان چیزوں کی مورتیں پوجا کرتے تھے یہ

---

۱ مشہور یہ ہے کہ یہ پانچ نیک آدمی تھے جو آدم و نوح علیہما السلام کے درمیانی حصہ میں تھے بوجہ ان کی نیک بختی کے عامۃ الناس ان پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے بت بنا کر پرستش شروع کر دی صاحب مواہب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وَدّ مرد کی صورت کا بت تھا اور سواع عورت کی صورت اور یغوث بصورتِ بیل اور یعوق بصورتِ گھوڑا اور نسر بصورتِ گدھ۔ طوفان میں یہ سب بت غرق ہو گئے تھے مگر ابلیس نے ان بتوں کو نکال کر عرب کو ان کی پرستش پر مامور کیا۔ چنانچہ عرب کی پانچ جماعتیں ہو گئیں اور ہر ایک جماعت نے ایک بت اپنے لیے خاص کر لیا چنانچہ قضاعہ نے وَدّ کو اختیار کیا اور ہذیل نے سواع کو اور قبیلہ مراد و بنی غطیف نے یغوث کی پرستش شروع کی اور ہمدان نے یعوق کی اور حمیر نے نسر کی، یہاں تک کہ تمام عالم پر ظلمت کی گہری گھٹائیں چھا رہی تھیں کہ فاران کی چوٹیوں سے اس نور محمدی کا ظہور فرمایا اور ایک عالم کو مشرق سے مغرب تک روشن و منور کیا ۱۲ منہ

۲ یقال صبا الرجل اذا مال وزاغ فربیغهم عن طریق الحق یقال لهم الصابیة وقد یقال صبا الرجل اذا عشق وهوا۔ یہ فرقہ اپنے تئیں عاذیمون و ہرمس (ادریس علیہ السلام) کا پیرو کہتا تھا اس کا حدوث عہد طہمورث میں بیان کرتے ہیں۔ طہمورث ہوشنگ کا جانشین ہے اور ہوشنگ کیومرث کا جس کو پارسی آدم علیہ السلام کہتے ہیں۔ یہ فرقہ ایشیائے کوچک اور شام اور عراق میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ فریق ہمیشہ سے انبیاء کا منکر تھا اور فریق متبع انبیاء علیہم السلام حنفیہ اور اس کے پیرو حنفاء کہلاتے تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام کو حنیف اس فرقۂ صابیہ کے مقابلہ میں کہا گیا اور قرآن مجید میں اکثر جا اس لفظ کا انہیں معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد بت پرستی سے یک سو ہونا ہے اور بت پرستی فریق صابیہ کے اصول میں داخل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فریق صابیہ کا عراق میں بہت زور تھا اور انہیں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا۔ ان کا یہ مذہب تھا کہ بے شک اس جہان کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو تمام حوادث کے دھبوں سے پاک ہے اور وہ حکیم بھی ہے اور ہم اس کے جلال تک بغیر واسطے کے نہیں پہنچ سکتے اس لیے ہم کو ان وسائط سے کام پڑا جو اس کے ہاں مقرب ہیں اور وہ روحانیات ہیں (اس لیے اس فریق کو اصحاب الروحانیات بھی کہتے ہیں) اور وہ اپنے جوہر اور افعال و حالات میں پاک ہیں جوہر میں اس لیے کہ وہ مواد جسمانیہ و قوائے جسدانیہ و حرکات مکانیہ و تغیرات زمانیہ سے پاک ہیں وہ طہارت پر مجبول اور تسبیح و تقدیس الٰہی پر مفطور ہیں، پس یہ ہمارے رب اور سفارشی ہیں وہ رب الارباب ہے یہی ہماری حاجات کا پورا سامان کرتے ہیں، اور افعال میں یوں کہ ایجاد و اختراع ہیں اور تبدیلِ حالات ہیں اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

پانچ بت بھی اسی قسم سے تھے۔

ف ۳ دنیا میں بت پرستی کا ایک تو یہی سبب ہے جو بیان ہوا اس کے علاوہ اور اسباب بھی ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو ایک مجسم چیز تصور کر لیا اور یہ خیال کیا کہ ملائکہ اس کے تخت کے ارد گرد کھڑے ہیں۔ اسی خیالِ باطل کے مطابق انہوں نے حق سبحانہ کی بلند مورت بنائی اور چھوٹی چھوٹی ملائکہ کی اور اس کا دھیان دھرنے کے حیلہ سے انہیں مورتوں کو پوجنے لگے۔

ازاں جملہ یہ کہ جو دنیا میں نیک اور نام ور یا صاحبِ کرامات لوگ گزرے ہیں ان کی یادگار میں پہلے لوگوں نے تانبے پیتل لوہے پتھر کے بت ان کی شبیہ پر تراشے بعد میں جہل بڑھتا گیا انہیں کو پوجنے لگے اور ان کے نام کی من گھڑت مورتیں بنانی شروع کر دیں۔ شبیہ کا بھی قاعدہ ملحوظ نہ رہا۔

ازاں جملہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو محسوس اشکال میں ایک مناسبتِ خاصہ سے ڈھالا، اس لیے ہر ایک صفت کی جدا مورت بنائی اور با برکت اور اہلِ قدرت اشخاص کی نسبت کہ جن کو اپنی فہم میں معمولی درجے کی قدرت و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مخلوقات کو کمال تک پہنچانے میں یہی واسطہ ہیں، حق سبحانہ کی طرف سے قوت حاصل کر کے موجوداتِ سفلیہ تک پہنچاتے ہیں پھر کچھ ان روحانیات میں سے سات ستاروں کے مدبر ہیں اور یہ ستارے ان کے لیے ہیکل ہیں جیسا کہ ارواحِ انسانیہ کے لیے ان کے ابدان اور ہر ایک روحانی کے لیے ایک ہیکل ہے اور ہر ہیکل ایک آسمان میں ہے اور کچھ روحانیات آثارِ علویہ کے مدبر ہیں جو زمین اور آسمان کے درمیان ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ ان قوتوں پر موکل ہیں جو تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہیں اور کچھ ہدایت کے لیے اور کچھ ہلاکت کے لیے غرض ہر کام کے لیے وہی وسائط ہیں اور حالت ان کی یہ ہے کہ وہ قربِ الٰہی میں خوش و خرم ہیں ان کا کھانا پینا تسبیح و تقدیس ہے کوئی رکوع میں کوئی سجدے میں ہے وہ جو حق سبحانہ فرماتا ہے وہی کرتے ہیں۔ طریقِ عبادت ان کا یہ ہے ستاروں اور بتوں کی پرستش کرنا، نذر و نیاز چڑھانا بخور جلا کر وہ منتر و عزائم پڑھنا کہ جن میں ان ستاروں آفتاب ماہتاب زہرہ مشتری زحل عطارد مریخ اور بتوں کی بے حد مدح اور اپنی عاجزی ہوتی ہے اور پھر ہر ایک ستارہ کی پرستش کے بڑے بڑے دستورات ہیں

پھر صابیہ کے دو فریق ہو گئے اصحاب الہیاکل یعنی ستاروں کے پوجنے والے۔ ہر ستارہ کا مندر اس کے اوقاتِ مخصوصہ میں مع رعایتِ اقلیم و دیگر شروط بنا رکھے تھے رومیوں نے جوپٹر کا مندر یعنی مشتری کا اور اسی طرح وینس یعنی زہرہ کا بنایا تھا۔

دوسرا اصحاب الاشخاص کہ انہوں نے ستاروں کے خواص و آثار کے لحاظ سے مورتیں بنائیں کسی کی بہادری کے لحاظ سے شیر کی، خوبصورتی کے لحاظ سے عورت کی اور وہ پھر ان مورتوں کو پوجنے لگے

اور نیز ان مورتوں کے جواہر میں بھی ستاروں کی رعایت ہوتی تھی کسی کو لوہے کا کسی کو تانبے کا کسی کو پیتل کا ڈھالتے تھے۔

یہ بت جو قوم نوح علیہ السلام میں تھے غالباً انہیں سیارات کے تھے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں پھر اس فرقہ کا زور ہو گیا تھا پھر پارسیوں اور اہل ہند و یونان و روم میں بھی صابیت نے زور کیا اور ہر ملک میں اس پر نئی قلعی چڑھی۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

وطاقت سے زیادہ سمجھتے تھے یہ خیال کیا کہ ان میں خدا تعالیٰ گھس گیا اور اُس بے چون و بے چگوں نے اس پیکرِ انسانی یا نباتی یا حیوانی یا علوی میں ظہور کیا تو اسی کو معبودِ حقیقی سمجھ کر پرستش کرنے لگے، ہنود کا اوتاروں اور عیسائیوں کا حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی اعتقاد ہے اور اس لیے انہوں نے ان اوتاروں کی مورتیں بنائیں اور پوجنے لگے اور کہنے لگے ان مورتوں کی پرستش در اصل ان کی پرستش ہے کہ جن کی یہ مورتیں ہیں اور ان کی پرستش عین حق تعالےٰ کی پرستش اور باعثِ نجات ہے۔ یہ قوتِ متوہمہ کا ضلالِ مبین ہے۔ برہما بشن مہادیو کو اس کی صفات کا مظہر جان کر پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح عناصر و سیارات و نباتات وحیوانات میں سے اہلِ ہند نے کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ اس کو پوجتے نہ ہوں۔

ف وَدّ یہ محبت و خواہش کا بت تھا اس معنی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کو مرد کی صورت میں ڈھالا تھا اور اسی کو تمام کائنات کا باعثِ ایجاد جانتے تھے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت و خواہش ہوئی کہ میں ظاہر ہوں، اس لیے اس نے دنیا پیدا کی اور مرد کی صورت بنائی کہ مرد کے دل میں عورت کی محبت و رغبت ہوتی ہے اور ہندو اس مظہر کو برہما کہتے ہیں۔

سواع کے معنی قائم کرنے اور ٹھیرنے کے ہیں شرع میں اس کو صفتِ قیومیت کہتے ہیں۔ یہی صفت بقائے عالم کا باعث ہے اس معنی کو عورت کی شکل میں متشکل کیا تھا اس لیے کہ خانہ داری و انتظامِ خانگی سب عورت کی ذات سے ہے ہندو اس صفت کو بشن سے تعبیر کرتے ہیں اور انہوں نے بھی اس کی ایک صورت و مورت بنا رکھی ہے۔

یغوث (غوث بمعنی مدد کے) حاجت روائی و مشکل کشائی کی صفت کا بت گھوڑے کی تصویر میں بنا رکھا تھا اس لیے کہ گھوڑا جلد دوڑ کر آتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ بت اپنے پوجنے والوں کی مدد کو جلد آتا ہے اہلِ ہند اس کا مظہر اندر دیوتا کو بتاتے ہیں۔

یعوق عوق روکنے اور مصائب و اعداء کے دفع کرنے کی صفت اس کا بت بشکلِ شیر بنا رکھا تھا کہ یہ بہادر جانور دشمنوں پر بڑا حملہ کرتا ہے اہلِ ہند اس کا مظہر شیو بتاتے ہیں۔

نسر گدھ یہ صفتِ سرمدیت کا بت بشکلِ گدھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اگر رگوید کے حصہ اول کو ملاحظہ کریں گے تو اس میں انہیں ارواح اور عناصر اور جنوں کی مدح کے منتر پائیں گے اور پھر ان کی پرستش اور پوجاپاٹ کے طریقے ہیں اور کچھ ان کے پوجنے والوں کے لیے جو مدد ان کو پہنچیں ان کے جھوٹے سچے مبالغہ آمیز قصے ہیں اسی طرح دساتیر میں ستاروں کی پرستش اور ان کی دعائیں مذکور ہیں ستاروں کی پابندی اور ان سے سعادت و نحوست کا تعلق اور نیر نجات و شعبدے اور فال گنڈے اور دیگر توہماتِ باطلہ اسی فرقہ کے آثار ہیں۔

عرب میں بھی صابیت آئی تھی گو وہ حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہونے کے سبب صابیت کو برا جانتے تھے۔

حنفاء کا طریق جو سلسلہ انبیاء علیہم السلام ہے ہمیشہ صابیت کا رد کرتا آیا اور یہ بتلاتا رہا ہے کہ گو ملائکہ عالم کی تدبیر و تصرف میں اس کے حکم سے مصروف ہوں مگر وہ یا اور کوئی سیارہ وغیرہ جز حق سبحانہ کے نفع و ضرر نہیں دے سکتا ہر حال میں اسی کی پرستش اسی کی نذر و نیاز اسی سے مدد مانگنا اسی کو پکارنا لازم ہے اور دوسرے کو اس کے اقتدارِ الوہیت میں ملانا شرک ہے جو اکبر الکبائر ہے۔ محمدیت کا اصل منشاء توحید ہے۔ مگر افسوس تابع انبیاء میں بھی اجنبیوں کی صحبت سے صابیت نے اثر کر لیا ۱۲ منہ

اس لحاظ سے بنایا تھا کہ گدھ کی بھی بڑی عمر ہے۔

اور بھی ہر ایک خیال سے بت اور الٰہ باطلہ تھے مگر ان پانچوں پر تو مٹے ہوتے تھے اس لیے بالخصوص ان کی بابت تاکید کی کہ ان کو نہ چھوڑنا اور بت پرستی کی یہ توجیہات جیسا کہ ہنود کرتے ہیں مکرِ عظیم تھا جس کے سبب قد اضلوا کثیرًا ہزاروں بندگانِ خدا کو گمراہی میں ڈال دیا تھا۔ خدا پاک کو چھوڑ کر انہیں مظاہر کی پرستش میں اٹک کر رہ گئے اس تک رسائی نہیں ہوئی۔

ف ۵ طوفان کے بعد یہی پانچوں بت جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پجتے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے تک قبائلِ عرب میں بھی پجتے تھے بخاری نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قوم نوح کے بت عرب میں بھی پوجے جایا کرتے تھے وَدّ دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا بت تھا اور سواع ہذیل کا، یغوث مراد کا پھر بنی غطیف کا اور یعوق ہمدان کا اور نسر حمیر آلِ ذی الکلاع کا بت تھا اور یہ اس قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب وہ مر گئے تو شیطان کے کہنے سے ان کے نام کے بت بنا کر پوجنے لگے۔

ان کے علاوہ عرب کے اور بھی بت تھے لات بنی ثقیف کا اور عزّٰی بنی سلیم و بنی غطفان و بنی نظر و بنی سعد و بنی بکر کا بت تھا، اور مناۃ اہل قدید و مشلل کا بت تھا اور اہل مدینہ بھی ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے، اساف و نائلہ و ہبل اہلِ مکہ کے بت تھے۔ اساف کو حجرِ اسود کے سامنے کوہِ صفا پہ کھڑا کر رکھا تھا اور نائلہ کو رکنِ یمانی کے سامنے اور ہبل کو خاص ع ۲
کعبہ کے اندر، یہ بڑا قد آور آٹھ گز کا اونچا بت تھا جنگ کے ۹ ۱۰
وقت اسی کا نام پکارتے تھے ابوسفیان نے احد کی لڑائی میں پکارا تھا اُعْلُ ہُبَل جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے کہا اللہ اعزّ و اجل۔

جب حضرت نوحؑ بالکل ناامید ہو گئے تو اس ناپاک قوم کی نسبت یہ بددعا کی وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا کہ یہ ظالم اور بھی گمراہی میں بڑھیں کہ جلد عذاب آ کر تمام ہو جائیں یا یہ معنی کہ ان پر عذاب نازل ہو۔ کس لیے کہ ضلال کے معنی ہلاکت و تباہی کے بھی ہیں۔

مِمَّا خَطِيٓـٴَـٰتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ۵

اپنے بعض گناہوں کے سبب غرق کر دیے گئے پھر جہنم میں داخل کیے گئے

فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾

پھر انہوں نے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہ پایا

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ

اور نوح نے کہا اے رب زمین پر کسی کافر کو

مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن

بستا ہوا نہ چھوڑنا اگر تو نے ان کو

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا

چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نسل بھی جو ہوگی

إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَ

تو فاجر و کافر ہوگی اے رب مجھے بخش دے اور

لِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا

میرے ماں باپ کو بھی اور اس کو بھی جو میرے گھر (کشتی) میں مومن ہو کر آ گیا ہے

وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ

اور ایمان دار مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی اور ظالموں کو تو

الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾ ع

بربادی کے سوا اور کچھ زیادہ نہ کرنا۔

ترکیب

مما ما مزیدۃ للتاکید والمعنی من خطیئتھم قرء الجمہور علی

جمع السلامۃ و قرئ خطایاہم علی جمع التکسیر دیارًا من یسکن الدیار ویدور فی الارض ولا تستعمل الا فی النفی العام اصلہ دیوار علی وزن فیعال من الدار والدور فقلبت الواو یاءً واد غمت احدہما فی الاخری قالہ الزجاج والفراء قال ابن قتیبۃ ما بہا دیار ای نازل دار لافعال والا لکان دوارًا (البیضاوی) مؤمنا حال لمن دخل تبارًا ہلاکا۔

تفسیر

اس کش مکش میں حضرت نوح علیہ السلام کو سیکڑوں برس گزر گئے اور سوائے چند شخصوں کے کوئی بھی ہدایت پر نہ آیا۔ تب ان پر حضرت کی بددعا کے سبب عذاب آیا کہ آسمان سے بے انتہا پانی برسا اور زمین نے بھی اپنی سوتیں کھول دیں تمام قوم غرق ہوئی مگر مما خطیئٰتہم ان کے گناہوں کے سبب۔ اور غرق ہو کر بھی چھٹکارا نہ ہوا بلکہ ادخلوا نارًا مرنے کے بعد آگ یعنی جہنم میں داخل کیے گئے۔ دنیا و آخرت دونوں میں مبتلاء عذاب ہوئے فلم یجدوا لھم من دون اللہ انصارًا اور ان کے ان معبودوں میں سے ان کے کوئی بھی کام نہ آیا کسی نے مدد نہ کی کوئی بچا نہ سکا۔

یہ برہان قاطع مذہب صابیہ اور بت پرستی کے ابطال کے لیے ہے اور طلسم و نجوم فال گنڈے بھی اس سے باطل ٹھیرتے ہیں۔ کس لیے کہ اس وقت کچھ بھی کوئی ٹوٹکا شعبدہ و ستارہ اور دیوتا کام نہ آیا اور نہ آ سکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ معبود حق وہی ایک ہے اسی کی عبادت اسی کی اطاعت فرض ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا حضرات انبیاء محض اس رستہ کے رہ نما ہیں۔

ثبوت عذاب قبر

ف فادخلوا کی فا اور صیغۂ ماضی سے اہل سنت و الجماعت نے ثابت کیا ہے کہ حشر سے پہلے بھی مومن و کافر کو ثواب و عذاب اس کے اعمال و ایمان سے ملتا ہے اور عالم قبر اور عالم برزخ اسی کو کہتے ہیں کس لیے کہ مرنے سے روح نہیں مر جاتی وہ ایک دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد بدلہ ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ڈبوئے گئے اور فورًا آگ میں داخل کیے گئے معلوم ہوا کہ حشر سے پہلے بھی آگ میں داخل ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں اور جگہ بھی اس کا ذکر ہے النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب کہ فرعونی صبح و شام آتشِ جہنم کے سامنے لائے جاتے ہیں اور قیامت کو سخت عذاب میں داخل کرنے کا حکم ہوگا اور احادیثِ صحیحہ صریحہ میں بھی اس کا ثبوت بہت کچھ ہے مگر معتزلہ اور شیعہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد حشر سے پہلے عذاب و ثواب کا کچھ ثبوت نہیں۔

وقال نوح اور جب قوم غرق ہونے لگی تب حضرت نوح علیہ السلام نے اس پُر خار کھیتی کو کٹتے ہوئے دیکھ کر اسی قہر الٰہی کی تجلی میں حق سبحانہ سے یہ عرض کیا رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارًا کہ اے رب زمین پر کسی کافر کو بسنے کے لیے نہ چھوڑ۔ انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرًا کفارًا کس لیے کہ اگر آپ نے کسی کو چھوڑا تو یہ چلی گمراہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کریں گے ان کا خبیث مرض اوروں تک نہ پہنچ جائے ان سے دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے اور ان کی گمراہی اور کجی جس کا میں نے سیکڑوں برس تجربہ کیا ہے ان کے خمیر میں داخل ہو گئی اصلی فطرت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا اس لیے اگر ان کی نسل اولاد بھی ہوگی تو گندی بوٹی کا گندا شوربا بدکار اور کافر ہی پیدا ہوں گے نہ ان میں ہدایت پانے کا مادہ باقی رہا نہ ان کی نسلوں میں پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو ایسے خار دار ناپاک پیڑ سے باغِ دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے۔

سوال کبھی کافروں بدوں کے گھر نیک اور نیکوں کے گھر شیطان بھی پیدا ہوجایا کرتے ہیں وہاں نطفہ کا اثر کیوں بدل جایا کرتا ہے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کافر وفاجر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ہنوز ان کی اصلی فطرت سالم ہوتی ہے اس لیے کبھی وہ خود بھی ہدایت پا جاتے ہیں اور بوقتِ مقاربت کبھی فطرت کا نور ان پر غالب ہوجاتا ہے حالتِ کفر وفجور کی ظلمت کم ہوجاتی ہے اس لیے اس نطفہ سے نیک اور باخدا لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ ابھی ان کے تخم میں وہ زہر اثر نہیں کرگیا ہے۔ برعکس اس کے کبھی نیک اور باخدا لوگوں پر بعض گناہوں یا ترکِ اولیٰ وغیرہ امور یا حالتِ قبض سے ایک ظلمت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ فضلات کے ذریعہ سے جسم میں سے جلد خروج کرنا چاہتی ہے اس وقت کے نطفے سے بدکردار ناہنجار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایک وجہ ہے ورنہ وہ فاعلِ حقیقی جو چاہتا ہے کرتا ہے رات میں سے دن اور دن میں سے رات نور میں سے ظلمت اور ظلمت میں سے نور زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے وہ اسباب کی رسیوں میں جکڑا ہوا نہیں۔ فافہم فانہ من سوانح الوقت العزیز۔

اس کے ساتھ ہی حضرت نوح علیہ السلام نے جب قہرِ الٰہی کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو اس کی شانِ کبریائی اور بے پروائی سے ڈرے اور ڈرنا چاہیے بھی اور یہی کمالِ ایمان بھی ہے تو اپنے لیے اور اپنے والدین اور متبعین کے لیے یہ دعا کرنے لگے رب اغفر لی کہ الٰہی مجھے بخش دے جو کوئی بشریت سے چوک ہوگئی ہے اس کا انتقام نہ لے ولوالدیّ اور میرے ماں باپ کو بھی۔ اولاد پر حق ہے کہ ماں باپ کے لیے دعائے خیر کرے پہلے آپ مغفور ہولئے کہ دعا مستجاب ہوا اور آپ کے والدین موحد اور باخدا تھے ولمن دخل بیتی مؤمنا اور جو کوئی ایمان لاکر میرے گھر میں آجائے یعنی کشتی میں کس لیے کہ یہ تیری پناہ کی جگہ ہے اور ان کے علاوہ وللمؤمنین والمؤمنٰت اور جس قدر ایمان دار مرد اور عورت ہوں کہیں ہوں اور کسی زمانے میں ہوں سب کو معاف کردے ولا تزد الظٰلمین الا تبارا مگر ظالموں کو تو ہلاک ہی کرڈال یہ بدبخت نہ بچیں۔

ف حضرت نوح علیہ السلام نے تمام مومنوں کے لیے دعائے خیر کی ہے پھر جس طرح ان کی بددعا کفار پر پڑی کوئی نہ بچا اور مقبول ہوگئی تو دعائے خیر کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے لیکن مومن ہونا چاہیے اول ان پانچ ظاہری بتوں سے بچے مگر خانۂ دل میں بھی یہ پانچوں بت موجود ہیں ان کو بھی دور رہے وَدّ تن پروری لذاتِ جسمیہ کی محبت ہے سُواع نفس کی معشوقہ ہے جس کے لیے لذات وعیش و آرام میں غرق ہے اس لیے تکلیف ورنج سے بھاگتا اور تقویٰ واطاعت میں قصور کرتا ہے۔ یغوث اس کے اقارب مادر و پدر و فرزند برادر ہیں جن کی مدد پر بھولا ہوا ہے جن کی دلجوئی میں حکم خدا ورسول کو پس پشت ڈال دیتا ہے برادری کی رسم پر مٹا ہوا ہے۔ یعوق اس کا مال واسباب ہے کہ اس کو زکوٰۃ وصدقات سے روک رہا ہے اور بوقتِ ضرورت مال کی مدد پر بڑا بھروسہ ہے اور خدا سے غافل ہو رہا ہے۔ نسر اس کا شیطان ہے جو حرص وغصہ کے دونوں بازوؤں سے دفعۃً اڑ کر آتا ہے اور نیک وبد کے امتیاز کو کھو دیتا ہے اور وسواس اور خیالاتِ فاسدہ اس کے دل میں ڈال کر ہزاروں برسوں کے اہتمام وانتظام میں لگاکر خدا سے پھینکتا ہے۔ ان پانچوں بتوں سے بھی بچنا چاہیے تاکہ ایمان کامل ہو اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے حصہ ملے۔

ف اکثر مورخین کہتے ہیں کہ طوفان تمام دنیا پر آیا تھا، کس لیے کہ اس وقت دنیا میں بھی بدکاری پھیلی ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے سوا دنیا میں اور کوئی نسل باقی نہیں رہی یہ بھی ایک دلیل ہے۔ اور نیز قرآن مجید کی

انہیں آیات میں لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا۔ آیا ہے کہ زمین پر کسی کافر کو نہ چھوڑ۔ اور نیز کشتی میں ہر ایک چیز کا جوڑا لینا بھی اسی کی دلیل ہے کس لیئے کہ طوفان اگر تمام دنیا پر نہ تھا تو ان چیزوں کی نسل منقطع ہو جانے کا کوئی سبب نہ تھا پھر کشتی میں لینے سے کیا فائدہ تھا؟

رہا یہ شبہ کہ اور ملکوں کے لوگوں کے پاس حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی کس لیئے کہ وہ خاص ایک ملک میں رہے جہان میں پھر کر منادی کرنا ثابت نہیں پھر جب دعوت نہیں پہنچی تو بحکم آیت وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ان کا ہلاک کرنا منافی انصاف و عدالت ہے اور اگر اور قوموں میں بھی نبی آئے تھے تو ان کا کشتی میں سوار ہونا ثابت نہیں پھر وہ کیوں ہلاک ہوئے اور کشتی کے سوا اور کوئی چیز پناہ کے لیے نہ تھی بقولہ ساوی الی جبل یعصمنی من الماء الخ اس کا جواب یہ ہے کہ اور ملکوں میں رسول عقل توحید و مکارم اخلاق کا معلم ضرور آیا تھا اور نیز اس زمانے میں ایسی دور دراز جگہوں میں بنی آدم پھیلے ہوئے بھی نہیں تھے حضرت نوح علیہ السلام کی سیکڑوں برس کی منادی ان تک پہنچنا خیال میں آسکتا ہے اور ممکن ہے کہ ان ایمان داروں میں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے آپ کی طرف سے ان ممالک میں گئے ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں صرف آرمینیا وغیرہ بلادِ ایشیا کوچک میں طوفان آیا تھا یا اس کے آس پاس کے ملکوں میں۔

عام اہلِ اسلام اور یہود و عیسائی سب طوفان کے قائل ہیں لیکن بعض بت پرست قومیں انکار کرتی ہیں۔ ان کا انکار محض قیاسی بات ہے کسی دلیل و حجت پر مبنی نہیں۔ اور اہلِ ہند کی بعض کتابوں سے بھی طوفان کا پتا ملتا ہے جس کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

خدا تعالیٰ مجھے اور میرے والدین اور جمیع ایمان داروں کو اپنے غضب و قہر کے طوفان سے دنیا و آخرت میں بچائے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی میں پناہ دیتا رہے آمین آمین۔

سُورَہ جِنّ

مکیّہ ہے اس میں اٹھائیس ۲۸ آیات دو ۲ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ

(اے رسول) کہدو کہ مجھے اس بات کی وحی آئی ہے کہ کچھ جن (مجھ سے قرآن پڑھتے) سن گئے

الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾

ہیں پھر انہوں نے جا کر کہدیا (اپنی قوم سے) کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے

یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ

جو نیک راہ بتلا رہا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور

لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّہُ تَعٰلٰی

ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے اور ہمارے رب کی

جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا

شان بلند ہے نہ وہ بیوی رکھتا ہے نہ

وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ اَنَّہُ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡہُنَا

اولاد اور ہم میں سے بعض بے وقوف (ایسے بھی ہو گزرے) ہیں جو اللہ پر

عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ

جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم سمجھے ہوئے تھے

اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلَی

کہ انسان اور جن اللہ پر جھوٹی بات نہیں بنایا کرتے

اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾

(اس لیے ہم ان کی باتوں کو مانتے تھے)

ترکیب

اوحی من الایحاء وہو القاء المعنی الی النفس فی خفاء کالالہام وانزال الملک ویکون ذلک فی سرعۃ انہ بالفتح الجملۃ فاعل اوحی والضمیر فی انہ للشان ای اخبرت بالوحی من اللہ عجبا مصدر وصف بہ للمبالغۃ۔ یھدی الخ الجملۃ صفۃ قرانا او حال منہ وانہ تعالیٰ قرء ابن کثیر وغیرہ من اہل البصرۃ بالکسر فی احد عشر موضعًا الیٰ قولہ وانہ لما قام عبد اللہ الا قولہ وان لو استقاموا وان المساجد وانہ لما قام عبد اللہ فانہما من جملۃ الموحی بہ ووافقہم نافع وابو بکر الا فی قولہ وانہ لما قام علی انہ استیناف او مقول وجہ الکسرۃ انہا من جملہ المحکی بعد القول وقرء الباقون بالفتح فی ہذہ المواضع عطفًا علی محل الجار والمجرور فی اٰمنا بہ کانہ قیل صدقنا انہ تعلٰی جد ربنا ای عظمتہ جد فلان فی عینی اذا عظم او سلطانہ او غنائہ ما اتخذ الجملۃ بیان لتعلی جد ربنا ولیس المراد بالجد اب الاب وانہ کان اسمہا سفیھنا ویقول خبرہ ویجوز ان یکون سفیھنا فاعل یقول والجملۃ خبر کان واسمہا ضمیر یرجع الی الحدیث او الامر ویجوز ان تکون کان زائدۃ والشطط الغلو فی الکفر وقیل الکذب واصلہ البعد عن القصد کذبا انتصابہ علی المصدریۃ لانہ فرع من القول او علی انہ وصف لمحذوف ای قولًا مکذوبًا فیہ ومن قرء تقول بالتشدید کیعقوب جعلہ مصدرًا لان التقول کذب۔

تفسیر

قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی، یہی ابن عباسؓ وعائشہؓ وابن زبیرؓ کا قول ہے اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے۔

سورۂ نوح میں یہ بات بتلائی گئی تھی کہ نوح علیہ السلام نے سیکڑوں برس وعظ و پند کیا مگر چند اشخاص کے سوا اس شقی قوم نے نہ مانا آخر ہلاک ہوئی۔ اب اے قریش تم جو نہیں مانتے اور عذاب کے خواستگار دلیری سے ہوتے رہو جیساکہ سورہ نوح سے پہلے سورۂ سأل سائل میں بیان ہوا تھا یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہمارے پیغمبر کی تعلیم میں قصور ہے بلکہ استعداد کا فتور ہے، ورنہ چند جنوں نے حضرتؐ سے قرآن مجید سُنا جب کہ ایک بار صبح کے وقت نماز میں آپؐ پڑھ رہے تھے اور جنوں کا گزر ہوا انہوں نے سُن لیا سنتے ہی ایمان لے آئے اور قرآن کی خوبی کے قائل ہوگئے، اپنے عیوب کا اقرار کرلیا اور اپنی قوم میں جاکر اسلام لانے کی ترغیب دی حالانکہ نہ ان کو ہمارے نبیؐ سے صحبت تھی نہ ہم جنس تھے عادات بھی جنوں کی سخت اور ہٹ کی ہوتی ہیں تم ہم قوم ہم زبان ہم صحبت اور انسان ہوکر نہیں مانتے۔ اور لطف یہ کہ تم جنوں کو پوجتے اور ان سے مدد مانگتے ہو انہوں نے مان لیا جو تمہارے استاد تھے، تم نہیں مانتے افسوس ہے۔

شانِ نزول

اس سورت کی شانِ نزول میں امام احمد اور ترمذی اور بخاری و مسلم وغیرہ کبار محدثین نے مختلف طرق سے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن کا خلاصہ مطلب مع اس تشریح کے جو کتب سیر میں ہے یوں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں قریش کو مکہ میں سمجھایا اور ان کی سختیوں کی بڑے استقلال سے برداشت کی اور بجز چند لوگوں کے ایمان نہ لائے (اسی لیے سورۂ نوح میں حضرت نوح کا قصہ سنا کر اطمینان دلایا گیا) تو یہ خیال کیا گیا کہ یہ نہیں مانتے چلو باہر کے لوگوں کو نصیحت کریں اس غرض سے پہلے طائف تشریف لے گئے وہاں کے سردار عبد یالیل و مسعود و حبیب یہ تین شخص تھے یہ تینوں بدسلوکی سے پیش آئے اور آپؐ کو اپنے شہر سے نکال دیا۔

تب آپؐ نے عکاظ کا قصد کیا (یہاں ایک پینٹھ یا منڈی لگا کرتی تھی جہاں عرب کے مختلف ملکوں کے لوگ باہم خرید و فروخت کیا کرتے تھے) آپؐ رستہ میں بمقام نخلہ ٹھیرے اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھانے کھڑے ہوئے شہر نصیبین کے نَو جن جو اس تلاش میں نکلے تھے کہ ان پر آسمانی خبریں بند ہونے کا کیا سبب ہے یہاں بھی آنکلے آپؐ سے قرآن سُن کر ششدر رہ گئے اور کان اور دھیان لگا کر سننے لگے۔ جب سُن چکے تو کہنے لگے واللہ یہی چیز ہے جس سے ہم کو اوپر رسائی نہیں ہوتی[لہ]۔ یہ خود بھی ایمان لائے اور اپنی قوم کو جا کر ہدایت کی ؎

اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا ہے۔ اور سورۂ احقاف میں بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ تھا بقولہ واذ صرفنا الیك نفرا من الجن یستمعون القرآن۔

اس کے بعد پھر ان جنوں کی قوم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ میں آئی اور آپؐ عبداللہ بن مسعودؓ کو لے کر شب کو جنگل میں گئے اور ان لوگوں کو رات بھر تعلیم و تلقین کرتے رہے۔ پھر ایک بار مدینہ منورہ میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے ؎

فقال قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن اے محمد! کہہ دیجیے کہ مجھے وحی سے بتایا گیا کہ چند جن قرآن سن گئے فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہ اور سن کر اپنی قوم سے کہنے لگے ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے کہ کوئی بشر و جن ایسا کلام بنا نہیں سکتا وہ راہِ حق بتاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے۔

وجودِ جنّ میں کلام

ف وجودِ جن میں اکثر اختلاف رہا ہے اکثر فلاسفہ انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک خداوند تعالیٰ کی مخلوقات کا کارخانہ محسوسات میں ہی تمام ہے جس چیز کو وہ حواسِ خمسہ سے دریافت نہیں کر سکتے ان کے نزدیک محض خیالی چیز ہے اس کا وجود خارج میں نہیں۔ آج کل کا فلسفۂ یورپ بھی اسی کا قائل ہے، اور ان کے بعض مقلد مسلمان بھی اسی کے قائل ہیں اور اس قسم کی آیات کی تاویلات کرتے ہیں اور اس کا نام ان کے نزدیک تفسیر دانی اور قرآن فہمی ہے، مگر یہ بہت کوتاہ خیالی ہے کس لیے کہ ان فلاسفہ کا ایک بڑا گروہ طبعی اور مادی ہے جو خدا تعالیٰ کا قائل نہیں اور عالم کے تمام کائنات کواکب و آفتاب نباتات و حیوانات کو مادہ اور اس کی حرکت کے آثار بتلاتے ہیں۔ مذہب آریہ آخر کار اسی طرف بہہ کر آجاتا ہے لیکن ان سے جب مادہ کی حقیقت دریافت کی جاتی ہے تو وہ ایسے اجزاء صغارہ بتلاتے ہیں جو آج تک نہ کسی کہربائی آلہ سے دریافت ہوئے نہ کسی خوردبین سے دیکھے گئے، پھر یہ مادہ جو ان کے نزدیک خالق ہے کس حواسِ خمسہ سے محسوس ہوا ہے یا ہو سکتا ہے۔

بعض حکما غیر محسوس موجودات کے قائل ہوئے ہیں اور قدما کا ایک گروہِ عظیم وجودِ جن کا قائل ہوا ہے یہ اور اصحابِ روحانیات جن کو ارواحِ سفلیہ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ارواحِ سفلیہ جلد قبول کرتی ہیں مگر ضعیف ہیں برخلاف ارواحِ فلکیہ کے کہ وہ دیر میں قبول کرتی ہیں مگر قوی ہیں اسی طرح کل اہلِ مذاہب اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے ماننے والے اہلِ اسلام و عیسائی و یہودی بلکہ ہنود وغیرہ جن کے

لہ اس کی حفاظت کے لیے خدا نے جنوں کو اوپر سے باتیں لا کر کاہنوں سے کہہ دینے سے بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ بھی کوئی آیت سن کر اس میں کچھ ملا کر کسی سے نہ کہہ دیں اور وہ لوگ قرآن کے برابر بنانے کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں ۱۲ منہ

قائل ہیں ہر ایک کی زبان میں جن کا ایک نام ہے۔ انجیل موجود میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جنوں کا مریض میں سے نکالنا مذکور ہے۔

پھر جو وجود جن کے قائل ہیں ان کے دو قول ہیں۔

اوّل قول یہ کہتے ہیں کہ جن اور ملائکہ نہ اجسام ہیں نہ اجسام میں حلول کیے ہوئے ہیں بلکہ جواہر ہیں جو بذاتِ خود موجود ہیں پھر ان کے مختلف انواع واقسام ہیں بعض رذیل خسیس شر وآفات کو پسند کرنے والے ہیں ان کی بہت اقسام ہیں جن کو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی جان نہیں سکتا وہ افعال قویہ کر سکتے ہیں علم رکھتے ہیں دیکھتے سنتے ہیں۔

دوسرا قول یہ کہ جن بھی اجسام ہیں مگر اجسامِ لطیفہ ہیں لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے مگر وہ خود جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ پھر بعض کا مادہ اجزاء ہوائیہ ہے بعض کا ناریہ۔

پھر اس مادّہ کے لحاظ سے بعض اقسام بالذات نیک اور عابد ہیں کہ جن پر فرشتہ یا ملک کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور بعض گندے اور سرکش اور ناپاک ہوتے ہیں جن پر شیطان کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور بعض میں خیر وشر دونوں کی صلاحیت ہے اور وہ بعض اوقات بنی انسان سے مجامعت ومجالست بھی کرتے ہیں۔

بعضے کہتے ہیں بنی آدم کی ارواح مرنے کے بعد جو کثافت کی وجہ سے عالمِ قدس تک نہیں پہنچتیں وہ جنوں میں مل جاتی ہیں ایسی ہی ناپاک روحیں لوگوں کے سروں پر آتی ہیں اور ادھر اُدھر کی خبریں بھی اپنے نذر ونیاز کرنے والوں کو دیا کرتی ہیں۔

ف ۲ جن کا وجود حیوان اور ملائکہ میں ایک برزخ ہے اسی لیے ان میں دونوں کی باتیں پائی جاتی ہیں تشکل باشکالِ مختلفہ وتدبیراتِ کلیہ وفہم وشعور حسن وقبح امور دقیقہ کا ملائکہ کا وصف ان میں ہے اور اسی لیے وہ بھی مکلف ہیں اور کھانا پینا وجماع وغصہ حیوانات کے اوصاف ان میں ہیں اور اسی لیے ان کی عمر طبعی بھی ہوتی ہے مرتے بھی ہیں بیمار بھی ہوتے ہیں، توالد وتناسل بھی ہوتا ہے جن گویا عالم ملائکہ کا سفلی سطح ہے اکثر بنی آدم اس سطح سفلانی میں اٹک گئے اور اس پردہ کو پھاڑ کر اوپر تک ان کی عقل کو پرواز نہ ہوئی اسی لیے بنی آدم نے ان میں سے عمدہ جنوں کو اپنا معبود بنا لیا اور ان سے حاجات میں مدد طلب کرنے لگے اور بعض حوادثِ آئندہ کی ان سے خبریں دریافت کرنے لگے۔ اکثر عرب کے جاہل اس اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو ہنود وغیرہ مشرک قومیں اس وادیٔ ضلالت میں ٹکریں مارتی رہی ہیں بلکہ بعض جاہل مسلمان بھی اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، بعض جنوں کا نام سیدا اور بعض کا پیر اور بعض کا پریاں اور کسی کا شیخ سدّو کسی کا زین خاں کسی کا ہنومان کسی کا بھیروں رکھ چھوڑا ہے ان کی نذر ونیاز اور پرستش کے طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں ان کو نافع وضار سمجھتے ہیں ان سے حاجات طلب کرتے غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے ہیں اور عرب میں تو رات دن انہیں کے کرشمے پائے جاتے تھے اور وہ جن بھی طرح طرح کی تدابیر اپنی حکومت ثابت کرنے کے لیے کرتے تھے کبھی بتوں کے اندر سے آوازیں دیتے تھے اور باتیں کرتے تھے کبھی کسی درخت میں سے بول اٹھتے تھے اور کہیں کسی کے سر پر آکر دور و دراز کی باتیں بتاتے تھے اور کبھی کسی مشکل کام کے لیے وہ لوگ اپنی چوکی چڑھاتے اور بکرا ذبح کرتے تھے خصوصاً دشمنوں کے مقابلے کے وقت اور بیماری یا وبا کے دفع کرنے کے وقت اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ آکر ہماری اس کام میں مدد کریں گے اور ان کے خیال کے موافق کبھی کچھ ظہور بھی ہوتا تھا اور کبھی ان کے مخالف کو کچھ مضرت بھی پہنچ جایا کرتی تھی۔ وید کے اشلوکوں میں دیوتاؤں کی مدح اور منتر اور ان کے یگ کرنے کے طریقے

جو مذکور ہیں خصوصاً فتح و نصرت ارزانی و بارش و دفع مرض و کثرت اولاد و مال کے لیے وہ یہی باتیں ہیں ہاں یہ فرق ہے کہ ان کے جنوں کے نام ان کی زبان میں اور تھے اور غیر مرئی ارواح کو جو ہر جزو عالم پر موکل سمجھتے تھے جن کو شرع میں ملائک کہتے ہیں پوجتے تھے اور ستاروں اور آفتاب کو بھی۔ اور کبھی وہ جن کاہنوں کے سر پر آکر کلام مسجع میں غیب کی خبریں بھی دیا کرتے تھے اور شعراء کے دل پر مضامین کے القاء کرنے میں مدد کرتے تھے۔

الغرض اس طوفان بے تمیزی میں دنیا میں ڈوبی ہوئی تھی اور ارواحِ بشریہ کی ترقی روحانی میں یہ پتھر حائل تھا اب خدائے پاک کی رحمت نے جلوہ کیا اور دنیا کو اس ورطۂ ضلالت سے بچانا چاہا تو برِ عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ کی بعثت سے کسی قدر اول ہی ان جنوں کی بادشاہی چھین لی اور ان کے کرشموں کو روک دیا۔ اور جب آفتاب جلوہ گر ہونے کو ہوتا ہے تو رات کے چور صبح صادق سے پہلے چھپنے لگتے ہیں اس لیے جنوں پر عالم بالا کے اسرار بند کیے گئے۔ اب جو اوپر جاتے ہیں شہابِ ثاقب سے مار کر نکالے جاتے ہیں اپنے کاہنوں کو کوئی خبر نہیں لا کر دیتے بلکہ شرمندگی کے مارے ان کے پاس آنا بھی کم کر دیا ادھر جہاں جہاں ان شیاطین کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے وہاں سے بھی الوداع الوداع کہہ کر چلنے لگے، چنانچہ صحیح روایات سے یہ ثابت ہوا ہے صحیح بخاری وغیرہ کتابوں میں موجود ہے کہ عمر بن الخطاب رض فرماتے ہیں ایام جاہلیت میں اپنے بتوں کے پاس میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آکر بت پر گائے ذبح کی جو اس کی نذر کے لیے لایا تھا۔ اُس بت کے پیٹ میں سے یہ آواز اس درجہ بلند ہوئی کہ سب نے سُنی وہ کہتا تھا یا جلیح امر نجیح رجل یصیح یقول لا الٰہ الا اللہ (اے مرد قوی ایک بات پیش آئی کہ جس میں کامیابی ہے کہ ایک شخص بآواز بلند کہہ رہا ہے لا الٰہ الا اللہ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا) امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سُن کر بھاگ گئے میں وہیں بیٹھا رہا کہ اس آواز کی حقیقت دریافت کروں دوبارہ پھر وہی بلند آواز پیدا ہوئی تیسری بار پھر وہی آواز بلند ہوئی یہاں تک کہ میں حیرت میں تھا کہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ اس جگہ ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے وہ لوگوں کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ تعلیم فرماتا ہے۔

اسی طرح مجاہد نے دوسرے شخص کا واقعہ نقل کیا ہے۔

اسی طرح بیہقی نے سواد بن قارب کا قصہ نقل کیا ہے کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا یار تھا اخبارِ آئندہ مجھے بتلایا کرتا تھا میں لوگوں سے کہتا اور خوب چڑھاوا آتا تھا۔ ایک رات میرے خواب میں آکر کہا اٹھ اور ہوشیار ہو، اگر کچھ شعور ہے، ایک پیغمبر لوئی بن غالب کی نسل سے پیدا ہوا ہے[1] پھر اس نے یہ چند اشعار پڑھے ؎

عجبت للجن وارجاسھا
وشدھا العیس باحلاسھا
تھوی الی مکۃ تبغی الھدیٰ
ما مومنوھا مثل ارجاسھا
فانھض الی صفوۃ من ھاشم
واسم بعینیک الی راسھا

مجھے جنوں کے حال سے اور ان کے اضطراب سے تعجب آتا ہے؛ اور ان کے اونٹوں پر سفر کے لیے کاٹھی باندھنے سے بھی تعجب ہے۔

مکہ کی طرف جاتے ہیں ہدایت کے لیے؛ ان کے ایماندار ان کے ناپاک لوگوں کے برابر نہیں۔

تو اٹھ برگزیدہ بنی ہاشم کی طرف؛ اور اپنی دونوں آنکھیں اس قبیلہ کے سردار کی طرف اٹھا۔

[1] یہ جن اسلام لے آیا تھا ۱۲

سواد کہتے ہیں برابر تین راتوں مجھے یہی معاملہ پیش آیا۔ آخر مکہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں آکر مشرف باسلام ہوا۔ اسی طرح اور بھی روایات ہیں۔

ف جب جنوں پر عالم غیب کا رستہ بند ہوا اور وہ اس کی تحقیق میں نکلے اور آپ کا قرآن پڑھنا سن کر ایمان لائے اور اس کے بعد جو کچھ انہوں نے کہا ان باتوں کو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا کر کفار مکہ اور عرب کے جاہلوں عجائب پرستوں کو آپ کی نبوت کا اطمینان اور ان کے خیالات کا بطلان کرتا ہے بچند وجوہ۔

(۱) یہ کہ کفار مکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ خیال اور بدگمانی کرتے تھے کہ ایسا عمدہ کلام جو اس سے صادر ہوتا ہے جس کی مثل کوئی بنا نہیں سکتا' اس کو کوئی بڑا فصیح و بلیغ جن تعلیم کرتا ہے' کس لیے کہ کاہنوں کو ایسی تعلیم جن کرتے تھے اور مقفّٰی و مسجع کلام میں خبریں دیا کرتے تھے' اس لیے آپ کو کاہن کہتے تھے۔ اب اس سورت میں بتلایا گیا کہ جن کیا تعلیم کریں گے وہ تو خود اس کی خوبی پر ایمان لا کر یہ کہتے ہیں انا سمعنا قرانا عجبا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہ۔

اور نیز آگے چل کر جنوں کی ہجو اور ان کی پرستش و نذر و نیاز کی مذمت اور ان کا مخلوق الٰہی ہونا اور اس کے بس میں ہونا وغیرہ وہ باتیں بیان ہیں جو جنوں کے خلاف ہیں' پھر اگر آپ کو جن تعلیم کرتا تو کیا جن اپنی برائی اور مذمت آپ کرتا' اس لیے یہ شبہ بھی بے اصل ہو گیا کہ ہم کو کیوں کر معلوم ہو کہ جن ایمان لائے اور انہوں نے یہ کلام کیا۔ کس لیے کہ اگر یہ کلام بھی جن کا ہے یعنی سورۂ جن تو جن ایسی باتیں اپنی نسبت کہہ نہیں سکتے اور اگر جن کا نہیں تو آپ کاہن نہیں پھر کیا وجہ کہ اس کی مثل بھی تم اور تمہارے مددگار جن نہیں لا سکتے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ کلام منزّل من اللہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام القا کرتے ہیں۔

(۲) کہ جنوں کی پرستش اور ان کی نذر و نیاز سب لغو ہے' ان کا کچھ بھی خدائی کارخانہ میں حصہ نہیں' خود جن اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔

(۳) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نہ صرف آدمیوں کے لیے ہے بلکہ جن بھی کہ جن کی پرستش اور مدد پر مشرکین نازاں ہیں آپ کی زنجیر اطاعت میں بندھے ہوئے ہیں۔

ف اس کے بعد اور جنوں کے کلمات نقل کر کے جن پرستوں کو متنبہ کرتا ہے فقال ولن نشرک بربنا احدا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ جن بھی مشرک تھے بعض کاملوں کو جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام یا بعض جن بعض جنوں کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار اور خدائی میں دخیل سمجھتے تھے اسی لیے اس کے بعد اس کی تفصیل کرتے ہیں وانہ تعالٰی جد ربنا کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے ما اتخذ صاحبۃ ولا ولدا نہ اس نے کسی کو جورو بنایا ہے نہ اولاد کس لیے کہ یہ باتیں عجز و حدوث پر دال ہیں اور اس کی شان بلند کے منافی ہیں۔

اس کے بعد اپنے اعتقادات سابقہ کی (جو لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے) لغویت بیان کرتے ہیں وانہ کان یقول سفیھنا علی اللہ شططا کہ جن کو ہم پہلے عقل مند اور دانا سمجھ کر ان کی باتوں پر یقین کرتے تھے اور جو کچھ وہ حق سبحانہ کی نسبت زن و فرزند ہونے کی روایت کرتے تھے اس کو برحق جانتے تھے اب معلوم ہوا کہ وہ احمق اور نادان خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولتے اور غلط باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم نے ان کی باتوں کو کسی دلیل و برہان سے برحق نہیں سمجھ رکھا تھا بلکہ محض تقلید باطل سے بایں طور کہ و انا ظننا ان لن تقول الانس والجن علی اللہ کذبا

ہم سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی آدمی اور کوئی جن خدا پر جھوٹ نہیں کہتا' اس اعتقاد اور اس سادہ لوحی نے ہم کو گمراہ کر رکھا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ سیکڑوں آدمی اور جن اللہ پر جھوٹے ڈھکوسلے بناتے اور اپنی عاقبت برباد کر کے اوروں کی عقبیٰ بھی تباہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں اس سادہ لوحی اور خوش اعتقادی نے دنیا کو شرک و غلطی و تخیلات پرستی میں مبتلا کر رکھا تھا' اگر اب کسی بت پرست و فال و شگن و ارواحِ غیر مرئیہ کے پوجنے والے سے پوچھیں گے کہ کون سی دلیل اور برہان تمہارے حق پر ہونے کے لیے ہے تو ہر پھر کر آخر کار یہی کہیں گے ہمارے اگلے یوں کرتے اور کہتے آئے ہیں' اگر یہ باتیں غلط ہیں تو وہ کیا اللہ پر جھوٹ بولتے تھے' اور ایسا ہم ان کو نہیں سمجھتے۔ آفریں ہے ان صاحبوں پر کہ جن کے دماغ نے ایک صحبتِ ہادیٔ برحق سے ایسی ترقی کی اور افسوس ہے ان عقلمند آدمیوں پر کہ وہ اس اندھیرے گڑھے سے باہر نہیں نکل سکتے۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ
اور کچھ آدمی جنوں کے مردوں
يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ
سے پناہ لیا کرتے تھے اس نے تو ان کا اور
رَهَقًا ۝ ۶ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ
بھی مغز چلا دیا اور وہ بھی سمجھے ہوئے تھے جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے
اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝ ۷ وَّاَنَّا
کہ اللہ ہرگز کسی کو (رسول بنا کر) نہ بھیجے گا اور ہم نے
لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ
آسمانوں کو ٹٹول دیکھا تو مضبوط نگہبانوں اور شہابوں
حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ ۸ وَّاَنَّا
(دہکتے انگاروں) سے بھرا ہوا پایا اور ہم
كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ
(پہلے) تو آسمانوں کے ٹھکانوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے
فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا
پھر اب جو کوئی سننے کا قصد کرتا ہے تو اپنے لیے تارا انگارا تاک لگائے
رَّصَدًا ۝ ۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ
پاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ
اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ
اسے زمین والوں کے لیے برائی مقصود ہے یا
اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ ۱۰
ان کے رب نے ان سے کوئی بہتری کرنا چاہا ہے

ترکیب

رہقا کبرا و عتوا مفعول ثان لزادوا والرہق فی الاصل غشیان الشئی وانہم من کلام الجن بعضہم لبعض او استیناف من اللہ سبحانہ ومن فتح ان فیہا جعلہما من الموحی بہ ان لن الجملۃ ساد مسد مفعولی ظنوا للسمع صلۃ لنقعد او صفۃ لمقاعد۔

تفسیر

اس طوفانِ بے تمیزی میں آدمیوں کی پرستش سے جنوں کے مغز چل گئے خدائی کے دعوے کرنے لگے وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رہقا کہ بہت سے انسانوں کے مرد[1] جنوں کے مردوں سے

[1] لفظِ مرد میں ایک لطیف سی تعریض ہے کہ جب اپنے مثل کو پوجا تو مردانگی کو کھو دیا۔ مردوں کی یہ باتیں نہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

پناہ مانگا کرتے تھے اس نے ان کی اور بھی سرکشی اور غرور و نخوت بڑھادی۔

اس پناہ مانگنے اور مدد طلب کرنے کے کئی طریقے عرب میں مروج تھے۔

اول یہ کہ جب کسی کو کوئی مرض لاحق ہوتا اس کو جن و پری کی نظر بد کا اثر سمجھ کر اس کے لیے کھانا عمدہ پکاتے اور خوشبو شامل کرتے اور بخور جلاتے اور وہاں جاکر رکھتے جہاں ان کو جنوں کے گزرنے کا گمان ہوتا تھا تاکہ اس رشوت و نذرانہ میں وہ تکلیف نہ پہنچائے۔ اب بھی ہند کے جاہل کھانا پکا کر کہیں چوراہوں میں کہیں دریا پر کہیں کسی قبر پر کہیں کسی درخت تلے رکھواتے ہیں جس کو اُتارا کہتے ہیں، اور ایسے صدقات کے لیے برہمنوں نجومیوں پنڈتوں سیانوں ملاؤں تعویذ گنڈے والوں کا ارشاد ہوا کرتا ہے۔

دوم یہ کہ مشکل کے وقت ان کے نام کو جپتے اور وظیفہ بنا کر پڑھتے اور نذر و نیاز اور بخور وغیرہ شرائط کو عمل میں لاتے ایسا کرنے سے وہ سمجھتے تھے کہ یہ مشکل وہ دیوتا آسان کر دے گا۔ پیر اور موکلات کے حاضر کرنے کے لیے اب بھی بڑے بڑے ڈبل لوگ بجائے مراقبہ و اذکار الٰہی کے "یا دردائیل و یا رفتائیل" دریا یا جنگل میں بیٹھ کر ہزاروں بار پڑھتے ہیں اور جو کوئی شیطان حاضر ہو جاتا ہے تو اس کو فوز المرام جانتے ہیں۔

سوم جب کسی آیندہ آنے والی بات پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی تو کاہنوں[1] کے پاس جاکر ان کے محامد کے منتر پڑھواتے نذر و نیاز مینڈھا بکرا چڑھاتے تب وہ ان کاہنوں کے سر پہ آکر وہ باتیں بتلاتا تھا۔

چہارم جب کسی سفر میں ہوتے اور کسی جنگل و بیابان میں اُترتے تھے تو اس وادی کے جنوں سے پناہ چاہتے اور یوں باواز بلند کہتے "اعوذ بسید ہذا الوادی من شر سفہاء قومہ" تاکہ ان کے چھوٹے لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں۔

اور بھی بہت طریقے تھے، ان سب باتوں کو اسلام نے ممنوع کر دیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اللہ ہی کی پناہ مانگا کرو وہی نذر و نیاز کے قابل ہے مالی اور جسمانی عبادتیں اسی کو ہیں اس کے حکم بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہلا سکتا۔ پھر تھوڑے دنوں میں بر عرب ان سب اوہام پرستی کی نجاستوں سے پاک و صاف ہو گیا۔

جنوں کا مادہ ناری یا ہوائی ہے اس لیے علو و تکبر ان کی طینت میں داخل ہے، ایسے اعمال و نذر و نیاز او منتروں سے وہ اترا کر ان کے کام کرنے میں کوشش کرتے ہیں تاکہ ہماری عظمت و وقعت بنی آدم کے دلوں سے نہ نکلے و یہ اسی لیے لوگوں کے ذہنوں میں سیکڑوں مکر و حیلوں سے اپنی عظمت بٹھاتے ہیں کبھی اپنے آپ کو اولیاء و انبیاء کی ارواح طیبات میں محسوب کرتے ہیں اور ان کے نام بتاتے ہیں کہ میں فلاں بزرگ ہوں یا فلاں شخص ہوں تاکہ لوگوں کو اعتقاد پیدا ہو اور پھر رفتہ رفتہ اپنی خباثت ظاہر کرتے ہیں۔ اور کبھی کسی مردہ شخص کا نام اپنا نام رکھ کر اس کے گھر کی خبریں بتلاتے ہیں تاکہ ثواب و عقاب اُخروی کا اعتقاد دلوں سے زائل ہو جائے اور جان لیں کہ مرکر یوں ہی اسی دنیا میں سیریں کرتے پھرا کرتے ہیں جس کے سر پر چاہتے ہیں آتے ہیں اسی بات کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہے

وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا

اور ان جنوں نے سمجھ رکھا تھا جیسا کہ اے مخاطب تم نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ اپنے مثلوں کے غلام اور بندے ہو جائیں۔ یہ نامردی اور زنانہ پن ہے ۱۲ منہ

[1] کاہن بھوت بڈار حاضرات کرنے والے چڑیلوں پریوں کو بلانے والے ۱۲ منہ

سمجھ رکھا ہے کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا یعنی حشر و نشر کچھ نہیں ہیں مگر روحیں پھرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ یہ بھی انہیں جنوں کا مقولہ ہے' اپنی قوم سے خطاب کرکے کہہ رہے ہیں کہ جیسا تمہارا عقیدہ حشر کی بابت ہے کہ کچھ نہیں ایسا ہی ان جنوں کا بھی تھا جن کو بنی آدم پوجتے اور ان سے پناہ مانگتے تھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں ان لن یبعث اللہ احداً کے یہ معنی کہ خدا کسی پیغمبر کو حضرت موسیٰ کے بعد مبعوث نہ کرے گا کہ وہ آکر ان جاہلانہ خیالات سے پاک کرے ہماری خدائی ہمیشہ یوں ہی بنی رہے گی۔ یہی جہالت کی گھٹائیں بنی آدم پر چھائی رہیں گی۔

یہاں تک تو ان ایماندار جنوں کا کلام اپنی قوم کے سامنے توحید و حشر کے مسئلہ میں تھا اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کرنے کے لیے ایک نئی تمہید بیان کرتے ہیں تاکہ قوم بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے فقالوا وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرساً شدیداً کہ ہم نے آسمان جا چھوا یعنی اسرارِ آسمانی کی بہت تلاش کی اور بہت بلند اڑ کر گئے گویا کہ آسمان کو چھو لیا اور وہاں تک پہنچ گئے تو وہاں بے شمار پہرے چوکی والے پاسبان پائے جو اسرارِ آسمانی سننے سے منع کرتے ہیں وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع اور اس سے پہلے تو ہم اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا بیٹھتے اور آسمانوں کے ملائکہ کی باتیں سنتے اور کاہنوں کو لاکر دیتے اور اپنی غیب دانی اور خدائی کا سکہ جمایا کرتے تھے فمن یستمع الاٰن یجد له شهاباً رصداً پھر اب جو کوئی سننے کے لیے جاتا ہے تو اپنے لیے ایک انگار تیار اور نگہبان پاتا ہے جو اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔

حاصل یہ کہ پہلے تو یہ حال تھا کہ عالم بالا کے اسرار ہم حاصل کر لاتے تھے اور اب یہ دروازہ بند ہو گیا یہ ایک بڑا حادثہ ہے وانا لا ندری اشر ارید بمن فی الارض ام اراد بهم ربهم رشداً اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے خدا نے اپنے بندوں کی بھلائی چاہی ہے یا برائی۔ اس بات کو فہم مخاطبین پر چھوڑ کر یہ کہلانا منظور ہے کہ خدا نے بندوں کی بہتری چاہی ہے کہ جنوں کے بے جا تسلط اور باطل خدائی کو پست کرکے ایک ایسے شخص کو برپا کیا ہے جو نور و ہدایت کی جہاں افروز شمع ہاتھ میں لے کر اٹھا ہے۔ جنوں کے لیے اس سے بڑھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اور کوئی دلیل ہو نہیں سکتی کہ انہوں نے آسمانی اسرار کا بند ہونا وغیرہ امورِ بظہورِ نبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود دیکھ لیا۔

اس کلام میں طریقۂ ادب کہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ شر کی نسبت خدا پاک کی طرف نہیں کی بلکہ صیغۂ مجہول بولا گیا اور رُشد کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ بندوں کی رہ نمائی اور بہتری چاہا کرتا ہے اور شر کے مقابلے میں خیر ہونا چاہیے تھا مگر خیر عام تھی اس کا جو فردِ کامل یہاں مقصود تھا اسی کو ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ اصل خیر رشد ہے۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ
اور یہ کہ کچھ تو ہم میں سے نیک ہیں اور کچھ اور طرح
ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ ⑪ وَّ
کے ہم بھی مختلف طریقوں پر تھے اور
اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی
(اب) ہم سمجھ گئے کہ ہم اللہ کو زمین پر نہ تھکا
الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ ⑫ وَّاَنَّا
سکیں گے اور نہ ہم اللہ سو بھاگ کر جا سکیں گے اور یہ کہ
لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ
جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے پھر جو
یُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ
اپنے رب پر ایمان لے آیا پھر نہ اس کو نقصان کا ڈر رہے گا اور

لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ

نہ ظلم کا　　اور کچھ تو ہم ہیں سے فرماں بردار ہیں

وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ

اور کچھ نافرمان　　پھر جس نے مان لیا

فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا

تو انہوں نے اچھا رستہ تلاش کرلیا　　اور جو

الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

نافرمان ہیں　　تو وہ　　جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ترکیب

القِدد القطعۃ من الشئ وصار القوم قددا اذا تفرقت احوالہم والمعنی کنا ذوی طرائق قددا او کانت طرائقنا طرقا قددا فی الارض ای کائنین فی الارض حال من الفاعل ھربًا مصدر فی موضع الحال ای ولن نعجزہ ہاربین فلایخاف الجملۃ جواب الشرط وہو فمن فالجملۃ "جواب ولولا ذاک لقیل لایخف۔

تفسیر

اب مسئلہ نبوت کی بابت ایک عمدہ پیرایہ سے تقریر کرتے ہیں۔

(۱) وانا منا الصّٰلحون ومنا دون ذٰلک کنّا قددا کہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور بد بھی مختلف طریقوں کے لوگ ہیں کہ اس کا فیصلہ کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پہ بجز نبوت اور الہام الٰہی کے کون کر سکتا ہے۔

(۲) وانا ظننا ان لن نعجز اللہ فی الارض ولن نعجزہ ھربًا کہ ہم کو یقین ہوگیا ہے کہ جنّ گو قوی اور زبردست اور جاہل دماغ انسانوں پر حکمراں ہیں مگر خدا تعالیٰ کے آگے کچھ حقیقت اور زور نہیں رکھتے صرف آسمانی رازہی کے بند کرنے پر دیکھ لیا کہ کسی کی تدبیر اور زور کارگر نہ ہوا' اوپر چڑھتے ہیں تو انگارے برستے ہیں' پھر جو ہم نے اس کے طریقہ کا خلاف کیا اور ہم پر اس کا قہر نازل ہوا تو ہم اس کے بس سے نہیں نکل سکیں گے اور نہ بھاگ کر کہیں پناہ گزیں ہو سکیں گے، اس لیے نبی آخر الزمانؐ کا ماننا ضرور ہوا۔ اب اے قوم تم مانو یا نہ مانو' لیکن وانا لما سمعنا الھدٰی اٰمنا بہٖ ہم نے جب ہدایت یعنی قرآن سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے فمن یؤمن بربہٖ فلا یخاف بخسا ولا رھقًا پھر جو تم سے بھی کوئی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا تو اس کو دنیا و آخرت میں کسی نقصان کا خوف نہ رہے گا نہ اس کو خداوندی انتقام و سزا کا ڈر باقی رہے گا۔

اب رہی یہ بات کہ قوم کی حالت یکساں ہے "تاکہ عذاب و ثواب میں یکساں سمجھے جائیں سو یہ تو ہرگز نہیں کس لیے کہ انا منّا المسلمون ومنّا القاسطون کہ ہم میں سے اس کے فرماں بردار بھی ہیں اور جفا کار بھی ہیں پھر دونوں مساوی کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

بہر طور قوم میں سے ایک گروہ پر مصائب دنیا و آخرت کا نازل ہونا یقینی ہے پھر اس کے بچاؤ کا اور اس کی عدالت سے رستگاری کا یہی قانون ہے کہ فمن اسلم فاولٰئک تحروا رشدًا کہ جو ایمان لے آیا اور اس کا حکم بردار ہوگیا تو اس نے دنیا و آخرت کے لیے عمدہ رستہ تلاش کرلیا اور ہر ایک

ؔ اس لیے کہ جن جنوں کو تم پوجتے مانتے ہو جب ان کا یہ حال اور یہ مقال ہے تو تم ان کے گھمنڈ اور بے جا زور دں پر کیوں تکیہ کر کے گمراہی میں پڑے ہو اور ان کو پکارتے ہو اور پیغمبر پر ایمان نہیں لاتے توحید کا لباس نہیں پہنتے ۱۲

مصیبت سے بچنے کے لیے امنِ الٰہی کا مستحکم قلعہ ڈھونڈ لیا و اما القاسطون فکانوا لجھنم حطبًا اور جو جفا کار بدکار رہے ایمان نہ لائے آخر وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ف ۱ پہلے جو منّا الصّٰلحون ومنّا دون ذٰلک کہا وہ اسلام سے پہلے کی حالت بیان تھی کس لیے کہ اسلام سے پہلے بھی نیک و بد ہو سکتے ہیں کیوں کہ ظلم و بدکاری کی برائی عاقل عقل سے بھی دریافت کر سکتا ہے، اور لطف یہ کہ صٰلحون کے مقابلہ میں دون ذٰلک سے اشارہ مہذبانہ الفاظ میں کر دیا تاکہ ان بدکاروں کو صراحت سے رنج نہ معلوم ہو اب منّا المسلمون ومنّا القاسطون میں عہدِ نبوت کا ذکر ہے اور بدکاروں کی بدی جہنم سے بچنے کے لیے صاف صاف بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔

ف ۲ قسط یعنی عدل مگر جب اس کا استعمال ثلاثی مجرد سے ہوگا تو اس کے معنی ظلم کے ہوں گے اور جب باب افعال میں لائیں گے تو انصاف و عدل کے معنی پیدا ہوں گے اس لیے قاسط ظالم، مقسط عادل۔

ف ۳ یہاں تک اُن جنوں کی گفتگو تمام ہو گئی اب بعد کا قصہ بیان نہیں فرمایا کہ قوم ایمان لائی یا نہیں احادیث سے ثابت ہے کہ لائی اور ان جملوں میں کفارِ مکہ پر تعریض ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ

اور یہ بھی (میری طرف وحی کیا گیا) کہ اگر وہ (اہل مکہ) سیدھے رستہ پر چلتے

لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ

تو ہم ان کو پانی کی ریل پیل سے سیراب کر دیتے　　تاکہ اس (ارزانی)

فِيْهِ ۚ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ

میں انکا امتحان کریں اور جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منہ موڑا

يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ

تو وہ اس کو سخت عذاب میں پھنسا دے گا　　اور یہ بھی

الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ

وحی کیا گیا کہ سجدے اللہ ہی کے لیے ہے پھر اللہ کے ساتھ کسی کو

اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

نہ پکارو　　اور یہ بھی کہ جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کو پکارنے کھڑا

ع ۱۹ ۱۱ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

ہوتا ہے　تو لوگ اس پر جمگھٹا کرنے لگتے ہیں

ترکیب

وان لو استقاموا قرء الجمهور بکسر الواو من لو لالتقاء الساکنین وقریٔ بضمها تشبیها بواو الضمیر. وهذا معطوف علی جملة انه استمع فیکون من جملة الموحی الیه ولیس من قول الجن والتقدیر اوحی الی انه استمع وان لو استقاموا فیکون هذا هو النوع الثانی مما اوحی الیه وان مخففة من الثقیلة واسمه ضمیر الشان محذوف ای انه والشرط والجزاء الجملة خبر ان یسلکه مجزوم علی انه جواب الشرط ای من یعرض یسلک ای یدخله یقال سلکه واسلکه وقیل الجار محذوف ای فی عذاب والصعد مصدر یقال صعدا وصعودا وصف به العذاب لانه یصعد طاقة المعذب ای یعلوه ویغلبه وان المسجد معطوف علی ان لو استقاموا من جملة الموحی الیه وهو النوع الثالث و المساجد علی قول الاکثرین المواضع التی بنیت للصلوٰة وذکر الله ویدخل فیها الکنائس والبیع ومساجد المسلمین وقال الحسن البقاع کلها وقیل الجوارح والاعضاء التی یسجد علیها العبد وهی القدمان والرکبتان والیدان والجبهة والانف فعلی هذا هی جمع مسجد بکسر الجیم وهو موضع السجود وقال الحسن ایضا المساجد هی الصلوٰت فعلی هذا جمع مسجد بفتح الجیم مصدر بمعنی السجود وانه لما قام معطوف علی وان المسجد هو النوع الرابع من الموحی الیه یدعوه الجملة حال من فاعل قام ای قام

موحدا اللہ کادوا الجملۃ جواب لما لبدا جمع لبدۃ وہو ما تلبد بعضہ علی بعض واثرکم وازدحم بعضہ علی بعض ومنہ اللبود التی تفرش ونقال لبدۃ الاسد لانتلبد من الشعر بین کتفیہ و قریٔ لبدا بضم اللام وقری لبدا جمع لابد کمسجد فی ساجد وقری بضم اللام والبا۔ جمع لبود کصبر فی صبور۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر

جنوں کا کلام نقل کر کے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے طور پر بتلایا گیا تھا تین اور باتیں ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہہ دے کہ جس طرح مجھے جنوں کا کلام وحی کے طور پر بتایا گیا یہ باتیں اور بھی وحی کی گئیں ازاں جملہ یہ کہ

(۱) وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقینٰہم ماءً غدقا لنفتنہم فیہ ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذابا صعدا کہ اگر لوگ سیدھے رستہ پر قائم رہیں تو ہم ان کو بہت پانی پلائیں یعنی آل و اولاد کھیتی باڑی تن درستی عافیت عطا کریں[1]۔ اور جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا ہم سے توڑ کر شیاطین سے جوڑے گا تو ہم اس کو سخت عذاب میں داخل کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس جملہ میں یہ بھی بتلایا گیا کہ جن و انس اطاعتِ الٰہی اور نیک چلنی پر مامور ہیں نیکی کی جزا بدی کی سزا پاتے ہیں پھر ان میں شانِ معبودیت کیا ہے اور ان کی پرستش محض بے جا ہے۔

استقاموا کے جملہ میں بعض مفسرین کہتے ہیں جنوں کی طرف ضمیر پھرتی ہے اس لیے کہ انہیں کا ذکر چلا آتا ہے اور انہیں کی حقیقت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ اے مشرکین تمہارے معبود خود مامور و محکوم ہیں بعض کہتے ہیں آدمیوں کی طرف کس لیے کہ اہل مکہ اس وقت سات برس کے قحط میں مبتلا تھے پانی اور رزق کی تنگی سے جان لبوں پر آرہی تھی ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یہ تمہاری بت پرستی اور جنوں سے مدد مانگنے اور بدکاری کا نتیجہ ہے اگر تم راستی اختیار کرتے اور ہمارے آگے جھکتے تو ہم تم کو بہت پانی پلاتے اور ارزانی کرتے لیکن یہ بھی تمہاری آزمائش کے لیے کہ شکر کرو نہ کہ اتراؤ سرکشی کرو۔

ربیع بن انس اور زید بن اسلم اور ابن کیسان وغیرہ کہتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار اگر اپنے اس طریقۂ کفر پر رہتے جس پر کہ ہیں اور سب کفار ہوتے ہیں تو ان کی آزمائش کے لیے دنیا میں ان کو فراخ دستی دیتا اور پھر آخرت میں عذاب دیتا اور دلیل ان کی یہ آیت ہے فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شئ وقولہ لولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتہم سقفا من فضۃ الآیۃ اور لنفتنہم فیہ قرینہ ہے۔

تیسری بات جو وحی کی گئی یہ ہے وان المسٰجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا کہ سب عبادت گاہیں اللہ کے لیے ہیں اس کے سوا ان میں اور کوئی پکارے جانے عبادت کیے جانے کا مستحق نہیں اسی کو پکارو۔

مساجد کے کئی معنی ہیں۔

(۱) ایک تو مسجدیں عبادت گاہیں گرجا کنیسہ مسجد اہل اسلام سب کو شامل ہے یعنی دنیا میں کوئی عبادت خانہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔

(۲) سعید بن جبیر کہتے ہیں جنوں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ کس طرح سے مسجد میں آکر نماز میں شریک ہوا کریں حالانکہ ہم دور دراز رہتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

[1] اس کو ماءً غدقا سے تعبیر کرنا عرب کا محاورہ ہے ۱۲ منہ

کہ ہر جگہ اس کے لیے عبادت ہو سکتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تمام زمین میرے لیے عبادت گاہ بنائی گئی کسی خاص جگہ پر منحصر نہیں۔

(۳) سعید بن المسیب کہتے ہیں مساجد سے مراد وہ اعضا جو سجدے میں کام آتے ہیں ہاتھ پاؤں پیشانی گھٹنے، ناک کہ یہ نعمت الٰہی ہیں اور کے لیے نہ جھکنے چاہییں۔

(۴) بعضے کہتے ہیں مساجد سے مراد سجدے ہیں کہ سجدہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔

(۵) بعضے کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ مساجد خاص عبادت کے لیے ہیں اور کام وہاں نہ ہونے چاہییں جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو کوئی مسجد میں گم شدہ چیز کو ڈھونڈنے آئے تو کہہ دو کہ خدا کرے کہ نہ ملے کس لیے کہ مساجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ ہر ایک معنی آیت میں سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

چوتھی بات جو وحی کی گئی یہ ہے وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدًا کہ جب اللہ کا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس پر اژدہام کر لیتے ہیں۔ کون اژدہام کر لیتے ہیں اور کس لیے؟

اکثر مفسرین کہتے ہیں کفار مکہ جب آپ کو اللہ کی عبادت کرتے اور اسی کو پکارتے دیکھتے تو گرداگرد جمع ہو کر تمسخر کرتے تھے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اپنے نبی سے کفار کو سنواتا ہے کہ یہ کیسی بات ہے کہ اوروں کی عبادت کرنے والے پر تو یہ اژدہام نہ ہو مگر ہماری عبادت کرنے والے کے لیے یہ ہو، یہ بہت نازیبا اور ناحق شناسی ہے۔

بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ جب ہمارا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پکارنے قرآن سنانے جنوں کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کے سننے کے لیے ہر طرف سے آکر اژدہام کر لیتے ہیں جیسا اس رات کو ہوا کہ جس رات آپ مکہ سے باہر عبداللہ بن مسعودؓ کو لے کر جنوں کو قرآن سنانے گئے تھے مگر اے قریش مکہ تم پر افسوس ہے کہ تم قرآن سننے سے بھاگتے ہو۔

لبدا کو جمہور بکسر اللام و فتح الباء پڑھتے ہیں لِبَدًا اور بعض نے لام کے ضمہ اور با کے فتح سے پڑھا ہے لُبَدًا اور بضم ب و لام و تشدید بائے مفتوحہ بھی پڑھا ہے۔ پہلی قراءۃ پر وہی معنی ہیں اور دوسری پر لُبَد کے معنی بہت کے ہیں جیسا کہ اس آیت میں اھلکت مالا لبدا کہ بہت ہو جاتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جماعتوں کے کہ جماعت پر جماعت آکر گھیرتی ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ

کہہ دو کہ میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک

اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ

نہیں کرتا کہہ دو نہ میرے ہاتھ تمہاری

ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ

برائی ہے اور نہ راہ پر لانا کہہ دو مجھ کو میرے

يُّجِيْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ

اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا اور نہ مجھے

مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا

اس کے سوا پناہ ملے گی مگر اللہ کا پیغام

مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ

اور اس کا حکم پہنچانا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے

وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ

فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

سدا رہا کرے گا۔

ترکیب

قل قرء العامة علی الغیبة ای قال حملوا ذلک علی ان القوم لما قالوا ذلک اجابہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ انما ادعوا ربی فحکی اللہ ذلک عنہ بقولہ قال او یکون ذلک من مقولات الجن وقرء عاصم وحمزة قل بصیغة الامر لیکون موافقا لما بعدہ وہو قولہ قل انی لا املک وہو الاظہر الاقوی ملتحدا ملجا وحرازہ مثل السرب الذاہب فی الارض، فی القاموس الحد الیہ مال وفی المصباح الملتحد بالفتح اسم الموضع وہو الملجأ. الا بلٰغا قال الفراء استثناء من قولہ لا املک فان التبلیغ ارشاد وانفاع وقولہ قل انی لن یجیرنی الخ جملة معترضة وقعت فی البین لتاکید نفی الاستطاعة عنہ وبیان عجزہ وقیل الا ہہنا لیست کلمة الاستثناء بل معناہ ان لا ومعناہ ان لا ابلغ بلاغا لم اجد من دونہ ملتحدا فما قبلہ دلیل الجواب ای کلام بدل بلی جواب الشرط وعلی ہذا من اللہ لیس صلة للتبلیغ لان صلتہ یکون بعن کقولہ علیہ السلام بلغوا عنی ولو آیة. انما ہی بمنزلة من فی قولہ براءة من اللہ و معناہ بلاغا کائنا من اللہ ورسلٰتہ عطف علی بلٰغا کانہ قال لا املک لکم الا التبلیغ والرسالات خٰلدین حال من ضمیر مَن والجمع لرعایة معنی من والمعنی یدخلونہا مقدرا خلودہم۔

تفسیر

کفارِ مکہ جب آپ کے ارد گرد (قرآن پڑھنے اور خالص اللہ کو پکارنے میں) جمگھٹا کرتے تھے تو یہ بھی کہتے تھے کہ اے محمد! تو اس بات سے باز آ اور ہمارے الٰہ (معبودوں، بتوں) کی ہجو نہ کر نہ ان کی پرستش سے منہ موڑ، وہ تو نفع و ضرر کے مالک ہیں، پھر آپ میں بھی یہ بات ہے؟ اور ہمارے معبود آپ کو مصائب سے پناہ دیں گے۔ اس کے جواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ قل ان کافروں سے کہہ دے انما ادعوا ربی میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور آیندہ بھی اسی کو پکاروں گا ولا اشرک بہ احدًا اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کروں گا۔ تمہارے معبود خواہ روحانیاتِ ملائکہ ہوں یا جنّ ہوں خواہ اس کے برگزیدہ لوگ ہوں خواہ ستارے ہوں خواہ خیالی چیزیں ہوں خواہ پتھروں کے تراشیدہ بت ہوں خواہ عناصر و نباتات و حیوانات ہوں کسی کو بھی اس کی خدائی میں کچھ بھی دخل نہیں، وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ اس کے حکم بغیر نفع و ضرر دے سکتا ہے، میں باوجودیکہ نبی مرسل ہوں اور مراتب قرب میں اس نے میرے لیے اعلیٰ مرتبہ تجویز کیا ہے مگر میں بھی تمہارے ضرر یعنی گمراہی اور رہنمائی کا مالک نہیں کہ جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں اور باتوں کا تو کیا ذکر ہے ہاں میرے سبب سے وہ خود جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اسی لیے دنیا میں مجھے بھیجا ہے۔

اور یہ بھی کہہ دے قل انی لن یجیرنی من اللہ احد کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور مجھ پر کوئی مصیبت آئے تو خود مجھے اس کے سوا کوئی پناہ نہیں، پھر تمہارے معبود تو کیا پناہ دیں گے۔ جن کے بھروسہ پر تم گمراہی میں پڑے ہو۔ الغرض میں بھی بشر ہوں اور جمیع مخلوقات خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو اس کی ذات و صفات اور قدرت و الوہیت میں شریک نہیں ہیں اور جس قدر دنیا میں ہدایت کے لیے اس نے رسول بھیجے ہیں کسی چیز کے مالک نہیں کیے گئے الا بلٰغا من اللہ و رسلٰتہ مگر اللہ کے پیغام و احکام پہنچانے کے، ہاں یہ اختیار ان کو دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نبوت تبلیغ من اللہ ہے الوہیت میں نبی کو کوئی شرکت نہیں اس کی ذات پاک سب سے ممتاز ہے۔

بعض مفسرین نے اِلَّا بَلٰغًا و مُلتحدًا کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اگر میں حکم پہنچانے میں کوئی کمی کر دوں تو مجھے اس کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ نہ ملے۔ پھر احکام پہنچانے کے بعد جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا کفر و بت پرستی سے باز نہ آئے گا ابداً جہنم میں جلے گا۔

حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ
یہاں تک کہ جب دیکھ لیں گے اس شے کو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تب بہت جلد معلوم کر لیں گے

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾
کہ کس کی مدد کمزور ہے اور گنتی میں کون کم ہے؟

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ
تو کہہ دو کہ مجھے خبر نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے

اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ
یا اس کے لیے میرا رب کوئی مدت ٹھیراتا ہے وہ غیب

الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾
جاننے والا ہے اپنے غیب کی باتوں پر کسی کو واقف نہیں کیا کرتا

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ
مگر اپنے پسندیدہ رسول کو پھر اس کے

يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ
آگے اور پیچھے پاسبان مقرر کر دیتا ہے تاکہ شیطان آمیزش

رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا
نہ کرنے پائے، تاکہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے

رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ
رب کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ نے تمام کاموں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے

وَاَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾
اور ہر چیز کی گنتی رکھی ہے

ترکیب

حتی الشیٔ الذی جعل ما بعد حتی غایۃ لہ فیہ قولان (الاول) انہ متعلق بقولہ یکونون علیہ لبدًا والتقدیر انہم یتظاہرون علیہ بالعداوۃ حتی اذا رأوا ما یوعدون من یوم بدر او فتح مبین او یوم القیامۃ او وقت الموت فحینئذ یعلمون من ہو اضعف ناصرًا واقل عددًا (والثانی) انہ متعلق بمحذوف کانہ قیل الکفار لا یزالون علی ما ہم علیہ حتی اذا کان کذا وکذا کان کذا ونظیر ہذہ الآیۃ آیۃ فی سورۃ مریم وہی حتی اذا رأوا ما یوعدون اما العذاب اما الساعۃ اذا شرطیۃ فستعلمون جوابہا ویفہم من کلام القرطبی ان حتی لمجرد الابتداء من غیر ملاحظۃ معنی الغایۃ فتکون جملۃ مستقلۃ بالاستفادۃ۔ عالم الغیب خبر مبتدء محذوف ای ہو والجملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلہا من عدم الدرایۃ والفاء لترتیب عدم الاظہار علی تفردہ تعالیٰ بعلم الغیب علی الاطلاق الا استثناء من احد من رسول بیان لمن فانہ تقریر وتحقیق للاظہار المستفاد من الاستثناء وبیان لکیفیۃ ای فانہ یسلک من جمیع جوانب الرسول علیہ السلام عند اظہارہ علی غیبہ حرسًا من الملائکۃ یحرسونہ من تعرض الشیاطین لما اظہرہ علیہ من الغیوب لیعلم متعلق بیسلک غایۃ لہ من حیث انہ مترتب علی الابلاغ المرتب علیہ اذ المراد بہ العلم المتعلق بالابلاغ الموجود بالفعل وان مخففۃ من الثقیلۃ واسمہا محذوف وہو ضمیر الشان والجملۃ خبرہا واحاط الخ الجملۃ فی محل النصب علی الحال من فاعل یسلک باضمار قد او بغیرہ واحصی معطوف علی احاط عددًا انتصابہ علی التمییز محولًا من المفعول بہ وبجوز ان یکون علی المصدریۃ واللہ اعلم۔

تفسیر

ع ۲ ۹ ۱۲

ان نصائح و دلائل کے بعد بھی کفارِ مکہ سرکشی اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ان کے ارد گرد جاہلانہ ہجوم کرنے سے باز نہ آتے تھے اور مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت پر نظر کرکے اپنی قوت و شوکت کا گھمنڈ کرکے طرح طرح سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان داروں کو ایذائیں دیتے تھے اس لیے ایمان داروں کی تسلی اور کفار کی تنبیہ کے لیے یہ فرمادیا گیا حتی اذا راوا مایوعدون فسیعلمون من اضعف ناصرا واقل عددا کہ یہ لوگ جب تک نہیں مانیں گے کہ ان کو وہ چیزیں نہ دکھائی جائیں کہ جن کا ان سے وعدہ ہوا ہے (بدر کے دن کا قتل و مغلوب ہونا یا مرنے کے بعد عذاب اور مصائب کا دیکھنا یا قیامت جن کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من اللہ بار باران سے وعدہ کیا تھا) پھر جب یہ چیزیں دیکھ لیں گے انہیں آپ معلوم ہوجائے گا کہ کس کی مدد کمزور اور قلیل ہے؛ اُس وقت ان کی آنکھیں کھل جائیں گی مگر پھر کیا فائدہ ہوگا، توبہ اور ایمان لانے کا وقت باقی نہ رہے گا۔

اس کو سن کر کفار تمسخر کی راہ سے کہنے لگے کہ ان چیزوں کا کہ جن کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یعنی عذاب و مصائب کون وقت ہے اور ٹھیک وقت بتلایئے۔ یہ سوال محض جاہلانہ اور گستاخانہ ہے۔ کس لیے کہ آنے والی مصیبت جب کہ یقینی ہو تو اس کے وقت دریافت کرنے سے کیا فائدہ بلکہ اس سے بچنے کی تدبیریں مصروف ہونا دلیل سعادت ہے اس لیے وقت نہ بتلایا گیا جو اس سے پہلے ان کے نڈر ہونے کا باعث تھا بلکہ اپنے نبی کو یہ کہہ دیا کہ قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل له ربی امدا کہ ان سے کہہ دے مجھے معلوم نہیں کہ اس کا وقت بہت قریب ہے یا میرا رب اس کو دیر میں بھیجے گا۔ یہ جواب سعادت مندوں کے لیے نہایت مستعدی اور سرگرمی کا باعث ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے علم الغیب وہی غیب کی باتیں جاننے والا ہے ہر آئندہ آنے والی بات کا وقت اسی کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہے فلا یظھر علی غیبه احدا اس لیے کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو واقف نہیں کرتا کیوں کہ یہ اسی کا خاصہ ہے الا من ارتضی من رسول مگر جس پسندیدہ اور برگزیدہ رسول کو چاہتا ہے واقف کردیتا ہے اور اس کو بھی اس احتیاط اور محافظت سے واقف کرتا ہے کہ فانه یسلک من بین یدیه ومن خلفه رصدا کہ اس رسول کے آگے اور پیچھے یا اس غیب کی بات کے آگے اور پیچھے ملائکہ کی ایک چوکی مقرر کرتا ہے جو اس کو شیاطین کے لے اُچکنے سے بچاتے ہیں۔ یعنی خدا ذی غیب کا خریطہ جب رسول کے پاس آتا ہے تو اس کے آگے پیچھے فرشتوں کے باڈی گارڈ کا ایک دستہ ہوتا ہے تاکہ کوئی شیطانِ وجن اس غیب کی بات سے کچھ واقف نہ ہوجائے، وہ ملائکہ شیاطین کو مار کر بھگا دیتے ہیں۔

اور یہ کس لیے لیعلم ان قد ابلغوا رسلٰت ربھم تاکہ خدا تعالیٰ معلوم کرلے[1] کہ فرشتوں نے رسول تک بحفاظت اس کے احکام پہنچا دیے یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوجائے کہ فرشتوں نے اللہ کے پیغام بحفاظت پہنچائے ہیں (سعید بن جبیر) یا یہ معنی کہ رسولوں کو معلوم ہوجائے کہ فرشتوں نے احکام و پیغام پہنچا دیے، اس تقدیر پر یعلم کا فاعل اللہ یا محمد یا رسل ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل کل واحد و ابلیس و جن بھی ہوسکتا ہے تاکہ ہر ایک کو معلوم

---

[1] خدا تعالیٰ کو ہر ایک بات معلوم ہے، مگر شے کے ظہور کے بعد جو علم کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے علمِ تفصیلی مراد ہوتا ہے جو وجودِ اشیاء کے بعد ہوتا ہے ۱۲ منہ

ہو جائے یا ابلیس کو معلوم ہو جائے یا جنوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے وہ غیب بحفاظت پہنچا دیا۔ اور ابلغوا کا فاعل ان پچھلے صورتوں میں فرشتے ہیں۔ اب ان پچھے صورتوں میں ابلغوا کا فاعل رسولوں کو قرار دیا جائے تو یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ رسولوں نے اللہ کے پیغام جو ان کے پاس خزانۂ غیب سے آئے تھے اور ان میں کچھ چوری نہیں ہوئی تھی بحفاظت لوگوں کو پہنچا دیے یا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کہ اگلے رسولوں نے جو اللہ کے احکام و پیغام پہنچائے وہ ٹھیک ٹھیک پہنچائے یا لوگوں کو معلوم ہو وقس علیٰ ہذا۔ یہ بارہ احتمال ہیں ہر ایک کی طرف ایک نہ ایک مفسر گیا ہے لیکن اول اقویٰ ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ یہ فرشتوں کی چوکی معین کرنا اور بحفاظت اس غیب کا رسولوں تک پہنچنا ایک عادت اللہ کے موافق ہے ورنہ واحاط بما لدیھم اس کے احاطۂ علمی میں ہے جو کچھ بندوں کے پاس ہے، کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی کیسا علم ہے واحصیٰ کل شئ عددًا اس نے ہر ایک چیز کو گن رکھا ہے دریا کے قطرے ریگستان کے ذرے درختوں کے پتے ہر ایک کی گنتی اور تعداد اس کو معلوم ہے یہ کمال احاطہ علمی کی علامت ہے۔

علمِ غیب کی تحقیق اور اس کے اقسام

ف غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں۔ اب یہ پوشیدگی کئی قسم کی ہے۔

(اول) اضافی کہ ایک چیز ہمارے سامنے ہے اور جو کوس دو کوس دور ہے اس سے غائب اور غیب ہے، یہاں تک کہ عالمِ ناسوت کی جمیع چیزیں اگر ایک سے غیب ہیں تو دوسرے کے نزدیک موجود ہیں۔ کیا اس قسم کا غیب بھی خاصۂ خدا ہے؟ عقلِ صافی فوراً کہہ دیگی کہ ہرگز نہیں کس لیے کہ یہ غیبِ مطلق نہیں بلکہ من وجہٍ مشہود ہے، اس کو ایک جانتا ہے تو دوسرا نہیں جانتا جن اکثر اسی قسم کے غیب کو کاہنوں سے بیان کر دیتے تھے اور اب بھی بیان کر دیں تو کچھ بات نہیں۔

(دوم) عالمِ ناسوتی سے غیب یعنی عالمِ مثالی کی چیزیں، عام ہے کہ وہ ابھی اس عالم میں نہیں آئی ہیں بلکہ آنے والی ہیں یا آ کر چلی گئی ہیں نہ اب وہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں نہ ان کانوں سے سنی جا سکتی ہیں، نہ ان ہاتھوں سے ٹٹولی جا سکتی ہیں نہ ناک سے سونگھی جا سکتی ہیں، نہ زبان سے چکھی جاتی ہیں۔

اس قسم کا غیب اول غیب سے بلند ہے مگر یہ بھی غیبِ مطلق نہیں جس کو غیب الغیب کہتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں عالمِ ملکوت کے لوگوں کے سامنے ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کبھی روح خواب میں جب کہ اس کو کثافتِ جسمانیہ سے نورانیت حاصل ہوتی ہے تو ان چیزوں میں سے بعض یا کل کو دریافت کر لیتی ہے اور اسی طرح اہلِ کشفِ صادق بحالتِ بیداری اپنی روحانی تجلی میں دریافت کر لیتے ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام، چنانچہ صحیح بخاری میں حدیثِ کسوف ہے جس میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں اس عالمِ غیب کی چیزیں دکھائی گئیں اور اس لیے اشراقی اور اہلِ ریاضت بھی کبھی کبھی بعض چیزوں سے واقف ہو جاتے ہیں اور کاہن اور رمّال و جفّار اور نجومی بھی کبھی کبھی اپنے قواعد سے کچھ اڑتی ہوئی بات معلوم کر کے اپنی قوتِ متوہمہ سے ایک قالب میں ڈھالتے ہیں مگر خود ان قواعد کی غلطی یا ان سے استنباط کی لغزش اور اسی طرح خواب و مکاشفہ میں قوتِ وہمیہ کی آمیزش اس علمی مرتبے کو ظن کے مرتبے میں کر دیتی ہے یعنی بجز کشفِ انبیاء علیہم السلام کے اور جس قدر طریقے ہیں علیٰ قدرِ مراتب ان میں غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے اس لیے ان کے جاننے کو علم بمعنی یقین نہیں کہہ سکتے۔

پس اس قسم کا غیب بھی اس کی طرف سے خاص انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے جس کی یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ آگے اور پیچھے ملائکہ کا پہرہ رہتا ہے تاکہ شیاطین اور قوتِ فکریہ و قوتِ وہمیہ و خیالیہ آگے سے اور عادات وطبائع سامنے سے اس میں کچھ بھی دست اندازی نہ کر سکیں اور بعد کی چوکی سے علوم مخزونہ و عاداتِ واخلاقِ متروکہ اس میں آمیزش نہیں کرنے پاتے۔ رمالوں جفاروں نجومیوں کاہنوں وغیرہ کے غیب میں تو ہزاروں من کوڑا کرکٹ ہوتا ہے اور حضرات اولیاء کرام کے مکاشفات میں بھی یہ محافظت نہیں ہوتی قوائے متوہمہ و متخیلہ کی آمیزش سے امن نہیں اس لیے ان کو بھی آخر الامر کتاب وسنت پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جو اقسام وحی کے ہیں اور اسی لیے اور مکلفین کو بھی ان کے الہامات کا پابند نہیں کیا گیا اور نہ وہ الہامات حجت قطعیہ ٹھیرائے گئے۔ یہ بات خاص الہامِ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے[1] کہ جن کے حاصل ہونے سے پہلے بھی حفاظت ہوتی ہے کہ وحی کے وقت ان کے قویٰ کو معطل کر دیا جاتا ہے اور بعد میں بھی حفاظت ہوتی ہے، یہ اس لیے کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے رب ہی کے پیغام و احکام پہنچائے ہیں اس میں کچھ آمیزش اور کمی زیادتی تبدیل و تغیر نہیں ہوئی۔

تیسری قسم غیب الغیب اور غیب مطلق جس کو حق سبحانہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پھر اس کی بھی کئی قسمیں ہیں، بعض وہ ہیں کہ جن کے جاننے کی کسی ممکن میں قدرت ہی نہیں اور یہ ایک بے انتہا غیب ہے لا یعلمہا الا ھو اور بعض ایسی بھی ہیں جن کو ملائکہ مقربین و حاملانِ عرش جان تو سکتے ہیں مگر نہیں بتلائی جاتیں۔ اور بعض ایسی ہیں کہ کبھی کبھی بتلائی بھی جاتی ہیں اور جب بتلائی جاتی ہیں تو عالمِ ملکوت میں ایک ہیبت اور دہشت ہوتی ہے جس سے مقربین ماتحت کے ملائکہ سے پوچھتے ہیں اور علیٰ غیبہ میں اضافت اسی غیب کی طرف اشارہ کر رہی ہے نہ کہ غیب من وجہ کی طرف۔

ف من ارتضیٰ من رسول سے کیا سب رسول مراد ہیں؟ جمہور اسی کے قائل ہیں کس لیے کہ من رسولٍ میں مِن بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔

پھر کیا اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام بالخصوص مراد ہیں یا ملائکہ بھی؟ جمہور کے نزدیک ملائکہ بھی رسول ہیں جیساکہ حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں اور ان کو اور ملائکہ پر فوقیت ہے۔

معتزلہ اس سے ابطال کراماتِ اولیاء اللہ پر استدلال کرتے ہیں کہ وہ کسی آیندہ آنے والے واقعہ کی خبر بطور پیشین گوئی نہیں دے سکتے۔ مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے کس لیے کہ غیبہ یعنی اپنے غیب پر بجز رسول کے اور کسی کو مطلع نہیں کرتا اس طرح سے کہ اس میں کسی قسم کا اشتباہ واقع نہ ہو اور اسی کو اظہار غیب کہتے ہیں اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ قسم اول و دوم کے بعض غیوب کا بطریق ظن کسی پر اظہار کیا جائے جس کو اظہار الغیب کہتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ غیبہ سے مراد صرف قیامت کی خبر لیتے ہیں اس اعتراض سے اور ان شبہات سے بچنے کے لیے کہ بعض غیب کاہن اور اہلِ خواب بھی جانتے ہیں۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیب کی باتوں کو، جو بذریعہ الہام و وحی آپ کو خدا پاک نے بتائی تھیں اپنی امت کو بتایا اس لیے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آیندہ آنے والے واقعات بتائے جیساکہ احادیثِ صحاح سے ثابت ہے پھر ان مغیبات کا انحصار رسول پر نہ ہوا بلکہ افرادِ امت میں بھی اس سے مطلع ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو علم تصدیقِ نبوت سے حاصل ہوا یہ علم استدلالی ہے نہ کہ غیب پر مطلع ہونے سے اس لیے انحصار صحیح ہوا کذا قیل ۱۲ منہ

سورۃ مزمل

مکیہ ہے اس میں بیس آیات دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا
اے چادر اوڑھنے والے! رات کو اٹھا کرو (تمام رات) بلکہ
قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ
کم آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیا
قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ
کرو یا اس پہ کچھ زیادہ بڑھا دیا کرو اور قرآن کو خوب
الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤ اِنَّا سَنُلْقِيْ
ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو ہم عنقریب آپ پر
عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝٥ اِنَّ
ایک بھاری بات (کا بوجھ) ڈالنے والے ہیں بے شک
نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ
رات کو اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور
اَقْوَمُ قِيْلًا ۝٦ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ
بات کرنے (یعنی دعا) میں بھی مناسب تر ہے۔ بے شک دن میں آپ کے لیے بڑے
سَبْحًا طَوِيْلًا ۝٧ وَاذْكُرِ اسْمَ
مشغلے رہتے ہیں اور اپنے رب کا نام
رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝٨
لیا کرو اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف آ رہو

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ
(کیونکہ) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے جس کے سوا
اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝٩ وَ
کوئی بھی معبود نہیں پھر اسی کو کارساز بنا رکھو اور
اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ
کافروں کی بات پر صبر کرو اور ان کو عمدگی
هَجْرًا جَمِيْلًا ۝١٠ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ
سے چھوڑ دو اور ہم کو اور جھٹلانے والے دولتمندوں کو
اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝١١
(اپنی حالت پر) چھوڑ دو اور ان کو قدرے مہلت دو
اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝١٢ وَّ
کس لیے کہ ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنم اور
طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٣
گلا گھونٹنے والا کھانا اور سخت عذاب (موجود) ہے
يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ
جس دن کہ زمین اور پہاڑ لرزیں گے
وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝١٤
اور پہاڑ بھربھرے ریت کا ٹیلہ ہو جائیں گے (آپس میں ٹکرا کر)

ترکیب

المزمل اصلہ المتزمل ادغمت التاء فی الزاء والتزمل التلفف فی الثوب الا قلیلا ہو استثناء من اللیل ای صل اللیل کلہ الا یسیرا منہ وما دون النصف القلیل والمراد بہ نصفہا

لہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بڑا شوق تھا، مگر خدا پاک جسم کی محافظت رکھنے کے لیے آپ کو تمام رات کے جاگنے سے روکتا ہے ۱۲ منہ

الثلث نصفہ فی انتصابہ وجہان (الاول) ہو بدل من اللیل بدل البعض الا قلیلا استثناء من النصف (والثانی) ہو بدل من قلیلا وقلتہ بالنظر الی الکل وہذا اقوی والضمیر فی منہ وعلیہ یرجع الی النصف ھی اشد اخبران وطأ تمیز من اشد بکسر الواو بمعنی مواطاۃ وبفتحہا ہو اسم للمصدر واقوم معطوف علی اشد وقیلا بمعنی قولا تمیز منہ سبحا شغلا وتصرفا اسم ان لک فی النہار خبرہا رب المشرق بالجر علی البدل و بالنصب باضمار اعنی او بفعل یفسرہ فاتخذہ وبالرفع علی انہ خبر مبتدء محذوف ای ہو او مبتدء خبرہ لا الہ الا ہو والمکذبین عطف علی المفعول او مفعول معہ اولی النعمۃ صفۃ للمکذبین او بیان او بدل قلیلا زمانا قلیلا یوم ظرف لما فی لدینا من معنی الفعل وقیل لعذاب واصل مہیل مہیول فحذف الواو عند سیبویہ وسکنت الیاء وقیل قلبت الواو یاء ۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی اور ابن مردویہ وغیرہ محدثین نے ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی

شان نزول

اس کی شان نزول میں بزار و طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے دلائل میں یوں نقل کیا ہے کہ دار الندوہ؎ میں قریش جمع ہوئے اور کہنے لگے اس کا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نام تجویز کرو کہ لوگوں کو رد کا جائے ۔ بعض نے کہا کاہن ، بعض نے کہا کاہن نہیں مجنون کہو بعض نے کہا یہ مجنون نہیں اس کو ساحر کہو بعض نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں اس کے بعد قریش اٹھ گئے ۔ یہ خبر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی ۔ آپ غمگین ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے ' اس میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا یا ایھا المزمل ' یا ایھا المدثر کہ اے جھرمٹی مارے ہوئے کھڑا ہو رات کو نماز پڑھا کر ان کی باتوں سے رنج نہ کر ' ہم سمجھ لیں گے ذرا مہلت دے ' ہمارے پاس ان کے لیے عذاب الیم تیار ہے ۔ ان سے منہ موڑ اور حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو اور اسی کو اپنا کارساز بنا۔

ربط

اور ربط اس سورت کا سورۂ جن سے یہ ہے کہ سورۂ جن میں بتلایا گیا تھا کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے وہ جس قدر چاہتا ہے اپنے رسول کو عطا کرتا ہے ' اب اس سورۂ مزمل میں اپنے رسول کو علم غیب حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کرنا سکھایا وہ کیا رات میں حق سبحانہ کی عبادت کرنا جس میں انسانوں سے غائب ہو کر باطمینان قلبی بلا شور و شغب پورا پورا متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے کس لیے کہ جس نے جو کچھ پایا شب بیداری میں پایا زبانی لاف زنی اس راہ میں کار آمد نہیں

(۲) اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جن آدمیوں سے غائب ہیں پھر قرآن سن کر ہدایت پر آ گئے عبادت کرنے لگے آپ ان کے رسول اور ہادی ہیں آپ کو بھی رات میں عبادت کرنا چاہیے کہ اس وقت آدمی حاضر نہیں ہوتے اور ان سے غیبوبت حاصل ہوتی ہے تاکہ عالم غیب آپ پر منکشف ہو اور

(۳) قرآن شب میں پڑھنے کا حکم دیا تاکہ دن میں لوگ فیض یاب ہوتے ہیں تو شب میں جن وغیرہ عالم غیب کے

؎ قریش کے مشورہ کرنے کا مکان یا چوپال ۱۲ منہ

لوگ بہرہ ور ہوں کس لیے کہ آپؐ نبی الثقلین ہیں، ظہور کا وقت جو دن ہے عالمِ ظہور کے لوگوں کے لیے یعنی آدمیوں کے لیے اور مخفی لوگوں کے لیے مخفی شب کا وقت دیا گیا۔

(۴) اور یہ بھی ہے کہ ابتداء اسلام میں کفار دن میں آپؐ پر یورش کرتے تھے جیسا کہ فرمایا تھا وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدا۔ اس لیے مشغولی بحق کے لیے رات کا وقت مقرر کیا گیا جس میں عبادت و تلاوت کی حلاوت بخوبی حاصل ہو سکے اور لوگوں کے شور و شغب سے انتشارِ خاطر عاطر نہ ہو۔

اس کے علاوہ مضامین و الفاظ میں بہت کچھ مناسبت ہے، اور چونکہ سرِ سورت پر مزمل کا لفظ تھا اس لیے اس کا نام سورۂ مزمل ہوا۔

مزّمل کی تشریح

مزمل عرب میں اسے کہتے ہیں جو چادر سے میں لپٹا ہو یا چادرہ اوڑھے ہو، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چودہ ہاتھ کا لمبا ایک کمبل تھا تہجد کی نماز اور تلاوت کے لیے جب اٹھتے تو اسی کو اوڑھ لیتے تھے تاکہ نماز میں اٹھنے بیٹھنے میں حرج نہ ہو، وضو آسان ہو، ہوا، سردی سے محافظت ہو۔ اور نیز اس قسم کی چادر اوڑھنا یا لپیٹ لینا کفن لپیٹنے کی طرف اشارہ ہے تاکہ نفس ہر وقت موت سے آگاہ رہے اور رات کی اندھیری قبر کی اندھیری اور دنیا کے عدم کی ظلمت سے مشابہت رکھتی ہے اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام اس قسم کا کپڑا اوڑھتے تھے خصوصاً حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور ہمیشہ سے صلحاء کا یہ لباس رہا ہے اور اسی لیے فقراء میں خرقہ پوشی ایک سنت چلی آتی ہے اور یہ لباس اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اوڑھنے والے نے ترکِ دنیا و عبادتِ مولیٰ کا التزام کر لیا ہے جیسا کہ وردی سپاہیوں کی علامت ہے۔

اس خرقہ کے لیے سات شرطیں ہیں۔

(۱) شب بیداری و نمازِ تہجد و تلاوتِ قرآن (۲) دن میں اوقات کو یادِ الٰہی میں مصروف رکھنا (۳) ہمیشہ ذاکر رہنا (۴) ترک و تجرید (۵) توکل و اعتماد بر کارسازیِ خالق (۶) خلق کی جفا و ظلم پر صبر کرنا (۷) اہلِ دنیا کی صحبت ترک کرنا اور اس کے ساتھ ان کی خیر خواہی سے بھی غافل نہ رہنا۔

جس میں یہ سات باتیں ہوں اس پر یہ خرقہ زیبا ہے اور اسی لیے اس خرقہ کی شروط بجالانے کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل کا خطاب عطا ہوا جو بڑا پیارا خطاب ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ادا حضرتِ حق کو پسند آگئی تھی اس لیے فرماتا ہے یا ایہا المزمل کہ اے چادر اوڑھے ہوئے اس چادرِ ریاضت کا حق بجا لا، قم الیل رات بھر نماز و تلاوت کے لیے قائم اور مستعد و سرگرم رہ۔

عکرمہ کہتے ہیں مزمل کے معنی ظاہری چادر اوڑھنے والے ہی کے نہیں بلکہ مراد ملتزم و ذمہ داری کرنے والے کے ہیں کہ اے نبوت و رسالت کے ذمہ دار اور کمالاتِ ملکوتی کے حامل۔ اور اسی لیے وہ اس لفظ کو تخفیفِ زا و دال اور فتح میمِ مشدّد سے پڑھتے تھے وہ اس کو زمل سے لیتے ہیں جس کے معنی اٹھانے کے ہیں، کہتے ہیں زمل ہذا الامر ای حملہ۔

قم الیل کے معنی پر مفسرین نے متعدد رائیں ظاہر کی ہیں:۔

قولِ اوّل

(۱) جمہور کا قول ہے کہ آپؐ پر اور آپؐ کی امت پر ابتداء اسلام میں پنج گانہ نماز فرض ہونے سے پہلے

رات کی عبادت فرض تھی اور یہ حکم قریب ایک برس کے رہا چنانچہ احمد و مسلم و ابوداود و نسائی و بیہقی و حاکم وغیرہ نے عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے اول میں قیام لیل فرض کر دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب برس دن تک ایسا ہی کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے، پھر برس دن کے بعد اس سورت کا اخیر جملہ نازل ہوا فاقرءوا ما تیسر من القرآن اس سے تخفیف کی گئی اور یہ حکم فرض نہ رہا نفل رہ گیا یہی مضمون ابن عباسؓ سے بیہقی اور طبرانی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔

بعض علماء یوں تشریح کرتے ہیں کہ اول اس حکم میں اس طور سے تخفیف کی گئی کہ قم الیل کے بعد الا قلیلا فرمایا، جس سے آپؐ رات بھر میں کچھ کچھ ٹھیر جاتے اور آرام لیتے تھے مگر یہ حکم ایک برس تک رہا پھر نصفه فرمایا اور تمام رات کی جگہ پچھلی آدھی رات کی عبادت فرض کی گئی، مگر اس زمانہ میں گھڑی گھنٹے نہ تھے ٹھیک آدھی رات کا اندازہ مشکل تھا اور اس کے علاوہ یہ ایک طرح کی مقید پابندی بھی تھی اس لیے او انقص منه قلیلا او زد علیه فرمادیا گیا کہ نصف شب پر کچھ موقوف نہیں اس سے کم زیادہ کرنے کا تمہاری حالتِ صحت و مرض و خواب و بیداری فرطِ شوق وغیرہ پر محوّل ہے، مگر آدھی سے بالکل ہی کم نہ کرو بلکہ کسی قدر، بہرحال تہائی رات جاگنا عبادت کرنا ضرور ہے اس میں سردی گرمی کی راتوں کے لحاظ سے بھی ایک تخفیف ہے۔

پھر اس رات میں کیا کرو؟ آپ ہی بتلاتا ہے ورتل القرآن ترتیلا کہ نماز میں قرآن پڑھو عمدہ طور سے۔ ترتیل کے معنی ہیں اچھی طرح سے پڑھنا۔ اس طرح پڑھنے سے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور جلد جلد پڑھنا گھاس کاٹنا ہے۔ (ان جملوں کی اور اس کے بعد کے جملوں کی ہم بعد میں شرح کریں گے)

اس کے بعد فرمایا ان ربك یعلم انك تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل الخ کہ ہمیں معلوم ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب اور نصف شب کے قریب اور تہائی کے قریب اٹھتا ہے اور تیرے ساتھ تیرے اصحاب کا ایک گروہ بھی اٹھتا ہے رات کا اندازہ تم ٹھیک ٹھیک نہیں کر سکتے اور رات دن کا اندازہ اللہ ہی کرتا ہے ابر بادل وغیرہ اسباب سے دو ثلث اور نصف کا اندازہ مشکل تھا اس لیے اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری حالتِ مرض و سفر پر بھی نظر کرکے یہ حکم دے دیا کہ فاقرءوا ما تیسر من القرآن جس قدر تم سے ہو سکے نماز میں قرآن پڑھ لیا کرو۔

یہ اخیر رکوع کا خلاصہ ہے اس سے دو ثلث اور نصف اور ثلث رات کی قید بھی اٹھ گئی جس قدر نشاطِ خاطر سے ہو سکے، پھر اس کے بعد نماز پنج گانہ نمازیں فرض ہوئیں جیساکہ سورت کے اخیر میں ہے واقیموا الصلوٰة امت پر تہجد کی نماز جس کی بارہ رکعت سے لے کر چھ تک (موقع اور فرصت و حالتِ صحت و مرض کے لحاظ سے ہیں) سنت رہ گئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدستور فرض رہی مگر یہ تخفیف ہو گئی کہ تمام رات یا دو ثلث یا ثلث کی قید باقی نہ رہی اور اخیر عمر تک آپؐ تہجد کی نماز پڑھتے رہے اور صحابہؓ بھی کرتے رہے اور صالحین امت کا یہی دستور و طریق ہو گیا۔

قول دوم

(۲) بعض علماء کہتے ہیں شب بیداری نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب و فرض تھی نہ امت پر بلکہ یہ امر ندب کے لیے ہے کہ بہتر ہے جیساکہ ایک جگہ آیا ہے فتہجد به نافلة لك کہ نماز تہجد پڑھ جو تیرے لیے نفل ہے، خلاصہ مطلب یہ کہ آپؐ کو آدھی رات اور اس سے کم ثلث رات اور زائد از نصف کا اختیار دیا تھا کہ اس میں سے جس قدر چاہو شب بیداری کرو مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ صحابہؓ نے اول اول عرصہ تک شب بیداری نصف

رات سے زائد کی جو قم اللیل الا قلیلا کا مصداق ہے پھر نصف شب تک پھر کبھی دو ثلث کبھی ایک ثلث رات تک جیسا کہ نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ سے سمجھا جاتا ہے اور دلیل اس پر اخیر رکوع ہے جس میں فرماتا ہے ان ربک یعلم الخ کہ تیرا رب جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ والے دو ثلث اور نصف اور ایک ثلث رات میں اٹھتے اور شب بیداری کرتے ہیں اگر او انقص منہ قلیلا او زد علیہ کے یہی معنی نہ تھے تو آپ دو ثلث اور نصف اور ثلث رات میں کیوں اٹھتے اور کہاں سے یہ بات پیدا ہوئی تھی مگر پھر اس دو ثلث و نصف و ثلث کی قید بھی جو آں حضرتؐ و صحابہؓ نے اپنے لیے نفل کی طور لگا رکھی تھی اٹھ گئی اور تہجد گزاروں کے شوق اور فرصت پر چھوڑ دیا۔

ترتیل کے معنی

ورتل القرآن ترتیلا مبرد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں "ثغر رتل" جب کہ دانت گنجان نہ ہوں بلکہ جدا جدا ہوں اور "کلام مرتل" اس کلام کو کہتے ہیں جو با ترتیب ہو اور جس کے جملے الگ الگ ہوں، قرآن کی ترتیل اس کے حروف و کلمات کا مخارج سے ادا کرنا اور جلدی نہ کرنا اور حرکات و وقوف کو ایسی طرح سے ادا کرنا کہ سننے والا اگر گننا چاہے تو گن سکے یہ تدبر و تفکر کے لیے ہے کہ مطالب و معانی پر خوب نظر رہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے یعلی بن مالکؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا حال دریافت کیا تو فرمایا تم آپؐ کی نماز کیا پوچھتے ہو پھر آپؐ کی قرأت بتلائی ایک ایک حرف جدا کر کے (اخرجہ النسائی) اسی طرح بخاری و ترمذی وغیرہ محدثین نے روایات نقل کی ہیں کہ لوگ شعر کے طور سے پڑھتے تھے اور جلد جلد پڑھتے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جس سے دلوں کو حرکت ہو اس طرح سے پڑھو۔

فوائد تلاوتِ قرآن

ف یہ پڑھنا بظاہر نماز تہجد میں ہے اگر نماز سے فارغ ہو کر یوں بھی کوئی قرآن مجید پچھلی رات پڑھتا ہے تو عجب نور و سرور روحانی پیدا ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ الفاظِ قرآنی اس کے معانی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی مدتوں کلام نفسی کا مرتبہ علم الٰہی میں حاصل کر چکے ہیں پھر جب وہ معانی ان الفاظ سے کہ جن میں الوہیت و تقدیس کا رنگ پیدا ہو گیا ہے اور اس عطر حقیقی سے معطر ہو چکے ہیں کان کے رستہ سے دل تک پہنچتے ہیں تو پڑھنے والے کی روح پر وہی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

اور کچھ کلام الٰہی پر منحصر نہیں جس کلام کو بھی بار بار پڑھا جائے گا اور اس کے معانی کا ذہن علی الدوام ملاحظہ کرے گا متکلم کی صفت اور اس کا رنگ اس کے اندر نمودار ہوگا۔ مثنوی شریف اور بزرگوں کے ملفوظات کو دیکھیے، اور اسی طرح بُرے کلاموں کو قیاس کر لیجیے۔ عشق و حسن اور فواحش کے افسانے اور عیاروں بدمعاشوں کی داستانیں ان کے پڑھنے والوں بلکہ سننے والوں پر ایسا ہی رنگ پیدا کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن مجید کے پڑھنے سے انوار روحانیہ اور قربِ حق میسر آتا ہے اور بندے کے تمام مدرکات و مشاعر کو انوار قرب الٰہی پُر کر لیتے اور صفات الٰہیہ بندہ کی صفات پر اور اُس تعالیٰ کے افعال اس کے افعال پر غالب آجاتے ہیں اور یہی دنو و تدلّی ہے خصوصاً جب کہ اس استحضار و التفات کا دوام ہو۔

علماء فرماتے ہیں کہ قرأتِ قرآن اور اس میں غور و تدبر کے تین مرتبے ہیں۔

اول یہ کہ ہر خطاب و قصہ میں اپنے آپ کو مخاطب سمجھے۔

دوم یہ کہ بغیر واسطہ اس کلام کو حق سبحانہ سے سنے

تیسرا مرتبہ جو اعلیٰ ہے یہ ہے کہ متکلم کی صفات و افعال کا اس میں مشاہدہ کرے

ف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھنے کا حکم دینا ان کو علم غیب حاصل کرنے کے لیے تیار کرنا ہے اور وحی کے لیے مشاق کرنا ہے کس لیے کہ بار بار زبان سے کان تک کلام الٰہی کا پہنچنا اور کان سے دل تک جانا صدمہ وحی پر تخفیف پیدا کرنے کا باعث ہے یعنی پہلے سے سدھانا ہے کیوں کہ نزول وحی کے وقت ارواح ملکیہ مقام متعددہ سے ایک جا مجتمع ہو جاتے تھے اور دفعۃً اس کیفیت روحانیہ کا قلب و جوارح تک پہنچنا حواس و قوائے بشریہ کو ایک سخت صدمہ پہنچاتا تھا یہاں تک کہ آپ پر ایک بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی اور سرد موسم میں پسینہ آجاتا تھا اور جذب روح کی حالت ہو جاتی تھی اس لیے بار بار پہلے سے اس کا مشاق ہو جانا سہولت کا باعث ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن پڑھنے کے حکم کے بعد فرماتا ہے انا سنلقی علیک قولا ثقیلا کہ ہم ابھی تجھ پر بھاری بات ڈالیں گے، جس سے مراد پے در پے قرآن مجید کا نازل ہونا ہے جو آپ پر نہایت گراں ہوتا تھا یہ ابتداء وحی میں تھا پھر آخر میں یہ ثقل جاتا رہا تھا

قولِ ثقیل کے معنی

پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ رات کے اٹھنے اور قرآن کے پڑھنے کا آپ کو اس لیے حکم دیا کہ ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے یعنی قرآن مجید پے در پے نازل کریں گے جو باعتبار نزول کے آپ پر بھی بھاری اور عمل دینے اور عبادت و رسوم کفر چھوڑنے کے لحاظ سے کفار و مشرکین پر بھاری ہے اور خود قرآن بھی ایک وزنی اور گراں مایہ ہے اپنی بلاغت اور جمیع وجوہ اعجاز اور تعلیم مکارم اخلاق کے لحاظ سے اور اس سبب سے کہ اس کے لیے ظہر و بطن ہے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں نفس امارہ کی شرارتیں توڑنے میں بے نظیر ہے وغیرہ وغیرہ بہت سی خوبیاں اس میں جمع ہیں جس کا مثل بنانا بشر سے ممکن نہیں پس آپ پہلے سے مستعد رہیں اور عبادت و ذکر سے نفس کو اشراق جلال الٰہی کے لیے تیار رکھیں

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قولِ ثقیل سے مراد کلمہ توحید ہے جس نے دنیا میں زلزلہ ڈال دیا تھا اور جس پر ہر طرف سے مار دھاڑ ہوئی اور خویش و اقارب تک لڑنے کو تیار ہو گئے اور پھر تکلیف کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

بعض کہتے ہیں قولِ ثقیل و انذر عشیرتک الاقربین ہے یعنی اقارب تمام بنی آدم کے لیے دین حق کی منادی کرنا جس سے بھاری اور کوئی بات کیا ہوگی؟ تمام عالم کے سدھارنے کا بیڑا اٹھانا اس حالت میں کہ دنیا بلا کے عمیق گڑھے میں گر پڑی ہو اور جہالت کی کالی گھٹاؤں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہو بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام صرف بنی اسرائیل کے سدھارنے کے لیے آئے تھے اور انہیں کے ہم قوم اور ہم زبان بھی تھے پھر ان پر مصائب کے جس قدر پہاڑ توڑے گئے اہل تواریخ پر مخفی نہیں چہ جائے کہ ایک شخص تمام جہان کے لیے بھیجا جائے ؎

آفریں بر جانِ پاکت آفریں
مرحبا بر روئے پاکت مرحبا

اس لیے آپ کو تقرب الٰہی کی قوت اور انوار سے جو تہجد گزاری و ذکر و تلاوت کے سبب حاصل ہوتے ہیں پہلے سے قوی و مستعد ہونے کا حکم دیا گیا اور آپ کے ساتھ اس کام کے رفقاء کو بھی شریک کیا گیا کہ پہلے سے تیار رہو تم سے بڑا کام لینا ہے ؎

دلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند
دعاء نیم شبت دفع صد بلا بکند

یہ تھوڑے سے دنوں میں، جو تمام جہان میں توحید حق پرستی و پرہیزگاری کی روشنی پھیل گئی ان اندھیری راتوں کے سوز و فغاں کا اثر ہے۔ اے خدا کے پیارے اس قدر بھاری بوجھ اٹھانے والے تجھ پر اور تیری پاک بارہ جماعت پر جنھوں نے خوشی سے اس گراں بار بوجھ کے تلے کندھا دیا اور اور ڈوبتی کشتی بنی آدم کو بھنور سے کھینچ کر کنارے پر لائے، لاکھ لاکھ درود اور کروڑ کروڑ سلام اور جان فدا ہو اے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند ارجمند آپ نے اپنے جد بزرگوار کے کام کو پورا کر دیا آپ کا احسان قیامت تک بنی آدم ادا نہیں کر سکیں گے علیک صلوٰۃ اللہ وسلامہ۔

شب خیزی کے فوائد

اس کے بعد رات کے اٹھنے کے فوائد بیان فرماتا ہے ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا کہ رات کا اٹھنا نفس پر سخت ہے اور بات کہنے میں بہت عمدہ وقت ہے۔ (ناشی پیدا ہونے والا، کہتے ہیں نشأت تنشأ نشأ فھی ناشئۃ والانشاء الاحداث)

ناشئۃ الیل کے دو معنی ہیں۔

(۱) ابو عبیدہ کہتے ہیں ناشئۃ الیل رات کی ساعتوں اور گھڑیوں کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) جو رات میں پیدا ہو، انسان کا نفس بھی ناشئۃ الیل ہے جو خواب کے بعد گویا دوبارہ پیدا ہوتا ہے اور قیام لیل کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

ابن الاعرابی کہتے ہیں جب اول رات سو کر اٹھے تو اس کو نشأ کہتے ہیں اور اس سے ناشئۃ الیل ہے اور شب میں جو بیدار ہونے کے بعد روح پر انوار غیبی پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ناشئۃ الیل ہیں۔ الحاصل رات کا اٹھنا بھی ناشئۃ الیل ہے۔

وطأ کو جمہور نے بفتح واو وسکون ط پڑھا ہے، اس کے معنی ثقیل اور سخت کے ہیں، بولتے ہیں اشتدت علی القوم وطأ السلطان اور اسی معنی میں ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اللھم اشدد وطاتک علی مضر یہ مطلب کہ رات کا اٹھنا نفس پر گراں ہے۔

تہجّد کے فضائل

اور یہ واقعی بات ہے پچھلی رات کی میٹھی نیند خصوصاً سردی میں جب کہ لحاف میں لیٹا ہو اور زنانِ محبوب اور فرزندانِ مرغوب بغل میں ہوں اور اسی طرح گرمی کی راتوں میں جب کہ اول رات گرمی کی شدت اور پسوؤں اور مچھروں کی حدت کے بعد پچھلے کو آنکھ لگی ہو اٹھنا اور یادِ الٰہی میں مصروف ہونا بڑی جواں مردی کا کام ہے اس لیے ان اٹھنے والوں کی مدح خدا تعالیٰ کرتا ہے تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا الخ کہ بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو طمع و خوف میں پکارتے ہیں، اور فرماتا ہے یبیتون لربھم سجدا وقیاما کہ اللہ کے نیک بندے اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزارتے ہیں۔

بعض نے وطآ کو بکسر الواؤ وفتح الطاء بھی پڑھا ہے اس تقدیر پر اس کے معنی مجاہد وابن ابی ملیکہ وغیرہ نے موافقت کے لیے ہیں[1] کہ رات کے اٹھنے میں زبان اور دل اور آنکھ اور کان میں بہت موافقت ہوتی ہے کس لیے کہ انتشار اور شور و شغب کا وقت نہیں ہوتا بلکہ سکون اور

[1] مواطاۃ بمعنی مطابقت ہے کما فی قولہ تعالیٰ لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ ۱۲ منہ

تسکین کا وقت ہوتا ہے جو کچھ منہ سے نکلتا ہے وہی دل سے نکلتا ہے اور کان اس کو دل تک پہنچانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

واقوم قیلا اور اس وقت بہت درست اور ٹھیک بات منہ سے نکلتی ہے۔ قتادہ و مجاہد کہتے ہیں قرأت قرآن اس وقت بہت ٹھیک ہوتی ہے کس لیے کہ دنیا میں چپ چاپ ہوتی ہے اور عالمِ غیب کے انوار کا بھی روح پر ایک خاص انکشاف ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس کو ارواحِ بنی آدم کی طرف انجذابِ تام ہوتا ہے اسی بات کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقیٰ ثلث اللیل الاٰخر (متفق علیہ) کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہر رات حق سبحانہ آسمانِ زیریں کی طرف اُتر آتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں قبول کروں؟ جو کوئی مانگے دوں جو کوئی مغفرت مانگے بخشدوں"۔ خدا پاک نزول و صعودِ جسمانی سے پاک ہے اس سے مراد وہی تدلی و دنو ہے جس کو عرفا تقرب کہتے ہیں۔

نمازِ تہجد کے فضائل اور اس کی تاکید اور اس کی برکات احادیثِ صحیحہ میں بکثرت بیان ہوئی ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کی برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تہجد گزار کے منہ پر ایک عجب نور نمودار ہوتا ہے اور اُس کی قبر میں کبھی اندھیری نہیں ہوتی اور اس کی مشکلات کو خدا آسان کرتا ہے ہر ایک دنیا کی ظلمت سے نجات دیتا ہے۔

فرماتا ہے رات کے اٹھنے کا کیوں حکم دیا گیا ان لک فی النھار سبحا طویلا اس لیے کہ دن میں تیرے لیے بڑا کام رہتا ہے (السبح الجری والدوران ومنہ السباحۃ فی الماء لتقلبہ بیدیہ ورجلیہ وفرس سابح ای شدید الجری)

قال ابن عباسؓ "السبح الفراغ للحاجۃ والنوم" یعنی دن میں ہدایت وارشاد و فیصلہ خصومات و تدابیر دفع اعداء، دین وعبادت مرضی و تدبیر خانہ داری وغیرہ کار بار رہتے ہیں تخلیہ مشکل ہے اس لیے رات کا وقت مناجات و تلاوت و نماز کے لیے عمدہ وقت ہے۔

زجاج کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ رات کے جاگنے میں نیند اور آرام حاصل نہ ہو تو دن آپ کے لیے بڑا وسیع ہے اس میں آرام کر لو سو لو۔

رات کی عبادت ہی پر موقوف نہیں کہ دن میں خدا سے غافل ہو جائے دنیا ہی کے دھندے میں پھنسا رہے بلکہ ہر وقت یاد رکھے، اس لیے ارشاد فرماتا ہے واذکر اسم ربک کہ اپنے رب کو یاد رکھ ہر حال میں اسے نہ بھول کیوں کہ جس دم بندہ اس سے غافل ہو جاتا ہے تو سلسلہ انوار کا روح سے منقطع ہو جاتا ہے تاریکی بھر جاتی ہے روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔

ذکر کے اقسام

ف ذکر عام ہے خواہ زبان سے ہو خواہ قلب سے، خواہ روح سے خواہ سر سے خواہ خفی خواہ جلی خواہ نفس اور عام ہے کہ اسمِ ذات کا ورد ہو یا کسی اسم صفاتی کا کہ جس سے اس کو مناسبت ہو اور اس کے حال کے موافق ہو۔ حضرات صوفیہ کرام نے اجتہاد و استنباط اور تعلیم الہامی سے اذکار کے مختلف طریقے مبتدی و منتہی کے مناسب مقرر کیے ہیں اور تجربہ ثقات نے بتلا دیا ہے کہ ان کا اثر جلد محسوس ہوتا ہے اور تنویر قلب و روح میں ان کو ایک عجیب خاصیت ہے، اس کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔

ذکر مع التبتل

منتہی ہر حال میں ذاکر رہتا ہے کوئی شغل اور کوئی حال اس کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں کر سکتا مگر مبتدی کے لیے ذکر تبتل کے ساتھ ہو تو جلد اثر بخشتا ہے اس لیے فرماتا ہے وتبتل الیہ تبتیلا کہ ماسوی اللہ جس قدر شواغل و علائق ہیں ان کو

منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ ہو جا اس کے بعد جو تخلیہ و خلوت میں ذکر ہوگا تو اس میں کوئی خیال اور وسوسہ سدِ راہ نہ ہوگا، ورنہ ہزار دل خطرات (خیالات) کی نجاست کے ساتھ ذکر کچھ مفید نہیں ہے

برزباں تسبیح و دردل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

ذکر مع التبتل کی عرفانے ایک صورت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ علاقہ اہل دنیا کو منقطع کرے اگر کر سکے ورنہ کم تو ضرور کرے نہ کسی سے دوستی نہ کسی سے دشمنی نہ جھگڑا نہ مطالبہ نہ کینہ نہ حسد باقی رکھے، بقدر ضرورت مال سے لباس و مکان پر اکتفا کرے شب کو کسی گوشہ میں سر ڈھانک کر قبلہ رو باطہارت بیٹھے استغفار و درود کے بعد ذکر شروع کرے، فرائض و سنن و نوافل کے بعد کوئی ذکر ہو اگر ذکر قلبی ہو تو بہتر اور توجہ تام حق سبحانہ کی طرف ہو اس کے بعد اس پر ایک حالت طاری ہو گی کہ جس میں تعدادِ ذکر بھی جاتی رہے گی اس کے بعد ایک جاذبہ محبت اس پر طاری ہوگا اور اس کو ایک بے خودی ہو گی جس میں اپنی صفات و ذات کے حالات سے بھی فراموشی ہو جاے گی اور اس مرتبہ کو قرب کہتے ہیں اس کے بعد ذکر بھی ساقط ہو جانے کا اور مذکور ہی مذکور کا شہود باقی رہ جائیگا، اس کے بعد ایک اتصالِ بے تکیف و بے قیاس حاصل ہوگا اور اس مرتبہ کا نام بقا ہے۔ اس طرح سے مداومت کرے کم از کم چار چلّے تو اس کو عمل کرے پھر دیکھیے کہ عالم کے کس قدر اسرار منکشف ہوتے ہیں مگر صلاحیت و قابلیت شرط ہے

ف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے ذکر مع التبتل کیا کرتے تھے مکہ سے کئی میل کے فاصلہ پر حرا ایک پہاڑ ہے اس کے غار میں اپنا خلوت خانہ بنا رکھا تھا آپؐ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کچھ کھانا پانی آپؐ کو وہاں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ تک آپؐ وہاں رہے

مگر جب عالم غیب کے مشاہدہ کا وقت آگیا تو ملائکہ سے باتیں ہوتی تھیں آخر جبرئیل امین آئے اور سورۂ اقرأ ساتھ لائے، اس کے بعد چھ مہینے تک وحی بند رہی اور آپؐ پر اس قبض سے سخت صدمہ تھا اور اس قبض کا نام ضدل تھا جس کے دفع کی طرف سورۂ والضحیٰ میں اشارہ ہے ووجدك ضالا فهدى چھ مہینے کے بعد پھر سورۂ مزمل نازل ہوئی اور پھر پے در پے قرآن نازل ہونے لگا اعلاء کلمۂ حق سے مکہ میں ایک شور برپا ہوگیا ایذاؤں کے دروازے کھل گئے۔ اس سورت میں بیشتر انہیں حالات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ لفظ مزمّل اور نمازِ تہجد و ذکر و تبتل کا اشارہ ہے جو اس وقت کی حالت سے مناسب تھا بعد میں جلوت کا زمانہ آگیا تھا جو ارشاد و ہدایت کے لیے ضروری تھا۔

تبتل پر خیالِ بشری یہ اشکال پیدا کر سکتا تھا کہ پھر دنیاوی کام کیوں کر چلیں گے کھانا، مرنا جینا شادی غمی تندرستی بیماری میں جو امورِ تمدنی ہیں ضرور بنی نوع کی طرف حاجت پڑتی ہے پھر سب سے الگ ہو جانا مشکل بات ہے، اس لیے اپنے نبی کریمؐ کو بتایا جاتا ہے رب المشرق و المغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا کہ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں تمام دنیا اور اس کے جمیع اسباب اور سارے سلسلے اسی کے ہاتھ میں ہیں وہی اہلِ مشرق و مغرب کی پرورش کرتا ہے پتھر میں کیڑوں کو گھونسلوں میں پرندوں کو بیابانوں میں چرندوں کو روزی دیتا ہے مشرق سے دن نکالتا ہے جہان کو روشن کرتا ہے تمام کاموں کے سلسلے جاری کر دیتا ہے مغرب کا رب ہے اندھیری چھا دیتا ہے رات میں بسترِ خواب پر جس کو لٹا کر موت کا نمونہ دکھا دیتا ہے پس اسی کو اپنا کارساز بنا رکھ وہ آپ کے یہ کام سرانجام کر دے گا۔[۱]

[۱] اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (باقی بر صفحہ آئندہ)

ف عارف و کامل کے لیے دو باتیں ضرور پیش آتی ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق اپنی ذات اور خالق سے ہے۔ دوئم یہ کہ جن کا تعلق اوروں سے بھی ہے اس لیے یہاں تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالذات اور متبعین کے لیے تبعًا قسم اول کی تعلیم تھی کہ ان کو عمل میں لاؤ اور وہ چار باتیں ہیں۔

(۱) قیام شب و نماز تہجد و قرارتِ قرآن عام ہے کہ آدھی رات سے یا دو ثلث یا ایک ثلث رات سے ہو۔ اس کے ضمن میں قیام شب کے فوائد بھی ارشاد کر دیے تھے کہ ہم تجھ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے عبادت و ریاضت سے اس کے لیے تیار رہ اور نیز رات کا اٹھنا نفس کشی کا بڑا عمدہ آلہ اور قرارت و مناجات کا خوب وقت ہے۔

(۲) اس کے سوا ہر وقت اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھو۔

(۳) سب علائق کو توڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو رہو۔ علائق توڑنے کے یہ معنی نہیں کہ زن و فرزند بیع و شرا کاروبار معاش کو معطل کر دو بلکہ تعلق خاطر اٹھا لو دل میں جگہ نہ دو اور ان پر فریفتہ نہ ہو جاؤ دفع الوقتی اور ایام گزاری ملحوظ رکھو۔ اسلام میں یہی تبتل معتبر ہے نہ کہ رہبانیت کہ لنگوٹا باندھ کر جنگل اور پہاڑوں میں جا بیٹھو اس لیے کہ ایسا حکم انتظام عالم کو برہم کرتا ہے ہاں اگر خاص لوگ اپنے مناسب حال سمجھیں اور جذبۂ محبت ان کو دنیا سے بالکل الگ کر دے تو ان پر کچھ عتاب بھی نہیں۔

(۴) اس پر توکل کرو تمام دنیا کا وہی کارساز ہے۔ توکل صرف منہ سے کہنے کا نام نہیں بلکہ تدابیر و اسباب ظاہریہ کے بعد بھی یقین کامل رہے کہ وہی ہمارے کار بار کا متکفل ہے وہی مصائب دفع کرتا ہے۔

ان حکموں میں عجب ترتیب طبعی ملحوظ ہے کس لیے کہ شب بیدار تہجد گزار کو از خود ذکر میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے وہ دن میں بھی اس محبوب حقیقی کو نہیں بھولتا بلکہ اس مزہ میں رات کا منتظر رہتا ہے اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو خود بخود دل سے قطع تعلقات بھی ہوتے جاتے ہیں کس لیے کہ یہ تعلقات اس محبوب حقیقی کے وصال میں موانع اور رقیب ہیں ایک دل میں دو مخالف خواہشیں کیوں کر جمع ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اس پر تجلی اور شہود محبوب ہوتا ہے پھر اس کی آنکھ میں اور کوئی دکھائی نہیں دیتا کہ جس پر وہ توکل کرے یا اس کو کارساز سمجھے اس کے سوا کسی چیز کو ہستی میں نہیں سمجھتا ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیب عدم در کشد

اس کے بعد قسم دوئم کی باتیں ذکر فرماتا ہے جن کی اپنی آراستگی و درستی کے بعد مخلوق کی درستی کے لیے ضرورت ہے اور وہ بھی چار ہیں۔

(۱) واصبر علی ما یقولون کہ ان کی باتوں پر صبر کر کفار کی باتیں کئی قسم کی تھیں۔

اول یہ کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو برا کہتے اور گالیاں دیا کرتے تھے دیوانہ احمق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بھی ابتدا میں سخت ریاضتیں کی ہیں چالیس روز کے روزے اور صحرا نشینی اور رات کو جاگنا اور دعا و نماز میں مصروف رہنا اور دنیا سے بالکل الگ ہونا اور حواریوں کو تاکید کرنا اور یہ فرمانا کہ خداوند پرندوں کو کھانا کھلاتا ہے اور سوسن کو جنگل میں سبز لقا پہناتا ہے وغیرہ بہت سی باتیں مذکور ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی حالت میں ہوتی ہیں جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حالات ہیں در اقوال و نصائح میں بھی بالکل ایک ہی پھول کی خوشبو آتی ہے ۱۲ منہ

اور سخت باتیں کہتے تھے جس سے جوش آتا اور درپے انتقام و مقابلہ ہونا ایک فطری بات ہے مگر اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا کس لیے کہ اس سے عداوت قائم ہوتی ہے جس سے ہدایت کا دروازہ بند ہوتا ہے، جو کچھ کہیں کہنے دو بُرا نہ مانو اپنا کام عبادت و ہدایت کا کیے جاؤ۔

دوم وہ اپنے بتوں کی مدح اور ان کی کرامات کے کرشمے اور دارِ آخرت کا انکار کرکے لوگوں کو توحید اور آخرت کے مفید اعمالِ حسنہ سے روکتے تھے ایسی باتوں پر بھی خدا پرست طبائع کو غصہ آنا معمولی بات ہے مگر ابتدا میں ان کے جواب و مقابلہ سے روکا گیا۔

(۲) واهجرهم هجراً جمیلاً اور ان بے وقوفوں کو اچھی طرح سے چھوڑ دے۔ ہجرِ جمیل یہ ہے کہ کینہ نہ رکھے ان کو برائی اور ایذا پہنچانے کا قصد نہ کرے نہ گلہ و شکوہ کرے، ہجو و توہین تو کجا جہاں تک ہو سکے بھلائی اور نصیحت سے بھی درگزر نہ کرے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے جب یہ اخلاقِ حمیدہ کفار سے برتے تو پھر ان کے دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ روز بہ روز سینکڑوں اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ واعظِ اسلام میں یہ باتیں شرط ہیں اگر ایسی طبیعت نہ ہو اس کو وعظ و ہدایت کی مسند پر بیٹھنا روا نہیں کس لیے کہ بجائے ہدایت کے اس کے اخلاقِ درشت اور منتقم طبیعت اور لڑنے والی زبان سے اور بھی عداوت ہو کر لوگوں کو اپنی بُری باتوں پر اصرار ہو جائے گا۔

(۳) وذرنی والمکذبین اولی النعمة کہ مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دے آپ ان کے لیے بد دعا بھی نہ کریں۔

(۴) ومهلهم قلیلاً اور ان کو تھوڑی مہلت دیجیے۔

اول تو ایسے گمراہ اور گمراہ کرنے والوں کو جو اپنے خداداد مال و جاہ کا شکریہ نہیں کرتے بلکہ اس کو خدا کے مقابلے میں صرف کرتے ہیں دنیا ہی میں سزا مل جایا کرتی ہے ورنہ مرنے کے بعد تو ضرور ہی ملے گی اور یہ چند روزہ مہلت ہے۔ اور وہ سزا کیا ہے؟ ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصة وعذابا الیما کہ ان کے لیے ہمارے ہاں بیڑیاں تیار ہیں اس لیے کہ ان پاؤں سے خدا کی راہ میں چل کر نہیں آتے تھے اور ان پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ فساد اور نفسانی خواہشوں کے لیے چلتے تھے۔ اور ان کے لیے آگ جلانے والی بھی تیار ہے یہ ان کے عشق و محبتِ دنیا کی آگ ہے اور نیز دینِ حق کے مقابلہ کی آگ ہے اور شہوات و لذات کی بھی آگ ہے جو ان کے دلوں میں جلا کرتی تھی اب یہ اس میں جلا کریں اور کھانے ہیں گلا گھونٹنے والے۔ گلے سے نیچے اترتے ہی نہیں یہ ان کے دنیا میں عمدہ عمدہ کھانوں کا بدلہ ہے جو کھا کر شہوت پرستی اور بدکاری پر بدکاری کرتے تھے اور نیز یہ وہ بزرگانِ دین کی نصیحت بھی ہیں جو ان کے گلے سے نیچے دل میں نہیں اُترتی تھیں اوپر ہی اوپر اُڑا دیتے تھے اور یہ وہ شادمانیاں اور ناچ رنگ اور کھیل تماشے بھی ہیں کہ جن میں مسرور اور خدا سے دور تھے آج وہ گلوگیر ہو رہے ہیں اور طرح طرح کے دردناک عذاب بھی ہیں۔

یہ سامان ان کے لیے تیار ہیں مرنے کی دیر ہے اس چند روزہ زندگی میں جو کچھ کرنا ہے کر لیں اور یہ چیزیں پوری پوری ان کو کس دن ملیں گی یوم ترجف الارض کہ جس دن زمین لرزے وکانت الجبال کثیبا مهیلا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ٹیلے ریت کے بن جائیں یعنی قیامت کے روز اور قیامت سے پہلے بھی مگر کم۔

انجیل لوقا کے ۱۶ باب میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دولت مند کافر اور ایک غریب دین دار کا ذکر جو ناسور اور زخموں سے چُور تھا اور کتے اس کے زخم چاٹتے تھے اور وہ دولت مند کے پس خوردہ ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا تھا، قضاءً دونوں مر گئے العزر کو جو غریب تھا فرشتوں نے لے جا کر ابراہیم کی گود میں رکھا اور دولت مند کو دوزخ میں۔ اس نے ابراہیم کو دیکھا اور اس کی گود میں العزر کو بھی اور

اس نے پکارا کہ اے باپ ابراہیم مجھ پر رحم کر اور العزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں لو میں تڑپتا ہوں تب ابراہیم نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور العزر بری چیزیں سو اب وہ آرام پاتا ہے تو تڑپتا ہے اور ہمارے تمہارے درمیان ایک عمیق گڑھا ہے اُدھر کے اِدھر اور اِدھر کے اُدھر نہیں جاسکتے تب دولت مند نے کہا میں منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج میرے پانچ بھائی ہیں ان کو مطلع کرے تاکہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں نہ آئیں، تب ابراہیمؑ نے فرمایا ان کے پاس انبیاء ہیں چاہیے کہ ان کی سنیں، اس نے کہا اے باپ اگر مُردوں میں سے کوئی ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے ابراہیم نے فرمایا جب نبیوں کی نہ سنی تو مُردوں کی کب سُنیں گے۔" لہ

اِن آیات کی تفسیر کے بعد ہم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کا بیان کرنا ضروری ہے۔

نمازِ تہجد

اس کا وقت جمہور کے نزدیک آدھی رات ڈھلنے کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر تہجد کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے اور جس کو نمازِ تہجد کے لیے بیدار ہونے کا پورا بھروسہ نہ ہو تو وہ عشا کی نماز کے ساتھ پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں چنانچہ بعض صحابہؓ ایسا ہی کرتے تھے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شب بیداری اور نمازِ تہجد کی حالت سورۂ مزمل کے بعد سے ایک طرزِ خاص پر نہ تھی۔ کبھی آپؐ عشاء پڑھ کر سو جاتے اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے دو دو رکعت پڑھتے ان میں بہت کچھ قرآن مجید پڑھتے تھے سورۂ بقرہ و آل عمران وغیرہ اور یہ دو دو رکعت بڑی دیر میں تمام کرتے اور تھک جاتے تو لیٹ جاتے تھے پھر اٹھ کر اسی طور سے دو دو رکعت پڑھتے کبھی چھے رکعتیں پڑھتے کبھی زیادہ دس تک پڑھتے پھر اخیر میں تین رکعت وتر پڑھتے۔

بعض محدثین کے نزدیک چھے رکعت یا آٹھ یا دس رکعت کے بعد متصلاً ایک رکعت اور ملا دیتے طاق کرنے کے لیے اور اسی کو وتر کہتے ہیں، اس سے یہ نہیں پایا گیا کہ وتر کی ایک رکعت جدا گانہ بھی پڑھی ہے صبح صادق کے بعد صبح کی دو رکعت پڑھ کر ذرا لیٹ جاتے اور پھر نمازِ صبح پڑھاتے اور کبھی صبحِ صادق تک برابر نماز پڑھتے رہتے۔

تہجد میں بروایتِ مسلم جو زید بن خالد جہنی سے ہے تیرہ ۱۳ رکعت معہ وتر کے ثابت ہوتی ہیں۔ اور عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے گیارہ رکعت بھی ثابت ہیں۔

اور کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر بھی نمازِ تہجد پڑھتے تھے اور رکوع و سجود کے وقت اٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے تھے کوئی خاص صورت مقرر نہیں تھی۔

آپؐ نمازِ تہجد میں بہت رویا کرتے تھے۔ اور قرآن مجید کبھی آواز سے کبھی آہستہ پڑھتے تھے۔ اور کبھی تہجد میں

لہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں ثواب و عذاب ہوتا ہے اور مرنے کے بعد ایمان دار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظلِ عاطفت میں رہتے ہیں اس لیے شرع محمدی میں نمازیں ان پر درود و سلام مسنون ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مردے کو اپنے اقارب کا علم اور ان کی ہمدردی باقی رہتی ہے۔ سورہ یٰس میں ہے یا لیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی اور احادیث میں ان تمام باتوں کی تصریح ہے ۱۲ منہ

دو رکعت اول جلدی تمام کرتے بعد کو طول دیتے۔ اور نماز میں اٹھنے سے پہلے بہت دعائیں پڑھتے تھے جو کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۵
ہم نے تمہاری طرف تم پر گواہی دینے والا ایک رسول
شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا
اس طرح سے بھیجا ہے کہ جس طرح فرعون کی
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ⑮ فَعَصَىٰ
طرف ایک رسول بھیجا تھا پھر فرعون نے
فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا
رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو وبال میں
وَبِيلًا ⑯ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ
پکڑ لیا پھر اگر تم نے بھی انکار کر دیا ہے تو تم اُس
كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ
دن کی مصیبت سے کیونکر بچوگے جو لڑکوں کو
شِيبًا ⑰ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ
بوڑھا کر دے گا آسمان اُس دن پھٹ جائے گا
كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ⑱ إِنَّ
اس کا وعدہ ہو کر رہے گا یہ تو
هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ
ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب کی
إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ⑲
طرف آنے کا راستہ بنا رکھے

ترکیب

شاهدًا وصف لرسولا ۔ وبیلا قال الاخفش شدیدا وبہ قال ابن عباس ومنہ مطر وابل وطعام وبیل اذا کان لا یستمرأ ۔ یومًا مفعول تتقون ای کیف تتقون یوما ان کفرتم وقیل مفعول کفرتم یجعل الجملۃ صفۃ یوم شیبا جمع اشیب والاصل فی شین شیب الضم وکسرت لمجانسۃ الیاء۔ منفطر بہ والباء سببیۃ ویمکن ان تکون بمعنی فی۔ وانما قال منفطرۃ لتنزیل السماء منزلۃ الشئ لتغیرہا عن صفتہا وقال الفراء السماء یذکر ویؤنث۔

تفسیر

قریش اپنے تکبر اور سرکشی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہیں ہوتے تھے اور ان کو فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی معلوم تھا اس لیے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ہم نے تمہارے پاس بھی ویسا ہی رسول بھیجا ہے جیسا کہ فرعون کے پاس بھیجا تھا پھر اس نے سرکشی کی سزا پائی غرق ہوا پھر تم فرعون سے زیادہ مال دار اور صاحب حشمت نہیں ہو۔ یا یوں کہو کہ نبوت کے مسئلہ کی ضرورت بیان فرمائی جاتی ہے کہ جب بدکاری اور بت پرستی ہوئی ہدایت کے لیے نبی آیا جیسا کہ پہلے فرعون کے پاس موسیٰ آئے تھے تمہارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔

فرماتا ہے انا ارسلنا الیکم رسولا ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا کیسا رسول! شاهدا علیکم تم پر تمہارے نیک و بد کاموں کی شہادت دینے والا وہ خدا کی طرف سے گواہی دیتا ہے کہ یہ کام برے اور ناپسند ہیں اور یہ کام عمدہ اور قابل نجات ہیں۔ یا یہ کہ وہ قیامت میں تمہارے اوپر گواہی دے گا جو کچھ تم نے کیا اور کر رہے ہو وہ سچا گواہ آسمانی عدالت میں تم پر ثابت کر دے گا

ع ۱۹ ۱ ۲

اور تم کو ملزم ٹھیرائے گا اگر برائی سے باز نہ آؤ گے اور نیک کام اختیار نہ کرو گے۔

کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ جیسا کہ فرعون کے پاس ہم نے رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام بھیجا تھا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے ان کی اطاعت کی تو قید فرعون سے نجات پائی، شام کی سرزمین نصیب ہوئی، وہاں کے سردار ہوئے اور فرعون نے سرکشی کی تو ہلاک ہوا اسی طرح اس نبی کے مطیع دنیا کی سرسبز بادشاہتوں کے مالک ہوں گے اور آخرت کے بھی درجات حاصل کریں گے اور نافرمان و سرکش خوار و ذلیل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا قریش بدر میں مارے گئے، سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے پھر فتح مکہ کے دن مغلوب ہوئے اور صحابہؓ دنیا اور دین کے سردار ہوئے۔

اس جملہ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جو توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت منقول ہے۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہلے سے سناتے ہیں "میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" انتہی متعصب عیسائی اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھیراتے ہیں اور سند بھی عیسائی مصنفوں کے اقوال سے لاتے ہیں۔ مگر یہ بشارت بجز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آتی کس لیے کہ اصل بشارت میں موافق "عبرانی ترجمہ کے ان کے بھائیوں" میں سے نبی برپا کرنا فرمایا ہے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے جو بنی اسمٰعیل ہیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت دینے کا وعدہ بھی ہوا ہے۔ اگر اس کا مصداق حضرت عیسیٰ یا اور کوئی اسرائیلی نبی ہو تو بنی اسرائیل میں سے برپا ہوا سمجھا جائے گا نہ کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے۔[1]

دوسرے اس نبی کی نسبت یوں فرمایا کہ وہ موسیٰ کے مانند ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی موسیٰ کے مانند نہیں گذرا بلکہ ہر ایک ان کا شریعت میں متبع تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی بھی مشابہت حضرت موسیٰ سے نہیں تھی کس لیے کہ حضرت موسیٰ ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، بیوی اولاد رکھتے تھے ایک فرمانروا قوم کو سرکشوں کے پنجوں سے چھڑا کر لائے اور اس کو ایک ملک کا سردار کر گئے۔ برخلاف حضرت عیسیٰ کے کہ وہ بقول نصاریٰ آدم زاد ہی نہ تھے بلکہ خدا زاد یعنی خدا کے بیٹے (تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا) اور نہ ان کی بیوی بیٹے تھے نہ قوم کو رومیوں کی قید سے آزاد کرا گئے۔

حضرت موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہما وسلم میں مشابہتیں

اور نیز حضرت موسیٰ کے جانشین ان کی نسل کے غیر لوگ ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون ان کے بعد ان کا خلیفہ ہوا حالانکہ آپ کی اولاد بھی موجود تھی، اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابوبکر ہوئے باوجودے کہ آپ کے اقارب و اولاد بھی تھی جن کے عہد میں عرب غیر قوموں پر فتحیاب ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل شام اور فلسطین پر قابض ہوئے

۱؎ اس تقدیر پر اس بشارت کا مصداق بنی اسمٰعیل میں سے برپا ہونا چاہیے اور بنی اسمٰعیل میں بجز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی ایسا گزرا نہیں ۱۲ منہ

اور دونوں کی شریعت میں بھی حلت و حرمت طہارت نجاست
قوانین عبادت احکام معاملات اور دستورِ عبادات میں بہت
مشابہت ہے اور حضرت عیسیٰ کے پاس کوئی نئی شریعت ہی
نہ تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے اس لیے
فرماتے تھے کہ میں توریت کا ایک شوشہ بھی مٹانے نہیں آیا
اور نہ شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں اور جو بعد میں پولوس
وغیرہ نے شریعت بنائی تو اس میں ان باتوں میں سے کچھ بھی
نہیں۔ حضرت موسیٰ نے جہاد کیے اسی طرح آں حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے بھی کیے، وہ لوگوں میں صاحب شوکت اور
ذو وجاہت تھے ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی،
برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ محض فقیرانہ اور
عاجزانہ پیرایہ میں تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی
مخالف قتل نہ کر سکا اپنی موت سے مرے ایسا ہی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم، برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ
وہ بقولِ نصاریٰ یہود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ الغرض پیدائش
سے لے کر شریعت و احکام اور زیست کے حالات اور موت
اور بعد میں جانشینوں تک کے حالات میں حضرت موسیٰ
اور محمد صلی اللہ علیہما وسلم میں جیسی مشابہت ہے اس کا سواں
حصہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر اے قریش تم ہمارے نبی الرحمۃ کی وجہ
سے دنیاوی ہلاکت سے بچ گئے یا جیسا کہ تم ڈھٹائی سے کہتے
ہو کہ ہم دنیا میں ہر قسم کی مصیبت اٹھا سکتے ہیں تو:۔
فکیف تتقون ان کفرتم یوماً یجعل الولدان
شیباً اس دن سے کیوں کر بچو گے (اگر تم کافر رہے اور
کفر میں مر گئے) جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یعنی قیامت
کا دن۔ علماء فرماتے ہیں یہ کنایہ ہے اس دن کی شدت
اور درازی سے کہ غم کے مارے لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے یا وہ
اس قدر بڑا دن کفار پر ہوگا کہ لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے
کس لیے کہ وہ بڑا دراز دن ہوگا۔ بیضاوی فرماتے ہیں ہذا
علی الفرض والتمثیل" یہ مثال اور فرض کے طور پر ہے کہ
اگر لڑکے بھی ہوں گے تو غم کے مارے بوڑھے ہو جائیں گے
کیوں کہ غم والم سے بڑھاپا جلد آتا ہے۔ مطلب یہ کہ بڑا
اندوہناک روز ہوگا۔

السماء منفطر بہ اور آسمان پھٹ جائے گا۔
یجعل الولدان حشر کے وقت کا حال ہے اور السماء
منفطر بہ نفخہ اول کا ہے اور دونوں کا ایک ہیبت ناک
متصلاً حادثہ ہے سب کو ایک دن (بمعنی وقتِ مصیبت)
بیان فرمانا پوری تشریح ہے اور ان باتوں میں لے آدم زاد
کچھ شک و شبہ نہ کر کس لیے کہ کان وعدہ مفعولاً
اس کا وعدہ جو اس نے رسول کی معرفت کیا ہے قیامت
کے آنے کی بابت اور جزا و سزا کی بابت ضرور ہو کر
رہے گا، اب جو تم کو سمجھایا اور ڈرایا جاتا ہے ان ھذہ
تذکرۃ یہ محض تمہاری نصیحت اور خیر خواہی اور تم کو آگاہی
کی جاتی ہے ورنہ اور کچھ غرض نہیں فمن شاء اتخذ الی
ربہ سبیلاً ہم نے اپنے تک تقرب حاصل کرنے کی
راہ بیان فرمادی ہے پھر جو چاہے ہمارے دربارِ لطف
میں جگہ پانے اور ہمارے پاس آنے کا راستہ اختیار
کر لے وقت ہے۔ ورنہ دوسرے رستہ کا انجام جہنم اور
مصیبتِ دائمی ہے ؎

درِ فیضِ الٰہی وا ہے آئے جس کا جی چاہے
خلاف اس کے رہ دوزخ ہے جائے جس کا جی چاہے

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى
بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (کبھی)
مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ
دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات سے (نمازِ تہجد
وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ
میں) کھڑے ہوتے ہیں اور

اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ

اللہ ہی رات اور دن کا صحیح اندازہ کیا کرتا ہے اس نے معلوم کر لیا ہے

اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

کہ تم اس کا تحفظ نہ کر سکو گے سو اس نے تم پر مہربانی کی (نصف و ثلث

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ

کی قید اٹھا دی) تو جس قدر قرآن (تہجد میں) پڑھا جا سکتا ہے پڑھا کرو

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ

اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اور کچھ لوگ خدا کے فضل (روزی) کی تلاش میں

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ

زمین پر سفر بھی کریں گے اور کچھ

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ڮ فَاقْرَءُوْا

اللہ کی راہ میں بھی لڑیں گے پھر جو کچھ تمہیں اس

مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

میں سے آسان ہو پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کیا کرو اور

اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

زکوۃ دیتے رہو اور اللہ کے لیے قرض حسنہ

حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

دیا کرو اور اپنے لیے جو کچھ نیکی آگے

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ

بھیجو گے تو اس کو اللہ کے پاس (جا کر)

خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا

بہتر اور بڑے اجر کی چیز پاؤ گے اور اللہ سے بخشش

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⓔ

مانگا کرو بے شک اللہ (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے

ترکیب

انك الجملة مفعول بعلم ونصفه وثلثه بالنصب عطفا على ادنى كما قرء به ابن كثير والكوفيون وبالجر عطفا على ثلثى الليل كما قرء الجمهور وطائفة بالرفع عطفا على الضمير فى تقوم وجرى الفصل مجرى التوكيد ان لن تحصوه مخففة من الثقيلة واسمها ضمير الشان محذوف اى انه لن تحصوه وكذا ان سيكون يبتغون حال من الضمير فى يضربون وما تقدموا الخ الجملة مبتدا تجدوه خبرا خيرا قرء الجمهور بالنصب على انه مفعول ثان لتجدوا وهو فصل او بدل او تاكيد وقرئ بالرفع على انه خبر هو والجملة فى محل النصب على انها مفعول ثان لتجدوا اعظم بالنصب عطفا على خيرا او بالرفع لكونه خبرا ثانيا اجرا منصوب على انه تمیز من اعظم۔

تفسیر

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہؓ تہجد کی نماز میں کبھی آدھی رات کے قریب سے اٹھتے جیسا کہ قم الیل الا قلیلا سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی تہائی رات سے جیسا کہ او انقص منه سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی دو ثلث رات سے اٹھتے تھے جیسا کہ او زد علیه سے سمجھا جاتا ہے، اور نماز پڑھتے اور نماز میں قرآن مجید درد و سوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ رتل القرآن ترتیلا سے سمجھا جاتا ہے اور یہ کمی زیادتی صحت و مرض اور غلبۂ شوق و فرحت اور خواب و بیداری سے تھی۔ اب عام ہے کہ یہ شب بیداری آپؐ پر اور آپؐ کے اصحاب پر فرض ہو یا بطور ندب یا آپؐ پر فرض اور لوگوں پر ندب، علی اختلاف اقوال العلماء، مگر مدتوں تک آپؐ اور آپؐ کے اصحاب اسی شب بیداری کے پابند رہے اور کم از کم ایک ثلث رات شب بیداری کو بہت ہی ضروری

٢ ع ١ ١٣

سمجھتے رہے اور اسی لیے رات کا اندازہ ستاروں سے کیا کرتے تھے اس حالت محمودہ کو خدا تعالیٰ ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔

فقال ان ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی الیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک واللہ یقدر الیل والنہار کہ اسد جانتا ہے کہ اے محمد آپ اور آپ کے ساتھی دو ثلث اور نصف اور ایک ثلث رات سے اٹھتے ہیں اور صحیح اندازہ رات دن کا اللہ ہی کرتا ہے کہ در اصل اب آدھی رات رہی یا ثلث یا دو ثلث مگر تم بھی اپنے نزدیک ان اوقات کی پابندی کرتے ہو اور اپنے اندازہ کے موافق دو ثلث و نصف و ثلث رات میں اٹھتے ہو۔ اس کے بعد اس پابندی کو بھی اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے کس لیے کہ یہ دو ثلث و نصف و ثلث کی پابندی تم سے ہمیشہ نبھ بھی نہ سکے گی کیوں کہ بیماری بھی لگی ہوئی ہے اور سفر و جہاد بھی پیش آنے والا ہے پھر بیمار و مسافر اور مجاہدوں کے بارے تھکے سے رات میں اٹھنا ایک شاق امر ہے اس لیے دو ثلث اور نصف اور ثلث کی قید بھی تمہارے لیے کوئی لازمی بات نہیں بلکہ جس قدر تم سے ہو سکے اتنی رات جاگو اور جس قدر قرآن بآسانی تم سے نماز میں پڑھا جائے پڑھ لیا کرو۔

اس مضمون کو ان آیات میں ارشاد فرماتا ہے علم ان لن تحصوہ (ضمیر تحصوہ کی قیام لیل کی طرف پھرتی ہے) کہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس پابندی کو نباہ نہ سکو گے فتاب علیکم اس نے تم پر مہربانی کی اس لیے حکم دیا کہ فاقرءوا ما تیسر من القرآن کہ جس قدر قرآن پڑھنا تمہیں آسان ہو اتنا پڑھ لیا کرو جس قدر نماز تہجد تم سے ادا ہو سکے کر لیا کرو (چوں کہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قرات قرآن سے تعبیر کیا جیسا کہ رکوع و سجود سے کرتے ہیں)۔

اور یہ پابندی کس لیے تم سے اٹھا دی علم ان سیکون منکم مرضی و اخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ و اخرون یقاتلون فی سبیل اللہ کہ اس کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کسی کو سفر بھی درپیش ہوگا اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے تجارت اور علم سیکھنے اور سکھانے کے لیے اور ہجرت کے لیے بزرگان دین سے ملنے کے لیے غرباء و مساکین یا درماندوں کی چارہ جوئی حاجت برآری کے لیے۔ ہر ایک سفر پر اللہ کے فضل و رحمت کی طلب کا سفر اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور نیز جہاد بھی پیش آنے والا ہے۔ یہ سب صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں اس حکم کی پابندی کہ اس قدر رات سے اٹھو اور اس قدر قرآن پڑھو ایک امر مشکل ہے اس لیے پھر بار دیگر تم کو سنایا جاتا ہے کہ فاقرءوا ما تیسر منہ کہ جس قدر تم سے بآسانی پڑھا جائے اس قدر پڑھو۔

ف بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان ربک یعلم الخ پہلے حکم قم الیل الخ کے ایک برس بعد نازل ہوئی ہیں اس قدر عرصہ تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اسی پابندی خاص سے شب بیداری کرتے رہے اور راتوں کے جاگنے اور نماز میں کھڑا رہنے سے پاؤں بھی ورم کر آئے تھے جس پر قریش نے طعنہ کے طور پر کہا تھا کہ محمد پر قرآن کیا اترا مصیبت میں پڑ گیا اس کا جواب سورۂ طٰہٰ میں دیا گیا کہ طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی الخ اس بنا پر یہ آیات اول آیات کی کہ جن میں دو ثلث و نصف و ثلث کی پابندی تھی ناسخ ہیں خاص پابندی کے لیے نہ کہ تہجد کے لیے کیونکہ فاقرءوا ما تیسر منہ بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ تہجد میں قرآن پڑھنا ہنوز باقی ہے صرف اس قدر ہے کہ جس قدر تم سے ہو سکے۔ کوئی پابندی نہیں۔ اس آیت سے تہجد کو منسوخ قرار دینا تحکم ہے ہاں اگر فاقرءوا سے نفس قرآن پڑھنا نماز میں یا نماز کے باہر مراد لیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس سے نماز تہجد کا بقا نہیں سمجھا جا سکتا مگر فاقرءوا سے یہ تعمیم سیاق آیات کے منافی ہے کس لیے کہ اول سے نماز تہجد اور اس میں قرآن پڑھنے کا

ذکر چلا آرہا ہے اور لطف یہ ہے کہ پھر ان علماء کے اقوال پر اس قرآن پڑھنے کو بھی منسوخ ماننا پڑتا ہے بعد کی آیت واقیموا الصلوٰۃ سے الغرض صاف معنی آیات کے یہی ہیں کہ دو ثلث اور نصف اور ثلث رات کی پابندی اٹھادی ہے اور تہجد گزاروں کے شوق و فرصت پر چھوڑ دیا ہے اور حکم تہجد بدستور باقی ہے آں حضرتؐ پر فرض اور امت پر مندوب ہے[1]۔

اس کے بعد تین حکم اور دیتا ہے فقال واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واقرضوا اللّٰہ قرضاً حسناً کہ نماز قائم کیا کرو زکوٰۃ دو اللہ کو قرض حسنہ دو۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ پنج گانہ نماز کی فرضیت شب معراج میں ہوئی اور یہ سورت شب معراج سے کئی برس پہلے نازل ہوئی اور نیز اس وقت تک زکوٰۃ مفروضہ بھی نہ تھی کیونکہ زکوٰۃ مدینہ میں آکر فرض ہوئی ہے۔ پھر آیت میں اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گو پنج گانہ نماز اور زکوٰۃ معینہ واجب نہیں ہوئی تھی مگر مطلقاً نماز اور زکوٰۃ تھی اور مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ رکوع و سجود قیام و قعود میں دعا کرنا فرض تھا اور اسی کو نماز کہتے تھے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت دن میں کفار کا ہجوم رہتا تھا صرف تہجد کی نماز تھی۔ ممکن ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ میں اسی طرف اشارہ ہو کہ جس قدر تم سے قرآن پڑھا جاسکے پڑھو اور نماز تہجد ادا کیے جاؤ پابندی دو ثلث اور ثلث اور نصف کی نہیں۔

خیرات کرنا بھی اس وقت فرض تھا گو کوئی تعداد خیرات کی معین نہ تھی جیسا کہ بعد میں ہوئی سو اٰتوا الزکوٰۃ سے وہی خیرات مطلقہ مراد ہے اور اقرضوا اللّٰہ قرضاً حسناً اٰتوا الزکوٰۃ کی تاکید ہے جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ خیرات دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے بایں معنی کہ خدا اس کا بدلہ نفع کے ساتھ تم کو دنیا اور آخرت میں دے گا گویا وہ تمہارے اس دیے ہوئے مال کی ضمانت کرتا ہے تاکہ تم کو اطمینان ہو ورنہ وہ قرض لینے سے پاک ہے۔

اس کو کوئی حاجت نہیں۔ اور قرضاً حسناً میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ ناپاک اور حرام کا مال منظور و مقبول نہیں اور یہ بھی کہ فقیر کو طعنہ نہ دو اور دے کر کسی کو شرمندہ نہ کرو اس لیے حکم ہے کہ مخفی طور پر دے اور خلوص نیت سے دے۔ ان سب باتوں کو یہ لفظ شامل ہے، اس میں خیرات کے سب آداب کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد پھر اطمینان دلایا جاتا ہے فقال وما تقدموا لانفسکم کہ جو نیکی تم اپنے لیے کرو گے اور آگے بھیجو گے تجدوہ عند اللّٰہ ھو خیراً و اعظم اجراً اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بڑھ کر پاؤ گے رائیگاں نہ جائے گی۔ ہم گن گن اور جمع کر کے رکھتے ہیں مگر جب آؤ گے بہتر اور بڑھ کر پاؤ گے، ایک پیسہ کے دس پیسہ کا ثواب بلکہ زیادہ کا موجود ہے۔ لانفسکم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عبادت و خیرات میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں تمہارے ہی لیے فائدہ ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے واستغفروا اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور معافی مانگا کرو کیوں کہ وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز و خیرات پر غرور نہ کرو اس کے بعد بھی معافی مانگا کرو جو مقتضائے عبودیت ہے اور نماز و زکوٰۃ میں جو کوئی قصور و فتور ہو جائے تو معاف کیا جائے آخر کار ہمارے فضل پر مدار ہے۔

ف علماء اصول نے فاقرءوا ما تیسر من القرآن پر ایک دلچسپ بحث کی ہے وہ یہ کہ امام ابوحنیفہ ما کے لفظ کو عام رکھ کر فرماتے ہیں نماز میں قرأت قرآن مطلقاً فرض ہے کوئی آیت اور کوئی سورت ہو اور چونکہ سورۃ الحمد کی بابت آگیا ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہ الحمد کے بغیر

[1] مندوب مستحب و مسنون وہ ہوتا ہے جس کو کریں تو ثواب نہ کریں تو کچھ عذاب نہیں ۱۲ منہ

نماز نہیں' اس لیے الحمد کا پڑھنا اور اس کے ساتھ اور کوئی سورت یا آیت ملانا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے واجب ہے نہ کہ فرض' اور دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے' امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ما تیسر کے عموم سے بقرینہ احادیث صحیحہ سورۂ فاتحہ مراد ہے۔ اس لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور یہی ما تیسر من القرآن ہے۔

ف اس سورت میں رسالت اور قیامت اور نیز توحید کا کامل ثبوت عجیب پیرایہ میں کیا گیا اور دار آخرت میں کار آمد باتوں کی تاکید اور تعلیم بھی کر دی کہ شب بیداری کرو' نماز پڑھو' خیرات دو' یہی باتیں وہاں کار آمد ہیں' اور مخالفوں کی ایذا پر صبر اور تحمل کرو کس لیے کہ دنیا کی عافیت اسی میں ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ دین دنیا میں پھیل کر رہے گا فرعون کی شہ زوری جیسے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ نہ چلی اسی طرح کفار عرب کی بھی نہ چلے گی۔

سورۂ مدثر

مکہ میں نازل ہوئی اس میں چھپن آیات دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ⓪

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ②

اے کپڑے میں لپٹے ہوئے   کھڑے ہوکر ڈر سناؤ

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِیَابَكَ

اور اپنے رب کی بزرگی بیان کرو   اور اپنے کپڑے

فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ وَ

پاک رکھو   اور میل کچیل   دور کرو   اور

لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ

بدلہ یا نیکی غرض سے احسان نہ کرو   اور اپنے رب کے لیے

فَاصْبِرْ ⑦

صبر کرو

ترکیب

المدثر اصلہ المتدثر ادغمت التاء فی الدال للمجانسۃ و قرء الجمہور بالادغام ۔ والدثار ما یلبس فوق الشعار والشعار ما یلی الجسد ومنہ قولہ علیہ السلام "الانصار شعار والناس دثار" فانذر الفاء فیہ وفیما بعدہ لافادۃ معنی الشرط کانہ قال ما یکن من شیء فانذر وکبر ۔ وقال ابن جنی ہو کقولک زیدا فاضرب فالفاء زائدۃ وربک وثیابک والرجز منصوب بفعل محذوف یفسرہ ما بعدہ تستکثر بالرفع علی انہ حال وبالجزم علی انہ جواب النہی وبالنصب علی تقدیر لتستکثر وقیل علی تقدیر ان وبقاء عملہا

تفسیر

وقت و مقام نزول

بخاری و مسلم وغیرہما نے نقل کیا ہے کہ ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن نے کہا سب سے پہلے سورۂ یاایہا المدثر نازل ہوئی' اس پر یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا کہ لوگ سب سے اول سورۂ اقرء کا نازل ہونا بیان کرتے ہیں' ابو سلمہ نے کہا میں نے بھی یہ بات جابر بن عبد اللہ سے پوچھی تھی تب اس نے کہا میں آپ کو وہی بات سناتا ہوں جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی' آپ نے فرمایا کہ میں غار حرا میں گوشہ نشین تھا جب نیچے اترا تو آواز آئی میں نے دائیں بائیں پیچھے دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا تب اوپر کو سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا میں نظر آیا تھا ایک کرسی پر بیٹھا دکھائی دیا آسمان و زمین کے درمیان ۔ اس سے مجھے دہشت معلوم ہوئی اور گھر میں آیا اور

یہ کہا کہ دَثِّرُونِی دَثِّرُونِی (کپڑا اُڑھاؤ کپڑا اُڑھاؤ) تب یہ سورت نازل ہوئی والرجز فاھجر تک

علماء نے احادیث میں غور کرکے فیصلہ کر دیا ہے کہ سب سے اول سورہ اقرء نازل ہوئی مالم یعلم تک اور پھر کچھ دنوں تک وحی بند رہی پھر سورۂ مدثر نازل ہوئی، اس کے بعد سورۂ مزمل۔ بعض کہتے ہیں سورۂ مزمل نازل ہونے کے بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ مگر یہ بالاتفاق ہے کہ یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں بھی وہی توحید وغیرہ کے مطالب ہیں

مناسبت

مناسبت اس سورت کی سورہ مزمل سے یہ ہے کہ سورۂ مزمل میں اپنے کو آراستہ کرنے کا حکم تھا کہ رات کی نماز و تلاوت سے پہلے خود کامل ہو جاؤ اس کے بعد اس سورت میں لوگوں کو کامل کرنے کا حکم دیا گیا بقولہ فانذر کس لیے کہ جب تک آپ کامل نہ ہولے تو دوسروں کی تکمیل کا انذار و تبشیر سے بیڑہ اٹھانا زیبا نہیں۔

اس کے علاوہ دونوں کے مطالب میں بھی بہت کچھ مناسبت ہے وہاں ابتدا یایھا المزمل کے ساتھ تھی یہاں یایھا المدثر کے ساتھ ہے، اور دونوں کے معنی قریب ہیں وہاں رات میں نماز و تلاوت کا حکم تھا یہاں اس کے شرط کپڑے اور جسم کی پاکی بتائی گئی وہاں بھی قیامت کا ہولناک واقعہ بیان ہوا تھا کہ لڑکوں کو بوڑھا کر دینے والا دن آنے والا ہے، یہاں اس کی نسبت فرمایا گیا یوم عسیر علی الکفرین غیر یسیر کہ وہ دن بڑا سخت ہے کافروں پر آسان نہیں وہاں خاتمہ میں تھا ان اللہ غفور رحیم اس سے بخشش مانگو، یہاں خاتمہ میں ہے ھو اھل التقوی و اھل المغفرۃ کہ اس سے ڈرنا چاہیے اور وہ بخشش والا ہے

تفسیر

فقال یایھا المدثر کہ اے کپڑا پہنے ہوئے شعاً

اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے ملا ہو اور اس کے اوپر جو کپڑا ہو اس کو دثار کہتے ہیں اور ایسے کپڑے اوڑھے ہوئے کو مدثر۔

عام مفسرین اس کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں کہ آپؐ سردی کی وجہ سے کپڑا اوڑھے تھے اسی نام سے پیار سے یاد فرمایا جیسا کہ حضرت علیؓ ایک بار مٹی پر سوئے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا قم یا ابا تراب۔

وجوہِ مدثر

اب اس کپڑا اوڑھنے کی چند وجوہ علماء نے بیان فرمائی ہیں۔

(۱) فرشتہ کو دیکھ کر دہشت ہوئی تھی اور اس سے سردی معلوم ہوتی تھی جس لیے کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اسی حالت میں تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی اور اسی حالت پر محبت سے خطاب کیا گیا۔

(۲) کفار قریش نے جمع ہو کر لوگوں کو آپؐ سے بدگمان کرنے کے لیے لفظ ساحر تجویز کیا اور پکار دیا تو اس سے آپؐ کو رنج ہوا اور طبع مبارک پر کسل طاری ہوا جس لیے کپڑا اوڑھ کر پڑے ہوئے تھے کہ اسی حالت پر مخاطب کر کے فرمایا اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا ہو

(۳) آپؐ کپڑا اوڑھے سو رہے تھے اسی حالت میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں جتلایا جاتا ہے کہ کپڑا منہ سے اُتار اور نیند سے ہوشیار ہو اور منصب نبوت پر قائم یعنی آمادہ ہو

ایک گروہ علماء کا یہ کہنا ہے کہ ظاہری کپڑا اوڑھنا مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے:

(۱) یہ کہ اے نبوت و رسالت کی چادر اوڑھنے والے کھڑا ہو جیسا کہ کہتے ہیں البسہ اللہ لباس التقوی و زینہ برداء العلم

(۲) یہ کہ کپڑا اوڑھنے سے آدمی مخفی ہو جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اے خلوت و گوشہ نشینی کی چادر اوڑھنے والے کب تک مخفی رہے گا کھڑا ہو اور لوگوں کو متنبہ کر کس لیے کہ دنیا گناہوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔

(۳) یہ کہ اے خلقِ عظیم اور رحمتِ عالمین کی چادر اوڑھنے والے اس لباس کو پہن کر چپ کیوں بیٹھے ہو کھڑے ہو اور لوگوں کو متنبہ کرو۔ دینِ حق کی منادی کرو۔

قم فانذر کھڑا ہو یعنی اس مرتبہ پر مستحکم و آمادہ ہو یا خوابگاہ سے اٹھ۔ قُم کے یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

پھر کھڑے ہو کر کیا کر فانذر لوگوں کو ڈر سنا جیسے کہ آپؐ نذیر تھے بشیر بھی تھے مگر ابتدائی حالت میں بشارت کا موقع نہ تھا کس لیے کہ دنیا بدکاری و بت پرستی کے گرداب میں پڑی ہوئی تھی اس لیے مقدم یہی بات تھی کہ ان کو ہلاکت کے کاموں سے ڈرایا اور بچایا جائے اس کے بعد اصول حسنات پر قائم ہونے سے بشارت کا موقع آئے گا

تکبیر کہنے پر بحث

اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانا اور عذاب آخرت اور مصائب دنیا کی خبر دینا جو بدکاری اور بت پرستی کا ثمرہ ہوتا ہے) بغیر اس کے مخاطبین کے ذہن نشین نہیں ہوتا کہ خداوند عالم کی عظمت و جبروت بیان کی جائے اس لیے حکم ہوا وربک فکبر کہ اپنے رب کی عظمت و شوکت بیان کر اور اس کے آثار جبروت و قدرت کا اظہار کر تاکہ مشرکین کے دلوں سے اس کی قدرت و یکتائی سن کر بتوں اور خیالی معبودوں کی وقعت کم ہو اور وہ توحید کی طرف مائل ہوں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ نافرمانی پر جو بلا آئے گی اس کو ہمارے معبود دفع نہ کر سکیں گے

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپؐ کو حق سبحانہ نے مرتبہ نبوت و تبلیغ عطا کیا اس لیے اس خوشی پر تکبیر کہنا فرمایا شادمانی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے اس لیے آپؐ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپؐ کے ساتھ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپؐ کی بیوی نے، اور اسی لیے اہل اسلام میں یہ عام دستور ہو گیا ہے کہ خوشی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اسی لیے نماز عیدین اور حج میں تکبیر با آواز بلند کہی جاتی ہے بلکہ دشمنوں کے مقہور کرنے کے لیے اور آفات دور کرنے کے لیے بھی تکبیر اکسیر کا حکم رکھتی ہے عظمت و ہیبتِ الٰہی مخالف کے دلوں کو ہلا دیتی ہے، مصیبت کو دفع کرتی ہے، اسی لیے صحابہؓ جہاد میں اور ہر خوشی کے موقع پر اس آواز کو بلند کرتے تھے

بعض کہتے ہیں کہ نماز میں تکبیر کہنا مراد ہے تحریمہ کے وقت اور رکوع و سجود کے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ گو اس سورت کے نازل ہونے کے وقت نماز پنجگانہ فرض نہ تھی مگر نوافل تھے انہیں میں تکبیر کہنا مامور نہ تھا ہر ایک معنی جیساں ہو سکتے ہیں یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے

طہارت جامہ و بدن فرض ہے

سامان تبلیغ کا اثر طہارت کی حالت میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد حکم دیتا ہے وثیابک فطھر کہ اپنے کپڑے پاک کر علماء نے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں

(۱) ثیاب اور طہر حقیقی معنی پر محمول کیے جائیں، یہ معنی کہ ظاہری کپڑوں کو ظاہری نجاست سے دور رکھ۔ اور جب کپڑوں کو دور رکھنا فرمایا تو بدن کو جو کپڑوں کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے بدرجہ اولیٰ نجاست سے دور رکھنا اور پاک رکھنا مراد ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ناپاک کپڑوں اور ناپاک بدن سے نماز درست نہیں کس لیے کہ نوافل و ذکر میں مومن کو ہمیشہ مشغول رہنا اور عالم قدس سے مناسبت پیدا کرنا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اس جماعت میں شامل ہو جائے اور کپڑے اور بدن کی نجاست ظاہری اس مناسبت میں خلل انداز ہے۔

گوہ موت منی قے خون خنزیر شراب مردار ناپاک چیزیں ہیں اور اسی طرح حیوانات کا گوہ موت بھی ناپاکی ہے اور کتا وغیرہ نجس جانور اور ان کے پس خوردہ چیزیں بھی ان سے ہر وقت دور رہنا چاہیے خصوصاً نماز کے وقت تو فرض ہے۔ یہ حکم آپ کو اس لیے دیا کہ مشرکین اپنے بدن اور کپڑوں کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے تھے اس لیے آپ کو اور آپ کی امت کو پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بھی ہے کہ مشرکین مکہ آپ پر نجاست ڈال دیا کرتے تھے اس لیے حکم ہوا کہ ان کی حماقت کا خیال نہ کریں کپڑے پاک کر لیا کریں۔

(دوم) کپڑے کو حقیقی معنی پر اور طہارت کو مجازی معنی پر باطنی پاکی پر محمول کریں یہ معنی کہ اپنے کپڑوں کو معنوی نجاست سے پاک کریں، غصب اور چوری کے کپڑے اسی طرح ناجائز کمائی کے اور وہ کہ جن پر تصاویر ہوں اور اسی طرح دامن نیچا اور ریشمی جو مردوں کے لیے درست نہیں معنوی ناپاکی رکھتے ہیں مسلمان کو ان سے دور رہنا چاہیے خصوصاً یادِ الٰہی کے وقت ایسے کپڑے دور پھینک دینے چاہییں۔ اسی طرح مرد کے لیے زنانہ لباس اور زنانہ آرائش اور عورت کے لیے مردانہ لباس بھی معنوی نجاست ہے

(سوم) یہ کہ کپڑوں کے مجازی معنی اور طہارت کے حقیقی معنی لیے جائیں۔ کپڑوں سے آپ کی ذات وصفات و اخلاق مراد ہیں کہ آپ ان کو نجاست سے دور رکھیں۔ کپڑا بول کر شخص مراد لینا محاورہ ہے۔ عرب کہتے ہیں الکرم فی بردیہ وطاہر الذیل ونقی الثوب جیسا کہ کہتے ہیں پاک دامن۔ اپنے بدن کو استنجے وغیرہ سے پاک رکھیں اور بول و براز منی وغیرہ سے پاک رکھیں کیونکہ طہارت ظاہری کو طہارت قلبی میں بڑا اثر ہے۔

(چہارم) دونوں کے معنی مجازی لیے جائیں، تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنے دل کو صفات مذمومہ سے پاک رکھ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ جب کفار نے آپ کو ساحر کا لقب دیا اور آپ کو رنج ہوا تو یہ بدخلقی اور انتقام کا مقتضی تھا جس سے منصب انذار میں فرق آ جانے کا موقعہ تھا اس لیے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی حماقت سے وعظ نہ چھوڑیں اور ان کے اخلاق رذیلہ اور کج خلقی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ اور یہ حکم اس لیے دیا کہ اول میں آپ کو مدثر فرمایا اور دثار لباس اور کپڑوں کو کہتے ہیں، اس لیے ارشاد فرمایا کہ جو جامہ آپ پہنے ہوئے ہیں اس جامۂ نبوت کو ان داغ دھبوں سے پاک رکھیں تاکہ تکبیر کا اثر نمایاں ہو، اور تکبیر کا مقتضی بھی یہی ہے کس لیے کہ اللہ کی کبریائی کا سب سے اول تکبیر کہنے والے کے دل اور اخلاق پر اثر ہونا چاہیے جس سے اس کا جامۂ انسانیت شہوات و لذات اور غضب و کبر کے دھبوں سے پاک ہو جانا لازمی بات ہے

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے والرجز فاھجر رجز بالکسر عذاب کما فی قولہ رجزاً من السماء اور بالضم بمعنی قبیح و مستقذر یہ وثیابک فطھر کا تکملہ ہے۔ اگر اس جگہ بدن اور کپڑے کی ظاہری طہارت مراد تھی تو یہاں طہارت باطنی مراد ہے اخلاق رذیلہ سے غرض یہ کہ ظاہر و باطن کو پاک رکھ۔

اور من جملہ نجاسات قلبیہ کے جو ہادیٔ دین کے لیے دھبہ لگانے والی بات ہے طمع دنیاوی بھی ہے اس لیے بالتخصیص اس سے بھی منع کیا فقال ولا تمنن تستکثر یعنی قرآن مجید کی تعلیم و تبلیغ احکام الٰہی کا کسی پر احسان نہ جتلا کہ تو مریدوں معتقدوں کی کثرت کر کے مال و جاہ پیدا کرے اور لوگوں سے کچھ حاصل کرے یا کسی کو کچھ دے ور حاجت براری اس نیت سے کرے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے زیادہ دے گا کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کی طمع ہے بعض اس کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ دے اس کو بہت نہ سمجھ یا یہ کہ کسی پر احسان جتانے کو نہ دے

ان سب مکارم اخلاق تعلیم کرنے کے بعد اس شخص کے لیے جو مسند انذار پر بیٹھے لوگوں کی بدگوئی اور ایذاء پر صبر بھی

ضروری ہے ورنہ ارشاد و تعلیم کا دروازہ بند ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرمادیا ولربك فاصبر کہ اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کر، اس میں بندوں کی دولت ثروت کا لحاظ نہ کر بلکہ خاص اللہ کی رضامندی کا۔ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ کے لیے اوامر و فرائض کا بوجھ اٹھا، ان پر قائم رہ

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ

پھر جب کہ صور پھونکا جائے گا تو وہ

يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ

دن مشکل کا دن ہوگا منکروں پر

غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ

آسان نہ ہوگا مجھے اور اس کو چھوڑ دو کہ جس کو میں نے

وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا

اکیلا پیدا کیا اور اس کو بڑھنے والا

مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾

مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے دیے

وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ

اور اس کے لیے ہر قسم کی تیاری کی پھر

يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ

امید رکھتا ہے کہ اس کو اور بھی دوں گا۔ ہرگز نہیں کس لیے کہ وہ

كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ

ہماری آیتوں کا مخالف رہا ہے میں اس کو ابھی جھنڈے پر[1]

صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾

چڑھاتا ہوں کیونکہ اس نے سوچا اور تجویز کیا

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ

وہ غارت ہو اس نے کیسی تجویز کی پھر غارت ہو

كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ

کیسی تجویز کی پھر اس نے دیکھا پھر

عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾

تیوری چڑھائی اور منہ بنایا پھر پیٹھ پھیرلی اور تکبر کیا

فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾

پھر کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ

یہ تو ہو نہ ہو آدمی کا کلام ہے ہم اس کو ابھی جہنم میں

سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾

بٹھائیں گے اور تو (اے مخاطب) کیا جانے کیا ہے جہنم

لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ

وہ نہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے آدمی کو (دور سے)

لِلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

تاکتی رہتی ہے اس پر انیس[2] شخص مقرر ہیں

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا

اور ہم نے دوزخ پر فرشتے ہی

مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ

رکھے ہیں اور ان کی تعداد کافروں کے

إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ

لیے آزمائش بنائی ہے تاکہ جن کو کتاب

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ

دی گئی ہے وہ یقین کرلیں اور ایمان داروں کا

[1] جھنڈے پر چڑھانا محاورہ ہے بدنام کرنے اور بلا میں مبتلا کرنے کا ۱۲ منہ [2] جن میں دا بھی آدمیت ہے ان کو بدی کرنے پر ہیں سے جہنم دکھائی دیتی ہے وہ بدی کر کے پشیمان ہوتے ہیں اس کی لپٹیں ان کے دل کو جلاتی ہیں اس لیے برے کام نہیں کرتے ۱۲ منہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ
ایمان بڑھے اور تاکہ اہل کتاب

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ
اور ایمان دار شک نہ کریں

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اور تاکہ وہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے

وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا
اور کافر یہ کہیں کہ اللہ کی اس بیان سے کیا

مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ
غرض ہے اور اللہ اس طرح سے جسے چاہتا ہے گمراہ

يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا
کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور آپ کے

يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا
رب کے لشکر کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور یہ

هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ④
تو محض لوگوں کی نصیحت ہے

ترکیب

فاذا والفاء للسببیۃ کانہ قیل اصبر علی اذاہم فبین ایدیہم یوم ہائل یلقون فیہ عاقبۃ امرہم۔ والعامل فی اذا ما دل علیہ قولہ فذلک لانہ اشارۃ الی النقر ای وقت النقر وقیل ما دل علیہ عسیر ای یعسر نقر۔ نفخ الناقور علی وزن فاعول من النقر بمعنی التصویت فذلک اشارۃ الی وقت النقر مبتدأ یومئذ بدل منہ او ظرف لخبرہ یوم عسیر خبرہ غیر یسیر تاکید وقال الاخفش اذا مبتدأ والخبر فذلک والفاء زائدۃ یومئذ ظرف لذلک وقیل ہو فی موضع رفع بدل من ذلک او مبتدأ ویوم عسیر خبرہ والجملۃ خبر ذلک وعلی یتعلق بعسیر او ہی نعت لہ او حال من الضمیر الذی فیہ ومن مفعول معہ او معطوف علی الضمیر المنصوب وحیدًا حال من الیاء ای ذرنی وحدی معہ فانی اکفیکہ او من التاء ای ومن خلقتہ وحدی لم یشرکنی فی خلقہ احد او من العائد المحذوف ای ومن خلقتہ فریدًا لا مال لہ ولا ولد وہذا ذم فانہ کان ملقبًا بہ فسماہ اللہ تعالیٰ بہ تہکمًا واستہزاءً او اراد انہ وحید ولکن فی الشرارۃ او عن ابیہ لانہ کان زنیمًا لا تبقی مستانفۃ او حال من سقر والعامل فیہا معنی التعظیم لواحۃ بالرفع ای ہی لواحۃ وبالنصب مثل لا تبقی او حال او علی الاختصاص تسعۃ عشر مبتدأ وہذہ الکلمۃ مرکبۃ وکلا الجزأن مبنیان علی الفتح وقری عشر بالاسکان لتوالی الحرکات وقری اعشر جمع عشیر۔ علیہا خبر مقدم۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا ولربک فاصبر کہ اللہ کے لیے مخالفوں کی بے حد تکالیف پر صبر کیجیے اب اس صبر کا انجام بیان فرماتا ہے
ع ۱ ۳۱ ۱۵ اور آپ کو اطمینان دلاتا ہے فقال فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکفرین غیر یسیر کہ دنیا چند روزہ ہے ایک دن آنے والا ہے جو کافروں پر سخت ہوگا کچھ آسانی ان کے لیے نہ ہوگی' وہ دن وہ ہے کہ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ اس روز یہ لوگ اپنے کیے کی سزا پالیں گے اور آپ کو صبر کا بدلہ ملے گا

من جملہ ان ایذاء دینے والوں کے کہ جن کی ایذاء پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ایک شخص ولید بن المغیرہ تھا' چونکہ وہ بڑا مال دار تھا اس کی اولاد بھی بہت تھی اور بڑا عزت دار کہلاتا تھا اس کو لوگ وحید یعنی یکتا اور یگانہ کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے

اب آئندہ آیات میں اس (ولید) کی ایذا کا اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اس پر فضل و کرم کیا تھا اس کا ذکر کر کے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتا ہے اور عام ایمانداروں کو متنبہ کرتا ہے کہ دنیاوی مال وجاہ اولاد وحشمت اس کا فضل وکرم ہے اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ اور اس کے فرستادوں سے مقابلہ کرے جس کا انجام دنیا کی بربادی اور آخرت کا ابدی جہنم ہے۔ اخیر رکوع تک اسی کا حال ہے اور کچھ جہنم کے داروغوں کا جو ملائکہ ہیں یہ اس لیے کہ ولید کو اپنے زور اور اقارب کی حمایت کا بڑا غرور تھا وہ کہتا تھا کہ مجھے جہنم میں کون عذاب دے سکتا ہے؟ اس لیے بیان کیا گیا کہ وہاں بڑے طاقتور فرشتے متعین ہیں اور وہ انیس[۱۹] ہیں[۱] اور ان کی یہ تعداد اس لیے بیان کی گئی کہ اہلِ کتاب کو اور ایمان داروں کو یقینِ کامل ہو، اور کافر اور بھی تمسخر کر کے مصیبت اور آزمائش میں پڑیں کس لیے کہ یہ نکتہ ان کی ناقص سمجھ سے باہر ہے۔ یہ خلاصہ مطلب ہے ولید بن المغیرہ کی بابت آیات کا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ولید ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کو کچھ قرآن سنایا جس سے اس کا دل نرم ہوا، یہ خبر ابوجہل کافر کو بھی پہنچی تب ولید کے پاس آکر کہنے لگا اے چچا آپ کی قوم چندہ کر کے آپ کو دینا چاہتی ہے، اس نے کہا قریش کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں۔ تب اس نے کہا آپ محمدؐ کی شان میں کوئی بات ایسی کہیے جس سے آپ کی قوم کو معلوم ہو کہ آپ ان کے منکر ہیں۔ اس نے کہا میں کیا کہوں مجھ سے زیادہ کوئی شعر سے بھی واقف نہیں، ہر قسم کے اشعار سے واقف ہوں جنوں کے اشعار بھی مجھے معلوم ہیں، خدا کی قسم اس کا کلام شعر نہیں بلکہ اس میں شیرینی اور برکت ہے وہ غالب ہے مغلوب نہیں، ابوجہل نے کہا خدا کی قسم آپ کی قوم ہرگز خوش نہ ہوگی جب تک کہ اُن کے حق میں کوئی بری بات نہ کہیں گے، تب اس نے کہا مجھے مہلت دو کہ فکر کر کے تجویز کروں، تب اس نے فکر کر کے تجویز کی کہ یہ جادو ہے جو کسی سے سیکھا ہے، اس پر یہ آیات ذرنی ومن خلقت وحیداً نازل ہوئیں (اخرجہ الحاکم والبیہقی فی الدلائل) ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے مگر روئے سخن تمام ناشکر دولت مندوں کی طرف ہے اور اسی لیے اس کا نام نہیں لیا گیا، ولید کی تخصیص نہیں۔

فرماتا ہے چھوڑ مجھے اور اس کو کہ جس کو میں نے خود پیدا کیا نہ اس کے جھوٹے معبودوں نے یا یہ معنی کہ جس کو میں نے یگانہ پیدا کیا، اس میں اس پر تعریض بھی ہے کہ جب پیدا ہوا تھا کیا ساتھ لایا تھا اکیلا تھا اولاد مال کچھ نہ تھا یہ سب ہم نے دیا۔ یا یہ کہ وہ اپنے آپ کو وحید کہلاتا تھا اسی لقب سے اس کو استہزاءً یاد کیا کہ آپ بڑے یگانہ اور یکتائے روزگار ہیں۔ اور اس میں یہ بھی تعریض ہے کہ اس کا باپ نہیں وہ اکیلا ہے، یہ چوٹ ہے اس پر کس لیے کہ قریش میں یہ زنیم یعنی بدنسل مشہور تھا مدتوں تک اس کا باپ کہتا رہا کہ میرا نطفہ نہیں۔

وجعلت لہ مالا ممدوداً اور اس کو بہت مال دیا، زجاج کہتے ہیں مال ممدود سے مراد ہے مال غیر منقطع۔ مد کے معنی درازی کے ہیں جو بڑھنے سے علاقہ رکھتا ہے، علماء فرماتے ہیں ولید کے پاس بہت مال تھا تجارت سے بھی بہت نفع حاصل ہوتا تھا اور طائف میں اس کے باغ اور زمینیں تھیں، اونٹ گھوڑے بھیڑ بکری ہر قسم کا مال تھا ان سے نفع حاصل ہوتا تھا اور ہر ایک میں سے نفع حاصل ہوتا تھا اور افزوں تھا۔ وبنین شھوداً (یہ مالاً پر عطف ہے جعلت کا مفعول ہے) کہ میں نے اس کے لیے بیٹے دیے۔ کیسے؟ جو حاضر رہتے ہیں۔ دولت کی وجہ سے ان کے باہر جانے اور غائب رہنے کی نوبت نہ

[۱] انیس[۱۹] شخص یا انیس قسم کے ملائکہ ۱۲ منہ

آتی تھی مجلسوں میں باپ کے ساتھ جب یہ دیوار و بیٹے آتے تھے تو ایک شوکت مجلس پر نمایاں ہوتی تھی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کے تیرہ بیٹے تھے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ سات تھے سب لڑکے ہی تھے لڑکی نہ تھی۔ ان میں سے ہشام اور خالد بن ولید اور ولید بن الولید مسلمان ہو گئے تھے

ومهدت له تمهيدا اور ہم نے عزت و مال و جاہ کو اس کے لیے فرش کر دیا۔ تمام قریش اس کی عزت کرتے تھے اور اسی لیے اس کو وحید اور "ریحانۂ قریش" سے ملقب کرتے تھے۔ تمہید کے معنی بچھانے کے ہیں اور اسی سے مهد الصبی ہے۔

ان سب خوبیوں کے بعد باوجود اس کفر و عناد و ناشکری کے پھر بھی امید کرتا ہے ثم يطمع ان ازيد کہ ہم اس کو دنیا میں یا آخرت میں اور زیادہ دیں گے؟ وہ کہتا تھا کہ اگر محمدؐ سچے ہیں تو سب سے زیادہ جنت کا میں مستحق ہوں کس لیے کہ سردار اور عزت والا ہوں نہ کہ یہ غریب اور مفلس مسلمان

فرماتا ہے کلا یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے انه كان لاٰيتنا عنيدا کہ وہ ہماری آیات قدرت کا مخالف رہا ہے کبھی ان میں غور نہیں کیا اور اپنے اوپر جو نعمتیں ہیں ان کو بھی اس کا فضل نہیں سمجھا بلکہ اپنے بخت کی یاوری جانتا رہا اور آیات قرآنیہ کا بھی دیدہ و دانستہ مخالف رہا ہے کس لیے کہ جب قریش نے اس سے پوچھا کہ محمدؐ کے لیے کون سا لقب تجویز کرنا چاہیے تاکہ ایام حج میں جو لوگ آئیں یہ سن کر اس سے دور رہیں تو اس نے سوچ کر کہا کہ وہ شاعر نہیں کس لیے کہ میں شعر سے واقف ہوں اور نہ مجنون ہے کس لیے کہ وعظ و پند مجنوں کا کام نہیں اور نہ کاہن ہے کس لیے کہ کاہن کی کوئی بات جھوٹی کوئی سچی ہوتی ہے اس کی تمام باتیں سچ نکلتی ہیں اور جادوگر بھی نہیں کس لیے کہ جادو کے منتر اول تو بیشتر مہمل ہوتے ہیں اور پھر ان میں یہ انوار اور دل کشی کہاں اور نیز جادوگر طامع ہوتے ہیں مگر اس کو شاہ و گدا کی کوئی پرواہ نہیں طمع اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی اور نیز جادوگر ناپاک اور سیاہ باطن ہوتے ہیں لیکن اس کے انوار باطن اس کے چہرے پر چمکتے ہیں مگر جب قریش نے اصرار کیا تو سوچ ساچ کر منہ بنا کر کہا تو معلوم ہو گیا وہ جادوگر ہے مگر یہ جادو نہیں بلکہ سحر بابل کسی سے اس کے ہاتھ لگ گیا ہے کس لیے کہ یہ جادو ہی کی تاثیر ہے کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے باپ کو خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے باوجودیکہ قرآن مجید کو من اللہ جانتا تھا مگر جان کر اس کے مٹانے میں کوشش کرتا تھا اور ایسے ہی شخص کو عنید کہتے ہیں

اس کے عناد کا بدلہ بجائے اس کی طمع خام کے اس کو یہ ملے گا سارهقه صعودا کہ ہم ابھی اس کو مصیبت کے پہاڑ پر چڑھائیں گے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ایک محاورہ ہے تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرنے کا جیسا کہ اس آیت میں يسلكه عذابا صعدا۔ بعض کہتے ہیں صعود جہنم میں ایک آتشیں پہاڑ ہے اس پر چڑھایا جائیگا اس کی دنیاوی عزت و بلندی کے مقابلہ میں جس کی اس نے شکر گزاری نہ کی تھی

جس حدیث میں صعود کو جہنم کا پہاڑ بیان کیا ہے اس کو احمد و ترمذی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن حبان و حاکم و ابن مردویہ و بیہقی نے روایت کیا ہے ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے کہ اس کو ابن لہیعہ نے صرف دراج سے ہی روایت کیا ہے اور کسی سے ثابت نہیں اور ابن کثیر ابن جریر کی روایت میں کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد اس کے عناد کی کیفیت بیان فرماتا ہے انه فكر وقدر کہ اس نے باوجود قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے محض قریش کے کہنے سے سوچ

اور فکر کرکے تجویز کی کہ یہ جادو ہے، اس لیے اس کی اس سوچ اور تجویز پر پھٹکار بھیجتا ہے فقال قتل کیف قدر لعنت ہو اس پر مارا جائے وہ، اس نے کیوں کر یہ تجویز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کی ثم قتل کیف قدر پھر اس پر لعنت ہو وہ مارا جائے باوجود عقل وفہم کے اس نے ایسی بے ہودہ اور بے اصل بات کیوں کر تجویز کی۔ دو بار اس کلمہ کو تاکید اور اظہار غضب کے لیے استعمال کیا یا اس لیے کہ باوجودے کہ پہلے جان چکا تھا ایک بار اس لیے لعنت کا مستحق ہوا، اور بار دیگر اس لیے کہ اس نے سوچا اور اس کے فکر نے یہ فتویٰ نہ دیا مگر عناد کی وجہ سے جادو کہہ دیا، اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ثم نظر اس نے پھر حضرت کے حالات میں نظر کی اور کوئی بات جادوگری اور کہانت اور جنون کی نہ پائی اور جب اس کی طبیعت اور ذہن نے اس کو جواب دے دیا اور طعن کا کوئی رستہ نہ ملا ثم عبس تو پھر ترش روئی کی وبسر اور تیوری چڑھائی ثم ادبر حق اس پر ظاہر ہوا مگر اس نے منہ پھیر لیا واستکبر اور سرداری اور مال کے غرور میں آکر فقال ان ھذا الا سحر یؤثر یہ کہہ دیا کہ یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے، بابل یا عجم سے یا پہلے ساحروں سے سیکھا ہے حال کا جادو نہیں بڑا قدیم جادو ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے، یہ خدا کا کلام نہیں ان ھذا الا قول البشر بلکہ یہ آدمی کا کلام ہے

اس عناد کی سزا یہ ہے کہ ساصلیہ سقر کہ ہم اس کو ابھی سقر میں داخل کریں گے۔ یہ جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے جس میں اس قسم کے معاندین ڈالے جائیں گے۔

پھر سقر کی ہول ناک حالت بیان کرنے کے لیے جیسا کہ محاورۂ عرب ہے فرماتا ہے وما ادراک ما سقر کہ اے محمد یا اے مخاطب آپ کیا جانتے ہیں کہ سقر کیا ہے پھر اس کی چند صفت بیان فرماتا ہے

(اول) لا تبقی ولا تذر کہ کسی جنس کو جو اس میں داخل ہونے کے قابل ہے باقی نہیں چھوڑے گی یا یہ کہ ہڈی اور گوشت پوست کو باقی نہ چھوڑے گی جلا دے گی اور پھر صرف جلانے سے وہ چھوٹ نہ جائیں گے بلکہ بار دگر جسم تیار ہوگا اور جلے گا ابدالآباد یہی معاملہ رہے گا۔

(دوم) لواحۃ للبشر آدمیوں کو بڑی دور سے دکھائی دینے والی ہے کما قال وبرزت الجحیم آخرت میں دور سے نظر آئے گی اور جو آنکھیں رکھتے ہیں ان کو یہیں سے دکھائی دیتی ہے یا یہ معنی کہ جھلس دینے والی ہے، مجاہد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں لاحہ الحر والبرد والحزن والسقم اذا غیرہ۔

(سوم) اس کے داروغہ جو اس پر معین کیے گئے ہیں انیس شخص ہیں علیھا تسعۃ عشر۔

فرشتوں کی تعداد میں کیا رمز ہے

انیس فرشتوں کی تعداد بیان کرنے کی وجہ تو وہی ہے کہ آیندہ آیات میں حق سبحانہ بیان فرماتا ہے کہ کافروں کی آزمائش اہل کتاب کی تصدیق ایمان داروں کے ایمان کا استحکام مگر تعداد میں جو کچھ حکمت ہے اس کی بابت علماء کے چند اقوال ہیں۔

اول قول یہ کہ دوزخ غضب وقہر الٰہی کا مظہر ہے جیسا کہ جنت رحمت کا مظہر ہے اور تمام کارخانوں کے انجام دینے کے لیے روحانیات وملائکہ متعین ہیں۔ عرش کرسی سات آسمان چار عنصر آب آتش خاک ہوا اور تین موالید ثلاثہ حیوانات نباتات و جمادات اور پھر حیوانات میں سے انسان اشرف ہے اس کی بنیاد اور اجزار کار ان تین لطیفوں پر ہے طبع کا محل اس کا جگر ہے قلب کہ فرحت و سرور اور حیات کے کارخانے اس سے متعلق ہیں اور دماغ کہ حس وادراک اس سے متعلق ہے، یہ سب انیس چیزیں ہوئیں ان انیس چیزوں کے موکلات ملائکہ ہیں یا عذاب دوزخ کے سر انجام دینے کو بھی وہی انیس ملائکہ موکل ہوں گے ان میں جو موکل عرش ہے وہ مالک ہوگا اس کو وہاں کے کارخانہ کا بادشاہ سمجھنا چاہیے اور کرسی کا فرشتہ اس کا دیوان اور

اسی طرح ہر آسمان کا فرشتہ ایک ایک خدمت پر معین ہوگا اور اسی طرح عناصر کے فرشتے اپنے اپنے موافق سرانجام دیں گے معدنیات کا فرشتہ لوہے کی زنجیریں ڈالے گا' نباتات کا زقوم کا درخت کھانے کو دے گا' حیوانات کا سانپ بچھوؤں کو ڈسنے کے لیے متعین کرے گا' طبع کا موکل پیاس بھوک دے گا کہ الجوع الجوع اور العطش العطش کریں گے' قلب کا فرشتہ خوف اور غم اور بے حد رنج دے گا' دماغ کا فرشتہ جو عقل کا محل ہے ان کو ان کی گزشتہ خطاؤں پر متنبہ کرے گا اور ان کے خیالات فاسدہ و تخیلات باطلہ کی کہ جس میں وہ گرفتار تھے قلعی کھولے گا جس پر حسرت اور افسوس پر افسوس ہوگا۔

دوسرا قول ارباب حکمت کا قول ہے کہ نفس انسانیہ کا خراب اور درست ہونا اس کے قویٰ کی خرابی و اصلاح پر موقوف ہے اگر اس کے قویٰ نیک اور عمدہ باتوں میں صرف ہوتے ہیں تو نفس ناطقہ کمال کو پہنچتا ہے اور بعد مفارقت بدن اس کمال کے سبب عالم قدس میں آرام پاتا ہے اور اگر برے کاموں میں صرف ہوئے ہیں تو اسفل چیزوں میں داخل ہوکر جہنم میں جاتا ہے کیوں کہ اسفل اور خسیس چیزوں کا وہی مقام ہے۔ اور انسان میں انیس۱۹ قوتیں ہیں کیوں کہ دس تو قوائے حیوانیہ ہیں' پانچ ظاہریہ جن کو حواس خمسہ کہتے ہیں آنکھ ناک دیکھنا سونگھنا ٹٹولنا سننا چکھنا اور پانچ باطنیہ ہیں حس مشترک وغیرہ اور سات قوائے طبعیہ ہیں جاذبہ ماسکہ ہاضمہ دافعہ غاذیہ نامیہ مولدہ۔ اور دو قوتیں اور ہیں ایک قوت غضبیہ دوسری شہویہ۔ سب انیس۱۹ ہوئیں۔ پس جب منشاء فساد یہ انیس۱۹ قوتیں تھیں تو انتقام کے گھر میں ہر ایک قوت کی ناشکری میں ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا تاکہ انیس۱۹ قسم کا عذاب ہو اور ہر قوت کا برا مزہ چکھے دنیا کے عمدہ نظاروں کے بدلے ہیبت ناک چیزیں دیکھنی پڑیں مزیدار اور پرشہوت نغمات کے بدلے میں رنج دہ باتیں سننی پڑیں علیٰ ہذا القیاس

تیسرا قول علماء کلام کا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے ہوں گے ایک دروازہ پر کہ جس میں سے مسلمان گنہ گار جائیں گے صرف ایک ہی فرشتہ نگہبان ہوگا کس لیے کہ اس نے تین باتوں میں سے صرف ایک ہی ترک کی تھی اور وہ تین یہ ہیں اعتقاد بالجنان' اقرار باللسان' عمل بالارکان۔ اور باقی چھے دروازوں پر تین تین فرشتے ہوں گے ہر ایک فرشتہ ایک ایک بات کی پرسش کرے گا عذاب دینے کے لیے۔ اس لیے انیس ہوئے۔

چوتھا قول واعظوں کا ہے وہ کہتے ہیں دن رات کے چوبیس گھنٹے یا گھڑی یا ساعت ہوتی ہیں' پنج گانہ نماز کی برکت سے پانچ گھنٹوں کو تو معاف کیا جائے گا باقی ہر ایک گھنٹے کے ضائع کرنے پر ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کی مصلحت وہی جانتا ہے۔

اس تعداد پر کفار مکہ مضحکہ کرتے تھے چنانچہ ابوالاشد نے قریش سے کہا کیا غم ہے قیامت کے دن دس کو دائیں کندھے سے پھینک دوں گا اور نو کو بائیں سے اور ہم نکل کر جنت میں سیدھے چلے جائیں گے۔ اور ابوجہل نے کہا اے قریش تمہاری اس قدر جماعت ہے کیا ہم میں سے سو آدمی ایک کا بھی مقابلہ نہ کرسکیں گے

ان بے ہودہ دعووں کو دوزخ کے داروغوں کی حالت بیان کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا وما جعلنا اصحٰب النار الا ملئکۃ کہ ہم نے دوزخ پر اور کوئی معین نہیں کیے بلکہ فرشتے۔ جن کی قوت کو بنی آدم کی قوت سے نسبت نہیں' ایک فرشتہ لاکھوں کروڑوں کو کافی ہے اور نیز وہ غیر جنس ہیں رعایت مروت رحم بھی نہ کریں گے۔

وما جعلنا عدتھم الا فتنۃ للذین کفروا اور

اور ان کی تعداد انیس ۱۹ کافروں کے عذاب کے لیے ہم نے کی تاکہ انیس ۱۹ قسم کا عذاب کریں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کافر آزمائش میں پڑیں ان کی تعداد کو کم سمجھ کر تمسخر کریں اور کفر میں دلیر ہوں تقدیر الٰہی میں ان کا گمراہ ہونا بھی ٹھہر چکا ہے۔

اس کے بعد ظاہر کرتا ہے کہ اس تعداد کے بیان کرنے میں چار فائدے ہیں۔

اول لیستیقن الذین اوتوا الکتب تاکہ اہل کتاب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین کامل ہو کس لیے کہ وہ فرشتوں کی طاقت کے قائل تھے سدوم اور عمورہ لوط علیہ السلام کی بستیوں کو دو فرشتوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ توریت سفر پیدائش کے ۱۹ باب میں یہ واقعہ موجود ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت واقعات ہیں جن سے فرشتوں کی طاقت معلوم ہوتی ہے۔

اور اس بات کے بھی اہل کتاب قائل تھے کہ جہنم میں کفار و بت پرست ڈالے جائیں گے اس بات میں بھی اس آیت سے دار آخرت کے معاملہ میں ان کو وثوق اور یقین ہونا ایک معقول بات ہے کس لیے کہ یہود میں دو فرقے تھے ایک قیامت اور وہاں کے عذاب او حشر برپا ہونے کا منکر تھا اور ان کو صدوقی کہتے تھے چنانچہ اس معاملہ میں انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کسی خاوند والی عورت کی بابت ایک سوال بھی کیا تھا کہ اگر قیامت برپا ہوئی تو وہ کس کو ملے گی۔ (انجیل متی باب ۲۲) اور ایک فریق قیامت کا قائل تھا یہ بیان ان کے اعتقاد دار آخرت اور وہاں کے عذاب و ثواب کو قوت دینے والا ہے اس لیے ان کو اس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہیں ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی خدا ترس اہل کتاب کو یقین کرنے کا موقع ہے جس نے ایک مختلف فیہ مسئلہ آخرت کا فیصلہ کر دیا

دوم ویزداد الذین آمنوا ایمانا کہ ایمان داروں کا ایمان زیادہ ہو جائے یعنی اور بھی تقویت ہو جائے کس لیے کہ اب تک قرآن میں جہنم کی زیادہ تشریح نہ تھی اس سے ان کے اعتقاد میں اور بھی قوت ہو جائے گی کس لیے کہ اجمال کے بعد تفصیل علم اور یقین کو قوی کرنے والی بات ہے۔

(۳) ولا یرتاب الذین اوتوا الکتب والمؤمنون تاکہ اہل کتاب اور ایمان داروں کو آخرت کے بارے میں شک نہ ہو یا یہ کہ آں حضرتؐ کی نبوت میں شک نہ ہو۔ ان کو شک نہ تھا مگر اور اہل شک پر اس میں تعریض ہے اس لیے یہ جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے۔

(۴) ولیقول الذین فی قلوبھم مرض والکفرون ماذا اراد اللہ بھذا مثلا تاکہ جن کے دلوں میں شک ہے اور منکر ہیں یہ کہیں کہ اس مثل یعنی بیان سے اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ یعنی وہ اس میں نکتہ چینی کر کے اور زیادہ گمراہ ہوں۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے کذلک یضل اللہ من یشاء ویھدی من یشاء کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یا اس کے لیے اسباب ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے یا اسباب گمراہی پیدا کرتا ہے۔ ہدایت و گمراہی اس کی طرف سے ہے۔ یعنی جس طرح جہنم اور اس کے کارکنوں کے بارے میں کسی کو سمجھ میں آنے اور ایمان لانے سے ہدایت ہوئی اور کسی کو سمجھ میں نہ آنے اور انکار کرنے سے گمراہی ہوئی۔ ہر معاملہ میں ایسا ہی کرتا ہے کسی کو اس بات کے سر سے مطلع کرتا ہے اور اس کے دل میں اس بات کی تہہ تک پہنچنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے اور کسی کو نہیں ہوتی اس لیے شک اور تردد میں پڑ کر انکار و تمسخر سے پیش آتے ہیں یہی تو ضلال مبین ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ انیس ۱۹ تو سردار ہیں باقی ہر ایک کے

متعلق جس قدر تعداد کثیر تابع ہے وہ بے شمار ہے وما یعلم
جنود ربك الا هو وہ بے شمار لشکر تیرے رب کے
ہیں جن کو ان کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ امام احمد و ترمذی
وابن ماجہ نے ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان چرچر بولتا ہے اور اسے بولنا
چاہیے کس لیے کہ کوئی انگلی دھرنے کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ
جہاں ایک فرشتہ سجدہ میں نہ پڑا ہو۔ عالم محسوس میں
ٹڈیوں اور چیونٹیوں اور مچھر وغیرہ چھوٹے چھوٹے جانوروں
کی تعداد پر عقل حیرت میں آجاتی ہے پھر عالم روحانی کی
وسعت اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد اس کے سوا اور کون
جان سکتا ہے۔

پھر فرماتا ہے وما ھی الا ذکری للبشر کہ جہنم
انسان کے لیے ایک نصیحت دینے والی چیز ہے کہ اس کے
حالات سن کر غضب و قہر الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے
باز آئیں نہ یہ کہ سن کر انکار کریں اور تمسخر سے پیش آئیں۔
بعض مفسرین کہتے ہیں ماہی کی ضمیر آیات کی طرف راجع
ہے جو جہنم کی کیفیت بیان کر رہی ہیں کہ یہ آیات البشر کے لیے
پند و نصیحت ہیں

ف اس سورت کے نازل ہونے کے وقت مکہ میں
نہ اہل کتاب تھے نہ وہاں کوئی منافق تھا کہ جن کے دلوں میں
شک کا مرض ہو پھر ان آیات میں اہل کتاب کا ذکر آنا کہ
تا اہل کتاب یقین کریں اور ان کے اور ایمان داروں کے
دلوں میں شک نہ پیدا ہو اور اسی طرح منافقوں کا ذکر آنا
کہ تا جن کے دل میں شک ہے اور کفار یہ کہیں کہ اگر یہ
اللہ کا کلام ہے تو اس کے اس بیان سے کہ جہنم پر انیس
فرشتے ہیں کیا مراد ہے؟ ایک بے موقع ذکر معلوم
ہوتا ہے۔

مع اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ دین
مکہ کے پہاڑوں ہی میں بند نہ رہے گا بلکہ دنیا میں پھیلے گا
اور یہ بھی معلوم تھا کہ نبی علیہ السلام مدینہ میں تشریف
لے جائیں گے وہاں منافق بھی ہوں گے اور اہل کتاب
بھی اور وہ اس سورت مبارکہ سے بھی مطلع ہوں گے،
اس لیے ان کا ذکر بطور پیشین گوئی کے آگیا اور یہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے، اگر آپ کو من جانب اللہ
اس دین اور وحی کے دنیا میں پھیلنے کا کامل وثوق نہیں
دلایا گیا تھا تو آپ اس حالت میں کہ مکہ میں بھی آپ کو
امن نہ تھا اور وہیں کے سرکشوں کو زیر کرنا مشکل ہو رہا تھا
کس طرح سے معلوم ہو گیا تھا کہ اہل کتاب اور منافقوں تک
بھی اس کی نوبت پہنچے گی؟ خصوصاً فریبی اور متفنی آدمی تو
کبھی بھی ایسی حالت میں اپنی کامیابی پر پورا بھروسہ نہیں
کرسکتا۔ اور نہ وہ ایسی باتیں کہہ سکتا ہے کہ جن پر اس کا تمسخر
ہو اور لوگ اس کے درپے ہو جائیں عقل سلیم ہرگز ہرگز باور
نہیں کر سکتی۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۱﴾
نہیں نہیں قسم ہے چاند کی اور رات کی جب کہ ڈھلے

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿۳۲﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى
اور صبح کی جب کہ وہ روشن ہو جائے البتہ دوزخ ایک

الْكُبَرِ ﴿۳۳﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَن
بڑی چیزوں میں کی ہے انسان کے ڈرانے کو تم میں سے

شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝
ہر ایک کے لیے خواہ کوئی اس کے آگے آئے یا پیچھے ہٹے

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۶﴾
ہر شخص اپنے اعمال کے سبب گروی ہے

إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿۳۷﴾ فِي جَنَّاتٍ
مگر دائیں طرف والے کہ وہ باغوں میں

يَتَسَآءَلُونَ ۙ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۙ ﴿٣٩﴾

گناہ گاروں سے پوچھیں گے

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا

کہ تم کو کیا چیز دوزخ میں لائی وہ کہیں گے

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤١﴾ وَلَمْ

ہم نمازی نہ تھے اور نہ

نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۙ وَ

فقیروں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور

كُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۙ

باتیں بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی باتیں بنایا کرتے تھے

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۙ

اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے

حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٥﴾ فَمَا

یہاں تک کہ ہم کو موت آپہنچی پھر

تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۚ

ان کو کسی سفارش کرنے والے کی سفارش فائدہ نہ دے گی

ترکیب

کلا ردع لقول الکفار انا نقدر علی مقاومة خزنة النار والقمر الواو للقسم انها الضمیر لاحدی الکبر والجملة جواب القسم والضمیر الی سقر او تعلیل لکلا والقسم معترض للتاکید الکبر فی الکشاف انها جمع الکبری جعلت الف التانیث کتاء التانیث فکما جمعت فعلة علی فعل جمعت فعلی علیها نذیرا بالنصب حال من الضمیر فی انها قاله الزجاج وقال الکسائی انه حال من قوله قم حال کونک نذیرا للبشر وقال الفراء مصدر بمعنی الانذار منصوب بفعل مقدر وقیل تمیز لاحدی

لتضمنها معنی التعظیم وقیل مفعول له ای لاجل انذار البشر و قری بالرفع علی انه خبر بعد خبر وبحذف المبتدا۔ لمن شاء بدل من قوله للبشر والتقدیر انها نذیر لمن شاء منکم ان یتقدم او یتاخر و نظیره قوله اللہ علی الناس حج البیت من استطاع وقیل ان یتقدم فی محل الرفع بالابتداء۔ ولمن شاء خبر مقدم علیه کقولک لمن توضا ان یصلی والمعنی التقدم والتاخر مطلقان لمن شاء ہما منکم رھینة اسم بمعنی الرھن کالشتیمة بمعنی الشتم ولیست بصفة الرھینة النفس لان وزنها فعیل یستوی فیه المذکر والمؤنث فلو کانت صفة لقیل رھین الا اصحاب الیمین الاستثناء متصل لان المستثنی المؤمنون الخالصون من الذنوب فی جنت فی محل الرفع علی انه خبر مبتدء محذوف ای ہم فی جنات و الجملة مستانفة او حال من اصحاب الیمین ویمکن ان یکون ظرفا لقوله یتساءلون حتی غایة لامور اربعة لم نک الخ

تفسیر

کفار کی بے ہودہ باتوں کا رد کر کے اب اور دوسرے قسم کے دلائل قیامت برپا ہونے اور دنیا میں نبی بھیجنے پر قائم کرتا ہے اور ایک عجیب موثر بیان سے اہل جہنم کی حالت کی تصویر کھینچتا ہے اور الفاظ کے اندرونی پہلو میں جہنم پر ۱۹ فرشتوں کے ہونے کا سر بھی روزمرہ معاملات سے بتاتا ہے۔ ان چند آیات میں مسئلہ حشر اور وہاں کی کیفیت اور دخول نار کے اسباب اور مسئلہ نبوت اور دنیا کی ابتداء اور انتہاء اور انسان کا انجام کار جو اس کے اس دنیا میں آنے کا نتیجہ ہے اور سعادت و شقاوت کے اسباب کن مختصر الفاظ میں بیان فرمائے کہ عقل دنگ ہوتی ہے اور ضمناً مذاہب باطلہ کا رد بھی ہے۔

فقال کلا نہیں نہیں ضرور قیامت برپا ہوگی اور ضرور جہنم کے اوپر انیس (۱۹) فرشتے مقرر ہیں اور تمہارا زور کام

نہ آئے گا اور تم جو کہتے ہو نبی کی کیا حاجت بھیجنا بے کار ہے نہیں نہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اب ان باتوں کے ثبوت میں چند چیزوں کی قسم کھا کر بیان کرنا عرب کے لیے کافی تھا کس لیے کہ وہ قسم کھا کر جھوٹ نہیں بولتے تھے اور اس کو مصیبت آنے کا سبب تصور کرتے تھے اس لیے فرماتا ہے

والقمر والیل اذ ادبر والصبح اذا اسفر انها لاحدى الكبر

چاند کی قسم اور رات کی قسم جب کہ وہ ڈھلے اور صبح کی قسم جب کہ وہ روشن ہو جائے البتہ وہ (دوزخ) بڑی چیزوں میں کی ایک چیز ہے۔ کچھ ایسی ویسی بات نہیں جس کو تم ہلکا سمجھتے ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جواب قسم محذوف ہو کس لیے کہ وہی جواب قسم ہے جس کی بابت مخاطبین سے رد و بدل ہو رہی ہے۔ اس قرینہ سے اس کو حذف کرنا عین بلاغت ہے اور انها لاحدى الكبر ان تینوں چیزوں کی بابت ہو کہ جن کی قسم کھائی ہے یعنی ہم ان چیزوں کی اس لیے قسم کھاتے ہیں کہ یہ بڑی چیزوں میں سے ہیں اور نذیرا للبشر بھی ان تینوں چیزوں کی نسبت کہنا ان کے واقعی حال کو بیان کرنا ہے۔ یا یہ کہ ہم ان کی قسم انسان کے متنبہ کرنے کو کھاتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کے متنبہ کرنے کو بھیجا ہے یا یہ کہ قیامت کا واقعہ انسان کے ڈرانے اور ہوشیار کرنے کو بیان کیا ہے

عرب کے یقین دلانے کو تو صرف ان چیزوں کی قسم کھانا کافی تھا مگر اور لوگوں کے لیے خود ان تین چیزوں میں قیامت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہے گویا یہ اشیاء ان دونوں مسئلوں کے لیے دلائل ہیں۔ (اگر کوئی) ذرا ان کے حالات میں غور کرے تو خود بخود قیامت کا برپا ہونا آں حضرت کا نبی مرسل ہونا ثابت ہو جائے۔ اب اختیار ہے کہ ان کے حالات کو قضایا بنا کر نتیجہ نکالا جائے یا یوں ہی طبیعت سلیمہ فیہ سمجھ جائے۔

یہ تینوں چیزیں وجود قیامت پر اس لیے دلیل ہیں: چاند اس لیے کہ اس کے نور کا گھٹنا بڑھنا اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور یہ نمونہ ہے دنیا کو آباد کر کے بگاڑنے اور پھر دوسری بار زندہ کرنے کا۔ چاند رفتہ رفتہ روشنی زیادہ دیتا جاتا ہے آخر جب کامل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد سے نقصان (کمی) شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ ۲۱ کے بعد پھر چاند نمودار ہوتا اور اگلے مہینے میں روشنی کا نیا نقشہ جماتا ہے۔ اسی طرح دنیا نے تدریجاً ترقی کی اور کرتی جا رہی ہے جب پوری ترقی کر کے اس کی حد پر پہنچ جائے گی تو رفتہ رفتہ انحطاط شروع ہوگا۔ خوب اچھے اچھے لوگ اور خوبیاں اٹھتی جائیں گی۔ آخر ایک روز فنا ہو جائے گی اور اس تاریکی عدم کے بعد اس کو دوسری زندگانی کا نور بخشا جائے گا جو پھر فنا نہ ہوگا۔ اور اس لیے بھی چاند قیامت کی نشانی ہے کہ قیامت کے قریب اس کا شق ہونا پہلی کتابوں میں مذکور ہے[2] جیسا کہ فرمایا تھا

اقتربت الساعة وانشق القمر۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چاند اس لیے دلیل ہے کہ یہ رات کو روشن کرتا ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں بھی اندھیری ہو رہی تھی اس حکیم نے اپنے فضل سے نبی آخر الزماں بھیجا جو تاریکی دور کرنے والا چاند ہے۔ اور والیل اذ ادبر والصبح اذا اسفر میں تو صاف صاف ایما ہے کہ رات کی اندھیریاں پیٹھ پھیر چلیں ظلمت کا

[1] کوئی اولاد کی کوئی معشوق کے سر کی کوئی ماں کی قسم کھاتا ہے کوئی مخدوم اور معزز کی ۱۲ منہ

[2] کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۲۴ باب درس ۲۳ میں ہے اور چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ جس وقت رب الافواج کوہ صیہون اور یروشلم پر اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا ۱۲ منہ

زمانہ رخصت ہوتا چلا ہے اور صبح ہدایت روشن ہوتی جاتی ہے اور اسی لیے حضرتؐ کو کہیں چراغ روشن سے کہیں چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور ایام جاہلیت کو رات سے۔

اور قیامت کی طرف اس لیے اشارہ ہے کہ دنیا مع اپنے چاند اور ستاروں کے تمام ہوا چاہتی ہے اذ ادبر اس کا وجود عارضی اور چند روزہ ہے اور یہاں کی ہستی کدورتوں اور خلش سے صافی نہیں اس لیے اس کو رات سے تشبیہ ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس کی صبح ہے اخیر زمانہ اور تنویر کے لحاظ سے۔ اب اس کے بعد آفتاب برآمد ہونے والا ہے جس سے دار آخرت اور اس ابدی جہان کی طرف اشارہ ہے وہاں ہر ایک کو اصلی روشنی میں اپنے نیک و بد کی اور علم و جہل کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

یہ جہان رات ہے اس میں جو کچھ نور ہے تو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و ارشاد کا نور ہے حق و باطل میں امتیاز کرنے کو اسی قدر روشنی کافی ہے کہ جس قدر چاند سے رات میں پیدا ہوتی ہے مگر انکشاف کلی قیامت کے دن ہی میں ہوگا جس کی صبح نمودار ہو چلی۔ اس لیے فرماتا ہے انہا لاحدی الکبر یہ ایک بڑی بات ہے نذیرا للبشر بشر کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والی ہے۔ جاگو جاگو اے لذات و شہوات کے متوالو! خدا کی طرف سے بیدار کرنے والا پکار رہا ہے۔ مگر جاگے کون؟ وہی جو بشر ہو، مگر جو بشریت سے خارج ہو کر حیوانیت میں داخل ہو گیا ہو جس کو رات دن کھانے پینے سونے جماع کرنے یا باہم لڑنے کے سوائے اور کوئی کام نہیں کیا جاگے گا؟

فرماتا ہے لمن شاء منکم ان یتقدم او یتاخر اب جو چاہے تم میں سے آگے آئے سعادت کے رستے میں بڑھ کر قدم رکھے، جو چاہے پیچھے ہٹے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گرے فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ وقد تبین الرشد من الغی مگر جو پیچھے ہٹے وہ یہ نہ سمجھے کہ میں دار آخرت کی دارو گیر سے آزاد ہو جاؤں گا میرے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی کس لیے کہ کل نفس بما کسبت رھینۃ ہر شخص امیر غریب شریف و وضیع اپنے اعمال میں گرو ہی ہے چھٹکارا نہیں۔ الا اصحٰب الیمین مگر داہنے والے ماخوذ نہیں۔ داہنے والوں سے مراد وہ گروہ ہے جو قیامت کو تخت رب العالمین کے دائیں طرف کھڑا ہوگا اور ان کو ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور روز میثاق بھی وہ دائیں طرف تھے۔ اور یمین یُمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی برکت اور بہتری کے ہیں یعنی اہل خیر ایماندار نیکوکار، وہ اپنے اعمال میں ماخوذ نہ ہونگے کس لیے کہ ان کے اعمال قابل مواخذہ ہی نہیں۔

وہ اصحاب الیمین اُس روز روشن میں کہ جس کی صبح نمودار ہونے والی ہے کہاں رہیں گے فی جنت باغوں میں جہاں اپنے اعمال و ایمان کے پھل کھائیں گے۔ اور یہ ان کی اس گرمی و محنت کا نتیجہ ہے جو خرابہ دنیا میں انہوں نے اٹھائی تھیں یتساءلون عن المجرمین ما سلککم فی سقر گناہ گاروں سے پوچھیں گے کہ کس چیز نے تم کو جہنم میں پہنچایا (فی جنت۔ یتساءلون کا ظرف بھی ہو سکتا ہے کہ ان باغوں میں رہ کر مجرموں سے پوچھیں گے) اس عالم میں اہل جنت کو اہل النار دکھائی دیں گے کیونکہ حجاب جسمانی جو قرب و بعد کا رؤیت میں فرق پیدا کر دیتا ہے اٹھ جائے گا۔

دوزخی ان کو جواب دیں گے لم نک من المصلین کہ ہم دنیا میں نماز نہیں پڑھتے تھے اہل صلوٰۃ کی جماعت میں نہ تھے ولم نک نطعم المسکین اور نہ فقیروں محتاجوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ یعنی نہ بدنی و روحانی عبادت کرتے تھے اور نہ مالی عبادت کرتے تھے۔ نماز بدنی و روحانی عبادت ہے کھانا کھلانا مالی۔ اہل دنیا کے نزدیک بدنی خدمت مالی خدمت سے آسان تر ہے اس لیے اول نماز نہ پڑھنا ذکر کیا بعد میں کھانا نہ دینا۔ یہ دونوں کام قوت عملیہ کی

تکمیل کے رکن ہیں کس لیے کہ تعظیم امراللہ جو نماز میں ہے اور شفقت بر خلق خدا جو خیرات میں ہے تمام اہل عقل و نقل کے نزدیک عمدہ کام ہیں۔

اس کے بعد دو کام قوتِ نظریہ کے فاسد کرنے والے اور بتائے وکنا نخوض مع الخائضین اور خدا و رسول کی باتوں میں اور غوطہ لگانے والوں کے ساتھ ہم بھی غوطہ لگاتے تھے۔ غوطہ لگانے سے مراد باتیں چھانٹنا انکار کرنا شک و شبہات پیدا کرنا ہے، وکنا نکذب بیوم الدین اور ہم روزِ جزا کو بھی جھٹلایا کرتے تھے۔ کہتے تھے قیامت نہ ہوگی، اجی وہاں کی کیا خبر ہے کون دیکھ کر آیا ہے، اب تو مزے کر لو، یہ دونوں باتیں قوتِ نظریہ کو خراب کرنے والی بہت کچھ تھیں۔ اعمالِ نیک بھی نہ کیے ایمان بھی نہ لائے تھے۔ اور یہ بات کب تک رہی حتیٰ اتٰنا الیقین یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی اور مر گئے کسی سمجھانے والے کی بات کو نہ مانا، اپنی اسی جہالت پر اڑے رہے۔

موت کو یقین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی بابت دنیا میں کسی کو بھی شک نہیں ملحد خدا پرست عالم جاہل بدکار نیک سب اس کے قائل ہیں اور یہ بھی ہے کہ مرنے کے وقت وہ پردہ جو اس جہان اور اس جہان میں پڑا ہوا ہے اٹھ جاتا ہے پھر وہاں کی ہر بات دکھائی دینے لگتی ہے یقین آجاتا ہے مگر کیا فائدہ؟ ایمان و عمل کا وقت جاتا رہا اس لیے خود ہی فرماتا ہے فما تنفعہم شفاعۃ الشافعین کہ اُس روز سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہ آئے گی۔ کس لیے کہ شفاعت یا ایمان و اعمالِ صالحہ کرتے ہیں وہ ان کے پاس ہیں نہیں یا حضراتِ انبیاء و اولیاء کرتے ہیں ان سے بے زاری پیدا کر لی تھی وہ ان سے بے زار تھے۔ ان آیات کا انجام بتایا گیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ دارِ آخرت میں کار آمد یہ باتیں ہیں نماز خیرات ایمان اطاعتِ خدا و رسول۔ اور اُن کے برخلاف کرنے سے سقر میں داخل ہونا یقینی ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٧﴾

پھر ان کو کیا ہو گیا جو نصیحت سے منہ موڑ لیتے ہیں

كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿٤٨﴾ فَرَّتْ

گویا کہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بدک کر

مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٤٩﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ

بھاگ رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے

امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا

کہ اس کو کھلی ہوئی کتابیں

مُنَشَّرَةً ﴿٥٠﴾ كَلَّا ۖ بَلْ لَا يَخَافُونَ

دی جائیں نہیں نہیں بلکہ وہ آخرت سے

الْآخِرَةَ (ط) كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٢﴾

نہیں ڈرتے نہیں نہیں یہ قرآن ایک نصیحت ہے

فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٣﴾ وَمَا

پھر جو چاہے اس کو یاد رکھے اور کوئی بھی

يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ

یاد نہیں رکھ سکتا مگر جب کہ اللہ ہی چاہے

٢ ع ٢٥ ١٦ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٤﴾

وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی بخشنے والا ہے۔

ترکیب

معرضین حال من الضمیر فی متعلق الجار والمجرور فما مبتدء لہم خبرہ کانھم الجملۃ حال من الضمیر فی معرضین علی التداخل مستنفرۃ قرء الجمہور بالکسر یقال نفروا واستنفروا مثل سخر واستسخر وعجب واستعجب وقرئ بالفتح قال ابو علی

الفارسی الکسرۃ الاولی فرت الخ حال بتقدیر قد والقسورۃ عند الاکثر اسد فعولۃ من القسر وہو القہر والغلبۃ سمی بذلک لانہ یقہر السباع وقیل جماعۃ الرماۃ قال الازہری اسم جمع للرماۃ لا واحد لہ من جنسہ وقیل ذکر الناس واصواتہم وقیل ظلمۃ اللیل بل یرید عطف علی مقدر یقتضیہ المقام کانہ قیل لا یکتفون بتلک التذکرۃ بل یرید الخ کلا بل لا یخافون اضراب انتقالی لبیان ہذا التنعۃ وقیل کلا بمعنی حقا کلا ردع لہم عن اعراضہم عن التذکرۃ والضمیر فی انہ وذکرہ للتذکرۃ والمصدر ذو التاء یذکر ویونث

تفسیر

جب قیامت کے مصائب کا یہ حال ہے کہ کسی کی سفارش کفار کو کام نہ آئے گی اور وہ دن آنے والا ہے جس کا پہلا دروازہ موت ہے فما لہم عن التذکرۃ معرضین تو ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے جو اس روز کے لیے کارآمد نصیحتوں سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور منہ بھی کس طرح پر پھیرتے اور بھاگتے ہیں کانہم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ گویا کہ وہ جنگلی گدھے ہیں جنگل میں شیر کو دیکھ کر یا آواز اور شور و غل سن کر بدک کر بھاگتے ہیں۔ نفع و نقصان کچھ نہیں دیکھتے نہ سوچتے ہیں۔

نصیحت اور بھلائی سے منہ پھیرنا کبھی کم فہمی اور بے عقلی سے ہوتا ہے کہ اس کے فوائد اس کی سمجھ میں نہیں آتے جیسا کہ کم عمر بچے تحصیل علم سے بھاگتے ہیں اور کبھی طبعی نفرت سے ہوتا ہے باوجودیکہ فوائد معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ بیمار دوا پینے سے اعراض کرتا ہے اور کبھی کسی وہم اور خیالی اندیشہ سے جیسا کہ فصد سے جس میں وہم ہوتا ہے کہ مر نہ جاؤں اور کبھی عادات و رسوم کی پابندی اور جیسی لذت اور الفت امر ناقابل سے ہوتا ہے جس لیے اس کے خلاف کسی کی نصیحت سننا نہیں چاہتا جیسا کہ عوام جہال اپنے مالوفات اور رسوم بد کے خلاف سننا گوارا نہیں کرتے اور فساق و فجار کی ناپاکی خواہش ان کی عقل پر غالب آجاتی ہے وہ شراب زنا لواطت یا اور برے کام نہیں چھوڑتے۔ ان چاروں صورتوں میں عقل سلیم مغلوب ہو جاتی ہے اس لیے ان کو جنگلی گدھوں سے تشبیہ دینا اور ناصح مشفق کو شیر سے جس کی نصیحت کو اپنی قوت متوہمہ کے سبب مضر اور خطرناک جانتا ہے بہت ٹھیک تشبیہ ہے۔

ایک پانچویں صورت اور بھی اعراض کی ہے کہ اس کا تکبر اور غرور نہیں رخصت دیتا کہ کسی اور سے مستفید ہو حالانکہ اس کی بھلائی سمجھتا ہے اس لیے فرماتا ہے بل یرید کل امرئ منہم ان یؤتی صحفا منشرۃ بلکہ اس لیے بھی نہیں مانتے کہ ہر ایک ان میں سے یہی چاہتا ہے کہ اس پر آسمان سے بند اور ملفوف نہیں بلکہ فرامین شاہانہ کے طور پر کھلی ہوئی کتاب اترے یعنی ہر ایک بغیر وسیلہ نبی مرسل خدا پاک سے ہم کلام اور مخاطب ہونے کی ہوس رکھتا ہے جیسا کہ بعض حکماء کہتے ہیں کہ نبی کی ضرورت نہیں ہر ایک کا واسطہ اس کے رب سے کافی ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ کفار قریش کہتے تھے کہ ہم آپ کو جب مانیں گے کہ ہر ایک کے پاس آسمان سے ایک فرمان آئے جس میں لکھا ہو کہ یہ فرمان رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے تو محمد کا کہنا مان۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں بھی ہے کہ حتی تنزل علینا کتبا نقرؤہ فرماتا ہے کلا ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہر ایک میں اس سے مخاطب ہونے کی قابلیت نہیں کیوں کہ نفوس انسانیہ کے درجات متفاوت ہیں بعض کو عالم علوی سے مناسبت ہے اور بعض کو نہیں دنیاوی کاروبار میں ایک عمدہ کام کی ہر ایک صلاحیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ عالم ملکوت کے اسرار پر مطلع ہونے کی رکھے۔

یہ تو ان کی خرمستی کی باتیں ہیں بلکہ بات یہ ہے بل

لا یخافون الاخرۃ کہ وہ آخرت کے معاملات سے ڈرتے نہیں کس لیے کہ ان کا ان باتوں پر ایمان نہیں، اگر ان کو کچھ بھی ان پیش آنے والی مصیبتوں کا خوف و اندیشہ ہوتا جیسا کہ دنیاوی امور میں ہوتا ہے اور اس کی چارہ جوئی کے لیے ہر ایک کے پاس دوڑے دوڑے پھرتے ہیں تو ضرور ہمارے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دفعیہ کی تدابیر پوچھتے

پھر اعادہ کرتا ہے کلا کہ جو تم چاہتے ہو وہ ہرگز نہ ہوگا۔ انہ تذکرۃ یہ قرآن ایک نصیحت ہے فمن شاء ذکرہ جو چاہے اس کو یاد کرے نصیحت سے مستفید ہو کس لیے کہ اس کا اسی کو نفع ہے اور جو چاہے نہ مانے جہنم میں جائے۔

مگر وما یذکرون الا ان یشاء اللہ اس کو یاد بھی وہی کرتے ہیں جن کو یاد کرانا اللہ چاہتا ہے کس لیے کہ ھو اھل التقوی واھل المغفرۃ وہی متقی بناتا ہے اور وہی متقی بنا کر بخش دیتا ہے، یا یوں کہو وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے تمام نفع و نقصان کی ڈوریاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، پھر جب اس سے کوئی ڈرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے وہی بخشنے کے قابل ہے۔ اس کے ڈر کے ساتھ بخشش لگی ہوئی ہے۔

انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے انا اھل ان اتقی فلا یجعل معہ الٰہ فمن اتقانی فلم یجعل معی الٰھا فانا اھل ان اغفر لہ (رواہ احمد والدارمی والترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجہ والبزار وابو یعلی) کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ مجھ سے ڈرے پس میرے ساتھ کوئی شریک نہ بنایا جائے، پھر جو مجھ سے ڈرے گا میرے ساتھ اور معبود نہ ٹھیرائے گا تب میں اس کو بخش دوں گا (اس حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ و نسائی وغیرہ محدثوں نے نقل کیا ہے)

یعنی یہاں تقویٰ سے اعلیٰ مرتبہ مراد نہیں کہ جس میں تمام صغائر و کبائر سے مجتنب رہنا شرط ہو کس لیے کہ اول تو ہر ایک بندہ سے اس قسم کا تقویٰ مشکل ہے، ای عبد لک لا الما؎ دوم ایسے تقویٰ کرنے والے پر مواخذہ ہی نہیں بلکہ شرک سے بچنا مراد ہے اور اس سے وہ اس کے دربار میں راہ پانے کے قابل ہو جاتا ہے، اس کے بعد اور باقی گناہوں پر اسی کی طرف رجوع کرنے سے مغفرت ہے یعنی وہ اگر مشرک نہیں تو قابل مغفرت ہے

سورت کی ابتدا میں تھا کہ اسے مدثر کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا، اخیر میں کلام کو تمام اس پر کیا کہ اس سے ہی ڈرنا چاہیے اور انجام کار تیری نصیحت کا تقویٰ ہے جس کا پہلا مرتبہ شرک سے بچنا ہے، اور بعد اس کے اور مراتب ہیں جس کا انجام مغفرت ہے۔ حاصل یہ کہ تو خلعت نبوت پہن کر چپ نہ رہ بلکہ متقی بنانے میں کوشش کر اور متقیوں کے لیے میری بخشش تیار ہے۔ ابتدا و انتہاء کلام میں ایسی مناسبت رکھنا کمال بلاغت ہے۔

سُورَۃ قیامہ

مکہ میں نازل ہوئی اس کی چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ

قسم ہے قیامت کے دن کی اور

اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲

قسم ہے پشیمان ہونے والے نفس کی

؎ کون سا ایسا تیرا بندہ ہے جس نے گناہ نہیں کیا ۱۲ منہ

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ

کیا آدمی سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں

عِظَامَهُ ۝٣ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ

جمع نہ کریں گے ؟ ہاں ہاں ہم اس کے جوڑوں کے ٹھیک

أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝٤ بَلْ يُرِيدُ

کر دینے پر قادر ہیں بلکہ آدمی

الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝٥ يَسْأَلُ

چاہتا ہے کہ اس کے سامنے ڈھٹائی کرے پوچھتا ہے

أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ۝٦ فَإِذَا بَرِقَ

کہ کب ہے قیامت کا دن پھر جب کہ نظر چندھیا

الْبَصَرُ ۝٧ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝٨ وَ

جائے گی اور چاند گہنا جائے گا اور

جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝٩ يَقُولُ

سورج اور چاند اکٹھے کیے جائیں گے اس دن آدمی

الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝١٠

کہے گا کہاں ہے بھاگ کر جانے کی جگہ

كَلَّا لَا وَزَرَ ۝١١ إِلَىٰ رَبِّكَ

نہیں کہیں پناہ نہیں آپ کے رب ہی کی طرف

يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝١٢ يُنَبَّأُ

اس دن ٹھکانا ہے اس دن انسان کو

الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ

بتادیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور

أَخَّرَ ۝١٣ بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ

کیا چھوڑ آیا بلکہ ہر ایک انسان اپنے حال کو آپ

بَصِيرَةٌ ۝١٤ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝١٥

دیکھ رہا ہے گو کتنا ہی بہانے کیا کرے

ترکیب

لا اقسم قیل لا زائدۃ کما زیدت فی قولہ لئلا یعلم۔ و قیل لیست بزائدۃ وحینئذ فی معناہا وجہان احدہما انہ نفی القسم بہا لوضوح الامر والثانی ان لا رد لکلام مقدر لانہم قالوا انت مفتر ایحسب الہمزۃ للاستفہام الانکاری و ان مخففۃ من المثقلۃ واسمہا ضمیر الشان محذوف وجواب القسم محذوف یدل علیہ ہذہ الجملۃ ای لیجمعن العظام بلی ایجاب لما بعد النفی المنسحب الیہ الاستفہام والوقف علیہ حسن۔ ویبتدئ الکلام بقولہ قادرین وانتصابہ علی الحال من الفاعل ای نجمعہا قادرین وقیل المعنی بل نجمعہا نقدر قادرین بنان جمع او اسم جمع بنانۃ لیفجر اللام زائدۃ و ناصبہ ان مقدرۃ ای ان یکذب امامہ ظرف ای لیکفر فیما یستقبل یسئل تفسیر لیفجر۔ ایان خبر مقدم یوم القیامۃ مبتدا۔ مؤخر ثم بل یرید عطف علی ایحسب فیجوز ان یکون ایضا استفہاما ویجوز ان یکون ایجابا یقول الانسان جواب اذا برق البصر وجمع الشمس والقمر ولم یقل جمعت لان التانیث مجازی قالہ المبرد الی ربک خبر والمبتدا المستقر ویومئذ منصوب بفعل دل علیہ المستقر الانسان مبتدا بصیرۃ خبرہ وعلی متعلقۃ بالخبر والتاء فی بصیرۃ للمبالغۃ کما فی العلامۃ ولو وصلیۃ معاذیرہ قال الواحدی المعاذیر جمع معذرۃ یقال معذرۃ ومعاذر ومعاذیر وقال صاحب الکشاف والمعاذیر لیس بجمع معذرۃ وانما ہو اسم جمع لہا کالمناکیر فی المنکر وجمع المعذرۃ معاذر قال المبرد والزجاج المعاذیر الستور واحدہا معذار

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے جمہور اسی کے قائل ہیں اور ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں چالیس آیات ہیں اس میں سر سورت پر قیامت کی قسم کھائی ہے اور بعد میں بھی قیامت کے حالات مذکور ہیں اس مناسبت سے اس کا نام سورۂ قیامہ ہوا۔

مناسبت

اس کی مناسبت سورۂ مدثر سے یہ ہے کہ سورۂ مدثر میں قیامت کے ظاہری واقعات کی ابتداء مذکور تھی بقولہ فاذا نقر فی الناقور اور انتہا بھی بقولہ سا صلیہ سقر و کل نفس بما کسبت رھینۃ اور اس سورت میں قیامت کے باطنی واقعات کی ابتداء اور انتہاء مذکور ہے ابتدا یہ کہ عقل اس روز متحیر ہو جائے گی بقولہ فاذا برق البصر الخ اور انتہاء دیدار الٰہی یا اس سے محرومی کے بعد سیاہ روئی حسرت و ندامت ہے بقولہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ و وجوہ یومئذ باسرۃ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ۔

اور یہ بھی ہے کہ مدثر کے اخیر میں فرمایا تھا ھو اھل التقویٰ و اھل المغفرۃ کہ وہی ڈرنے اور بخشنے کے قابل ہے، یہ اس کی شان ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور وہی معافی دیتا ہے مگر دنیا چند روزہ جو دار العمل ہے اس تقویٰ اور مغفرت کے آثار قویہ ظاہر ہونے کی جگہ نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جو ابدی ہے اور اس کی ابتداء قیامت سے ہے، اسی لیے قیامت کی قسم کھاتا ہے، اور اس کے بعد نفسِ لوامہ کی بھی یعنی اچھے لوگوں کی جان کی بھی جو اپنے برے کاموں پر ملامت کرتے ہیں اور در اصل ایسے ہی لوگ متقی ہیں[1] یہ اس لیے کہ اس روز وہ لوگ مغفرت کے آثار دیکھیں گے

اور بھی الفاظ اور معانی میں باہم مناسبتیں ہیں جو غور کرنے سے ظاہر ہو سکتی ہیں اور صحابہ کبارؓ کے عجیب اذہان صافیہ تھے کہ ترتیب سور کے وقت ان پر یہ مناسبات ظاہر تھیں

تفسیر

لا اقسم بیوم القیمۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت اور نفسِ لوامہ کی کہ انسان اس روز اپنی تقصیرات پر حسرت کرے گا اور سخت نادم ہوگا۔ نفسِ لوامہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اچھے لوگ دنیا میں اپنی تقصیرات پر حسرت و ندامت کرتے ہیں کیوں کہ ان کو چشمِ بصیرت ہے، برے بھلے میں امتیاز کرتے ہیں نفس کی خواہش سے اگر کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو فوراً نادم بھی ہو جاتے ہیں ان اندھے جاہلوں کی طرح اس پر اڑتے نہیں اسی طرح یہ اندھے اس روز حسرت و ندامت کریں گے کیوں کہ اس روز روشن میں ان کی آنکھیں کھل جائیں گی (فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید) اس روز روئیں گے دانت پیسیں گے مگر کیا فائدہ آج اگر روتے اور ندامت کرتے تو فائدہ تھا۔

نفس سے مراد جان یا روحِ انسانی ہے اور وہی مدرک ہے اور وہی دراصل انسان ہے اور یہ جسم اکتسابِ کمالات کے لیے اس کا آلہ یا ہتیار یا اوزار ہے،

[1] وہ نیکی کر کے بھی ملامت کرتے ہیں کہ کم کی اچھی طرح سے نہیں کی اور بدی کر کے بھی اس لیے کہ کیوں کی۔ بدی کرنے کے بعد ان کے دل کو ایک سخت صدمہ ہوتا ہے ۱۲ منہ

پھر نفوسِ انسانیہ اپنی استعداد و فیضان کے لحاظ سے کئی قسم پر ہیں۔

(۱) حضرات انبیا علیہم السلام و اولیائے کرام کے نفوسِ قدسیہ مطمئنہ ہیں کہ ان کو حق سبحانہ کی قربت سے اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب)

(۲) ان کے بعد صالحین ہیں ان کے قلوب کو بھی ذکر الٰہی سے اطمینان ہے مگر نہ اُتنا، اور ان میں اپنی تقصیرات پر ملامت کرنے کی صفت غالب ہے اس لیے ان کے نفس کو نفسِ لوامہ کہتے ہیں، ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش
عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش
کس نتواند کہ بجا آورد

(۳) بدکار اور فاسقوں اور کافروں کا نفس امارہ ہے وہ ہل من مزید کہتا رہتا ہے، ہر وقت لذات و شہوات حسد وبغض کینہ وانتقام کا حکم وہی دیتا ہے، ندامت و ملامت تو درکنار بلکہ وہ ان نالائق باتوں پر اصرار کیا کرتا ہے۔

نفس مطمئنہ کو تو قیامت کے ہولناک واقعات سے بحکم وھم من فزع یومئذ آمنون اطمینان ہی ہوگا اور امارہ سقر کا ایندھن ہیں، البتہ نفس لوامہ متوسط ہے اور زیادہ قیامت کے معاملات سے خوف و رجا ہیں اسی کو تعلق ہے اس لیے قیامت کی قسم کے بعد اس کی قسم کھانا اس کی خوبی اور قیامت کے روز فلاح مندی بتا کر اس کو تسلی دیتا ہے۔

بعض علما فرماتے ہیں نفس لوامہ وہ نفس اور شخص ہے جو قیامت کے دن اپنے برے کاموں پر اپنے تیں ملامت کرے گا اور وہ کفار کا نفس ہے اس لیے وہ لا اقسم بالنفس اللوامۃ میں لا کو زائد نہیں کہتے بلکہ نفی کے لیے اور یوں معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت کی اور نہیں قسم کھاتے نفس لوامہ کی کس لیے کہ وہ ناپاک اس قابل نہیں۔

کفار منکرین قیامت کے مقابلہ میں قیامت کی قسم کھانا بظاہر مصادرہ علی المطلوب تھا مگر قیامت کا آنا ان کے لیے دلائل سے ثابت کر دیا گیا تھا اس لیے اس کے بعد ان کے شک کو اور بھی رفع کرتا، ان کے دو قسم کے شبہات تھے:۔

اول جہالت کی وجہ سے کہ وہ قیامت اور حساب کے نام لینے کو بھی مخل عیش سمجھتے تھے، اول شبہ کو مان کر کے اس کا ذکر کرتا ہے فقال ایحسب الانسان الن نجمع عظامہ کیا انسان (یعنی وہ انسان جو قیامت کے منکر ہیں) یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو پھر جمع نہ کر سکیں گے؟ مشرکین مکہ کا قیامت کے بطلان پر کسی دلیل و برہان پر اعتماد نہ تھا، وہ اسی شبہ سے باطل کرتے تھے کہ ہم دیکھتے ہیں انسان مر جاتا ہے اس کی ہڈیاں اور گوشت پوست خاک میں مل جاتا ہے ہوا اڑا کر لے جاتی ہے سر کے ذرات ہو کر کہیں اڑ گئے، ہاتھ پاؤں کے ذرے ذرے ہو کر کہیں دور جا پڑے اب بارِ دیگر یہ سب کیوں کر جمع ہو سکتے ہیں اس لیے کہتے تھے ھیھات ھیھات لما توعدون یہ بات کب ہو سکتی ہے اور اسی استبعاد کو ایک شاعر جاہلیت نے بھی بیان کیا ہے ؎

حیات ثم موت ثم نشر
حدیث خرافۃ یا ام عمرو

کہ جی کے مرنا پھر زندہ ہونا ایک لغو بات ہے اے ام عمرو یہ اس شاعر کی بیوی یا معشوقہ ہے جس سے کلام کر رہا ہے۔

اس کے جواب میں فرماتا ہے بلی ہاں کیوں نہیں ہم جمع کریں گے۔

پھر فرماتا ہے قادرین علی ان نسوی بنانہ کہ ہم اس کی انگلیوں کے پوروں کے درست کرنے پر قادر ہیں۔

انسان کے بدن میں سب بدن تیار ہونے کے بعد انگلیوں کی

کھال تیار ہوتی ہے، یہ اس کی تعمیر بدن کا خاتمہ ہے اور نیز یہاں گوشت اور چربی ہے اور اس کے اندر عروق و شرائین ہیں اور پھر اعصاب و رباطات و عضلات و مفاصل ہیں اور اسی لیے تمام بدن میں حکماء کے نزدیک اس کا مزاج بہ نسبت اور اعضاء کے زیادہ معتدل ہے اور گرمی سردی رطوبت یبوست کے دریافت کا مادہ زیادہ ہے۔ پھر جب ان کو بار دگر درست اور ٹھیک کر دینا فرمایا تو تمامی اعضاء کا بھی بار دگر ٹھیک کر دینا سمجھا گیا۔

آسمان و زمین کی پیدائش اور انسان کا اول بار منی کے قطرہ سے بننا وغیرہ ہزاروں اس کی قدرت کاملہ کے نمونے ان لوگوں نے دیکھے تھے اور سب دیکھتے ہیں پھر جو ایسا قادر و حکیم ہے کہ جس نے اول بار اس کو ایسی چیزوں سے پیدا کر دیا وہ بار دگر پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اس بات کو عقول صافیہ اور اذہان سلیمہ کے حوالے کر دیا کہ وہ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہی ایک بڑی قوی دلیل حشر کے برپا ہونے پر ہے، اس لیے فرماتا ہے کہ یہ انکار و تعجب در اصل کچھ نہیں ہے بل یرید الانسان لیفجر امامہ بلکہ اس انکار سے اس کی غرض یہ ہے کہ پہلے تو جو کچھ کیا تھا سو کیا تھا آئندہ بھی دل کھول بدکاری پر بدکاری کرے کس لیے کہ اب قیامت اور وہاں کی باز پرس کا کھٹکا تو اس نے اس انکار سے نکال ہی دیا۔ اس فسق و فجور کا نشہ اس کو قیامت کا لفظ بھی منہ پر نہیں لانے دیتا اور نہ اس کے دلائل میں غور و فکر کی مہلت دیتا ہے۔ اس لیے دلیر ہو کر پوچھتا ہے یسئل ایان یوم القیمۃ کہ کب ہے قیامت کا دن؟ یسئل سے یہاں تک دوسرے شبہات کا رد ہے جو شہوات پر مبنی ہے۔

بعض مفسرین امامہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ قیامت کا انکار کر کے اللہ کے سامنے بدکرداری کرنا چاہتا ہے جو پوچھتا ہے کہ ایان یوم القیمۃ کہ کب ہے قیامت کا دن۔ یہ انسان کی کمال بے شرمی اور بے حد دلیری ہے کہ اپنے مولا کے روبرو گستاخانہ سوال کرتا ہے کس لیے کہ اس کو ڈرنا اور اپنے حال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ کوئی طبیب حاذق خبر دے کہ یہ مرض تجھ کو لاحق ہے علاج کر ورنہ مر جائے گا پھر یہ بڑے جاہل کا کام ہے کہ اس سے پوچھے کب اور کس تاریخ کو مروں گا۔

اس کے بعد قیامت کی علامات و حالات بیان کرتا ہے جس کے سننے سے دل لرزتا ہے فقال فاذا برق البصر کہ جب آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ یہ اس روز کی تجلی نورانی سے ہوگا جب کہ تخت رب العالمین عدالت کے لیے فرشتے لا کر دھریں گے۔ اس قہر و جبروت کی تجلی کو آنکھیں دیکھ نہ سکیں گی آفتاب کے سامنے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں پھر وہ تجلی تو اس سے لاکھوں درجے بڑھ کر ہوگی جس کے آگے بجلی کی چمک بھی کوئی چیز نہیں جیسا کہ سورۂ زمر میں آیا ہے واشرقت الارض بنور ربہا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ قیامت صغریٰ یعنی موت کے وقت ہوگا جب کہ اس عالم ناسوتی پر پردہ پڑ جائے گا اور دوسرے عالم کا پردہ اٹھ جائے گا تو وہاں کے ہولناک حالات دیکھ کر کافر و فاسق کی آنکھیں حیرت و دہشت کے مارے اوپر چڑھ جائیں گی، وہ شہوت کا نشہ جس سے انکار قیامت کرتا تھا اتر جائے گا۔ موت کے بعد اس کو قیامت کبریٰ کا آپ یقین ہو جائے گا، یہیں سے اس کا وقت شروع ہے۔ اور ایمان دار نیک لوگوں کی آنکھیں عالم ملکوت کی تجلیات دیکھ کر خیرہ ہو جائیں گی اور اولیاء کرام و انبیاء عظام کی اس تجلی ذاتی سے جو عین وصال ہے یہ قیامت کی پہلی علامت تھی۔

اس کے بعد دوسری علامت بیان فرماتا ہے وخسف[1]

[1] کتاب یسعیاہ کے ۱۳ باب میں بھی اس طرف ا (باقی بر صفحہ آئندہ)

الفمر کہ چاند گہنا جائے گا یعنی بے نور ہو جائے گا، یہ قیامتِ کبریٰ کے قریب ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی موت کے وقت ہوگا کس لیے کہ قمر سے مراد عقل ہے۔ اس وقت عقل ماری جائے گی۔

(تیسری علامت) وجمع الشمس والقمر چاند اور سورج جمع کیے جائیں گے یہ بھی قیامت کے وقت نفخ صور پر ہوگا کہ دونوں بے نور ہوکر عدم کے گڑھے میں ایک جا پھینک دیے جائیں گے اور نفخ صورِ دوم پر نیا آسمان نئی زمین نئے چاند اور سورج پیدا ہوں گے۔ جو ان کو بھی علاماتِ موت سے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک قمر و شمس کے جمع ہونے سے بطور کنایہ کے روح آفتاب اور قمر دل کا جمع ہونا مراد ہے کہ پھر اس وقت دل پر ادھر اُدھر کے خیالات طاری نہ ہوں گے بلکہ صرف روحانی یا ذات وصفات کا اجتماع مراد ہے، جو دارِ دنیا میں عوارض کے سبب اختلاف تھا ذات کا تقاضائے معرفت تھا، صفاتِ شہوانیہ و غضبیہ اس کو دور پھینکتے تھے اب یہ اختلاف نہ رہے گا۔

اس وقت آدمی کی عجب حالت ہوگی یقول الانسان یومئذ این المفر اور انسان کہے گا آج بھاگ کر جانے کی کون سی جگہ ہے کہاں جاؤں جو اس مصیبت سے امن پاؤں' فرماتا ہے کلا نہیں نہیں لا وزر کوئی امن اور پناہ کی جگہ اُس دن نہ ہوگی جس نے آج پناہ کی جگہ پیدا نہیں کی اس کو اس دن نہ ملے گی الی ربک یومئذ المستقر اس روز تیرے رب کے پاس ٹھیرنے کی جگہ ہوگی مشتاقانِ دیدار خود بخود آئیں گے اور اشرار و فجار کو بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے دربار میں لائیں گے پھر وہاں حساب و کتاب شروع ہوگا۔

ینبّؤا الانسان یومئذ بما قدم واخر اُس روز آدمی کو بتا دیا جائے گا کہ اس نے کیا نیک کام آج کے دن کے لیے آگے بھیجے تھے یعنی کیے تھے اور کیا نہیں کیے تھے۔ یا قدم سے مراد نیک و بد کام ہیں جو اس نے کیے تھے اور اخر سے وہ نیک و بد باتیں ہیں جو دنیا میں پیچھے چھوڑ آیا کہ اس کے بعد بھی نیک کاموں کا ثواب پہنچتا رہتا ہے جیسا کہ بنار مساجد و مدارس و رسم نیک اور بندگانِ خدا کی صلاح و فلاح کی تدابیر، اسی طرح برے کاموں کا عذاب ملتا رہتا ہے رسمِ بد چھوڑ آیا تھا یا دنیا کو برباد و ہلاک کرنے والی بات قائم کر آیا تھا یا کسی میں جھگڑے اور عداوت کا بیج بو آیا تھا، یا قدم سے وہ اعمال مراد ہیں جو پہلے کیے جاتے ہیں اور اخر سے وہ جو ان کے بعد ظہور میں آتے ہیں۔ فرماتا ہے بتلانے کی کوئی حاجت نہ ہوگی محض الزام واکرام مقصود ہوگا ورنہ بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ آدمی خود اپنے حال اور نیک و بد اعمال سے واقف ہوگا اور اب بھی منصف مزاج واقف ہوسکتے ہیں ولو القیٰ معاذیرہ پڑا حیلے بہانے بنایا کرے یا پڑا پردہ ان پر ڈالے اور چھپائے مگر کچھ بھی نہ چھپا سکے گا نہ کوئی حیلہ بہانہ کام آئے گا۔ وہاں یہ حجتیں اور ابلہ فریب تقریریں کچھ کام نہ آئیں گی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ط

آپ (جبرئیل کے پڑھنے کے ساتھ) قرآن کے ساتھ ساتھ پڑھنے میں اپنی زبان چلایا کریں

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝۱۶

کیونکہ قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوا دینا ہمارا ذمہ ہے

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝۱۷ ثُمَّ

پھر تو آپ اس کے پڑھنے کو سنتے رہیں پھر

اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ط كَلَّا بَلْ

اس کا بیان کر دینا ہمارا ذمہ ہے نہیں نہیں بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اشارہ ہے کہ چاند اور سورج خداوندی عدالت کے روز بے نور ہوجائیں گے ۱۲ منہ

تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ (۱۹) وَتَذَرُوْنَ

تم تو (اے اہل مکہ) جلد آنے والی (دنیا) کو پسند کرتے ہو اور دیر میں آنے والی (آخرت) کو

الْاٰخِرَةَ (ط) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (۲۱)

چھوڑتے ہو اس دن بہت سے چہرے ترو تازہ

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (ج) وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے منہ اس دن

بَاسِرَةٌ (۲۳) تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا

اداس ہوں گے خیال کرتے ہوں گے کہ ان پر کوئی کمر توڑنے والی

فَاقِرَةٌ (لا) كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ

مصیبت ڈالی جائے گی نہیں نہیں جبکہ جان گلے تک

التَّرَاقِيَ (لا) وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ (لا)

پہنچ جائے گی اور لوگ کہتے پھریں گے کوئی جھاڑنے والا ہے؟

وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (لا) وَالْتَفَّتِ

اور وہ سمجھ چکا ہوگا کہ اب تو جدائی ہے اور ٹانگ سے

السَّاقُ بِالسَّاقِ (لا) اِلٰى رَبِّكَ

ٹانگ (مرنے والے کی) لپٹی پڑی ہوگی اس دن ان کے رب ہی

يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ (ع)

کی طرف روانگی ہوگی۔

ترکیب

جمعه وقرانه اسم ان علینا خبره۔ قال الفراء القراءة والقرآن مصدران فاذا شرط قراناه ای اتممنا قراءته علیک فاتبع جواب الشرط ای استمع قراءته وکررها وقیل اعمل به کلا للردع عن العجلة وقیل کلا بمعنی حقا۔ وجوه مبتدا وجاز الابتداء بالنکرة لحصول الفائدة ناضرة خبره ویومئذ الظرف للخبر ناضرة ناعمة حسنة یقال شجر ناضر ای حسن ناعم ونضارت العیش حسنه وقیل مضیئة مسفرة مشرقة ناظرة خبر الی ربها متعلق به وقیل وجوه مبتدا۔ وناضرة صفة لوجوه ویومئذ ظرف لناضرة وناظرة خبر تظن الجملة صفة باسرة فی الصحاح بسر الرجل وجهه بسورا ای کلح وقیل متغیرة شدید العبوس والباسل ابلغ من الباسر لکنه غلب فی الشجاع اذا اشتد کلوحه[1] فاقرة داهیة تکسر الفقار اذا شرط والجواب الی ربک یومئذ المساق۔ التراقی جمع ترقوة وهی فعلوة لا تفعلة وهی عظم بین ثغرة النحر والعاتق یمینا وشمالا لکل انسان ترقوتان ویکنی ببلوغ النفس التراقی عن قرب الموت قیل هذا وما بعده معطوف علی بلغت من مبتدا۔ راق خبره۔ اصله راق فعل۔ فهو اسم فاعل[2] اما من رقی یرقی بالفتح فی الماضی والکسر فی المضارع فهو من الرقیة وهی کلام معد للاستشفاء۔ واما من رقی یرقی بالکسر فی الماضی والفتح فی المضارع فهو من الرقی بمعنی الصعود ومنه الترقی

تفسیر

ع ۱ ۳۰ ۱۷

پہلے ذکر تھا کہ انسان جلد باز ہے اور۔ جلد بازی خواہ دینی کاموں میں ہو خواہ دنیاوی اس حکمت کے خلاف ہے جو اس نے باوجود ایک دم میں پیدا کر سکنے کے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ کفار قیامت کے بارے میں جلد بازی کرکے پوچھتے تھے کہ ایان یوم القیمۃ اسی طرح بمقتضائے بشریت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے تھے کہ ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وحی سنانا شروع کیا ادھر اس کے ساتھ ساتھ

۱؎ ترش روئی ۱۲ منہ ۲؎ وقیل صیغة الماضی ۱۲ منہ
۳؎ منتر۔ جھاڑ ۱۲ منہ

شوق میں آپ بھی پڑھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ کبھی بھول نہ جاؤں۔ اور نیز یہ شوق تھا کہ جلد مطلع ہو کر لوگوں کو مطلع کروں' اس لیے قیامت کے بیان میں بطور جملۂ معترضہ کے لاتحرک بہ لسانک سے لے کر ثم ان علینا بیانہ تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس جلدی سے منع کیا اور تلقیٔ وحی کا ادب و قاعدہ سکھا دیا اور تسلی کر دی کہ آپ کو بھولنے نہ دیں گے اور ہم خود اس کو لوگوں پر ظاہر کر دیں گے۔ اور یہ جملۂ معترضہ اس مسلسل بیان میں ایسا ہے کہ جیسے کوئی معلم کسی کو تعلیم کرتا ہو اور اثنارِ درس میں شاگرد ادھر اُدھر متوجہ ہوتا ہو تو وہ اس کو بیچ میں ٹوک دے اور کہہ دے کہ ادھر ادھر متوجہ نہ ہو۔ پھر کیا اس کے کلام میں بے ربطی کا باعث تصور ہو سکتا ہے ایسے موقع پر یہ الزام قائم کرنا معترض کی کم فہمی اور اسلوب بلاغت و طرزِ خطاب سے محض بے خبری کی دلیل ہے۔ اور ممکن ہے کہ آیات میں انسان کے عذرِ بے جا کا رد ہو کس لیے کہ وہ عذرات میں اپنی زبان چلاتا ہے تیرے اعمال ہم نے جمع کرنے اور تجھ کو سنوانے اور پڑھوانے کا ذمہ کیا ہے آخرت میں جو بعد میں آئے گی اور تم سامنے کی چیزوں کو بعد کی چیزوں پر ترجیح دیتے ہو۔ بخاری و مسلم وغیرہما نے ابن عباسؓ سے اس آیت لاتحرک بہ لسانک کے متعلق یوں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت ایک گرانی معلوم ہوتی تھی اس لیے آپ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تاکہ بھول نہ جائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ کہ آپ قرآن سیکھنے میں جلدی کر کے زبان نہ ہلائیں بلکہ متوجہ ہو کر تمام وحی کو سن لیا کریں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں بھی یہی مضمون آیا ہے لاتعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ الخ کس لیے کہ ان علینا جمعہ کہ ہمارا ذمہ ہے اس کا تیرے دل میں جمع کرنا یہاں تک کہ آپ کے سینہ سے کچھ بھی فراموش نہ ہوگا اور اس بات کا بھی ذمہ ہے قرآنہ کہ تیری زبان سے پڑھوا دیں یا یہ معنی کہ اس متفرق کلام کو جمع کر دیں سب ایک جا مجتمع ہو جائے گا تب قرآن بمعنی قرءت نہ ہوگا بلکہ بمعنی قرآن فاذا قرأنہ پھر جب ہم آپ کو جبریل کے ذریعہ سے پڑھ کر سنا دیں تو فاتبع قرانہ آپ اس کو چپ ہو کر سنیں یا یہ معنی کہ اس پر چلیں اور اس کے تابع ہوں اس کے موافق عمل کریں اور اسی پر موقوف نہیں بلکہ ثم ان علینا بیانہ پھر یہ بھی ہمارا ذمہ ہے کہ ہم اس کو آپ سے بیان بھی کرا دیں گے یا یہ کہ آپ اس کے اشکالات اثنارِ وحی میں نہ پوچھیں بعد میں خود ہم آپ کو الہامی طور پر بتا دیں گے

ف اس جگہ سے علماء کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے وہ یہ کہ بوقت خطاب کسی مجمل بات کا بیان اگر بعد میں کر دیا جائے تو درست ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے بعض کہتے ہیں نہیں۔

ف بعض کہتے ہیں ان آیات کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن جن کا ذکر چلا آتا ہے انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال بتلاتے ہوئے اور اس کے عذاب کرتے ہوئے یہ کہے گا کہ اپنی کتاب یعنی نامہ اعمال پڑھ پھر جب وہ پڑھنے لگے گا تو زبان لڑکھڑائے گی جلدی جلدی پڑھے گا تب حکم ہوگا کہ اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کر کس لیے کہ اپنی حکمت سے یا اپنے وعدہ کے موافق ہم نے ذمہ کر لیا ہے کہ تیرے اعمال جمع کریں اور تجھ سے پڑھوا دیں یا تجھ کو سنوا دیں پھر جب سنا دیں تو سُن اور اس کے تابع ہو یعنی اقرار کر کہ پھر ہم اس عقوبت کی شرح اور اس کے اسرار بھی بیان کیے دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر تمام کلام مسلسل ہے۔

ف خدا پاک نے اپنے وعدے کو سچا کر دیا قرآن مجید کو ایک جگہ مجتمع بھی کرا دیا کس لیے کہ ٹکڑے ٹکڑے اور سورتیں سورتیں ہو کر نازل ہوا ہے۔ اب سب ایک جا بترتیب موجود ہے اور آپؐ کے سینہ میں بھی جمع کرا دیا اور تمام

قرآن مجید کے حافظ تھے اور آپؐ کی برکت سے بہت سے صحابہؓ بھی حافظ تھے اور بعدہٗ امت میں بھی اب تک لاکھوں حافظ ہیں جو ایک ایک حرف اور زیر و زبر پر حاوی ہیں یہ عہد آدم علیہ السلام سے اب تک کسی مذہبی کتاب کی بابت نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا اور قیامت تک یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور یہ کھلا ہوا معجزہ ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھیں، کان ہوں سنیں دل ہو سمجھے۔

اس کے بعد پھر قیامت اور اس کی نسبت انسانی طبیعت کا تعلق بیان فرما کر خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ فقال کلا نہیں ہرگز نہیں جلدی نہ کرو۔ مگر کیا کیجیے انسان جلد باز ہے جس لیے تحبون العاجلة وتذرون الاخرة اے بنی آدم تم جلدی کی بات پسند کرتے ہو دیر اور بعد میں آنے والی چیز کو چھوڑتے ہو اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تنبیہ ہے اور نیز یہ آیندہ بیان آخرت کی تمہید ہے اور سلسلہ وار کفار سے کلام بھی ہے کیوں کہ وہ جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کب ہے قیامت کا دن؟ اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو ٹھیرو وہ دن بھی آتا ہے۔ اور نیز انسان غفلت شعار کو اس کی ناعاقبت اندیشی پر ملامت ہے خصوصاً کفار کو جو عاجلہ یعنی دنیا اور اس کے عیش و نشاط فانی کو پسند کرتے ہیں اور ان پر فریفتہ ہو کر آخرت پیچھے آنے والی یعنی قیامت یا موت کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کا سامان اور سرانجام کچھ نہیں کرتے۔ حال کا سبز باغ دیکھ کر آدمی فریفتہ ہو جاتا ہے۔ انجام نہیں سوچتا۔

اب لو اس آخرت کا کچھ حال سن لو جس کو دنیا پر فریفتہ ہو کر چھوڑے بیٹھے ہو وجوہ یومئذ ناضرة الی ربہا ناظرة کہ بہت سے منہ یعنی ایمان دار نیکوں کے منہ جو دنیا میں آخرت کی تیاری میں رات دن مصروف رہتے ہیں تازہ اور روشن ہوں گے فرحت اور سرور کی وجہ سے یا اس تجلی خاص سے کہ جس کا اثر بدن انسانی پر بھی نمایاں ہوگا اور دنیا میں بھی خدا پرست چہروں پر ایک خاص نورانیت ہوتی ہے اور وہی اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے یعنی دیدار الٰہی کی دولت سے سرفراز ہوں گے اور اسی کی خوشی میں ان کے منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے

دیدار الٰہی کی بحث

ف اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ قیامت کے دن اور بعدہٗ بہشت میں بھی ایمان داروں نیک بختوں کو دیدار الٰہی ہوگا۔ بخاری و مسلم و ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید و ترمذی و ابن جریر وغیرہ محدثین نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کیا تم آفتاب کے دیکھنے میں جب کہ بادل نہ ہو کچھ شک کرتے ہو یا کوئی مانع ہوتا ہے؟ عرض کیا نہیں یا رسول اللہ، پھر فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں جب کہ کوئی حجاب اور بادل نہ ہو کوئی مانع ہوتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ آپؐ نے فرمایا پھر تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے ابن کثیر کہتے ہیں۔ بحمد اللہ یہ مسئلہ صحابہؓ میں متفق علیہ تھا اور تابعین اور ان کے بعد ائمہ اسلام میں بھی سب کا اس پر اتفاق ہے۔

شیعہ و معتزلہ کہتے ہیں عیاناً دیکھنا جسمانی چیزوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ جسمانیت سے پاک ہے اس لیے عیاناً دیکھنا محال ہے۔ آیت کے معنی سے بھی بات ثابت نہیں ہوتی کس لیے نظر اور چیز ہے جو آیت میں آئی ہے اور رؤیت دیکھنا اور چیز ہے۔ نظر دیکھنے کا آلہ ہے جیسا کہ کان سننے کا۔ یہ ممکن ہے کہ نظر کریں اور وہ چیز دکھائی نہ دے

اور سُننا چاہیں اور رسائی نہ دے، خصوصاً نظر کے بعد الیٰ کا لفظ کلامِ عرب میں انتظار اور توقع کے معنی دیتا ہے۔ آیت کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اپنے رب کی توقع کرتے ہوں گے کس لیے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ صاف آگیا ہے لا تدرکہ الابصار کہ اس کو کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور وہ لطیف وخبیر ہے ممکنات میں سے لطیف چیزیں دکھائی نہیں دے سکتیں جیسا کہ ملائکہ وجن اور ہوا پھر وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے ان آنکھوں سے کیوں کر دکھائی دے سکتا ہے۔

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ نظر رؤیت کے معنی میں بہت مستعمل ہے، اشعارِ عرب اور آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں۔ اور الیٰ کے ساتھ بھی دیکھنے کے معنی میں مستعمل ہے، اور آیت لا تدرکہ الابصار میں ان جسمانی آنکھوں کے دیکھنے کی نفی ہے جو عالمِ ناسوتی میں مکدرات کے دیکھنے کے لیے مخصوص ہیں نہ کہ عالمِ آخرت میں جہاں اور آنکھیں عطا ہوں گی اور نیز نفی ادراک کی ہے جو ہر طرف سے گھیر لینے کو کہتے ہیں نہ کہ دیکھنے کی۔

طرفین کے دلائل علمِ کلام کی کتابوں میں بہت کچھ مذکور ہیں جس کو اس پر زیادہ واقف ہونا ہو وہ شرح مواقف و شرح مقاصد وغیرہما کتابیں دیکھے۔

ووجوہ یومئذ باسرۃ اور بہت منہ اس روز ترش اور بگڑے ہوئے یا سیاہ ہوں گے قیامت کی دہشت اور سخت سزاؤں کے خوف سے اور بجائے کسی نیک توقع اور دیدارِ الٰہی کے تظن ان یفعل بہا فاقرۃ یہ یقین ہو گا کہ ابھی ہم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے کس لیے کہ آنکھوں کے سامنے جہنم جوش مارتی ہو گی، فرشتے طوق و زنجیر لیے اس قید خانہ میں داخل کرنے کے لیے پولیس کے سیاہ پوش گارد کی طرح تیار کھڑے ہوں گے اس وقت اِدھر اُدھر دیکھے گا کہ کوئی چھڑانے والا پیدا ہو، کلا یہ ہرگز نہ ہو گا۔

اس کے بعد قیامتِ صغریٰ کا حال بیان فرماتا ہے جو ہر وقت انسان کے دروازہ پر کھڑی ہے یعنی موت جس کا ذائقہ چکھے بغیر چھٹکارا نہیں۔ اس صورت میں کلا کو آئندہ کلام میں شامل کیا جائے اور اس کے معنی ضرور کے لیے جائیں تو ممکن ہے، فقال کلا اذا بلغت التراقی ضرور ضرور جب جان گلے تک پہنچ جائے گی۔ یہ نزع کے وقت کا ذکر ہے جب کہ جان نکلنے کو ہوتی ہے گویا کہ حلق تک آگئی یہ اس حالت بے کسی کی تصویر کھینچی جاتی ہے وقیل من راق اور لوگ کہیں گے کوئی جھاڑنے یا علاج کرنے والا ہے؟ جاہل عرب ٹوٹکوں شعبدوں تعویذ گنڈوں جھاڑ پھونک کے بڑے قائل تھے اس لیے انہیں کے خیال اور حال کا ذکر کیا گیا، اس وقت وارث جھاڑنے والے کی تلاش میں پھرتے ہیں کہ کوئی جھاڑے منتر سے اس کو ہوش میں لائے وظن انہ الفراق مگر وہ بیمار قریب الموت علاماتِ موت اور ملائکہ کو دیکھ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ اب فراق ہے۔ پیارے فرزند اور محبوبہ بیوی اور یہ گھر جس کی تعمیر میں سرگرم رہا کرتا تھا اور یہ املاک وجائداد و مال خزانے ہاتھی گھوڑے اور یہ احباب اور جانی دوست جو ہر وقت شریکِ جلسہ رہا کرتے تھے اور یہ مادرِ مہربان جس نے گود میں پالا تھا اور یہ شفیق باپ کہ جو جان بھی نثار کرنے کو تیار تھا اور یہ ساتھ کھیلے ہوئے بھائی بہنیں جو باہم مل کر ایک گھر میں پرورش پائی اور مل کر رہتے۔ بولتے تھے ہائے آج مجھ سے چھوٹتے ہیں الفراق الفراق الوداع الوداع ے

کوسِ رحلت بکوفت دستِ اجل
ای دو چشم وداعِ سر بکنید
اے کفِ دست وساعد و بازو
ہمہ تودیعِ یک دگر بکنید
بر منِ افتادہ دشمن کام
آخر اے دوستان گذر بکنید

روز گارم بشد بنا دانی
من نہ کردم شما حذر بکنید

آخر روح پرواز کرگئی والتفت الساق بالساق اور پنڈلی سے پنڈلی مل گئی، مُردے کے پاؤں اور ٹانگیں ملا دیتے ہیں اور سیدھا اور چت لٹا دیتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں ساق سے مراد سختی اور شدت ہے عرب ساق بول کر شدت اس وجہ سے مراد لیا کرتے ہیں کہ تیاری کے وقت پنڈلی پر سے کپڑا اٹھا لیا اور دامن چڑھا لیا جاتا ہے ایسے وقت کافر پر دو شدت پیش آتی ہیں ایک لذاتِ دنیا اور اقارب واموال کا بڑی حسرت کے ساتھ چھوڑنا دوسرا وہاں کی باز پرس اور گوناگوں عذاب میں مبتلا ہونا، ایک شدت سے دوسری شدت اور ایک مصیبت سے دوسری مصیبت مل گئی۔

اسی طرح من راق میں بھی وہ یہ فرماتے ہیں کہ جان نکلنے کے بعد کا حال ہے فرشتے باہم ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس کو کون اوپر چڑھا کرلے جاتا ہے کس لیے کہ ایمان دار کی روح کو اوپر لے جانے کے لیے خوش رُو وخوش خلق ملائکہ متعین ہیں اور کافر کی روح کے لیے ہیبت ناک بد خلق متعین ہیں۔

امام احمد ونسائی نے ابو ہریرہؓ و براء بن عازبؓ سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں مرنے کے بعد کی کیفیت مذکور ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو رحمت کے فرشتے آتے ہیں نہایت خوش رُو گویا ان کے منہ آفتاب ہیں اور ان کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو بھی ہوتی ہے تو وہ جہاں تک میت کی نظر جاتی ہے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور ملک الموت آکر نہایت نرمی کے ساتھ جان قبض کرکے ان کو دیدیتا ہے، وہ اس کو لے کر عالم بالا کو جاتے ہیں اور اس کی روح سے خوشبو آتی ہے، اثناء راہ میں ملائکہ پوچھتے ہیں یہ کون ہے؟ تو اس کا تعظیم سے نام لیتے ہیں یہاں تک کہ آسمانوں پر حق سبحانہٗ کے حضور میں پیش ہوتا ہے، تب حکم ہوتا ہے کہ اس کو علیین میں لے جاؤ جہاں اور مومنین کی ارواح رہتی ہیں، یہ وہاں آملے، وہاں کے لوگ اس سے اپنے دنیا کے قرابت داروں کا حال پوچھتے ہیں، اگر سنتے ہیں کہ فلاں مرگیا اور یہاں نہیں آیا تو کہتے ہیں کہ جہنم میں گیا۔ اور کافر کے پاس سیاہ رنگ بری شکل کے ملائکہ آکر بیٹھ جاتے ہیں، ملک الموت شدت سے جان قبض کرکے ان کے حوالے کرتا ہے، وہ اس ناپاک اور بدبودار روح کو اوپر لے جاتے ہیں، اول آسمان تک جاکر اوپر جانے کی پروانگی مانگتے ہیں، اس کے لیے اوپر جانے کا حکم نہیں ہوتا (لا تفتح لهم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة) پھر حکم ہوتا ہے کہ اس کو عالم سفلی کے گڑھے میں ڈال دو، پھر وہ اس کو پھینک دیتے ہیں کہ جہنم میں آگرتا ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔ مسلم نے بھی اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔

جب یہ سامان موت سب مہیا ہوچکتے ہیں اور ملائکہ روح قبض کرلیتے ہیں تو کہتے ہیں الی ربك یومئذ المساق آج تیرے رب کے پاس جانا ہے۔ چلیے وہاں سامنا ہونا ہے، اب تجھ کو وہاں کی حاضری سے کوئی روک نہیں سکتا۔ مومن کو بعزت واحترام سماوات پر حضوری ہوتی ہے، کافر کی آسمانِ اول سے نیچے ہی چھٹی ہوجاتی ہے اور اس کے بعد جنت میں جو عالم قدس ہے اور کافر جہنم میں رہتا ہے۔

عالم آخرت کے حالات جو کچھ حضرات انبیاء علیہم السلام نے مکاشفۂ صادقہ اور الہام سے بیان فرمائے ہیں سب صحیح ہیں سرِمو تفاوت نہیں ان کے خلاف جو کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے ؛

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ

پھر اس نے نہ خیرات ہی دی اور نہ نماز ہی پڑھی　بلکہ

كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿ل﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلٰى أَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿ط﴾

جھٹلایا اور منہ بھی پھیر لیا پھر اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا

أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿ل﴾ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿ط﴾

اے انسان تجھ پر افسوس پر افسوس　تجھ پر افسوس اور افسوس

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ

کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ یوں ہی

سُدًى ﴿۳۶﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ

چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ ٹپکتی منی کی ایک بوند

يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ

نہ تھا پھر لوتھڑا بنا پھر خدا نے اس کو بنا کر

فَسَوّٰى ﴿ل﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ

ٹھیک کیا پھر اس سے مرد و عورت کا

الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ﴿۳۹﴾ أَلَيْسَ ذٰلِكَ

جوڑا بنایا پھر کیا وہ خدا

بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع ۲ ۱۰ ۱۸

مردہ کو زندہ کر دینے پر قادر نہیں ہے ؟

ترکیب

فلا صدق ای لم یصدق لا بمعنی لم والعرب تقول لا ذہب ای لم یذہب و ہذا کثیر فی کلام العرب قالہ الکسائی و الاخفش وقیل لا بمعنی ما و ہو معطوف علی قولہ یسئل ایان الخ والضمیر الفاعل فی لا صدق و لا صلی للانسان المذکور فی قولہ ایحسب الانسان الخ یتمطی حال من فاعل ذہب. یتمطی فیہ قولان (الاول) ان اصلہ یتمطط ای یتمدد (والثانی) المتبختر بیدہ خطا فقلبت الطاء فیہ یاء کما قیل فی تقضی اصلہ تقضض (والثانی من المط وہو الظہر لانہ یلویہ فعلی الاول الالف مبدلۃ من طاء و علی الثانی من واو اولی لک فیہ قولان الاول انہ اسم فعل مبنی علی السکون ومعناہ ولیک ماتکرہ بہ والفاعل ضمیر مستتر یعود علی مایفہم من السیاق وہو الدعاء علیہ بالمکروہ واللام زائدۃ کما فی قولہ ردف لکم والثانی انہ علی وزن افعل من الویل بعد القلب کادنی من دنو وقیل وزنہ فعلی من آل یؤل والالف للالحاق لا للتانیث وعلی التقدیر من ہو علم فلا لم ینون فعلی ہذا اولی مبتدأ لک خبرہ سدی حال والالف مبدلۃ من واو ومعناہ المہمل ومنہ ابل سدی ای ترعی بلا راع الم یک الخ مستانفۃ واردۃ لبطلان الحسبان المذکور یمنی بالیاء والضمیر یرجع الی المنی فیکون فی موضع جر صفۃ للمنی و بالتاء للنطفۃ وہی الماء القلیل یقال نطف الماء اذا قطر وجمعہا نطاف ونطف فیکون فی موضع نصب الذکر والانثی بدل من الزوجین

تفسیر

اب اس روح کی حالت بیان فرماتا ہے کہ خدا کے پاس جانے کے بعد اس سے کیا معاملہ پیش آئے گا اور اس کو کیا کہا جائے گا مومن کا حال چھوڑ دیا گیا کس لیے کہ بالفعل ان سرکش کافروں کا انجام کار بیان کرنا اہم مقاصد تھا اس لیے کفار و بت پرست اور گناہ گاروں کا حال بیان فرماتا ہے فقال فلا صدق ولا صلی کہ جب وہ دربار میں حاضر ہوگا تو کہا جائے گا تو نے دنیا میں نہ مالی عبادت کی یعنی خیرات نہ دی نہ فقیروں محتاجوں کو کچھ دیا۔ جوڑ جوڑ کر رکھتا رہا خلق خدا پر رحم نہ کھایا اور نہ جانی عبادت کی نہ نماز پڑھی۔ نہ خدا کے سامنے رکوع و سجود کیا۔ نہ عاجزی اور دعا کی ثم ذہب الی اہلہ یتمطی بلکہ اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا خدا کی طرف کے داعی سے منہ موڑ لیا۔ یا یوں کہو تصدیق نہ کی

اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر ایمان نہ لایا، نہ اعمال اچھے کیے، نماز سے بے خبر رہا۔

اولیٰ لک فاولیٰ ثم اولیٰ لک فاولیٰ اس کے بعد غصہ سے اس کو کہا جائے گا کم بختی ہو تیری، پھر کم بختی ہو تیری، یعنی تیری زندگی پر پھٹکار اور مرنے پر پھٹکار، اور یہاں زرد رُو خالی ہاتھ آنے پر پھٹکار، پھر تیرے جہنم میں جانے پر پھٹکار۔ یہ کلمہ زبانِ عرب میں ایسے موقع پر بولا جاتا ہے، چار بار بولا گیا چار موقعوں کے لحاظ سے، اس کے بعد اس کو اس اندھ ناک اور تاریک قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا جہاں آگ کی لپٹیں اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔

اس قیامتِ صغریٰ (موت) کے واقعہ کا بیان فرما کر حشر برپا ہونے پر ایک دلیل قائم کرتا ہے اس انداز میں کہ اس کو ادنیٰ فہم کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔ فقال ایحسب الانسان ان یترک سدًی کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بے کار اور آزاد اور نکما چھوڑا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح اور چند آیات ہیں جو حشر برپا ہونے کی دلیل ہیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ انسان کو قدرت و اسباب و عقل عطا کیے گئے ہیں، اور ان چیزوں کا عطا کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو چند نامناسب باتوں سے منع کیا جائے اور چند ضروری باتوں کا حکم دیا جائے اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ امورِ منہی عنہا پر عذاب اور ما مور بہا پر ثواب ہے جس کا محل دارِ آخرت ہے، کیا آدمی کا اس جہان میں آنا عقل و حواس پانا اور پھر چند روز رہ کر دارِ دنیا سے غائب ہو جانا اس حکیم و کریم کا کوئی عبث فعل یا کوئی کھیل ہے؟ ہرگز نہیں، پھر کیا یہ ساری باتیں ایک نئی زندگانی کے لیے سامان و اسباب فراہم کرنے کے لیے نہیں؟ ضرور ہیں۔ پھر انسان نکما اور بے کار اور شترِ بے مہار کیوں کر ہو سکتا ہے کہ جو جی چاہے سو کرے، دنیا کے جائز و ناجائز مزے اُڑایا کرے، جانوروں کی طرح سونے جماع کرنے کھانے پینے کے سوا اس کو کچھ کام نہ ہو۔ ضرور ضرور وہ کسی کام کے لیے یہاں آیا ہے اس کی فطری بناوٹ اور اس کی عقل و حواس اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اثباتِ نبوت کی بھی یہ دلیل ہو سکتی ہے کس لیے کہ جب انسان شترِ بے مہار نہیں چھوڑا گیا تو ضرور اس کے لیے کوئی روحانی معلّم ہونا چاہیے جس پر اُس جہان کے اسرار منکشف کیے گئے ہوں اور وہ اس کو وہاں کے مناسب باتیں تعلیم کرے اور ایسا شخص نبی ہوتا ہے۔ پھر اس کا اتباع بھی ضرور ہے۔

دوسری دلیل حشر برپا ہونے پر یہ ہے الم یک نطفۃً من منی یمنیٰ کہ وہ انسان کیا ایک منی کا قطرہ نہیں تھا؟ ضرور اس کی ابتدا یہی ہے اس کو کافر و مومن سب جانتے ہیں پھر کیا وہ قطرہ خود بخود انسان بن گیا؟ اس میں یہ تناسبِ اعضا پیدا ہو گیا یا کسی مادۂ بے خرد اور طبیعتِ بے شعور نے یہ عقل و حواس عطا کر دیے؟ ہرگز نہیں بلکہ اسی نے اس کو بترتیب بنایا کس لیے کہ ثم کان علقۃ فخلق فسویٰ قطرۂ منی سے خون کا لوتھڑا بنایا، پھر بتدریج اس کے اعضا بنے، پھر اعضا بھی ایسے بنائے کہ جن کی تشریح و تناسب میں عقل حیران ہے، ہر ایک عضو اس کے کمالِ صنعت و قدرت کی باآوازِ بلند گواہی دے رہا ہے۔ پھر خود انسان کا تو یہ کام نہیں کہ از خود بن جائے، از خود ہوتا تو یک بارگی ہوتا بلکہ کسی نے بنایا ہے۔ پھر کیا یہ اس کے ماں باپ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر پیٹ میں کیا ہو رہا ہے پھر کیا یہ مادہ اور طبیعت کا کام ہے؟ جیسا کہ دہری اور طبعی کہتے ہیں، یہ بھی نہیں کس لیے کہ فخلق منہ الزوجین الذکر والانثیٰ اس نے ایک قطرۂ منی سے مرد بھی پیدا کیے اور عورت بھی۔ مادہ منویہ برابر تھا، طبیعت کا مقتضیٰ یکساں تھا، پیٹ بھی وہی پیٹ ہے اور نطفہ بھی اس شخص کا نطفہ ہے، پھر یہ مرد و عورت کا تفاوت کیوں کر

ہوگیا؟ اور لطف یہ کہ ایک ہی حمل میں ایک لڑکی دوسرا لڑکا، کبھی دونوں لڑکے کبھی دونوں لڑکیاں یہ تفاوت کیوں ہوا اور کس نے کیا؟ بے شک اس حکیم مطلق نے۔ اور یہ بھی اس کے کمال قدرت وصنعت اور انسان پر مرحمت کی دلیل ہے کس لیے کہ اگر سب عورتیں ہی ہوتیں یا سب مرد ہی ہوتے تو انسانی توالد وتناسل اور اس کے عیش اور زندگانی کے لطف کا خاتمہ ہوجاتا' ایک نطفہ اور اسی سے یہ اعضار مختلف الآثار کس مرجح کا کام ہے۔ پھر جس نے یہ سب کچھ کردیا تو الیس ذلك بقٰدر علیٰ ان یحی المو تیٰ کیا وہ مُردے کو حشر میں زندہ کر دینے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں۔

عبد بن حمید وابن الانباری وابوداؤد وترمذی وبیہقی وابن المنذر وحاکم وغیرہ محدثین نے باسنادِ مختلفہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے بعد یہ فرماتے تھے بلیٰ کہ کیوں نہیں آپ ضرور قادر ہیں۔ اور اسی طرح سورۂ والتین کے بعد بلیٰ وانا علیٰ ذلك من الشاھدین اور سورۂ مرسلات کے بعد اٰمنا باللہ کہتے اور حکم دیتے تھے کہ کہو کس لیے کہ یہ آدابِ سماعت میں سے ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز کے باہر ان مواقع میں یہ الفاظ کہے نماز میں نہیں' بعض کہتے ہیں کہ نماز میں بھی مضائقہ نہیں کس لیے کہ ان الفاظ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن اول قول احوط ہے۔

سورۂ دہر

مکہ میں نازل ہوئی اس میں اکتیس آیات دو رکوع ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ

ضرور انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی

الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ①

آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

ہم نے انسان کو منی کے ایک لچھے

اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا

سے بنایا کہ اس کو آزمائیں سو اس کو سنتا

بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ

دیکھتا کر دیا ہم نے اس کو رستہ دکھایا

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّآ

پھر کچھ شکر گزار اور کچھ کافر ہو رہے (مگر) ہم نے

اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَ

بھی کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور

اَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ

دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے بے شک نیک لوگ

يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا

ایسا پیالہ پئیں گے کہ جس میں چشمۂ کافور کی

كَافُوْرًا ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا

آمیزش ہوگی (ایک خاص) چشمہ سے اللہ کے نیک بندے

عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥

پئیں گے (اور خوب) گندھائیں بہائیں گے۔

ترکیب

ھل ہنا عند القراء والکسائی وسیبویہ وابوعبیدہ بمعنی

قد کما فی قولہ ہل اتاک حدیث الغاشیۃ وکقولہ علیہ السلام ہل بلغت وقال مکی بمعنی الاستفہام التقریری والاول اقوی من الدہر بیان لحین اوصفۃ لہ یکن الخ محلہ النصب علی الحال من الانسان وقیل محلہ الرفع علی انہ صفۃ لحین امشاج بدل اوصفۃ من نطفۃ قیل ہی جمع مشج او مشیج کعدل وشریف جمعہا اعدال واشراف۔ والمشج فی اللغۃ الخلط یقال مشج یمشج مشجا اذا خلط وانما وقع الجمع صفۃ لمفرد لانہ فی معنی الجمع لان النطفۃ ماخوذۃ من اشیاء مختلفۃ اوجعل کل جزء من النطفۃ نطفۃ والمراد نطفۃ الرجل ونطفۃ المرأۃ۔ وقال صاحب الکشاف الامشاج لفظ مفرد ولیس بجمع بدلیل انہ وقع صفۃ للمفرد و نظیرہ مرتبۃ اعشار ای قطع مکسرۃ وثوب اخلاق۔ نبتلیہ فی موضع الحال ای خلقناہ مبتلین لہ یعنی مریدین ابتلائہ فاما شاکرا واما کفورا فی انتصابہما اقوال الاول شاکرا او کفورا حالان من الہاء فی ہدینٰہ السبیل ای ہدیناہ السبیل حالتی کونہ شاکرا وکفورا (والثانی) انتصابہما باضمار کان والتقدیر سواء کان شاکرًا اوکان کفورًا (الثالث) معناہ انا ہدیناہ السبیل لیکون اما شاکرا واما کفورا۔ واما علی ہذا القول کقول القائل قد نصحت لک ان شئت فاقبل وان شئت فاترک (والقول الرابع) ہو المطابق لمذہب اہل السنۃ ان تکون اما فی ہذہ الآیۃ کما فی قولہ اما یعذبہم واما یتوب علیہم والتقدیر انا ہدیناہ السبیل ثم جعلناہ تارۃ شاکرا وتارۃ کافرا۔ اما عند الجمہور بکسر الہمزۃ فہی عند الکوفیین کما حکاہ مکی ان شرطیۃ زیدت بعدہا ما للتاکید ای بینا لہ الطریق ان شکر وان کفر۔ واختارہ الفراء ولایجوز عند البصریین لان ان الشرطیۃ لاتدخل علی الاسماء الا ان یقدر بعدہا فعل ولایصح ہہنا اضمار الفعل لانہ لایلزم رفع شاکرا وکفورا۔ فتامل وقرأ ابو السماک وابو العجاج بالفتح فعلی ہذا فہی اما عاطفۃ فی لغۃ بعض العرب اوہی التفصیلیۃ جوابہا مقدر۔ سلسلا عند البعض منصرف لان مثل ہذہ الجموع تشبیہ الاحاد لانہم قالوا صواحبات یوسف فلما جمعوہ جمع الاحاد المنصرفۃ جعلوہا فی حکمہا فصرفوہا وعند البعض غیر منصرف لکونہ صیغۃ المنتہی الجموع والسلاسل جمع سلسلۃ والاغلال جمع غل واما الحاق الالف فی الوقف فہو کالحاقہا فی قولہ الظنونا والرسولا الابرار فی الصحاح جمع البر الابرار وجمع البار البررۃ کان مزاجہا کافورا الجملۃ فی محل جر صفۃ لکاس عینا ان قلت الکافور اسم النہر فی الجنۃ کان عینا بدلا منہ وان شئت قلت نصبہ علی الاختصاص والتقدیر اعنی عینا وان قلت الکافور علی معنا و المستعمل فیہ فکان عینا بدلا من محل کاس علی حذف مضاف کانہ قیل یشربون خمرا خمر عین ثم حذف المضاف واقیم المضاف الیہ مقامہ وقیل نصب عینا باضمار فعل یفسرہ مابعدہ ای یشربون عینا یشرب بہا الجملۃ صفۃ لعینا وقیل الباء زائدۃ وقیل یشرب بمعنی یتلذذ یفجرونہا صفۃ اخری لعینا۔

تفسیر

اس سورت کا نام اسی کے الفاظ کی وجہ سے سورۂ دہر اور سورۂ انسان اور سورۂ ہل اتیٰ اور سورۂ امشاج بھی ہے۔ اس کے نزول میں علماء کا اختلاف ہے ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ و مقاتل وکلبی کہتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی اور اسی طرف بیضاوی و زمخشری گئے ہیں۔ اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا سے آخر تک تو قطعی مکی ہے اور باقی میں احتمال ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی یا مکہ میں، اور آیت یوفون بالنذر جو بعض اہل بیت کرام کی مدح میں بیان کی گئی ہے اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

مناسبت

مناسبت اس کی پہلی سورۂ قیامہ سے یہ ہے کہ اُس میں دو فریق کا معاملہ ذکر تھا جو قیامت میں پیش آئے گا' ایک وہ کہ جن کے منہ روشن ہوں گے اور دوسرے وہ کہ جن کے منہ سیاہ ہوں گے تتمہ کے طور پر اس سورت میں فریق اول کے اور بھی حالات بیان کیے گئے۔ اور یہ بھی ہے کہ سورۂ قیامہ میں صرف قیامت اور نفسِ لوامہ کی قسم سے ابتدا کلام تھی' یہاں قیامت پر انسان کے حادث ہونے سے استدلال ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ ان سورتوں میں اکثر یہی مسائل زیر بحث ہیں (۱) خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت (۲) قیامت کا برپا ہونا اور وہاں کے حالات (۳) انسان کی ابتداء و انتہا۔ اور اس کے اس جہان میں آنے کی وجہ (۴) انسان کے اسبابِ سعادت و شقاوت کہ یہ چیزیں ہیں کہ جن سے اس کو سعادت یعنی وہاں کی حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ ابدی نصیب ہوگی اور یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کے سبب یہ شقی ہو کر جہنم کے عمیق گڑھے میں زنجیروں میں باندھ کر اوندھے منہ ہمیشہ کے لیے ڈالا جائیگا۔ پھر ان مسائل کو عجب انداز سے بیان کیا ہے اور عجب دلکش طرز سے بلالحاظِ تقدیم و تاخیر یکے بعد دیگر پُر اثر الفاظ اور روح کو جنبش دینے والے فقرات میں بیان فرمایا ہے اور ہر ایک بحث پر دوسرے مسئلہ کا لحاظ رہا ہے یعنی اگر اس بیان اور کلام کے ایک پہلو میں ایک مسئلہ کا ثبوت ہے تو دوسرے پہلو میں دوسرے کا۔ اگر خدا پاک کسی مفسر کی روح پر وہی فیضانِ مصطفوی ڈالے تو وہ ان مطالب کی تفسیر کر سکتا ہے اور اسی لیے قرآن کو دریائے بے کنار کہا جاتا ہے اور اس کا ظہر بطن اور ہر حد کا مطلع بیان کیا گیا ہے۔

مطالب

سورۂ قیامہ میں بھی انہیں مسائل پر انہیں طرزوں میں بحث تھی' اس سورت میں بھی اور اس کے بعد کی سورت میں بھی علیٰ ہذا القیاس اور اسی لیے باہم لفظی بھی کچھ مناسبتیں پیدا ہیں۔ جو شخص اس رمز پر واقف ہوگا اس کو ہر قسم کی روایات سے ایک خاص شانِ نزول تلاش کرنے کی حاجت نہ ہوگی کس لیے کہ ان مسائل کی ضرورت ہی سببِ نزول ہے۔ اور آیات میں انسانی نیک و بد فطرت کا فوٹو کھینچا جایا کرتا ہے' عام لوگ اس کو کھینچ تان کر کے رطب و یابس روایات کے ذریعہ سے ایک شخص کا قصہ یا واقعہ بنا دیتے ہیں جس کا جس طرف رحجان ہوا اور جو ان کی برائی کے لیے جھنڈے پر چڑھ گیا۔

فقال ھل اتٰی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئًا مذکورًا کہ بے شک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزر گیا ہے کہ اس کا کوئی ذکر بھی نہیں تھا شیئًا سے وجود فی الخارج کی نفی کر دی گئی کس لیے کہ متبادر معنی شئے کے جب کہ اس کو وجودِ ذہنی اور لفظی کی قیود سے مبرا رکھا جائے تو موجود فی الخارج کے ہیں۔ اور مذکورًا وجودِ لفظی اور ذہنی کی نفی کرتا ہے کہ انسان کا وجود نہ کسی کے ذہن میں تھا نہ کسی کی زبان پر ذکر تھا۔ اور جب اس قید کو بھی ملحوظ کر کے نفی کریں گے تو وجودِ ذہنی اور وجودِ لفظی کی نفی دلالتِ مطابقی سے اور خارجی وجود کی نفی دلالتِ تضمنی سے سمجھی جائے گی۔ مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ علم الٰہی میں بھی انسان کا وجود نہ تھا کس لیے کہ علمِ الٰہی کا مرتبہ بالاتر ہے۔ حاصل یہ کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ اُس وقت نہ یہ دنیا میں موجود تھا نہ اہلِ دنیا میں اس کا تذکرہ تھا' کوئی ان حضرت کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔

انسان کی ابتداء

اس کا ثبوت کہ نسلِ انسان ایک وقت دنیا پر نہ تھی اور اس کی پیدائش کی ایک ابتداء ہے اہلِ کتاب کے نزدیک مسلّم ہے کیوں کہ ان کے ہاں آفرینشِ انسان کا زمانہ اب تک تخمیناً سات ہزار برس کا ہے اور اس بات کا نصف دنیا سے زائد کو یقین ہے ۔ اہلِ ہند و اہلِ پارس اگرچہ لاکھوں برس کی تعداد بیان کرتے ہیں مگر پھر بھی ایک ابتدا معلوم ہوتی ہے البتہ حکماءِ یونان اور دیگر فلاسفہ ہر نوع کو قدیم زمانی کہتے ہیں علی سبیل البدلیۃ اس کے افراد کو قدیم زمانی مانتے ہیں خصوصاً دہریے ۔ اس فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جو کچھ تجددات و انقلابات جہان میں ہو رہے ہیں سب گردشِ زمان اور اوضاعِ فلکیہ و تاثیراتِ سیارات سے ہوتے ہیں ۔ پھر کہتے ہیں بعض ان اوضاع میں سے رات دن میں بعض مہینے میں بعض فصل میں بعض ایک برس میں بعض قرانات میں مبتدل ہو جاتے ہیں اور بعض بہت دراز زمانے میں انکو اکوار و ادوار کہتے ہیں، اس سے انقلاباتِ عظیمہ اور انواعِ مختلفہ پیدا ہوتے ہیں، آبادیاں جنگل اور جنگل آبادی خشکی دریا اور دریا خشک جنگل ہو جاتے ہیں اور اسی طرح بنی آدم اور دیگر انواعِ حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور جو پیدا تھے مٹ جاتے ہیں اور ایک نوع بدل کر دوسری نوع بن جاتی ہے، انسانوں سے بندر اور بندروں سے انسان ترقی کر کے ہو جاتے ہیں۔

ان کے عقول کی حق سبحانہٗ کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔

ان کے مذہب کا ابطال صرف ایک اس بات سے ہو سکتا ہے کہ نسلِ انسانی کا ایک زمانے میں بالکل نہ پایا جانا حال کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے ۔ حال کے محققوں نے کوہِ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں پر پتھروں میں سیپیاں اور گھونگے دیکھے ہیں جس سے علم جیولوجی کے واقف کاروں کو کامل یقین ہے کہ کسی زمانے میں تمام ہندوستان سمندر کی سطح تھا اور سمندر کا پانی ان چوٹیوں کے اوپر تک تھا پھر گھٹتے گھٹتے یہ زمین کھل گئی ۔ پھر جب کوہ ہمالیہ کی چوٹیاں سمندر کے پانی میں غرق تھیں تو پھر مساحت اور ارتفاع کے لحاظ سے قیاس ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی ملک ایسا نہ تھا جو پانی سے ڈھکا ہوا نہ ہو ۔ پھر جب ایسا ہو گا تو نسلِ انسانی کا زمین پر قطعاً وجود نہ ہو گا اور اسی طرح سیاحوں کو اور ملکوں کے پہاڑوں پر بھی سمندر کے نشان معلوم ہوئے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نسلِ انسانی ایک زمانے میں دنیا پر نہ تھی تو ثابت ہو گیا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا دہر اور اس کی کسی وضع کا مقتضیٰ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے ہے[1] ۔ اگر یوں کہیں کہ ممکن ہے کہ اس سے پہلے نسلِ انسانی تھی اور مدتوں رہ کر نیست ہو گئی پھر بارِ دیگر پھیلی اور اسی طرح پھر نیست ہو گی اور پھر زمین پر آباد ہو گی اور یہی تسلسل رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے نسلِ انسانی کا وجود ہونا کس دلیل سے معلوم ہوا ؟ کیا اس سے پہلے کے کچھ آثارِ باقیہ پائے گئے یا قواعدِ زیچ و تقویم سے معلوم ہوا یا کسی دیکھنے والے مخبرِ صادق نے خبر دی ؟ پھر جب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو محض عقلی ڈھکوسلا اور وسوسۂ شیطانی ہے شیئًا مذکورًا کا لفظ ان سب باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان سے مراد نوع نہیں بلکہ ہر ایک انسان، تب مطلب صاف ہے ۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ کی ذات کا ثبوت دہریوں کا رد ہے اور نیز توحید کا ثبوت ہے کس لیے کہ جمیع افرادِ انسانیہ

[1] کیوں کہ ان کے نزدیک قِدم مقتضائے دہر ہے اور وہ باطل ہو گیا ۱۲

حادث ہیں ان کو کارخانۂ قدرت اور قضاء و قدر میں کچھ دخل نہیں اور نیز دوسرے پہلو میں قیامت کا بھی ثبوت ہے کہ ہم بار دیگر پھر نیست کرنے پر قادر ہیں اور حشر میں پھر زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

ف دھر زمانۂ دراز حین اس کا ایک ٹکڑا ۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے گالیاں دیا کرتا ہے جب وہ دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے میں ہوں دہر میرے ہاتھ میں سب کچھ ہے میں رات دن کو پلٹتا ہوں (متفق علیہ)۔ یعنی دہر کی طرف اس کا حوادث کو منسوب کرنا بے عقلی ہے وہ دہر کیا کرتا ہے جو کچھ کرتا ہوں میں ہی کرتا ہوں۔ انجام کار دہریہ بھی جب اس سے دہر کی حقیقت دریافت کی جائے تو اللہ جل جلالہ کی طرف آرہتا ہے صرف لفظوں کا فرق رہ جاتا ہے یہی اس کی گمراہی ہے کہ پھر بھی وہ حق سبحانہ کا انکار کرتا ہے اور مادی اور طبعی لوگوں کا بھی اسی کے قریب قریب مذہب ہے وہ دہر کی جگہ مادے کو پیٹا کرتے ہیں۔ نئے فلسفہ نے آج کل یورپ میں دہریت اور الحاد اور مادیت کا دریا بہا رکھا ہے ان کے کہربائی تجربات ان کی آنکھوں پر حجاب ہو رہے ہیں۔ اس اندھیری رات میں ادھر ادھر ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔

اس کے بعد نسل انسانی پھیلنے کا طریقہ بتلاتا ہے جو خاص اسی کے قبضہ و تصرف کی بات ہے فقال اناخلقنا الانسان من نطفۃ امشاج کہ اور کسی نے نہیں بلکہ خود ہم نے انسان کو منی کے لچھے سے پیدا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پیچھے کی سورتوں میں بیان ہو چکی کہ ان کو مٹی سے بنایا اس لیے ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا، مقصود نسل انسانی کا پھیلانا بتانا ہے گرچہ مبدأ ان کا آدم ہیں۔ حضرت آدم کی نسل قطرۂ منی سے شروع ہوتی ہے، منی کو امشاج چیپ اور لچھا کہتے ہیں۔ انسان کی حقیقت بیان کرتا ہے کہ آپ جو زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور خدا کا انکار کر کے کہیں دہر کو کہیں مادے کو خالق کہتے ہیں، آپ کو علم و شعور ہی کیا ہے، آپ پہلے اپنی اصل کو تو بیان کر دیجیے کہ وہ منی جس میں چیپ تھا اور وہ نر و مادہ کی منی رحم میں مل کر لچھا سا ہو گیا تھا وہ کون کون سی غذاؤں کے کھانے سے بنی تھی اور رحم میں اس پر کس کس وقت کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے تھے اور اس سے پہلے آپ کیا تھے آپ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر جب آپ کو ان باتوں کا علم نہیں تو آپ کس اعتماد پر دہر اور مادے کو خالق کہتے ہیں؟ اور اگر کوئی بھی خالق نہیں تو پھر آپ خود بخود کیوں کر بتدریج بن گئے۔ فعل بغیر فاعل کے اور حادث بغیر محدث کے کیوں کر ہو گیا؟ اور یہ بھی اشارہ ہے کہ یہی نطفہ کا لچھا تو ہے جس میں انسان کی تمام قوتیں اور اعضا ودیعت ہیں، بھلا اب کوئی بتلا تو دے کہ نطفہ کے کون سے جز میں کون سی قوت اور کون سا عضو ودیعت رکھا گیا ہے؟ اور یہ بھی کہ آپ ایسی حقیر اور ناپاک چیز سے بنے ہیں جو کپڑے پر لگے تو دھوئی جائے پھر یہ غرور یہ باتیں؟ اب انسان کے دنیا میں پھیلانے اور پیدا کرنے کا راز بھی بتلاتا ہے۔

نبتلیہ کہ ہم اس کو آزمائیں کہ دنیا کی اندھیری میں کیا کرتا ہے اور ہماری طرف بھی متوجہ ہوتا ہے یا لذات شہوات ہی پر فریفتہ رہتا ہے اور اسی لیے فجعلنہ سمیعاً بصیرا ۱۳ اس کو ہم نے سننے دیکھنے والا بھی کر دیا۔ کان دیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی باتیں سن کر ایمان لائے برے بھلے کو دیکھے اور امتیاز کرے لوگوں کے غلط افسانوں ہی پر اڑا نہ رہے دنیا کی روا روی اور اس کی بے ثباتی دیکھ کر اپنے چلنے کی بھی فکر کرے۔

ف انسان کم بخت بڑی مصیبت میں ہے لذات وشہوات دنیا اس کے کانوں کو بہرا آنکھوں کو اندھا کر کے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں عقل سلیم دار آخرت کی طرف کھینچ رہی ہے ملہم غیبی پڑا پکار رہا ہے کہ او ناداں ادھر نہ جا آگے جہنم کا عمیق گڑھا ہے۔ ادھر بیماری فکر معاش موت احباب و اقارب رنج و الم اور بھی کھائے جاتے ہیں اور مہلت ایسی تھوڑی ہے ؎

فکر معاش عشق بتاں یاد رفتگاں
اس اتنی سی زیست پر کوئی کیا کیا کرے

اسی لیے بعض حضرات اکابر نے یہ کہہ دیا کہ کاش ہم اسی حالت میں رہتے شیئاً مذکوراً نہ ہوتے۔

اس آزمائش کی پھر تشریح کرتا ہے انا ھدینٰہ السبیل کہ ہم نے انسان کو کان آنکھ دے کر بری بھلی سب راہیں دکھا دیں اور بتا دیں کہ یہ برا رستہ ہے وہ دیکھ سیدھا جہنم کو جاتا ہے اور یہ رستہ سیدھا جنت کو جاتا ہے اور تجھے دونوں پر چلنے کا قضا و قدر نے اختیار دیا ہے اما شاکراً و اما کفوراً پھر کچھ شاکر ہو گئے جنت کی راہ پر چلے گئے اور کچھ کافر ناشکر ہو گئے جہنم کی راہ پر چلے۔ یا یوں کہو کہ اب تو خواہ شاکر ہو یا کافر۔

پھر یہ بھی یاد رہے انا اعتدنا للکفرین سلسلا و اغللا و سعیرا کہ ہم نے کافروں ناشکروں کے لیے زنجیریں اور طوق کان اور آنکھ کی ناشکری اور ان کو اچھے کاموں میں استعمال نہ کرنے پر اور دہکتی آگ دل اور عقل کو راہ راست پر کام میں نہ لانے پر تیار کر رکھی ہے ذرا مرنے کی دیر ہے، اور جو شاکر ہیں وہی ابرار ہیں کس لیے کہ شکر منعم کے احسان کا بدلہ ہاتھ پاؤں سے دل سے ادا کرنے کو کہتے ہیں اور اسی کا نام نیکی ہے، اس میں مخلوق خدا کے ساتھ بھلائی خیرات صدقات ہمدردی بھی آ گئی کیوں کہ نعمتوں کے بدلہ کی اس کو کیا حاجت ہے؟ اس کی مخلوق کی حاجت براری اس کے قائم مقام ہے، اسی لیے آیا ہے کہ جو کوئی فقیر مسکین ذو حاجت کو دیتا ہے یا کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو گویا ہماری عیادت کرتا ہے اور ہم کو دیتا ہے، اور نماز و عبادت و ذکر بھی آ گیا کس لیے کہ جان و تن کو اسی کی طرف جھکانا اس نعمت کا بدلہ ہے اور بری باتوں سے پرہیز بھی آ گیا کس لیے کہ جو کام کرتا ہے درحقیقت وہ ان اعضاء اور دل کی قدر دانی نہیں کرتا۔

پھر ان نیکیوں کے لیے آخرت میں کیا ہے؟ فرماتا ہے ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجھا کافوراً کہ نیکوں کو جنت میں شراب طہور کا وہ پیالہ پینے کو ملے گا، جس میں چشمہ کافور کی آمیزش ہوگی یا اس کا مزاج کافوری ہوگا کوئی گرمی اور سوزش نہ ہوگی تاکہ حشر کی گرمی سب دور ہو جائے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں منکر زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کسی کے گلے میں محبت زر کی زنجیر ہے کسی کے زن و فرزند کی کوئی باغ اور کھیتی اور تعمیر مکانات کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے کوئی ملک گیری کی زنجیر میں پابند ہے، الغرض علائق دنیا کی زنجیریں ان کے لیے تیار ہیں، تا زیست ان سے چھٹکارا نہیں کہ ذرا بھی معرفت و عبادت کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ اور ان کے گلوں میں طوق بھی پڑے ہوئے ہیں کسی کے گلے میں نوکری کا طوق ہے کہ امیروں اور بادشاہوں کی خدمت اور حاضر باشی سے دم بھر کی مہلت نہیں کسی کے گلے میں شراب اور فاحشہ عورتوں کی محبت کا طوق پڑا ہوا ہے کسی کے گلے میں دنیا طلبی اور حب جاہ و مال کا طوق ہے جو ایک دم بھی اس کو خدا کی طرف پھرنے اور متوجہ ہونے نہیں دیتا، اور ان کے لیے دہکتی آگ بھی تیار ہے وہ کیا؟ عداوت و حسد کی آگ ناکامی کی آگ حرص شہوت کی آگ

یا فوائدِ متوہمہ کے فوت ہو جانے کی آگ، یہ آگ ہر وقت دل میں جلتی رہتی ہے، محبتِ الٰہی اور رغبتِ دارِ آخرت کی وہاں گنجائش نہیں ہوتی، مرنے کے بعد یہی زنجیر اور یہی طوق اور یہی آگ جہنم میں لوہے کی بڑی زنجیر اور گراں بار طوق اور دہکتی آگ ہو جائے گی، جس طرح یہاں چھٹکارا نہ تھا وہاں بھی ان سے رستگاری نہ ہوگی۔

برخلاف ابرار و اہلِ ایمان کے کہ ان کو شرابِ محبتِ الٰہی کا پیالہ پلایا جاتا ہے جس میں کافور کا اثر ہے جس سے وہ باوجود علائقِ دنیاویہ کے سب سے آزاد رہتے ہیں ان کے دلوں سے یہ آگ سرد کر دی جاتی ہے یہی پیالہ جنت میں شرابِ طہور کی شکل میں متشکل ہو کر سامنے آئے گا اور اس پیالہ ہی پر بس نہیں بلکہ عینا یشرب بھا عباد اللہ وہ اللہ کے نیک بندے ایک چشمہ کو پئیں گے یعنی ان کے لیے چشمہ تیار ہے جو جاری ہے کبھی بند نہیں ہوتا، نہ اس میں کمی ہوتی ہے نہ ہو گی اور نہ صرف پئیں گے بلکہ یفجرونھا تفجیرا[1] کہ اس کو بہائیں گے جس طرح سے چاہیں گے کام میں لائیں گے۔ دنیا میں جو نہ صرف ایک ہی جام پیتے ہیں بلکہ چشمۂ محبت الٰہی سے پیتے اور اس کو بہاتے ہیں اور ان کے ہر کام میں اور ہر بات میں اور ہر شان میں محبتِ الٰہی کا نشہ ہے وہ وہاں چشمۂ کافور کا بھی اسی طرح دل کھول کر استعمال کریں گے اور وہ کافور یہ دنیا کا کافور نہیں بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے جس کو اس کافور سے کسی خاص خاصیت میں مناسبت ہے۔ سردی اور سپید تقویتِ دل و دماغ میں۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا

(ابرار وہ ہیں) جو نذر پوری کرتے ہیں اور اُس دن سے ڈرتے ہیں

كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ⑦ وَيُطْعِمُونَ

کہ جس کا شر پھیل پڑے گا اور وہ اس کی

الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا

محبت میں فقیر اور یتیم اور اسیر کو کھانا

وَأَسِيرًا ⑧ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ

کھلایا کرتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) ہم جو تم کو کھلاتے ہیں تو خاص اللہ

اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا

کے لیے نہ ہم کو تم سے بدلہ پانا مقصود ہے نہ

شُكُورًا ⑨ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا

شکرگزاری ہم تو اپنے رب سے ایک اُداس (اور)

يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ⑩ فَوَقَاهُمُ

ہول ناک دن سے ڈرتے ہیں پھر ان کو اللہ

اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً

اُس روز کے شر سے بھی محفوظ رکھے گا اور ان کے سامنے تازگی

وَسُرُورًا ⑪ وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا

اور خوشی لائے گا اور ان کے صبر کے بدلے ان کو

جَنَّةً وَحَرِيرًا ⑫ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا

جنت اور ریشمی پوشاکیں دے گا وہاں چھپر کھٹوں پر تکیہ لگائے

[1] سبحان اللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رض کو کیا ہی کافوری شراب کا پیالہ بلکہ چشمہ پلایا گیا کہ اس کے نشہ میں دنیا سرد تھی اور پھر اس کو کیسا بہایا جس کی نالیاں ہند اور چین اور ترکستان اور بربر کے خشک میدانوں تک گئیں اور وہاں بھی لاکھوں کو مست و بے خود کر دیا بلکہ پھر انہوں نے ساقی بن کر ایسا پلایا کہ جس کا نشہ اب تک نہیں اُترا ان کے مزاراتِ مقدسہ سے اب تک وہی مستی کی بُو آتی ہے، اور کفار کا زنجیروں اور طوق اور دہکتی آگ میں گرفتار ہونا ہر ایک کو دکھائی دے رہا ہے ۱۲ منہ

عَلَى الْأَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا

بیٹھے ہوں گے نہ وہاں دھوپ دیکھیں گے

وَّلَا زَمْهَرِيرًا ۞ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ

نہ سردی اور ان کے سائے ان پر جھکے

ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۞

پڑتے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے بہت ہی پاس لٹک رہے ہوں گے

ترکیب

یوفون. جملہ مستانفۃ لبیان حال الابرار النذر فی اللغۃ الایجاب والمراد ہہنا ما اوجب اللہ علی العباد او ما اوجب العبد علی نفسہ من فعل الخیرات وترک المنکرات و الوفاء الاتیان بما اوجب المستطیر اسم الفاعل من باب الاستفعال ماخوذ من الطیران العرب تقول استطار الحریق اذا انتشر ویطعمون الجملۃ معطوفۃ علی السابقۃ انما نطعمکم الخ الجملۃ فی محل النصب علی الحال بتقدیر القول ای قائلین انما الخ عبوسا تعبس وتکلح فیہ وجوہ الناس من شدتہ وہولہ فالمعنی انہ ذو عبوس القمطریر اشد ما یکون فی الایام و اطولہ فی البلاء. قال مجاہد ان العبوس بالشفتین والقمطریر بالجبہۃ والحاجبین. متکئین حال من ہم فی جزاہم والعامل جزی الارائک جمع اریکۃ وہی سریر فی بیت یزین بالثیاب لا یرون الجملۃ فی محل النصب علی الحال من مفعول جزاہم او من الضمیر فی متکئین فعلی الاول حال مترادفۃ وعلی الثانی متداخلۃ. اوصفۃ اخری الجنۃ. ودانیۃ من الدنو بمعنی القرب قرء الجمہور بالنصب عطف علی ما قبلہا حال مثلہا او صفۃ لمحذوف معطوف علی جنۃ. وقری بالرفع علی انہ خبر والمبتدء ظلالہا والجملۃ فی حیز الحال والمعنی لا یرون فیہا شمسا ولا زمہریرا والحال ان ظلالہا دانیۃ. وعلی تقدیر النصب ظلالہا مبتدء علیہم الخبر وذللت الجملۃ حال من دانیۃ او معطوفۃ علی دانیۃ وعلی تقدیر رفع دانیۃ علی جملۃ اسمیۃ والقطوف جمع قِطف بالکسر ہو العنقود خوشہ۔

تفسیر

یہاں سے اُن ابرار کے اوصاف وحالات بیان فرماتا ہے جن کے سبب وہ ابرار کہے گئے۔

(۱) یوفون بالنذر کہ وہ نذر پوری کیا کرتے ہیں۔ نذر پیمان (ومنہ نذرت للہ کذا النذر بالضم والکسر (صراح) وفا پورا کرنا۔ قتادہ ومجاہد کہتے ہیں اس کے معنی عبادت و طاعت کے ہیں لغوی اور شرعی معنی کے لحاظ سے اس میں مفسرین کے تین قول ہیں (اول) نذر شرعی کہ بندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کو اپنے اوپر واجب کرلے کہ میں اللہ کے لیے یوں کروں گا یا یہ کام نہ کروں گا اب عام ہے کہ یہ نذر کسی آنے والی مراد کے حاصل ہونے یا بلا کے دفع ہونے پر کی ہو جیسا کہ عام دستور ہے یا نہیں مگر اس قسم کی نذر کی بابت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے لا تنذروا فان النذر لا تغنی من القدر شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل (متفق علیہ) کہ نذر نہ مانا کرو کس لیے کہ تقدیر الٰہی کو نذر ماننا کچھ ٹال نہیں سکتا جو ہونا ہے ہو کر رہے گا ہزار نذر مانا کرو بلکہ اس حیلہ سے بخیل کا مال خدا پاک باہر نکلوا دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو بغیر نذر مانے کچھ بھی للہ نہ دیتا ہو اور وہ نذر کو تقدیر الٰہی کے پلٹنے کا وسیلہ بنائے یہ اس بخیل کے مال صرف ہونے کا سبب ہے۔ نذر ممنوع کاموں میں بھی جو اس کی قدرت نہ ہوں نہ ماننی چاہیے کیوں کہ مسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ معصیت میں اور جن کاموں کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا نذر کا پورا کرنا نہیں

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اس قسم کی نذر کو پورا نہ کرے مگر کفارہ لازم ہوگا کیوں کہ ابوداؤد و ترمذی نے روایت کی ہے لا نذر فی معصیۃ اللہ وکفارتہ کفارۃ الیمین اور اسی طرح ابن ماجہ و ابوداؤد نے یہ جملہ بھی نقل کیا ہے من نذر نذرا لا یطیقہ فکفارتہ کفارۃ یمینؒ امام شافعی فرماتے ہیں "یہ نذر در اصل نذر نہیں کفارہ واجب نہیں۔ نہ اس کو پورا کرے۔"

باقی اور سب نذروں کا پورا کرنا واجب ہے کس لیے کہ اللہ تعالیٰ ابرار کی شان میں فرماتا ہے یوفون بالنذر اور ایک جگہ یوں فرمایا ہے ولیوفوا نذورھم کہ اپنی نذریں پوری کرو۔ پھر جو اپنی مانی ہوئی نذر کے پورا کرنے پر آمادہ ہے وہ خدا پاک کے واجب کردہ احکام و عبادات پر بدرجۂ اولیٰ سرگرم ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت میں نذر سے مراد واجبات ہیں عام ہے کہ از خود بندہ نے اپنے اوپر واجب کر لیے ہوں یا خدا تعالیٰ نے واجب کیے۔

تیسرا قول کلبی کا ہے کہ نذر سے مراد عہد ہے عہد وفا کرنے کی قرآن میں تاکید ہے عام ہے کہ باہمی جائز عہد ہو یا خدا تعالیٰ کا عہد جو نبیوں کی معرفت بندھا ہے شریعت و احکام کی بجاآوری کا۔

(۲) یخافون یوما کان شرہ مستطیرا کہ وہ اس دن کے شر سے بھی ڈرا کرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا، گرمی اور سردی کا جس طرح دنیا میں ایک عام اثر ہوتا ہے اسی طرح قیامت کا شر اور اس کا ہول اور دنیا کے زیر و زبر ہونے کا حادثہ اور پھر نفخ صور اور اس کے بعد قبروں سے نکلنے کا حادثہ ایک عام وحشت انگیز حادثہ ہوگا۔ وہ ابرار اُس دن کے حادثہ عظیمہ سے ڈرا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُس دن کی تیاری میں نذریں پوری کرتے ہیں اور اپنے جان و مال کو انہوں نے دنیا میں نذر اللہ کر دیا ہے۔

اس لیے ویطعمون الطعام کھانا کھلاتے ہیں علیٰ حبہ محض اللہ ہی کی محبت سے نہ ریاکاری اور شہرت کے لیے، یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجودے کہ اس کھانے کی ان کو رغبت و محبت ہوتی اور حاجت دامن گیر ہوتی ہے اس پر بھی وہ کھلا دیتے ہیں، کس کو؟ مسکینا فقیر کو ویتیما یتیم کو و اسیرا قیدی کو۔ اگلے زمانے میں قیدیوں کو شاہی خزانہ سے کھانا نہیں ملتا تھا۔ وہ اپنی محنت مزدوری کر کے کھاتے تھے اس میں ان پر سختی گزرتی تھی، فاقہ کشی پر فاقہ کشی ہوتی تھی اس لیے ان کا کھلانا بھی اس حالت بے کسی میں بڑا عمدہ کام تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسیر سے مراد وہ بے بس لوگ ہیں جو خود کوئی کام نہیں کر سکتے یا وہ لڑکے اور عورتیں اور غلام ہیں جو ظالموں کے پنجے میں گرفتار ہیں اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا۔ بے چارے ادھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں اس میں بے زبان جانور بھی داخل ہیں جو ایسے موذیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور دانہ پانی نہیں ملتا۔

اور ان پر کچھ احسان بھی نہیں جتلاتے بلکہ یہ کہتے ہیں انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا کہ ہم تو خالص اللہ کے لیے تمہیں کھانا کھلاتے ہیں

ؒ یمین خدا کے نام یا صفات کی قسم کھانا کہ ایسا کروں گا یا نہ کروں گا۔ اور نذر بغیر قسم کے کوئی کام واجب کر لینا کہ تین روزے اللہ کے لیے رکھوں گا یا صدقہ اس قدر دوں گا وغیرہ۔ اگر برے کاموں کی بابت یا غیر مقدور کی بابت نہیں تو وفا کرنا لازم ہے ورنہ گنہ گار ہوگا۔ اور ترک میں کفارہ ہے دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا دینا یا بردہ آزاد کرنا ورنہ تین روزے رکھنا ۱۲ منہ

کہ وہ خوش ہو جائے اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے نہ ہم کو تم سے اس کا بدلہ مقصود ہے نہ یہ کہ تم شکر گزاری کرو ہماری تعریف و مدح کرتے پھرو۔

اور یہ بھی کہتے ہیں انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں اُس دن کے عذاب سے جو نہایت سخت اور دشوار گزار ہوگا اُس روز کے لیے یہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اللہ کے نیک بندے یہ باتیں ہر مسکین و یتیم و اسیر کے سامنے زبان سے کہتے ہوں بلکہ ممکن ہے زبانِ حال سے کہتے ہوں اور ان کے دل میں یہ مضمون ہو اور ان کی اس نیت اور حسنِ اخلاص کو خدا پاک ان کے قول سے تعبیر کرتا ہو اور ایسا ہوتا ہے اور یہی قوی ہے۔

یوفون بالنذر سے لے کر یہاں تک کی آیات کے بارے میں ابن مردویہ نے ایک طویل قصہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسنینؓ کی بیماری میں نذر مانی تھی کہ تین روزے رکھوں گا جب صاحب زادوں کو شفا ہوئی اور روزے رکھنے شروع کیے اور کھانے کے لیے بہزار دقت شمعون خیبری یہودی غلہ فروش سے کچھ جو لاکر روٹیاں پکائیں، شام کو افطار کرکے جب کھانے بیٹھے اور آپ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ اور آپ کی لونڈی فضہ بھی روزہ دار تھیں تو ایک مسکین نے سوال کیا، پانچوں روٹی اس کو اٹھا دیں، دوسرے روز ایک یتیم نے آکر سوال کیا تیسرے روز جب کھانا تیار کیا تو ایک اسیر نے آکر سوال کیا اور تین روز پے در پے پانی پر روزہ رکھا، اس پر یہ آیات ان کی مدح میں نازل ہوئیں۔ یہ ممکن ہے کس لیے کہ حضرات اہلِ بیت کرام ایسے ہی تھے مگر اول تو اس روایت کی صحت میں کلام ہے، دوم اول سے آخر تک سلسلہ وار عموماً ہر انسان کی بابت کلام چلا آرہا تخصیص کسی کی نہیں۔ ہاں اس عموم میں حضرات اہلِ بیت کرام بدرجۂ اولیٰ شریک ہیں (تفسیر کبیر)

اس کے بعد ان ابرار کی جزائے خیر کا ذکر کرتا ہے فقال: فوقٰہم اللہ شر ذٰلک الیوم کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اُس روز کے شر سے محفوظ رکھے گا، ان پر کوئی مصیبت اور آفت اُس روز نہ آئے گی۔ اور نہ صرف یہی بات کہ ان کو شر سے بچا کر نعمتوں سے بہرہ ور کرے گا بلکہ ولقٰہم نضرۃ وسرورا ان کو فرحت اور خوشی عطا کرے گا اور دیدارِ الٰہی کی فرحت سے شاد ماں ہوں گے۔

یہ جنت روحانی تھی، اس کے بعد جنتِ جسمانی کا ذکر کرتا ہے وجزٰہم بما صبروا جنۃ و حریرا کہ ان کے صبر کے بدلے میں جو نذر کے وفا کرنے اور اسیروں اور یتیموں اور فقیروں کے کھلانے میں تکالیف برداشت کرتے تھے جنت دے گا اور اس میں ریشمی لباس پہننے کو ملے گا۔ اور نہ یہی کہ صرف ایسے کپڑے اور خوشی ملے گی بلکہ ان کے رہنے کے لیے اور بیٹھنے اور سونے کے لیے متکئین فیہا علی الارائک چھپر کھٹ اور طلائی پلنگ ملیں گے جن پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے لا یرون فیہا شمسا ولا زمہریرا جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے کس لیے کہ وہاں عرش کا سایہ ہوگا آفتاب کی روشنی کی وہاں حاجت نہ ہوگی اور نہ وہاں سردی ہوگی، ایک معتدل موسم ہوگا جو بہت ہی پر بہار موسم ہوگا، نہ خزاں کا ڈر، نہ برسات کی کیچڑ، نہ مچھر نہ پسو، نہ گرمی، نہ سردی، دنیا میں جو نہایت پُر بہار موسم باغوں میں ہوا کرتا ہے اور جو عمدہ ملکوں میں ہوتا ہے یہ وہاں کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔

ودانیۃ علیہم ظلٰلہا اور جنت کے سائے ان پر جھکے ہوں گے گرچہ وہاں آفتاب نہ ہوگا اور نہ اس کی دھوپ مگر اور اجرام نورانیہ بھی تو فگن ہوں گے، کبھی طبیعتِ انسانی ہمیشہ یکساں حالت سے گھبرا جاتی ہے، اس لیے کبھی اس کے تبدل و تغیر میں سرور پاتا ہے اس واسطے ان کے لیے بڑے درانہ سائے ہوں گے جن کے نیچے تختوں پر تکیہ لگا کر بیٹھیں گے

اور آپس میں باتیں کریں گے اور دنیا کے تذکرے بھی آئیں گے اور بے ثمر درختوں کے سائے نہ ہوں گے بلکہ وذللت قطوفہا تذلیلا ان کے پھل ان کے بس میں ہوں گے۔ سایوں کے ساتھ پھل بھی جھکے ہوئے ہوں گے جن کے لینے اور توڑنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اصل یہ ہے کہ دنیا کی ہر ایک صفتِ نیک ان کے لیے جنت میں ایک نعمت بن کر سامنے آئے گی۔ ان کی فرحت وخوشی ان کے دلِ غم ناک اور اندوہ گیں کے خوف و خطر کا نتیجہ ہے وہاں ان میں اس کے بدلے خوشی بھر دی جائے گی اور ان کے صبر کی تپش اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا ثمرہ جنت اور نرم لباس ہے اور وہ خود خدا کے آگے جھکے ہوئے تھے وہاں جنت میں درختِ میوہ دار ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور یہ میوے ان کے اعمالِ صالحہ و معارفِ الٰہیہ اور اس کے اشواق و مواعید ہیں ؀

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ
اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے
ع ۱ ۲۲ ۱۹ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ۝۱۵
آبخوروں کا دور چل رہا ہوگا
قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا
شیشے بھی چاندی کے شیشے جو ایک خاص انداز پر
تَقْدِيرًا ۝۱۶ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا
ڈھالے گئے ہوں گے اور وہاں ان کو پیالہ پلایا جائے گا
كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ۝۱۷ عَيْنًا
کہ جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی وہاں اس
فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ۝۱۸ وَيَطُوفُ
چشمہ میں سے بھی پئیں گے کہ جس کا نام سلسبیل ہوگا اور ان کے پاس

عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ج إِذَا
سدا رہنے والے لڑکے (خادم) گھومتے ہوں گے جب اے
رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝۲۰
مخاطب) تو ان لوگوں کو دیکھے گا تو ان کو خیال کرے گا کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں (صفائی اور خوبصورتی میں)
وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا
اور جب تو (وہاں کی نعمتیں) دیکھے گا تو تجھ کو وہاں بڑی نعمت
وَمُلْكًا كَبِيرًا ۝۲۱ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ
اور شاہی ساز و سامان نظر آئے گا بہشتیوں پر سبز
سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ز وَ
ریشمی باریک اور دبیز کپڑے ہوں گے اور
حُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ ج وَسَقَاهُمْ
ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب
رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝۲۲ إِنَّ
ان کو شرابِ طہور پلائے گا (کہا جائے گا)
هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ
یہ تمہارے (نیک اعمال کا) بدلہ ہے اور تمہاری
سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ۝۲۳ ع
کوششیں مقبول ہوئیں۔

ترکیب

آنیۃ جمع اناء ککساء واکسیۃ وغطاء واغطیۃ والاصل آأنیۃ بہمزتین الاولیٰ مزیدۃ للجمع والثانیۃ فاء الکلمۃ فقلبت الثانیۃ الفا من فضۃ بیان لآنیۃ واکواب جمع کوب و ہو الکوز الکبیر (کوزہ بے دستہ۔ صراح) عطف علی آنیۃ۔ کانت قواریرا الجملۃ صفۃ لاکواب والقواریر جمع قارورۃ (شیشہ) قرء نافع والکسائی قواریرًا بالتنوین فی الموضعین مع

الوصل ومع الوقف بالالف کسلاسلا وقرء حمزة بعدم التنوین فیهما وعدم الوقف بالالف بصیغة منتهی الجموع والثانی بدل من الاول۔ وقرئ برفع الثانی علی تقدیر ہی قواریر قدروها صفة لقواریر عینا منصوب علی انہا بدل من کاس واذا رایت ثم ثم فی موضع النصب علی الظرف یعنی فی الجنة وفی مفعول رایت اختلاف قیل مقدر وقیل لا عٰلیهم قرء نافع وحمزه بسکون الیاء وکسر الهاء علی انہ خبر مقدم وثیاب مبتداء مؤخر وقرء الباقون بفتح الیاء وضم الهاء لتحرک ماقبلها علی انہ ظرف کانہ قیل فوقہم ثیاب فنصبہ علی الظرفیة۔ وقیل نصب علیہم علی الحال اما من هم فی قولہ یطوف علیہم اومن الولدان ای اذا رایتهم حسبتهم لؤلؤا منثورا فی حال علو الثیاب ابدانہم والجملة صفة اخری لولدان وقرئ علیہم خضر بالرفع نعت لثیاب و بالجر نعت لسندس لکونہ اسم جنس واستبرق بالرفع عطفا علی ثیاب۔ وحلوا عطف علی یطوف علیہم۔

تفسیر

یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا کہ جنت میں جنتیوں کے لیے کھانے پینے کا بھی شاہانہ سامان ہوگا' صرف میووں ہی پر بس نہ ہوگی بلکہ برتن اور آبخورے اور لوٹے وغیرہ ظروف چاندی کے ہوں گے مگر کیسی چاندی؟ جس کی چمک اور صفائی آئینہ جیسی ہوگی شیشہ دنیا میں مٹی کے مادّے سے ہوتا ہے وہاں کے شیشہ کا مادّہ چاندی ہوگا ایسی چیز دنیا میں کسی کے پاس نہیں کہ مادّہ تو چاندی ہو اور صفائی میں شیشہ ہو اور پھر وہ برتن بے ڈول نہ ہوں گے بلکہ قدروها تقدیرًا ایک عجیب صنعت اور اندازہ سے بنائے اور ڈھالے جائیں گے اور ہر ایک برتن میں وقتِ حاجت کی رعایت ہوگی جس قدر پانی اور کھانا مطلوب ہو اور جس موقع کے لیے ہو اتنا ہی اس میں آئے۔ اور سونے کے بھی برتن ہوں گے جیسا کہ سورۂ زخرف میں آیا ہے یطاف علیهم بصحافٍ من ذهبٍ واکواب۔ ہر موقع کے اور محل کے مناسب کہیں طلائی کہیں نقرئی برتن ہوں گے۔ اور یطاف میں اشارہ ہے کہ کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر اوقات انہیں برتنوں کی آمد و رفت رہے گی خادمانِ پری رُو لائیں گے لے جائیں گے عیش و نشاط کا ایک تار بندھا رہے گا ان کے صبر کا بدلہ ہے جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاتے تھے اور فقیرانہ گزر کرتے تھے۔

اور ایسے لذیذ کھانوں کے بعد یا ساتھ کھانا جلد ہضم ہونے کے لیے ویسقون فیها کاسًا کان مزاجها زنجبیلا ان کو ایک ایسی عمدہ چیز کا پیالہ پلایا جائے گا کہ جس کا مزاج اور کیفیت یا آمیزش سونٹھ کی ہوگی تاکہ حرارتِ غریزی جوش میں آئے اور عیش و نشاط کا لطف تازہ ہو اور شوقِ دیدارِ الٰہی بڑھے تاکہ شوق کے بعد جو چیز ملے اس کی قدر اور لذت زیادہ ہو۔ اول مرتبہ کافوری شراب کا پیالہ پلایا جانا فرمایا تھا کہ حشر کی گرمی اور ہموم و غموم کی تپش بالکل جاتی رہے' بعد میں شرابِ زنجبیل کا پلایا جانا فرمایا کہ ایک دوسری گرمی پیدا ہو جو لذات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے کس لیے کہ جب انسان کی اصل گرمی کم ہو جاتی ہے تو پھر نہ ہضم جید ہوتا ہے نہ کسی مہ جبین کے وصال کا شوق باقی رہتا ہے نہ دل میں چونچلے اور اُچھل کود کی اُمنگ رہتی ہے ایک مٹی کا بے حس ڈھیر رہ جاتا ہے جیسا کہ بڑھاپے میں ہوتا ہے۔

مگر وہ زنجبیل دنیا کی زنجبیل نہیں کہ جس میں سوزش اور کسی قدر مضرت ہو بلکہ عینًا فیها تسمّٰی سلسبیلا وہ جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ سلسبیل کے معنی ہیں پوچھ رستہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کو پی کر شوق بڑھے گا اور ساقی سے محبوب کا رستہ پوچھے گا۔ یہ دنیا میں شرابِ شوقِ الٰہی اور اس کی گرمی کا اثر ہے جو خاصانِ خدا کو نصیب تھا۔

اور اس شراب کو اور ان لذیذ نعمتوں کو کون لائیں لیجائیں گے

ویطوف علیھم ولدان مخلدون لڑکے جن کا لڑکپن ہمیشہ باقی رہے گا جوان اور بوڑھے نہ ہوں گے ہمیشہ اسی حالت پر رہیں گے۔ لڑکوں میں ایک شوخی شرارت ٹرت پھرت اور بھولا پن ہوتا ہے، ایسی نشاط کی مجلسوں میں ان کا کھانے بلانے میں کام کرنا عجب لطف دیتا ہے، اور نیز وہ ان کے خلوت خانوں میں ان کی محبوب بیبیوں کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونے میں آجا سکتے ہیں، ناگوار نہیں معلوم ہوتے، نہ وہ عورت ہوتے ہیں اس لیے نہ مرد کو ان کا آنا بُرا معلوم ہوتا ہے، نہ عورت کو، برخلاف جوان مرد و عورت کے۔

اذا رایتھم حسبتھم لؤلؤا منثورا وہ ایسے حسین اور پُرنور ہوں گے کہ ان کو خدمت میں اِدھر اُدھر آتے جاتے کھڑے بیٹھے جو کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ گویا لڑی کے موتی بکھر گئے ہیں۔ موتی تو اس لیے کہ وہ ایسے خوب صورت ہوں گے اور بکھرے ہوئے اس لیے کہ وہ کاروبار میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہوں گے ان کے حسن اور ہر نے پھرنے کی بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ نعمتیں بیان کیں طلائی برتن وغیرہ کچھ انہیں پر موقوف نہیں بلکہ واذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا کہ جب تو دیکھنے والے جنت میں نظر کرے گا تو ہزاروں نعمتیں اور بڑی سلطنت اور شاہانہ تکلفات و تجملات دیکھے گا جو دنیا میں عمدہ باغات اور سنگِ مرمر کے طلائی اور جواہرات کے کام کیے ہوئے مکانات اور بڑے بڑے عیش و نشاط کے سامان اور بہاریں بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل ہیں، وہ لاکھواں حصہ بھی وہاں کی نعمتوں کا نہیں جو ایک ادنیٰ سے شخص کو جنت میں ملیں گی۔

اب ان کی پوشاکوں کا حال بیان فرماتا ہے:
عٰلیھم ثیاب سندس کہ ان کے اوپر خلعت کے طور پر چمکنے والے اور صاف ریشم کے مہین کپڑے خضرٌ سبز رنگ کے ہوں گے کہ ان کی سرسبزی کی دلیل ہو، واستبرق اور ریشم کے دبیز کپڑے بھی ہوں گے کاشانی مخمل وغیرہ جس طرح دنیا میں ہے یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ شاہانہ لباس ہوگا، یہ ان کے صفاتِ حمیدہ ہیں جو اس روز لباس بن کر ظہور کریں گے لفظ عٰلیھم میں اسی طرف اشارہ ہے۔

وحُلّوا اساور من فضۃ اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سورۂ کہف میں ہے یحلّون فیھا من اساور من ذھب کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ ممکن ہے کہ کسی کو سونے کے کسی کو چاندی کے ہر ایک کی رغبت یا مرتبے کے لحاظ سے یا کسی کو ایک وقت چاندی کے دوسرے وقت سونے کے پہنائے جائیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ چاندی کے خادمانِ جنت کے کنگن ہوں گے اور حُلّوا کی ضمیر انہیں کی طرف ہے، اور اہلِ جنت کے سونے کے کنگن ہوں گے۔

کنگن پہنائے جانے کی وجہ

س۔ زیور عورتوں کی زینت ہے، مرد کے لیے عیب ہے، پھر جنت میں پہنائے جانے کی کیا وجہ؟ اس کے جواب میں علماء کے چند اقوال ہیں۔

(۱) یہ کہ دراصل یہ چاندی اور سونے کا زیور وہاں کے خادموں اور عورتوں کو پہنایا جائے گا مگر لفظ میں جانبِ تذکیر کو غلبہ دے کر مذکر کے صیغے اس لیے لائے گئے کہ ان کی عورتوں اور خادموں کو پہنانا انہیں کی خوشنودی کا باعث ہے گویا ان کو پہنایا گیا۔

(۲) یہ کہ مشرقی ملکوں میں قدیم رواج ہے کہ سردار کے ہاتھ میں چاندی یا سونے کا کڑا یا کنگن ڈالا جاتا ہے کہ چاندی سونا اس کے ہاتھ میں ہے گویا یہ سرداری کی علامت ہے جیسا کہ مہذب ملکوں میں تمغہ۔ پس اسی قسم کا یہ بھی

جنت میں ان کی سرداری کا تمغہ ہوگا نہ کہ زینت کے لیے زیور۔

(۳) یہ کہ کنایہ ہے ان کے اُن انوار برکات سے جو دنیا میں انہوں نے ان متبرک ہاتھوں سے نیک اعمال کیے تھے، یہ ان کی روشنی اور نور ہوگا جو ہاتھ میں کنگن معلوم ہوگا۔

شراب طہور

وسقٰهم ربهم شرابا طهورا اور ان کا رب انہیں شرابِ طہور پلائے گا۔ طہور کہ جس میں نہ نشہ ہے نہ سُرور اور نہ خمار لا فيها غول ولا هم عنها ينزفون وہ ان سب قباحتوں سے پاک ہوگی۔ اہلِ دل[1] کہتے ہیں شرابِ طہور کنایہ ہے شرابِ وصال سے کہ ان کو وہاں اُس معشوق و محبوبِ حقیقی کا بے کیف وصال نصیب ہوگا جس کے نشہ میں وہ ابد الآباد مسرور رہیں گے۔ نعماء جسمانیہ کے بعد نعماء روحانیہ کا ذکر کیا کہ اس کے آگے وہ سب ہیچ ہیں۔ اور سقٰهم ربهم میں سقا کو ربهم کی طرف منسوب کرنے میں جو لطف ہے وہ اہل دل پر مخفی نہیں کہ وہ خود اپنے دستِ مبارک سے یہ جامِ مے بھر بھر کر پلائیں پھر اس کے آگے اور کیا نعمت ہوگی؟

اہلِ ظواہر کہتے ہیں خادم پلائیں گے مگر وہ اسی کے حکم سے پلائیں گے، اس لیے ان کا پلانا گویا خود اُسی کا پلانا ہے۔

اہلِ جنت سے کہا جائے گا ان هٰذا كان لكم جزاءً کہ یہ تھی تمہاری جزا اور تمہاری دنیاوی کوششوں ایمان اور عملِ صالح اور محبتِ الٰہی کا بدلہ جو تمہارے لیے پہلے سے تیار تھا۔ اس میں اطمینان دلایا جاتا ہے کہ تمہاری نیکی اور پرہیزگاری رائیگاں نہ جائے گی جیسا کہ منکر کہتے ہیں بلکہ اس کا بدلہ تیار ہے تمہارے مرکر وہاں جانے کی دیر ہے وكان سعيكم مشكورا اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی، اس کی قدر دانی کی گئی اکارت نہیں گئی برخلاف بت پرستوں اور مخلوق پرستوں کی بیکار کوشش کے کہ وہ ان کا آگ کے آگے سر جھکانا، ٹھنڈے پانیوں میں نہانا، بتوں کے لیے نذر و نیاز کرنا، عمر بھر ترکِ دنیا کرنا، ہاتھ پاؤں کا سکھا دینا، اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا کر مار ڈالنا، دریا میں غرق ہونا، آگ میں جل کر مر جانا، گوشت اور نعماء الٰہیہ کو چھوڑنا، نکاح نہ کرکے تجرد میں گدائی کرکے گذر کرنا، سب رائیگاں جائے گا بلکہ اس بت پرستی اور مخالفتِ رسول پر اور الٹا عذاب ہوگا، محنت برباد گنہ لازم کیوں کہ وہ محنت تعلیمِ شیطانی خدا سے روکنے والی تھی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ
(اے نبی) ہم نے ہی آپ پر قرآن ٹھیر ٹھیر کر

تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
اُتارا ہے پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیا کریں

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾
اور ان میں سے کسی بدکار اور ناشکر کا کہنا نہ مانا کریں

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً
اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد

وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ
کیا کریں اور کچھ رات گئے اس کے لیے نماز بھی پڑھا

لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾
کریں اور بڑی رات سے اس کی تسبیح کیا کرو

ترکیب

[1] اہل دل سے مراد صوفیہ حضرات۔

انا نحن نزلنا مبتدا و خبر۔ وقال الزجاج آو ھھنا اولہ من الواو لانہا بدل علی ان کل واحد اہل ان لایطاع بخلاف الواو لانہا تدل علی ان لایطاع کلاہما وجاز ان یطاع احدہما وقال الفراء او بمعنی لاکانہ قال ولا کفورا بکرۃ من اول النہار الی الزوال و الاصیل من الزوال الی الغروب وہما منصوبان علی انہما ظرفان لاذکر ومن الیل من للتبعیض والفاء دالۃ علی معنی الشرطیۃ والتقدیر مہما یکن من شئ فصلّ من اللیل ای فی اللیل لیلا منصوب علی انہ ظرف لسبحہ۔

تفسیر

اس سورت کی ابتدا میں یہ بتلایا گیا تھا کہ آدمی معدوم تھا عدم سے وجود میں لایا گیا ایک قطرۂ منی سے بنایا گیا جس میں اس کی تمام قوتیں اور کل ظاہر ہونے والے اوصاف و حالات ودیعت رکھے تھے جس کی طرف لفظ امشاج میں اشارہ تھا اور یہ بے کار اور عبث نہیں عالم ہستی میں لایا گیا بلکہ امتحان اور آزمائش کے لیے نبتلیہ اور اس امتحان میں پورا نکلنے کے اسباب (کان آنکھ عقل) بھی اس کو عطا ہوئے اور عقل زیادہ کار آمد تھی اس لیے اس کو جداگانہ ذکر کیا انا ھدینٰہ السبیل پھر اس امتحان میں کچھ کامل (شاکر) کچھ ناقص (ناشکر) نکلے پھر ناقصوں کی سزا مختصر سے الفاظ میں بیان کر کے کاملوں کی جزا و حیاتِ جاودانی اور وہاں کے عیش و نشاط بڑی تفصیل سے بیان فرمائے تاکہ معلوم ہو کہ رحمت کا پلّہ جھکا ہوا ہے۔

اس کے بعد کاملوں کو چند باتوں سے جو مضر ہیں منع کرنا چاہتا ہے اور چند نافع چیزوں کے عمل میں لانے کی وہ ناصح مشفق تاکید فرماتا ہے مگر اس مشقتِ عمل کی آسانی کے لیے اول تو جزاء و سزاء دارِ آخرت کی بیان فرمادی تھی دوم اور بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک باز جماعت کو اطمینان دلاتا ہے تاکہ بڑے فراخ حوصلہ اور اطمینانِ قلب سے عمل کریں۔

انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا کہ لوگوں کی آسانی کے لیے خود ہم نے اے محمدؐ تجھ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے، یہ محمدؐ نے از خود نہیں بنالیا ہے، نہ یہ جن کا قول ہے، نہ کسی کاہن کا۔ وہ ناقص جو اس میں شبہ کرتے ہیں اور اس کے بیانِ دارِ آخرت پر تمسخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کس نے دیکھا ہے کیا ان کا یہ وسوسۂ شیطانی جو راہِ سعادت کا روڑا ہے ٹھیک ہے یا ہمارا فرمانا جو رب العالمین علام الغیوب ہو کر اس میں تاکید سے کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے کھٹکے تم اس پر عمل کرو' اس کے وعدوں کے موافق ضرور حیاتِ جاودانی پاؤ گے اور مخالفت سے جہنم کے تاریک گڑھے میں جاؤ گے۔

فاصبر لحکم ربک پس اے محمدؐ اور اس کی جماعت اپنے رب کے حکم کی پابندی کر، یا اُس حکمِ ربّی کا انتظار کر جو تمہارے غلبہ کے لیے چلا آتا ہے' اس کی راہ دیکھو آپ معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کس نے بھیجا ہے؟

اس کے بعد دو باتوں سے منع فرماتا ہے' اور دونوں کو ایک ہی جملہ میں جمع فرماتا ہے فقال ولا تطع منہم آثما او کفورا کہ تو ان میں سے کسی گناہ گار بدکار کا کہنا نہ مان۔ نہ کسی ناشکر کا۔ آثم گناہ گار، ہر گناہ کے مرتکب کو آثم کہتے ہیں خواہ صغیرہ خواہ کبیرہ خواہ شرک خواہ کفر، اور کفور ان میں سے خاص گناہ گار کو کہتے ہیں جو ناشکر ہو' ہر کفور آثم ہے مگر ہر آثم کفور نہیں۔ پھر بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں کوئی ہو۔ بعض کہتے ہیں آثم سے ولید کی طرف اور کفور سے عتبہ کی طرف اشارہ ہے' بعض کہتے ہیں آثم سے عتبہ کی طرف اور کفور سے ولید کی طرف اشارہ ہے' اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں کا مصداق ایک شخص مراد ہے یعنی ابوجہل۔ ان لوگوں کی اطاعت دینی باتوں میں ممنوع ہے، کس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں دنیا کے طالب ہیں۔

ف یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کفار و مشرکین کی فرماں برداری و جاں نثاری اسلامی احکام کے مقابلے میں سخت ممنوع ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔

اس کے بعد تین چیزوں کا حکم دیتا ہے، فقال واذکر اسم ربك بكرة واصیلاً کہ صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کر۔

(۲) ومن الیل فاسجد لہ اور رات میں اس کو سجدہ کیا کر۔

(۳) وسبحہ لیلاً طویلاً اور بڑی رات سے اس کی تسبیح اور تقدیس کیا کر۔

ان آیات میں مفسرین کے دو قول ہیں۔

اول یہ کہ ان آیات میں نماز پڑھنا مراد ہے، بکرۃ سے صبح کی نماز اور اصیلاً سے ظہر و عصر کی نماز اور من الیل فاسجد لہٗ سے مغرب و عشاء مراد ہے اور سبحہ طویلا سے تہجد۔

دوئم یہ کہ اس وقت نماز پنج گانہ فرض نہ ہوئی تھی بلکہ تہجد کی نماز اور رات میں عبادت کرنا تھا، ان آیات میں مقصود ہر حال میں عبادت کی ترغیب ہے جیسا کہ اس آیت میں یایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً وسبحوہ بکرۃ واصیلاً اور تسبیح و تہلیل و دعا و استغفار و سجود ہی اُس وقت کی نماز تھی۔

اوقاتِ مخصوصہ میں عام مفسرین کے نزدیک مراد نمازِ پنج گانہ اور تہجد ہے۔ تہجد گو امت کے لیے فرض نہ ہو مگر مسنون ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے پڑھنے کا حکم تھا اس لیے بہ لفظِ امر تعبیر کیا گیا۔ لیلاً طویلاً میں اشارہ ہے کہ تمام رات سونے اور عیش کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کا بڑا حصہ یادِ الٰہی کے لیے بھی ہونا چاہیے اور کچھ نہ ہو تو پچھلی تہائی رات کو تو اٹھ کر دربارِ الٰہی میں حاضر ہو نہ کہ دن چڑھے تک مُردوں کی طرح بستر پر کروٹیں لیا کرے۔

ف یہاں خدا تعالیٰ نام یاد کرنا بتلاتا ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عقولِ بشریہ کو اس کی صفات تک رسائی ہے مگر اس کی حقیقتِ ذات تک رسائی نہیں انہیں اسماء و صفات سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے، اسی کو کبھی اذکر ربك سے تعبیر کیا اور کبھی واذکر ربك فی نفسك سے اور کبھی واذکر اسم ربك سے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ

بے شک یہ لوگ جلد آنے والی (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور

يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۸﴾

بھاری دن کو اپنے پس پشت پھینک رہے ہیں

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ

ان کو ہم نے پیدا کیا اور ان کی گرہ مضبوط باندھی

وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ

اور ہم جب چاہیں ان جیسے ان کے بدلے اور لے

تَبْدِيْلًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ

آسکتے ہیں یہ تو ایک نصیحت ہے

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۳۰﴾

پھر جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا رستہ اختیار کرلے

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

اور تم جب ہی چاہو گے جب کہ اللہ چاہے گا

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۱﴾ ۖ

کیوں کہ وہ سب کچھ جانتا (اور بڑا) حکمت والا ہے۔

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے

ع ۲/۹ ۲۰

وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

اور ظالموں کے لیے تو اس نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے

ترکیب

یذرون معطوف علی یحبون وکلاہما خبران یعنی ما مفعول یذرون وراءھم ظرف لہ اذا شئنا شرط ومفعول شئنا محذوف یدل علیہ الجواب وہو بدلنا الا ان یشاء اللہ ای الا وقت مشیئۃ اللہ او الا فی حال مشیئۃ اللہ والظلمین منصوب بفعل محذوف یفسرہ مابعدہ ای اعد۔

تفسیر

اوقاتِ مخصوصہ میں خدا پاک کی عبادت کرنا تسبیح و تہلیل میں مصروف ہونا دعا مانگنا گریہ وزاری کرنا وغیرہ جن کا حکم دیا گیا تھا بقولہ واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا الخ انہیں لوگوں کا کام ہے جو دارِ آخرت کے قائل ہیں اس لیے وہاں کے لیے یہ توشہ ساتھ لیتے ہیں اور دارِ آخرت کا یقین ہی ہے جو انسان کو اس طرف اُبھارتا ہے، برخلاف کفار و مشرکین کے کہ وہ اِدھر متوجہ ہی نہیں ہوتے، نہ ان کو اس عبادت و شب بیداری میں کچھ حلاوت ملتی ہے کس لیے کہ ان ھؤلاء یحبون العاجلۃ و یذرون وراءھم یوما ثقیلا یہ تو دنیا اور اس کی لذات و شہوات پر فریفتہ ہیں شب و روز مال و زر اور زن و فرزند و اسبابِ دنیا کے جمع کرنے میں مصروف ہیں، انہیں باتوں میں ان کو مزہ اور حلاوت معلوم ہوتی ہے، انہیں کاموں کو کام سمجھتے ہیں، اور انہیں چیزوں میں کامیابی حاصل کرنے کو خوش نصیبی اور فوزِ عظیم جانتے ہیں، اور دارِ آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہیں، اول تو اس کا یقین ہی نہیں اور جو کچھ ہے بھی تو اس کے لیے تدابیر نہیں نہ کوشش ہے نہ دل میں رغبت ہے، نہ طبیعت میں میلان، اور ان دونوں حالتوں میں دارِ آخرت کو (جو بڑا بھاری اور مصیبت ناک دن ہے مصائب کی وجہ سے) چھوڑنا اور پیچھے پھینک دینا ہے۔

اور ان کا یہ عذر کہ (ہم میں دارِ آخرت کی قدرت نہیں کاروبارِ دنیا سے مہلت نہیں نمازِ پنجگانہ خصوصاً صبح اور عشاء اور تہجد بھلا ہم سے کیوں کر ادا ہو سکتی ہے وہ سونے کا وقت ہے) محض غلط ہے کس لیے کہ نحن خلقنٰھم و شددنا اسرھم ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کی بنیادِ جسم کو مضبوط کیا ہے ہٹے کٹے ہیں نیک و بد نفع و نقصان کی سمجھ بوجھ ہے۔ بدبخت اکثر اپنی کمزوری اور ناچاری کا عذر کیا کرتے ہیں اور وہ در اصل ان کی سستی اور کاہلی سے ہوتی ہے ان کے جواب میں یہ آیت ہے۔

مگر بعض بدنصیب ازلی ہوتے ہیں نیک کام کیسا ہی آسان ہو ان کو پہاڑ معلوم ہوتا ہے، اور برا کام کیسا ہی مشکل ہو ان پر آسان ہوتا ہے۔ ناچ تماشے میں رات بھر جاگیں آنکھ نہ جھپکے، عبادتِ الٰہی میں دو گھڑی بھی بیٹھ نہ سکیں، یہ آیت ان کی سرشت کا بھی حال بیان کرتی ہے کہ یہ بدبخت عاجلہ یعنی دنیا اور اس کے عیش و نشاط لذات و شہوات کو پسند کرتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں کس لیے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے، ان کی سرشتِ بد سے ہم خوب واقف ہیں وشددنا اسرھم اور ان کی قوتِ شہوانیہ کو قوی کر دیتا ہے، کتوں اور خنزیروں جیسی قوتِ بہیمیہ ان میں بہت رکھی گئی ہے، رات دن چرنے اور جفتی کرنے کے سوا انجام کار کے سوچنے اور فکر کرنے کی ان میں قابلیت ہی نہیں اور جو کچھ ہے تو مہلت نہیں اولئک کالانعام بل ہم اضل۔

فذرھم یاکلوا ویتمتعوا کما تاکل الانعام و

النار منوی لھم ایسے ناپاک اور زمین کو اپنے گھناؤنے کاموں سے گندہ کرنے والے اپنے قیام و دوام کا دعویٰ نہ کریں اور نہ اس مہلتِ چند روزہ پر نازاں ہوں کس لیے کہ واذا شئنا بدلنا امثالھم تبدیلا ہم جب چاہیں ان کو مٹا کر ویسی ہی (شکل و صورت و قوت میں) اور لوگ پیدا کر سکتے ہیں اور ایسا ہی کرتے بھی ہیں، قوم نوح برباد ہو کر اور قومیں پیدا ہوئیں، ہر صدی پر بلکہ پچاس برس کے بعد دوسرا ہی نقشہ جم جاتا ہے، پہلوں میں سے صدی دو صدی کے بعد انسان تو کیا ان کے استعمال کے جانور بلکہ اکثر مکانات بھی نہیں رہتے، اس قرن کی کشتی بھری ہوئی عدم کے عمیق گڑھوں میں پڑی ہوتی ہے اور دوسرے لوگ بسے ہوتے ہیں۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کے بدلے اے پیغمبر اور لوگ ہم تیرے لیے پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ عتبہ کے بدلے اس کے بیٹے حذیفہ کو اور ولید کے بدلے اس کے بیٹے خالد کو مُعینِ دین بنا دیا۔ امثالھم کے بعض مفسرین نے اشکالھم کے معنی بھی لیے ہیں، تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم جب چاہیں ان کی صورت بدل دیں مسخ کر دیں یا فراغ دستی اور اقبال سے خواری اور ذلت کی حالت میں کر دیں جس سے ان کی وہ صورت بدل جائے ڈرتے رہنا چاہیے۔

پھر یہ قریش اس بات پر مغرور نہ ہوں کہ ہم آں حضرتؐ کے اقارب اور اہلِ وطن ہیں جب ہم نے اس کو قبول نہ کیا تو اور کوئی کیا قبول کرے گا کس لیے کہ ھذہٖ تذکرۃ یہ آیات پند و نصیحت ہیں کوئی برادری کا حصہ بخرا نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ مخواہ تمہارے سمجھانے کے لیے مجبور ہوں فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا پھر جو کوئی ہو عرب یا عجم، قریب یا بعید جو چاہے ان آیات سے اپنے رب تک پہنچنے اور اس کی مہمان سرا جنت میں حیاتِ جاودانی حاصل کرنے کا رستہ اختیار کر لے۔

خدا تعالیٰ تمام جہان اور تمام قوموں کا خدا ہے اس کا دین بھی سب کے لیے برابر ہے سب کے لیے اس کی رحمت کی راہیں کشادہ ہیں بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل کی کوئی خصوصیت نہیں۔

مگر یہ جاننا بھی درحقیقت اے بندگانِ خدا تمہارے بس میں نہیں وما تشاءون الا ان یشاء اللہ تم جب ہی چاہ سکتے ہو کہ جب اللہ بھی چاہے اور قائدِ توفیق تمہیں ادھر کھینچ کر لے چلے۔ ہر چند قوت و قدرت ہر ایک میں رکھی ہے تاکہ دارِ امتحان کا معاملہ معطل نہ ہو لیکن محرک اسی کی توفیق ہے ان اللہ کان علیما حکیما یدخل من یشاء فی رحمتہ بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے جس میں صلاحیت اور نورِ ازلی دیکھتا ہے اس کو اپنی رحمت یعنی راہِ راست پر لاتا ہے دینِ حق سمجھاتا ہے، ورنہ بڑے بڑے عاقل ہوشیار پُرفن پُرگو مال دار خوب صورت یوں ہی وادیٔ ضلالت میں ٹکرا ٹکرا کر مر گئے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا پڑے اور غریب کم مایہ کو کھینچ لیا۔ اس میں قریش پر تعریض ہے کہ تم نے کیا دینِ حق کو قبول نہیں کیا، دینِ حق نے تم کو ردّی جان کر پھینک دیا اور تمہاری سرکشی اور بدکاری کی ناپاکی نے بارگاہِ قدس میں آنے کے قابل نہ رکھا، اس پر بھی بس نہیں یہ تو دنیا میں تمہارے نامعقول اور مردود ہونے کی وجہ ہے مگر آخرت میں والظٰلمین اعدّ لھم عذابا الیما ظالموں کے لیے اس نے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے، مرنے کی دیر ہے۔

سورت کی ابتداء اس بات سے تھی کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ جس میں نیست و نابود تھا پھر اس کو اس قادرِ مطلق نے منی کے قطرے سے پیدا کیا اور عقل و حواس دیے پھر کس نے ان عقل و حواس سے کام لیا، اپنی ابتداء انتہاء کو سوچا، راہِ راست اختیار کی، وہ سعادت کی

کرسی پر بٹھا، دار آخرت میں حیات جاودانی اور سلطنت کا مالک بنا اور جس نے ان سے کام نہ لیا لہو ولعب لذات وشہوات میں غرق ہوا اور انبیاء علیہم السلام کا مقابل ہوا اس کے لیے عذاب الیم تیار رکھا ہے۔

ابتداء کلام کو انتہاء کلام سے کمال ارتباط ہے اور یہ کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اگر یہی سورت مبارکہ بغور وتامل دیکھی جائے تو انسان کی ہدایت کے لیے اعتقادیات سے لے کر عملیات تک کامل رہبر ہے جس میں دار آخرت کی ترغیب روح کو اس جہان کی نعمتیں بیان فرما کر کامل تشویق اور بدکاروں سرکشوں منکروں کو وہاں کے مصائب یاد دلا کر تخویف دلائی گئی ہے اور اصول حسنات نماز وخیرات بھی تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ ان تمام مقاصد کا جب کوئی خدا ترس طبیعت دل پر نقشہ جمائے تو فوراً ایک نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ مطالب عالیہ کس کس دلکش عبارت میں بیان کیے گئے نہ کوئی شاعرانہ مبالغہ ہے نہ شہوات برانگیختہ کرنے والے شاعرانہ خیالات ہیں۔

سورہ مرسلت

مکہ میں نازل ہوئی اس میں پچاس آیات دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ① فَالْعٰصِفٰتِ

قسم ہے ان (ہواؤں) کی جو خوشگوار چلتی ہیں — پھر وہ تیز (وتند) چلنے

عَصْفًا ② وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ③

لگتی ہیں — اور وہ بادلوں کو پھاڑ دیتی ہیں

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ④ فَالْمُلْقِيٰتِ

پھر ان کو پھاڑ کر بالکل الگ کر دیتی ہیں — پھر ان کی جو دلوں میں نصیحت

ذِكْرًا ⑤ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ⑥

ڈالتی ہیں — (دفع) عذر کے لیے یا ڈرانے کے لیے

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ⑦

جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

ترکیب

والمرسلت الواو للقسم عرفا مصدر فی موضع الحال ای متتابعة او مفعول له ای ارسلت للاحسان والمعروف فالعصفت الفاء للعطف وکذا ما بعدها معطوف علی المرسلات عصفا مصدر موکد یقال عصف بالشئ اذا اباده واهلکه یقال ناقة عصوف وعصفت العرب بالقوم ای ذهبت بهم ذکرا مفعول به نشرا و فرقا مصدران عذرا او نذرا قیل مصدران لکن وسطهما او یطم وقیل جمع عذیر ونذیر فعلی الاول ینتصبان علی المفعول له او علی البدل من ذکرا او بذکر وعلی الثانی حالان من الضمیر فی الملقیات ای معذورین ومنذرین انما اصله ان ما ما بمعنی الذی والخبر لواقع والجملة جواب القسم ولذا صدرت بان للتاکید۔

تفسیر

یہ سورت حسن وعکرمہ وعطا وجابر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور جمہور کا اسی طرف رجحان ہے، قتادہ کہتے ہیں مگر یہ آیت واذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون مدینہ میں نازل ہوئی اور بخاری ومسلم کی وہ روایت جو ابن مسعودؓ سے ہے اسی کی مؤید ہے وہ یہ کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ سورہ مرسلت نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھ رہے تھے اور ہمیں

آپ کے منہ سے لے رہا تھا اور ہنوز آپ کا دہن مبارک تر ہی تھا کہ ایک سانپ ہم پر کود پڑا آپ نے فرمایا اس کو مارو ہم مارنے دوڑے لیکن وہ چلا گیا آپ نے فرمایا کہ اس کو حق سبحانہ نے تم سے بچا لیا جس طرح تم کو اس سے بچا لیا۔

اور شیخین وغیرہما نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ میں اس سورت کو پڑھ رہا تھا، ام الفضلؓ نے سن کر کہا اے فرزند تیرے اس پڑھنے نے مجھے یاد دلا دیا کہ اخیر جو کچھ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا وہ یہی سورت تھی کہ آپؐ اس کو مغرب کی نماز میں پڑھ رہے تھے۔

ربط اس سورت کو سورۂ دہر سے یہ ہے کہ اس کی ابتدا میں کافروں کے لیے عذاب شدید کی تہدید تھی بقولہ انا اعتدنا للکفرین سلسلا و اغللا وسعیرا اور اس کے اخیر میں ظالموں کے لیے عذاب الیم تیار کرنا فرمایا ہے، کفار کو اس عذاب میں شک تھا کس لیے کہ دنیا میں اس کا ظہور نہیں تھا آخرت کے منکر تھے اس سورت میں چند چیزوں کی جو اس کے کمال قدرت کے نمونے اور تغیرات عالم کے اسباب ہیں قسم کھا کر یہ ثابت کرتا ہے کہ اس عذاب کا گھر اور موقع دار آخرت ہے نہ دار دنیا۔ الحاصل اس سورت میں مسئلہ معاد پر کلام تمام کیا تھا، اس سورت کی ابتدا میں مسئلہ معاد کو ایک نئے اسلوب سے ثابت کیا اور نئے نئے اسلوب سے ایک مدعا کو بار بار دل کش عبارت میں بیان فرمانا دلوں پر نہایت اثر رکھتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مضمون کو متعدد سورتوں میں اعادہ کیا گیا ہے۔

والمرسلت عرفا الخ اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمایا ہے انما توعدون لواقع کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے دار آخرت میں منکروں کے لیے ان کے اعمال بد پر عذاب اور نیکوں کے لیے اعمال صالحہ پر ثواب یہ ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ اور شک نہیں۔ یہ مسئلہ کہ روح جسم چھوڑنے کے بعد ایک خاص پیکر میں باقی رہتی ہے اور اس کو جسمانی وقت کی باتیں یاد رہتی ہیں اور اس کے دنیاوی اعمال و اعتقادات اس کے سامنے عذاب و ثواب رنج و راحت بن کر پیش آتے ہیں جمیع اہل ادیان کے نزدیک ثابت ہے، البتہ دہری اور کچھ جہلاء اور ناتربیت یافتہ دماغ اس کے منکر تھے اور ہیں جیسا کہ عرب کے جاہل اور قریش کہ اسی وجہ سے ان کے مقابلہ میں اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے قسم کھا کر بیان فرمایا جاتا ہے اور اس سے زیادہ جہلاء کے نزدیک جو دروغ گوئی کو عیب سمجھتے تھے اس شخص سے جس کی نسبت ان کو راست بازی کا یقین تھا اور کوئی صورت یقین دلانے کی نہیں۔

ان پانچ چیزوں میں قدماء مفسرین کے کہ جن میں جلیل القدر صحابہؓ و تابعین بھی ہیں مختلف اقوال ہیں۔

اول قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ملائکہ ہیں، جو مرسلت عرفا وہ فرشتے جو وحی کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام پر لگاتار بھیجے گئے (عرفا ای ارسالا متتابعا یتبع بعضها بعضا کعرف[1] الفرس) یا عرفا کے معنی ہیں نیکی اور بھلائی کے لیے (ضد النکر و انتصابہ علی ہذا الوجہ انہ مفعول لاجلہ) یعنی انتظام دنیا اور مصالح دینی کے لیے ملائکہ جو بھیجے جاتے ہیں اور ان سے تدابیر وابستہ ہیں ہم ان کی قسم کھاتے ہیں۔

فالعصفت عصفا پھر ان ملائکہ کی قسم جو ہلاک کرتے اور عالم میں تغیر عظیم پیدا کرتے اور تہلکہ ڈال دیتے ہیں۔

[1] عرف الفرس گھوڑے کی ایال یعنی اس کی گردن کے بال اور اسی طرح عرف الدیک مرغ کا تاج۔ گھوڑے کی ایال میں بال مجتمع ہوتے ہیں اور ایک قطار سے یکے بعد دیگرے ہوتے ہیں گویا یہ لفظ اس محاورہ سے ماخوذ ہے ۱۲ منہ

والنشرٰت نشراً اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلاتے ہیں کھول کر۔ دنیا میں جو امورِ آئندہ مخفی ہوتے ہیں ان کے اظہار اور نشر کے لیے ملائکہ کی ایک جماعت ہے اقبال و بد اقبالی قحط و ارزانی تمام امور مخفیہ جو ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں قضا و قدر نے ان کے لیے ملائکہ معین کر رکھے ہیں۔ اس میں ادیان حقہ اور وحی کا پھیلانا بھی آگیا۔

فالفرقٰت فرقاً پھر ان فرشتوں کی جو ہر ایک معاملہ میں فرق و امتیاز کر دیتے ہیں مذاہب حقہ و باطلہ میں فاتح و مفتوح قوموں میں سعادت مندوں اور نحسوں میں فریبیوں اور خدا پرستوں میں فرق کرنے والے اور اسی طرح عہدِ جوانی بڑھاپے اور لڑکپن اور حیات و ممات اور ایک قرن سے دوسرے قرن میں فرق کرنا ظلمات کو نور سے الگ کرنا اشیاء عنصریہ میں قوت نامیہ کے ہر ایک کام میں اور اسی طرح اجزاء متشابہ انسان و حیوانات و نباتات میں فرق کر کے پتے اور پھول اور شاخ و ثمر کو جدا کر دینا اور ہر ایک کو اس کے خواص و کمال میں دوسرے سے امتیاز دینا اسی طرح انسانی نطفہ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، پھر اسی میں سے سر اور پاؤں ناک اور آنکھ وغیرہ اجزاء جدا جدا نمودار کرنا سب اسی جماعت کے متعلق ہے ان کی بھی قسم کھاتا ہے۔

فالملقیٰت ذکراً عذراً او نذراً پھر ان فرشتوں کی قسم جو مخلوق کی تکمیل کے بعد ان میں ذکر ڈال دیتے ہیں۔ ذکر الٰہی اور اپنے خالق کے وجود و قدرتِ کاملہ پر گواہی دینا بھی ذکر ہے پھر یہ ذکر دو قسم پر ہے غیر اختیاری جس کو تسبیح قہری کہتے ہیں یہ ذکر ان ملائکہ نے ہر مخلوق کی سرشت میں ڈال دیا ہے نباتات حیوانات پرند و چرند و وحوش و طیور سب اسی کے ذکر میں مصروف ہیں ؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است
ولے داند دریں معنی کہ گوش است

دوسری قسم ذکر اختیاری ذوی العقول کا جیسا کہ اہل ایمان انسان و جن و ملائکہ و اُن باخدا مسلمانوں کے دل میں اس ذکر کا القا بھی ملائکہ کی طرف سے ہے ان کے حق میں بازپرسِ آخرت سے یہ ذکر عذر ہوگا اور نجات پائیں گے اور یہی ذکر اس سے غافل رہنے والوں کے لیے عذاب آخرت کا ایک خوفناک پیغام یا تنبیہ ہے۔ یا یہ کہ ذکر سے مراد قرآن و وحی ہو اور ذکر کا اطلاق قرآن و وحی پر ہوا ہے جیسا کہ ان آیات میں ص والقرآن ذی الذکر وانہ لذکر لک ولقومک۔ وھذا ذکر مبارک تب یہ معنی ہوں گے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو قرآن لاتے ہیں یعنی نازل ہوتے ہیں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہیں اور قرآن ماننے والوں کے لیے عذر ہے یعنی اس کے سبب وہ جمیع معاتبات سے معذور اور مغفور ہوں گے اور نہ ماننے والوں کے لیے نذر خوف اور اتمامِ حجت ہے۔

ان پانچ اقسام کے فرشتوں کی قسم کھانے میں عالم کی آفرینش اور ہر چیز کے وجود کی ابتدائی حالت اور پھر اس کی قوت و کمال تک پہنچ جانے کی نہایت اور پھر ممکنات کے اکتساب خیر و شر اور اس کے بعد تک کی حالت اور پھر بقاءِ عالم کے اسباب اور ہر چیز کی نشو و نما کی کیفیت کہ عالمِ عدم سے عالمِ ظہور میں ایک چیز کیا کیا صورتیں پیدا کرتی ہے اور اس پر کیا کیا انقلابات ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ دار آخرت کی تیاری جو ہوشیار کے لیے عذر اور اس سے غافل کے لیے نذر ہے کس عمدہ اسلوب میں بتائی گئی ہے۔

دوسرا قول جمہور مفسرین کا ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ہوا ہے۔ ہر چند فرشتے مخلوق میں عمدہ اور بہتر ہیں مگر ہوا کو بھی اس عالم کی بقا در فنا اور کاروبار میں عجب دخل ہے سننا دیکھنا چکھنا ٹٹولنا سونگھنا ہوا ہی پر موقوف ہے کس لیے کہ آواز جب متکیف ہوتی ہے تو ہوا کے ذریعہ سے کان کے سوراخ تک پہنچتی ہے ورنہ دیکھنے

ہیں شعاع آنکھوں سے نکلتے ہیں اور ہوا چونکہ عنصرِ لطیف ہے ان کا حائل نہیں اس لیے چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور سونگھنے میں ہوا ہی متکیف ہو کر ناک کے رستہ سے وہ کیفیت پہنچاتی ہے اور چھونے میں بھی ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ حرارت و برودت رطوبت و یبوست اشیاء کو مسام میں سے گھساتی ہے اور نیز اندرونی کیفیت ہوا ہی کے ذریعہ سے جلد تک پہنچتی ہے اور نیز ہوا ہی پر جانداروں کی زندگی کا مدار ہے۔ سانس بند ہوا اور مرا اور نباتات کی بالیدگی وغیرہ بھی ہوا ہی کے ذریعہ سے ہے۔ دریا میں کشتیوں کو ہوا ہی لیے پھرتی ہے اور ہوا میں لطافت بھی ہے اس وجہ سے اس کو فرشتوں سے کمال مناسبت ہے۔

پس والمرسلت عرفا سے وہ ہوائیں نرم نرم مراد ہیں جن کے چلنے سے دل خوش ہوتا ہے اور انہیں سے روئیدگی ہوتی ہے اور ابر اٹھتا ہے۔

اور عصفت عصفا سے مراد آندھیاں اور سخت ہوائیں ہیں جن سے انقلابِ عظیم پیدا ہوتے ہیں دریا میں طوفان آتا ہے صحرا میں درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں، درخت پژمردہ ہو جاتے ہیں لفظ فا گویا اس طرف اشارہ ہے کہ نرم نرم چلنا اور سخت چلنا یکے بعد دیگرے ایک ہی چیز کا کام ہے اور دونوں ایک ہی چیز کے ہر دو وصف ہیں۔ نرم نرم چلنے کے بعد وہی ہوا تند و تیز ہو جاتی ہے اور اس کی یہ حالت بتلاتی ہے کہ دنیا میں انقلاب ہے اور نیز جو راحت کا سامان ہے وہی آفت بن جاتی ہے، مال اولاد عورت وغیرہا تمام اسباب عیش و فرحت میں یہی بات ملحوظ ہے۔

والنشرٰت نشرا قسم ہے ان ہواؤں کی کہ جو دنیا میں پھیلاتی ہیں۔ بادلوں کو بھی ہوا ہی پھیلاتی ہے اگر نہ پھیلیں اور لگا تار ایک ہی جا برسے جائیں تو طوفان برپا ہو جائے اور نیز ہر چیز کے اجزاء لطیفہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے کارخانہ جمع و تالیف نقل و تحویل کیفیات اجزاء لطیفہ اشیاء کا جس پر ایجاد و احداث اشیاء عجیبہ مربوط ہے ہوا ہی پر منحصر ہے۔

فالفرقت فرقا پس قسم ہے ان ہواؤں کی جو بالکل جدا کرتی ہیں۔ یہ بھی ہوا کا کام ہے کہ دانہ کا گھاس سے جدا کرنا اور پانی کا کدورت سے صاف کرنا اس کے سبب سے ہے اور اجزاء نباتیہ و حیوانیہ کا باہم جدا ہونا ہوا ہی کے نشوونما سے ہے سبزہ و نزشتے کے اجزاء بھی ہوا ہی جدا کرتی ہے متکبروں اور پُر غرور اجسام کے اجزاء مرنے کے بعد ہوا ہی اڑاتی ہے۔ سرِ پُر غرور کے اجزاء کہیں پڑے ہوتے ہیں اور نازنین ہاتھوں کے کہیں، اس میں بھی انقلابِ عظیم عالم کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح جمع و تالیف ہواؤں کے وسیلہ سے تھا تفریق و انتشار بھی آخر انہیں کے سبب سے دیکھ لیا۔ یہاں بھی فا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ناشرات اور فرقت ایک ہی چیز کے دو وصف ہیں یکے بعد دیگرے۔ وہی ناشرات بعد میں فارقات ہو جاتی ہیں جس ہوا کی تازگی سے سروِ رواں اور دل کش صورت لیے پھرتے تھے آج اسی نے اس کے ریزے اِدھر اُدھر بکھیر دیے ؎

صبا نے اس کے کوچے سے اُڑا کر
خدا جانے ہماری خاک کیا کی

غبار کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ذرّے کس کس جسم کے ہیں ان پر حیات میں کیا کیا بہاریں تھیں؟

فالملقیت ذکرا پھر قسم ہے ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔ ذکر سے مراد کلام اللہ کا وجودِ لفظی ہے کہ جس کو قرآن متلو کہتے ہیں۔ اس ذکر کے پہنچانے میں ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ لفظ ایک کیفیت ہے جو آواز کو عارض ہوتی ہے اور پھر ہوا کے ذریعہ سے کان میں پہنچتی ہے پس یہ ہوا لوگوں کے کانوں میں

قرآن پہنچانے کے لیے ایک خادم ہے اور حقیقت جبرئیل علیہ السلام کا ایک شعبہ ہے اور اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہواؤں پر متوکل ہیں۔ اس ذکر کے کانوں میں پہنچنے سے ایک تغیر اور انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے پھر یا سعادت کی طرف مائل ہوتا ہے اگر روح نے اس کو قبول کرلیا اور یا شقاوت کی طرف مائل ہوگیا اگر قبول نہ کیا جیسا کہ فرماتا ہے عذرًا یعنی کلام الٰہی کا پہنچانا یا اس لیے ہے کہ وقت بازپرس کے وہ کہے کہ یہ کام میں نے خدا کے فرمودہ کے موافق کیا اور یہ کام اس کے فرمانے سے چھوڑ دیا بہرحال اس کے عذر اور سند اور دستاویز ہے۔ یہ عذر ہونا خاص اس کلام الٰہی کی بابت ہے جو متضمن اوامر و نواہی یا اعتقادیات ہو جیسا کہ ذات و صفات کے متعلق اور تمام کی نسبت بھی ہو سکتا ہے کس لیے کہ قصص و حکایات میں تصدیق کے سوا عبرت و نتائج حاصل کرنے کا بھی موقع دیا جاتا ہے اور نذرًا اور شقی ازلی ہے تو اس کو کلام الٰہی محض ڈرانے کے لیے سنایا جاتا ہے۔

اور ان پانچوں قسم کی ہواؤں میں ملائکہ منتظمان عالم کی ہر ایک صفت کی رعایت بھی ملحوظ ہے کس لیے کہ صفت اول مرسلت عرفًا میں حقیقت میکائیلی ملحوظ ہے کیوں کہ پرورش عالم انہیں کے متعلق ہے اور من جملہ اسباب پرورش کے ہواؤں کا نرم نرم چلنا بھی ہے جن سے نشو و نمائے ابدان ہوتا ہے اور صفت دوم عصفت میں حقیقت عزرائیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ عالم کا درہم و برہم کرنا یا انقلاب عظیم انہیں کے ساتھ وابستہ ہے اور اس انقلاب کے اسباب میں سخت ہواؤں کا چلنا بھی ہے۔ جو بڑے بڑے نشانوں کو مٹاتی ہے۔ اور صفت سوم و چہارم نشرات و فرقت میں صفت اسرافیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ نفخ ارواح کے ابدان میں اور نیز حق و باطل میں امتیاز اور نیز دنیا میں ارواح کو ابدان سے متعلق کرنا انہیں کے سپرد ہے یہ ہوائیں بھی انہیں کے کام میں کارآمد ہیں۔ صفت پنجم فالملقیت ذکرًا حقیقت جبرئیلی کا شعبہ ہے۔ چوں کہ یہ صفت بلند مرتبہ ہے اس لیے فائے تعقیب اس پر لائے گویا یوں فرمایا کہ صفات سابقہ کے بعد اس صفت کی قسم کھاتے ہیں بخلاف فائے تعقیب فالعصفت فالفرقت کے کس لیے کہ وہ تعقیب ایک فعل کی دوسرے فعل کے لیے ہے نہ تعقیب قسم کے لیے گویا تین چیزوں کی قسم ہے اول نرم نرم چلنے اور سخت چلنے والی ہواؤں کی دوم پھیلانے اور فرق کرنے والی ہواؤں کی سوم ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے ایک قسم کی چیزیں مراد نہیں بلکہ متعدد چیزیں مراد ہیں پھر اس میں کئی قول ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ پہلی چاروں چیزوں سے ہوائیں مراد ہیں اور پانچویں سے ملائکہ جو ذکر یعنی کلام الٰہی دنیا میں لاتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں اول دونوں صفات سے مراد ہوائیں اور اخیر تینوں سے ملائکہ۔ اور ملائکہ و ہوائیں کمال مناسبت بے لطافت کی وجہ سے۔

فراء کہتے ہیں کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد آیات قرآنیہ ہیں کہ اہل ایمان کے دل کو نرم کرتی ہیں پے در پے نازل ہوئی ہیں کفار و مشرکین پر آندھی کا اثر رکھتی ہیں اور آثار ہدایت و انوار سعادت کو جہان میں منتشر کرتی ہیں پھر اہل حق و باطل میں فرق ظاہر کر دیتی ہیں پھر ایمان داروں کے دل میں یاد خدا پیدا کرتی ہیں اگر عمل کیا تو حجت ہیں ورنہ خوف کا پیغام۔ بعض سب سے حضرات انبیاء علیہم السلام مراد لیتے ہیں۔

حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ مرسلت عرفًا سے مراد دواعی والہامات ربانیہ ہیں کہ سالک کے نفع کے لیے پے در پے اس کے دل پر وارد ہوتے ہیں اور عصفت سے مراد جذب و کشش الٰہی کے جھونکے ہیں کہ اس کے دل کو حب ماسوائے اللہ سے اکھیڑ دیتی ہیں اور نشرات سے مراد اشغال و اذکار ہیں کہ تمام جوارح میں انوار پھیلا دیتی ہیں اور فرقت سے مراد واردات الٰہیہ ہیں کہ وجود ناسوتی کو فنا کر کے وجود حقیقی اور مجازی میں فرق

کر دیتی ہیں اور ملقیٰت ذکرًا سے علوم و معارف مراد ہیں جو لقا حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں محبت کے طریق سے جو عذر ہے یا خوف کے طریق سے جو نذر ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ

پھر (وہ کب ہوگا) جب کہ ستارے ماند ہو جائیں گے اور جب کہ آسمان

فُرِجَتْ ۝۹ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰

پھٹ جائیں گے اور پہاڑ اُڑتے پھریں گے

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱ لِاَیِّ

اور جب کہ رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا کس

یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳

دن کے لیے دیر کی گئی فیصلہ کے دن کے لیے

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴

اور تو کیا جانے کیا ہے فیصلہ کا دن؟

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۵

خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

کیا ہم نے پہلوں کو غارت نہیں کر دیا پھر ہم ان کے پیچھے

الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۷ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ

پچھلوں کو لاتے ہیں ہم گنہ گاروں سے ایسا ہی

بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۸ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کیا کرتے ہیں اُس دن جھٹلانے والوں

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۹

کی خرابی ہے۔

[1] چھاج پھٹکنے والا ۱۲

ترکیب

فاذا ہذہ و مابعدہا کلہا شرط و جوابہا محذوف تقدیرہ بان الامر اذ فصل طمست یقال طمس الشیٔ اذا درس و ذہب اثرہ نسفت یقال نسفت الشیٔ والمنسفۃ اذا اخذتہ بسرعۃ وقیل جعلت کالحب الذی ینسف بالمنسف[1] قال المبرد نسفت قلعت من مواضعہا اقتت الہمزۃ بدل من الواو المضمومۃ وکل لازمۃ یجوز ابدالہا بالہمزۃ وقد قرئ بالواو لای یوم اجلت الامور او الرسل الجملۃ استفہامیۃ والاستفہام للتعظیم والتعجب مقولۃ بیقول مقدر ای یقال قیل ہو جواب لاذا۔ للمکذبین خبرہ وکررت ہذہ الآیۃ فی ہذہ السورۃ عشر مرات علی تعداد مستحقی الویل ثم نتبعہم الجمہور علی الرفع ای ثم نحن نتبعہم و لیس بمعطوف لان العطف یوجب ان یکون المعنی اہلکنا الآخرین بعد الاولین ولیس کذلک۔

تفسیر

علامات قیامت يوم جزاء کے واقع ہونے کی خبر دے کر اس کی علامات و اسباب بیان فرماتے ہیں فقال فاذا النجوم طمست جب کہ ستارے بے نور ہو جائیں گے یا اُکھڑ جائیں گے اسی بات کو ایک جگہ یوں فرمایا ہے اذا النجوم انکدرت کہ جب ستارے دھندلے ہو جائیں گے ان کی روشنی جاتی رہے گی اور ایسا ہی ہوگا بھی کہ اول بے نور ہو جائیں گے جیسا کہ مرنے سے پہلے انسان کی تازگی جاتی رہتی ہے اس کے بعد گر پڑیں گے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اذا الکواکب انتثرت جب کہ ستارے جھڑ جائیں گے، یہ اس وقت ہوگا کہ جب ان کا مدبر یا روح یا نفس یا فرشتہ موکل ان سے الگ ہو جائے گا جو اُن کو

اور وہ ایسا ہے جیسا کہ بدنِ انسانی کے لیے رُوح یا نفسِ ناطقہ اس کا علیحدہ ہونا ہے کہ ان کا مردہ اور بے نور ہو کر گر پڑنا ہے۔

دوسری علامت واذا السماء فرجت اور جب کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ فلسفۂ قدیم کے نزدیک آسمان اور ستاروں کا گرنا اور پھٹنا محال ہے جن دلائل کے بھروسے پر حکماء نے یہ کہا ہے ان کا نقص علماء کلام نے ثابت کر دیا ہے۔ فلسفۂ حال کے نزدیک آسمان کوئی چیز نہیں ایک فضائے وسیع ہے جس میں ستارے اور ماہتاب لاکھوں کوسوں کے فاصلے پر ایک خاص مدار پر حرکت کرتے ہیں اور مشتری ایسا جلد رفتار ہے کہ ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتا ہے اور یہ اجرام علویہ زمین سے سیکڑوں حصے بڑے ہیں اور زمین بھی ان کے رہنے والوں کو ایک چھوٹا سا تارہ حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان کے نزدیک ان سب باتوں کا موجد و محرک مادہ ہے جس کو وہ قدیم کہتے ہیں جو نہ دکھائی دے سکتا ہے نہ کسی حس سے محسوس ہو سکتا ہے۔ مگر جب الہامی عقل کی دوربین صافی سے صحیح النظر ذرا بھی دیکھے گا تو فوراً ایمان لے آئے گا کہ یہ مادے کا کام نہیں کس لیے کہ اگر مادہ ہی سب باتوں کی علتِ فاعلیہ ہے تو مادہ سب کا یکساں ہے پھر اس نے سب جگہ یکساں کام کیوں نہیں کیا اور سب کو ایک صورت کیوں نہیں دی اور پھر صورت اور مادہ دونوں غیر عقل و غیر مدرک ہیں ان میں اس نظام کو قائم کرنے کی کیا عقل کہ ہزاروں برس سے یہ کارخانہ چلا آتا ہے کوئی ستارہ دوسرے ستارے سے ٹکرا نہیں جاتا اور غیر محسوس چیز کے تم قائل نہیں پھر قائل ہوئے تو کیوں نہیں دو چار قدم آگے بڑھ کر یہ دیکھنے کہ وہ غیر محسوس سب کا موجد مادے کا تقسیم کرنے والا نئی نئی صورتیں پہنانے والا خدا تعالیٰ ہے اور جس فضاء وسیع کو تم مانتے ہو وہی تو آسمان ہے یہ اور بات ہے کہ لطافت کی وجہ سے اس کا جسم کما ینبغی تم کو کسی دوربین سے محسوس نہیں ہوتا نہ ہوگا پھر کیا یہ ناممکن ہوگا کہ وہ خالق ان ستاروں کو باہم ایک وقت ٹکرا کر چورا چورا کر دے اور آسمان پھٹ جائے؟ بے شک یہ ممکن ہے۔

تیسری علامت واذا الجبال نسفت کہ جب پہاڑ اُڑتے پھریں گے اور زمین سے اُکھڑ جائیں گے۔ قیامت کے دن جو پہاڑوں پر واقعہ گزرے گا اس کا قرآن مجید میں متعدد الفاظ میں بیان ہوا ہے، ان سب کی مطابقت اس طور پر ہے کہ اول زلزلۂ عظیم کے سبب پہاڑ آپس میں ٹکرا کر چورا چورا ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا ہے وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ پھر اس چورا ہونے کے بعد اس زیر زیر ہونے سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا وکانت الجبال کثیبا مھیلا اور فرمایا فکانت ھباء منبثا پھر ہوا کی شدت اور تموج سے ان کا غبار بادلوں کی طرح اڑتا پھرے گا جیسا کہ فرمایا وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب اور اس اڑنے میں پہاڑوں کی رنگتوں کے سبب ایک رنگت سرخی نما معلوم ہوگی جیسا کہ فرمایا وتکون الجبال کالعھن المنفوش پھر زمین پہاڑوں سے صاف ہو جائے گی جیسا کہ فرمایا ویوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ یہ تینوں علامات نفخ صور کے بعد ہوں گی یہاں تک کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا اس کے بعد خدا تعالیٰ ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا کرے گا اور بنی آدم زندہ ہوں گے اور حساب کے لیے دربار قائم ہوگا۔

اب اُس وقت کے حالات بیان فرماتا ہے فقال واذا الرسل اقتت اور جب کہ رسولوں کے لیے میدانِ حشر میں وقت مقرر کیا جائے گا تاکہ باری باری ہر ایک رسول اپنے وقتِ مقررہ پر اپنی اپنی امت کی کوشش کرے (ان سب شرطوں کا جواب جو لفظ اذا سے مذکور تھیں محذوف ہے جو قرینہ سے سمجھا جاتا ہے) وہ یہ کہ

جب یہ باتیں ہوں گی تب وہ عہد پورا ہو جائے گا جو تم سے رسول حساب و کتابِ آخرت کی بابت کرتے ہیں اور تم اپنی غفلت یا حب دنیا اور لذات و شہوات کی کوری سے انکار کرتے ہو۔

اس بیان کو سن کر بھی منکرینِ قیامت یہ کہتے تھے کہ پھر کس دن کے لیے دیر کی گئی ہے لاَیِّ یومٍ اجلت کہ کس دن کے لیے ان باتوں کے آنے میں دیر کی گئی ہے کیوں ابھی نہیں ہو جاتیں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لیوم الفصل کہ فیصلہ کے دن آنے کے لیے دیر کی گئی ہے جب وہ دن آئے گا تو یہ سب چیزیں واقع ہوں گی۔

اس دن کی تاخیر کا راز ایسا نہیں کہ تمہاری ناقص سمجھ میں آجائے، اس مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا وما ادرٰلک مایوم الفصل کہ اے مخاطب تو اس فیصلہ کے دن کی حقیقت کیا جانے اور کیا کیا اسرار اس کی تاخیر میں ہیں۔ اور یوں بھی اس عالم کی تخریب اور بارِ دیگر بنا، تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہ دن مصیبت کا ضرور آنے والا ہے جس میں ویل یومئذ للمکذبین اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ ہو سکے تو کچھ اس کا بندوبست کرو۔

اعادۂ ویل کی وجہ

واضح ہو کہ یہ جملہ اس سورت میں دس جگہ ارشاد ہوا ہے اس کی وجہ چند ہیں۔

اول یہ کہ فصحاءِ عرب اپنے کلام میں چند جملوں کے بعد ایک خاص جملہ بولتے تھے پھر چند جملوں کے بعد اس کا اعادہ کرتے تھے اور یہ جملے گویا اس کے ادلہ متعددہ ہوتے ہیں جس سے مخاطب کے دل پر ہر بار اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ مخمس و مسدس میں ہر بار اخیر میں وہی مصرع یا شعر ذکر کیا جاتا ہے۔

دوم یہ کہ ان منکرینِ قیامت کو دس وجہ سے اس روز مصیبت پیش آئے گی، ہر ایک وجہ کے لیے اس کلام کا اعادہ کیا گیا۔ واضح ہو کہ انسان میں مبدءِ فیاض نے تین قوتیں رکھی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فساد سے شقاوتِ دارین نصیب ہوتی ہے۔

پہلی قوت نظریہ جس پر اعتقادات و ادراکِ صحیح کا مدار ہے کفار نے اس کو بگاڑ رکھا تھا، کئی وجہ سے اول خدا کی ذات پاک اور دوم اس کی صفات میں بے ہودہ خیالات پیدا کر رکھے تھے۔ سوم ملائکہ کرام کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مستقل مالک ہیں۔ چہارم مرکر بارِ دیگر جینے اور اعمال پر حساب ہو کر حشر میں جزا و سزا کے منکر تھے پنجم مخلوقات کو قضاء و قدرت میں شریک جانتے تھے ششم حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتب الہامیہ کا انکار اور ان کے اوامرِ عبادت و صلہ رحمی سے سرتابی تھی۔

دوسری قوت شہویہ ہے اس میں افراط اس درجہ تھی کہ بہائم کی حد تک پہنچ گئے تھے اور تفریط بھی تھی کہ حلال اشیاء کو حرام جانتے تھے یہ دو وجہ ہوئیں۔

تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی افراط یہاں تک تھی کہ ظلم و تعدی میں درندوں سے بڑھ کر تھے اور تفریط بھی یہاں تک تھی کہ محارم الٰہیہ اور ان کی گستاخی میں دست درازی کرنے والے پر غصہ تو کیا جوں بھی کان پر نہیں چلتی تھی۔ یہ بھی دو وجہ ہوئیں۔

یہ دس سبب ان میں ایسے تھے کہ جن میں سے ہر ایک کی وجہ سے ویل کے مستحق تھے اور اسی لیے قیامت میں ہر ایک سبب کے بدلے ایک قسم کا عذاب ہوگا، اس لیے دس بار یہ جملہ آیا، یا یوں کہو کہ اس طرح سے ویل ہوگا خواہ اس کا سبب ایک ہو یا متعدد۔

واضح ہو کہ

ان کے دسؔ عذاب مذکورہ بالا میں سے بعض کا بیان ذکر ضمنی کر کے اس کا جواب دیتا ہے۔ چنانچہ قیامت کی بابت ان کو سخت انکار تھا اور کہتے تھے کہ بھلا یہ تو دیکھا اور سنا بھی گیا ہے کہ ایک حادثہ ایک مکان یا شہر یا خاندان پر آیا اور وہ برباد ہوا مگر یہ نہیں کہ تمام دنیا اور آسمان و زمین سب ایک بار برباد ہو جائیں۔

اس کا جواب یہ ہے الم نھلک الاولین کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کر دیا ہے؟ اپنے سے سو دو سو برس پہلے کے لوگوں کو خیال کرو اور ان کے اسباب معاش اور مکانوں کو بھی غور کرو، اس تمامی دنیا میں سے اب کوئی ایک بھی باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں، پھر یہ سب مخلوق فنا ہو گئی یا نہیں، اور اسی طرح تمہارے بعد آنے والے اور تم فنا ہو جاؤ گے ثم نتبعھم الآخرین ان کے پیچھے لگاتے ہیں ہم فنا ہونے میں پچھلوں کو کہ پچھلے قرن بھی یوں ہی ہلاک ہوں گے کذلک نفعل بالمجرمین یہاں تک کہ پچھلے قرنوں میں قریب قیامت کے کوئی نیک بندہ باقی نہیں رہے گا جو قیامت برپا ہونے میں حاجب ہو، سب بدکار اور گنہگار ہی رہ جائیں گے جس طرح کہ پہلے اور بعد کے قرنوں کو ہم نے فنا کر دیا، یک بارگی ان کو بھی ہلاک کر دیں گے صور پھونکنے سے، بس یہی سلسلہ قیامت کا ہے جس کا ایک سرا اب بھی موجود ہے اور پہلے سے چلا آتا ہے پھر اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے کفار قریش تم اپنے زور و زر پر غرور کر کے کیوں حکم آسمانی کا مقابلہ کرتے ہو کیا تم نے نہیں سنا کہ ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے بھی زیادہ قوت و شوکت میں تھے۔ عاد کا حال تم کو معلوم ہے اور ان کے بعد میں ہم نے پچھلوں کو ہلاک کیا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے قوم ثمود کو ہلاک کیا اور قریات لوط علیہ السلام کو الٹ دیا، ہماری عادت ہے کہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، پھر تم کیا چیز ہو جو اس سرکشی اور مقابلے میں ہمارے سامنے ٹھیرو گے؟ اس میں ان کفار قریش کو اور ان جیسے اور بدکار لوگوں کو رب العالمین کی طرف سے ایک اعلان ہلاکت ہے جس سے ہر عاقل کو لرزنا چاہئے کوئی بدکار قوم دنیا میں ہلاکت کی سزا سے نہیں بچی ہے اور اب بھی اس کا یہ قانون برابر جاری ہے۔

اس دن سے پہلے ہر عاقل کو درست ہو جانا چاہئے کس لیے کہ اگر وہ روز آ گیا تو پھر ویل یومئذ للمکذبین اس روز اس دن کے جھٹلانے اور اس سے غافل رہنے والوں کی خرابی ہے۔ وہ کیا؟ عذاب الٰہی جس میں نئی قسم کا دکھ ہو گا ÷

أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٢٠﴾

کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی کی بوند سے نہیں بنایا

فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿٢١﴾ إِلَىٰ

پھر اس کو ٹھیرنے کی جگہ (رحم) میں رکھا ایک

قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ

اندازۂ معلوم تک رکھا ہم قادر ہیں پھر ہم

الْقَادِرُونَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

کیا ہی اچھے قادر ہیں خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٤﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ

جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے

الْأَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ أَحْيَاءً وَ

زمین کو زندوں اور مُردوں کے لیے

أَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ

سمیٹنے والی نہیں بنایا اور اس میں بلند پہاڑ

شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَیْنٰکُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

ٹکڑے ہیں اور تم کو میٹھا پانی پلایا

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾

اُس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے

ترکیب

الی قدر الجار متعلق بجعلنا بمعنی اثبتناہ فقدرنا قرء نافع وعبداللہ بن عامر بالتشدید والباقون بالتخفیف علی الاول من التقدیر اندازہ کردن وعلی الثانی من القدرۃ کفاتا قیل ہو جمع کافت کالصائم والصیام وقیل مصدر مثل کتاب وحساب و التقدیر ذات کفت ای جمع ومعنی الکفت فی اللغۃ الضم والجمع یقال کفت الشئی ای ضممتہ ویقال جراب کفیت وکفت اذا کان لایضیع شیئا مما یجعل فیہ وقال صاحب الکشاف ہو اسم مایکفت کقولہم الضمام والجماع لما یضم ویجمع احیاءً وامواتا منصوبان اما علی انہما مفعول کفاتا ای الم نجعل الارض کفات احیاءٍ وامواتٍ فاذا نون نصب ما بعدہ واما علی انہما المفعول الثانی لجعلنا ای جعلنا بعض الارض احیاء بالنبات وکفاتا علی ہذا حال واما علی انہما حالان من الارض او من الضمیر بتقدیر تکفتکم احیاءً وامواتا شمخت الرواسی الثوابت والشامخات الطوال وکل عال فہو شامخ۔

تفسیر

منکرین حشر ونشر کا زیادہ انکار انسان کی آخری حالت پر مبنی تھا کہ اخیر وہ مرکر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اس کے اجزاء بدن منتشر ہو جاتے ہیں پھر ان کا باہم جمع کرنا اور بدستور اول اس قالب میں سیکڑوں ہزاروں برس کے بعد جان ڈالنا اور اس کی زندگی چند روزہ کے حالات افعال واقوال یاد دلانا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً قرآن کہتا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کی قوت نظریہ کے فساد کو جس کا منشا غلط فہمی تھی انسان کی ابتدائی حالت سے ثابت فرماتا ہے اور اس ابتدائی حالت پر ان کو یقین تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو یقین ہے۔

انسانی توالد وتناسل کا حیرت ناک حال

فقال الم نخلقکم من ماء مہین کیا ہم نے تم کو اے بنی آدم ذلیل اور بے قدر اور بدبودار پانی سے نہیں بنایا یعنی منی سے؟ اس کو سب مانتے ہیں اور مسلم الثبوت بات ہے کہ انسان کی آفرینش منی سے ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ منی کن کن غذاؤں سے بنی ہے اور کس طرح سے اس حکیم مطلق نے انسان کے تمام عضووں اور استحالوں کے بعد یہ قطرہ بنا کر اس کے محل میں تیار رکھا ہے۔

پھر دوسری بات قابل عبرت یہ ہے کہ اُس قطرے میں تمام وہ قوتیں ودیعت رکھی گئی ہیں جو اس سے بننے والے شخص میں ہوں گی اور تمام اجزاء انسانیہ کا بھی مادہ اسی ایک چیز مساوی الحقیقت والصورت میں رکھا ہوا ہے کوئی حکیم ودانشمند تمیز نہیں کر سکتا کہ اس قطرے کے کون سے حصے سے سر بنے گا کس سے دل کس سے جگر۔

تیسری بات حیرت انگیز یہ ہے فجعلنہ فی قرار مکین کہ ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے اس نطفہ کو ہوا خارجی اور مفسدات داخلی سے بچا کر مرد کے آلہ تناسل کے محفوظ نل سے اس کے ٹھیرنے کی جگہ عورت کے رحم یا بچہ دان میں پہنچایا اور وہاں کس حکمت

بالغہ سے رکھا کہ جس سے بڑے بڑے حکیم حیرت میں ہیں۔ رحم کی تشریح اور اس کے انثیین کی حالت اور اس کی نلیوں کی کیفیت اور ان میں نطفہ کا جاکر نئی نئی صورتیں پیدا کرنا اور پھر اس میں اعضاء اور دیگر چیزیں نمودار ہونا اور ان میں قوی کا رکھا جانا جو کتبِ طب قدیم و جدید میں مذکور ہے اس کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے۔

چوتھی بات حیرت ناک یہ ہے الیٰ قدر معلوم اس کو اس رحم میں ایک وقتِ معین تک رکھا جس سے مراد مدت حمل ہے جو کم تر چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس اور بعض کے نزدیک چار برس اور کثیر الوقوع نو مہینے ہیں۔ چونکہ یہ مدت مختلف ہے اس لیے ایک عام و شامل لفظ میں بیان فرمادیا، ایک خاص مدت کا نام نہیں لیا۔

پھر اس مدت میں ہم نے اس کے اعضاء بنائے اور اس کی تکمیل کے تمام اسباب جمع کیے اور ان سب باتوں کے کرنے پر ہم قادر ہوئے فقدرنا فنعم القدرون پھر دیکھو ہم کیسے قادر ہیں۔ جب وہ کامل ہو چکا تو اپنی قدرت کاملہ کے زور سے اس کو کشاں کشاں اس تنگ و تاریک مکان سے باہر لائے۔

پھر جب یہ ثابت ہوا کہ ہم بڑے قادر ہیں اور ہماری بے انتہا قدرت کا نمونہ تم دیکھ چکے تو کیا اس کے اجزاءِ متفرقہ کو جمع کرکے بار دیگر اس میں روح پھونکنے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہیں۔ اے کوتاہ بینو! ابتدائی حالت پر انتہائی کا قیاس کیوں نہیں کرتے؟ پھر کس لیے حشر کا انکار کرتے ہو بلکہ یہ بھی انسانی تکمیل کا تتمہ ہے کہ جس طرح اس کو اس تنگ و تاریک مکان سے باہر لائے اور وسیع جگہ میں رکھا اسی طرح یہ جہان اُس دوسرے جہان کی نسبت ایسا ہی تنگ و تاریک ہے جیسا کہ ماں کا پیٹ دنیا کی نسبت۔ جس طرح حمل کی حالت کا تصور حمل میں نہیں معلوم ہوتا بلکہ باہر آنے کے بعد اسی طرح تم اس دنیا کے پیٹ میں حمل کی حالت میں ہو، یہاں کا تصور بھی یہاں نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس حمل سے باہر ہونے کے بعد معلوم ہوگا یعنی دوسرے جہان میں، صرف اتنا فرق ہے کہ حملِ مادری میں تم کو اپنی تکمیل کی قدرت نہ تھی اس حملِ دنیاوی میں تم کو قدرت دی ہے، پھر جس میں اعمال و اقوالِ بد اور عقائدِ فاسدہ کے قصور رہیں گے اس جہان میں ویل یومئذ للمکذبین اس فیصلہ کے دن ان ناقصوں کی خرابی ہوگی جو اس دن کو جھٹلاتے ہیں۔

ف بعض علماء نے لفظ قدرنا کو تشدید سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حالتِ حمل میں اندازہ کیا یعنی اس کے اعضاء ظاہرہ اور قوی باطنیہ کو ایک خاص اندازے پر بنایا، نہ کہ دنیا کے کاریگروں کی طرح کہ کچھ مسالہ اندازہ سے بچ رہا ہو یا اس مصنوع میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ رحم میں ٹھیرنے اور تکمیل کرکے باہر آنے کا زمانہ جو ہم نے اندازہ کر لیا تھا اس میں وہ تکمیل ہوگئی جیسی شکل جیسا قد بنانا تھا بنادیا اور پردہ سے باہر لے آئے۔

یہ تو حملِ مادری میں اس کی قدرت کا نمونہ تھا جو خاص انسان ہی کی آفرینش سے متعلق تھا جس میں غور کرنا اپنی ہی ذات سے خدا کا پہچاننا ہے جیسا کہ عرفا کہتے ہیں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا کہ میں کیا تھا اور کیوں کر بنا اس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا کس لیے کہ مصنوع سے صانع کا علم آنا لازمی بات ہے اور ان دلائل کو دلائل النفس کہتے ہیں۔

دوسری دلیلِ حشر

اس کے بعد حملِ دنیاوی میں جو کچھ انسان اس کی

قدرت کے نمونے دیکھتا ہے اور نہ صرف وہ اس کی قدرتِ بے انتہا کے نمونے ہی ہیں بلکہ ان سے محلِ دنیاوی میں انسان کی پرورش بھی ہوتی ہے اور اس کے لیے رحمت ہیں ان کو ذکر کرتا ہے اور ان دلائل کو دلائلِ آفاق کہتے ہیں، فقال الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے سمیٹنے والی اور جگہ دینے والی نہیں بنایا ؟ زندوں کے لیے بھی اور مُردوں کے لیے بھی، یعنی زمین میں وہ صلاحیت رکھی کہ جس سے تمہاری معاش اور بود و باش کا زندگی میں کام چلتا ہے اور مرنے کے بعد اس میں دفن ہوتے ہو یا یوں کہو زمین تمہارے اسبابِ معاش اور بود و باش کے لیے ہم نے بنا دی سرسبزی کی حالت میں بھی اور اس کی خشکی کی حالت میں بھی۔ زمینِ سرسبز کو زندہ اور خشک کو مردہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں قرآن میں ہے احیا الارض بعد موتھا۔

وجعلنا فیھا رواسی شمخت اور اس زمین میں ٹھیرنے والے بلند پہاڑ بنائے جن کے منافع بے شمار ہیں ازاں جملہ یہ ہے واسقینکم ماء فراتا کہ پہاڑوں سے شیریں پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں اور ندیاں بن کر بہتے ہیں جن کا پانی پی کر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور یوں بھی بارش اور کنوؤں کے ذریعہ سے شیریں پانی پلاتا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک چیز کی قدرتی بناوٹ اور ان کے منافع میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ اس قادر حکیم کا کام ہے جو بارِ دگر دنیا کو فنا کر کے قائم کر سکتا ہے پھر ان ناشکروں کے لیے ویل یومئذ للمکذبین خرابی ہے وہ اس کی قدرت اور نعمت کو جھٹلاتے ہیں۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿ج﴾

(کہا جائے گا) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کی طرف چلو

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿لا﴾

اس سایہ کی طرف چلو کہ جس کی تین شاخیں ہیں

لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿ط﴾

جو نہ سردسایہ ہے اور نہ لپٹ سے بچاتا ہے

اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿ج﴾ كَاَنَّهٗ

وہ (آگ) بڑے بڑے انگارے پھینک رہی ہے جیسا کہ

جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

زرد اونٹ　　خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا

جھٹلانے والوں کی　　یہ وہ دن ہے کہ

يَنْطِقُوْنَ ﴿لا﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ

جس میں بات بھی نہ کر سکیں گے اور نہ ان کو عذر

فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کرنے کی اجازت ہوگی　　خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ

جھٹلانے والوں کی　　یہ ہے فیصلہ کا

الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

دن کہ جس میں تم کو اور تم سے پہلوں کو اکٹھا کر لیا

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾

پھر اگر تمہارا کوئی داؤں ہے تو مجھ پر چلاؤ

ع ۱ ۴۰ ۲۱ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿ع﴾

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی

ترکیب

ذی ثلث شعب نعت لظل وکذا لا ظلیل نعت لہ

بشرر قرء الجمہور بفتح السین وقرء ابن عباس وابن مقسم شرار بکسرہا مع الف بین الرائین قال الواحدی شررۃ وشرر وشرارۃ و ہی ما تطایر من النار متفرقاً فی کل جہۃٍ واصلہ من شررتُ الثوب اذا اظہرتہ وبسطتہ للشمس والشرار ینبسط متفرقا کالقصر فیہ قولان الاول ان المراد منہ البناء المسمٰی بالقصر والثانی انہا جمع قصرۃ ساکنۃ الصاد کتمرۃ وتمر وجمرۃ وجمر قال المبرد یقال للواحد من الحطب الجزل الغلیظ قصرۃ والجمع قصر عن ابن عباسؓ قال ہو خشب کنا ندخرہ للشتاء نقطعہ وکنا نسمیہ القصر و ہذا قول سعید بن جبیر ومقاتل والضحاک۔ قرء الجمہور باسکان الصاد وقرئ بفتحہا وہو جمع قصرۃ وہی اصل النخلۃ والشجرۃ جملت قرء حمزۃ والکسائی وحفص جمالۃ جمع جمل وقرء الجمہور جمالات بکسر الجیم وہی جمع جمال وہی الابل او جمع جمالۃ وقرء ابن عباسؓ جملت بضم الجیم وہو قراءۃ یعقوب ولہ وجوہ منہا انہا من الشئ المجمل یقال اجملت الحساب وجاء القوم جملۃ ای مجتمعین والمعنی ان الشررۃ ترتفع کانہا شئ مجموع غلیظ اصفر وہذا قول الفراء۔ ھٰذا مبتداء یوم۔ لاینطقون خبرہ وقرئ بفتح المیم فہو منصوب علی الظرفیۃ ولا یؤذن لہم معطوف علی الخبر فیعتذرون فی رفعہ وجہان احدہما انہ نفی کالذی قبلہ والثانی انہ مستانف وقیل اصلہ فیعتذروا ولکن زیدت النون لتوافق رؤس الآیات فان کان لکم شرط فکیدون بحذف الیائی الجملۃ جواب۔

تفسیر

دلائل النفس و آفاق سے قیامت کا برپا ہونا ثابت کر کے اس کے بعد قیامت میں جو کچھ منکرین کی حالت ہوگی جس کو کئی بار بلفظ ویل تعبیر کیا تھا اس کو بیان فرماتا ہے۔ فقال انطلقوا الی ما کنتم بہ تکذبون کہ منکرین کو قبروں سے اٹھانے کے بعد جب کہ آفتاب کی تپش کے مارے دماغ اُبلتے ہوں گے اور ایمان داروں کے لیے عرش کا سایہ ہوگا اور ان کے لیے نہ ہوگا اور یہ حیرت و شدت میں ہوں گے فرشتے یوں کہیں گے چلو اس چیز کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ کیا؟ حساب اور اعمالِ بد پر عذاب۔ "لو اب چلو اس کو دیکھ لو" یہ سُن کر نہایت گریہ و زاری سے کہیں گے کہ سرِست ہم کو سایہ ملے کہ کچھ تو اس بلا سے نجات پائیں۔ فرشتے کہیں گے انطلقوا الیٰ ظل ذی ثلٰث شعبٍ چلو اس سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں نمودار ہیں، وہ دور سے سایہ نمودار ہوگا وہاں آئیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے وہ کیا؟ لا ظلیل ولا یغنی من اللھب نہ در اصل وہ سایہ ہے کہ جس میں ٹھنڈک ہو اور نہ بیرونی تپش اور لُو کے دفع کرنے میں کار آمد ہے۔ پھر وہ کیا ہے؟ جہنم کا دھواں ہے، اور جب دھواں گرم اور بہت ہوتا ہے اور اس کا بُقہ اٹھتا ہے تو اوپر سے اس کی کئی شاخیں ہو جایا کرتی ہیں کچھ ادھر کچھ اُدھر۔ اسی سایہ کو سورۂ واقعہ میں یوں بیان فرمایا ہے وظل من یحموم لا بارد ولا کریم کہ وہ سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہے نہ اس میں کوئی آرام ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس دھوئیں کی ایک شاخ ان کے دائیں ایک بائیں ایک سر پر محیط ہوگی یعنی ہر طرف سے گھیرے گا۔ اور سِر اس کا عرفاء (صوفیہ) نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ عالمِ مثالی میں ان کے اعمالِ فاسدہ و عقائدِ باطلہ جس کی تاریکی میں ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

انسان کے اندر تین لطیفے غیبی ہیں ان کی اصلاح جماعتِ ملائکہ میں ملا دیتی ہے اور فساد سے شیاطین کے زمرہ میں مل جاتا ہے اول جو بائیں طرف ہے من جملہ اس کے فساد کے ایک یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ حد سے بڑھ جائے اور ظلم و تعدی پر کمر باندھ لے اس لیے ایک دھواں اس جانب سے نکل کر محیط ہوگا۔

دوئم جگر جو دائیں جانب ہے اس کے فساد میں سے ایک یہ ہے کہ قوتِ شہوانیہ بڑھ جائے اور فسق و فجور میں ڈوب جائے اس لیے ایک دھواں اس طرف سے نکل کر محیط ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمام قوائے شہوانیہ کا خزانہ اور جڑ جگر ہے کس لیے کہ خون یہیں بنتا ہے اور اس سے تمام جگہ پھیلتا ہے اور انسان کی قوتِ اکل و شرب جماع کا دارومدار اسی خون پر ہے۔ بدن میں خون ہے تو سب کچھ سُوجھتی ہے۔

سوم دماغ جو قوتِ ادراکیہ کا چشمہ ہے اگر یہ خراب ہوگیا اور اوہامِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ میں مبتلا ہوا تو تیسری شاخ دھوئیں کی انہیں سے نکل کر محیط ہوگی

یا یوں کہو کہ حس و خیال و وہم ہی روح کو انوارِ قدس سے منور ہونے میں مانع ہیں اور ہر ایک کی ان تینوں میں سے ایک ایک ظلمت ہے اس لیے ہر ایک ظلمت دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ صوفیہ کرام کے نزدیک قوتِ غضبیہ و شہویہ دونوں کا منشا دل ہے مگر غضب اس کی دائیں جانب سے اور شہوت بائیں سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے کہتے ہیں کہ قوتِ غضبیہ کا دھواں دائیں جانب سے اور شہوانیہ کا بائیں سے احاطہ کرے گا۔

یہ دھواں حساب سے فارغ ہونے تک محیط رہے گا اس کے بعد جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور جہنم کے کنارے پر کھڑا کر کے ان سے حساب لیا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کیفیت جہنم میں پیش آئے گی۔

اس کے بعد جہنم کی کیفیت بیان فرماتا ہے جہاں سے یہ دھواں اٹھتا ہوگا انہا ترمی بشرر کالقصر کہ جہنم سے محل جیسی چنگاریاں اڑیں گی۔

قصر کے معنی میں علماء مفسرین کے دو قول ہیں۔

اول تو یہی ہے کہ قصر سے مراد محل ہے یعنی بڑا مکان جس کی جمع قصور ہے۔

دوئم یہ کہ یہ قصرہ کی جمع ہے اور قصرہ لکڑیوں کے انبار کو کہتے ہیں جو جلانے اور تاپنے کے لیے رکھی جاتی ہیں۔ ابنِ عباس رض سے اس کے جو کسی نے معنی پوچھے تو انہوں نے بھی یہی معنی بتائے کہ ہم تین ہاتھ یا اس سے کم یا زیادہ لکڑیوں کو جمع کرتے اور اس کو قصر کہا کرتے تھے (رواہ البخاری) اس کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ اس قدر بڑی چنگاریاں باہر پھینکیں گی جیسا کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ قصر درخت کے تنہ کو کہتے ہیں اور سعید بن جبیر و ضحاک کہتے ہیں بڑے درخت کے تنہ کو قصر کہتے ہیں۔ ایسی ایسی چنگاریاں اڑیں گی جیسے کہ بڑے درخت کا تنہ کہ جس پر وہ قائم ہوتا ہے۔

کانہ جملت صفر وہ شرارہ یعنی چنگاریاں گویا زرد اونٹ ہیں کہ قطار میں ایک کے بعد دوسرا چلا آتا ہے۔ چنگاریوں کو زرد اونٹوں سے کئی باتوں میں تشبیہ دی، بڑائی میں، رنگت میں، پے در پے جلد جلد ایک کے بعد دوسرے کے آنے میں۔ چنگاریاں جو جہنم سے اڑیں گی آگ ہوں گی اور آگ روشن زرد ہوتی ہے اور ایک کے بعد دوسری آئے گی لگا تار جیسا کہ قطار میں ایک اونٹ کے بعد دوسرا متصلاً آتا ہے اور بڑی بھی ایسی ہی ہوں گی جیسا کہ اونٹ، اور یہ بھی ہے کہ اس قدر جسامت کی چنگاریاں گول نہیں ہوتیں بلکہ لمبی اور آگے سے پتلی اس حالت میں اس کی نوک کو اونٹ کی گردن سے اور باقی کو جسم سے پوری تشبیہ ہے۔

بخاری میں ابن عباس رض کا قول منقول ہے کہ جمالات سے مراد حبال السفن کشتی کے رسے ہیں تجمع حتی تکون کاوساط الرجال جو باہم ملائے جانے سے اونٹ کی درمیانی کاٹھی کے برابر ہو جائیں۔ اس کے اور بھی معنی علماء نے بیان کیے ہیں اول تقدیر پر جمالۃ جمل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اونٹ اور ت تاکید کے لیے زیادہ کرکے

جملۃ بھی کہتے ہیں۔

اس تشبیہ کی وجہ

چنگاریوں کو اونٹ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور یہی لطیفہ ہے کہ وہ کفارِ مکہ کو دنیا میں بڑی حسرت دنیا اور اس کے تجملات کی تھی اور آرزو کرتے تھے کہ سفر میں بھی ہمارے خیمے اور سامانِ عیش اونٹوں پر لد کر ساتھ چلا کریں' ان کی یہ حسرت اُس روز ان چنگاریوں کی شکل میں ظاہر ہوگی جو زرد اونٹوں کی قطار سے مشابہ ہوں گی۔ اور زرد اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مرغوب ہے' گویا یہ دکھایا جائے گا کہ لو تمہارے سایہ کرنے کے سامان لے کر یہ زرد اونٹ جہنم سے قطار باندھے نکل رہے ہیں' لو اس دھوئیں میں تمہارے لیے سفری اور حضری دونوں قسم کا سایہ ہے' پھر جب ان کو اونٹوں کی قطار کا دھیان آئے گا تو کیسی حسرت ہوگی اور روح کو دوگنا عذاب ہوگا نعوذ باللہ منہا۔

اس لیے فرماتا ہے ویل یومئذ للمکذبین کہ اُس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے کہ ایک تو سایہ کی جگہ جہنم کے گرم دھوئیں کا سایہ جس میں جی بھی گھٹے اور ٹھنڈک بھی نہ ہو' دوسرے یہ کہ چنگاریوں کی بوچھاڑ کہ جن سے مفر نہیں اُڑ اُڑ کر اوپر گر رہی ہیں تیسرے اُن چنگاریوں کی قطار سے زرد اونٹوں کی قطار کا دھیان آنا یہ کیا کم خرابی ہے نعوذ باللہ منہا۔

ایسی مصیبتِ جاں گداز کے وقت خلاصی کی یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ چرب زبانی سے انکار کرے یا عذر و معذرت کرے۔ سو یہ دونوں باتیں بھی وہاں ان کو میسّر نہ آئیں گی کس لیے کہ ھٰذا یوم لا ینطقون یہ وہ دن ہوگا کہ جس میں اس وقت بات نہ کر سکیں گے حیرت و دہشت میں بدحواسی ہوگی چرب زبانی اور انکار بھی منہ سے نہ نکلے گا گُنگ ہو جائیں گے ولا یؤذن لھم فیعتذرون اور نہ ان کو عذر و معذرت کی اجازت ہوگی۔ یہ ایک اور خرابی ہوگی اس لیے فرماتا ہے ویل یومئذ للمکذبین کہ اس دن جھٹلانے والوں کی ایک اور خرابی ہوگی۔

اشکال

قرآن مجید میں اس موقع پر کافروں کا ساکت رہنا اور عذر آوری کی اجازت نہ ملنا مذکور ہے۔ مگر دوسری آیات میں اس کے خلاف آیا ہے کہ کفار کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین کہ بخدا ہم مشرک نہ تھے اور ایک جگہ یوں آیا ہے ثم انکم یوم القیمۃ عند ربکم تختصمون تم قیامت میں اپنے رب کے پاس جھگڑو گے اور بہت آیات ہیں جن میں کفار کا کلام کرنا بروزِ قیامت ثابت ہے۔

جواب

اس کا جواب ابنِ عباسؓ نے یوں دیا ہے کہ قیامت کا دن ایک بڑا دن ہزاروں برس کے برابر ہوگا' کلام نہ کرنا کسی خاص وقت اور خاص جگہ میں ہوگا اور کرنا کسی دوسرے وقت اور دوسری جگہ میں' اس لیے کچھ منافات نہیں۔

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ کلام کرنے سے مراد اور عذر کرنے سے مراد معقول کلام اور معقول عذر کرنا ہے سو وہ میسر نہ ہوگا' رہی بکواس سو وہ در اصل کلام اور عذر نہیں اس لیے منافات نہیں۔

اب ایک اور مصیبت ہے کہ ھٰذا یوم الفصل یہ دن فیصلہ کا ہے اور فیصلہ کے وقت مجرم کو مہلت نہیں دی جاتی کہ کچھ مدت کو یہ بلا ٹل جاتی۔ دوم فصل کے معنی فرق کے بھی ہیں کہ نیک اور بد میں جدائی کر دی جائے گی

وہ ان سے جدا یہ ان سے جدا اب یہ بھی توقع جاتی رہی کہ ان بزرگواروں سے شفاعت کرائیں اور ان کی عرض معروض پر رستگاری ہوجائے۔

تیسری مصیبت جمعنٰکم والاولین کہ ہم نے تمہیں اور پہلوں سب کو جمع کرلیا۔ اب یہ روسیاہی اور ذلت تمام خلائق اولین وآخرین کے سامنے ہوگی۔ اور نیز معاصروں سے قرابت ومحبت کے رشتے منقطع ہوں گے' اسی طرح اگلے بھی جن سے رشتہ قرابت و عقیدت تھا جدا ہو جائیں گے۔ اب یہ بھی امید نہیں کہ حضرت آدم وحضرت نوح وحضرت ابراہیم وحضرت موسیٰ علیہم السلام کچھ عرض کریں گے کس لیے کہ ان میں اور ان میں بھی جدائی ہوجائے گی

مصیبت کے وقت ایک یہ بھی ارمان ہوا کرتا ہے کہ گزشتہ ناموروں کو جن کی جناب میں عقیدت ہوتی ہے یاد کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر وہ ہوتے تو مشکل کشائی ہوجاتی ہم فلاں بزرگ کو پوجتے تھے اگر وہ ہوتے تو یوں کرتے اور اس لیے اب بھی بوقت مصیبت ہر قوم کے مشرک اپنے اپنے معتقد علیہم کو پکارتے ہیں۔ ہنود کہتے ہیں یا ہنومان مدد بھیروں کی دہائی۔ علیٰ ہذا القیاس یہودی اور پارسی اور نصاریٰ خصوصًا رومن کیتھولک بھی پکارا کرتے تھے اور عرب کا تو تمام دستور تھا سیکڑوں معبود تھے بوقت مصیبت انہیں کو پکارتے تھے اور جہلا۔ اہل اسلام بھی بزرگانِ دین کو ہی پکارا کرتے ہیں صبح وشام اٹھتے بیٹھتے ورد رہتا ہے اللہ جل شانہ سے جانے کیا بدگمانی ہے اس کی دہائی اور اس کے متبرک نام کو کم پکارتے ہیں۔ فرماتا ہے اُس روز وہ بھی سب جمع ہوں گے۔

فان کان لکم کید فکیدون اگر ان[1] کی کچھ مدد سے کچھ داؤں کرسکتے ہو یعنی ہمارے عذاب کو ٹال سکتے ہو تو ٹالو اور مجھ سے داؤں کرو اور کوئی حیلہ باقی نہ چھوڑو مگر کیا کرسکیں گے وتقطعت بھم الاسباب ان کے سب وسائل منقطع ہوجائیں گے پھر اُس وقت ویل یومئذ للمکذبین جھٹلانے والوں کی ضرور خرابی ہوگی۔

اس سے بڑھ کر اور کیا خرابی ہوگی کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں' دنیا میں عمر بھر جن کو پکارتے اور ان کی پرستش کرتے تھے آج وہ ان کی طرف منہ بھی نہیں کرتے اور ان کی بات بھی نہیں سنتے۔ پھر کبھی حسرت ہے اور کبھی غصہ ہے کہ ناحق حق جل وعلا کو چھوڑ کر ہم نے ان کی پرستش کی۔ آج تو سوائے اس کے اور کسی کی بھی سلطنت اور حکومت نہیں دکھائی دیتی' اور اس سے دنیا میں کچھ بھی واسطہ نہ رکھا' نہ اس کو کامل قاضی الحاجات سمجھا' نہ قادر مطلق جانا۔ اس کی طرف سے غافل رہنے کی جو کچھ حسرت ہوگی وہ بھی ایک روحانی عذاب ہوگا جس کو لفظ ویل حاوی ہے۔

ف بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت فان کان لکم کید فکیدون ممکن ہے کہ دنیا میں رسول کی طرف سے ہو کفار کے لیے کہ یہ بات ہونے والی ہے اب میں نے تم کو مطلع کردیا اگر تم ناخوش ہو تو جو تم سے میرے لیے مکر وفریب ہوسکے کرلو مگر پہلے معنی زیادہ چسپاں ہیں کس لیے کہ قیامت میں جب

[1] یہ کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے مگر ایمان داروں کے لیے بندگان دین اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جو رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے اس سے باطل نہیں ہوتی وہ ضرور ہوگی اور وہ دوسری بات ہے ۱۲ منہ

حقوق العباد کی بابت کفار سے مطالبہ ہوگا تو ان سے کہا جائے گا جو کچھ دنیا میں تم حیلہ بازی اور مکر سے حق تلفی کیا کرتے تھے تو اب کرلو۔ یہاں کوئی حیلہ بازی نہ چلے گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۱﴾
بے شک پرہیزگار ٹھنڈی چھاؤں اور چشموں

وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا
اور دل پسند میووں میں رہیں گے۔ (کہا جائے گا) لو مزے

وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾
سے کھاؤ پیو یہ جزا ہے تمہارے ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾
نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾
خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ
(اے کفار) کھاؤ اور برت لو تھوڑے دنوں آخر تم

مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
مجرم ہو خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾
جھٹلانے والوں کی۔

ترکیب

ان اسمہا المتقین فی ظلل خبرہا وعیون وکذا فواکہ عطف علی الخبر و مما یشتہون من بیانیۃ ما موصولۃ یشتہون صلتہ والعائد محذوف ای یشتہونہ و الجملۃ مجرور بمن وہی متعلقۃ بمحذوف نعت لفواکہ۔ کلوا واشربوا فی محل الحال من ضمیر المتقین فی الخبر بتقدیر القول ای مقولا لہم کلوا واشربوا ہنیئاً منصوب علی انہ صفۃ مصدر محذوف ای اکلاً ہنیئاً وشرباً ہنیئاً (ہنی) گوارا شدن طعام وشراب یقال ہنئت الطعام ای تہنات بہ ومنہ قولہ تعالیٰ فکلوہ ہنیئاً مریئاً من باب فتح یفتح وکرم یکرم (من الصراح) بما الباء للسببیۃ کلوا وتمتعوا قلیلاً ای زماناً قلیلاً الجملۃ حال من المکذبین ای الویل ثابت لہم فی حال مایقال لہم کلوا وتمتعوا ایذاناً بانہم فی الدنیا کانوا احقاء بان یقال لہم ذلک وعلل ذلک بکونہم مجرمین دلالۃ علی ان کل مجرم مالہ الاکل والتمتع الا ایاما قلائل ثم الخلود فی العذاب ابدا۔ ویجوز ان یکون کلاما مستانفا خطابا للمکذبین فی الدنیا (من الکشاف)

تفسیر

اب ایک اور مصیبت کفار پر پیش آئے گی وہ یہ کہ ان المتقین فی ظلل وعیون وفواکہ مما یشتہون پرہیزگار یا ایمان دار اس روز ٹھنڈی چھاؤں میں ہوں گے برخلاف اس کے کفار گرم دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور وہ آتش دوزخ کی چنگاریوں میں جلتے ہوں گے مگر ایمان دار اس کے بدلے چشموں میں نہاتے پانی پیتے عیش کرتے ہوں گے۔ کفار کو زقوم اور پیپ اور لہو کھانے کو ملے گا یا غصہ اور غم، مگر ایمان داروں کے لیے میوے ہوں گے اور میوے بھی وہ جن کو دل چاہے گا وہی حاضر ہوں گے، اور کفار کو لعنت ملامت ہوگی، برخلاف ان کے ایمان داروں کو یہ کہا جائے گا کلوا واشربوا ہنیئاً بما کنتم تعملون کہ خوب کھاؤ پیو مزے کرو اپنے ان نیک عملوں کے بدلے جن کو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یہ کلمہ ایسا ہے جیسا کسی معظم و

مکرم مہمان کو کہا جاتا ہے کہ کھائیے۔ ہر چند تمہارے اعمال نیک چند روزہ تھے اور ان کا بدلہ اور اجرت اس قدر نہیں مگر ہم کریم ہیں انا کذلک نجزی المحسنین نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ایک نیکی کے بدلے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ اور فانی کے بدلے باقی عطا کرتے ہیں۔

یہ کیفیت عرصات کی ہے کفار کے جہنم میں فیصلہ ہو کر جانے سے پہلے، پھر جب کفار ایمان داروں کے لیے عرصات میں یہ انعام و اکرام دیکھیں گے اور اپنے لیے یہ خرابی اور ذلت اور عذاب دیکھیں گے تو اپنے مقابلے میں اپنے دشمنوں کی عزت و اکرام دیکھ کر کس قدر رنج اور غم ہوگا اور نیز اس بات سے بھی کہ ہم نے ایسے کریم کی کیوں نافرمانی کی جو آج ایسے صلے دے رہا ہے یہ اور بھی رنج ہوگا کما قال ویل یومئذ للمکذبین کہ خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کی۔

آیت میں اہل سعادت کا انجام بھی بیان کر دیا تاکہ بیان پورا ہو جائے ظلل یعنی سائے فرمایا جو جمع کا لفظ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ در اصل ایمان داروں کے لیے متعدد سائے ہوں گے اول عرصات میں عرش رب العالمین کا سایہ ہوگا پھر پل صراط سے گزرنے کے وقت اعمال صالحہ اور صدقات کا پھر جب بہشت میں جائیں گے تو طوبیٰ کا سایہ ہوگا اور پر بہار درختوں کا اور جب اپنے منازل و مکانات سکونت میں آئیں گے تو جنت کے عمدہ محلوں اور وہاں کے چھپر کھٹوں اور نمگیروں کا سایہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا سایہ ہوگا جو ایک سایہ ہزار سایوں سے بہتر ہوگا۔

اسی طرح عیون بھی جمع کا لفظ ہے عین ایک چشمہ عیون بہت سے۔ وہاں چشمے اور نہریں جاری بھی ان کے لیے متعدد ہوں گی جو ان کے معارف اور اعمال صالحہ کا مظہر ہوگا، اقسام اقسام کے اعمال و معارف تھے ویسے ہی چشمے بھی اقسام اقسام کے ہوں گے، کسی میں کافور کی آمیزش کسی میں زنجبیل کی کسی میں شہد کی شیرینی کسی میں دودھ کی خاصیت۔ یہ دنیا میں ان کے روزہ کی تشنگی برداشت کرنے کا اور دین میں کوشش کرنے کا ثمرہ ہوگا۔

اسی طرح فواکہ جمع کا لفظ ہے فاکہ کی جمع جس کے معنی ہیں میوہ سو وہاں ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک کوشش ایک ایک دل پسند میوے کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ بما کنتم تعملون فرمایا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک عملوں کا بدلہ ہے۔

ایک اور مصیبت ان کفار پر پیش آئے گی وہ یہ کہ تمسخر کے طور پر ان کفار سے کہا جائے گا کلوا و تمتعوا قلیلا انکم مجرمون کہ چند روز کھا لو پی لو آخر تو تم مجرم ہو یہ ان کی دنیاوی حالت کو یاد دلا کر ان پر تعریض کی جائے گی کیوں کہ منکرین قیامت دنیا ہی کو سمجھتے تھے اور کہتے تھے اجی قیامت قیامت سُنا کرتے ہیں وہاں کے اُدھار کے لیے کیوں آج نقد عیش و عشرت کو چھوڑیں کھاؤ حرام و حلال جو ملے اور ہر طرح کے مزے کرو شراب و زنا وغیرہ لذتوں سے کون محروم رہے، یہ خشک دماغ جو قیامت کے بھروسے پر بیٹھے ہیں ناحق ان مزوں سے محروم رہتے ہیں قیامت کس نے دیکھی ہے۔ دن بھر روزے میں بھوکا پیاسا مرنا کس عقل کا کام ہے، پھر کیا بار دگر دنیا میں آنا ہے یہ مزے کیوں چھوڑیں۔ بعض شعرا نے جو انہیں لوگوں کی ذریت میں سے ہیں ان باتوں کو اشعار میں بھی نظم کیا ہے تب وہاں ان سے فرشتے انہیں کی اس بات کو انہیں کے دنیاوی خیالات یاد دلانے کے لیے اس میں نمک مرچ ملا کر یوں کہیں گے کہ کھاؤ مزے کر لو چند روز آخر تم مجرم ہو۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ کلام دنیا میں کفار کی طرف بالفعل ہے کہ اے کفار تم جو قیامت کے منکر ہو دنیا ہی کی لذات پر دل دادہ ہو تھوڑے دنوں کھا لو عیش کر لو، آخر تم مجرم ہو

حبسِ دائمی اور سزاء ابدی میں گرفتار ہوگئے اس لیے کہ ویل یومئذ للمکذبین اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔

اس خرابی سے بڑھ کر اور کیا ہے کہ دنیا کے مزے یاد کر کے اور حسرت آمیز آنسوؤں سے روئیں گے کہ ہائے چند روزہ عیش و نشاط کے سبب جواب خیال ہوگئے ہمیشہ کا عذاب دردناک اور دُکھ بھری زندگانی خریدی جہاں موت بھی نہیں کہ مرکر اس بلا سے چھوٹ جائیں۔

یہ نویں قسم کی خرابی بھی جس کو عذاب کہنا چاہیے خواہ جسمانی ہو خواہ روحانی ایک دوسری سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ ان مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ کیوں وہ ایسی ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہونگے فقال:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تو جھکو

لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

تو نہیں جھکتے اس دن جھٹلانے والوں کی

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ

خرابی ہے اس کے بعد کس

بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

بات پر ایمان لائیں گے؟

ع ۲ / ۱۰ / ۲۲

تفسیر

فقال واذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون یعنی وہ ایسے سرکش اور حق کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں کہ جب دنیا میں کہا جاتا ہے (رسول یا اس کے نائب کہتے ہیں) خدا کی طرف جھکو اس کے احکام مانو نواہی سے بچو تو نہیں جھکتے۔ مؤمن و کافر میں ایک یہ بھی بڑا امتیاز ہے کہ مومن مصیبت کے وقت راحت کے وقت بیماری میں تن درستی میں افلاس میں تونگری میں ہر حال میں خدا کی طرف جھکتا ہے۔ اس کا مخزِ اصلی وہی ہے، جب کسی مانع نے روک بھی لیا تو جب مانع اٹھ گیا ادھر ہی چلا آیا اس کی طرف اس کو قرار آتا ہے برخلاف کافر کے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ رکوع سے مراد نماز میں جھکنا ہے جو خاص علامت فرماں برداری کی ہے کہ ہم نے آپ کے آگے سر جھکا دیا۔ پیٹھ ٹیڑھی کر دی، آپ جو چاہیں ہم پر احکام کا بوجھ دھر دیجیے ہم بجالانے کو مستعد ہیں، اسی لیے دنیا میں بادشاہوں کے سامنے خم ہونا اور سلام کرنا اطاعت اور انقیاد کی علامت ہے، اور یہ رکوع نماز میں اسلامیوں کے شعار میں داخل ہوگیا ہے گویا جب ان کو نماز کے لیے بلایا جاتا ہے تاکہ زمرۂ اسلام میں داخل ہوں تو نہیں مانتے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت قوم ثقیف کے معاملہ میں نازل ہوئی وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہار اسلام کیا، آپ نے فرمایا نماز پڑھو اور نماز تعلیم فرمائی، انہوں نے کہا ہم رکوع نہ کریں گے کیوں کہ اس میں عار ہے کیوں کہ آدمی زادسیدھا پیدا کیا گیا اور جب وہ پیٹھ کو گائے بیل کی طرح کرے تو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود کہ اس دین میں کچھ خیر نہیں کہ جس میں نہ رکوع ہو نہ سجود۔

ترکیب

واذا شرط لا یرکعون ای ہم لا یرکعون الجملۃ جوابہ فبای الباء تتعلق بیؤمنون بعدہ ظرف لیؤمنون والجملۃ استفہامیۃ والاستفہام استقراری

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ کفار سے اُس وقت کہا جائے گا جب کہ تجلیِ الٰہی ہو کر کشفِ ساق ہوگا اور لوگوں کو سجدہ کا حکم ہوگا، پھر جو دنیا میں سجدہ نہیں کرتے تھے وہاں بھی نہ کر سکیں گے تختے کی طرح پیٹھ اور گردن اکڑ جائے گی، رکوع و سجود میں خم نہ ہو سکیں گے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ کفار جب قیامت میں رکوع و سجود کرنے والوں کو دیکھیں گے کہ طرح طرح کے انعام و اکرام ان پر ایک آسان عمل سے ہو رہے ہیں تو سخت رنج و افسوس ہوگا کہ ہائے ہم نے کس لیے اس حکم کو نہ مانا ویل یومئذ للمکذبین یہ ایک اور خرابی ہوگی جو دسویں خرابی ہے۔

پھر جب ان کفار کو دارِ آخرت کا حال اس طرح معلوم کرایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ منکروں کے لیے یہ خرابیاں اور ماننے والوں کے لیے یہ نعمتیں ہیں تو پھر اگر اس کو سُن کر بھی ایمان نہ لائے توفبایّ حدیثٍ بعدہٗ یؤمنون پھر کس بات پر اس بیان کے بعد ایمان لائیں گے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ بعدہٗ کی ضمیر بیانِ واضح قرآن کی طرف راجع ہے جو قرینۂ حال سے سمجھا جاتا ہے۔

ابنِ ابی حاتم نے ابوہریرہؓ نے نقل کیا ہے کہ جب اس آیت تک پہنچے تو اس کے بعد کہے اٰمنا باللہ وبما انزل ۔

تم بحمد اللہ سبحانہ فی ۱۷ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ یوم الاثنین بعد صلوٰۃ العصر فی ایام الشتاء ۔

تفسیر حقّانی

پارہ نمبر ۳۰

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ

سُورَۃُ نَبَاَ

مکیہ ہے اس میں چالیس آیات دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

عَمَّ[۱] يَتَسَاءَلُونَ ج عَنِ النَّبَإِ

وہ کیا پوچھ رہے ہیں؟ کیا وہ بڑی

الْعَظِيمِ ② الَّذِي هُمْ فِيهِ

خبر؟ (حادثہ قیامت) کہ جس میں وہ اختلاف

مُخْتَلِفُونَ ③ كَلَّا

کر رہے ہیں ایسا نہ کرنا چاہیے

سَيَعْلَمُونَ[۲] ④ ثُمَّ كَلَّا

عن قریب جان لیں گے (ہم پھر) (ہم) پھر کہتے ہیں ایسا نہ کرنا چاہیے

سَيَعْلَمُونَ ⑤

ابھی جان لیں گے۔

ترکیب

۱ے قرأ الجمهور عم بحذف الالف وقرئ باثباتها وهو قليل وقرئ بهاء السكتة عوضا عن الالف عمه ۱۲ منہ

۲ے سيعلمون قرأ الجمهور بالياء التحتية فى الفعلين وقرئ بالتاء على الخطاب وقرأ الضحاک الاولى بالفوقية والثانى بالتحتية ۱۲ منہ

ف۱ عم دراصل عن ما تھا الف کو تخفیف اور کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کیا قاعدہ ہے کہ الف ما کو ان حروف جر کے بعد حذف کر دیتے ہیں۔ عَمَّ بِمَ لِمَ و فِيمَ و عَلَامَ و اِلَامَ و حَتَّامَ ۱۲ منہ

ف۲ الضمير يرجع الى اهل مكة كانوا يتساءلون عن البعث بكونه متسائلا دون امر النبوة والقرآن على ما قيل لاقتضاء قوله تعالى المرهم لا رض الخ او يتساءلون الرسول والمؤمنين عنه استهزاء وللناس يعني المسلمين والكافرين ۱۲ حقانی

عم اصلہ عن ما فادغمت النون فی المیم وحذفت الالف لتمییز الخبر عن الاستفہام وکذلک فیم وبم۔ والاستفہام فی اللفظ وفی المعنی تفخیم القصۃ کما تقول ای شئی تزید اذا عظمت شانہ عن النبأ العظیم عن بدل من الاولیٰ والف الاستفہام التی ینبغی ان تعاد محذوفۃ وعن الاولیٰ متعلقۃ بیتساءلون وقیل عن الثانیۃ متعلقۃ بفعل محذوف غیر مستفہم عنہ ای یتساءلون عن النبأ علیٰ ہذا التقدیر عن النبأ جواب الاستفہام کما فی قولہ تعالیٰ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار۔ الذی ہم فیہ مختلفون الموصول صفۃ للنبأ بعد وصفہ بکونہ عظیما۔

تفسیر

اس سورت کو سورۂ تساؤل اور سورۂ نبا بھی کہتے ہیں۔ یہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چالیس یا اکتالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس کی مناسبت سورۃ مرسلات سے مسئلہ معاد میں ہے، اور ہجرت سے پہلے یہی مسئلہ زیادہ تر مبحوث عنہا تھا۔

شانِ نزول

شانِ نزول اس کی یہ ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے اور ان انسانی اعمال کی جزا و سزا کے منکروں کو ایک آنے والے دن کی خبر دی کہ ایک دن آنے والا ہے جس میں یہ دنیا زیر و زبر ہو جائے گی اور انسان بار دگر زندہ ہوں گے، اور ان کے نیک و بد اعمال کی ان کو جزا و سزا ملے گی (یہ خبر عقل مند کے نزدیک البتہ بڑی خبر ہے۔ کس لیے کہ شتر بے مہار ہو کر نفسانی خواہشوں کو پورا پورا کرنے والوں اور پھر سلسلۂ حیات کو اسی حیات پر تمام سمجھنے والوں کو ایک سخت پریشانی کا سبب اور نہایت فکر کی بات ہے) تب وہ کفار بار بار تعجب کی راہ سے حضرت نبی علیہ السلام سے دریافت کرتے تھے کہ کب وہ دن ہے اور یہ کیوں کر ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی؟ ان کے اس سوال اور تعجب کا ان آیات میں ذکر کرتا ہے۔

فقال عم یتساءلون کہ یہ لوگ کیا پوچھ رہے ہیں؟ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا جس چیز کا وہ سوال کرتے تھے۔ مگر یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کوئی بڑی بات پوچھتا ہے یا چاہتا ہے تو کہتا ہے تو کیا پوچھتا ہے کیا چاہتا ہے یعنی یہ پوچھنے اور چاہنے کی چیز نہیں۔ تساؤل باہم سوال کرنا ایک دوسرے سے پوچھنا۔ یہ پوچھنے والے کون تھے؟ بظاہر کفار تھے کہ تعجب و انکار و تمسخر کی راہ سے آپس میں چرچا کرتے اور پوچھتے تھے۔

فراء کہتے ہیں تساؤل بات چیت کو بھی کہتے ہیں گرچہ باہم سوال وجواب نہ ہو کما فی قولہ تعالیٰ واقبل بعضہم علیٰ بعض یتساءلون۔ قال قائل منہم انی کان لی قرین یقول ائنک لمن المصدقین اس تقدیر پر یہ معنی ہیں کہ وہ آپس میں کس چیز کا چرچا کرتے ہیں؟ یعنی یہ چرچا کرنے اور تعجب کرنے کی بات نہیں بلکہ مان لینے کی چیز ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ پوچھنے یا چرچا کرنے والے کفار تھے کس لیے کہ اس کے بعد کلا سیعلمون اور ہم فیہ مختلفون میں ضمیریں کفار کی طرف پھرتی ہیں، اس لیے یتساءلون کی ضمیر بھی ان ہی کی طرف پھرنی چاہیے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان و کفار باہم ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ کفار مسلمانوں پر شبہات پیش کرتے تھے وہ جواب دیتے تھے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مسلمان و کفار سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے مسلمان اس لیے کہ اور بھی یقین قوی ہو جائے اور کفار تمسخر کی راہ سے یا شکوک و شبہات وارد کرنے کی غرض سے۔

پھر آپ ہی فرماتا ہے عن النبا العظیم الذی ھم فیہ مختلفون اس بڑی چیز کی بابت سوال کرتے ہیں کہ جس میں اختلاف کر رہے ہیں۔ یعنی کیا وہ بڑی خبر پوچھ رہے ہیں؟ جس کا پوچھنا اور تعجب کرنا لازم نہیں لفظ عظیم اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ تو ایک بڑی بھاری بات ہے اس کی عظمت دلوں پر خود بخود اثر ڈال رہی ہے بشرطیکہ دلوں پر حجاب ظلمانی اس اثر سے روکنے والے نہ ہوں اور جملہ ھو فیہ مختلفون بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کس لیے کہ اختلاف کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس بڑی خبر کے بطلان پر بھی ان کے پاس کوئی برہان قاطع اور تسلی بخش دلیل نہیں بلکہ محض توہمات ہیں پھر ان کے زور پر الہامی باتوں پر اس قدر انکار اور اصرار حماقت ہے۔

نبأ عظیم کی تفسیر

نبأ کے معنی ہیں خبر نبأ عظیم بڑی خبر وہ کیا ہے اس میں تین قول ہیں

اول قیامت اور اس پر چند دلیل ہیں

(۱) یہ کہ بعد میں فرمایا ہے سیعلمون جس سے تہدید مراد ہے اور وہ تہدید قیامت میں زیادہ متحقق ہے۔

(۲) یہ کہ بعد کی آیات میں الم نجعل الارض مھادا الخ میں وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اس کی قدرت وجبروت انعام و افضال کے نمونہ ہیں جن سے قیامت برپا کرنے پر اپنا قادر ہونا ثابت کرنا مقصود ہے۔

(۳) یہ کہ لفظ عظیم ایک اور جگہ بھی قرآن میں قیامت پر اطلاق ہوا ہے بقولہ تعالیٰ الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العلمین وقولہ تعالیٰ قل ھو نبأ عظیم انتم عنہ معرضون

دوسرا قول یہ کہ نبأ عظیم سے مراد قرآن شریف ہے اور اس میں ان کا اختلاف تھا، کوئی اس کو سحر، کوئی شعر، کوئی اگلوں کے قصے کہتا تھا اور نیز نبأ جس کے معنی خبر کے ہیں قرآن سے زیادہ چسپاں ہیں کس لیے کہ قرآن خبر دیتا ہے برخلاف قیامت کے کہ وہ مخبر عنہ ہے۔

تیسرا قول یہ کہ اس سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے اور وہ بڑی چیز ہے جس نے دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا پہلے قانون اور رسم و رواج پلٹ دیے، پرانی بادشاہتیں غارت کر کے نئی قائم کر دیں ان ہی باتوں سے اُن کفار کو جو دقیانوسی خیالات کے پابند اور پرانی لکیر کے فقیر تھے آں حضرتؐ کی نبوت میں اختلاف تھا۔ اختلاف بمعنی انکار۔

قیامت کا اکثر عرب کو انکار تھا اور تعجب سے کہتے تھے ءاذا متنا وکنا ترابا ذلک رجع بعید اور کچھ قائل بھی تھے۔ نصاریٰ معاد جسمانی کے منکر تھے صرف معاد روحانی کے قائل تھے بلکہ اب بھی ہیں یہود کے بعض فرقے بالکل قیامت کے منکر تھے اور ہنود تناسخ کے پیرایہ میں سزا و جزا کے قائل ہیں پھر قیامت کی کیفیت میں بھی سخت اختلاف تھا، بعض کہتے تھے کہ مر کر انسان کی روح جنوں یا فرشتوں میں مل جاتی ہے اور اسی کا نام قیامت ہے پھر اُس عالم میں اس جسم سابق میں آنا محال ہے اور نہ یہ آسمان و زمین فنا ہوں گے نہ عناصر بلکہ جس طرح یہ قدیم ہیں اسی طرح ابدی بھی ہیں البتہ ان سے باہم ترکیب پا کر جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ حادث ہیں اور وہی فنا پذیر بھی ہیں۔

ان سب کے جواب میں فرماتا ہے کلا سیعلمون تمہارے خیالات صحیح نہیں، عن قریب یعنی مرنے کے بعد تم کو معلوم ہو جائے گا ثم ہم پھر کہتے ہیں کلا تمہارے خیالات صحیح نہیں سیعلمون تم کو قیامت اور اس کی اصلی کیفیت عن قریب معلوم

ہو جائے گی کس لیے کہ دنیا روزے چند ہے۔ ؎

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾
کیا ہم نے زمین کو بچھونا

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ
اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنادیا اور ہم نے تم کو جوڑے

اَزْوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ
جوڑے پیدا کیا اور تمہاری نیند کو آرام

سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾
بنادیا اور رات کو اوڑھنا بنادیا

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۠﴿۱۱﴾ وَّ
اور ہم نے دن روزگار کے لیے بنایا اور

بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾
تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّ
اور چمکتا ہوا چراغ بنایا اور

اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً
ہم نے برستے بادلوں سے پانی کا ریلا

ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ
اتارا تاکہ اس سے اناج اور

نَبَاتًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۭ﴿۱۶﴾
گھاس اور گھن دار باغ اُگائیں

ترکیب

الاستفهام للتقرير ای جعلنا الارض مفعول اول و مهدا مفعول ثان لجعلنا والجعل بمعنى الخلق وفيه معنى التقدير والتسوية وقيل بمعنى التصيير والمهاد جمع مهد بمعنى الفراش قرأ الجمهور بالجمع وقرئ مفردًا۔ اوتادا جمع وتد (ميخ) وخلقنكم معطوف على المضارع المنفي داخل في حكمه ازواجا حال ای متجنسين متشابهين جمع زوج سباتا قال الزجاج السبات ان ينقطع عن الحركة والروح في بدنه وحاصل المعنى الراحة ای جعلنا نومكم راحة لكم معاشا منصوب على الظرفية و المعاش مصدر ميمي بمعنى المعيشة شدادا جمع شديدة ای قوية محكمة وهاجا والوهاج المضيئ من قولهم وهج الجوهر ای تلألأ المعصرات فيها قولان الاول وهو احدى الروايتين عن ابن عباس وقول مجاهد ومقاتل وقتادہ والكلبی انها الرياح التي تثير السحاب ومن بمعنى الباء والمعنى انزلنا بالرياح المثيرة للسحاب الثاني وهو الرواية الثانية عن ابن عباس اختيار ابی العالية والربيع والضحاک انها السحاب بوجوه منها انه قال المؤرج المعصرات السحائب بلغة قريش ماء موصوف بثجاجا صفة والمجموع مفعول انزلنا والثجاج شدة الانصباب يقال ثج المال ای اسال بكثرة وثجه ای اساله فيكون لازما ومتعديًا الفافا ای بساتين ملتفة قال صاحب الكشاف انه لا واحد له كالاوزاع والاخياف والجماعات المتفرقة والجماعات المختلطة والآخرون اثبتوا له واحدا ثم اختلفوا فيه فقال الاخفش والكسائی واحدها لف بكسر اللام وقيل بضمها وقال المبرد واحدها لفا وجمعه لف الفاف وقيل جمع لفيف كشريف واشراف والمعنى ان كل جنة فيها الاشجار المجتمعة المتقاربة يقال امراة لفاء اذا كانت غليظة الساق مجتمعة اللحم يبلغ من تقاربه ان يتلاصق۔

؎ اس جگہ تکرارِ کلام محض زجر و توبیخ کے لیے ہے۔

تفسیر

اُس دن یا اس خبر کی عظمت بیان فرما کر اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت کرتی ہیں اور جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ قادرِ مطلق اور حکیم برحق اس عالم کو درہم برہم کر کے ایک دوسرا اور عالم پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس عالم کو فنا کر کے دوسرے عالم کے پیدا کرنے میں جو کچھ اس کی حکمت ہے اس کی کیفیات و خصوصیات تک عقولِ بشریہ کو رسائی نہیں، پھر ایسی چیزوں کی بابت سوال کرنا محض نادانی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بنانے میں ذرا بھی کسی کی شرکت نہیں۔

یا یوں کہو کہ وہ دن جس کی وہ خبر پوچھتے اور اس کے آنے کی جلدی کرتے ہیں وہ یوم الفصل ہے جیسا کہ بعد میں بیان ہوتا ہے ان یوم الفصل الخ جس دن مطیعوں اور نافرمانوں میں بالکل امتیاز ہو جائے گا نہ مکان میں شرکت نہ کھانے پینے کے کسی سامان میں شرکت باقی رہے گی، نہ اسبابِ تعیش و موجباتِ راحت میں، برخلاف دنیا کے کہ یہاں ان سب چیزوں میں مؤمن و کافر مطیع و عاصی سب شریک ہیں پھر یہاں وہ دن کیوں کر آسکتا ہے اس لیے جلدی کرنا اور سوال کرنا عبث ہے اور نیز یوم الفصل کی حقیقت بھی فی الجملہ بیان کر دی گئی کہ وہاں نہ یہ آسمان ہوں گے جو آج تم پر قائم ہیں، نہ یہ آفتاب ہوگا نہ یہ زمین ہوگی نہ یہ پہاڑ ہوں گے جن کے نفع میں سب شریک ہیں نہ ان بدلیوں سے پانی برسے گا۔ باغوں اور نباتات کی روئیدگی کے اور ہی سامان ہوں گے۔ نہ یہ رات اور دن ہوں گے جن میں رات کو پڑ کر بے خبر سونے اور دن کو روزی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

ان کے سوال کا بھی فی الجملہ جواب دینا مقصود تھا اس لیے اس کے بعد یہ نو چیزیں بیان کرتا ہے جن پر دنیا اور اس کی زندگی مربوط ہے فقال

(۱) الم نجعل الارض مھٰدًا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے رہنے چلنے پھرنے کے لیے فرش نہیں بنا دیا؟ ضرور بنایا۔ اگر زمین ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم ہوتی تو تم کہیں اس پر بس سکتے تھے؟ ہرگز نہیں پھر ہمارے اس انعام میں مؤمن و کافر سب ہی تو شریک ہیں برخلاف دارِ آخرت کے کہ وہاں مطیعوں کے رہنے کی اور جگہ ہے نافرمانوں کی اور، اس سے یہ بھی تم غور کر سکتے ہو کہ جس قادرِ مطلق نے کرۂ ارض کو ایسا بنایا کیا وہ اس کو فنا نہیں کر سکتا اور نئی زمین نہیں بنا سکتا؟ ضرور بنا سکتا ہے۔ یہ دنیا کے گھر کا فرش ہے جس پر ہوا میں اڑنے اور رہنے جلنے کے لیے

(۲) والجبال اوتادًا کیا ہم نے پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا ضرور بنا دیا جس سے یہ فرش ہلتا نہیں۔ اس میں بھی کافر و مومن سب شریک ہیں اور پہاڑوں سے جو کچھ نفع ہیں سب ان سے حصہ پاتے ہیں برخلاف یوم الفصل کے۔ پھر کیا وہ قادرِ مطلق جس نے پہاڑوں میں ثقل پیدا کر کے زمین کو ڈگمگانے اور ہلنے جلنے سے محفوظ رکھا وہ ایک روز اس کو ہلا نہیں سکتا۔ اذا رجت الارض رجا

حکماء حال کے نزدیک زمین حرکت کرتی ہے جیسا کہ اور ستارے اپنے مدار پر گھومتے ہیں یہ بھی دورہ تمام کرتی ہے۔ ان کے نزدیک بھی ان آیات سے انعامِ الٰہی اور اس کی حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت ہے کس لیے کہ اب اس طرح حرکت کرتی ہے کہ اس پر رہنے والوں کو کچھ بھی لغزش نہیں جیسا کہ کشتی میں پتھر ڈال دینے سے وہ ادھر ادھر ڈگمگاتی نہیں اور ایک خاص انداز پر چلتی ہے زمین کے فرش بنانے اور پہاڑوں کو میخیں بنانے سے

ان کے نزدیک یہی مراد ہے اور یہ اس کا بڑا انعام اور قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔

یہ فرش بنا کر اس کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ (۳) وخلقنکم ازواجا تم کو لے بنی آدم جوڑے جوڑے پیدا کیا، مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا مرد بنایا تاکہ اس فرش پر رہیں اور اولاد جنیں اور پھولیں پھلیں۔ اس نعمت میں بھی کافر و مومن سب ہی شریک ہیں۔ ازواج کے معنی اور بھی عام ہیں کہ صفات کے لحاظ سے ایک کے مقابل دوسرا ہے بادشاہ ہے تو فقیر بھی ہے، غنی ہے تو مفلس بھی ہے نیک ہے تو بدکردار بھی ہے، حسین ہے تو بدشکل بھی ہے، کالے ہیں تو گورے بھی ہیں، عقلمند ہیں تو احمق بھی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں اس کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے کہ جس نے ایک ہی فرش پر ایک ہی مادہ سے کیسی مختلف چیزیں بنادیں۔ اور نیز انسان کو اس کی فطرت اور آفرینش میں مجبوری بھی دکھادی اور ثابت کر دیا کہ انسان کو، جو ہم نے قدرت دی ہے وہ محدود ہے اپنے اندر بھی فطری چیزوں میں تغیر نہیں کر سکتا پھر کیا وہ قادرِ مطلق تم کو بارِ دگر پیدا نہیں کر سکتا اور تمہارا یہ اختلاف اوصاف صاف کہہ رہا ہے کہ تمہارے مختلف اعمال کی جزا و سزا کا ایک اور گھر ہے۔

پھر اس دنیا کے فرش پر تم کو کس طرح سُلایا (۴) وجعلنا نومکم سباتا اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لیے راحت بنادیا، اگر رات کو یا دن کو انسان اچھی طرح نہ سوئے اور نوم غریق نہ آئے جس کو سبات کہتے ہیں یا سونے سے نیند ہی نہ آئے اور جو آئے تو غریق نہ ہو بلکہ نیم خوابی سی ہو تو پھر دیکھیے حضرت انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔

اس میں بھی کافر و مؤمن سب شریک ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں مجرموں کو نیند کہاں۔ بے قراری اور سوزش میں نیند کب آتی ہے؟ دنیا کی یہ بے فکری کی نیند یاد کر کے رویا کریں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمت ہے اس کا شکر یہ کرو، بقدرِ ضرورت اس سے کام لو، پھر طلبِ معاش یا یادِ الٰہی میں وقت گزارو نہ یہ کہ سو سو کر عمر گزار دو۔ اور نیز یہ موت کا بھی ایک نمونہ ہے کہ ابھی تو باتیں کرتے تھے یا چٹ پٹ سو گئے دنیا سے غفلت ہوگئی۔ گویا مر گئے۔

پھر جو تم کو ہر روز مارتا اور ہر روز جلاتا ہے پھر کیا وہ موت کی نیند کے بعد اس خواب سے بیدار نہ کرے گا؟ جس پر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا ضرور کرے گا اور اصل بیداری وہی ہوگی اس جہان کی بیداری بھی خواب ہے بلکہ خوابِ پریشان۔

(۵) وجعلنا الیل لباسا اور ہم نے رات کو اوڑھنا بنادیا یعنی پردہ۔ رات پردہ دار ہے اس پردہ میں کوئی برائی کرتا ہے کوئی بھلائی۔ چور چوری کرتا ہے۔ زناکار چھپ کے زنا کرتا ہے، عابد و زاہد نماز تہجد اور مراقبہ و ذکر میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور نیند کا وقت بھی رات ہی ہے۔ ستر کی وجہ سے رات کو لباس کہنا استعارہ ہے۔ یہ اس کی پانچویں نعمت ہے۔

ف کسی نے ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ نکاح دن میں بہتر ہے یا رات میں؟ آپ نے فرمایا رات میں کس لیے کہ رات کو بھی قرآن میں لباس کہا ہے اور عورت کو ھن لباس لکم اس لیے عورت اور اس کے نکاح کو رات ہی مناسب ہے۔ ایک لباس کو دوسرے سے مناسبت ہے۔

پھر جس نے تم کو یوں راحت سے سُلایا اور جگا کر بھوکا نہیں رکھا بلکہ (۶) وجعلنا النہار معاشا اور ہم نے دن کو تمہاری روزی کے لیے بنایا۔ اس میں بھی کافر و مؤمن سب شریک ہیں برخلاف اس دن کے کہ نیک

بہشتوں میں آرام کرتے ہوں گے بد جہنم میں جلتے ہوں گے ، روزی تلاش کرنا کجا ۔ اہل دنیا کی فطرت میں ہے کہ رات کو سوتے اور دن کو معاش کے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں اگر ہمیشہ رات رہتی یا ہمیشہ دن رہتا تو عافیت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ۔ آفتاب اور دیگر سیارات کی گردش یا کہو زمین کی آفتاب کے گرد حرکت جیسا کہ حکماء جدید کا خیال ہے اس طرح اور اس نظام سے کہ رات اور دن پیدا ہوں اس کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے پھر جو ان اجرام کو ایک خاص ارادے پر حرکت دے رہا ہے کیا اس کے نزدیک اور دگر پیدا کرنا مشکل ہے ؟ ہرگز نہیں۔

یہ دنیا کی حاصل کار باتیں تھیں یعنی رات کو سونا اور دن کو روزی کے دھندے میں لگنا اس میں غافل عمر تمام کر جاتے ہیں ان دو مشغلوں کے سوا دار آخرت کی فکر تک نہیں ۔ اب اس گھر کی چھت کا حال بیان فرماتا ہے ۔

(۶) وبنینا فوقکم سبعًا شدادًا کہ ہم نے تمہارے اوپر سات چھت مستحکم بنائیں جو زمانے کے گزرنے سے ہرگز پرانی نہیں ہوئیں اور نہ ان میں کوئی قصور و فتور واقع ہوتا ہے اب تک ویسے ہی ہیں ۔ اس کاری گر کی یہ کاری گری قابل غور ہے ۔ وہ سات چھت کیا ہیں ، سات آسمان کہ جن میں سات ستارے دورہ کرتے ہیں اور ان ستاروں کی تاثیر حرارت و برودت روشنی و تاریکی سے سب نیک و بد فائدہ اٹھاتے ہیں ، بخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں نیکوں کے لیے جنت میں چھت کی جگہ بلند مرتبہ لوگوں کے مکان ہیں جن کی روشنی ان پر پڑتی ہوگی اور وہ بلند مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ان ماتحتوں کی ترقی میں مدد کریں گے اور بدوں کو جہنم کے طبقات احاطہ کیے ہوں گے ، اور یہی ان کی چھت ہوگی ، اور کفار اپنے ظلمات کفر میں اپنے سے اوپر والوں کو اور بھی زیادہ عذاب میں مبتلا سمجھیں گے ۔

حکماء حال کے نزدیک سبع شداد سات ستارے ہیں جو یکے بعد دیگرے قائم ہیں اور اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں اور جس فضا میں یہ حرکت کرتے ہیں وہ ان کے آسمان ہیں مگر کوئی دوربین اب تک ایسی نہیں ایجاد ہوئی جو اس قدر دور دراز کی فضا کو جس میں اجرام لطیف ہیں محسوس کر سکے پھر آسمان کا انکار محض مکابرہ ہے ۔

اب اس دنیا کے گھر کا چراغ بھی ضرور تھا اس لیے فرماتا ہے (۸) وجعلنا سراجًا وہاجًا اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنا دیا ، دن کو آفتاب رات کو ماہتاب اور ستارے جن کے نور سے نیک و بد برابر نفع اٹھاتے ہیں برخلاف یوم الفصل کے کہ جنت میں آفتاب کی روشنی کی ضرورت نہ ہوگی اور جہنم میں سرے سے کوئی روشنی ہی نہ ہوگی اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اور نیز یہ اس کی قدرت کاملہ کی برہان ہے کہ آفتاب میں یہ نور دیا اور پھر ان ستاروں کے انوار میں یہ فرق پیدا کر دیا کہ کسی کی روشنی گرم ہے تو کسی کی سرد ۔ پھر کیا وہ حکیم اس جہان میں نیکوں اور بدوں کو جزا و سزا نہیں دے سکتا ؟ ضرور دے سکتا ہے اور دے گا یوں ہی معطل نہ چھوڑے گا ۔

اس کے بعد اس جہان میں جو بندوں کی راحت کا سبب ہے اس کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ایسا گھر بنا کر ہم تم کو اس تدبیر سے کھانا کھلاتے ہیں فقال (۹) وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجًا کہ ہم بادلوں سے پانی کا ریلا اتارتے ہیں ۔ بادلوں سے پانی کا برسنا اور وہ بھی اس طرح سے کہ چھوٹی چھوٹی بوندیں برستی ہیں ، اس کی حکمت و قدرت کی دلیل ہے ۔ حکماء نے کہا ہے کہ آفتاب کی حرارت سے زمین سے ابخرات اوپر چڑھتے ہیں اور ہوا کے بارد طبقہ میں جا کر جم جاتے ہیں پھر ان سے پانی برستا ہے ۔ یہ ٹھیک مگر اس سلسلہ اسباب میں جو کچھ کاری گریاں ہیں ان کو تو دیکھو جہاں عقل حیرت میں آ کر یہی کہہ دیتی ہے کہ تو ہی مسبب الاسباب ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہر کام کی ڈوریاں ہیں ۔

پھر یہ پانی بے کار نہیں بلکہ اس لیے ہے لنخرج بہ

جنّٰا و نبا تاً و جنتٍ الفافا کہ اس سے ہم اناج پیدا کرتے ہیں جو اے ابن آدم تمہارے کھانے میں آتا ہے۔ اور نبات بھی پیدا کرتے ہیں یعنی جڑی بوٹیاں کہ جن میں تمہارے چارپایوں کی بھی غذا ہے اور دوائیں تمہارے بھی کام آتی ہیں۔ اور کچھ ان میں سے خوشبو اور مسالے کا کام دیتی ہیں۔ اور جنتٍ الفافا اور گھن کے باغ اگاتے ہیں جن میں طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی سبزی و شادابی تمہاری عشرت و فرحت کا سبب ہے۔ اب دیکھو ایک پانی ہے اس سے کیا کیا مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں، یہ اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس میں بھی کافر و مومن برابر نفع اٹھاتے ہیں کوئی امتیاز نہیں، برخلاف اس جہان کے کہ وہاں نیکوں کے اعمال و اعتقادات و احوال کے باغ و انہار اور میوے بن کر سامنے آئیں گے اور بدوں کے اعمالِ بد اور عقائدِ فاسدہ زقوم اور ماءِ حمیم بن کر ظاہر ہوں گے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس جہان میں تمام منافع میں شرکت ہے امتیازِ کلی نہیں بلکہ اس جہان کی فنا و تخریب کے بعد ایک اور جہان ہوگا جہاں بدوں کو نیکوں کے ساتھ راحت اور نفع میں شرکت نہ ہوگی۔ پس وہ دن فیصلہ کا ہے، اور وہیں جزا و سزا کامل ہے اور وہی فصل یعنی امتیازِ کلی کا بھی دن ہے۔

ف ان آیات میں جس طرح اس عالم کے منافع میں شرکتِ عمومی بیان کی گئی کہ جو یوم الفصل کے برخلاف ہے اسی لیے یہ جہان دارِ جزا و سزا ہو بھی نہیں سکتا بلکہ ایک اور جہان کا انتظار کرنا چاہیے جس کی تمام انبیاء علیہم السلام خبر دیتے چلے آئے ہیں اور جس کی اول منزل ہر ہر فردِ انسانی کے لیے موت ہے اور سب کے لیے اس جہان کی تخریب[ٹ] جس کو آئندہ بیان فرماتا ہے اور جس کی نسبت سوالات کرنا اور تعجب کرنا عقل کی کوتاہی ہے۔ اسی طرح ان آیات میں اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ اور نعمتِ شاملہ کا بھی ہر فردِ انسانی کے لیے ثبوت ہے جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ تم اس محسن اور قادرِ مطلق و حکیم برحق کی نافرمانی کرتے ہو اور ان نعمتوں میں اور معبودوں کو شریک ٹھیرا کر ملزم[ٹ] بنتے ہو، تو ہماتِ فاسدہ کے گھوڑے دوڑاتے ہو، یہ کمال ناسپاسی اور پوری نمک حرامی ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔

نیز ان آیات میں حیات و موت اور بقا و فنا کا نقشہ دکھایا ہے۔ مثلاً آفتاب طلوع کرتا ہے پھر نصف النہار پر اپنے کمال کو پہنچتا ہے پھر ڈھلنا شروع ہوتا ہے آخر غروب ہو جاتا ہے اور دنیا میں روشنی کی جگہ اندھیرا چھا جاتا ہے یہی حال انسان کا ہے کہ پیدا ہوتا ہے اور جوانی کی حد تک پہنچ کر ڈھلنا شروع ہوتا ہے آخر ایک روز زمین کے پردے میں یہ چمکتا ہوا مہتاب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے وجودِ عارضی پر ایک عدم کی اندھیری رات چھا جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا، پھر جس طرح ایک مدتِ معین کے بعد آفتاب بارِ دیگر طلوع کرتا ہے اسی طرح یہ مہ پارہ بھی نئی دنیا اور دوسرے جہان میں پھر طلوع کرے گا اور اسی طرح پانی سے سبزہ اگنے میں بھی حیات و موت کا نمونہ ہے پانی کے قطرہ سے یہ پیدا ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کے ٹپکتی بدلیوں کا برسا تھا پھر اس سے ایک بوٹا اگا اور کیا کیا جوانی اور لڑکپن کی بہاریں آئیں آخر پژمردہ ہوتا چلا اور سوکھ کر

[ٹ] بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ ان نوچیزوں میں سے کون سی کسی اور معبود نے بنائی ہو یا بنانے میں مدد دی ہو پھر وہی معبود واحد قابلِ پرستش ہے ۱۲

[ٹ] یعنی اس جہان کا برباد ہونا دوسرے جہان کے لیے سب کے لیے یہی منزل ہے ۱۲

زمین پر گر پڑا اور ہوا میں اس کے ریزے ریزے اڑتے پھرے۔ اسی طرح رات اور دن خواب و بیداری بھی نمونہ ہیں

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا ﴿١٧﴾
بے شک فیصلہ کا دن معیّن ہو چکا ہے

یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ
جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم جوق جوق

اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ
چلے آؤ گے اور آسمان کھولا جائے گا

فَکَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُیِّرَتِ
تو (اس میں) دروازے بن جائیں گے اور پہاڑ اڑائے

الْجِبَالُ فَکَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ اِنَّ
جائیں گے تو ریتا ہو جائیں گے بے شک

جَهَنَّمَ کَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾
دوزخ تو شریروں کی تاک میں ہے

لِّلطّٰغِیْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِیْنَ فِیْهَآ
ان کا ٹھکانا ہونے کے لیے اس میں قرنوں پڑے

اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا
رہیں گے نہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ

بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِیْمًا وَّ
چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مگر گرم پانی اور

غَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾
زخموں کی پیپ پورا پورا بدلہ ملے گا

اِنَّهُمْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ
کیونکہ وہ حساب کی توقع نہ

حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا
رکھتے تھے اور ہماری آیتیں بے باکی سے

کِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَکُلَّ شَیْءٍ
جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو

اَحْصَیْنٰهُ کِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا
قلم بند کر رکھا ہے۔ پھر (ان سے کہا جائیگا) لو چکھو

فَلَنْ نَّزِیْدَکُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾
سو ہم تمہارے لیے عذاب ہی زیادہ کرتے رہیں گے۔

ع ١

ترکیب

کان میقاتا الجملۃ خبر ان یوم الفصل اسمہا یوم ینفخ بدل من یوم الفصل او عطف بیان الصور اما جمع الصورۃ فالنفخ فی الصور عبارۃ عن نفخ الارواح فی الاجساد واما ہی عبارۃ عن قرن ینفخ فیہ افواجا حال من فاعل تاتون وہی جمع فوج ای جماعات جماعات و الفاء فی فتاتون فصیحۃ وفتحت معطوف علی ینفخ وصیغۃ الماضی علی تحقق الوقوع وقیل عطف علی فتاتون۔ مرصادا خبر کانت۔ والمرصاد اسم للمکان الذی یرصد فیہ کالمضمار للمکان الذی یضمر فیہ الخیل وکذا المنہاج۔ وقیل مفعال من الرصد المفعال من ابنیۃ المبالغۃ کالمعمار علی ہذا ان جہنم ترصد اعداء اللہ وتشق علیہم للطغین ان قلنا ان جہنم مرصادا للکفار فقط فکان قولہ للطغین من تمام ماقبلہ ای جہنم کانت مرصادا للطاغین ثم قولہ مابا بدل من قولہ مرصادا وان قلنا انہا مرصاد للکفار وللمؤمنین ثم قولہ علی مرصادا وکان للطغین مابا کلاما مبتدءا ماٰبا خبر ثان لکانت۔ للطغین متعلق بہ او بمحذوف

او بکانت ۔ المآب المرجع یقال آب یؤب اذا رجع ۔ لابثین منصوب علی الحال المقدرۃ من الضمیر المستکن فی الطغین ۔ و احقابا منصوب علی الظرفیۃ وہی جمع حقب بضمتین وہو الدہر والاحقاب الدہور وتقدیر الحقب عند اہل اللغۃ ثمانون سنۃً واصل الحقب الترادف والتتابع یقال احقب اذا اردف لا یذوقون الجملۃ حال من الضمیر فی لٰبثین او صفۃ لاحقاباً او مستانفۃ لبیان ما اشملت علیہ من انہم لایذوقون فی جہنم او فی الاحقاب برداً ولا شراباً ۔ برد (خنکی آب یا ہوا) وقیل النوم والشراب الماء جزاء ۔ وفاقاً ای موافقاً لاعمالہم وفاقاً صفۃ الجزاء اما علی حذف المضاف ای ذا وفاق واما علی المبالغۃ ونصب جزاء علی انہ مفعول مطلق من فعل محذوف قال الفراء والاخفش جازینا ہم جزاء ۔ وافق اعمالہم و قال الزجاج جوزوا جزاء ۔ وفاقا ۔ قال الفراء الوفاق جمع الوفق والوفق والموافق واحد انہم کانوا الجملۃ مستانفۃ وتعلیل لاستحقاقہم الجزاء المذکور ۔ وکل شیٔ منصوب علی الاشتغال ای احصینا کل شیٔ وقرئ بالرفع علی انہ مبتداء مابعدہ خبرہ کتٰبا فی نصبہ اوجہ احدہا انہ تمییز من احصینا والثانی انہ حال ای مکتوبا فی اللوح والثالث انہ مصدر من معنی الاحصاء ۔ والتجوز اما فی المصدر او فی الفعل اذ یراد بالاحصاء الکتب الضبط ۔

تفسیر

اس کے بعد قیامت کے چند احوال بیان فرماتا ہے ۔ ان یوم الفصل کان میقاتا کہ فیصلے کا دن موقت ومعین ہے اس وقت سے پہلے تمہارے انکار واصرار کی وجہ سے آنہیں سکتا کس لیے کہ اس وقت کے لیے چند چیزیں لازم ہیں اوّل یہ کہ ارواح کا بارِ دیگر ابدان سے تعلق، دوم یہ کہ جب تک یہ تمام کارخانۂ دنیا درہم برہم نہ ہو اور اس کے گھر کی چھت اور فرش اور قندیل اور اس کے سامانِ رزق وراحت جن کا آج فائدہ عام ہے منقطع نہ کردیے جائیں اور تمام آنے والی روحیں اس گھر میں آکر فائدہ نہ اٹھالیں اُس وقت تک قیامت نہیں آئے گی ۔

میقاتاً کے یہ بھی معنی ہیں کہ یوم الفصل میقات یعنی حد ہے اس عالم کے تمام ہونے کی یا وقت ہے ان چیزوں کا کہ جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے یا وقت ہے اجتماعِ خلائق اور معاملات کے فیصلہ کا ۔

میقات کے لفظ میں ان کے سوالات کا جواب بھی ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو اور کس لیے تعجب کی راہ سے پوچھتے ہو آخر ہر ایک بات کی حد بھی تو ہوتی ہے دنیا کا حادث ہونا جب تم کو ان نو دلائل مذکورۂ بالا سے ثابت ہوگیا تو یہ جان لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ ہر حادث کی انتہاء اور حد بھی ہے ایک روز یہ کارخانہ تمام بھی ہونا ہے پس وہی قیامت ہے اور وہ اس دنیا کی انتہائی حد ہے ۔

(۲) یوم ینفخ فی الصور اس دن صور پھونکا جائے گا ۔ پہلے صور پھونکنے سے تمام دنیا الٹ پلٹ ہوکر نیست ونابود ہوجائے گی جیسا کہ اس صورِ اول کے حالات بعد کی آیات میں آتے ہیں اور چونکہ وہ حالات اور واقعات ہولناک ہیں اس لیے ان کو بعد میں جدا گانہ بیان فرماتا ہے، اس کے بعد بارِ دیگر صور پھونکا جائے گا ۔ اور صور ایک بگل یا نرہی جیسی مجوّف چیز ہے ۔ حضرت اسرافیل اس میں پھونک ماریں گے جس کی سخت آواز کی تاثیر سے یہ عالم خراب ہوگا ۔ اس کے بعد بارِ دگر پھونکیں گے تو اس کی

تاثیر سے تمام ارواح اپنے اپنے اجسام سے متعلق ہوجائینگی اور اجسام گو ریزے ریزے ہوگئے تھے مگر وہ ریزے باقی تھے جمع ہوجائیں گے تب ہر ایک بارِ دگر زندہ ہوگا اور فتاتون افواجاً تم سب کے سب جوق جوق تختِ رب العلمین کی طرف عدالت کے لیے آؤگے۔

افواجاً کے معنی کلام قرآن مجید میں بہت جگہ تشریح آئی ہو ایک جگہ آیا ہے یوم یحشر اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون ایک جگہ ہے واذا النفوس زوجت ایک جگہ ہے یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔ اور احادیث میں بھی تفصیل و تشریح بہت کچھ ہے۔ پس نیکوں کی جدا جماعت ہوگی، بدوں کی جدا۔ پھر نیکوں میں سے نمازیوں کی جدا، صدقات و خیرات دینے والوں کی جدا، صابروں کی جدا، توشاکروں کی جدا، رات میں چھپ کر عبادت کرنے والوں کی جدا، مجاہدین کی جدا، اشاعتِ علم و دین کرنے والوں کی جدا۔

بدوں میں مشرکوں کی جدا، پھر مشرکوں میں سے آفتاب پرستوں کی جدا، اصنام پرستوں کی جدا، ارواحِ غیر مرئیہ سے مدد مانگنے والوں کی جدا، توہمات پرستوں کی جدا، حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے پوجنے والوں کی جدا، ملائکہ کے پوجنے والوں کی جدا، جنوں بھوتوں سے مدد مانگنے والوں کی جدا، پھر زناکاروں کی جدا توظالموں کی جدا، دغابازوں جھوٹ بولنے والوں کم تولنے والوں کی جدا جماعت ہوگی۔ ہر ایک جماعت کا نشان ہوگا اور اس پر لکھا ہوگا کہ یہ فلاں جماعت ہے، ہر ایک جماعت عدالت میں حاضر ہوگی اور اپنے اعمال کا بدلہ پائیگی۔

اس کے بعد صورِ اول کی کیفیات بیان فرماتا ہے

(۳) وفتحت السماء فکانت ابوابًا اور آسمان کھولے جائیں گے تو اس میں دروازے ہوجائیں گے۔ اس کے معنی میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔

اول یہ کہ صور پھونکنے سے آسمان میں دراڑیں پڑ جائیں گی، جن کو دروازوں سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مستحکم گول چھت گرتی ہے تو پہلے اس میں دراڑیں پڑجاتی ہیں۔

دوم یہ کہ ملائکہ کے لشکر نازل ہونے کے لیے جو دنیا کے خراب کرنے کو آئیں گے تو آسمان میں بہت دروازے ہوجائیں گے۔ یہ دنیا کی چھت گرنے کا حال تھا جس کو سبعًا شدادًا سے تعبیر کیا تھا۔

اس کے بعد فرش کے اٹھانے جانے کا حال بیان فرماتا ہے (۴) وسیرت الجبال فکانت سرابًا کہ پہاڑ اڑائے جائیں گے اور ریزہ ریزہ ریتے کی مانند ہوجائینگے، یہ وہ پہاڑ تھے جو زمین کی میخیں تھیں، پھر جب وہ نہ رہے تو زمین کہاں؟ ان دونوں کے ضمن میں باقی اور چیزوں کی فنا بھی بیان ہوگئی۔ کس لیے کہ جب آسمان و زمین نہ رہیں گے توان کے اندر رہنے والے کہاں؟

اس کے بعد پھر صورِ دوم کے بعد کے حالات بیان فرماتا ہے جو دربارِ الٰہی میں پیش ہونے کے بعد ظاہر ہونگے سب سے اول بدوں کے حالات بیان فرماتا ہے جو دنیا میں اس دن کو بھول بیٹھے تھے اور شہوات و لذات میں فریفتہ ہوکر حق سبحانہ سے باغی ہوگئے تھے اب دربارِ الٰہی اور عدالتِ ربانی سے ان کے لیے کیا حکم ہوتا ہے! فقال

(۵) ان جھنم کانت مرصادًا للطغین مابًا کہ جہنم سرکشوں یعنی بدکاروں مشرکوں کافروں کی تاک میں ہوگی منتظر ہوگی کہ کب میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں آخر میں ڈالے جائیں گے اور یہی ان کا ٹھکانا ہوگا اور ٹھکانا بھی ایک دو گھڑی کے لیے نہیں بلکہ

(۶) لبثین فیھا احقابًا سال ہائے دراز

اور قرنوں اور مدتوں اس میں جلیں گے۔ کافر و مشرک تو ابدالآباد وہاں رہیں گے اور ایمان دار گنہ گار ایک زمانے کے بعد نکل آئیں گے۔ افسوس حیاتِ دنیا تو چند روزہ تھی دس بیس پچاس ساٹھ ستر اسی، سو دو سو برس جہاں لذات و شہوات کے مزے اڑاتے تھے، اس کے بدلے یہاں ہزاروں لاکھوں برس بلا میں مبتلا ہونا پڑا۔ کیا برا سودا کیا۔ اور کیا بری کمائی کر کے آئے گھڑی دو گھڑی کے ایسے مزے پر پھٹکار جس کے بدلے برسوں گوناگوں عذاب اور تکالیف بھگتنی پڑیں، کوئی عاقل ایسا نہیں کرے گا مگر اس جہان میں غفلت اور شیطانی تخیلات کے پردے عقلوں پر پڑے ہوئے ہیں جن کے اٹھانے کو حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے اور کتابِ الٰہی ساتھ لائے۔

پھر اس جہنم میں کیا ہوگا؟ لا یذوقون فیھا بردًا ولا شرابًا الا حمیمًا وغساقًا کہ وہاں ان بدبختوں کو کوئی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ نہ ٹھنڈا پانی نہ سرد ہوا نہ سرد مکان نہ سرد لباس نہ سرد کھانے نہ ٹھنڈک دینے والی چیزیں آنکھوں کے سامنے ہوں گی۔

بعض علماء فرماتے ہیں بردًا سے مراد نیند ہے۔ عرب میں برد کا اطلاق نوم پر بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں ان کو نیند نہ آئے گی اور استعارہ کے طور پر چکھنے کی نفی کر کے یہ بتلادیا کہ ذرا بھی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی، دل بھر کر تو کجا۔ نہ بدن کی ٹھنڈک، نہ دل کی ٹھنڈک، نہ آنکھوں کی ٹھنڈک، نہ کانوں کی۔ لفظ کو عام رکھنا بہتر ہے اور شراب سے مراد پانی ہے کہ اور تو کیا جو دنیا میں ہلکی چیز ہے یعنی پانی جو قیدی اور خونی کو بھی پلادیا جاتا ہے وہاں ان کو وہ بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ اس کے بدلے الا حمیمًا کھولتا ہوا پانی جو منہ جھلس دیگا وہ ملے گا اور کھانے کو وغساقًا جہنمیوں کے زخموں کی

پیپ۔ حمیم اور غساق کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ کلام کیا ہے۔

اور یہ کس لیے جزاء وفاقًا یہ ان کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔ شہوت و حبِ جاہ و مال کی آگ جو دل میں بھڑکا کرتی تھی وہی تو یہ آگ ہے۔ اب اس سزا اور کامل جزا کے مستحق ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ان کو یہ سزا کیوں دی گئی فقال انھم کانوا لا یرجون حسابًا کہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے۔

واضح ہو کہ نفسِ انسانیہ کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں۔ اول قوتِ نظریہ کہ حقیقت الامر کو ٹھیک ٹھیک دریافت کرلے۔

دوسری قوتِ عملیہ کہ اس صحیح دریافت کے موجب عمل بھی کرے۔

جن کی یہ دونوں قوتیں درست ہیں وہ سعادت مند ہیں اور جن کی یہ دونوں قوتیں فاسد ہیں وہ شقی ہیں۔ سو ان کفار کی قوتِ عملیہ کا فاسد ہونا تو اس جملہ سے بیان فرمادیا اور اسی لیے کسی گناہ کا نام نہیں لیا کہ اس کی وجہ سے ان کو یہ دن نصیب ہوا حالانکہ بہت سے گناہ تھے بلکہ عمومًا قوتِ عملیہ کا فساد ظاہر فرمایا اور وہ اس لیے کہ انسان جب اپنے اعمال پر بازپرس اور حساب کا اعتقاد نہیں رکھتا تو نفس کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ کوئی گناہ ہو اس کے نزدیک کچھ بھی بڑی بات نہیں۔ اور کسی نیک کام کی مشقت بھی سر پر نہیں رکھتا۔ بازپرس اور حساب ہی کا خیال انسان کو ہر ایک بدی سے روک دیتا ہے اور نیکی کو عمل میں لانے پر تحریک کرتا ہے۔ جن قوموں میں یہ اعتقاد نہیں وہ برائی میں کوتاہی نہیں کرتیں، نیکیوں سے دور رہتی ہیں۔ عیسائیوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ ہمارے تمام گناہوں کے عوض حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہوگئے۔ اب

ہم سے کچھ باز پُرس نہیں، پھر شراب خوری اور زناکاری اور عیاری کا کون سا کام ہے جو اُن سے رہ گیا ہے۔

قوتِ نظریہ کا فساد اس جملہ سے ثابت کرتا ہے وکذبوا بایٰتنا کذابا اور ہماری آیات کو عام ہے کہ آیاتِ قرآنیہ ہوں یا آیاتِ قدرت ہوں سب کو جھٹلایا اور خوب ہی جھٹلایا یعنی حق کے منکر اور باطل پر مصر تھے اس سے معلوم ہوا کہ رذالت و فساد میں حد سے بڑھ گئے تھے اس لیے جزاء وفاقا کے مستحق ہوئے۔

اس کے بعد یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ہم نے ان کی شقاوت کے اصول بیان کر دیے ورنہ جزئیاتِ اعمال اور ہر ایک بات جو وہ کرتے تھے اور ہر ایک اعتقادِ باطل جس کے وہ پابند تھے وہ بھی ہمیں سب معلوم ہیں کس لیے وکل شئ احصینٰه کتٰبا کہ ہر شے کو ہم نے گھیر رکھا ہے ہر ایک چیز ہمارے احاطۂ علم میں ہے اور علم بھی کیسا کہ اس کو دفترِ غیب میں لکھ رکھا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جزئیات کا علم بتفاصیلہا وخصوصیاتہا وکیفیاتہا و وکمیاتہا حق سبحانہ کو حاصل ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ان کے اعمال واقوال واعتقادات ایک ایک ہم کو معلوم ہیں اسی طرح ہر ایک کے مناسب وقتاً فوقتاً جو جو سزائیں ہوں گی وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ اس لیے جزاءِ وفاق دیا جانا صحیح بات ہے، گویا اس جزاءِ وفاق کی یہ بھی ایک دلیل ہے جس میں ضمناً منکروں کے شبہ کا بھی رد ہے کہ خدا کو ہمارے ہر روز کے کام اور خیالات کیوں کر معلوم ہیں۔ اور معلوم ہیں تو اس وقت کیوں کر یاد رہیں گے۔ پھر جب یہ نہیں تو جزاءِ وفاق کا دعویٰ غلط ہے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ہم کو ہر شے معلوم ہے اور معلوم بھی کس طرح کہ ہم نے اس کا احصار کر لیا ہے جو کمالِ علمی اور علم کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور احصا بھی اس قسم کا ہے کہ وہ دفترِ غیب میں درج ہے جہاں نسیان و ذہول کا گزر بھی ممکن نہیں۔ وہ کچھ ایسا لکھنا نہیں کہ جیسا دنیا کے دفتروں میں قلم سے کاغذ پر لکھا جاتا ہے جس میں تلف ہو جانے کا خطرہ باقی رہتا ہے، بلکہ وہ ایک ثبوتِ علمی ہے اور عالمِ غیب میں چھپ جانا اور نقش ہو جانا ہے اور وہ لوحِ علمی ہمیشہ اس کے حضور میں رہتی ہے۔

جب یہ ہے تو ہر ایک عملِ بد اور قولِ بد اور اعتقادِ فاسد پر ہم وقتاً فوقتاً ایک سزا اس کے مناسب دیں گے فلن نزیدکم الا عذابا اور یہ بھی ہے کہ جوں جوں بیمار کا زمانۂ مرض دراز ہوتا جاتا ہے تکلیف پر تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح جہنمیوں کے عذاب کی کیفیت ہوگی۔ لمحہ بہ لمحہ عذاب اور دکھ بڑھتا جائیگا اور اس میں اس طرف بھی تعریض ہے کہ اے منکرو! بدکارو! جس طرح باوجود پند و نصیحت کے تم دم بدم سرکشی اور بدی میں بڑھتے جاتے ہو آگے ہی پاؤں رکھتے ہو پیچھے نہیں ہٹاتے اسی طرح تمہیں دم بہ دم عذاب زیادہ ہوتا جائے گا کس لیے کہ ہم کہہ چکے ہیں جزاء وفاقا اعمال کے موافق جزا دی جائے گی فلن نزیدکم جو فا کے ساتھ کلام صادر ہوا گویا اسی تمام کلام سابق کو مدلل کر کے نتیجہ کے طور پر ثابت کر دیا۔ یہ کمالِ بلاغت ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَ

ضرور پرہیزگاروں کو کامیابی ہے (ان کے لیے) باغ ہیں اور

اَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾

انگور　اور نوجوان ہم عمر عورتیں

وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۝۳۴ لَا يَسْمَعُوْنَ

اور پیالہ چھلکتا ہوا نہ وہاں بیہودہ بات

فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝۳۵ جَزَآءً

سنیں گے اور نہ مُکر جانا آپ کے

مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝۳۶

رب کی طرف سے (ان کو) بدلہ دیا جائیگا (اور) انعام گن گن کر

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اوران کے

بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ

اندر کی سب چیزوں کا جو بڑا رحم (کرم) کرنے والا ہے ان کو اس سے بات

خِطَابًا ۝۳۷

کرنے کا مقدور نہ ہوگا۔

ترکیب

مفازا اسم ان وللمتقین خبرہا و المفاز مصدر میمی بمعنی الفوز والظفر بالمطلوب والنجاۃ من الهلاک ولذا یطلق المفازۃ علی الفلاۃ[1] تفاولاً بالخلاص منہا وقیل الفوز النجاۃ والهلاک ایضا فاطلاق المفازۃ علی الفلاۃ حقیقی حدائق بدل من مفازاً بدل الاشتمال اوبدل الکل علی طریق المبالغۃ وہی جمع حدیقۃ وہی کل بستان[2] محوط علیہ من قولہم احدقوا بہ ای احاطوا بہ وکذا واعنابا معطوف علی حدائق وہی جمع عنب (انگور) وکواعب عطف علی اعنابا وہی جمع کاعبۃ وہی الناہدۃ[3] التی تکعبت ثدیہا ای استدارت مع ارتفاع اترابا صفۃ کواعب وہی جمع ترب بالکسر ہم زاد[4] یقال ہذہ ترب ہذہ وہن اتراب (صراح) وکاسا موصوف دہاقا صفتہ عطف علی کواعب ۔ الکاس جام باشراب مؤنث جمعہ کؤس ۔ واذالم تکن فیہا خمر فلیس بکاس ۔ دہاق بالکسر جام پر اوہاق پر کردن جام را و بر ریختن آب را (صراح) لا یسمعون الجملۃ حال من الضمیر فی خبر ان ویجوز ان یکون مستانفا والضمیر فی فیہا یرجع الی الکاس ای لایجری بینہم لغو فی الکاس التی یشربونہا بخلاف کاس الدنیا وقیل یرجع الی الجنۃ ای لایسمعون فی الجنۃ ما یکرہونہ کذابا بالتخفیف ای کذبا و بالتشدید ای تکذیبا من واحد لغیرہ بخلاف مایقع فی الدنیا عند شرب الخمر جزاء منصوب علی انہ مصدر ای جازاہم جزاء ۔ من ربک صفۃ لہ عطاء بدل منہ حسابا مصدر اقیم مقام الوصف اوباق علی مصدریتہ مبالغۃ اوہو علی حذف مضاف وفی معناہ کلام طویل ۔ قیل معناہ کافیا ماخوذ من قولہم اعطانی ما احسبنی ای ماکفانی وقیل معناہ بقدر ماوجب لہ فیما وعدہ من الاضعاف ماخوذ من قولہم حسبت الشیٔ اذا اعددتہ وقدرتہ وقیل معناہ کثیرا ۔ والاول ارجح وفی القاموس حسبک درہم کفاک وشیٔ حساب کاف ومنہ عطاء حسابا ۔ رب السموٰت الخ بالرفع علی الابتداء وفی خبرہ وجہان احدہما الرحمٰن فیکون مابعدہ خبرا آخر او مستانفا والثانی الرحمٰن نعت ولا یملکون الخبر ویجوز ان یکون رب خبر مبتداء محذوف ای ہو رب السموات الرحمٰن وما بعدہ مبتداء وخبر ویقرأ رب والرحمٰن بالجر بدلا من ربک لایملکون الجملۃ مستانفۃ لما تفیدہ الربوبیۃ العامۃ من

---

[1] فلاۃ صحرا خالی از آب و خورش ۱۲ منہ
[2] وہ باغ جس کی دیوار ہو ۱۲ منہ
[3] یعنی پستان اُبھرے ہوئے ہوں ۱۲ منہ
[4] ہم سن اور ہم عمر ۱۲ منہ

العظمۃ والکبریا۔

تفسیر

دارِ آخرت میں اشرار و بدکاروں کی جو حالت ہوگی اس کو بیان کرکے ابرار و صلحاء کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہوجائے۔ یا یوں کہو کہ بدکاروں کے حق میں بیان فرمایا تھا کہ ان کو عذاب دم بہ دم زیادہ ہوگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پرہیز گاروں کو جو ہر دن نئے عیش و کامرانی میں دیکھیں گے اور بھی دل جلیں گے، گویا یہ روحانی عذاب ہوگا اس لیے پرہیز گاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔

فقال ان للمتقین مفازا کہ ضرور بالضرور پرہیز گاروں کو وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت اور حیاتِ جاودانی اور کامرانی حاصل ہے اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیے۔ متقی کون ہے؟ جو عقائد درست کرنے کے بعد بری چیزوں سے بچے اور جن کا حکم ہے ان کو کرے پھر تقویٰ کے چند مراتب ہیں۔

اول[1] مرتبہ توحید اور ایمان ہے۔ اس مرتبہ میں ہر مومن متقی ہے گو وہ گنہ گار ہی کیوں نہ ہو۔

دوم[2] مرتبہ ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کو عمل میں لانا برے افعال سے بچنا۔ اس مرتبہ میں گناہ گار ایماندار کو متقی نہ کہا جائے گا جب تک کہ کبائر سے نہ بچے اور فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو۔

تیسرا[3] مرتبہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کسی کی محبت اس کے دل پر نہ ہو۔ یہ اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا انتہا درجہ ہے کہ ماسوا اللہ کوئی چیز ان کے قلوبِ صافیہ تک نہیں پہنچتی وہ اس کے سوا سب سے بچتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظِ متقی کو مطلق رکھا ہے، کیا تعجب ہے کہ اس کی رحمت گناہ گار ایمانداروں کو بھی مفاز یعنی کامیابی سے حصہ دے۔

جس طرح متقی میں اطلاق تھا اسی طرح مفازا میں بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی کامیابی مراد ہے روحانی ہو یا جسمانی۔ لیکن بندوں کو عام رغبتیں ان چند چیزوں کی طرف زیادہ ہوتی ہیں اس لیے اس کامیابی کے خزانے میں سے ان چند جواہر[1] کو بیان فرماتا ہے۔

فقال حدائق باغ رہنے کو ملیں گے۔ زبانِ عرب میں حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری ہو اور ہم جلیسوں اور یاروں کے ساتھ اسی میں رہنے سے لطف بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ باغ ہیں جو دنیا میں توحید و ایمان سے لگائے تھے اور اعمالِ صالحہ سے سینچے گئے تھے اور معارف سے آراستہ کیے گئے تھے۔ یہ لفظ بھی عام تھا، باغ کہنے میں جو کچھ نعمتیں باغوں میں ہوتی ہیں سب ہی آگئی تھیں، پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان باغوں میں شاید وہ چیزیں نہ ہوں جو ہم کو مرغوب ہوتی ہیں اور نئی قسم کی چیزیں ہوں۔ دنیا میں اقالیم کے لحاظ سے باغوں کا مختلف حال ہوتا ہے۔ چہ جائے کہ دوسرے جہان کے باغ اس لیے اپنی مہربانی سے اس خیال و خطرہ کو بھی دور کرتا ہے اور ان باغوں میں جو دل پسند چیزیں ہوں گی ان کا ذکر فرماتا ہے۔

فقال واعنابا[2] کہ وہاں انگور بھی بہ کثرت اور عمدہ ہوں گے۔ انگور ایک ایسا میوہ ہے جو غذا کا کام

---

[1] جس میں سے چند جواہر بیان فرماتا ہے جام شراب کے دور چلیں گے پیچھے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا یہ وہ شراب محبت الٰہی ہے جو دنیا میں ساقیٔ کوثر کے مے خانہ سے عطا ہوئی تھی ۱۲ حقانی۔　[2] حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے بھی (باقی بر صفحہ آئندہ)

بھی دے سکتا ہے اور اس سے شراب بھی بنتی ہے اور نیز باغ میں انگور ٹٹیوں پر ہوتا ہے اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے۔

اس عمدہ باغ میں جہاں کھانے پینے کے یہ سامان ہوں اگر ماہ رو ہم نشین نہ ہوں تو کچھ بھی لطف نہیں، اس لیے فرماتا ہے وکواعب اترابًا کہ وہاں نوجوان عورتیں بھی ہوں گی جن کی جوانی کے پستان ابھی اُبھرے ہوں گے، یہ نو عمری اور سادگی معشوقوں میں اور بھی لطف تازہ کرتی ہے، پھر ان کی نو عمری اور نئی جوانی کے ساتھ اگر اہلِ جنت بڑی عمر کے ہوں تو بھی لطف نہ ہو، انسان اپنے ہم عمروں سے رغبت کیا کرتا ہے اور وہیں اس کا دل کھلتا ہے، نوجوان لڑکی بوڑھے مرد سے کبھی لطفِ صحبت نہیں پاتی، اس لیے اترابًا کا لفظ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ متقی بھی ان کے ہم سن یعنی نوجوان ہوں گے۔

پھر یہ سب کچھ ہو اور دل میں حجاب ہو اور چونچلے اور اُچھل کود نہ ہو تو سوئی سوئی سی صحبت رہتی ہے اس لیے اس کا بھی سامان کر دیا جائے گا وکاسًا دھاقًا کہ جام شراب کے دَور چلیں گے۔ دہاق کے معنی بھرے ہوئے کے بھی ہیں یعنی لبریز پیالے، اس سے اور بھی لطف ہوتا ہے اور پے در پے کے بھی معنی ہیں کہ یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا۔ یہ شرابِ محبتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ساقیٔ کوثر کے مے خانے سے عطا ہوئی تھی۔

شراب کے ساتھ اگر اس کی خرابیاں بھی ہوں جیسا کہ دنیا کی شراب میں ہوتی ہیں بے ہوشی اور دردِ سر اور اہلِ مجلس کی بے ہودہ بکواس یا مار پیٹ تو کچھ بھی مزہ نہیں، اس لیے فرماتا ہے لا یسمعون فیہا لغوًا ولا کذّابًا کہ وہاں ایذا۔ اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغویات بھی سننے میں نہ آئے گی اور نہ جھوٹی بات نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اس کو کوئی جھٹلائے اور رنج ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ علم و ادراک اور اخلاق پر کوئی برا اثر پیدا نہ ہوگا، یہ دنیا کی شرابِ محبتِ الٰہی کا ظہور ہے جس کے نشے میں احوال و مقامات کے ابکار اور ان کے ثمرات کے پھل کھاتے اور وقار و تہذیب کو عمل میں لاتے تھے

دنیا کی شراب اور یہاں کی اور نعمتوں اور آخرت کی شراب اور وہاں کی نعمتوں میں شرکتِ اسمی ہے ورنہ ان کی حقیقت اور ان کی اور "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک" یہاں کی فانی اور ظلمانی چیزوں پر نام کی شرکت سے وہاں کی چیزوں کا قیاس کر کے اعتراض کرنا بے فہمی ہے۔ اس لیے فرماتا ہے جزاءً من ربک کہ یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں بندوں کے اعمال و عقائد اور معارف کا تیرے رب کی طرف سے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا جیسا کریگا ویسا پائے گا۔ بغیر تقویٰ اختیار کیے ان نعمتوں کی ہوس کرنا اور اپنی اضافی نسبتوں کو وسیلہ سمجھنا کہ ہم فلاں کی اولاد فلاں کے شاگرد فلاں کے مرید ہیں کچھ مفید نہیں۔ اب دنیا میں متقی بننے کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

کوشش کرو اور تقویٰ کا سرمایہ حاصل کرو۔ جزاءً کو رب کی طرف سے کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گو اعمال کی جزا ہے مگر جزا بھی کسی تنگ دل تنگ حوصلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جنت میں انگور کا شیرہ پینا ثابت ہے پھر عیسائی کیوں کہتے ہیں کہ وہاں لذاتِ جسمانیہ نہیں ۱۲ منہ

شخص کی طرف سے نہیں بلکہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے رب یعنی پرورش کرنے والے کی طرف سے جس کی بخشش اور جود کے دریا رواں ہیں جو ایک ذرا سے کام کے بدلہ میں سیکڑوں حصہ بڑھ کر دے گا اور اس دنیا کی چند روزہ کوشش میں نعماءِ باقیہ و صافیہ عطا فرمائے گا اس لیے فرماتا ہے عطاء گو یہ سب کچھ جزا یا اعمال کے بدلے میں ہے مگر اس قدر اور ایسی چیزیں دراصل عطا یعنی بخشش ہے اور بخشش بھی کیسی حساباً کافی اور پوری اور بہت کچھ، اور یہ اس لیے کہ یہ انعام اور افضال اس کی طرف سے ہیں جو رب السمٰوٰت والارض وما بینھما آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ ہر ایک چیز کو بغور دیکھے تو اس کے وجود اور ذات اور اس کی بقاء میں سیکڑوں عنایات ہیں بغیر کسی سابقہ واسطہ یا عمل کے۔ درختوں کو پتے عطا فرمائے ان کی جڑوں میں زمین سے غذا حاصل کرنے کی قوت دی، پھر زنگار رنگ کے پھول دیے جو نہایت خوشنما ہیں جن کی نقل کرنے میں بڑے بڑے صناع اور کاری گر نقاش حیران ہیں۔ پھر جب اس عالم میں بے کسی عمل اور کوشش کے اس نے ہر ایک شئے پر یہ عطا و فضل کیا تو اُس جہان میں اس کی عطاء کا کیا ٹھکانا ہے جس کے لیے ذرا سا عمل کا ہی بہانہ ہے۔

اب یہ شبہ کرنا کہ "نعماء" آخرت کو جزاء کہنا جو بدلہ ہوتا ہے اور پھر اس کو عطاء کہنا جو بے بدل ہوتی ہے تعارض ہے محض کم فہمی ہے جزاء اور لحاظ سے ہے تو عطا اور لحاظ سے۔

رب السمٰوٰت الخ کے بعد اور بھی صفتِ جود کا اظہار کرتا ہے الرحمٰن کہ وہ عطا کس کی طرف سے ہے؟ رحمٰن کی طرف سے جس کی رحمت کا کچھ حساب نہیں۔ ہر ذرے پر بے شمار رحمتیں ہیں جن کا کسی کو بھی استحقاق نہیں لایملکون منہ خطابًا اور کوئی اپنے استحقاق کی بابت اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا جس کو جو کچھ دیا محض فضل ہی فضل ہے جس کو نہیں دیا وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز مجھے کیوں نہیں دی کیوں کہ اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو وہ اپنا حق جتلائے اور گلہ کرے۔

ف ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لایملکون کی ضمیر کفار کی طرف پھرتی ہے کہ کفار قیامت میں اس سے کچھ کلام نہ کر سکیں گے یعنی وہ متقیوں پر رحمٰن ہوگا ان کو شرفِ کلام حاصل ہوگا مگر یہ نعمتیں دیکھ کر کفار کو اس کی ہیبت و جبروت دیکھ کر کلام کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔ مگر اول معنی بہت ٹھیک ہیں اور اس جملہ سے شفاعت کا انکار نہیں ثابت ہوتا کس لیے نفی جو ہے استحقاق جتلانے میں کلام کرنے کی ہے اور شفاعت میں استحقاق نہیں جتلایا جاتا بلکہ وہ بھی فضل و کرم پر موقوف ہے اور فضل و کرم کا دروازہ بڑا وسیع ہے ہر مومن اس سے وہاں کلام کرے گا بلکہ عذر و معذرت کے لیے کفار بھی کلام کریں گے صرف نفی کلام استحقاق کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ رحمٰن بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ ہیبت و جبروت بھی ہے کہ کوئی بات نہیں کر سکتا بے اذن کے۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰئِكَةُ

جس دن کہ روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے

صَفًّا ۖ لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ

ہوں کوئی نہیں بولے گا مگر وہ جس کو

أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾

رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس نے بات بھی ٹھیک کہی ہوگی

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ
وہ دن برحق ہے پھر جو
شَاۤءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝۳۹
چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا رکھے
اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ
ہم نے تم کو ایک عن قریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے
يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ
جس دن کہ انسان آپ دیکھ لے گا کہ اس نے کیا آگے
يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ
بھیجا تھا اور کافر کہے گا اے کاش
كُنْتُ تُرٰبًا ۝۴۰ ع ۲/۱۰
میں خاک ہو جاتا۔

ترکیب

یوم منصوب بلا یملکون او بلا یتکلمون صفا حال ای صافین او مصدر ای یصفون صفا والجملۃ مستانفا او حالیۃ الا من استثناء من قولہ لا یتکلمون ای لا یتکلم احد الا الماذون من الرحمٰن فالاستثناء منتصل و قال معطوف علی قولہ اذن ذلک مبتداء الیوم الحق خبرہ الی ربہ ماٰبا الی متعلقہ بماٰبا قدم علیہ اہتماما و رعایۃ للفواصل فمن شاء المفعول محذوف شرط اتخذ جوابہ یوم ینظر یوم منصوب علی انہ بدل من عذابا او ظرف لمضمر ہو صفۃ لہ ای عذابا کائنا یوم ینظر المرء ما موصولۃ قدمت یداہ صلۃ والموصول المجموع منصوب محلاً انہ مفعول ینظر والمرء فاعلہ ویقول معطوف علی ینظر۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ اس سے کوئی کلام نہیں کر سکتا، اس کی ہیبت و جلالِ کبریائی کی وجہ سے اب اس بات کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ یہ کس روز کا واقعہ ہے اور اس دن کی کیا کیفیت ہوگی۔

فقال یوم یقوم الروح والملئکۃ صفا کہ جس روز روح اور فرشتے پرا باندھے کھڑے ہوں گے عین دربار کا وقت ہوگا اور ہیبت و جلالِ کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہوگا تو اس روز لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمٰن وقال صوابا کہ وہ روح اور ملائکہ جو خدمت میں صف باندھے کھڑے ہوں گے' بات نہ کریں گے ہیبت و خوف کے سبب مگر ان میں سے وہی کلام کرے گا جس کو رحمٰن کلام کرنے کی اجازت دے گا اور اجازت پاکر بھی وہ واہی تباہی باتیں نہ کرے گا بلکہ ٹھیک ٹھیک ادب قاعدے کو ملحوظ رکھ کر، یا یہ معنی کہ وہی کلام کرے گا یعنی شفاعت اسی کے لیے کریں گے کہ جس کے حق میں اجازت خدا تعالیٰ نے دی ہوگی اور یہ حال ہوگا کہ وہ شخص کہ جس کے لیے شفاعت کی اجازت ہوگی وہ شخص ہوگا کہ جس نے دنیا میں ٹھیک بات کہی ہوگی اور وہ صحیح بات کیا ہے نیکی کا حکم اور بدی سے ممانعت یا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ قولِ صواب ہے یعنی مومن کے حق میں کلام کرنے کی اجازت پاکر۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یتکلمون کا فاعل روح اور ملائکہ ہی نہیں بلکہ سب زمین و آسمان کے رہنے والے یعنی سب آسمان و زمین کے رہنے والے ہیبتِ الٰہی سے بات بھی نہ کر سکیں گے صرف وہی

بات کرے گا جس کو اجازت ہوگی اور وہ بعد اس کے بات غلط اور بے قاعدہ نہ کر سکے گا یعنی شفاعت میں کسی کافر ومشرک کی بابت لب کشائی نہ کر سکے گا، اور اسی طرح اگر وہ کسی کی گواہی میں اجازت پاکر بولے گا تو کچھ رُو رعایت نہ کرے گا نہ کمی زیادتی جو بات ٹھیک ہے اسی قدر کہے گا۔

ان آیات میں اُن مذاہب باطلہ کا کس خوبی کے ساتھ بطلان ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عہد میں تھے اور کچھ اب بھی ہیں اور ان کے مذاہب بڑے غلط خیالات پر مبنی تھے۔ عرب کے بعض مقامات پر عیسوی مذہب کی حکومت تھی، وہ یہی کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ بنی آدم کے تمام گناہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اپنے ذمہ لے گئے اور ان کے عوض آپ نے تین روز جہنم میں رہنے کی سزا پائی۔ بس اب قیامت میں باز پرسِ اعمال کا تو کھٹکا ہی نہیں صرف مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا یعنی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا تصور کر لینا کافی ہوگا پھر اُس روز حضرت مسیح علیہ السلام کے تو تمام کارخانہ ہاتھ ہی میں ہوگا وہ اپنے بندوں کو جنت میں لے جائیں گے اور وہ سب خدا کے داہنے ہاتھ کرسیوں پر جا بیٹھیں گے، اب جو چاہو کرو مشقتِ عمل اور قیدِ حلال وحرام بے کار ہے۔ اس عقیدہ کا بطلان کر دیا گیا کہ وہاں اس کے برابر کون کرسی پر بیٹھ سکتا ہے وہ روح جس کو تم روح القدس کہتے ہو اور جس کو الوہیت کا ایک اقنوم قرار دیتے ہو اور حضرت مسیح کی تائید ان سے ہوا کرتی تھی وہ بھی اور فرشتوں کے ساتھ باادب صف بستہ کھڑے ہوں گے بغیر اجازت کے بات بھی نہ کر سکیں گے اور سفارش کریں گے تو اس کی کہ جس نے حق بات دنیا میں کہی نہ اس کی کہ جس نے کفر بکا اور خدا تعالیٰ کی ذاتِ بے چون وبے چگون کے حصے بخرے کر ڈالے ہوں اور اقنوم قرار دیے ہوں اور اسی لیے روح کا ذکر اس آیت میں آیا۔

اس سے روح حیوانی یا انسانی یا نباتی یا جبرئیل علیہ السلام مراد نہیں بلکہ روحِ اعظم جو ایک اور دوسری چیز ہے یعنی سب فرشتوں سے بڑا فرشتہ (ابن عباس) ادھر مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ حضرات ملائکہ اور انبیاء وصلحاء اور دیگر اوہام کو بھی اس غرض سے پوجتے تھے کہ ان کو اس کے گھر کا مختار سمجھتے تھے۔ دنیا میں تمام حاجات کے پورا کرنے کا ان ہی کو مسبّب کہتے تھے اور اسی لیے ان کی خوشنودی اور تقرب کے لیے ان کی نذر ونیاز کرتے تھے۔ آڑے وقت ان کے نام کی دُہائی دیتے تھے، المدد المدد پکارتے تھے اور آخرت میں ان کو اپنی بخشش کا وسیلہ جانتے تھے اور بہت تو آخرت کے قائل ہی نہ تھے، اس خیال کا بطلان بھی ان آیات میں کر دیا گیا کہ تمام آسمان وزمین کے رہنے والے باادب کھڑے ہوں گے کسی کو لب ہلانے کی قدرت نہ ہوگی مگر اجازت پاکر کسی کی سفارش بھی کریں گے تو اسی کی کہ جس نے حق بات دنیا میں بولی تھی توحید ورسالت کا اقرار کیا تھا نہ خدا کے دشمنوں باغیوں سرکشوں کی۔ اسی کے قریب قریب دنیا کے تمام مذاہب کے تراشیدہ خیالات عالمِ آخرت کے باب میں ہیں جن میں حق سبحانہٗ کی تنقیص ہے اور ان کے خیالی معبودوں کی عظمت ہے اور اسی طرح جو کچھ ان لوگوں کو شہادت کی بابت گمان ہے کہ ہمارے حق میں مفید شہادت دیں گے یہ بھی غلط ہے کیوں کہ وہ سچ اور حق بات کہیں گے خواہ مفید ہو یا مضر اور یہ اس لیے کہ ذلك الیوم الحق کہ وہ دن حق ہے۔ آج جو حق وباطل میں اشتباہ ہو جاتا ہے اس روز نہ ہوگا حق کا ظہور ہوگا باطل باقی نہ رہے گا پردہ کھل جائے گا۔ یا یہ معنی کہ اس دن کا آنا حق ہے جس میں یہ حال ہوگا اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں وہ آنے والا ہے اور اُس روز سوائے حق سبحانہٗ کی پناہ اور ٹھکانے کے

اور کوئی پناہ اور کوئی ٹھکانا نہیں۔

فمن شاء اتخذ الی ربہ مآبا پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنائے تقویٰ اختیار کرلے، بری راہ سے ہٹ جائے جو جہنم تک پہنچاتی ہے۔ ایمان و پرہیزگاری ایک سیدھا راستہ ہے جو حق سبحانہٗ تک پہنچتا ہے اس راہ میں چلتے چلتے انسان اللہ کے قرب و جوار رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس رستہ کا اختیار کرنا اللہ کے ہاں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔

آدمی جب کسی نئے شہر میں جاتا ہے تو ضرور فکر کرتا ہے کہ وہاں رہنے ٹھیرنے کا کوئی بندوبست کرنا چاہیے پھر اس دن کا آنا برحق ہے اور ہر انسان کو اس نئے جہان میں جانا ہے جہاں کا مالک اور بادشاہ اللہ ہے پھر جو پہلے سے اس سے آشنائی پیدا کیے بغیر وہاں جاتا ہے تو اس پر ہزار افسوس وہ وہاں کیسا مارا مارا پھرے گا اور جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اہل اللہ اس جہان میں ہی حق سبحانہٗ کو اس طرح ٹھکانا بناتے ہیں کہ ہر کاروبار میں دل اسی کی طرف لگا رہتا ہے جہاں کہیں اُدھر سے ذرا غفلت ہو گئی تو گھبرا کر اس کی طرف دوڑتے ہیں کہ جیسے کوئی گھر بھول جاتا ہے اور جب اس کا رستہ پاتا ہے تو دوڑ کر اُدھر ہی آتا ہے اس کی روح پاک کا وہی حیز طبعی اور مرکز اصلی ہو جاتا ہے۔ بے اس کے کہیں قرار اور چین نہیں آتا۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اس عالم سے گزرنے کے بعد پھر تو ان کے اور حق کے درمیان کوئی حجاب جسمانی بھی حاجز نہیں رہتا یہ اسی کے درباری ہو جاتے ہیں۔

ہدایت اور گمراہی کا رستہ بتا کر اور آنے والے دن کی مصیبت جتا کر پھر اپنے بندوں پر حجت تمام کرتا ہے۔

فقال انا انذرنٰکم عذابا قریبا کہ ہم نے تو اے بنی آدم تم کو بہت نزدیک کی مصیبت سے خبردار کر دیا ہے قیامت کا دن گو ابھی دور ہے مگر آنے والی چیز گو دور ہو بہت ہی قریب ہے اور نیز عقل مند ہزار کوس دور کی مصیبت کو قریب ہی سمجھتا ہے اور دنیا کی زندگی بہت ہی بے ثبات ہے۔ موت بہت ہی قریب ہے اور موت اس دن کا دروازہ ہے اس لیے مر کر جو کچھ انسان کو پیش آنے والا ہے وہ بہت ہی قریب ہے کس لیے کہ مر کر انسان کے بڑے کام کی ظلمت جو نفس پر غالب تھی ہولناک صورتوں میں پیش آتی ہے اور ایمان داروں کا ایمان اور نیک کاموں کی روشنی عمدہ صورتوں میں ظہور کرتی ہے اس جہان میں نفس ادراکات و تصرفات میں مصروف ہے اس لیے وہ صورتیں اور وہ اشیاء جو اس کے نیک و بد اعمال کا ظہور عالم مثالی میں متشکل ہو رہا ہے اس کو دکھائی نہیں دیتا لیکن جب مرے گا اور نفس ان شواغل سے فارغ ہو جائے گا تو اس روز سب کچھ دیکھے گا یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ اس روز انسان دیکھ لے گا کہ اس نے کیا کر کے آگے بھیجا تھا اور کیا کیا کام نیک و بد کیے تھے وہ سب عالم مثالی میں اپنی اپنی مناسب صورتوں میں اس کو نظر آئیں گی۔ ما قدمت یداہ کے لفظی معنی ہیں کہ کیا اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اس کو دیکھ لے گا اس سے مراد اس کی کوشش ہے مگر ہاتھ دنیا میں ہر کام کا ذریعہ ہیں اس لیے ہاتھوں کی طرف منسوب کرنا ایک محاورہ ہے۔

پھر جب وہ پردہ کھل جائے گا اور کافر اپنے کفر اور بد اعمال کو ہیبت ناک صورتوں میں دیکھے گا کہ اس کے ہلاک کرنے پر تیار ہیں اور کوئی ٹھکانا اور پناہ نہ پائے گا تو یقول الکفر وہ کافر کہے گا یلیتنی کنت ترابا کہ اے کاش میں خاک ہوا ہوتا یا خاک ہو جاتا اور

انسان نہ پیدا ہوتا جو آج اس مصیبت کو نہ دیکھنا پڑتا اور نہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا۔ انسان کے جسم کی اصل خاک ہے کیونکہ غذاؤں سے نطفہ بنا اور غذائیں خاکی چیزوں سے بنیں تو ایسے وقت اپنی اصل حالت کی آرزو کرے گا کہ کاش میں خاک ہی رہتا انسان نہ بنایا گیا ہوتا۔ اتنے ہیر پھیر کر انسان بنے اور یہ مصائب دیکھنے میں آئے۔ اور اپنے جسم کا مآل کار انسان خاک ہی دیکھتا ہے کہ مرکر سب کچھ خاک ہو جاتا ہے اُس جہان میں رُوح کے زندہ و باقی ہونے سے جب یہ بلائیں دیکھے گا تو آرزو کرے گا کہ اے کاش خاک ہو جاتا رُوح باقی نہ رہتی۔

عبد بن حمید و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن المنذر و بیہقی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ حیوانات کا حساب لے کر نیک و بد کا بدلہ دے کر حکم دے گا کہ سب خاک ہو جاؤ وہ سب خاک اور نیست ہو جائیں گے اس وقت کافر آرزو کرے گا کہ اے کاش میں بھی خاک ہو جاتا زندہ نہ رہتا۔ ابتدا خاک تھی اور انتہا بھی خاک ہے ہر اعتبار سے آرزو خاک بن جانے یا ہونے کی کرے گا۔

ف بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ کافر کے اس قول سے کہ کاش میں خاک ہوتا یہ مراد ہے کہ کاش دنیا میں خاک ہوتا تکبر و غرور نہ کرتا خاکسار بن کر احکام الٰہی مانتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ کافر سے مراد خاص ابلیس ہے کہ وہی سب کافروں کا پیر و مرشد ہے جب وہ حضرت آدمؑ اور ان کی نسل کو، جو خاک سے پیدا ہوئے ہیں دیکھے گا کہ حق سبحانہٗ نے ان کو کیا کیا عزت بخشی تب آرزو کرے گا کہ کاش میں بھی خاک سے پیدا ہوتا آگ سے نہ بنتا جس پر میں نے فخر کیا تھا خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔

ف واضح ہو کہ کافر کا حال بیان فرمایا مؤمن گنہ گار کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ مومن کے اعمال بد نے گو اس میں تاریکی پیدا کر دی تھی لیکن اس کے ایمان اور اعتقاد صحیح نے بھی اس میں ایک بڑی نورانی ہیئت پیدا کر دی ہے۔ کشاکش کے بعد انجام کار نور ایمان ظلمت اعمال بد پر غلبہ پائے گا اور ہیئت ظلمانیہ گھٹا کی طرح پھٹ جائے گی جب کہ آفتاب ایمان کا نور چمکے گا اس لیے وہ بھی انجام کار نجات پائیں گے برخلاف کافر کے کہ وہاں نور کا نام بھی نہیں اللھم نوّرنا بنور الایمان والعرفان۔

سورۃ نزعٰت

مکیہ ہے اس میں چھیالیس آیات دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ① وَّالنّٰشِطٰتِ

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی گھس کر　اور (آسانی سے) گرہ کھول دینے

نَشۡطًا ② وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ③

والوں کی　اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں

فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ④

پھر ان کی جو دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں

فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ⑤

پھر ان کی جو انتظام کرتے پھرتے ہیں

ترکیب

و للقسم جارۃ النزعت مجرور مقسم بہا والنشطت و السبحت عطف علیہ بالواو فالسبقت فالمدبرت

عطف بالفاء لکونہا مسببۃ عن التی قبلہا کانہ قیل و اللاتی سبحن فسبقن کما تقول قام فذہب فضرب و انتصاب غرقا علی انہ مصدر محذوف الزوائد ای اغراقا او علی الحال ای ذوات اغراق یقال اغرق فی الشئ یغرق فیہ اذا اوغل فیہ وبلغ غایتہ وکذا نشطا و سبحا و سبقا مصدر والنصب علی انہا مفعول مطلق و امرا مفعول بہ وقیل حال ای یدبرون مامورات وجواب القسم محذوف ہو عند الفراء لتبعثن وقال الاخفش والزجاج لتنفخن فی الصور نفختین وقال الکسائی الجواب المحذوف ہو ان القیامۃ واقعۃ والدلیل علی جمیع الاقوال ما بعدہا من الآیات ۔ وقیل الجواب مذکور ثم فیہ اقوال الاول انہ قولہ قلوب یومئذ واجفۃ والثانی ہو ھل اتٰک حدیث موسٰی الثالث ہو قولہ تعالیٰ ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشٰی ۔

تفسیر

ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں چھیالیس آیات اور دو رکوع ہیں ۔

مناسبت

مناسبت اس سورت کو سورۃ عم یتساءلون سے یہ ہے کہ اُس سورت میں کفار کا سوال مع جواب مذکور تھا جو وہ قیامت کے بارے میں انکار کے طور سے کیا کرتے تھے اس سورت میں قیامت کے مبادی قسم کے طور پر ذکر فرما کر بعد میں قیامت اور اس جہانِ باقی کی مجملاً کیفیت بیان فرمائی تاکہ ان نادانوں کو معلوم ہو کہ قیامت دور نہیں کس لیے کہ اس کے مبادی یعنی موت اور اس کے سامان بہت قریب ہیں اور یہ موت قیامت کا دروازہ ہے ، اسی لیے کہا گیا ہے کہ من مات قامت قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہو گئی ۔

نیز ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر موت کی کیفیت بھی بیان فرما دی کہ بدوں کی روح کھینچ کر اور گھسیٹ کر ان کے جسم سے نکالی جاتی ہے اور غافل و مستِ شہواتِ دنیا کو یوں فرشتے گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور نیکوں کی روح کی جسم سے گرہ کھول دی جاتی ہے گویا وہ اُس عالم کے مشتاق تھے خصوصاً جب کہ نزع میں وہاں کی کیفیت سے وہ خبردار ہو چکے تھے تو اس تن کے پنجرے میں اس طرح تڑپتے اور پھڑپھڑاتے تھے کہ جس طرح مرغِ چمن جو پنجرے میں بند ہو چمن کو دیکھ کر اور مرغانِ چمن کی آوازیں سن کر تڑپتا اور پھڑپھڑاتا اور مشتاق ہوتا ہے کہ جلد قفس کا دروازہ کھول دیا جائے تو اُڑ جاؤں ؎

آوازِ من برسانید بمرغانِ چمن
کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتادست

یہی حال مومن کا ہوتا ہے ، پھر فرشتے اس کی گرہ اور قفس کا دروازہ کھول دیتے ہیں پھر وہ ارواحِ طیبات اڑتی ہوئی اور ایک دوسرے سے تیز روی کرتی ہوئی عالمِ قدس میں جا پہنچتی ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
در ہوائے رخِ تو ذرہ صفت رقص کناں
تالبِ چشمۂ خورشیدِ درخشاں بروم

پھر اس عالم میں ملائکہ ان کے لیے ان کے درجات کے موافق ان کے عیشِ جاودانی کا سامان و انتظام کرتے ہیں ۔ سبحان اللہ پانچ چیزوں کی قسم کھا کر قیامت کا برپا ہونا بیان فرمایا مگر ان پانچ چیزوں کے ذکر سے نفوسِ بشریہ کو اس عالم کا مشتاق بنا دیا اور ان میں سے

بدکاروں اس خسیس جہان پر شیدا ہوکر بہیں پسر جانے والوں کو پُر حذر بھی کر دیا اور بتادیا کہ خود نہ جاؤ گے تو گھسیٹ کر فرشتے بری حالت سے لے جائیں گے یہاں رہنا نہیں ہوگا۔

یا یوں کہو کہ اس سورت میں ان کے سوالِ قیامت کے جواب میں یوں فرمایا تھا فتاتون افواجا کہ تم گروہ گروہ اور جماعت جماعت ہوکر عدالت میں حاضر ہوگے اب یہاں اس سورت کے مطلع یعنی شروع میں پانچ چیزوں کی قسم کھاکر ان پانچ صفات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جن کے سبب ہر نیک و بد کو اپنے مراتب سعادت و شقاوت میں دوسرے سے امتیاز ہے اور ہر ایک صفت کا ایک گروہ ہوگا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفوسِ انسانیہ جب سعادت[1] کی طرف عروج کرنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ پانچ مرتبے طے کرنے پڑتے ہیں ان کے بعد اس مقصود کو پہنچتے ہیں۔

اول مرتبہ یہ ہے کہ جو چیزیں اس کے اس مقصود کے خلاف اور اس کے لیے حائل و مانع ہیں اور ان کی طرف اس کی طبیعت مائل ہے تو اس کو ضرور ہے کہ طبیعت کو کھینچ کر اور نفس کو گھسیٹ کر ادھر سے لائے اور اپنے مطلب کی تحصیل میں کوشش کرے اس مرتبے کو والنزعت غرقا سے تعبیر کیا۔ شہوات و لذات کے روکنے میں یہ حالت زیادہ واقع ہوتی ہے۔ شرع میں اس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ ہر کام میں جس کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اول مجاہدہ اور سچی کوشش اور بڑی عرق ریزی درکار ہے۔ سست اور ہوا و ہوس کے بندے نہ کبھی دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں نہ دینی میں۔ بادشاہوں کو ملک گیری میں پہاڑ اور دشوار گزار جنگل طے کرنے پڑے ہیں، گرمی سردیوں کی تکالیف اٹھائی ہیں۔ علم حاصل کرنے میں علماء نے بڑی بڑی عرق ریزیاں کی ہیں۔ اولیاء اللہ نے بڑی شدید ریاضتیں کی ہیں۔ سال ہا راتوں کو جاگے ہیں نفس سے لڑائیاں کی ہیں، چلّے کھینچے ہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ان ریاضات اور مشقتیں اٹھانے کے بعد ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کام میں ایک نشاط و سرور معلوم ہونے لگتا ہے اور اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اب ان موانع و شہوات کے مقابلے نہیں کرنے پڑتے میدان صاف ہو جاتا ہے، اس کو نشاط کہتے ہیں اور اس مرتبہ کو والنّٰشِطٰت نشطًا سے تعبیر کیا۔ اہل اللہ کے نزدیک اس حالت کا نام جو ریاضات و مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے شوق و ذوق ہے۔ یہی شوق بڑی بڑی مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس شغل میں پوری مہارت پیدا ہو جاتی ہے اور بے تکلف وہ کام اس سے سرزد ہونے لگتا ہے اس مرتبہ کو والسّٰبِحٰت سبحًا سے تعبیر فرمایا کہ اچھی طرح تیرنا۔ کس لیے کہ تیرنے والا کسی آڑ کے بغیر بے کھٹکے سیر کرتا ہے اس مناسبت سے اس مرتبہ کو سباحت کہتے ہیں۔ اہلِ سلوک کے نزدیک اس کا نام "سیرِ احوال و مقامات" ہے۔ اب یہاں سے شاہدِ مقصود تک رسائی شروع ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پوچھے آپ نے فرمایا کہ آپ کا خُلق قرآن ہے یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کے لیے بے کلفت و مشقت ہے۔

---

[1] بلکہ شقاوت اور دنیاوی کاروبار حرفت و صنعت میں اور علوم اکتسابیہ میں بھی یہی مراتب طے کرنے پڑتے ہیں ۱۲ منہ

چوتھا مرتبہ یہ کہ اپنے ہم سروں سے اس شغل میں بڑھ جائے یہ سب سے آگے دوڑے اس حالت کو فالسّٰبقٰت سبقًا سے تعبیر فرمایا اور یہ اعلیٰ کمال ہے صوفیہ کرام کے نزدیک اس کا نام "طیران و عروج" ہے۔

اس کے بعد پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ جمیع مراتب کمال کو طے کر کے دوسروں کی تکمیل کرنے لگے اور لوگوں کا اس کام میں مقتدا و مرشد ہو جائے اور اس مقصود کے طالب اس سے رجوع کریں۔ اس مرتبہ کو فقراء کے نزدیک "رجوع و نزول" و "دعوۃ الخلق الی الحق" کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا فالمدبرٰت امرًا۔

چونکہ ہر ایک مرتبہ عمدہ ہے اس لیے ان کی قسم کھاتا ہے۔ اور بھی مضامین میں اس سورت کو سورہ عم یتساءلون سے مناسبتیں ہیں۔[1]

تفسیر

اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

والنّٰزعٰت غرقًا نزع کشیدن چیزے از جائے خود و برکندن و مانند شدن بہ پدر و کشیدنِ کمان یقال نزع فی القوس ای مدہا وفلان فی النزع ای فی قلع الحیٰوۃ۔ نزاع آرزو مند شدن۔ یقال نزع الی اہلہ نزوع بہ پرداختن از کار (ع ف ا ک ۲) بیر نزوع بالفتح و نزیع چاہ کہ قعر او نزدیک باشد (از صراح) غرق آب از سر گزشتن و سخت کشیدن کمان را و مبالغت کردن در مدح و ذم و جز آں۔ استغراق فرا گرفتن ہمہ را۔ اغتراق در آمیختن اسپ با اسپانِ دیگر۔ (صراح)

نازعات، نازعۃ کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے اور غرقًا مصدر ہے۔ ان دونوں لفظوں کے کئی معنی ہیں اس لیے یوں بھی معنی ہوئے کہ قسم ہے ان کی جو کھینچتے ہیں ڈوب کر۔ یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو کمان کھینچتے ہیں زور سے یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو سخت آرزو مند ہیں۔ یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو اپنے کام سے بالکل فارغ ہونے والے ہیں۔

ہر ایک معنی پر کلام طویل ہے۔ پہلے معنی کہ جو کھینچتے ہیں ڈوب کر۔ اس میں متعدد اقوال ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ نازعات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو جان نکالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرشتوں کی قسم کھاتا ہے جو اس کی بہتر مخلوق ہے اور ان میں سے بالخصوص ان فرشتوں کی جو روح کھینچتے ہیں گھس کر۔ اس سے کفار کی جاں کنی مراد ہے کہ ان کی روح عالمِ آخرت کے

[1] ازاں جملہ مضامین میں بھی مناسبت ہے جس طرح اُس سورت میں مبدء و معاد کی تصویر کھینچی گئی ہے اس میں بھی، ازاں جملہ اُس سورت کے اختتام میں قیامت برپا ہونے اور نیک و بدوں کے درجات اور کافروں کی حسرت بیان فرمائی تھی اِس سورت کی ابتداء میں اُس آنے والے وقت کا چند چیزوں کی قسمیں کھانے میں ذکر کر دیا کہ ملائکہ یوں جان قبض کرتے ہیں اور اس طرح سے لے جاتے ہیں اور بھی قیامت اور اُس عالمِ غیب کی ابتداء ہے جو بہت ہی قریب ہے وہاں عذاب قریب سے ڈرایا گیا تھا تو یہاں وہ عذاب قریب آنکھوں کے سامنے لا کر دکھایا گیا ۱۲ منہ

مصائب سے ڈر کر ان کے بدن میں ادھر ادھر تمام اطراف وجوانب میں چھپتی پھرتی ہے اس لیے وہ ملائکہ بھی ان اجسام میں گھس کر روح نکالتے ہیں۔ اسی طرح نشطٰت۔ سبحٰت، سبقٰت، مدبرات سے بھی مراد ملائکہ ہیں جن کو باعتبار ان کے صفات و حالات کے مختلف صفات سے تعبیر فرمایا اور اسی تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کی طرح عطف کا باعث سمجھنا چاہیے۔ اس تقدیر پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ نازعات وغیرہ مؤنث کے صیغے ہیں اور فرشتہ مؤنث نہیں بلکہ خدا پاک نے کفار کو فرشتوں کے مؤنث کہنے میں الزام دیا حیث قال وجعلوا الملٰئکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا الآیہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں جمع اور جماعات کو بصیغہ مؤنث تعبیر کرتے ہیں اور ملائکہ سے اشخاص مراد نہیں بلکہ جماعات۔ بعض کہتے ہیں کہ نزعٰت غرقًا سے مراد ستارے ہیں اور یہ حسن بصری کا قول ہے، اور ان کو نزعٰت باعتبار طلوع کے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کھینچ کر اوپر لاتے ہیں اور غرقًا سے اشارہ ان کے غروب کی طرف ہے۔ اس میں اپنے عجائب قدرت اور عالم کے عروج و نزول اور فنا و بقا پر اپنا قادر ہونا ثابت کرکے یہ دکھایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم ہم قیامت برپا کرنے پر بھی قادر ہیں اور یہ کہ جب یہ روشن اجسام غروب کرتے ہیں تو پھر تمہارا غروب یعنی فنا و موت کیا بات ہے اور پھر جس طرح غروب کے بعد یہ طلوع کرتے ہیں قیامت کے روز تم بھی بار دیگر طلوع کروگے اور اسی طرح نشطٰت وغیرہا سے بھی مراد ستارے ہیں باعتبار ان کے اوصاف کے۔ اور ایک جگہ ستاروں کی نسبت یوں بھی آیا ہے وکل فی فلک یسبحون اس تقدیر پر مدبرات امرًا سے ستارے مراد لینے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ تدبیر امور حق سبحانہ کے ہاتھ میں ہے نہ کہ ستاروں کے۔ اس لیے اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اخیر جملہ سے مراد ملائکہ کرام ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ارضی و سماوی معاملات کے سرانجام دینے پر مامور ہیں، مگر ستاروں کے مدبرات ہونے کی یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ حرارت و برودت شعاع وضیاء کی وجہ سے ان کی تاثیرات زمین پر پڑتی ہیں پھل پکتے ہیں پھول آتے ہیں و فیہ ما فیہ۔

بعض کہتے ہیں ان پانچوں کلمات سے مراد ارواح ہیں۔ پس نزعٰت سے مراد وہ ارواح ہیں جو اس عالم سفلی اور ظلمانی پر مبتلا ہیں اس لیے ان کا جسم سے فراق نزع شدید ہے یعنی کھینچ کر اور گھسیٹ کر سختی سے دور کیے جاتے ہیں اور جو ارواح علائق جسمانیہ سے الگ ہیں اور ان کو عالم علوی کا ازحد اشتیاق ہے وہ بہت جلد ادھر کو جسم چھوڑ کر روانہ ہوتی ہیں ان کی اس سیر کو نشط اور سباحت سے تعبیر کیا۔ پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔

بعض اور بھی سریع السیر ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی ارواح طیبات اور ان میں سے بعض عالم علوی کے مدبر امور بھی ہیں، چنانچہ احادیث صحیحہ سے منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے آگے جاتا ہوں کہ تمہارے لیے تیاریاں کروں اور اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس عالم میں ارواح مؤمنین کے مربی و مدبر امور ہیں۔ بلکہ جو لوگ ایمان و اعمال صالحہ سے منور ہو کر اس جہان میں جاتے ہیں وہ اپنے ان آنے والے عزیزوں محبوبوں کے لیے جنت میں تیاریاں کیا کرتے ہیں۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضراتِ اولیاء وانبیاء کی ارواحِ پاک گو وہ ملائکہ میں مل جاتی ہیں پھر ملائکہ کی طرح وہ بھی تدبیر عالمِ سفلی میں مصروف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں نے جو حضرات انبیاء واولیاء کرام وملائکہ عظام کی پرستش اور ان سے نذر ونیاز کر کے اپنے مقاصد کا سرانجام چاہنا دستور کر لیا تھا غالبًا وہ اسی خیال سے تھا جس کو اسلام نے رد کر دیا اور بتا دیا کہ گو وہ مامور ہیں مگر کرنے وہی ہیں۔ جو حکمِ الٰہی ہوتا ہے نہ وہ کسی کی نذر ونیاز سے خوش ہوتے ہیں نہ پکارنے دُہائی دینے پر ان کے کام بناتے ہیں وہ حق سبحانہ کی مرضی کے تابع محض ہیں ان کا ذاتی ارادہ واختیار ان معاملات میں کچھ بھی نہیں۔

بعض کہتے ہیں یہ پانچوں کلمات غازیوں کے گھوڑوں کی بابت ہیں۔ نزعت وہ گھوڑے جو گردن کھینچ کر اور بلند کر کے چلتے ہیں، اور وہی نشطت ہیں یعنی دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب کی طرف جانے والے، یہ ماخوذ ہے قولِ عرب سے ثور ناشط اذا خرج من بلد الی بلد اور یہی سبحت ہیں۔ دوڑنے کو سباحت سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اسی لیے تیز رَو گھوڑوں کو سبوح کہتے ہیں، اور یہی سبقت ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے دوڑ کر دشمن کے سامنے جاتے ہیں اور انجام کار یہی تدبیرِ امر یعنی فتح وظفر کرتے ہیں، اور یہ اسناد مجازی ہے کہ ان ہی کے سبب سے دشمن پر فتح وغلبہ حاصل ہوتا ہے۔

ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ ان پانچوں کلمات سے مراد غازی ہیں، پس نزعت غازیوں کے ہاتھ ہیں اور نشطت ان کے تیر ہیں جو ان کی کمانوں سے شپا شپ چھوٹتے ہیں، اور سبحت ان کے گھوڑے ہیں جو اس موقع پر دھاوا کرتے ہیں اور وہی سبقت ہیں کہ بڑھ کر دشمن تک پہنچتے ہیں اور ان ہی کو مجازًا باعتبار انجام فتح وظفر کے مدبرات کہا گیا ہے۔

والنشطت نشطًا نشط۔ نشاط بالفتح شادمانی نمودن وگرہ کشادن نشیطہ آنچہ غزاۃ در راہ یابند از غنیمت ناشط گاؤ دشتی۔ نشط گزیدن مار وبردن اندوہ وآب برکشیدن از چاہ بے بکرہ وگرہ آسان بستن۔ نشوط چاہ کہ دلو از وے بہ بسیار کشیدن برآید وایضًا نوعے از ماہی۔ از صراح۔ ان لغوی معانی کے لحاظ سے ہر ایک توجیہ چسپاں ہو سکتی ہے۔

والسبحت سبحًا۔ سبح۔ سباحہ بالفتح والکسر شناوری کردن۔ سبح تصرف کردن در معاش، قولہ تعالیٰ ان لک فی النھار سبحًا طویلا۔ ورفتار اسپ فرش سابح۔ سُبحہ بالضم مہرہا کہ عددِ تسبیح بوے گیرند۔ و نماز و ذکر۔ تسبیح پاکی و بپاکی یاد کردن سبحان اللہ معناہ التنزیہ لہ نصب علی المصدر یہاں بھی ہر معنی مناسب چسپاں کر لینے چاہییں۔

فالسبقت فالمدبرات کے معنی ظاہر ہیں اول[1] سبقت یعنی پیش روی اور آگے بڑھنا اور دوسرے کے معنی تدبیر کرنا، آگے بڑھنے والوں تدبیر کرنے والوں کی قسم کھاتا ہے۔ مگر سب سے اول معنی صاف ہیں یعنی قسم ہے اس جماعت کی جو اپنے نفس کو کسی کام میں کھینچتے ہیں یعنی کوشش وسرگرمی کرتے ہیں اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں نشاط وشوق پیدا کرتے ہیں اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں دوڑتے ہیں پھر اس جماعت کی قسم جو اس دوڑ کے بعد

[1] وجوہ مذکورہ بالا اور ان کے سوا اور وجوہ جو الفاظِ قرآنیہ سے پیدا ہو سکتی ہیں سب منصوص نہیں معانی پر لحاظ کر کے ہر ایک عالم نے ایک مناسب معنی مراد لیے ہیں ۱۲ منہ

آگے بڑھتے ہیں سبقت کرتے ہیں پھر اس جماعت کی قسم جو ان مراتب سے فارغ ہو کر لوگوں کی تکمیل و رہنمائی کی تدبیر کرتے ہیں اور چونکہ یہ اخیر دونوں جماعت پہلی تینوں جماعت سے بالاتر ہیں اس لیے فَ لائی گئی جس کو فِ تعقیب کہنا چاہیے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ⑥ تَتْبَعُهَا
جس دن کہ زمین لرزے پے در پے
الرَّادِفَةُ ⑦ قُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ
زلزلے آئیں کتنے ایک دل تو اُس روز
وَّاجِفَةٌ ⑧ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ⑨
دھڑکتے ہونگے ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی
يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي
منکر کہیں گے کہ کیا ہم پہلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے
الْحَافِرَةِ ⑩ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا
(بار دگر زندہ ہوں گے) ارے اس وقت کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں
نَّخِرَةً ⑪ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ
ہو جائیں گے کہتے ہیں تب تو یہ پھر آنا
خَاسِرَةٌ ⑫ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ
بڑا ہی ٹوٹا ہے پھر وہ واقعہ صرف ایک ہی ہیبت ناک
وَّاحِدَةٌ ⑬ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ⑭
آواز تو ہے پھر تو وہ اسی وقت میدان میں آموجود ہوں گے

ترکیب

یوم منصوب بالجواب المضمر والتقدیر لتبعثن۔ یوم ترجف الراجفة ای فی الوقت الواسع الذی یحصل فیہ النفختان وقیل منصوب بما دل علیہ قلوب یومئذ واجفة ای یوم ترجف وجفت القلوب۔ والرجفة الحرکة الاضطراب یقال رجف یرجف اذا اضطرب ومنہ قولہ تعالیٰ یوم ترجف الارض والجبال وقیل الھدة والنکرة والصوت الھائل من قولھم رجف الرعد یرجف رجفا ورجیفا ومنہ قولہ تعالیٰ فاخذتھم الرجفة فعلی ہذا الراجفة صیحة عظیمة۔ تتبعہا الرادفة الجملة منصوب علی الحال من الراجفة و المعنی لتبعثن یوم النفخة الاولیٰ حال کون النفخة الثانیة تابعة لہا۔ والرادفة کل شئ جاء بعد شئ آخر یقال ردفہ ای جاء بعدہ قلوب مبتدأ۔ یومئذ منصوب بواجفة وہی صفة لقلوب ابصارہا مبتدا ثان خاشعة خبرہ والجملة خبر الاول۔ والضمیر فی ابصارہا راجع الی اصحاب القلوب۔ وجف۔ وجیف طپیدن ونوعے از رفتار شتر (ع ف ا ک۲) ایجاف راندن شتر براں رفتار ومنہ قولہ تعالیٰ فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب۔ ءانا الجملة الاستفہامیة مقولة یقولون۔ الحافرة عند العرب اول الشئ وابتداء الامر ومنہ قولھم رجع فلان علی حافرتہ ای علی الطریق الذی جاء عنہ والمراد الحالة الاولیٰ واصل الحافرة الطریقة حفرہا ای اثر فیہا بمشیتہ فیہا جعل اثر قدمیہ حفرا فہی فی الحقیقة محفورة الا انہا سمیت حافرة کما فی عیشة راضیة وماء دافق۔ احتفار زمین کندن حفرہ بالضم کندہ حافر سم ستور حافرہ اول ہر چیزے (صراح) ءاذا کنا الجملة تاکید للانکار والعامل فی اذا مضمر یدل علیہ مردودون قرء الجمہور نخرة وقرء حمزة والکسائی ناخرة قال الاخفش ہما لغتان ای معناہما واحد۔ وقیل ان الناخرة غیر النخرة لان الناخرة من النخیر بمعنی الصوت کنخیر النائم والمخنوق فہی العظام الفارغة التی یحصل من ھبوب الریح فیہ صوت والنخرة من نخر العظام ینخر فہو نخر

کعفن بعفن عفن اذا بلی وصار لو لمستہ لتفتت تلک منذا لہ کرۃ خاسرۃ خبرہ الساہرۃ وجہ الارض قال الفراء سمیت بہا لان فیہا نوم الحیوان وسہرہم وقیل الساہرۃ ارض بیضاء۔۔

تفسیر

ان مذکورۂ بالا چیزوں کی قسمیں کھاکر فرماتا ہے کہ اے منکرینِ قیامت تم اس کا کیا انکار کر رہے ہو تم ضرور مرنے کے بعد بارِ دیگر حساب کے لیے زندہ کیے جاؤ گے یوم ترجف الراجفۃ اس روز کہ لرزنے والی چیزیں لرزیں یعنی زمین اور پہاڑ ہلیں اور تتبعہا الرادفۃ پے در پے لرزہ اور زلزلہ آتے رہیں نفخ صورِ اول کے وقت ہوگا کہ زمین ہل جائے گی اور پے در پے لرزنے آکر یہ تمام دنیا نیست و نابود ہو جائے گی اس کے بعد بارِ دیگر ہر ایک انسان زندہ ہوگا۔ ابتدائے نفخ صورِ اول سے لے کر نفخ ثانی تک ایک متصل زمانہ ہے اس لیے اس میں زندہ ہونا صحیح ہوسکتا ہے ورنہ صرف نفخ اولِ صور میں تو کوئی زندہ نہ ہوگا بلکہ زندہ لوگ مرجائیں گے۔

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں یوم ترجف الراجفۃ سے مراد وہ بڑی ہیبت ناک آواز ہے جو نفخۂ اولیٰ کے وقت ہوگی جس سے زمین و آسمان و وحوش و طیور و حیوان و انسان نیست و نابود ہو جائیں گے اور تتبعہا الرادفۃ سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے یعنی بارِ دگر صور پھونکنا جس سے تمام حیوان و انسان بارِ دگر زندہ ہوں گے اور ان دونوں نفخ صور میں بمقدار چالیس برس کا زمانہ ہوگا۔ اور رادفۃ اس لیے بارِ دگر صور پھونکنے کو کہتے ہیں کہ وہ اول کے بعد ہے۔ اور ایک شے سے بعد کی چیز کو رادفہ کہتے ہیں اور گھوڑے پر دو شخص بیٹھنے والوں میں سے اخیر کو ردیف کہتے ہیں۔

امام احمد و ترمذی و حاکم وغیرہ نے اُبی بن کعبؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چوتھائی رات گزر چکتی تھی تو فرمایا کرتے تھے اے لوگو اللہ کو یاد کرو راجفۃ آئی اس کے پیچھے رادفۃ آتی ہے موت اور اس کے سامان قریب آپہنچے۔

ابوہریرہؓ سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے یوم ترجف الراجفۃ تتبعہا الرادفۃ کہ زمین اور جو اس پر ہے ہلیں گے کہ جس طرح کشتی ڈگمگایا کرتی ہے (اخرجہ ابو الشیخ و ابن مردویہ والدیلمی) ابو مسلم ان دونوں جملوں سے قیامت کے احوال مراد نہیں لیتے بلکہ راجفۃ و رادفۃ سے مراد مشرکوں کے گھوڑے۔

پھر جب یہ حالت ہوگی تو اس روز قلوب یومئذ واجفۃ بہت دل دھڑکتے ہوں گے کس لیے کہ عمر رائگاں گئی۔ پھر عمل کرنے کا موقع نہیں رہا، برے اعمال اور خیال کا نتیجہ سامنے آیا۔ جہنم جوش مار رہی ہے۔ احکم الحاکمین کی طرف سے دار و گیر ہو رہی ہے۔ اور ایسی حیرت و دہشت طاری ہوگئی ابصارہا خاشعۃ کہ ان کی آنکھیں شرم کے مارے نیچی ہوں گی۔ ان مصائب کو دیکھ نہ سکیں گے خوف کے وقت جب کہ سامنے مہلک سامان موجود ہوتے ہیں تو ملزم آنکھ بند کر لیتا ہے اور شرمندگی سے بھی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔

قیامت کا حال بیان فرماکر کفار کے اقوال نقل کرتا ہے کہ وہاں تو یہ حالت ہوگی اور وہ وقت قریب آلگا ہے اور یہ لوگ اب اس دنیا میں غفلات و لذات کے نشہ اور جہالت کی تاریکی میں کس غرور سے یقولون ءانا لمردودون فی الحافرۃ کہتے ہیں کہ کیا ہم بارِ دگر اس

حالتِ حیات کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی کیا مرکر ہم بارِ دگر زندہ کیے جائیں گے! یہ کہنا ان کا تمسخر اور غرور کی وجہ سے تھا ءاذا کنا عظاما نخرۃ ارے کیا جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور چورا چورا ہو جائیں گی اس کے بعد پھر زندہ ہوں گے؟ یہ ان کی ناقص سمجھ میں محال بات تھی اور اس کو خدائے قدیر کی قدرت سے باہر جانتے تھے۔

قالوا تلک اذا کرۃ خاسرۃ کہتے ہیں تب تو یہ بارِ دگر جینا بڑے نقصان کی بات ہے۔ یعنی اگر مدتوں کے بعد زندہ بھی ہوئے تو یہ زندگی نقصان کی ہوگی کس لیے کہ اتنی مدت میں کوئی عضو کہیں گیا ہوگا کوئی کہیں پھر جو کوئی زندہ ہوا تو کسی کی انگلی نہ ہوگی کسی کے پاؤں نہ ہوں گے کوئی اندھا ہوگا، کسی کے بال نہ ملیں گے وغیرہ وغیرہ اور نیز اقارب بھی اس حالت میں نہ ہوں گے اور دنیا میں جو کچھ کمایا تھا وہ بھی نہ ہوگا اور نیز اس لیے کہ ہم نے قیامت کے منکر رہ کر اعمالِ صالحہ وایمان سے غفلت اختیار کی اور آج ان کی پرسش ہو رہی ہے اور ہم خالی ہاتھ لیے۔ الحاصل ان وجوہ سے اس زندگی کو خاسرۃ سمجھتے تھے یعنی اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بارِ دگر زندہ ہوں گے تو وہ زندگی ناقص ہوگی اور یہ اس حکیم و قدیر کی شان سے بعید ہے اس لیے بھی وہ اس بارِ دگر زندہ ہونے کو محال جانتے تھے اور اس پر یہ دلیل لاتے تھے۔

ان کے جواب میں اس کا امکان بلکہ وقوع بتلاتا ہے فقال انما ھی زجرۃ واحدۃ کہ یہ کرۃ یعنی بارِ دگر جینا کچھ مشکل نہیں صرف ایک سخت آواز یعنی نفخ صور سے ہو جائے گا کوئی حالتِ منتظرہ نہ ہوگی فوراً ہر ایک بدن تیار ہو جائے گا اور اجزائے بدن مجتمع ہوں گے اسی وقت ان ابدان سے ارواح کو متعلق کر دیا جائے گا، گویا سوتے کو جگا دیا اس لیے فرماتا ہے فاذاھم بالساھرۃ کہ پھر تو جب ہی وہ یعنی ان کی روحیں ان کے بدنوں سے متعلق ہو جائیں گی اور جاگ جائیں گی یا یوں کہو فوراً وہ میدان میں حاضر ہو جائیں گے۔

اول معنی چسپاں تر ہیں[1] کس لیے کہ اس زندگی کے بعد جو موت طاری ہوتی ہے اس کو خواب سے تشبیہِ تام ہے چند وجوہ سے۔ اول یہ کہ جسم سالم اور صحیح موجود ہوتا ہے اور خواب کی وجہ سے بے کار ایک جگہ پڑا رہتا ہے نہ چلتا پھرتا ہے نہ کسی سے بات چیت کرتا ہے نہ کھاتا پیتا ہے نہ کسی کو جواب دیتا ہے۔ یہاں کچھ ہی ہوا کرے اس کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہی حال موت سے ہو جاتا ہے۔ وہی جسم ہے وہی اس کے اعضاء ہیں مگر ایک تختہ سا پڑا ہے نہ اب اس کو بیوی بچوں کی پروا ہے نہ کسی یار دوست کی۔ نہ دنیا کے زر و جواہر مرغوب چیزوں کی جن کے لیے مارا مارا پھرتا تھا۔ نہ ان سے متمتع ہو سکتا ہے سب بے کار پڑا ہے۔ اور جس طرح خواب میں اس پر بہت کچھ واقعات گزرتے ہیں کہیں باغوں کی سیر کرتا پھرتا ہے۔ دوستوں سے مل کر لطف صحبت اٹھاتا لذت و سرور پاتا ہے کہیں کسی مکانِ تنگ میں

---

[1] لفظ ساھرۃ کے دو معنی ہیں اول یہ کہ فوراً یہ لوگ قیامت کے دن جاگ اٹھیں گے موت کی نیند سے۔ دوم یہ کہ فوراً میدانِ حشر میں آ حاضر ہوں گے۔ اول معنی زیادہ مناسب اور بہت چسپاں ہیں کس لیے کہ موت کو خواب سے زیادہ مشابہت ہے اور سَہر بیداری کو کہتے ہیں، حیاتِ اخروی بیداری اور موت خواب سے بہت مشابہ ہے چند وجوہ سے جن میں سے ایک وجہ تفسیر میں بیان کی گئی۔ ۱۲ منہ

بند کیا جاتا ہے مار پیٹی ہے سانپ بچھو ڈستے ہیں، روتا پیٹتا ہے چیختا ہے چلاتا ہے پاس والوں کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی نہ جسم پر ان خواب کی راحتوں یا تکلیفوں کا کچھ اثر نمودار ہوتا ہے۔ نہ خواب کی حالت میں ان خواب کے واقعات کو فرضی اور خیالی سمجھتا ہے بلکہ اصلی، بلکہ خواب کو بھی خواب بیدار ہو کر سمجھتا ہے۔ خواب میں تو اسی عالم کو اصلی حالت اور سچے واقعات سمجھتا ہے۔ یہی حال میت کا ہے۔ جب اس پر ادھر سے بے ہوشی ہوئی اور دوسرا عالم منکشف ہوا اور فرشتوں سے آمنا سامنا ہو گیا پھر کوئی بہاریں لوٹ رہا ہے۔ ملائکہ پاک صورت و حوریان مہر طلعت سے باتیں کر رہا ہے ان کے جلسوں میں بیٹھا ہوا ہے باغ قدس کی بہاریں دیکھ رہا ہے۔ کسی پر وہاں گرز پڑ رہے ہیں جہنم کی لپٹیں اس کو کھائے جاتی ہیں مکان تاریک و تنگ میں محبوس ہے سانپ بچھو ڈس رہے ہیں، روتا ہے چلاتا ہے مگر اس کے جسم پر کوئی اثر نہیں نہ جسم کے دیکھنے والوں کو کچھ دکھائی دیتا ہے پھر جس طرح خواب سے بیدار ہونے والا پھر ایک دوسرے عالم میں آتا ہے اور یہاں کے حالات دیکھ کر اس عالم کو عالمِ خواب و خیال سمجھتا ہے، اسی طرح مُردے جب سخت آواز سے خواب عدم سے جگا کر بیدار کیے جائیں گے تو ایک اور زندگی دیکھیں گے اور اٹھ کر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا کہ کس نے سوتے ہوئے ہم کو جگا دیا؟ اس لیے بارِ دگر زندگی کو زجرۃ واحدۃ ایک تند آواز سے وابستہ کیا جیسا کہ خواب سے بیدار کرنا ایک تند آواز سے ہوا کرتا ہے اور جیسا کہ اس عالم میں خواب سے بیدار ہوتا ہے اس لیے اُس عالم میں آوازِ تند سے بیدار ہونا بیان فرمایا۔

اور بھی موت کو اور مر کر بارِ دگر جینے کو انسان کی زندگی اور اس کے خواب اور اس کی بیداری سے مشابہتیں

وقف لازم

ہیں اور یہ کلام تخییلی نہیں بلکہ مقدماتِ حقہ اور یقینیہ پر مبنی ہے، اس لیے یہ ایک برہان یا حجت ہے جس کو ہر ایک ذی شعور سمجھ سکتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ

آپ کو کچھ موسیٰ کا بھی حال معلوم ہوا؟ جب کہ

نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

ان کے رب نے ان کو پاک وادیٔ طویٰ میں

طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ

پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ

اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ

کیونکہ اس نے سر اٹھا رکھا ہے پھر (جا کر) کہو کیا تو چاہتا ہے

اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى

کہ تو سُدھر جائے اور میں تجھے تیرے رب کی راہ

رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ

بتاؤں کہ تو ڈرنے لگے پھر موسیٰ نے اس کو بڑی

الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَ

نشانی دکھائی سو اس نے جھٹلایا اور

عَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ

نہ مانا پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا پھر لوگوں کو جمع کر کے

فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ

پکارا تو کہا کہ میں ہی تمہارا بڑا

الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ

معبود ہوں پھر تو اس کو اللہ نے آخرت اور

الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ

دنیا کی رسوائی میں گرفتار کیا بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ⓤ

ہر ایک ڈرنے والے کے لیے بڑی عبرت ہے۔

ترکیب

ھل استفھامیۃ او بمعنی قد والجملۃ مستانفۃ لبیان مسئلۃ النبوۃ اذ متعلق بحدیث لا باتٰك لاختلاف وقتیھما طوی قرئ بالتنوین وترکہ وھما سبعیتان فمن صرفہ جعلہ اسم وادٍ ومکانٍ وجعلہ نکرۃً ومن لم یصرفہ جعلہ بلدۃ وبقعۃ وجعلہ معرفۃ۔ وھو وادٍ بین الشام وقلزم وھو بدل من الواد اذھب ای قال اذھب وقیل ھو تفسیر للندا۔ تزکی قرأ الجمھور بالتخفیف وقرأ نافع وابن کثیر بتشدید الزای علی ادغام التاء فی الزای قال ابوعمرو بن العلا علی الاول معناہ تکون زکیا مؤمنا وعلی الثانی الصدقۃ۔ والیٰ متعلقۃ بمحذوف وھو رغبۃ او توجہ وھو مبتدأ لك خبرہ واھدیك معطوف علی تزکی منصوب بان والفاء فی فتخشیٰ لترتیب الخشیۃ علی الھدایۃ یسعیٰ حال من الضمیر فی یسعی نکال الاٰخرۃ ونصب النکال وجھان احدھما ھو مصدر لان اخذ ونکل بہ معناھما واحد والثانی ھو مفعول لہ ای اخذہ اللہ لاجل نکال الاٰخرۃ والاولیٰ۔ ورجح الزجاج القول الاول لعبرۃ اسم ان فی ذلك خبرھا۔

تفسیر

مسئلہ معاد پر دلائلِ عقلیہ بیان فرمانے کے بعد وہ دلائلِ نقلیہ بیان فرماتا ہے جن کا تعلق ایک جمِ غفیر کے مشاہدہ سے ہے یعنی سیکڑوں آدمیوں نے مُردوں کو زندہ ہوتے دیکھا ہے، اور جو چیز بظاہر قابلِ حیات نہیں اس میں حق سبحانہٗ نے روح پھونک دی ہے۔ اور یہ تاریخی واقعات (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اتباع کے عہد میں ان کی برکت و معجزات سے سرزد ہوئے تھے) عرب میں مشہور اور معروف تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال ھل اتٰك حدیث موسیٰ کہ کیا تجھے موسیٰ کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی۔ پھر دیکھو کیا ان کے وقت میں مردہ زندہ نہیں ہوا جس کا قصہ سورۂ بقرہ میں موجود ہے۔ اور نیز ان کے پاس ایک عصا تھا جو سانپ بن جاتا تھا۔ پھر مردہ کا زندہ کرنا خشک لکڑی کے سانپ بنانے سے کچھ بڑھ کر ہے؟ ہرگز نہیں۔

یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ نبوت کا ثابت کرنا بھی اہم مقاصد میں سے تھا اس لیے ایک مسلّم النبوۃ نبی کا ذکر کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مسئلہ معاد کو بھی ثابت کرتا ہے اور یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ اے قریش تم نے موسیٰ کا حال تو سُنا ہوگا وہ فرعون کے پاس ہماری طرف سے رسول بن کر گئے فرعون اور اس کی قوم اے قریش دولت و حشمت میں تم سے بدرجہا بڑھ کر تھے انہوں نے ہمارے رسول کا کہنا نہ مانا معجزات کو جھٹلایا پھر اس کا اور اس کے سرداروں کا یہ انجام ہوا کہ ہم نے ان کو دنیا اور آخرت کی رسوائی میں گرفتار کیا، دنیا میں قلزم میں ڈوب کر مرے، آخرت میں جہنم کی آگ میں پھینکے گئے۔ ان کے سرو سامان سب دھرے رہ گئے۔ اب تم جو ہمارے رسول کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہو جو فرعون نے موسیٰ سے کیا تھا سو تم بھی اپنے لیے دنیا و آخرت کی خواری کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ کا تذکرہ

حضرت موسیٰؑ کا حال اکثر سورتوں میں بہ تفصیل مذکور ہے مگر اس سورت میں جو کہ نزول میں ان سے مقدم ہے اجمالاً ذکر فرمایا گیا فقال اذ ناداہ ربہ بالواد المقدس طوی کہ جب موسیٰ کو اس کے رب نے یعنی ہم نے پاک جنگل میں جس کا نام طویٰ ہے اور کوہِ طور بھی وہیں واقع ہے پکارا۔ یہ مختصر کیفیت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ شہر مصر میں پیدا ہوئے تھے، بنی اسرائیل کے خاندان میں۔ فرعون نجومیوں کی اس خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جس سے تیری ہلاکت ہوگی ان کے ہر ایک بچے کو قتل کروا ڈالتا تھا۔ اس خوف سے موسیٰ کی ماں نے موسیٰ کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا وہ بہتا ہوا فرعون کے محلوں میں آنکلا اس کی بیٹی نے دیکھ لیا صندوق کھولا گیا تو چاند سا لڑکا دکھائی دیا۔ فرعون کے کوئی بیٹا نہ تھا اس کی بیوی نے ان کو بیٹا بنا لیا۔ ان ہی کے گھر میں ناز و نعمت سے پرورش پائی جوان ہوئے تو ایک بار بازار میں دیکھا کہ ایک فرعونی ایک اسرائیلی کو مار رہا ہے اسرائیلی نے موسیٰ سے فریاد کی۔ آپ مظلوم کے چھڑانے کو بڑھے، فرعونی باز نہ آیا تو اس کے آپ نے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا اس خوف سے کہ فرعونی اور فرعون مجھے نہ پکڑیں موسیٰؑ مصر چھوڑ کر قلزم پار شہر مدین میں آئے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ یہاں ان کی ایک بیٹی سے آپ نے شادی کر لی، آٹھ یا دس برس یہاں رہے اب مصر کا شوق ہوا اور سمجھے کہ اب اس قصہ کو لوگ بھول گئے ہوں گے بیوی بچے بھی ساتھ چلے۔ بیوی حاملہ تھیں رستہ میں ایک منزل پر وادیٔ طویٰ میں پہنچ کر راہ بھول گئے۔ سردی کا موسم تھا، رات ہو گئی تھی آپ نے دور سے ایک آگ کا چمکارا دیکھا بیوی اور غلاموں سے کہا تم یہیں ٹھیرو، میں آگ کے پاس جاتا ہوں، آگ لاؤں گا، تمہارے تاپنے کے لیے اور اگر آگ نہ ملی تو رستہ تو بتا دے گا رستہ پوچھ لوں گا۔ آپ اس مقام پر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت پر تجلی ہے اور ہر ایک شاخ و برگ سے ملائکہ کی تسبیح و تہلیل کی آوازیں آرہی ہیں، حضرت موسیٰؑ دیکھ کر حیران ہو گئے پھر ایک ایسا نور عظیم الشان متجلی ہوا کہ حضرت موسیٰ کی آنکھیں دیکھ نہ سکیں اور موسیٰ کو آواز آئی کہ اے موسیٰ میں رب العلمین ہوں قریب آ، یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسیٰ نے عرض کیا میرا عصا ہے فرمایا اس کو زمین پر ڈال دے ڈالا تو سانپ بن گیا موسیٰ ڈر کر پیچھے بھاگنے لگے، فرمایا ڈر نہیں اس کو اٹھا لے اٹھایا تو پھر عصا تھا۔ اور کہا اپنا دایاں ہاتھ تو بغل میں دبا کر نکال۔ نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے یا نشانیاں عطا کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے تجھے رسول کیا اذهب الی فرعون انہ طغیٰ شاہِ مصر کے پاس جا کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ بندگانِ خدا کو ایذا دیتا ہے نہایت بدکار ہے اور اس کے سبب سے اس کی قوم بدکاری کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے وہاں جا کر فقل هل لك الی ان تزکی اس سے کہہ کہ کیا تجھ کو اس بات کی رغبت و خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے تیرے اخلاقِ بد دور ہو جائیں اور تو ان تمام روحانی نجاستوں سے پاک و صاف ہو جائے اور پاک ہونے کے بعد واهدیك الی ربك تیرے رب کا تجھے رستہ بتاؤں۔

جب تک انسان روحانی نجاستوں میں آلودہ رہتا ہے اس کو اس کے رستہ تک بھی رسائی نہیں اس تک تو کجا۔ یہی تاریکیاں حجاب حاجز ہیں بندے کو خدا تک نہیں پہنچنے دیتیں، اول تزکیہ پھر تخلیہ ہے۔ اور صرف یہی بات نہیں کہ تجھے رستہ بتا دوں

وہاں پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ پہنچا ہی دوں کس لیے کہ کمالِ ہدایت ایصال الی المطلوب ہے نہ ارائۃ الطریق اور مرشدِ کامل جو مد ہدایت ۱ھر۱۱ میں مذکور ہیں ان کا یہی کام ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام ان میں فردِ کامل ہیں اس لیے فرمایا فتخشیٰ کہ پھر تو ڈرنے لگے کس لیے کہ دربارِ الٰہی میں جب پہنچ ہو جاتی ہے تو ہیبت کم زور ہو جاتی ہے اور جلالِ الٰہی کا پرتوا دل پر پڑتا ہے جس لیے بندہ ڈرنے اور لرزنے لگتا ہے جو بادشاہ کے دربار تک ہی نہیں پہنچا اس پر دربار کی کیا ہیبت پڑے گی خشیت دلیلِ وصال ہے اس مقام پر بجز گریہ کے اور کچھ نہیں بن آتا اے فرعون اگر تجھ کو ان سب باتوں کی رغبت ہے تو میں کوشش کروں۔ کیوں کہ طالب کے لیے ارادت شرط ہے ورنہ محرومی ہے۔

فرعون نے ارادت تو ظاہر نہ کی بلکہ انکار و مقابلہ کر کے پوچھا کہ راہ دکھانا اور درست کرنا تو بعد کی بات ہے پہلے اپنا رسول ہونا تو ثابت کیجیے ہم کس دلیل سے جانیں کہ تجھ کو خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے؟ اس لیے فاریٰہ الاٰیۃ الکبریٰ حضرت موسیٰ نے فرعون کو بڑی نشانی دکھائی۔ بڑی نشانی کیا تھی؟ بعض علماء فرماتے ہیں یدِ بیضا بعض کہتے ہیں عصا دکھایا کہ وہ سانپ بن گیا اور فرعون اور اس کے درباری ڈر کر بھاگنے لگے اور یہی قول قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں دونوں معجزے دکھائے ہر ایک کو آیتِ کبریٰ کہا جا سکتا ہے یہ اول ملاقات کا معاملہ ہے۔ اور بعد میں تو اور بہت معجزات دکھائے جن کا ذکر جلد دوم سورہ بقرہ کی تفسیر تاریخ بنی اسرائیل میں ہم کر چکے ہیں۔

مگر فرعون معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا بلکہ فکذب وعصیٰ جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ جادو ہے، میرے جادوگر اس سے بھی بڑھ کر دکھا سکتے ہیں اس لیے میں تیرا ان سے مقابلہ کراتا ہوں اور ایک روز مقرر کر کے تیرے مقابلہ کے لیے انہیں بلاتا ہوں چنانچہ اس نے ایسا کیا مگر جادوگر عاجز ہو کر ایمان لے آئے لیکن فرعون نے اس پر بھی خدا کی نافرمانی کی کہ ان جادوگروں کو ایمان لانے کے جرم میں مروا ڈالا۔ اس پر بھی بس نہ کی بلکہ ثم ادبر یسعیٰ اس نے اس کے بعد پشت پھیرنے یعنی نافرمانی میں کوشش کی اور بنی اسرائیل کو اور زیادہ تکالیف دینی شروع کر دیں اور یہ قصد کیا کہ موسیٰ تو کیا میں اس کے خدا کا مقابلہ کروں گا اس لیے اس نے ایک روز درباریوں کو جمع کیا فحشر اور جب سب جمع ہو گئے تو فنادیٰ منادی کی فقال انا ربکم الاعلیٰ کہ میں ہوں تمہارا بڑا رب نہ کہ موسیٰ کا خدا۔ بس تم موسیٰ کے کہنے میں نہ آنا میری اطاعت کرنا۔

فرعون اور اس کی قوم بت پرست تھی مگر فرعون اپنی سرکشی سے خصوصاً موسیٰؑ کے مقابلہ میں اپنے زور و قوت جتانے کو لوگوں کے سامنے کہتا تھا کہ میں بڑا رب ہوں تمہاری پرورش میرے ہاتھ میں ہے جس کو جس قدر چاہوں دوں جس کو چاہوں سزا دوں پھر اتنا اختیار میرے سوا کس کو ہے خداتعالیٰ کا محسوس نہ ہونے کے سبب قائل نہ تھا اس لیے وہ بے عقل اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔ ہندستان میں پہلے زمانوں میں راجاؤں کو معبود سمجھا کرتے تھے۔ یہی مصر کا دستور تھا۔

جب فرعون نے موسیٰؑ کی بات نہ مانی اور سرکشی میں ترقی کرتا گیا تو فاخذہ اللہ اس کو اللہ جبار و قہار نے پکڑ لیا اور کس بلا میں مبتلا کیا نکال الاٰخرۃ والاولیٰ

ـــــــ
۱ کس لیے کہ توریت سفر خروج کے (۷) باب میں یہی ہے ۱۲ منہ

آخرت کے عذاب میں اور دنیا کے عذاب میں۔ اُس روز اس کی ساری خدائی بوسیدہ ہوکر ہوا میں اُڑ گئی۔

اس گرفتاری کی تفصیل اور سورتوں میں موجود ہے کہ فرعون اپنا لشکر لے کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو گرفتار کرنے نکلا تھا۔ بنی اسرائیل قلزم سے پار اتر گئے دریا نے رستہ دے دیا بعد میں جو فرعون اور اس کا لشکر آیا تو سب غرق ہو گئے یہ تو دنیا کی رسوائی تھی آخرت کے لیے جہنم تیار ہے آخرت کو اس لیے مقدم کیا کہ دنیا کی رسوائی بمقابلہ آخرت کی رسوائی کے کچھ نہیں اصل عذاب و رسوائی وہیں کی ہے اس لیے اس کے اسباب سے بچنا چاہیے۔

ان فی ذلک لعبرۃ اس بیان میں عبرت اور نصیحت ہے مگر کس کے لیے؟ لمن یخشیٰ اس کے لیے جو خدا ترس ہے اور اس کے دل پر کفر اور بدکاری کی سیاہی چھا نہیں گئی ہے اس کو عبرت و نصیحت ہو سکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا فرمودہ غلط نہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ یقینی ہے ہو کر رہے گا ان سے مقابلہ کرنے والا انجام کار خراب ہوتا ہے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ مگر جو بدبخت ازلی ہے اس کو عبرت و نصیحت نہیں ہوتی کیسا ہی حادثہ ہو وہ اس کو ایک معمولی بات خیال کرتا ہے اب بھی خدا تعالیٰ کی آیاتِ قدرت وقتاً فوقتاً ہماری عبرت کو ظاہر ہوتی ہیں۔ وبا، بربادی خاندان، بجلی، ہوا، ژالہ باری وغیرہ مگر دل کے اندھے ان کو معمولی بات جانتے ہیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ

کیا تمہارا بنانا بڑی بات ہے یا آسمان کا؟

بَنٰىهَا ۞ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۞

جس کو اس نے بنایا جس کی چھت بلند کی پھر اس کو سنوارا

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾

اور اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی نکالی

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾

اور زمین کو اس کے بعد ہموار کیا

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾

(پھر) اس میں سے پانی اور چارہ نکالا

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا

اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ کیا تمہارے اور

لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

تمہارے چارپایوں کے برتنے کے لیے۔

ترکیب

انتم مبتدأ اشد خبرہ خلقا تمیز منہ السماء مبتدا والخبر محذوف ای اشد والتردید بین الجملتین بالہمزۃ و ام بناہا الجملۃ مستانفۃ وقیل حال من المحذوف قال الزجاج والفراء والکسائی تم الکلام عند قولہ بنہا لانہ من صلۃ السماء والتقدیر ام السماء التی بنہا بحذف التی رفع سمکہا مستانف لبیان البناء او صفۃ۔ سمك برداشتن وسقف خانہ وعع اض ۲ یقال سمک اسمد السماء سمکا۔ سموک بلند شدن یقال سنام سامک ای عال مرتفع۔ سمک بالتحریک ماہی۔ سماک سموک جمع (از صراح) غطش اغطاش تاریک کردن شب را وتاریک شدن متعدی ولازم (صراح) والارض منصوب بفعل محذوف ای دحی الارض وکذا الجبال ای وارسی الجبال قرئ بالرفع علی الابتداء۔ متاعا مفعول لہ او مفعول مطلق ای متع متاعا۔

تفسیر

منکرینِ حشر کو ان دلائل کے بعد یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ لکڑی کا سانپ بنانا اور دیگر حیوانات لایعقل کا ہر برسات میں پیدا کر دینا یا مینڈک کی مٹی سے مینڈک پیدا کر دینا اور بات ہے کلام انسانِ اشرف المخلوقات کے بارِ دگر زندہ ہونے میں ہے اس کا جواب دیتا ہے ءانتم اشد خلقا ام السماء کہ کیا تمہارا بنانا اول بار یا بارِ دیگر بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ یعنی جس قادرِ مطلق نے ایسا وسیع اور بلند آسمان بنایا اور اس میں یہ صنعتیں رکھیں اور جس نے زمین کو بنایا اور اس کو ایسا اور ایسا کیا اور اس میں سے انسان اور حیوان کی خورش پیدا کی جس کی قدرت اور حکمت کے ایسے بڑے نمونے موجود ہیں پھر اس کے نزدیک انسان کا بارِ دگر پیدا کرنا کون بڑی بات ہے؟ کس لیے کہ جو بڑی چیز جس میں بے انتہا باریکیاں رکھی ہیں پیدا کر دینے پر قادر ہے وہ چھوٹی چیز کے پیدا کر دینے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے خصوصاً جب کہ ایک بار اس کو پیدا بھی کر چکا ہو۔

اس کے بعد آسمان کی پیدائش اور اس کے اندر جو صنعتیں رکھیں ان کو بیان فرماتا ہے۔

اول رفع سمکھا کہ اس کی چھت کس قدر بلند کی زمین سے لاکھوں کوس بلند ہے نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔

دوم فسوّٰھا یہ نہیں کہ بے ڈول اس کو بلند کر دیا بلکہ ٹھیک کیا ہر موقع پر ہر چیز ہے۔ نہ اس میں شگاف ہے نہ ٹیڑھا ترچھا پن ہے۔

سوم واغطش لیلھا واخرج ضحٰھا اس کی رات اندھیری کی یعنی اس طور پر رکھا کہ گردش سے رات پیدا ہوتی ہے اور کبھی اندھیری ہوتی ہے اور پھر دوسری پلٹی میں دن پیدا ہوتا ہے کبھی روشنی پیدا ہو جاتی ہے؟ اور آسمان ہی پیدا کر کے نہیں بیٹھ رہا بلکہ والارض بعد ذٰلک دحٰھا اس کے بعد یعنی آسمان کے سنوارنے کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ پیدا تو اول زمین کو کیا اس کے بعد آسمان کو پیدا کیا اور اس کو ٹھیک کر کے زمین کو ہموار اور موزوں کیا۔

ان آیات اور سورۂ فصلت کی ان آیات ثم استوٰی الی السماء اور سورۂ بقرہ کی آیات ھو الذی خلق لکم ما فی الارض الخ و ان آیات قل ءانکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الخ میں کچھ تعارض نہیں۔ اس کی تشریح و تفصیل ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

اخرج منھا ماءھا ومرعٰھا زمین سے پانی نکالا کنوؤں اور چشموں سے اور چارہ پیدا کیا والجبال ارسٰھا اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ بنایا جس سے ڈگمگاتی نہیں۔ متاعا لکم ولانعامکم تمہارے برتنے اور آرام پانے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے اور کھانے کے لیے۔ پھر یہ مصالح زمین و آسمان میں جس نے ملحوظ رکھ کر ان کو بنایا ہے کیا وہ انسان کو بارِ دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾

پھر جب کہ وہ بڑا حادثہ آ موجود ہو

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾

جس دن کہ انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾

اور دیکھنے والوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ
پھر جس نے سرکشی کی ہوگی — اور دنیا کا جینا ہی
الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ
پسند کرلیا ہوگا — سو اس کا تو دوزخ ہی
الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ
ٹھکانا ہے — اور جو اپنے رب کے پاس
مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ
کھڑا ہونے سے ڈرا — اور دل کو خواہشوں سے
عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ
روکا — پھر بے شک اس کا
هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾
تو جنت ہی مقام ہے

ترکیب

فاذا شرط الطامة قال المبرد هي عند العرب الداهية طمم طم ڈرانباشتن (ع ع ف اض ۲) يقال فوق كل ذي طامة طامة و بريدن. والطامة قيامت (صراح) قال المبرد هي من قولهم طم الفرس طميما اذا استفرغ جهده في الجري وطم الماء اذا املأ النهر كله وقال الليث الطم طم البئر بالتراب وهو الكبس ويقال للشئ الذي يكبر حتى يعلو طم والطامة الحادثة تطم على ماسواها. كبير. و العامل في اذا جوابها وهو معنى قوله يوم يتذكر. قال الواحدي جواب اذا محذوف والتقدير اذا جاءت الطامة الكبرى دخل اهل النار النار واهل الجنة الجنة وقيل جوابها قوله فان الجحيم هي الماوى وكانه جزاء مركب على شرطين يوم يتذكر الظرف بدل من اذا وقيل من الطامة الكبرى. وبرزت معطوف على جاءت قرأ الجمهور يرى بالتحتية وقرأت عائشة و عكرمة ومالك بن دينار وزيد بن علي بالفوقية اي لمن تراه الجحيم فاما شرطية من موصولة طغى اصلتها و اثر معطوف على طغى آثر اختار فان الجحيم الجملة جواب الشرط هي الماوى له او الالف و اللام عوض عن المضاف اليه وقس عليه اما من خاف مقام ربه قيامه بين يديه وقال الجلال جواب اذا فاما من طغى الخ

تفسیر

آسمان و زمین کی بناوٹ میں اپنی حکمتِ بالغہ و قدرت کا ثبوت دے کر بظاہر تو یہ بات ثابت کی تھی کہ ہم انسان کے بار دیگر زندہ کرنے پر قادر ہیں اور ضمناً یہ بھی بتایا تھا کہ در اصل ہمیں مربی و رزق رساں ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے لیے یہ گھر بنایا جس کی چھت آسمان اور فرش زمین ہے اور جس میں تمہاری معیشت کے کل سامان ہیں پھر ہم ہی قابلِ پرستش ہیں ہمارے ساتھ عبادت و استعانت میں دوسرے کو شریک کرنا کمال ناشکری ہے اور ہماری عبادات و اطاعت شکر گزاری اور حق شناسی ہے۔ اس میں مسئلہ توحید کا بھی کامل ثبوت کر دیا گیا۔

اب یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہ دنیا کا گھر اور اس کی نعمتیں ہمیشہ کے لیے نہیں آخر ایک روز یہ گھر بگڑنا ہے اور تمہیں ایک دوسرے گھر میں جا کر سدا رہنا ہے جہاں انسان کو اس کی کوشش اور عمل کا نتیجہ نیک یا بد بھگتنا پڑے گا اور اس دار امتحان میں جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ پانا ہوگا اور اس گھر میں بسانے سے یہی

مقصود بھی تھا نہ کہ یہیں رکھنا اور یہ کب ہوگا فاذا جاءت الطامۃ الکبریٰ جب کہ بڑا حادثہ یعنی قیامت آئے ۔ طامۃ بڑا حادثہ جو اور سب حادثوں پر غالب ہو اور کبریٰ میں اور بھی تاکید ہے یہ موت کے حادثے اور دنیا کے جمیع حوادث انقلاباتِ سلطنت دریائی طغیانی پہاڑوں کی آتش فشانی قوموں کے زیر و زبر ہونے نئے مکانوں کے بننے پہلوں کے گرنے انسان کے بڑھاپے اور دولت مند و فقیر ہونے سب سے بڑھ کر ہے کس لیے کہ اُس حادثہ میں یہ تمام عالم ہی زیر و زبر ہو جائے گا یہ گھر فنا ہو جائے گا ۔ ان آیات میں پھر اس مسئلہ معاد کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور یہی خیال انسان کو نیکی پر اُبھارتا اور بدکاریوں سے روکتا ہے ۔

قیامت میں آسمانوں کا پھٹنا زمین کا فنا ہونا ، پہاڑوں کا اُڑتے پھرنا جو نفخ صورِ اول سے متعلق ہے توطیہ و تمہید ہے اور اصل مقصد انسان کا بارِ دگر زندہ ہو کر اپنے اعمال و ایمان کا بدلہ پانا ہے اس لیے طامۂ کبریٰ کے بعد جو قیامت ہے اس اصلی مقصد کو بیان فرماتا ہے ۔

فقال یوم یتذکر الانسان ما سعٰی یعنی جس دن کہ آدمی یاد کرے گا کہ اس نے دنیا میں کیا کیا تھا اس کو وہ قویٰ اور حواس عطا ہوں گے کہ جو کچھ آج دنیا میں کر کے بھول گیا ہے اس روز وہ سب یاد آجائیگا اور اعمال کا نیک و بد نتیجہ اپنی مناسب اشکال میں اس کو آنکھوں سے دکھائی دے گا و برزت الجحیم اور مظہرِ قہر الٰہی جس کو جہنم یا جحیم کہتے ہیں ظاہر ہو جائیگی لمن یریٰ ہر ایک دیکھنے والے کے لیے ۔ آج جو یہ تفرقہ ہے کہ اس کو اہلِ بصیرت حضرات انبیاء و اولیاء دیکھتے ہیں اوروں کو دکھائی نہیں دیتی اور اسی لیے شترِ بے مہار ہو کر لوگ لذات و شہوات میں گرے پڑتے ہیں اور اس کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور محسوس نہ ہونے کے سبب انکار کرتے ہیں اُس روز یہ نہ ہوگا ہر ایک کھلم کھلا دیکھے گا لمن یریٰ کے لفظ نے تعمیم کر دی ۔

پھر اس قہرمانِ الٰہی کے ظاہر ہونے سے یہ نہ ہوگا کہ تمام بنی آدم کو اس میں جھونک دیا جائے گا بلکہ فاما من طغٰی جس نے سرکشی کی دنیا میں کہ حد مقرر سے آگے پاؤں دھرا ۔ یہ لفظ جمیع گناہوں کو شامل ہے معاملات سے لے کر عبادات تک حکمِ الٰہی سے سرتابی تجاوز طغیان ہے ۔ یہ قوتِ نظریہ کے فساد کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اپنے نفس کو حقیر جانے گا اور ہر دم خداوند قہار و جبار کو انتقام پر قادر سمجھے گا پھر اس سے طغیان یعنی سرکشی سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوگا رہا مقتضیٰ بشری جس کے بعد توبہ و ندامت ہو وہ طغیان نہیں ۔

و اٰثر الحیٰوۃ الدنیا اور طغیان ہی پر بس نہیں بلکہ زندگی دنیا پر بھی ریجھ گیا ہو ۔ یہ قوتِ عملیہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے ۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دوسرے جہان میں جانے کا اس کو یقین نہیں ہوتا تو وہ رات دن اسبابِ عیش و آرام کے جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے خواہ حرام سے خواہ حلال سے کسی طرح سے ہو مال و زر زمین و جائداد پیدا کرنے کے خیال میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ پھر اس کے مقاصد کے حاصل کرنے میں کیسا ہی گناہ اور حق تلفی ہو پروا نہیں کرتا نہ جھوٹ بولنے

اور دغابازی کرنے سے حذر کرتا ہے نہ ظلم کرنے سے ڈرتا ہے اپنا شیوہ منافقانہ بنانا دنیاداری کے اصول میں سے جانتا ہے۔ پھر اس کو نماز و روزہ یاد اور کسی نیکی کی فرصت و مہلت کہاں؟ رات دن اسی میں رہتا ہے خواب بھی اسی کے دیکھتا ہے آخر اسی حال میں دنیا سے جاتا ہے فان الجحیم ھی الماوٰی تو لامحالہ دوزخ ہی اس کا مقام اور ٹھکانا ہوتا ہے۔ مرتے ہی وہ عالم برزخ میں اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کس لیے کہ یہ وہی تو اس کا طغیان و حب الدنیا ہے جو جہنم کی شکل میں ظاہر ہوگئی اور حشر میں اور بھی ظہور ہوگا۔

واما من خاف مقام ربہ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔ جو شخص اس خیال کو دل میں جگہ دے گا وہ ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہے گا اور یہ صفت وصف طغیان کی ضد ہے جس میں یہ صفت ہوگی وہ نہ ہوگی اور اسی خیال پر بس نہیں بلکہ ونھی النفس عن الھوٰی وہ نفس کو خواہش نفسانی سے بھی روکتا رہا۔ جس طرح وہ دونوں صفتیں جمیع قبائح اور الواث کو شامل تھیں اسی طرح یہ دونوں صفات جمیع طاعات و حسنات و تطہیر باطن و ظاہر و مکارم اخلاق کو شامل ہیں۔ اور ان نیک صفتوں میں سے اول دوسری کے لیے علت ہے کس لیے کہ نفس کی بدکاریوں سے لگام روکنا جب ہی ہو سکتا ہے
کہ جب یہ تصور کرلے گا کہ مجھے ایک روز خدائے جلیل ع ۲۰
وجبار کے سامنے کھڑا ہونا اور حساب دینا ہے خاف مقام ربہ میں قوت نظریہ کی تکمیل کی طرف اور ونھی النفس میں قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے ایسے پاک لوگوں کا فان الجنۃ ھی الماوٰی بہشت انجام ہے وہی ان کا مقام ہے وہ عالم قدس میں بادشاہت کیا کریں گے۔

سبحان اللہ ان دو آیتوں میں دار آخرت کا حال اور نیکی و بدی کا انجام اور اصول سعادت و شقاوت کس خوبی سے بیان فرما دیے۔ ان آیات میں تعمیم ہے کوئی کیوں نہ ہو جو ایسا ہوگا یہ انجام ہوگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ پہلے دونوں جملوں میں عامر بن عمیر کی طرف اشارہ ہے جو بدکار دنیا پرست تھا اور اخیر کے جملوں میں اس کے بھائی مصعب بن عمیرؓ کی طرف اشارہ ہے جو تارک الدنیا تہجد گزار تھے احد میں شہید ہوئے جن کے لیے پورا کفن بھی نہ تھا سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جو پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ

(اے رسول) آپ سے اس گھڑی کا حال پوچھتے ہیں کہ اس کا

مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيمَ أَنتَ مِنْ

کب وقت ہے؟ آپ کو اس کے ذکر کی

ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾

کیا پڑی اس کی خبر تو آپ کے رب کے پاس ہے

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشٰهَا ﴿۴۵﴾

آپ تو اس گھڑی سے اس کو ڈراتے ہیں کہ جو اس سے ڈرتے ہیں

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا

جس دن کہ اس کو دیکھ لیں گے تو (یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں) گویا ہم

إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

ایک شام یا اس کی صبح تک ٹھیرے تھے۔

ترکیب

ایان ظرف زمانی مبنی علی الفتح مبتدأ مرسٰها خبرہ

ای منتھیٰ قیامہا قال ابو عبیدۃ مرسی السفینۃ مستقرہا و الجملۃ بیان السوال فیم اصلہ فیما ای فی ای شئ خبر والمبتدأ انت۔ من ذکرھا بیان لای شئ والمعنی لست فی شئ من ذکر وقت القیامۃ انما یعلمہا اللہ تعالیٰ خاصۃ والاستفہام انکاری ورد لسوال المشرکین عنہا الیٰ ربک متعلق بثابت خبر منتھٰہا مبتدا ای منتھیٰ علمہا فلا یعلم تعیین وقتہا الا ہو والجملۃ تاکید للجملۃ الاولیٰ فی رد سوالہم وکذا انما انت الخ منذر مضاف الی من وہذا قراءۃ الجمہور وقریٔ بالتنوین قال الفراء کلاہما صواب کقولہ بلغ امرہ وموھن کید الکفرین وقال صاحب الکشاف الاصل ہو التنوین والاضافۃ تخفیف وکلاہما یصلح للحال والاستقبال کانہم کان اسماھم لم یلبثوا خبرہا یوم یرونھا ظرف لقولہ لم یلبثوا ای یظنون انہم لم یلبثوا فی الدنیا الا عشیۃ او ضحٰہا ای عشیۃ یوم او بکرتہ۔ وصح اضافۃ الضحیٰ الی العشیۃ لما بینہما من الملابسۃ اذ ہما طرفا النہار والاضافۃ عند العرب تصح بادنیٰ مناسبۃ یقولون آتیتک الغداۃ او عشیتہا واتیک العشیۃ اوغداتہا۔ والعشیۃ من الزوال الی الغروب الضحیٰ ہو البکرۃ الی الزوال۔

تفسیر

کفارِ عرب نے جب قیامت میں دوزخ کا ظاہر لایا جانا اور بدوں کا سزا اور نیکوں کا جزا پانا سُنا اور نیکی و بدی کا اصول بھی معلوم کیا تو بجائے اس کے کہ اصولِ حسنات پر عمل کرتے اور بدی کے رستے سے رُکتے خود قیامت کی بابت ہی سوال کرنے لگے ایان مرسٰہا کہ اس کا کون سا وقت ہے؟ یہ کمال نادانی ہے کس لیے کہ اگر طبیبِ حاذق کسی کو کہے کہ تمہارا مرض مہلک ہے علاج کرو ورنہ مر جاؤ گے تو احمق بیمار یہ پوچھے کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ کب مروں گا۔ حالانکہ اس کو اپنا مرض معلوم کر لینے کے بعد علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا، نہ کہ حکیم سے لایعنی سوال کرنا اور تمسخر سے پیش آنا۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے فیم انت من ذکرٰہا تجھے کیا پڑی ہو اس کا وقت ذکر کرے اول تو یوں کہ ان کو کچھ فائدہ نہیں کس لیے کہ وقوع سے پہلے وقت کی خبر کو کب سچا جانیں اور وقوع کے بعد کوئی تدبیر رہا تھ میں نہیں۔ دوم الیٰ ربک منتھٰہا اس کا علم اور وقت کی تعیین تیرے رب ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ ایسا حادثہ ہے جو تمام عالم کے ارکان کو درہم برہم کر دے گا اور اس کا سبب اس عالم کے سوا اور ہی کوئی ہے، پھر کسی علم اور قرائن سے کسی کو کیوں کر معلوم ہو سکے اور حق سبحانہ اس کی خبر اس لیے نہیں دیتا کہ کارخانۂ عالم درہم برہم ہو جائے گا بدوں کو نیکی سے باز رہنے کے لیے ایک یہ بھی حیلہ ملے گا کہ ابھی دل کھول کر شہوت پرستی کرو کیا ابھی قیامت آئی جاتی ہے؟ وہ تو بہت دور ہے۔

انما انت منذر آپ کا کام اے نبی خبردار کر دینا اور لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دینا ہے مگر آپ کے انذار سے نفع اسی کو پہنچے گا جو من یخشٰہا قیامت سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے ایک روز سامنے جا کر حساب دینا ہے وہی اپنے امراض کے علاج کے لیے روحانی حکیموں سے چارہ جوئی کرے گا۔

اور وہ کیوں اتنی جلدی کر رہے ہیں کانہم یوم یرونہا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰہا جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے تو اس جہان کی یہ زندگانی ایسی کم معلوم ہو گی کہ یوں سمجھیں گے کہ وہاں آدھے دن رہے تھے

صبح یا شام۔ بدحواسی سے پورے طور پر یہ بھی معلوم نہ رہے گا کہ کب تک رہے تھے اول دن یا پچھلے دن۔ دنیا کی عافیت کا خیال آئے گا تو صبح سے دوپہر تک رہنا خیال کریں گے کس لیے کہ یہ فرحت کا وقت ہوتا ہے اور جو تکالیف کا خیال آئے گا تو آخیر دن کا رہنا ڈھلتی پھرتی چھاؤں سا بیان کریں گے ⁂

سورۂ عبس

مکی ہے اس میں بیالیس آیات ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ⑴ اَنْ جَآءَهُ

(محمدؐ) اتنی بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا ترش رُو ہو گئے

الْاَعْمٰى ⑵ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ

اور منہ موڑ لیا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ

يَزَّكّٰىٓ ⑶ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ

سُدھر ہی جاتا یا نصیحت کی باتیں یاد کرتا یا وہ سوچتا سو

الذِّكْرٰى ⑷ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑸

اس کو نصیحت نفع دیتی لیکن وہ جو پروا بھی نہیں کرتا

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑹ وَمَا عَلَيْكَ

سو آپ اس کے لیے تو توجہ کرتے ہیں حالانکہ آپ پر اس کے

اَلَّا يَزَّكّٰى ⑺ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ

نہ سدھرنے کا کوئی الزام بھی نہیں لیکن وہ جو آپ کے پاس

يَسْعٰى ⑻ وَهُوَ يَخْشٰى ⑼ فَاَنْتَ

دوڑتا ہوا آئے اور وہ ڈر رہا ہے سو اس سے آپ

عَنْهُ تَلَهّٰى ⑽ كَلَّآ اِنَّهَا

بے پروائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کرو یہ

تَذْكِرَةٌ ⑾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑿

ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اس کو یاد کرے

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⒀ مَّرْفُوْعَةٍ

یہ (قرآن) مکرم بلند مرتبہ

مُّطَهَّرَةٍ ⒁ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⒂

مقدس صحیفوں میں نیک بخت لکھنے والوں کے

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ⒃

ہاتھوں میں رہتا ہے۔

ترکیب

ان جاء ای لان جاء مفعول لاجلہ والعامل فیہ اما عبس او تولی علی الاختلاف بین البصریین و الکوفیین فی التنازع والمختار مذہب البصریین لعدم الاضمار فی الثانی۔ اویذکر عطف علی یزکی داخل فی حکم الترجی معہ فتنفعہ قرأ الجمہور برفع المضارع عطفاً علی یذکر وقرئ بالنصب علی جواب التمنی فی المعنی تصدی التصدی الاصغاء۔ وقیل ہو تفعل من الصدی وہو الصوت ای لاینادیک الا اجبتہ و یجوز ان یکون الالف بدلا من دال ویکون من الصدد ہو الناحیۃ والجانب۔ قرأ الجمہور بالتخفیف علی طرح احد التائین تخفیفا وقرء نافع وابن محیصن بالتشدید علی الادغام وما علیک الخ ای لیس علیک باس فی ان لایزکی والجملۃ فی محل النصب علی الحال من الضمیر فی تصدی یسعی حال من فاعل جاء۔ وہو یخشی حال من فاعل یسعی علی التداخل او من فاعل جاءک علی الترادف تلہی والتلہی التشاغل یقال لہیت من الامر الہی ای تشاغلت عنہ وکذا تلہیت ولیس من اللہو۔ انہا

الضمیر الی الموعظۃ والضمیر فی ذکرہ للقرآن فی صحف حال من الھاء۔ وقیل الجار والمجرور نعت لتذکرۃ و مابینھا اعتراض وکذلک بأیدی الخ وقیل فی صحف خبرتان لانھا وماقبلھا اعتراض الاول تذکرۃ سفرۃ جمع سافر من السفارۃ وھو السعی بین القوم او من الکتابۃ قال الزجاج یقال للکاتب سفر بکسر السین وسافر لانہ یسفر ای یکتب۔ والاصل ان معناہ الاظھار یقال اسفر الصبح اذا اضاء۔ ویقال اسفرت المرءۃ اذا کشفت النقاب عن وجھھا وفی السفارۃ والکتابۃ یوجد ذلک المعنی ولذا یطلق علیھما بررۃ جمع بار۔

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بیالیس آیات ایک سوبیس کلمات پانسو پینتیس حروف ہیں اور اس سورت کا نام سورۂ عبس اس لیے ہے کہ اس کے نزول کا باعث عبوس یعنی ترش روئی تھی[1]

جملہ اولیٰ لعلہ یزکیٰ میں خود اس کی درستگی اور صلاحیت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جملہ او یذکر فتنفعہ الذکریٰ میں اس کی ترقی اور مرتبہ ارشاد و تکمیل تک پہنچ جانے کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ یذکر تذکیر سے ہے اور یہ لفظ قرآن میں دوسروں کے سمجھانے کے معنی میں اکثر وارد ہوا ہے پھر جب وہ اس مرتبہ میں پہنچ جائے گا تو اے محمد تیری نصیحت کا پورا نفع اس کو پہنچے گا چونکہ اس کی استعداد کا پورا حال کہ کمال ہی کے مرتبہ تک ہے یا تکمیل کے مرتبہ تک آں حضرتؐ وصحابہ کو معلوم نہ تھا گو اتنی بات معلوم تھی کہ یہ ہونہار ہے اس لیے بلفظ او ان دونوں جملوں کو ذکر فرمایا جو مانعۃ الخلو ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لعلہ کی ضمیر کافر کی طرف پھرتی ہے نہ کہ اعمیٰ کی طرف، تب اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اے محمد تجھے کیا معلوم کہ وہ کافر کہ جس کے سمجھانے کے لیے آپ اس قدر دردسری اور عرق ریزی کر رہے ہیں اور اس کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس اندھے کی بات کا جواب بھی نہیں دیتے۔ بلکہ

[1] مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو سمجھا رہے تھے اور ان کے بے جا سوالات اور کم بختیوں سے ملول ہو رہے تھے کہ اتنے میں ایک اندھا جس کا نام عبداللہ بن ام مکتوم تھا آیا اور آپ سے قرآن سننے کی التجا کی۔ آں حضرتؐ اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور اشرافِ قریش ہی طرف مخاطب رہے اور اس کے بار بار سوال کرنے سے پیں بہ جبیں ہوئے جس پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قدرے تہدید ہے کہ ہمارے نزدیک طالبِ صادق مرغوب ہے دولت مند اور مفلس کا کچھ لحاظ نہیں آپ نے طالبِ صادق سے اعراض کیا اور منہ بنایا آپ کو کیا معلوم کہ یہ اندھا سدھر جائے اور اس کا تقربات میں مرتبہ بالا ہو جائے اور دین کے بڑے بڑے ہادیوں میں سے ہو جائے گو بظاہر اندھا ہے مگر قلبی و روحی استعداد میں ممکن ہے کہ ہزار آنکھوں والوں سے بڑھ کر ہو جس سے وہ خود بھی درست ہو جائے اور درست ہو کر اوروں کی بھی اصلاح و تربیت کرنے لگے ۱۲ منہ

اس کے درمیانی سوال سے ترش رُو ہوتے ہیں) سمجھ ہی جائے گا اس کی خباثتِ کفر اس سے دور ہو جائے گی یا وہ سمجھا جائے گا اور اس کو تیری نصیحت سے نفع پہنچے گا؟ پھر جب یہ معلوم نہیں تو اس کی طرف اس قدر توجہ اور اس اندھے غریب سے کہ جس میں استعداد ہے بے اعتنائی کرنا کیا!

اس لیے فرماتا ہے اما من استغنیٰ فانت لہ تصدّیٰ[2] کہ جو تیرے ارشاد و ہدایت سے بے پروائی کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے عقائدِ فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ اور حیاتِ دنیا اور اس کے عیش و نشاط کو بہتر جانتا ہے آپ اس کے درپے ہو رہے ہیں کوشش کر رہے ہیں یہ سمجھ کر کہ اس کی بے پروائی اس کو اس دریائے ضلالت میں غرق کر دے گی اس کا پہلے تدارک کرنا چاہیے اور جو شوقین ہے اس کا شوق ضرور اس ورطۂ ضلالت سے بچالے گا۔

خلاصہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی حالتِ موجودہ کو دیکھ کر سخت بیمار کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے کس لیے کہ رحمۃ للعالمین کا تقاضا یہی تھا اور حق سبحانہ عواقبِ امور کو دیکھتا تھا کہ جو مریض قابلِ علاج اور اس میں شفا پانے کی صلاحیت ہے آپ اس کو چھوڑ کر اس لاعلاج مریض کی طرف کیوں اس قدر متوجہ ہوتے ہیں اگر وہ مرجائے تو مرجائے آپ کا ذمہ نہیں۔

اسی مضمون کو اس جملہ میں ادا فرمایا ہے وما علیک الا یزکّیٰ[1] اور تجھ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ کافر بے پروا درست اور پاک نہ ہو کس لیے کہ آپ کا کام تبلیغ ہے اب سدھرنا یا نہ سدھرنا استعدادِ ازلی پر موقوف ہے۔

اور تبلیغ کا مستحق یہ متکبر بے پروا منہ پھیرنے والا نہیں بلکہ واما من جاءک یسعیٰ الخ وہ جو شوق میں تیرے پاس دوڑتا آئے اور خداترس بھی ہو جیسا کہ ابن ام مکتوم، آپ کو ان سے متوجہ ہونا چاہیے مگر آپ کی رحم دلی اور شفقت اس کے برخلاف اس دوسرے گمراہ کی طرف متوجہ ہے جو جہنم کے کنارے کھڑا آپ کو دکھائی دے رہا ہے اس لیے آپ اس شوقین سے التفات نہیں کرتے فانت عنہ تلھّیٰ بلکہ اس سے منہ موڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

کلا ہرگز ایسا نہ کرو کیوں کہ حکمتِ الٰہی کا مقتضیٰ یہ نہیں کس لیے کہ انہا تذکرۃ یہ آیات تذکرہ ہیں یعنی خدا کے نام اور صفات و افعال واحکام اور اس کی جزا و سزا اور محبت و معرفت و خوف و رجا کو یاد دلاتی ہیں اور خدا سے ملانے کا رستہ بتاتی ہیں، سو یہاں خود طالب کی رغبت و ارادت درکار ہے یہاں یہ چاپلوسی اور التجا اور سر ہونا مفید نہیں من شاء ذکرہ جو چاہے اپنی رغبت اور شوق سے اس قرآن کو یاد کرے۔ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اس میں اس کی ذات و صفات و تہذیبِ نفس کے متعلق بہت کچھ ہے اور بالخصوص اس میں ایک تاثیر ہے کہ اس کے تلاوت کرنے والے پر ایک تجلی ہوتی ہے جس سے روح میں نورانیت اور بہیمیت کو شکستگی پیدا ہوتی

---

[1] یہ اس تقدیر پر کہ یزکی کو بصیغہ مجہول پڑھا جائے جیسا کہ بعض کی قراءت ہے ۱۲ منہ

[2] تصدّیٰ کان رکھنا۔ آواز جو خالی مکانوں اور خشک لکڑیوں سے سنی جائے۔ پیاس۔ بہرحال کوشش و سعی کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اسی لیے محرروں کو متصدی کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں کوشش و ہوشیاری کرتے ہیں ۱۲ منہ

ہے اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے القرآن حبل اللہ المتین کہ قرآن بندہ کے لیے خدا کی طرف سے ایک مضبوط رستا ہے جس نے اس کو پکڑ لیا بام سعادت پر چڑھ گیا۔ اور امام جعفر صادقؒ نے فرمایا ہے تجلی اللہ لعبادہ فی کلامہ ولکنھم لا یبصرون کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک بندوں کے لیے متجلّی ہوتا ہے لیکن بندے دیکھتے نہیں۔

اوصافِ قرآن

اب قرآن مجید کی چند خوبیاں بیان فرماتا ہے اور ضمناً کفارِ قریش پر تعریض بھی کرتا ہے جو نجاستِ کفر وفسق وحب شہوات میں آلودہ تھے اور ان کو قرآن عظیم کی طرف التفات نہ تھا اور وہ تعریض یہ ہے کہ یہ قرآن ایسے پاک ہاتھوں کا لکھا ہوا بلند شان اوراق میں ہے کہ ناپاک اور دنی لوگ اگر اس سے تنفر کریں اور اس کی خوبیوں سے ان کی آنکھیں اندھی رہیں اور ان کے ناپاک ہاتھ اس کو تلاوت کرنے میں مس نہ کریں تو کچھ تعجب نہیں اس لیے اے پیغمبر علیہ السلام آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ ظاہر کا اندھا روشن دل ہے وہی اس کا مستحق ہے۔ وہ اوصاف یہ ہیں۔

(اول) فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ کہ قرآن مجید گرامی قدر بلند شان صحیفوں میں ہے یعنی اوراق میں اس سے بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ کتب سابقہ میں (جو معزز اور بلند مرتبہ ہیں) قرآن مجید کے مطالبِ عالیہ موجود ہیں یا ان میں اس کا ذکر خیر ہے جیسا کہ فرمایا ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ اور ایک جگہ یہ آیا ہے وانہ لفی زبر الاولین اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ صحف مکرمہ مرفوعہ سے مراد وہ الواح نورانیہ ہیں جو آسمانِ ہفتم میں ہیں اور وہیں سے وقتاً فوقتاً قرآن مجید تھوڑا تھوڑا دنیا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا۔ مرفوعۃ کے معنی بلند سو وہ بھی بلند ہیں اور رفیع القدر بھی ہیں اور مطہرۃ پاک بھی ہیں کہ وہاں کسی ناپاک کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ بعض کہتے ہیں صحفِ مکرمہ ایمان داروں کے قلوب ہیں جن میں قرآن مجید بطور حفظ کے مکتوب و منقوش ہے نہ تحریف کو گنجائش ہے نہ کسی آفت کو رسائی ہے اور وہ دل خدا کے نزدیک مکرم و معظم ہیں اور پاک بھی ہیں نجاساتِ کفر و شرک و تلوثاتِ حبِ شہوات ان تک چھو بھی نہیں گئی ہے۔

(دوئم) بایدی سفرۃ کرام بررۃ وہ قرآن ناپاک اور خیانت آمیز ہاتھوں سے نہیں لکھا گیا بلکہ کاتبوں کے ہاتھ سے جو کرام یعنی بزرگ اور مقدس اور بررہ نیک ہیں۔ یا تو اس سے مراد ملائکہ ہیں اگر صحفِ مکرمہ سے مرادِ الواحِ نورانیہ ہیں۔ یا دنیا کے نیک اور باخدا لوگ جو قرآن کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا کرتے تھے نہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے کم و زیادہ کرتے تھے نہ کسی غرض سے اس میں ہیر پھیر کرتے تھے۔ خیانت اور خود غرضی ان کے پاس بھی نہ پھٹکی تھی۔

یہ دو وصف ایسے ہیں کہ جن سے قرآن مجید جمیع کتب پر فوقیت رکھتا ہے اور انہیں کے سبب آج تک اسی اصلی چمک دمک سے باقی ہے اس میں کوئی گرد و غبار پیدا نہیں ہوا نہ ہوگا۔ برخلاف اور کتابوں کے کہ ان میں ذلیل اور ناپاک اور ناخداترس ہاتھ بھی لگے ہیں اس لیے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ یہ وہی ہے جیسی کہ تھی۔ توریت و انجیل زبور میں جو کچھ تغیرات ہوئے ان کا کوئی منصف مزاج

اہلِ کتاب بھی انکار نہیں کر سکتا۔ رہی زند و اُستا اور دساتیر پارسیوں کی آسمانی کتاب اور ہندوؤں کی کتاب چاروں وید وہاں تو یہ بھی تحقیق نہیں کہ کس مصنف کی تصنیف ہیں اور وہ کہاں کے رہنے والے تھے ان کے ماں باپ کا کیا نام تھا کیا عمر تھی کیا کیا کرتے تھے اور بعدہٗ کس نے ان سے لیا اور کس طرح محفوظ رکھا۔ ان اوصافِ قرآنیہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب نفیس کاغذوں پر مطلّا حرفوں میں لکھے جانے اور عمدہ صندوقوں اور بلند طاقوں میں رکھے جانے سے معزز و محترم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں یہ خوبیاں نہ ہوں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝

انسان غارت ہو جائے کیسا ناشکر ہے

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝۱۲ مِنْ

اس کو کاہے سے بنایا؟ ایک

نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝۱۳ ثُمَّ

بوند سے اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ کیا پھر

السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ

اس کے لیے راہ آسان کر دی پھر اس کو موت دی

فَاَقْبَرَهٗ ۝۱۵ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝۱۶

پھر اس کو قبر میں رکھوایا پھر جب چاہے گا اس کو اٹھا کھڑا کرے گا

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝۱۷

جس چیز کا اس کو حکم دیا تھا اس نے اس کو پورا ہی نہیں کیا۔

ترکیب

قتل الانسان الجملۃ فی الظاہر خبر و فی المعنی انشاء وہی دعاء علیہ وہی من اشنع دعوات العرب لان القتل اشد مصائب الدنیا۔ والدعاء علی الانسان یلیق بالعاجز واللہ سبحانہ قادر فوجہہ انما اوردہ علی اسلوب کلام العرب ومحاوراتہم۔ ما اکفرہ صیغۃ التعجب والجملۃ انشائیۃ انما اوردہا علی محاوراتہم من ای شیء خلقہ استفہام والغرض زیادۃ التقریر فی التحقیر و من تتعلق بخلق من نطفۃ جواب الاستفہام والوقف علیہ جید۔ من تتعلق بخلق۔ خلقہ لا کلام مبتدأ لبیان خلقۃ الانسان السبیل منصوب بفعل مضمر یدل علیہ المذکور ای یسر السبیل یسرہ کلا ردع وزجر للانسان الکافر عما ہو علیہ من التکبر والاصرار علی الکفر۔ لما بمعنی لم و فاعل یقض عند الجمہور ہو الانسان وقیل اللہ تعالیٰ۔ و فاعل امر بالاتفاق ہو اللہ جل ذکرہ۔

تفسیر

کفارِ قریش کے بڑے بڑے متکبر و مغرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں حاضر تھے جب کہ ابن ام مکتوم آئے تھے اور اسی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ام مکتومؓ کا سوال ان کے اثناء وعظ میں برا معلوم ہوا تھا کہ اس غریب کی طرف متوجہ ہونے میں ان متکبروں کو برا معلوم ہوگا اور اسی لیے یہ ہدایت کے پانی سے محروم رہ جائیں گے، سو اس بات پر اول تو حق سبحانہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی کہ ایسے طالب صادق کی اور غریب آدمی کی خاطر شکنی نہ چاہیے تھی اور اب ان متکبروں کے مایۂ غرور کو باطل کرتا ہے۔

فقال قتل الانسان ما اکفرہ کہ مارا جائے انسان کیا ہی ناشکر ہے۔ ہم نے تن درستی دولت مال

اولاد اس لیے عطا کیا تھا کہ اس کا شکریہ ادا کرے اور ہماری طرف متوجہ ہو اور اس کو ہمارا عطیہ سمجھے نہ کہ اور غرور میں آکر ہمارے سامنے سرکشی کرے میرے فرستادوں کا کہنا نہ مانے غریب مفلس خدا پرستوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مجامعِ خیر وعظ و پند و عبادت میں بھی شریک ہونا عار جانے۔[1]

ف بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان سے مراد خاص اشخاص ہیں پھر بعض کہتے ہیں کہ عموماً کفار مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں ان میں سے خاص عتبہ بن ابی لہب مراد ہے جو بڑا متکبر تھا اور گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے ہے مگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی دولت مند متکبر ہو۔

ف خدائے پاک بددعا خاص محاورۂ عرب اور ان کے اسلوبِ کلام کے لحاظ سے کرتا ہے ورنہ وہ خود غارت کر سکتا ہے اور یہی حال تعجب کا ہے وہ خود جانتا ہے مگر یہ بھی اور اسی قسم کے جمیع الفاظ و جملے محاورے کے لحاظ پر ہیں کس لیے کہ جس زبان میں کلام کیا جاتا ہے اسی کے محاورات استعمال میں لانا فصاحت و بلاغت ہے۔

اس کے بعد انسان کے تکبر کو باطل کرنے کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے کہ من ای شیء خلقہ کہ انسان کو خدا نے کس چیز سے بنایا ہے؟ پھر آپ ہی جواب دیتا ہے من نطفۃ کہ ایک بوند یعنی منی کے ناپاک قطرہ سے، یہ حضرت کی اصل ہے جو بدن پر یا کپڑے پر لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہ ہو، پھر اس پر یہ غرور یہ فوں فاں کہ ہم چو من دیگرے نیست۔ پھر اس قطرہ میں کیا کاریگری کر کے انسان کو بنایا خلقہ فقدرہ اس منی کے قطرہ سے انسان کی آفرینش کی اس میں سے اعضاء بدن مناسب بنائے جان ڈالی رحم میں حیض مادر سے جو وہ بھی بے حس چیز ہے غذا پہنچائی۔ اے واہ آفرینش ایسی چیز سے کہ پیشاب کی راہ سے نکلی اور دوسری پیشاب گاہ کے راستہ سے رحم میں گئی، یہ ہے حضرت انسان کے وجودِ دنیاوی کی اصل جس پر یہ غرہ رہے۔

پھر پیدا کر کے یوں ہی بے کار ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ فقدرہ اس کا اندازہ کیا عمر کا اندازہ رزق کا اندازہ جو کچھ دنیا میں نیک و بد کام کرے گا سب کا اندازہ کیا رحم میں رہنے کا اندازہ کیا۔ ف اس میں تعقیبِ بیان کے لیے ہے نہ کہ تعقیبِ تقدیر کے لیے کس لیے کہ جب پیدا کیا تھا جب ہی بلکہ اس کے پہلے ہی اس کی سب باتوں کا اندازہ علمِ ازلی میں ہو چکا تھا۔ ابو درداءؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہر ایک بندے کے پیدا ہونے سے پہلے پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے اس کی اجل اور اس کے عمل (خیر و شر) اور اس کے سکون و قرار اور اس کی حرکت و اضطرار اور اس کے رزق سے (رواہ احمد) یہاں تک کہ انسان جو پیدا ہو کر بڑھتا ہے خواہ جسم میں ترقی کرے جیسا کہ لڑکا، یا

---

[1] آج کل یورپین عیسائی دین دار عبادت گاہوں میں بھی دیسی لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے تکبر سے شریک ہونا پسند نہیں کرتے چہ جائے کہ ساتھ کھانا اور بیٹھنا یہ دعویٰ دین داری اور یہ غرور اس سے موجودہ مذہبِ عیسوی کے پیرووں کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اب کہاں تک ان میں مذہبِ عیسوی کا اثر تام باقی ہے اور یہی حال رحم دلی عفت پرہیزگاری پابندیٔ عہد ادائے حقوقِ ہمسائگی کا ہے خوشبو چلی گئی اس کا دھبہ باقی ہے ۱۲ منہ

علوم و معارف میں ترقی کرے یا کسبِ اموال میں سب کچھ پہلے ہی سے مقدر ہو چکتا ہے۔ جسمانی حرکت میں کیا ممکن ہے کہ لڑکی لڑکے کے رستہ کو طے کرے جہاں جہاں بال برآمد ہونے قضا و قدر نے مقرر کر دیے ہیں وہیں سے برآمد ہوتے ہیں پھر اعضائے جسم کی بالیدگی میں ذرا بھی تناسب میں فرق نہیں ہونے پاتا کیا ممکن ہے کہ قویٰ نامیہ ناک کو ٹانگ کے برابر بڑھا دیں۔ یہ اندازہ ماں کے پیٹ میں رہنے سے پہلے ہو چکتا ہے۔

پھر جب اپنی عمرِ طبعی کا ایک زمانہ اس تنگ و تاریک مکان میں پورا کر چکتا ہے اور اب وہ مکان اس کی آئندہ ترقیوں کے قابل نہیں رہتا تو قضاء قدر اس کو اس تنگ رستہ سے باہر لاتی ہے ثم السبیل یسرہ اور اس تنگ رستہ کو اس پر سہل کر دیتی ہے نو مہینے کے پورے پاٹھے بچے کو خیال کرو اور عورت کے اندام نہانی کو خیال کرو کہ کیسا تنگ رستہ ہوتا ہے مگر پھر کس حکمت سے باہر نکالتے ہیں اول تو اندام نہانی میں نرمی اور قدرے وسعت رطوبات کے ذریعہ سے کر دیتے ہیں پھر بچہ بوقتِ ولادت ملہمِ غیبی کے کہنے سے پہلے سر باہر نکالتا ہے اور جہاں ایسا نہیں ہوتا بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں اختیارِ قضا و قدر ثابت کرنے کے لیے کبھی ایسا بھی کر دکھاتے ہیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سبیل سے مراد بالخصوص عضوِ مخصوص ہی نہیں بلکہ عام ہے اس کو بھی شامل اور پیدا ہونے کے بعد اور سب رستوں کو شامل، چنانچہ پیدا ہوتے ہی اس کو ماں کے پستانوں سے دودھ پینے کا رستہ آسان کر دیتے ہیں ہاتھ سے پستان پکڑ کے چوستا ہے اور بھوک کا اظہار اپنے رونے سے کرتا ہے اور منہ میں پستان کو کس انداز سے دباتا ہے کہ دودھ نکل آئے، پھر اس کی اور غذاؤں کا رستہ آسان ہوتا ہے کہ دانت برآمد کر دیتے ہیں جس سے روٹی ٹکڑا کھانا آسان ہو جاتا ہے۔

پھر اس کو معاش کے رستے آسان کر دیتے ہیں۔ حرفت، صنعت، زراعت، تجارت میں کیسی کیسی ایجادیں کرتا ہے اسی طرح تندرستی بیماری سفر و حضر مقابلہ اعداء بنائے مکان و دیگر اسبابِ آسائش کے طریقے اس کے لیے تا زیست آسان کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بری سفر کی آسانی کے لیے ریل اور بحری کے لیے دخانی جہاز بنا دیے یعنی اس کے بنانے کے علوم اس کے دل میں القا کیے۔ الغرض اس کے ہر ایک کمال تک پہنچنے کے رستے آسان کیے خیر و شر نفع و نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل عطا کی یہاں تک کہ راہِ آخرت کو اور راہِ وصولِ الی اللہ کو بھی (کتابیں اور انبیاء علیہم السلام بھیج کر اور مرشدوں اور ہادیوں کو قائم کر کے) آسان کر دیا۔ اور اسی طرح شقاوت کے رستے بھی بدنصیبوں کے لیے آسان کر دیے۔ کسی نے شراب ایجاد کی کسی نے اشعار اور مزامیر سے قویٰ شہوانیہ کو حرکت دی فواحش کے گلے میں بدکاری کا طوق ڈالا، دینیات سے غفلت کے پردے ڈالے نادیدہ امورِ آخرت پر توہمات کے پتھر برسائے شبہات کے عمیق گڑھوں میں گرے یہ سب رستے شقاوت کے ہیں ان کو بھی قضا و قدر نے آسان کر دیا۔ زانی کو جس طرح عورتِ فاحشہ کا ملنا آسان کر دیا اسی طرح با خدا کو رات میں جاگنا اور تہجد پڑھنا آسان کر دیا۔ بخیل کو پیٹ پر پتھر باندھ کر مال و زر جمع کرنا آسان کیا تو سخی کے لیے صرف کرنا، نامرد کو بھاگنا تو شجاع کو میدانِ جنگ میں کود پڑنا، پارسا کو پارسائی تو فاحشہ کو بیحیائی یہ تمامی حیاتِ دنیا کا مختصر سا نقشہ اس مختصر جملہ میں ختم کر دیا۔

اس کے بعد دوسرے عالم کا حال بیان فرماتا ہے فقال ثم اماتہ پھر اس انسان کو موت دی جیسا پیدا ہونا بے اختیاری تھا ویسا ہی مرنا بھی بے اختیاری ہے لاکھ تدبیر کرے کہ نہ مرے یا ضعف و پیری مرض وغیرہ اسباب کو نہ آنے دے یا آئے ہوؤں کو دفع کرے ہرگز نہیں کر سکتا۔ دنیا میں بڑے بڑے حکیم و دانش مند آئے، کلیں ایجاد کیں کہربائی قوتیں دریافت کیں بڑے بڑے علوم ایجاد کیے مگر موت کو دفع نہ کر سکے یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک بڑا نمونہ ہے اور یہ موت دوسرے جہان میں پہنچانے کا دروازہ ہے تاکہ جو کچھ اس دنیا کے کھیت میں اس نے بویا تھا اس کو کاٹے اور جو کچھ ان کمالات کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کی تھی ان کا ثمرہ پائے اور جو کچھ برے کام کیے تھے تن پروری و شہوت پرستی میں عمرِ گراں مایہ برباد کی تھی اب دیکھیے اس کا وہ محبوب جسم اور وہ لذائذ جسمانیہ کس طرح سے اس سے چھوٹتے ہیں اور پھر وہاں اس فعلِ بد کا کیا برا نتیجہ پاتا ہے۔

درحقیقت موت بھی ایک بڑی نعمت ہے اگر مدتوں جیے تو پھر زیست کی تلخی بھی ایسی دیکھے کہ الٰہی توبہ، چہ جائے کہ کبھی نہ مرے، اور نیز پہلوں کی وراثت پچھلوں کو نہ پہنچے آئندہ آنے والوں کے لیے دنیا تنگ ہو جائے۔ اور بالخصوص اہلِ سعادت کے لیے تو موت بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ یہی دنیا کی کشاکش اور مشقتِ عمل سے ان کو رہائی دیتی ہے اور اسی لیے یہ لوگ موت کے آرزو مند رہا کرتے ہیں کیونکہ دنیا ان کے لیے سخت قید خانہ ہے۔

چند برسوں رہ کر اس عالمِ جاودانی کو دیکھنے والوں یا یقین کرنے والوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے دل بھر جاتا ہے ؎

دلا تا کے درین کاخِ مجازی
کنی مانندِ طفلاں خاک بازی

الغرض جس طرح ماں کے پیٹ کی منزل سے ترقی کرنے کے لیے باہر آتا ہے اسی طرح اس منزلِ تنگ و تاریک سے بڑی ترقی کرنے کے لیے جاتا ہے یہ موت وہاں کی ولادت ہے۔ پھر اس کو موت دے کر نیست و نابود ہی نہیں کر ڈالتے بلکہ فاقبرہ اس کو قبر میں داخل کرتے ہیں۔

قبر کی کیفیت

قبر شرع میں عالمِ برزخی کا نام ہے خواہ کوئی دریا میں ڈوب جائے یا آگ میں جل جائے یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہے بہر حال اس کو قبر میں جانا ہوتا ہے، وہاں اس کو ثواب و عذاب بھگتنا پڑتا ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں رکھتا ہے تناسخ کے طور یا اور کسی طرح سے پھر کر اس جہان میں نہیں آتا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے نکل کر بارِ دگر اس میں نہیں جاتا۔

عُرف میں قبر اُس گڑھے کو کہتے ہیں کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے یہ بھی بندے کے لیے نعمت ہے جس کی تعلیم قابیل کے عہد میں ہوئی۔ اس سے پہلے جانوروں کی طرح لاش پڑی سڑا کرتی تھی کتے گیدڑ چیل کوے کھایا کرتے تھے، مرنے والے کی کمال بے حرمتی ہوتی تھی اور نفرت ہوتی تھی اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی تھی امراض پھیلتے تھے لوگ گھن کھاتے تھے پھر جب اس کو دفنا دیا تو یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ پردہ ڈھک گیا، یہ تعلیم بھی ایک انعامِ الٰہی ہے جس لیے فاقبرہ کے جملے میں یاد دلایا۔

پارسی یعنی مجوسی تو اب تک اپنے مُردوں کی لاش کو اسی جاہلانہ دستور کے موافق یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں صرف اتنی بات کرتے ہیں کہ ان لاشوں کے لیے ایک مکان بنا رکھتے ہیں کنوئیں کی طرح کا اور اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے اور لاش کو اس میں دھر کر وہاں سے چلے آتے ہیں گدھ اور چیل کوے اس کو کھاتے ہیں اور اس مکان کو یہ دخمہ کہتے ہیں۔ اور اکثر ہنود آگ میں جلا دیتے ہیں باقی اور تمام اقوام مسلمان عیسائی یہودی و دیگر اقوام خاک میں دباتے ہیں۔

جلانے سے دفنانا بہتر ہے

ہنود کہتے ہیں کہ دفنانے سے جلانا بہتر ہے، اول یوں کہ آگ پاک کر دیتی ہے اور زمین کو ناپاک کرنا ہے مردے کو سڑانا ہے جواب اس کا جواب یہ ہے کہ آگ پاک نہیں کرتی بلکہ فنا کرتی ہے اور جلانے میں مردے کی لاش کی بڑی بے حرمتی ہے، دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں دور دور بدبو پھیلتی ہے اور پھر راکھ پاؤں میں روندی جاتی ہے اڑتی پھرتی ہے ناپاک چیزوں پر بھی اڑ کر جاتی ہے اور پھر مردے کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا نہ دوستوں عزیزوں کو اس کی یادگار دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے کا موقع رہتا ہے نہ محبوں کو قبر دیکھ کر دل ٹھنڈا کرنے کی جگہ رہتی ہے۔ اور اسی لیے قبر میں دفنائی ہوئی میت کو اپنی لاش سے ایک روحانی تعلق باقی رہتا ہے اور یہی سبب ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی قبروں سے برکات و فیوض مشاہدہ ہوتے ہیں برخلاف جلا دینے کے کہ جسم سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور دھوئیں اور آگ سے ارواح کو آمیزش ہو کر شیاطین و جنات سے مشابہت ہو جاتی ہے۔ دفنانے میں اور بھی مصالح ہیں۔

اول یہ کہ انسان کا مادہ خاک ہے تو اس کو اس کی اصل خاک ہی کی طرف پھیر لانا چاہیے جیسا کہ فرمایا منھا خلقنکم و فیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃ اخریٰ یہ آگ سے نہیں بنا تھا کہ اس کو آگ کے حوالے کیا جاتا ہے۔

دوئم اس دفنانے میں انسان کے فطرتی سفر اور اس کے منازل اور ان کی مشابہت کو باقی اور برقرار رکھنا ہے برخلاف جلا دینے کے۔ کیونکہ ماں کا پیٹ اس کی ایک منزل تھی جس کے بعد وہ اس عالم میں آیا ہے اب یہاں کا سفر تمام کرنے کے بعد جب قبر میں دفنایا گیا تو گویا دوسرے جہان کی رستخیز کے لیے ایک اور نئے حمل میں آیا اس جہان کی سو پچاس برس کی عمر کے لیے حمل مادری نو مہینے کا کافی تھا مگر اس جہان کی زندگی ابدی ہے اس کے لیے حمل بھی ایسا ہی طویل و دراز مدت ہونا چاہیے پس نفخ صور ایک دروازہ ہے جس کے بعد حمل قبری سے لوگ پیدا ہو کر ایک ابدی جہان میں آئیں گے اور اسی لیے اس حمل قبری کے زمانے کو برزخ کہتے ہیں جو حیات دنیا اور حیات آخرت کے درمیان ہے اور اسی لیے کبھی اس کو خواب سے اور قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرتے ہیں اور قبر کو مرقد کہتے ہیں۔

سوئم جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو گویا حق سبحانہ اپنی ایک امانت و ودیعت رکھتا ہے پھر جس طرح اس کو پالا پرورش کیا جاتا ہے اسی طرح روح نکلنے کے بعد اس کو دفنانا اور زمین کے سپرد کرنا گویا امانت کو مالک کے حوالے کر دینا ہے اور امانات و خزائن کے لیے زمین ہی موضوع ہے نہ کہ آگ۔ انہیں معانی کو خیال کر کے ایک شاعر کہتا ہے ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

چہارم اپنے دوست یا بزرگ کی لاش کو آپ دہکتی آگ میں جلانا اور لاٹھیوں سے اس کی ہڈیوں کو چورا چورا کرنا علاوہ بے ادبی کے انسانی رحم دلی و مروت و محبت کے بھی برخلاف ہے۔ برخلاف اس کے باعزت و شان اس کو ایک شائستہ طور پر زمین میں دفن کرنا گویا اس کو ایک مکان یا تہ خانہ میں پہنچانا ہے۔

پنجم۔ دفنانے میں بسا اوقات بہت سی جانیں جو حکماء کے اشتباہ سے مردہ سمجھ کر دفن کر دی گئیں کسی وجہ سے جلد قبر کھل جانے پر زندہ نکل آئے اور پھر برسوں جیے، جلا دینے میں یہ احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ جو ظالموں نے کسی کو زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر یا قتل کر کے دفن کیا تھا موقع پر مطلع ہو جانے کے بعد لاش سے ملاحظہ جرم بھی ممکن ہے مگر جلا دینے میں تو پورا پورا اخفاء واردات ہے جس میں ستمگاروں کو اپنی اس وحشیانہ حرکت پر پورا اطمینان ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہ ہیں۔

پھر اس حمل قبر کے بعد جو ایک اور نئی زندگانی کی ولادت ہوگی اس کا حال بیان فرماتا ہے فقال ثم اذا شاء انشرہ کہ پھر جب چاہے گا اللہ تعالیٰ اس مردہ کو اس کی قبر سے زندہ کر کے کھڑا کر دے گا تاکہ اس جہان میں اس جہان کے اعمال خیر و شر کا پورا بدلہ پائے گویا یہاں آ کر اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان اپنی منزل مقصود کو پہنچ گیا اور اب یہاں سے اس کو اور کہیں نہیں جانا اسی لیے اُس جہان کے کارآمد افعال و اعمال و عقائد تعلیم کرنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے کہ ان سے خبر پا کر وہاں کے لیے بڑی سرگرمی سے تیاری کریں۔

لیکن کلا لما یقض ما امرہ کہ بے شک انسان نے پورا نہیں کیا جس کا اس کو حق سبحانہ نے بمعرفت انبیاء علیہم السلام اسی کی بھلائی کے لیے حکم دیا تھا۔ یا یوں کہو کہ انسان اس جہان کی نعمتوں کو دیکھ کر جو اس کو بے سابقہ عمل عطا ہوئیں یہ قیاس کرتا ہے کہ وہاں بھی بغیر عمل و ایمان یوں ہی نعمتیں ملیں گی، اس لیے اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ کلا ہرگز نہیں ایسا کبھی نہ ہوگا کس لیے کہ پہلے یہ مامور نہ تھا اب مامور ہوا نیک و بد کی تمیز دی گئی تعمیل احکام کی طاقت دی گئی اس پر جو اس نے نافرمانی کی مضر چیزوں اور برے کاموں کو عمل میں لایا عمدہ کو چھوڑا جن کا اثر اس کی روح پر پہنچا ضرور سزا و جزا پائے گا

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت کے یہ معنی ہیں ہرگز نہیں اللہ نے کبھی وہ قضا و قدر میں مقرر نہیں کیا ہی جو انسان اپنی خواہش سے اپنے لیے آپ تجویز کرتا ہی اور امر کرتا ہے کہ مجھے یوں ملے گا اور یہ پاؤں گا جیسا کہ ہنود و یہود عیسائی من گھڑت باتیں بتایا کرتے ہیں۔ انسان کی ابتدا و انتہا کن مختصر الفاظ میں بیان فرما دی۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾
پھر آدمی اپنی خورش ہی کو دیکھے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا
أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ
کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا پھر
شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا
ہم نے زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں
فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾
اناج اگایا اور انگور اور ترکاری

وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَّحَدَآئِقَ

اور زیتون اور کھجور اور گھنے

غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿٣١﴾

باغ اور میوے اور چارہ (اُگایا)

مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے کے لیے

ترکیب

انا قرأ الجمهور بالكسر على الاستيناف والكوفيون بالفتح على انه بدل من طعامه بدل الاشتمال لان نزول المطر سبب لحصول الطعام فهو كالمشتمل عليه او بتقدير اللام اى لانه والمعنى فلينظر الانسان الى انا صببنا الماء صبا وعنبا معطوف على حبا وانبات العنب باعتبار شجرته وكذا قضبا فيه قولان. الاول انه الرطبة وهى التى اذا يبست سميت بالقت و اهل مكة يسمونها بالقضب واصله من القطع وذلك لانه يقضب مرة بعد اخرى وهذا قول ابن عباسؓ والثانى هو قول المبرد انه العلف بعينه وبه قال الحسن البصريؒ قضيب. اقتضاب بریدن و اقتضاب الكلام ارتجاله وقضبه اى قطعه. تضب وقضبہ سپست مقضبہ سپست زار. قضیب شاخ درخت تضبان جمع ونرہ خر وغیر آں. تقضیب شاخ بریدن از درخت در بہار. قضابہ بالضم شاخ ریزہائے بریدہ افتادہ (صراح) ونخلا معطوف علیہ جمع نخلۃ وكذا حدائق جمع حديقة وهى البستان غلبا جمع اغلب وغلباء كما يجمع احمر وحمراء على حمر. يقال حديقة غلباء اى غليظة الشجر ملتفة ويقال رجل اغلب اذا كان عظيم الرقبة ويقال اسد اغلب لانه مصمت العنق وابا الاب هو المرعى قال صاحب الكشاف لانه يؤب اى يؤم وقيل الاب الفاكهة اليابسة لانها تؤب للشتاء اى تعد متاعا منصوب لانه مفعول له لانبتنا وقال الزجاج هو منصوب لانه مصدر مؤكد قوله فانبتنا لان انبات هذه الاشياء امتاع للانسان والحيوان.

تفسیر

قرآن مجید کی عادت ہے کہ کسی مقصد پر دلائل النفس کے بعد دلائلِ آفاق بیان فرمایا کرتا ہے تاکہ دل میں زیادہ اثر پیدا کرے یہاں غرورِ انسان کا ابطال کیا تھا اور مقصود تر اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار تھا کہ جس میں کسی کو بھی شرکت نہیں، جس سے ردِ شرک و اثباتِ توحید ہویدا تھا اور اس مقصود کے اثبات سے یہ مطلوب تھا کہ وہی خدائے قادر واحد لاشریک انسان کو مرنے کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے اور اس کے اعمالِ نیک و بد کی جزا و سزا بھی دے سکتا ہے۔

اس مقصود کے اثبات کے لیے پہلے پہلے وہ دلائل بیان فرمائے تھے کہ جن کا خود انسان کی پیدائش اور اس کے حالات سے تعلق تھا اب بیرونی دلائل بیان فرماتا ہے فقال فلینظر الانسان الی طعامہ کہ آدمی اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا ہے؟ انا صببنا الماء صبا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ بادل اٹھا اور بادلوں میں سے کس لطف کے ساتھ پانی برسایا۔ بادلوں کا پیدا کرنا اور پھر ان میں سے پانی برسوانا کیا اے بنی آدم تمہارے کسی علم و حکمت کا اثر ہے؟ ہرگز نہیں ثم شققنا الارض شقا پھر ہم نے حکمتِ بالغہ سے زمین کو پھاڑا کہ اس میں سے

سہولت سے گھاس اور جڑی بوٹیاں برآمد ہوتی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کا وجود آسمانی پانی سے ہے وہ بمنزلہ نطفہ انسانی کے ہے اور زمین بمنزلہ رحم کے ہے اور یہ نباتات مولود کے ہیں۔ پھر زمین کو پھاڑ کر فانبتنا فیہا حبا ہم نے اس زمین میں سے اناج نکالا یعنی جن سے دانہ پیدا ہوتا ہے جیسے گیہوں چنا جوار باجرہ جو انسان کے کھانے میں آتے ہیں۔

اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وعنبا انگور بھی اُگائے یعنی اس کی بیل بھی اُگائی انگور میں غذائیت بھی ہے کہ صرف اسی کو کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے اور میوہ پن بھی ہے اور پھر انگور سے سیکڑوں کارآمد چیزیں بنتی ہیں اور اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ وقضبا یعنی جن کو بغیر پکانے کے یوں بھی توڑ توڑ کر کھا جاتے ہیں جیسے مولی گاجر شلغم پیاز۔ کھیرا۔ ککڑی۔ خربوزہ۔ تربوز وغیرہ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وزیتونا یعنی زیتون بھی پیدا کیا کہ جس کا تیل بہت سے کام آتا ہے اور اس کی لکڑی سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اور ایسے بھی میوے پیدا کیے جو مہینوں رہ سکیں اور دور دراز ملکوں تک جا سکیں اور جن کو کھا کر انسان مدتوں زندہ رہ سکے یعنی ونخلا کھجور۔ یہ بھی بہت کام آتی ہے اس کا بھی کھانے کے سوا عمدہ سرکہ اور شراب بنتی ہے اور سال بھر تک اس کو رکھ کر کھا سکتے ہیں اس کی مٹھائی عمدہ عمدہ کھانوں میں پڑتی ہے۔

اور پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ وحدائق باغ پیدا کیے جن میں طرح طرح کے پھل اور پھول اور کارآمد میوے ہوتے ہیں اور باغ بھی کیسے؟ غلبا گھنے کہ جن کے سایہ میں سرور اور دل کو نور پیدا ہوتا ہے اور ان میں بڑے بڑے موٹے درخت پیدا کیے کہ میوے دینے کے علاوہ ان کی لکڑی عمارت اور دیگر اشیاء میں کارآمد ہوتی ہے۔ گاڑیاں بنتی ہیں صندوق بنتے ہیں اور پلنگ اور کرسیاں اور کیا کیا آرائش اور راحت کے سامان تیار ہوتے ہیں۔ اور باغ کے علاوہ وفاکھۃ اور بھی صحرائی میوے پیدا کیے جنگلوں اور پہاڑوں میں کیسے کیسے خود رَو درخت میوے دار ہیں اور کیسے کیسے عمدہ پیڑ اور جھاڑ ہیں صحرائی شریفہ اور کیلا اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو وہاں کے لوگ جانتے ہیں اور ان کے علاوہ وابا خود رَو گھاس اور چارہ بھی پیدا کیا۔

یہ سب چیزیں کس لیے پیدا کیں متاعا لکم تمہارے فائدہ اٹھانے کو ولانعامکم اور تمہارے چارپایوں گائے بیل۔ بھیڑ۔ بکری۔ بھینس۔ گھوڑے اونٹ کے لیے کہ وہ جانور ان چیزوں کو کھا کر زندہ رہیں اور تم ان سے فائدہ اٹھاؤ کسی کا دودھ پیو، بچے لو، کسی کے بالوں کو کام میں لاؤ عمدہ عمدہ شالیں اور دوشالے بناؤ اور کسی کو فربہ کر کے اس کا گوشت کھاؤ اور کسی پر سواری کرو اور کسی پر بوجھ لادو۔

اب ہر ایک بات کو غور کرو تو آپ معلوم ہو جائیگا کہ یہ کارخانہ خود بخود نہیں بن گیا ہے جیسا کہ دہریہ اور طبیعیہ کہتے ہیں ضرور تمہارا نور عقل تم کو رہنمائی کرے گا کہ ضرور بالضرور ان سب چیزوں کا خالق جس نے ہر ایک میں ایک کیا ہزاروں مصلحتیں اور قدرت کاملہ کے نمونے رکھے ہیں ان سب سے نرالا بڑا قادر و حکیم ہے اور اس کے علاوہ وہ اے بنی آدم تم پر رحیم بھی ہے کہ اس نے صرف تمہارے پیٹ بھرنے کے لیے کیسے کیسے سامان پیدا کیے۔

ع

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

این ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

پھر جس قادرِ مطلق نے آسمانی بوند سے یہ چیزیں بنائیں اور ایک بوند سے تم کو بنایا اور عرصۂ وجود میں کیسی کیسی پلٹیاں دیں ہر دن ایک نیا روپ اس کا بدلا اس کی ابتدا میں کچھ اور ہی قدرت کا جلوہ دکھایا اور اس
کے شباب میں اور ہی شان نمایاں کی اور اس کے اخیر ع ۴۲ ۵
میں جبروت کی اور ہی تجلی دکھائی۔ اس شے کو قدرت کا گھوڑا بنا کر اس کو میدانِ وجود میں کیسا دوڑایا۔ ہر شے پر قدرت کو سوار کیا وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے اسی میدان میں ٹکرا کر نیست و نابود کر دے گا یا اس کو کسی اور جہان میں نہ لے جائے گا؟ ضرور لے جائیگا انسان کی اندرونی اور بیرونی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ تیز رَو کہیں اور جانے والا ہے اور یہ دانہ قبر میں سے ضرور پھر اُگے گا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ
پھر جب کہ وہ شور برپا ہو جس دن
يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ
کہ انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے اور ماں
وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَ
باپ سے اور بیوی سے اور
بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ
اولاد سے (دور بھاگے گا) ہر شخص کی (اُس روز) ایسی حالت ہوگی
يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾
جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پروا کر دے گی (ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی)
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾
کتنے ایک چہرے تو اُس روز دمکتے
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾
ہنستے شادماں ہوں گے
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾
اور کتنے ایک مونہوں پر اس دن خاک پڑی ہوگی
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ
(اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی یہ
هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾
وہی منکر بدکار ہوں گے۔

ترکیب

فاذا حرف الشرط جاءت فعل الصاخة فاعل والجملة شرطية والجواب محذوف يدل عليه الكلام الآتي وهو لكل امرئ منهم الخ الصاخة الصيحة وسميت بها لشدة صوتها كانها تصخ الاذان اي تصمها فلا تسمع واصل الكلمة من الصخ وهو الطعن والصك يقال صخ راسه بحجر اي شدخه والغراب يصخ بمنقاره في دبر البعير اي يطعن - وهي النفخة الاخيرة - والفاء للدلالة على ترتيب ما بعدها على ما قبلها يوم منصوب بمقدر اي اعني ويكون تفسيرًا للصاخة اوبدل من اذا جاءت لكل امرئ منهم خبر شان يغنيه مبتدء يومئذ ظرف له والجملة مستانفة مسوقة لبيان سبب الفرار - وجوه مبتدء والنكرة لوقوعها في مقام التفصيل والتوزيع صلحت للابتداء يومئذ متعلق به مسفرة خبر اول ضاحكة خبر ثاني مستبشرة خبر ثالث ووجوه يومئذ مبتدء عليها غبرة خبر ترهقها قترة خبر ثان رهق بالتحریک برنشستن گرد بر چیزے و فرو پوشیدن (ع ک ا ف ۲) قوله تعالى ولا يرهق وجوههم قتر ولا ذلة وفي الحديث اذا اتى احدكم الشئ فليرهقه اي فليغشه ولا

ببعد منہ۔ وخود را بر حرام و تباہی داشتن یقال فیہ رہق و ستم کردن قولہ تعالیٰ فلا یخاف بخسا ولا رہقا ای ظلما۔ وسفاہت وطغیان قولہ تعالیٰ فزادوھم رھقا ای سفھا وطغیانا و نزدیک آمدن و دریافتن بچیزے را (صراح)

قترۃ قترۃ بفتحتین گرد و قتر جمع۔ تقتیر افتار کذلک و بوے بریان برانگیختن و بخور کردن زن و درویش شدن مرد۔

غبر غبار بالضم غبرۃ بفتحتین گرد۔ غبرہ بالضم تیرگی۔ (صراح)۔ قال زید بن اسلم القترۃ ما ارتفعت الی السماء والغبرۃ ما انحطت الی الارض۔ وقال ابن عباسؓ القترۃ سواد الوجہ۔ اولئک مبتدا۔ ھم الکفرۃ الخ خبر کفرۃ جمع کافر والفجرۃ جمع فاجر والفاجر المائل عن الحق۔

تفسیر

اور یہ کب ہوگا فاذا جاءت الصاخۃ جس دن کہ صاخہ آئے یعنی قیامت جس کے نفخ صور سے شور برپا ہوگا۔

ف قیامت کو اس کے اوصاف ہیبت ناک کی وجہ سے ہر ایک وصف سے یاد کیا گیا ہے کبھی اس کو طامۃ کبریٰ کبھی واقعۃ کبھی الحاقۃ کبھی القارعۃ کبھی الصاخۃ۔

وہ کیسا دن ہوگا اور کب اس کا ظہور ہوگا یوم یفر المرء من اخیہ جس دن کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا یعنی اس کی مصیبت میں شریک ہونا پسند نہ کرے گا اپنی ہی خلاصی کی پڑی ہوگی۔ وامہ اور اپنی مادر مہربان سے بھی آنکھیں چرائے گا۔ نا اہل تو دنیا میں بھی ماں سے منہ پھیر لیتے ہیں، بیوی اور اولاد پر فدا ہوتے ہیں۔ وابیہ اور اس کے بعد باپ کی طرف توجہ ہوتی ہے سو اس روز باپ سے بھی الگ ہو جائے گا۔ اس کی شفقت پرورش کا کچھ خیال بھی نہ آئے گا۔ وصاحبتہ اور بیوی کی بھی کچھ پروا نہ کرے گا۔ آج جس کو مال و عزت اور گھر کی تمام برکات کا خزانچی جانتا ہے حرام و حلال جو ملتا ہے اسی کے آگے لاکر دھرتا ہے اور اس کی عزت کے لیے جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے اور جو اس کی بڑی مونس درد و غم کی شریک اور بڑی دل ربا اور معشوق ہوتی ہے اس روز اس سے بھی منہ پھیر لے گا۔ وبنیہ اور پیاری اولاد اور محبوب لڑکوں سے بھی آنکھیں پھیر لے گا جن کے لیے آج دنیا میں خدا کو بھولا ہوا ہے اور رات دن انہیں کے لیے مال و زر جمع کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

ان آیات میں غالباً ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے کس لیے کہ سب سے اول انسان کو اولاد اور ان میں سے نرینہ اولاد پیاری ہوتی ہے اس کے بعد بیوی پھر اس کے بعد باپ کہ جوانی میں بوڑھے باپ کا ترکہ ملنے کی امید ہوتی ہے اس کے بعد ماں اس کے بعد بھائی سو ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک جو کچھ اس کے لخت جگر اور محبوب دلی ہیں اور جن کی محبت و ہمدردی ایک فطری بات ہے خاص لوگوں کے سوائے جس کو دیکھو انہیں کی محبت میں سرگرداں ہے اور انہیں کے خیال کی بھاری بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے، اس روز ایسی آپا دھاپی ہوگی کہ ان سے بھی کنارہ کرے گا اور کسی کے بدلے آپ سزا پانا ہرگز قبول نہ کرے گا بلکہ اپنے حسنات میں سے حصہ دینا بھی گوارا نہ کرے گا۔ جب ان سے یہ حال ہوگا تو اور رشتہ داروں دوستوں ہم وطنوں کی تو کیا پروا ہوگی۔

یہی مضمون اور کئی ایک جگہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے ولا یسئل حمیم حمیما یبصرونھم۔ لا یغنی مولیٰ عن مولیٰ شیئا وغیرہا من الآیات۔

اور کیوں ایک دوسرے کی پروا نہ کرے گا لکل امرئ منهم یومئذ شان یغنیه کہ ہر ایک شخص ان مذکور لوگوں میں سے اپنی ایک ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ حالت اس کو دوسروں سے بے پروا کر دے گی اپنی پڑی ہوگی دوسرے کی خبر نہ ہوگی۔ اور مصیبت میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

ف یہ حالت کب ہوگی؟ قیامت میں اُس وقت کہ قہر و جبروتِ الٰہی کا ظہور ہوگا اور دروازہ شفاعت کا نہ کھلا ہوگا، ہر ایک نبی نفسی نفسی کرے گا سب اوّلین و آخرین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آکر عرض کریں گے کہ آج آپ جو سب کے باپ ہیں شفاعت کیجیے وہ کہیں گے نوح کے پاس جاؤ اسی طرح وہ کہیں گے ابراہیم کے پاس جاؤ، وہ کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ، وہ کہیں گے عیسیٰ کے پاس جاؤ، وہ کہیں گے حضرت محمد مصطفیٰ کے پاس جاؤ آج اس کے قابل وہی ہیں پھر سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے، آپؐ شفاعت کریں گے آپؐ کی شفاعت قبول ہوگی پھر اور انبیاء و اولیاء و صلحاء شفاعت کریں گے اور حساب شروع ہوگا۔

تب وجوہ یومئذ مسفرة اس دن بہت سے منہ روشن ہوں گے خصوصاً جب کہ ان کو نعیمِ جنت اور عطاء کا ملنا معلوم ہوگا یہ نیک لوگ ہوں گے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ یہ وہ ہوں گے جو رات کو اندھیرے میں نماز پڑھا کرتے تھے یا جن کے چہروں پر اللہ کی راہ میں غبار پڑا تھا یا جن کے چہروں پر سعادت کے حاصل کرنے اور اعمال کی مشقت بھوک پیاس کی شدت اور خوفِ الٰہی سے تیرگی پیدا ہوئی تھی یا آثارِ وضو سے ضاحکة مستبشرة ہنستے ہوں گے بشاش ہوں گے حساب سے فارغ ہو کر جنت میں جاتے وقت جو دنیا میں خوفِ الٰہی سے روتے اور غفلت و اعمالِ بد پر غمگین ہوں گے، وہ اس روز ہنستے اور بشاش ہوں یہ اہلِ سعادت کا ہوگا۔

اس کے بعد اہلِ شقاوت کا حال بیان فرماتا ہے و وجوہ یومئذ علیها غبرة کہ بہت مونہوں پر اس روز غبار پڑا ہوگا جو نعیمِ دنیا میں چپڑے چکنے چہرے رکھتے تھے اور خدا سے غافل تھے ترهقها قترة اور جہنم اور اعمالِ بد کی سزائیں سامنے دیکھ کر چہروں پر سیاہی چڑھ جائے گی یا پھٹکار کی سیاہی۔ یہ کون ہیں اولئك هم الكفرة الفجرة یہ کافر بدکار ہیں۔ کفر اور اس کے ساتھ بدکاری اور بھی غضب ہے۔ سبحان اللہ انسان کی ابتداء اور حالتِ حیات و ممات و دورِ آخرت کی کیفیت کن مختصر الفاظ میں کس دل کش انداز سے بیان فرمائی۔ یہ کمالِ اعجاز ہے۔

سورۂ تکویر

مکیہ ہے اس میں انتیس آیات ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَاِذَا

جب کہ سورج دُھندلا ہو جائے اور جب کہ

النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٢ وَ

ستارے دھندلے ہو جائیں اور

اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ وَاِذَا

جب کہ پہاڑ اُڑتے پھریں اور جب کہ

الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَاِذَا

گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جب کہ

[1] العشار، دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں ۱۲ منہ

الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَاِذَا
جنگلی جانوروں میں رول پڑے اور جب کہ

الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦ وَاِذَا
دریاؤں میں جوش ہو اور جب کہ

النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝٧ وَاِذَا
جانوروں کے جوڑے لگائے جائیں اور جب کہ

الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِاَیِّ
زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جائے کہ کس

ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝٩ وَاِذَا الصُّحُفُ
گناہ پر ماری گئی تھی اور جب کہ نامۂ اعمال

نُشِرَتْ ۝١٠ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝١١
کھولے جائیں اور جب کہ آسمان کی نیلی[1] چادر اُتاری جائے

وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَ
اور جب کہ دوزخ دہکائی جائے اور

اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝١٣ عَلِمَتْ
جب کہ بہشت پاس لائی جائے (تب) ہر شخص

نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝١٤
جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

وعند الاخفش والکوفیین یجوز رفعہ بالابتداء۔ وقس علیہ البواقی والتکویر الجمع۔ ماخوذ من کار العمامۃ علی راسہ یکورھا والمراد ذہاب نورہا ولذا قیل فی التفسیر ای ظُمِستْ قال الآخرون انکشفت۔ وقیل معنی التکویر الطرح والسقوط قال الاصمعی یقال طعنہ فکورہ اذا صرعہ فقولہ اذا الشمس کورت ای القیت ورمیت عن الفلک وقیل انہا ماخوذۃ من الفارسیۃ یقال للاعمیٰ کور۔ کورت ای جعلت اعمیٰ انکدرت ای تساقطت وانقضت یقال انکدر الطائر من الہوی اذا انقض واصل الانکدار الانصباب۔ العشار جمع عشراء کنفساء۔ جمع نفاس وہی التی اتی علی حملہا عشرۃ اشہر وہی انفس الاموال عند العرب عطلت ای ترکت ہملا بلا راع وبلا حلب۔ حشرت جمعت من کل ناحیۃ وکل شیء من دواب البر لا یستانس فہو وحش والجمع وحوش سجرت قرئ بالتخفیف والتشدید۔ قال القشیری ہو من سجرت التنور اسجرہ سجراً اذا احمیتہ نشرت ای فتحت وبسطت للحساب لانہا تطوی عند الموت وتنشر عند الحساب کشطت والکشط القلع عن شدۃ۔ کشط برہنہ کردن وجل از پشت ستور برگرفتن قشط لغۃ فیہ۔ (صراح) سعرت سعر افروختن آتش وحرب ازلفت زلف پیش شدن (صراح)

ترکیب

اذا شرطیہ وکذا ما بعدہا وجواب الکل علمت نفس الخ الشمس مرفوع بفعل محذوف یفسرہ ما بعدہ لان اذا تطلب الفعل وہذا عند البصریین وصاحب الکشاف

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ وابن عمرؓ وابن زبیرؓ وعائشہؓ بھی فرماتے ہیں اس سورت کی انتیس آیات ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

[1] یعنی اب جو نیلی چادر اوڑھے ہوئے ہے نیلا دکھائی دیتا ہے یہ اتار لی جائے اور آثار قہر سے سرخ ہو جائے ۱۲ منہ

جس کو یہ منظور ہو کہ قیامت کو آنکھ سے دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔ (اخرجہ احمد والترمذی وحسنہ وابن المنذر والطبرانی والحاکم) یعنی ان سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا گیا ہے۔

ربط اس سورت کا سورۂ عبس سے یہ ہے کہ اس میں قیامت کا ہولناک واقعہ اخیر میں بیان ہوا تھا کہ اس روز بھائی بھائی سے اور بیٹا باپ سے اور ماں سے اور خاوند بیوی سے اور باپ بیٹوں سے بھاگے گا۔

اوّل حادثہ

اب اس سورت میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاخہ کہ جس روز یہ ہوگا کب ہوگا اور اس مصیبت کے اسباب کیا ہوں گے؟ فقال اذا الشمس کورت جب کہ آفتاب لپیٹا جائے یعنی اس کی روشنی جو پھیلی ہوئی اور تھان کی طرح دنیا میں سفید چادر بچھی ہوئی ہے تہ کر دی جائے اور آفتاب بے نور پنیر کی ٹکیہ سی رہ جائے استعارہ ہے اس کے بے نور ہونے سے۔ یا یہ معنی کہ پھینک دیا جائے اور توڑ دیا جائے کس لیے کہ تکویر لپیٹنے اور پھینکنے کو بھی کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ تخریب عالم کے لیے بارہ نشان بتائے گئے ہیں کہ جب یہ بارہ چیزیں ہوں گی تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ ان بارہ میں سے چھے تو وہ ہیں جو صور اول کے بعد ہوں گے اور چھے صورِ دوئم کے بعد ہوں گے۔ اور ان بارہ حوادث کے بعد اس دنیا کا کچھ بھی نام و نشان باقی نہ رہے گا اور نفوس انسانیہ کا اس منزل سے یک لخت تعلق منقطع ہو جائے گا اور یہی تعلقات اس کے جہل و بے خبری کے اسباب ہیں پھر جب یہ نہ رہیں گے تو انکشافِ تام اور ظہورِ کلی ہو جانے کے سبب ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اس دنیا کی اندھیری رات میں کیا کیا تھا کوئی بات مخفی نہ رہے گی۔ یہ ہے ان حوادثِ دوازدہ سے علمت نفس ما احضرت کا تعلق اور شرط سے جزا کا ارتباط۔

ان چھے میں سے جو نفخ صورِ اول کے بعد واقع ہوں گے سب سے بڑا حادثہ آفتاب کا بے نور ہو کر گر پڑنا اور نیست و نابود ہو جانا ہے۔ کس لیے کہ اس دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اس کے وجود پر قائم ہے روشنی میں انسان ہر چیز کو دیکھتا ہے اور محسوسات میں امتیاز کرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ دن میں حس کے حواس منتشر زیادہ ہوتے ہیں اور اسی سبب سے رات میں اہلِ مراقبہ و اہلِ ریاضت اپنی نسبتِ باطنی کی ترقی کیا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رات میں عشاق اور بیماروں کو اور ہر ایک مبتلائے مصیبت کو اپنا درد زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی باعث ہے کہ ساحر اور تاثیراتِ نفسانیہ کے عامل اپنا عمل رات میں زیادہ مؤثر پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آفتاب کی حرارت اور تاثیر سے سیکڑوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں انقلاباتِ عظیمہ واقع ہوتے ہیں۔ تغیرات ظہور کرتے ہیں اشیاء کی عمر اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا آفتاب ہی کے سبب سے ہے۔ یہ دنیا کا چراغ ہے یہ نہ ہو تو اندھیر ہے اور انہیں باتوں کو مستقل تاثیر سمجھ کر بہت سی قوموں نے پرستش شروع کر دی اور سورج دیوتا کہنے لگے اور ہزاروں منتر اس کی مدح میں بن گئے۔ ہنود کا گائتری منتر اسی کی بے حد مدح میں ہے جو عمدہ عبادت خیال کی جاتی ہے۔ ہنود کے علماء کو اقرار ہے کہ آفتاب کیا بلکہ عناصر کی مدح اور احکام کی پرستش سے وید بھرے پڑے ہیں۔ آریہ فرقہ وید کو چھپا کر

جو تاویلاتِ رکیکہ کرتا ہے اس پر وہ پنڈت ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شرم ناک دھبہ کو یہ تاویلات مٹا نہیں سکتیں۔

اس میں آفتاب پرستوں اور نیز ان طبیعیوں اور دہریوں کا بھی کامل رد ہے جو آفتاب کو پوجتے اور دہر میں اسی کو علتِ فاعلیہ سمجھتے ہیں اور اس کو قدیم اور ابدی خیال کرتے ہیں کہ تمہارا معبود ایک روز یوں لپیٹ کر دھر دیا جائے گا۔ آفتاب زمین سے لاکھوں حصہ بڑا ہے جب یہ خراب ہوا تو پھر زمین کی خیر نہیں۔

دوسرا حادثہ

آفتاب کے بعد ستارے ہیں ان کے اجرام کی عظمت بھی زمین سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں درجہ زیادہ ہے لیکن وہ آفتاب سے کم ہیں اگر آفتاب نظر نہ آئے تو یہ ستارے بھی آسمان کی زینت اور روشنی کے قنادیل اور تاثیرِ مختلفہ پیدا کرنے کے اسباب ہیں اس لیے ان کی حالت بھی بیان فرماتا ہے واذا النجوم انکدرت اور جب کہ تارے جھڑ پڑیں گر جائیں۔ (یہ دوسرا حادثہ ہے) نجم کے لفظ سے روشنی اور ظہور سمجھا جاتا ہے اس لیے ان کے لیے لفظ انکدرت استعمال ہوا جس میں تیرگی کے معنی ہیں یعنی بے نور اور دھندلے ہو جائیں اور کوکب بھی تارے کو کہتے ہیں مگر اس لفظ میں جڑے رہنے اور جمے رہنے کے معنے ہیں اس لیے کواکب کے ساتھ انتثرت کا لفظ استعمال کیا جس کے ظاہر معنی ہیں جھڑ پڑیں یعنی فرمایا واذا الکواکب انتثرت۔

تیسرا حادثہ

جب آفتاب اور ستارے نہ رہیں گے تو کرۂ زمین بھی رخصت ہوگا اس لیے یہ تیسرا حادثہ بیان فرماتا ہے فقال واذا الجبال سیرت اور جب کہ پہاڑ چلائے جائیں یعنی وہ اُکھڑ کر روئی کے گالوں کی طرح اِدھر اُدھر اُڑتے پھریں۔ جب آفتاب کی یہ حالت اور ستاروں کی یہ نوبت ہوگی تو گویا دنیا کی چھت برباد ہو چکے گی اور زمین کا فرش جس کے لنگر یا میر فرش پہاڑ ہیں وہ یوں اُڑتے پھریں گے تو پھر اہلِ زمین کو کس جائداد اور کس تجارت اور کس مال کی آرزو باقی رہ جائے گی اور کس کی حفاظت اور روک تھام کریں گے؟ کسی کی بھی نہیں بلکہ اپنی ہی پڑی ہوگی

چوتھا حادثہ

اس مضمون کو اس جملہ میں ادا کرتا ہے۔

واذا العشار عطلت اور جب کہ حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یوں ہی بے کار و بے مہار ماری ماری پھریں گی کوئی پرسانِ حال بھی نہ ہوگا اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مال ہے اور خصوصاً گابھن اونٹنی جو بچہ دینے کو ہو اور بھی نفیس اور مرغوبِ دل مال ہے اس کی حفاظت و نگہداشت بہت کچھ کیا کرتے ہیں اس لیے گابھن اونٹنیوں کے بے کار رہنے کا ذکر کیا، یہ چوتھا حادثہ ہے۔ اس میں ایماء ہے کہ جس مال کے جمع کرنے میں یوں عقبیٰ برباد کر رہے ہو اس کی ایک روز یہ حالت ہوگی اور یہ طبعی بات ہے دنیا میں جب کوئی سخت بیمار یا مبتلائے مصیبت ہو جاتا ہے ایسا کہ بے کل ہو جائے اور چین نہ پڑے اس وقت نہ روپیہ اچھا معلوم ہوتا ہے نہ عورت کی طرف رغبت رہتی ہے۔ نہ گھوڑے

بیل اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ مکان و جائداد کا دھیان رہتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عشار سے مراد پانی بھرے بادل ہیں کہ اس روز وہ معطل ہوں گے۔

پانچواں حادثہ

اور جب یہ حالت ہو جائے گی تو انسان کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش و حواس بجا نہ رہیں گے واذا الوحوش حشرت اور جب کہ جنگلی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے غیر جنس سے گریز کرتا ہے ہرن شیر سے بکری بھیڑیے سے ان سب پر بوقتِ نفخ صور یہ ہول و دہشت طاری ہوگی کہ سب جنگل اور پہاڑ چھوڑ کر آبادی میں پناہ لینے کے لیے آ جمع ہوں گے۔ اور اب بھی جب رَو آتی ہے یا جنگل میں آگ لگتی ہے ایسے جانور جو انسان سے بھاگتے ہیں امن کی جگہ جمع ہو جاتے ہیں شیر اور جنگلی ہرن وغیرہ کو ایک جا دیکھا گیا ہے۔ مصیبت میں نفرت اور باہمی عداوت کافور ہو جاتی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حشر کے روز وحوش بھی ان کے باہمی قصاص و فیصلہ کے لیے جمع ہوں گے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ وحوش کے حشر سے مراد ان کا مرنا ہے، عرب کہتے ہیں حشرتہم السنۃ جب کہ لوگوں کے مال اور جان قحط سے تلف ہوں۔

چھٹا حادثہ

اس کے بعد چھٹے حادثہ کو بیان فرمایا ہے واذا البحار سجرت اور جب کہ دریا گرم کیے جائیں۔ دریا کا گرم ہونا اور جوش میں آنا اس کی طغیانی سے عبارت ہے۔ پھر جب کہ صور پھنکے گا اور زمین ہلے گی اور پہاڑ اڑیں گے تو جس سطح ارض پر سمندر ہے وہ کب ساکت ہوگا اس کا تموج اور جوش بھی بے حد ہوگا کہ خشکی پر پھیل پڑے گا اور زمین کے حیوانات و انسان بلکہ بڑی بڑی بلند چیزوں کو ڈبو دے گا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بے حد تموج سے اس میں ایسی مفرط حرارت پیدا ہوگی کہ پانی مستحیل ہو کر ہوا ہو جائیگا اور ہوا مستحیل ہو کر آگ بن جائے گی۔ پانی نے تو آفت برپا کی ہی ہوگی پھر ہوا ہو کر اور بھی دنیا کو درہم برہم کر دیگا اور پھر آگ ہو کر اور بھی ستیاناس کر دے گا۔ الغرض یہ تینوں عنصر جو آج دنیا کی آبادی کا باعث ہیں یہی خرابی کا باعث ہو جائیں گے نہ آسمان رہا نہ ستارے نہ سورج نہ پہاڑ نہ انسان و حیوان نہ سمندر۔ گویا ان چھتے حادثوں سے جو نفخ صور اول سے ہوں گے دنیا کا اور اہلِ دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اعتراض

مگر ان چھتے حوادث کی ترتیب ذکر میں بعض نکتہ چینوں کو اعتراض ہے کہ جب یہ معاملہ نفخ صورِ اول کا اور ستارے بے نور ہو جائیں گے اور پہاڑ اڑتے پھرینگے تو اس وقت عشار یعنی گابھن اونٹنیاں اور وحوش موجود ہی کب ہوں گے جو ان کو معطل اور محشور ہونا کہا جائے۔

جواب

اس کا جواب بہت آسان ہے وہ یہ کہ ان حوادث میں خدائے پاک نے ترتیب وقوع کا اظہار نہیں فرمایا کہ اول یہ ہوگا پھر یہ ہوگا اور محض ایک کے بعد دوسرے کے ذکر کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ دوسری شے اول کے بعد ہی واقع ہو۔ چونکہ سورج کا بے نور ہونا ایک بڑی عظیم الشان بات تھی اس لیے اول اس کو ذکر کیا

گو وقوعہ اس کا آئندہ مذکور چیزوں کے بعد ہو، اسی طرح اس کے بعد ستاروں کا جھڑنا بے نور ہونا بڑی بات تھی اس کو ذکر کیا جب علویات کے ذکر فساد سے فراغت ہوئی تو اس کے بعد سفلیات کا بطلان وفساد ذکر فرمایا اور سفلیات میں پہاڑ بلند اور بڑے مستحکم اور ثابت القدم معلوم ہوتے ہیں، ان کی بے ثباتی اور اُڑنا پھرنا ذکر کیا حالانکہ یہ ممکن ہے کہ پہاڑ پہلے اڑ چکیں اور زمین کے وحوش وطیور مر چکیں تب آفتاب اور ستارے بے نور ہوں، اور اس کے بعد انسان کا بدحواس ہونا اور اپنے مرغوب مال سے بے خبر ہو جانا اور وحوش میں کھلبلی پڑ جانا اور سب کا مجتمع ہونا بہ نسبت پہاڑوں کے اڑتے پھرنے کے ایک کم مرتبہ چیز ہے اس لیے اس کا ذکر پیچھے کیا حالانکہ یہ انسان کی بدحواسی اور وحوش کی بدحواسی پہلے ہوگی۔ کس لیے کہ جب صور کی آواز قدرے بھی بلند ہوگی انسان تو جب ہی بدحواس ہو کر اونٹ اونٹنیوں سے بے خبر ہو جائے گا اور حیوانات اور جنگلی جانوروں میں رول پڑ جائے گی پھر ذرا اور آواز بلند ہوگی تو یہ سب مر جائیں گے پھر آواز بلند ہوگی تو دریاؤں میں تموج ہوگا اور وہ اُبل پڑیں گے چونکہ دریا کا گرم ہونا کسی قدر اب بھی بعض مواقع پر ہوتا ہے گویا ایک معمولی سی بات ہے حالانکہ اس روز اس کو بدرجہا بڑھ کر ہوگا اس لیے اس کو انسان کی بدحواسی اور وحوش کی کھلبلی کے بعد ذکر کیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تموجِ بحر کے بعد انسان وحیوانات کی موت اور بدحواسی ہو۔ پھر جب اور بھی زیادہ بلند آواز ہوگی تو زمین لرزے گی اور پہاڑ ٹوٹ جائیں گے اور ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوا کے تموج سے ہو جائیں گے۔ پھر زمین کا خاتمہ ہو چکے گا تو علویات کی بربادی ہوگی، آفتاب بے نور ہو کر گر پڑے گا پھر ستارے گر پڑیں گے۔

پھر جب سب فنا ہو جائیں گے اور ایک معلوم المقدار عرصہ فنا کا گزر چکے گا تو حق سبحانہ پھر اسرافیل کو صور پھونکنے پر مامور کرے گا اور پھر بار دیگر ہر چیز ایک نئے وجود سے زندہ ہوگی اور یہ وجود ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس لیے اس وقت کے ان چھ حوادث کو ذکر کرتا ہے جن کا ذکر نفوسِ انسانیہ کو اکتسابِ حسنات وتحصیلِ سعادت کی طرف اُبھارتا ہے۔

اول حادثہ

واذا النفوس زوّجت اور جب کہ نفوسِ انسانیہ کے جوڑے لگیں۔ اول تو نفوس یعنی ارواح کا ان کے اجسام سے پھر جوڑا لگے پھر جسموں میں روح پھونکی جائے اور گویا روح کی جسم سے پھر ایسی شادی اور بیاہ ہو کہ باہم پھر جدائی نہ ہوگی۔ اس کے بعد ہر ایک جنس اور نوع کا باہم جوڑا لگے نیک جدا کھڑے ہوں تو بد جدا، پھر نیکوں میں نمازیوں کی قطار مجاہدوں کی قطار جدا جدا ہو۔ علیٰ ہذا القیاس اور سب سے اول تین جماعتیں قائم ہوں کما قال وکنتم ازواجاً ثلثۃ۔ ایک اصحٰب الیمین کی دوسری اصحٰب الشمال کی تیسری سابقین کی۔ اس کے بعد نفوسِ انسانیہ کا نفوسِ سماویہ وارضیہ سے جوڑا لگے تاکہ قوتِ ادراکِ خیر وشر کا پورا بدلہ پائے۔ اور ہر نفس اپنے اعمالِ خیر وشر کی صورتِ مثالیہ سے بیاہا جائے۔ اور ہر نیک کا حور العین سے جوڑا لگے، تمام جزاوسزائے آخرت کو یہ ایک لفظ وسیع المعنی حاوی ہے۔

دوسرا حادثہ

اس کے بعد چند مہتم بالشان امور کو بیان فرماتا ہے

و اذا الموءودۃ سئلت اور جب کہ زندہ گاڑی ہوئی
لڑکی پوچھی جائے بای ذنب قتلت کہ کس گناہ
میں ماری گئی تھی! خواہ سوال مظلوم لڑکی سے ہو خواہ
قاتل ظالم سے. بہرحال اس کی بازپرس ہوگی. عرب
کے جاہل اور مغرور لوگ ننگِ دامادی یا خوفِ
افلاس سے لڑکیوں کو زندہ گڑھے میں ڈال کر مٹی دیدیا
کرتے تھے ان کو سُنایا جاتا ہے کہ ایک روز تم سے
پوچھا جائے گا کہ کس جرم پر اس معصوم کو قتل کیا یا
اس مظلوم داد خواہ سے دریافت ہوگا. یہ ایسا
پُراثر بیان ہے کہ اس کے بعد عرب سے یہ رسم یک لخت
موقوف ہوگئی. یہ دوسرا حادثہ ہے.

تیسرا حادثہ

و اذا الصحف نشرت اور جب کہ نامۂ اعمال
کھولے جائیں اور حساب شروع ہو اور کہا جائے کہ
پڑھئے یہ صحائف ان معمولی کاغذوں پر معمولی رسم الخط
سے نہ ہوں گے بلکہ ایک انجلا و انکشافِ صورِ اعمالیہ
کا ہوگا جس کا مجموعہ ایک صحیفہ ہے یا جو کچھ اس کی حقیقت
عند اللہ ہو برحق ہے.

چوتھا حادثہ

و اذا السماء کشطت اور جب کہ وہ آسمان
جو بارِ دیگر نفخ صورِ ثانی کے بعد قائم ہوگا اس کو کھولا جائے
یعنی جس طرح جانورِ مذبوح کی کھال کھینچ لینے سے اس کا
گوشت و اندرونی اعضاء ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح
آسمان کا حجاب مرتفع ہو جائے اور مکنونات خیالاتِ
فلک کہ اشیاء کی صورتِ مثالیہ ہیں متجلی و منکشف
ہو جائیں اور ملائکہ نازل ہونے شروع ہوں جو
عدالتِ حشر کے کارندے ہوں گے. یہ چوتھا
حادثہ ہے.

امام رازی کشطت کے معنی اسی کے قریب
قریب بیان فرماتے ہیں حیث قال ای کشفت و
ازیلت عما فوقہا وھو الجنۃ وعرش اللہ کما
یکشط الاھاب عن الذبیحۃ والغطاء عن
الشئ یعنی کھولا جائے اور اس کے اوپر کی چیز جو جنت
اور عرشِ الٰہی ہے ظاہر کیا جائے جیسا کہ کھال ذبیحہ
سے اتاری جاتی ہے اور پردہ کسی چیز سے دور کیا
جاتا ہے.

لفظِ کشطت کو ابن مسعودؓ نے
قشطت قاف سے بھی پڑھا ہے اور کاف کی جگہ قاف
کا استعمال زبانِ عرب میں بہت جگہ ہوتا ہے
جیسا کہ کافور، قافور اور لبکت الثرید و لبقتہ.

پانچواں حادثہ

جب آسمان کھل جائے گا اور جو کچھ عالمِ بالا میں
ہے (جو خزانۂ غیب ہے) ظاہر ہوگا اور انسان کے
اعمالِ نیک و بد کی صورِ مثالیہ بھی ظاہر ہوں گی تو
اول بدوں کے لیے و اذا الجحیم سعرت دوزخ دہکائی
جائے گی بنی آدم کے گناہوں کا ایندھن جو اس میں
پڑا سُلگ رہا تھا اب جزا کا وقت آگیا غضبِ
الٰہی کا شعلہ اس کو بھڑکائے گا اور عدل و انتقام
کی آگ اس ایندھن کو دہکائے گی پھر تو وہ جوش
مارے گی کہ الٰہی توبہ اس کے جوش و خروش اور
شعلوں کی لپیٹ کی آواز دور دور سے سنائی دیگی
کما قال وھی تفور تکاد تمیز من الغیظ اور بڑے
بڑے انگارے اور چنگاریاں باہر آپڑیں گے. کما
قال انہا ترمی بشرر کالقصر کانہ جملت صفر اس کے
دیکھنے سے لوگوں کی جان پر بن جائے گی اور بالخصوص

مجرم تو اس حالت کو دیکھ کر حواس باختہ ہو جائیں گے اور دنیا کی چند روزہ لذات و شہوات پر ہزاروں نفرینیاں کریں گے کما قال واسروا الندامۃ لما رأوا العذاب یہ پانچواں حادثہ ہوگا۔

چھٹا حادثہ

اور اسی طرح اہلِ حشر کے لیے جنت سامنے لائی جائے گی کما قال واذا الجنۃ ازلفت اور جنت قریب لائی جائے گی۔ اب جو عالمِ غیب میں آنکھوں سے اوجھل ہے اور اسی لیے کورِ باطن اس کا انکار کرتے ہیں اُس روز وہ حاضر ہو جائے گی اور تختِ عدالت کے قریب لاکر رکھی جائے گی یہاں تک کہ اس کے نعیم اور وہاں کے بے حد اسباب آسائش و تجمل نظر آئیں گے بدوں کو اور بھی مصیبت ہوگی کہ حسرتیں کریں گے اور اس سلطنتِ جاودانی کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا الم دلوں کو عذابِ جہنم سے کم نہ ہوگا خصوصاً جب کہ ان غریبوں مفلسوں کو کہ جن کی عبادت و تقویٰ پر تمسخر کیا کرتے اور ان کو بہت ہی ذلیل و خوار سمجھتے تھے یہ دیکھیں گے کہ کس اکرام و اعزاز سے جنت کے لیے منتخب کیے جا رہے ہیں اور ان دنیا کے عزت داروں سرداروں نازو نعمت میں پرورش پانے والوں پر جوتیاں پڑ رہی ہیں ملائکہ گھسیٹے ہوئے جہنم کی طرف مارتے ہوئے چلے جاتے ہیں، اب نہ کوئی دنیاوی یار ہے جو حمایت کرے نہ مال و زر ہے جو کام آئے یہ چھٹا حادثہ اور بھی جانکاہ ہوگا۔

تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک شخص جان لے گا کہ وہ دنیا سے کیا لایا؟ کیا اعمالِ نیک و بد کیونکہ یہ حجاب اٹھ جائے گا۔

ف بعض مفسرین (صوفیہ) نے ان بارہ حوادث کو انسانی حالات پر محمول کیا ہے جو بوقتِ مرگ ظاہر ہوں گے اور مرگ قیامتِ صغریٰ ہے اس وقت اس کو نیک و بد معلوم ہو جائے گا۔ آفتاب کا بے نور ہونا روح کا تعلقات جسمانیہ سے دست بردار ہونا ہے اور ستاروں کا بے نور ہونا اس کے حواس اور قویٰ کا بے کار ہونا ہے۔ اور پہاڑوں کا اُڑنا اس کی بنیادِ جسم کا ہل جانا اور اس کے بڑے بڑے ارادوں کا باطل ہونا ہے اور گابھن اونٹنیوں کے بے کار ہونے سے مراد انسان کی قریب الحصول تمناؤں کا بے کار ہونا ہے۔ اور وحوش کا جمع ہونا اس کے نفرت انگیز کاموں کا تصور اور ان کی صورتیں سامنے آنا ہے اور دریاؤں کا گرم ہونا اور جوش مارنا اس کی حسرات و آرزوؤں کا بطلان اور خیالات کا انتشار ہے کہ ہر ایک بے کنار دریا ہے اور نفوس کا جوڑا لگنے سے مراد ملکاتِ مکسوبہ کا ان کی مناسب چیزوں سے ارتباط ہے۔ ظلمانی ملکات کا ظلمانی چیزوں سے اور نورانی ملکات اور علوم و معارف کا نورانی چیزوں سے جوڑا لگایا جاتا ہے اور موؤدہ سے مراد وہ انسانی قویٰ و مدارک ہیں جو اس کے اندر ودیعت ہیں جن کو زندہ گاڑ دینا کہنا استعارہ ہے، ان سے سوال ہوگا کہ ان کو برمحل صرف کیا تھا یا بے محل جس نے بے محل اور بے موقع خدا داد قوت کو صرف کیا گویا زندہ معصوم بچہ کو قبر میں ڈال دیا۔ مثلاً قوتِ شہوانیہ ایک اس کی عطا کردہ امانت ہے اگر اس کو اپنی بیوی پر اور حلال چیزوں کے کھانے میں صرف کیا تو مضائقہ نہیں ورنہ عتاب و عقاب ہے۔ اسی طرح قوتِ غضبیہ ایک ودیعت ہے اگر اس کو غیرتِ دینیہ و ملیہ کے لیے اور ظالموں کے مقابلہ میں اپنے ناموس اور ملت کے محفوظ رکھنے میں صرف کیا تو بہت خوب۔ اگر زبردستوں کے ستانے اور لوگوں پر ظلم و جفا کرنے میں صرف کیا تو عتاب اور عذاب ہے،

اسی طرح نطق یعنی گویائی ایک امانت ہے اگر اچھی باتیں کیں خدا کی حمد و ثنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر واصلاح بین الناس میں صرف کی تو اجر ہے ورنہ وزر بس جس نے اس کو بے ہودہ گوئی فحش گوئی اور جھوٹے قصوں کے سنانے اور لوگوں میں فساد کرانے اور نقصان دینے میں صرف کیا تو عذاب ہے۔ اور صحائف کے کھولے جانے سے مراد قوی اور نفوس کے وہ صحائف ہیں کہ جن میں اعمال کی ہیئت ہے اور آسمان کے کھولنے سے مراد احکام روحی کا ظہور ہے جو بوقت مرگ ہوتا ہے اور دوزخ کے دہکائے جانے سے مراد وہ شدائد واہوال ہیں جو موت کے بعد ظاہر ہوں گے اور بہشت کے نزدیک لائے جانے سے مراد وہ روح و ریحان ہیں جو عالم برزخ میں ایمان داروں کے سامنے آتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ان بارہ چیزوں سے یہ چیزیں مراد ہیں تفسیر نہیں بلکہ تاویل ہے۔ ہاں اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ ان چیزوں کی طرف بھی الفاظ قرآنیہ میں اشارہ ہے، ٹھیک بات ہے کس لیے کہ قرآن مجید کے لیے ظہر وبطن ہے اس کے اندرونی پردوں میں جو کچھ معانی مخفی ہیں وہ ایک دریائے بے کنار ہے جس کو وہاں تک رسائی ہو وہ سمجھے۔

اسی طرح بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں اذا الشمس کورت میں اشارہ ہے تجلی ذات وصفات کے ظہور کی طرف جو قلوب عارفین پر ہوتی ہے پس اس وقت ان کی روح کے آفتاب بے نور ہو جاتے ہیں اور ان کے عقول کے ستارے دھندلے ہو جاتے ہیں بسبب غلبہ نور ذات وصفات کے اور اس وقت ان کے دلوں کے پہاڑ یعنی واردات محبت سخت ہواؤں سے اڑتے پھرتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے نفوس کی بار دار اونٹنیاں اس کے سطوت جلال کے سامنے بے کار ہو جاتی ہیں پھر اس وقت توحید کے دریا گرم ہو جاتے ہیں اور وحوش تفرید مجتمع ہو جاتے ہیں اور بجز ذات پاک ذوالجلال والاکرام کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اور ہر عارف کے ان احوال میں ایک قیامت ہے اور اسی طرح روح ناطقہ کا نفس مطمئنہ سے جوڑا لگا دیا جاتا ہے پھر وہ دونوں ہمیشہ قرب کے باغوں اور وصال کے بہشتوں میں رہا کرتے ہیں جیسا کہ دنیا میں مقامات مراقبات میں رہا کرتے تھے اور اسی طرح مشاہدات کے باغ قریب کیے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ

سو ہم کو قسم ہے اُن ستاروں کی جو چلتے چلتے ہٹنے لگتے غائب

الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾

ہو جاتے ہیں اور قسم ہے ڈھلتی رات کی

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ

اور صبح کی جب کہ روشن ہو کہ یہ قرآن

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ

ایک معزز رسول (جبرئیل) کی زبانی ہے جو بڑی

قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾

قوت والا عرش والے کے پاس رتبہ رکھتا ہے

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا

وہاں کا سردار امانت دار ہے اور تمہارا

صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَ

پیغمبر دیوانہ نہیں ہے اور

لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَ

البتہ انہوں نے اس (جبرئیل) کو مطلع صاف میں دیکھا بھی ہے اور

مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾

وہ غیب کی بات پر بخل کرنے والا بھی نہیں

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿۲۵﴾

اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾ إِنْ هُوَ

پھر تم کہاں (بہکے) چلے جا رہے ہو یہ تو

إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾ لِمَن

جہان بھر کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے اس کے لیے

شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾

جو تم میں سے راست ہونا چاہے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ

اور تم تو جب ہی چاہو گے کہ جب اللہ چاہے گا

اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾

جو تمام جہان کا رب ہے

ترکیب

فلا الفاء للتفریع او التعقیب ولا زائدۃ کما مر تحقیقہا فی سورۃ القیامۃ بالخنس المقسم بہ وہی جمع خانس وخانسۃ من خنس اذا تاخر وفی الصحاح الخنس الکواکب کلہا لانہا تخنس فی المغیب اولانہا تخفی نہارًا وقیل ہی الکواکب الخمس زحل والمشتری والمریخ والزہرہ و عطارد وفی الکبیر الخنس[1] جمع خانس والخنوس الانقباض والاستخفاء تقول خنس من بین القوم وتخنس فی الحدیث الشیطان یوسوس الی العبد فاذا ذکر اللہ خنس ولذا سمی الخناس. الجوار جمع جاریۃ وہی السیارات لانہا تجری. وہی صفۃ الخنس. الکنس جمع کانس و کانسۃ یقال کنس اذا دخل الکناس وہو مقر الوحش کنس. کناس بالکسر خواب جائے آہو و پنہاں شدن او در آں جا (ع ف ا ک ۲) کنس خانہ روفتن. مکنسہ جاروب. کناسہ بالضم جاروبہ و خانہ روبہ (صراح) والمراد بہا الکواکب لانہا تکنس ای تختفی بالنہار. وہی ایضا صفۃ لہا. واللیل الواو للقسم اذا ظرف العامل فیہا معنی القسم عسعس من الاضداد یقال عسعس اللیل اذا اقبل و عسعس اذا ادبر والمراد ہنا اقبال اللیل وقیل الادبار والصبح ہذہ الواو ایضًا للقسم تنفس ای اسفر وامتد وفلق شبہ اللیل المظلم بالمکروب المحزون الذی جلس بحیث لا یتحرک واجتمع الحزن فی قلبہ فاذا
ع ۱ ۲۹ ۶ تنفس وجد راحۃ فہنا لما طلع الصبح فکانہ تخلص من ذلک الحزن فعبر عنہ بالتنفس وہو استعارۃ لطیفۃ. وجواب القسم الاول والثانی والثالث قولہ انہ لقول رسول کریم ثم وصف الرسول المذکور باوصاف محمودۃ (۱) ذی قوۃ (۲) عند ذی العرش مکین (۳) مطاع ثم امین قرء الجمہور بفتح ثم علی انہا ظرف مکان والعامل فیہ مطاع او امین والمعنی انہ مطاع فی الملاء الاعلی او امین ہہنا وقرئ بالضم علی انہا عاطفۃ وکان العطف بہا للتراخی فی الرتبۃ لان ما بعدہا اعظم مما قبلہا وما صاحبکم ہذہ الجملۃ داخلۃ فی جواب القسم ولقد راٰہ اللام جواب قسم محذوف ای وتاللہ لقد راٰی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل بالافق المبین مطلع الشمس من قبل المشرق لان ہذا الافق لطلوع الشمس منہ مبین فالمبین صفۃ الافق وقیل صفۃ لمن راٰہ قالہ

[1] واما جمع خنساء واخنس خنس بالسکون والتخفیف ۱۲ منہ

مجاہد وتاللہ لمن شاء بدل من العٰلمین باعادۃ الجار ومفعول شاء ان یستقیم بتاویل المصدر ای لمن شاء الاستقامۃ۔

تفسیر

چونکہ یہ واقعات ہولناک کہ جن کی اذا اذا کر کے خبر دی گئی ہے امورِ بدیہیہ نہیں تھے نہ ایسے تھے کہ عقولِ متوسطہ ان کو کسی برہان یا دلیل سے بے کھٹکے مان لیتے اور اگر ایسے ہوتے تو ان میں عقلاء کا اختلاف اس درجہ نہ ہوتا اور اسی لیے شرع میں ان چیزوں پر ایمان لانے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں، ان کا ثبوت محض نبی کے بیان پر موقوف ہے جس نے نبی کو سچا مان لیا ہے اس کے نزدیک ان امور کے سچا ہونے میں سرِ مو تفاوت نہیں[1] اس لیے ان کے بعد ضروری ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و صداقت اور نبی کے ذریعہ سے جو کتابِ آسمانی ظاہر ہوئی ہے اور جس میں یہ باتیں مذکور ہیں اس کی سچائی بھی ثابت کی جائے اور عرب کے نزدیک جھوٹی قسم کھانا ہلاکت کا باعث تھا اس لیے اس آئندہ کلام کو قسم سے صادر کیا اور قسم ہی پر موقوف نہیں رکھا بلکہ بعد میں وہ دلائل بھی بیان فرمائے کہ جن سے قرآن کا کتابِ الٰہی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ فقال

فلا اقسم بالخنّس الجوار الکنّس کہ پس میں قسم کھاتا ہوں خنّس کی ایسے خنس جو جوار اور کنّس ہیں۔ ان تینوں لفظوں کا مصداق ایک ہی چیز ہے تین چیزیں جدا جدا نہیں جوار اور کنّس اسی خنّس کے صفات ہیں، ان الفاظ کے معانی یہ ہیں۔

(۱) خنس خانس اور خانسہ کی جمع ہے اور خنوس ان کا مصدر ہے جس کے معنی مخفی ہونا اور ہٹنا ہیں۔ خنس پیچھے ہٹ آنے والی چیزیں۔

(۲) جوار جاری ہونے والی چیزیں یعنی سیدھا چلنے والیاں۔

(۳) کنّس کانس اور کانسہ کی جمع۔ کَنس چھپ جانا۔ کُنّس تشدید کے ساتھ چھپ جانے والی چیزیں۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ خنّس اور جوار اور کنّس سے پانچ ستارے مراد ہیں جن کو اہلِ ہیئت خمسۂ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل۔ مشتری۔ مریخ۔ زہرہ عطارد۔ انگریزی میں سیٹرن۔ جوپیٹر۔ مارس۔ ڈینس مرکیوری کہتے ہیں۔ فارسی میں کیوان۔ برجیس۔ ترکِ فلک۔ ناہید۔ دبیرِ فلک۔ ہندی میں سنیچر۔ برہسپت۔ منگل۔ سکر۔ بدھ کہتے ہیں۔ ان پانچوں ستاروں کی عجیب حیرت ناک چال ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں اس لحاظ سے ان کو جوار کہتے ہیں اور کبھی اُلٹے چلتے ہیں جدھر سے گئے تھے پھر لوٹ کر اُدھر ہی آجاتے ہیں اس لحاظ سے ان کو خنس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے اس لحاظ سے ان کو کنس کہتے ہیں۔

---

[1] یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ نبوت کا ثابت کرنا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ مسئلہ نبوت کے ثبوت پر مسئلہ معاد کا ثبوت منحصر ہے اور نبوت کا اثبات بھی اس لطف سے کیا کہ قرآن مجید کی صداقت ثابت کی جس میں یہ امور مذکور ہیں اور قرآن جس کے نزدیک کتابِ الٰہی ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی اس کے نزدیک قطعی ہے ۱۲ منہ

انہیں ستاروں کے یہ تین حال ہیں۔ ان کی ہمیشہ ایک روش پر چال نہیں جیسا کہ کوئی حیرت زدہ سیدھا جاتا ہے پھر لوٹ آتا ہے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے اسی لیے ان کو متحیرہ کہتے ہیں۔ یا تو مغرب سے مشرق کی طرف بترتیب بروج چل رہے تھے کہ حمل سے ثور اور ثور سے جوزا برج کو طے کر رہے تھے یا یکایک حرکت بند ہوگئی اور پھر الٹے مشرق سے مغرب کی طرف چلنے لگے۔ پہلی حالت کو استقامت دوسری کو وقوف و اقامت تیسری کو رجعت کہتے ہیں۔

ان ستاروں کا اس میدان میں اس طرح سے ہیر پھیر کر کے دوڑنا صریح دلیل ہے کہ ان کی ڈوری کسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے جو بڑا قادر اور بڑا حکیم ہے۔ یہ ستارے اس لحاظ سے اس کی قدرت و عظمت جبروت و کبریائی کی روشن ضمیر آدمی کے نزدیک بڑے روشن دلائل ہیں اس لیے ان کی قسم کھائی اور ان کی پرستش کرنے والوں کے خیالاتِ فاسدہ کا بطلان بھی کر دیا۔

ف حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے عہد میں تو ایک فرقہ صابیہ تھا جو ان ستاروں کی پرستش کیا کرتا تھا پھر مرورِ دہر اس کے متعدد فرقے ہو گئے اور ہر فریق نے اپنے ملکوں میں ایک جدا رنگ پیدا کیا چنانچہ روم و یونان کے لوگ جو یورپ بلکہ ایشیا کی حکمت و فلسفہ کے استاد مانے گئے ہیں جو پیٹر کو پوجا کرتے تھے اور اس کے نام کا بڑا مندر بنا رکھا تھا اور ستاروں کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔

پارسیوں کی دساتیر میں تو ناہید کی بہت کچھ مدح اور پرستش کے دستورات موجود ہیں۔ یہی حال ہنود کا ہے۔ بعض مفسرین فلا اقسم میں لا زائدہ نہیں کہتے بلکہ نافیہ مانتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ میں ان ستاروں کی قسم نہیں کھاتا کس لیے کہ غور کرنے والے کے نزدیک خود بخود قرآن مجید کی صداقت ظاہر ہے۔

ف ان خمسہ متحیرہ کی اس حرکت کے حکما نے اسباب تلاش کیے تو حکماء قدیم نے جو ہیئت میں بطلیموس کے پیرو ہیں یہ کہا کہ آسمان کے ثخن[1] میں ایک اور دوسرا آسمان ہے اس کو حامل کہتے ہیں اور حامل میں ایک گول پہیا سا لگا ہوا ہے جس کو تدویر کہتے ہیں۔ اس تدویر میں ستارہ جڑا ہوا ہے پھر وہ تدویر اس میں ستارہ کو لے کر گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی تدویر کو لے کر حامل گھومتا ہے اور اس گھومنے میں تدویر اور حامل کی حرکت موافق ہے تو ستارہ سیدھا چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف ہے تو بطی حرکت محسوس ہوتی ہے پھر وہ مخالفت اگر اس درجہ تک ہے کہ جس قدر ستارہ ایک کی حرکت سے آگے بڑھتا ہے تو اسی قدر مخالف حرکت سے ہٹتا ہے اس لیے اس وقت یہ ستارہ ٹھیرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف حرکت غالب آ کر اس کو الٹا ادھر ہی واپس کر لانے لگے کہ جدھر سے وہ چلا تھا تو اس وقت وہ ستارہ الٹا حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حامل اور آسمان اور تدویر اور ستارہ کا نقشہ

[1] دل۔ مثانی ۱۲

اس لیے ہر ایک ستارہ کے لحاظ سے سات آسمان تسلیم کرنے پڑے پانچ تو یہی ستارے اور دو چاند اور سورج ان کو بھی سیارہ کہتے ہیں سبع سیارات یہی ہیں۔ پھر ہر ایک سیارہ کا مقام ایک آسمان قرار دیا ہے اور دیگر ستاروں کا مقام (جو حرکت کرتے نظر نہیں آتے اور ایک ہی جگہ ثابت رہتے ہیں اور اسی لیے ان کو ثوابت کہتے ہیں) آٹھواں آسمان قرار دیا اس کے اوپر نواں آسمان اور تجویز کیا ہے جس کو فلکِ اطلس کہتے ہیں۔ اور علمائے اسلام نے آٹھویں آسمان کو عرش اور نویں کو کرسی سے تعبیر کیا ہے۔ اور حکماء حال (جو آسمانوں کی سیر (چلنے) کے قائل ہی نہیں وہ) ان ستاروں کی اس حرکت کا سبب ان کا میلانِ ذاتی بیان کرتے ہیں۔ جو کچھ ہو بہرحال اس میں قدرتِ کاملہ کا پورا پورا ثبوت ہے۔

ف بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خنّس جوارِ کنّس کل ستاروں پر صادق آتا ہے۔ رات میں مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں دن میں غائب بھی ہو جاتے ہیں اور الٹے مشرق کی طرف چلتے ہیں جہاں سے اگلے روز نمودار ہو کر چلے تھے آج پھر وہیں سے چلنے لگے۔ الغرض علویات کا انقلاب اس کی قدرت کی دلیل ہے۔

اس کے بعد عالم میں ایک اور تصرفِ روزانہ سے اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دیتا ہے اور اس کو بھی وثوق دلانے کے لیے اسی قسم کے عنوان سے صادر فرماتا ہے۔ فقال واللیل اذا عسعس اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ڈھلنے پر آنے لگے۔ عسعس کے معنی رات ڈھلنے کے ہیں[1] اور آنے کے بھی ہیں۔

رات ڈھلنا بھی اس کی قدرت کا نمونہ ہے یا تو دنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا یا اب سمٹنے لگا اور یہ وقت بسبب ظہورِ نور کے برکت کا بھی وقت ہے اور صبح سے مناسبت رکھتا ہے اس لیے اس کی بھی قسم کھائی اسی طرح رات کا آنا اور دنیا پر چھا جانا بھی ایک تغیرِ عظیم ہے یا تو روشنی تھی یا اندھیرا ہونے لگا۔

والصبح اذا تنفس اور قسم ہے صبح کی جب کہ روشن ہونے لگے یہ تیسری قسم ہے تنفس سانس لینا گویا رات ایک غمگین شخص دم گھونٹے بیٹھا تھا پھر سانس لیا تو راحت پائی اور یہ وقتِ راحت ہے۔

یہ ایک لطیف استعارہ ہے۔ پہلے ان پانچ ستاروں کی قسم کھائی کہ جن کی حرکت و رفتار اس کی کبریائی کی روشن دلیل ہے جس میں اس طرف ایماء تھا کہ دنیا میں یہ پانچ اولو العزم نبی ان پانچ ستاروں کی طرح روشنی پھیلانے والے تھے مگر ان کی روشنی یعنی شریعت اقوام کے تغیرات کے لحاظ سے سدا کے لیے ایک چال پر نہ تھی اور وہ پانچ ستارے یہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان پانچ ستاروں نے ہر چند دنیا کو مذاہبِ باطلہ سے پاک کیا ان کے جھگڑے بکھیڑے مگر جہل و کفر و بت پرستی کی تاریکی نے جہان کو گھیر لیا تھا یہاں تک کہ رات اٹھتی چلی آتی تھی یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے ہوا۔ پھر تو رات پھیل گئی۔ یہ زمانہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے بعد سے لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کا ہے مگر اس رات کے بعد اس رحیم و کریم نے جو اپنی

---

[1] عسعس اللیل اذا ادبر (کشاف)

حکمتِ بالغہ سے دنیا میں رات دن بدلتا ہے ستاروں کو چلاتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا مگر آپؐ کی بعثت سے کچھ آگے وہ کفر و بدکاری کی اندھیری رات ڈھل چلی تھی اس لیے لوگوں کو کچھ کچھ غیبی آثار نمودار ہونے لگے تھے کہیں کسی کو بتوں میں سے آواز سنائی دی کہ ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہوا جاتا ہے جہان کا ہادی آتا ہے۔ آخر وہ آفتابِ ہدایت مکہ کے پہاڑوں میں طلوع ہوا اور دنیا کو روشن کر دیا۔

ان ہدایت کے ستاروں اور ڈھلتی رات اور ہدایت کی صبح کی قسم کھا کر فرماتا ہے انہ لقول رسول کریم کہ یہ قرآن جو صبح صادق کی طرح روشنی پھیلا رہا ہے از خود محمدؐ نے دل سے نہیں بنا لیا ہے جیسا کہ اور شعراء یا مصنفین بنا لیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول کی زبانی پہنچا ہے یعنی جبرئیل آپ کے پاس وحی لاتے ہیں اور پڑھ کر سناتے ہیں، تب آپ اس کو تم لوگوں کو سناتے ہیں اس مطلب کی طرف اور بہت سی آیات میں ایماء و تصریح ہوئی ہے علمہ شدید القوی ذو مرۃ بس یہ ہیں لقول رسول کریم کے معنی۔ اب اس پر یہ شبہ پیش کرنا کہ جب یہ رسولِ کریم کا قول ہوا تو اللہ کا کلام کیوں کر ہوا حالانکہ بالاتفاق قرآن مجید کلام اللہ ہے اس کا کوئی مسلمان بھی منکر نہیں، محض لغو ہے کس لیے کہ قول سے یہ مراد نہیں کہ جبرئیل کی تصنیف بلکہ یہ کہ جبرئیل نے کہا خدا کی طرف سے، جیسا کہ اور آیات میں ان معنی کی تصریح ہے۔

اسی جگہ سے بعض علماء اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے ہے، اور معنی خدا کی طرف سے جبرئیل کو القاء ہوتے اور جبرئیل وہ عبارت مع الفاظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے مگر یہ بھی ایک لغو بات ہے کس لیے کہ جس جبرئیل علیہ السلام کو خدا کی طرف سے معنی القاء ہوتے تھے اسی کو الفاظ کی بندش بھی القاء ہوتی تھی کیا خدائے پاک کو الفاظ کی بندش نہیں آتی تھی اور جبرئیل علیہ السلام کی کون سی بات اپنی طرف کی ہے ہر حرکت و سکون خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہے وہ تو اس طرح تابع ہیں کہ جس طرح انسان کی زبان تابع ہے زبان از خود کیا بولتی ہے وہی جو انسان بولنا چاہتا ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے وحی کی مضبوطی اور استحکام متعلق ہے۔

اول کریم کہ وہ معزز فرشتہ ہے ایسا ویسا نہیں بلکہ ناموس اکبر ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ جامۂ بشریت میں ہیں ان کا تجرد ایسا نہیں کہ ہر وقت حق سبحانہٗ سے بغیر اس واسطہ کے کلام کر سکیں اس لیے وحی لاتے ہیں یہ نورانی شخص کہ جس کا تجرد اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ بلا واسطہ حق سبحانہ سے کلام کر سکتا ہے واسطہ قرار دیا گیا۔

(۲) ذی قوۃ قوت والا۔ تار برقی میں اگر قوت نہ رہے تو کبھی پیغام بسرعت ادا نہ کر سکے اور یہی قوت جبرئیل علیہ ہے کہ جب یہ کسی نبی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کے جمیع تخیلات و توہمات کو جو غلطی میں پڑنے کے اسباب ہیں یک لخت باطل کر دیتی ہے اور اس وقت ان میں کوئی اثر قوی بہیمیہ کا باقی نہیں رہتا پھر جو کچھ وہ بولتے ہیں وہی بولتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہی کہتے ہیں جو کوئی ان کے سر چڑھ کر بلواتا یا کہلواتا ہے جس طرح بانسری آپ نہیں بولتی اس میں کوئی اور بولنے والا بولتا ہے۔ یہی حال حضراتِ

انبیاء بلکہ اولیاء کا ہے۔

(۳) عند ذی العرش مکین عرش والے کے پاس جا پانے والا۔ یعنی یہ نہیں کہ اس کو تخت تک رسائی نہیں وہ اوروں سے سن کر لاتے ہیں بلکہ ان کو بارگاہِ قدس میں صرف رسائی ہی نہیں بلکہ (۴) مطاع ثم وہاں وہ سردار بھی ہیں بے شما ملائکہ ان کے زیر فرمان ہیں اور کسی نیک بندے کو کوئی نیک بات الہام والقاء کرنی ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ان ملائکہ میں سے کسی ایک کو معین کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرات اولیاء کرام کے الہام میں ہوا کرتا ہے اور یہ فرق ہے الہام انبیاء والہام اولیاء میں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے ان للشیطان لمۃ بابن آدم وللملک لمۃ فاما لمۃ الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق واما لمۃ الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق الحدیث رواہ الترمذی کہ شیطان بنی آدم کے دل میں القاء کرتا ہے اور فرشتہ بھی سو شیطان تو برائی ڈالتا ہے اور حق بات سے انکار کراتا ہے اور فرشتہ کا القاء نیکی پر ابھارنا اور حق کا تسلیم کرانا ہے۔

(۵) امین کہ جبرئیل امین بھی ہیں یعنی اس وحی میں کوئی کمی زیادتی نہیں کرتے کوئی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

چونکہ کلامِ الٰہی کے بندوں تک پہنچنے میں دو واسطے ہیں۔ ایک جبرئیل علیہ السلام لہٰذا یہاں تک تو ان کے محامد بیان فرمائے تاکہ عدالت وحفظ جو شرطِ راوی ہے بدرجۂ کمال ان میں متحقق ہو جائے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ان کا اعتبار ملأ اعلیٰ میں بھی از حد ہے اور راوی گو ثقہ اور صحیح الحافظہ ہو مگر پھر بھی فرق ہے ایک تو بادشاہ کا چوب دار یا خواص گو ثقہ اور صحیح الحافظہ ہو بادشاہ کا پیغام لائے اور ایک کوئی امیر کبیر بڑا راز دار معتبر ثقہ صحیح الحافظ خبر لائے دونوں میں فرق ہے اس لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بارگاہِ قدس میں سردار و مطاع ہونا بھی بیان فرما دیا۔

دوسرا واسطہ پیغمبر ہے۔ اب ان کی نسبت اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ ان کی عدالت اور تقویٰ اور راست بازی پر تو کفارِ مکہ بھی ایمان لائے ہوئے تھے۔ پھر ایسا سچا اور نیک آدمی کہ جس نے تمام عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا کبھی کوئی طمع نفسانی اس سے سرزد نہیں ہوئی جس کے بزرگانہ اخلاق اور صداقت ضرب المثل ہوں وہ خدا پر بلا منفعتِ دنیا کوئی ایسا جھوٹ باندھے کہ جس سے ہزاروں مصائب سر پر آ پڑیں مار دھاڑ ہونے لگے قوم اور کنبہ چھٹے دنیاوی فوائد یک قلم موقوف ہو جائیں عقلاء کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے قسم کھانے کے بعد اس جملہ کو بھی ارشاد فرماتا ہے وماصاحبکم بمجنون کہ تمہارا صاحب یعنی دوست اور بھی خواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ نہیں جو ایسی جھوٹی بات کہہ کر مفت اپنے سر پر مصیبت لیتا۔ یہ بھی تم خود جانتے ہو کہ بڑے عاقل ہیں دنیا کے بڑے بڑے عاقل ان سے عقل سیکھتے ہیں پھر جب یہ بھی نہیں تو اس واسطے کے سچے ہونے میں بھی کوئی کلام باقی نہیں رہا۔

اس کے بعد ان کو یہ شبہ باقی تھا کہ آپ سچے بھی ہیں، دیوانہ بھی نہیں مگر ممکن ہے کہ جبرئیل سے آپ نے یہ کلام نہ سنا ہو اور جبرئیل کو دیکھا بھی نہ ہو کوئی اور شیطان ان سے آکر کہہ جاتا ہو اور وہ اس کو جبرئیل سمجھتے ہوں اس کا جواب دیتا ہے ولقد رآہ بالافق المبین کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

جبرئیل کو آنکھ سے مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے وہ ان کو پہچانتے ہیں ۔ سورۂ نجم میں فرمایا تھا کہ جبرئیل کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افقِ اعلیٰ پر دیکھا اور اور یہاں افقِ مبین پر دیکھنا فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ وہی افقِ اعلیٰ اور وہی افقِ مبین ہے یعنی مشرقی کنارہ ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آپؐ نے جبرئیل کو اجیاد کی طرف دیکھا تھا اور وہ مکہ سے مشرق کے رُخ ایک میدان ہے اور یہ دیکھنا ابتداء زمانۂ نبوت میں ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں جب وحی آکر بند ہوگئی تھی تب کا یہ واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں جب کہ آپؐ غارِ حرا میں تشریف رکھتے تھے اور سورۂ اقرأ نازل ہوئی تب کا واقعہ ہے کہ اول تو مشرقی کنارہ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام ایک زرّین کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیے اپنی اصلی صورت میں نہایت عظمت و جلال کی صورت تھی اور کنارہ بھرا ہوا تھا اس لیے جب اوپر کے کنارہ پر تھے تو اس کو افقِ اعلیٰ سے تعبیر کیا اور ثم دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ پھر حضرت جبرئیل نیچے اترے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے گئے (اس وقت کے لحاظ سے افقِ مبین کہا گیا) اور دونوں مل گئے ۔ بعض کہتے ہیں دو بارہ دیکھا تھا ۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ عالمِ مثال کے دو افق ہیں ایک افقِ اعلیٰ جو عالمِ تجرد و تقدس سے ملی ہوئی ہے اور دوسری ادنیٰ جو عالمِ شہود سے ملی ہوئی اور اسی سبب سے اس کو افقِ مبین کہتے ہیں کہ عالمِ شہود کے قریب ہونے کے سبب ظہور و ابانت اس میں ہویدا ہے پھر جب کہ جبرئیل علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے کمالات کے مناسب شکل میں آں حضرت کو دکھائی دیں تو اول افقِ اعلیٰ پر جسم و شکل مثالی کا لباس پہنے ہوئے نظر آئے اور پھر آہستہ آہستہ نزدیک ہوئے یہاں تک کہ افقِ ادنیٰ کے قریب پہنچ گئے اور عالمِ شہود کے کنارہ پر آرہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل مل گئے پس افقِ اعلیٰ اور افقِ مبین سے یہ افق مراد ہیں استعارہ کے طور پر۔ یہ اس لیے کہ عوامِ غیبیہ غالباً اہلِ کشف و شہود کی نظروں میں دوائر کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں ۔

الحاصل جب آپؐ پر حقیقتِ جبرئیلیہ منکشف ہوگئی اور کئی بار عالمِ شہود میں بھی آپؐ ان کو دیکھ چکے ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی شبِ معراج میں دیکھ چکے تو اب اشتباہ شیاطین و جنات کا شبہ پیدا کرنا محض حمق ہے ہم اپنے وجدانیات میں کبھی اشتباہ نہیں پاتے اور نہ محسوسات میں تو پھر ادراکِ تامِ حضرات انبیاء علیہم السلام کا تو کیا کہنا ہے جن کے سامنے حقائق الاشیاء منکشف ہیں۔

اب ایک شبہ یہ باقی رہ جاتا تھا کہ ممکن ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کاہن ہوں، کاہن بھی غیب کی باتیں جنوں سے سن کر بیان کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وماھو علی الغیب بضنین کہ قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں بخل اور کمی نہیں کر رہا ہے برخلاف کلامِ کاہن کے کہ وہ نہ آخرت بیان کر سکتا ہے نہ انسان کی سعادت و شقاوت کا ریت بتا سکتا ہے نہ مرضیاتِ الٰہی اور ان کے نزدیک ناپسند باتوں کی خبر دے سکتا ہے نہ پہلی امتوں اور اگلے انبیاء علیہم السلام کے گزشتہ حالات بیان کر سکتا ہے جن میں عبرت و نصیحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے نہ آئندہ آنے والے واقعات ہولناک کی خبر دے سکتا ہے جن پر مطلع ہونا انسان کو

ایک آنے والی زندگی دائمی کے لیے ضرور ہر ضرور ہے صرف دنیاوی معاملات پیش آنے والوں کا کچھ بے تکا حال بیان کیا کرتا ہے وہ بھی پورا نہیں، ایک بات سچ تو سَو غلط محض مجمل طور پر کہ جس کے حواشی اور متعلقات محض قیاسی ہوا کرتے ہیں۔ اور یہی بات نجوم و رمل و جفر وغیرہ علوم میں ہوتی ہے اور اسی طرح خواب کے انکشاف ہوتے ہیں اور ذرا اس سے بڑھ کر مکاشفات غیر انبیاء علیہم السلام کا حال ہے، برخلاف الہام انبیاء اور خصوصاً اس وحی کے جو بذریعہ جبرئیل امین آتی ہے یعنی قرآن مجید، اس میں علوم خمسہ پورے پورے ہیں اور چھٹا علم بے کار ہے اس میں سے بھی بقدر ضرورت بہت ہے باقی زید بکر کے مریض ہونے شفا پانے دولتمند ہونے فقیر ہونے کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے یا ناکامی ہونے بارش ہونے یا ہوا چلنے سے جو منصب نبوت سے دور تھا درگزر کیا اس لیے قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں کمی نہیں کرتا۔ برخلاف کاہن اور اس کے کلام کے کہ وہ ان باتوں میں کمی کرتا ہے پورا بخیل ہے۔

ابن کثیر وابو عمرو اور کسائی نے لفظ بضنین کو بظنین ظا سے پڑھا ہے[1] جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں بتانے میں متہم نہیں قیاسی باتیں نہیں کہتے گویا یہ جملہ پہلی دلیل کا نتیجہ ہے یعنی جب دونوں واسطے ثقہ اور معتبر ہیں تو متہم نہیں بلکہ جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے روایت کرتے ہیں اس میں ثقہ ہیں ابن مسعودؓ کی بھی یہی قراءت ہے اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظا ہی سے پڑھا کرتے تھے روایت کیا اس کو دارقطنی نے افراد میں اور حاکم نے اور باقی قراء نے ضاد سے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ بخیل نہیں۔ وحی کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ ابن عباس بھی یہی معنی لیتے تھے۔

اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کر کے اس بحث کا خاتمہ کرتا ہے فقال وما ھو بقول شیطن رجیم کہ یہ قرآن شیطان رجیم کا کلام نہیں یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ قوت بشریہ سے تو یہ کلام بڑھ کر ہے پھر یا تو کاہن کا کلام کہتے ہو سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کاہن غیب کے بیان میں متہم ہے کچھ سچ ہے تو زیادہ جھوٹ اور یا اس کو شیطان یا جن خبیث کا کلام کہتے ہو ان کے اعجوبہ افعال پر نظر کر کے تو یہ بھی نہیں تم خود اس کلام میں غور کر لو کس لیے کہ پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے نہ کہ درخت سے پھل۔

اس قرآن مجید میں بیشتر یہ مطالب ہیں:
توحید باری تعالیٰ ذات وصفات بلکہ افعال میں بھی بت پرستی اور توہمات پرستی کی مذمت۔ اچھے کاموں کی ترغیب، خیرات وصدقات صلہ رحمی، عبادت عفت صداقت رحم دلی راست بازی صبر وحلم کی تعلیم مکارم اخلاق کی خوبی برے کاموں سے نفرت خصوصاً افعال شہوت وغضب و کبر وغرور اور سخت دلی ظلم ایذا رسانی مکر و زور کی مذمت

۱؎ صاحب کشاف کہتے ہیں واتقان الفصل بین الظاء والضاد واجب الخ کہ ان دونوں حرفوں میں فرق کرنا ضروری ہے ض اور ظ میں اکثر عجم فرق نہیں کرتے حالانکہ ان کے مخرج جدا جدا ہیں۔ ظ کنارہ زبان اور اگلے دانتوں کی جڑ سے نکلتی ہے اور ض دائیں یا بائیں داڑھ سے اور زبان کی جڑ سے۔ ایک کی جگہ دوسرا پڑھنا ایسا ہی ہے کہ جیسا دال کی جگہ جیم اور ت کی جگہ شین ۱۲ منہ

اور ان کے خراب نتائج بیان فرمائے، دنیا اور اس کے تحلات سے نفرت دلائی حیاتِ جاودانی اور دارِ آخرت کا شوق دلایا، خدا کے اسماء و صفات ذکر فرمائے پہلی قوموں کے عبرت انگیز حالات بیان کیے صادقوں کی خوبی بدکاروں نافرمانوں کی مذمت میں ان کے قصص ارشاد ہوئے۔ باہمی عدل و انصاف کے قانون بتائے معاملات میں ظلم و تعدی روکنے کے لیے مسائل ارشاد ہوئے زمین و آسمان و دیگر مخلوقات کے حالات سے اپنی قدرت و رحمت کے نشان تبلائے وغیرہ۔

بھلا ان مضامین سے شیطان کو کیا واسطہ یہ تو اس کی آنکھوں میں خار ہیں خصوصاً جب کہ شیطان کی تمام سرگزشت ہی بیان کر دی کہ اس نے تکبر کیا اور یوں وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا' ان حالات کو تو وہ سن بھی نہیں سکتا آپ بیان کرنا تو کجا فاین تذھبون پھر اے نادانو! تم کدھر جا رہے ہو کیوں راستی کی طرف نہیں آتے ان ھو الا ذکر للعلمین یہ قرآن تو بہ لحاظ مضامین مذکورہ بالا اور دیگر خوبیوں اور روحانی تاثیروں کے جہان والوں کے کے لیے نصیحت و ہدایت ہے لازم ہے کہ اس کو یاد کریں اس پر چلیں مگر جہان والوں میں سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اسی کے لیے یہ ذکر ہے لمن شاء منکم ان یستقیم کہ جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور اپنے امراضِ نفسانیہ کا علاج کرنا چاہے اور جس کا یہ قصد نہیں بلکہ حجت آرائی اور کج بحثی ہے تو اس کو اس سے نفع نہیں بلکہ مضرت ہے اور یہ ارادہ کسی کے بس کا نہیں وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العلمین جس کے لیے اللہ سدھرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہی اپنے سدھرنے کا بھی ارادہ کر سکتا ہے یہ توفیق اس کی طرف سے ہے، انسان قضا و قدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ جو کچھ قضا و قدر اس سے کراتی ہے وہ اسی کے ارادہ و اختیار سے کراتی ہے اور اسی ارادہ و اختیار کے سبب بندہ ثواب و عقاب مدح وذم کا مستحق ہوتا ہے۔

ف اس آیت میں جبر و قدر دونوں کا ابطال ہے جبر کا لمن شاء منکم ان یستقیم سے اور قدر یعنی تقدیر کے انکار اور بندہ کے فاعلِ مختار ہونے کا ابطال جیسا کہ وہ معتزلہ کا مذہب ہے اور فرقہ قدریہ کی ایک شاخ ہے اس آیت سے و ما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العلمین اور لفظِ رب العلمین میں اشارہ ہے کہ بندہ کی ہدایت کے اسباب پیدا کرنا اور اس کی سعادت کی راہیں بتانا برے کاموں سے روکنا یہ بھی اس کی شانِ ربوبیت ہے ورنہ اس کو کیا پڑی، کوئی بدراہی اختیار کرے جہنم میں جائے اپنا سر کھپائے۔

اس سورت کی ابتداء اور وسط اور مقطع کو غور کیا جائے تو صدہا اسرارِ بلاغت پائے گا جو اس میں رکھے ہوئے ہیں۔ ولہ الحمد اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً۔

سورۃ انفطار

مکیہ ہے اس میں انیس ۱۹ آیات ایک رکوع ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ① وَ

جب آسمان پھٹ جائے اور

اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ②

جب کہ تارے جھڑ پڑیں

وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ③ وَ

اور جب کہ دریا پھیل پڑیں اور

اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ④

جب کہ قبریں اکھیڑی جائیں

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

تب ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے بھیجا

وَاَخَّرَتْ ⑤

اور کیا پیچھے چھوڑ آیا -

ترکیب

اذا شرطیۃ السماء فاعل فعل محذوف یدل علیہ انفطرت والجملۃ معطوفۃ علیہا واذا الکواکب الخ عطف علیہا وکذا مابعدہا من الجملتین علمت الجملۃ جواب الشرط ۔ نفس فاعل ماقدمت و اخرت مفعولہ یقال بعثر یبعثر بعثرۃ اذا قلب التراب وقال الفراء اخرجت مافیہا من الدفائن وذلک من اشراط القیامۃ ان تخرج الارض ذہبہا وفضتہا ۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ کا بھی یہی قول ہے ، نسائی نے روایت کی ہے کہ معاذ نے جب عشاء کی نماز میں بڑی سورت پڑھی تھی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو فتنہ میں ڈالنے والا ہے سبح اسم ربک الاعلیٰ اور اذا السماء انفطرت نہیں پڑھ لیا کرتا یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مگر وہاں اذا السماء انفطرت کا ذکر نہیں صرف نسائی نے روایت کی ہے ۔

ربط

اس سورت کا ربط اول سے ظاہر ہے کہ جس طرح اُس میں اسبابِ تخریبِ عالم کو اذا اذا کرکے بیان فرمایا تھا اور ان کے بعد جزا میں نفوسِ انسانیہ کا اپنے کیے پر مطلع ہونا بیان فرمایا تھا اسی طرح اس سورت میں اس مضمون کو دوسرے عنوان سے شروع کیا اور بعد میں انسانی سعادت و شقاوت کی ایک دل کش انداز سے تصویر کھینچی ہے ۔

فرماتا ہے اذا السماء انفطرت جب کہ آسمان پھٹ جائے تب کیا ہوگا اس کا اور اس کے بعد اذا الکواکب وغیرہا سب جملوں کا جو اس مضمون کے ہیں آپ ہی جواب دیتا ہے کہ علمت نفس ماقدمت و اخرت ہر شخص جان لے گا کہ کیا لے کر آیا اور کیا چھوڑ کر آیا ۔ آسمان کے پھٹنے کا مضمون متعدد آیات میں واقع ہے کہیں یہ ہے السماء منفطر بہ اور کہیں فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان اور کہیں یہ ہے ویوم تشقق السماء بالغمام اور کہیں اذا السماء انشقت اور کہیں وفتحت السماء فکانت ابوابا ہے غرض بیان یہ ہے کہ

ف وبعثر و بحثر بمعنے واحد ہما مرکبان من البعث والبحث مع راء مضمومۃ الیہما والمعنی اثیرت وقلب اسفلہا اعلاہا و باطنہا ظاہرہا کبیر ۱۲ منہ

ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ یہ عالم خراب ہو جائے گا اور ایک دوسرا عالم ابدی قائم ہوگا جس کے لیے انسان اس دار فانی میں چند روزہ مہمان ہے کہ وہاں کے لیے حسنات حاصل کر کے لے جائے کہ پھر اس کی تمامی عمر عافیت و آرام سے بسر ہو اور اس عالم کی خرابی کا شروع اس کی چھت سے ہوگا یعنی آسمان سے کس لیے کہ جب مکان بناتے ہیں تو شروع بنیاد سے کرتے ہیں اس لیے زمین کا اول بنانا بیان فرمایا کہ یہ فرمایا تھا ثم استویٰ الی السماء اور جب گراتے ہیں تو شروع چھت سے کرتے ہیں پس جب آسمان لپٹ جائیگا اور ٹوٹ پھوٹ جائے گا تو ستارے بھی جھڑ پڑینگے اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے واذا الکواکب انتثرت اور جب کہ ستارے جھڑ پڑیں، ٹوٹ پھوٹ جائیں۔

یہاں تک علویات کی بربادی مذکور ہو چکی اب اس کے بعد عالم سفلی کی بربادی بیان فرماتا ہے۔ فقال واذا البحار فجرت اور جب کہ دریا بہہ پڑیں۔ بحر عربی زبان میں دریائے شور کو کہتے ہیں (سمندر کو) اور دریائے رواں کو خواہ وہ کیسا ہی عریض و عمیق ہو جیسا کہ دجلہ۔ فرات۔ نیل۔ گنگا۔ جمنا سب کو نہر کہتے ہیں۔ اب سمندر زمین حصہ زمین کو حاوی ہے اور ایک چوتھائی کے قریب کھلا ہوا ہے جس پر یہ تمام اقلیمیں اور جنگل اور پہاڑ واقع ہیں۔ قیامت کے قریب جب کہ یہ دنیا برباد ہونے کو ہوگی (اب خواہ پہلے چھت یعنی آسمان اور ستارے برباد ہوں یا زمین برباد ہو کر پھر علویات برباد ہوں کس لیے کہ یہ بات آیات سے صاف معلوم نہیں ہوتی کہ پہلے کون برباد ہوگا ہاں ترتیب ذکر وغیرہ قرائن سے جو چاہو قرار دے لو) تب زلزلہ عظیم ہوگا جس سے پہاڑ اور بڑی بڑی عمارات بھی زیر و زبر ہو جائیں گی اور دریائے شور جو اب ایک جگہ ٹھیرا ہوا ہے آبادی پر پھیل پڑے گا اور دنیا کو اور بھی تہ و بالا کر دے گا۔ اور سورۂ تکویر میں جو واذا البحار سجرت آیا تھا اس سے بھی یہی مراد تھی دونوں جملوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ ان دونوں جملوں کے ایک معنی ہیں واذا النجوم انکدرت اور واذا الکواکب انتثرت

جب ایسا زلزلہ عظیم ہوگا تو زمین بھی جا بجا سے شق ہو جائے گی اور زمین کی مدفون چیزیں نکل پڑیں گی اس بات کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے واذا القبور بعثرت اور جب کہ قبریں اکھیڑی جائیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نفخ صور دوئم کا واقعہ ہے یعنی اس وقت کہ مردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں اور جو زمین میں مدفون ہے باہر آ پڑے۔ زلزلہ میں ایسا ہوتا ہے۔

یہ واقعات ہولناک تھے اس لیے ہر ایک کو اذا کے لفظ سے یاد کیا تاکہ ان کی عظمت شان معلوم ہو ان واقعات کے بعد کیا ہوگا۔ آپ ہی فرماتا ہے علمت نفس ما قدمت واخرت تب ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا عمل کیا تھا اور کیا نہیں کیا تھا ما قدمت سے مراد تقدیم فی العمل ہے واخرت سے مراد پیچھے ہٹنا۔ کام نہ کرنا۔ پس جس نے اعمال صالحہ کی تقدیم کی یعنی عمل میں لایا اور کبائر سے کوتاہی کی تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔ اور جس نے اس کے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد وہ اعمال ہیں کہ جو اس نے اول عمر میں کیے، واخرت سے مراد وہ جو اخیر عمر میں کیے۔ یہ ابو مسلم کا قول ہے۔ بعض علماء اس کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس سے سرزد ہوئے اور واخرت سے وہ رسوم مراد ہیں

کہ جن کی اس نے بنیا ڈالی تھی۔ جن کاموں کی یہ بنیا ڈال کر دنیا سے گیا ہے اگر وہ نیک کام ہیں تو اس کو بھی ایسا ہی اجر ملتا رہتا ہے جیسا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اور اگر بری رسم قائم کر کے گیا تھا تو اس کے لیے بھی اسی قدر گناہ ہے جس قدر کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس کو حذیفہؓ سے حاکم نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد اعمال ہیں نیک و بد و اخرت سے مراد وہ مال و زر ہے جو اس نے وہاں چھوڑا تھا۔

سوال یہ واقعات تو نفخ صور اول کے ہیں، پھر اس وقت تو انسان یا مرے ہوں گے یا قریب مردنی مصیبت میں مبتلا ان کو اعمال خیر و شر کیونکہ معلوم ہوں گے؟

جواب یہ ہے کہ اذا سے وہی منفصل زمانہ مراد نہیں بلکہ وسیع زمانہ جس کی ابتداء یہ حوادث اور انتہاء نفخ صور ثانی ہے

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ

اے انسان! بھلا تجھ کو کس چیز نے

بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ الَّذِيْ

اپنے رب کریم سے غافل کر دیا جس نے

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ

تجھے بنایا پھر تجھے برابر کیا پھر تجھے اعتدال پر کیا

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ ۭ

جس صورت میں چاہا تیرے اعضاء کو جوڑ دیا

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ

نہیں نہیں بلکہ تم جزا کو ہی نہیں مانتے

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ

حالانکہ تم پر بزرگ لکھنے والے محافظ ہیں (فرشتے)

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ

کراما کاتبین جو کچھ تم کیا کرتے ہو

مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲

ان کو معلوم رہتا ہے۔

ترکیب

الکریم صفة اولی للرب الذی لا صفة ثانیة مقررة للربوبیة مبنیة للکرم فسوٰك فعدلك عطف علی صلة الذی ای خلقك فی ای صورة الجار متعلق برکبك وما مزیدة وشاء صفة لصورة ای رکبك فی ای صورة شاءها وقیل یتعلق بمحذوف علی انه حال ای رکبك حاصلا فی ای صورة شاءها وانما لم یعطف الجملة ما قبلها لانها بیان لعدلك وان علیکم خبر ان لحفظین اسمها کراما صفة للحفظین وکذا کاتبین وکذا یعلمون وقیل ہذا حال من الکاتبین فان مع اسمها وخبرها وصفات الاسم جملة اسمیة فی محل النصب علی الحال من فاعل تکذبون ای تکذبون و الحال ان علیکم من یدونکم وقیل مستانفة مسوقة لبیان ما یبطل تکذیبهم

تفسیر

جب یہ حالت ہے کہ ایک روز قیامت آنے والی ہے انسان اس روز اپنے نیک و بد اعمال کا ملاحظہ کر کے افسوس کرے گا ہاتھ ملے گا تو آج اے بنی آدم

تم کس خوابِ خرگوش میں پڑے ہوئے ہو اور خدا تعالیٰ کی کریمی کے سبب (کہ جلد دنیا میں افعالِ بد کی سزا نہیں دیتا اور نیک و بد کو اپنی نعمتوں سے بھرپور کر رکھا ہے) نیکی میں کوشش کرنا تو در کنار بلکہ اس کے رسولوں سے مقابلہ کر رہے ہو اس جان گداز مضمون کو ان آیات میں کن دل کش اور پُر اثر الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے فقال یاایہا الانسان ماغرك بربك الكريم کہ اے انسان تجھے اپنے ربِّ کریم سے کس نے مغرور کر دیا۔

ف ا بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور یہ انکار قیامت اور اس پر دلیرانہ گناہ کرنا اس کا اللہ سے غرور ہے یعنی سزا کی کچھ پروا نہیں کرتا شترِ بے مہار بنا ہوا ہے کسی کی نہیں سنتا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہ ولید ابن مغیرہ کے حق میں ہے۔ کلبی اور مقاتل کہتے ہیں یہ ابن الاسد بن کلدہ بن اسید کافر کے حق میں ہے کہ اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی مگر اس پر خدا نے دنیا میں اس کو سزا نہ دی جس سے وہ اور بھی اترا گیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اور علماء فرماتے ہیں کہ یہ کافر اور گناہ گار مومنوں سب کو شامل ہے۔ مومن ہی سہی مگر جب وہ ایک گناہ کرتا ہے اور باز نہیں آتا تو گویا اس کا حال سزا و جزا کا برپا ہونا نہیں مانتا اور سزا کا اندیشہ دل میں نہیں اور یہ اندیشہ نہ ہونا غرور اور عدالتِ آسمانی کا انکار ہے۔ اچانک گناہ ہو جانا اور اس پر تائب و نادم ہونا منافیٔ شانِ ایمان نہیں' ایسے ہی شفاعت کے مستحق ہیں نہ کہ عیسائیوں کی طرح یہ دل میں ٹھان لینا کہ ہمارے گناہوں کا تو حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو چکے اب جو چاہو کرو' دل کھول کر حرام کاری' مے نوشی' مکر و فریب کرو' جھوٹ بولو' لوگوں پر ظلم کرو کچھ پروا نہیں۔ یہ بھی ربِ کریم سے غرور ہے اور بڑا دھوکا ہے اس قسم کے خیالاتِ فاسدہ یہود میں بھی تھے وہ حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کی اولاد سے ہونا کافی جانتے تھے وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودة۔ سیغفر لنا کہا کرتے تھے جیسا کہ جاہل بزرگ زادے اور جاہل سید یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ یعنی باپ دادا فلاں ولی یا غوث و قطب تھے ہم کو سب گناہ معاف ہیں مواخذہ نہ ہوگا اور ہوا تو وہ چھڑا لیں گے۔ اور بنی فاطمہ پر تو آگ حرام ہے اور اسی لیے بعض جاہل دنیاوی آگ میں کود کر سالم نکلنا فاطمیت کی دلیل سمجھا کرتے ہیں یہ بھی ربِ کریم سے غرور اور بڑا دھوکا ہے۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی اور نصرانی خیال کو باطل کر دیا جب کہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرما دیا تھا کہ دنیا کا مال و اسباب جو میرے پاس ہے لے اور قیامت کے بارے میں یہ غرور نہ کرنا کہ

لہ اگر یہی وجہ ہے تو حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہم و دیگر اہلِ بیت اس بات کا زیادہ گھمنڈ کرتے جن کے فاطمی ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں تھا برخلاف اس کے وہ تو راتوں کو تہجد میں رو دیا کرتے تھے اور ایک ادنیٰ گناہ کو بھی مہلک سمجھتے تھے پھر اس زمانے کے سید اور پیر زادے اس نام کی سیادت پر یہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں۔ اگر یہ ہمسایہ برہمنوں سے نہیں سیکھا تو پھر کہاں سے لائے ہیں کوئی سند ہے؟ یہ کہنا کہ حسنِ اعتقاد اور محبت و عظمتِ سیادت اسی کی مقتضی ہے غرور ہے ۱۲ منہ

میں محمد کی بیٹی ہوں میں خدا کے مقابلے میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ یہ مضمون احادیث میں موجود ہے اور نیز آئندہ آیات میں بھی یہی مضمون ہے۔

اسلام اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس نے خدا اور بندے کے مرتبے کو ایسا الگ کر کے بتایا کہ جس میں کوئی شائبہ اشتراک کا لگا نہیں رکھا اور پھر بندوں میں بھی موروثی اعزاز قائم نہیں رکھا بلکہ تقویٰ اور ایمان پر اور یہی شایانِ شانِ دینِ حق ہے۔

ہنود میں برہمنوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم برہما جی کی اولاد ہیں۔ برہمن دوزخ میں نہ جائے گا وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ گناہ نہیں۔ الغرض یہ غرور اور یہ دھوکا بنی آدم میں وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا تھا جس کو اسلام نے رد کیا۔ اور اسی طرح انکار قیامت اور باز پرس توان غروروں سے بھی زیادہ خطرناک غرور تھا جو بیش تر عرب میں پھیلا ہوا تھا۔

ف ۲ غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی وقتاً فوقتاً پرورش کرنے والے سے غرور (جس کی طرف ہر وقت حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو ہر بات میں کرم و فضل کرتا ہو) انسانیت کا مقتضٰی نہیں ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے اس کو عقل بھی نہیں کہ جس سے ہر دم حاجت متعلق ہو اس سے بگاڑے اور چند عطا کردہ نعمتوں پر ایسا مغرور ہو کہ اپنے آقا اور محسن کی طرف ذرا بھی نہ جھکے سرِ نیاز اس کے آگے نہ رکھے، کیسی نالائقی ہے، مگر لفظ کریم میں بھی بتلا دیا کہ اس اکڑفوں کا سبب ہمارا کرم ہے اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں حاجت روا نہ کریں تو سارا غرور خاک میں مل جائے ؎

لطفِ حق با تو مواسا ہا کند
چونکہ از حد بگزرد رسوا کند

بدکار بدکاری کر رہا ہے اور جانتا ہے کہ میرا اقبال اور جاہ و بخت اسی میں ہے۔ بت پرست بت پرستی کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ نعمتیں میرے خیالی معبود دے رہے ہیں۔ گمراہ گمراہی میں اڑا ہوا ہے اور اس گمراہی کو راہِ راست سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے اور سیکڑوں خیالی اور فرضی عقائد ہیں کہ جن پر فلاح و سعادت کا انحصار سمجھ رہا ہے یہ بھی غرور ہے۔ یہ غرور اس کے جہل اور شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہے۔ جہل کا اس لیے کہ اس کے قہر اور صفتِ انتقام کو نہ جانا اور شیطان نے دل میں یہ ڈالا کہ یہ جو تو کر رہا ہے یہی اس کی رضامندی کا سبب ہے۔ کسبن کہہ دیا کرتی ہے کہ اگر وہ ہمارے کام سے ناراض ہوتا تو ہم کو یہ دولت و ثروت کیوں دیتا۔ چور اور ظالم بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ بت پرست اور توہماتِ باطلہ کے بندے بھی یہی کہا کرتے ہیں اور غضب یہ کہ اُلٹے اور قیامت میں جزاءِ خیر کے مستحق اپنے آپ کو ان بد باتوں پر سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الغرور بہ۔

غرور، تمنی اور رجا کا فرق

ف واضح ہو کہ غرور اور تمنی اور رجا یا امید میں فرق ہے۔ غرور اور تمنا مذموم ہیں۔ غرور کی بابت یہ ہے ولا یغرنکم باللہ الغرور اور تمنی کی مذمت یہ ہے تلک امانیھم، لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتٰب اور امید کی مدح آئی ہے اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ سو امید یا رجا وہ ہے کہ ایک مرغوب چیز کا انتظار کیا جائے۔ اس کے اسباب مناسب بہم پہنچانے کے بعد،

جیسا کہ زمین عمدہ کو خوب بو جوت کر کاشتکار غلہ کی انتظاری کرے یا نوکر آقا کی خدمت بجا لاکر انعام کی توقع کرے یا نیک کام کر کے ایمان و اعمالِ صالحہ میں کوشش کر کے نجاتِ آخرت کی توقع رکھے سو یہ عمدہ بات ہے اور جب اس پر کچھ کامیابی کا اشارہ ہو جاتا ہے تو اسی کو اطمینان کہتے ہیں جو بوقت اخیر اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں حاصل ہو تو یقین کہلاتا ہے اور اس آیت (واعبد ربك حتی یاتیك الیقین کہ اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین آجائے) میں یہی یقین مراد ہے۔

رہا غرور سو وہ ایسی چیز کی توقع کرنا ہے کہ اس کے برخلاف اسباب بہم پہنچا چکا ہے مثلاً آقا کی بغاوت کر کے بخشش کی امید رکھے یا مال برباد کر کے نفع کی امید رکھے، کھیت اجاڑ کر غلہ کی آرزو کرے۔ برے کام کر کے نجات کی امید کرے ؎

ہر آں کہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت
دماغ بیہدہ پخت و خیالِ باطل بست

اور تمنی وہ ہے کہ کسی قدر اسباب بہم پہنچا کر کامیابی کی توقع کرے یا اسباب کے حصول میں شک ہو تب امید کرے۔

حاصل کلام اسباب بہم پہنچا کر توقع کرنا رجا ہے اور شک کی حالت میں تمنی ہے اور اسباب بالکل بہم نہ پہنچائے ہوں یا برخلاف اسباب جمع کیے ہوں تب توقع نیک نتیجہ کی کرنا غرور یعنی دھوکا ہے۔ دنیا کے لوگ اس اندھیری رات میں کہ جس کو حیات کہتے ہیں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں مگر وہ کہ جن کو روشنی عطا ہوئی ہے۔

تسویہ اور تعدیل میں فرق

اس کے بعد رب کے کرم کی تفصیل سناتا ہے تاکہ اس مغرور کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں۔ فقال الذی خلقك وہ کہ جس نے تجھ کو پیدا کیا عدم سے ہستی میں اپنے کرم سے لایا نہ تیرا سوال تھا نہ تیری دعا تھی۔ پھر یوں ہی بے ڈول اور اینڈا نہیں پیدا کر دیا بلکہ اس طور سے کہ فسوٰك تجھے برابر کیا۔ اعضاء جسم میں تناسب رکھا کان کی جگہ کان ناک کی جگہ ناک آنکھ کی جگہ آنکھ رکھی اور فعدلك قویٰ و مزاج میں بھی تعدیل ملحوظ رکھی جس عضو میں جس قدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی جس کو جس قدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا فرمائی۔

یہ دو وصف ہیں ایک تسویہ جو ظاہری بناوٹ سے متعلق ہے سو پہلے ماں کے پیٹ میں تسویہ اعضاء جسم ہو لیتا ہے تب ہر ایک میں اس کی قوت ودیعت رکھی جاتی ہے۔ اور دوسرا وصف تعدیل ہے جو اس کے باطنی استحکام سے متعلق ہے۔ مزاج کی تعدیل سے لے کر اس کے جمیع قویٰ کی تعدیل تک شامل ہے اس لیے خلق کی تفصیل میں اول تسویہ کو ذکر کیا فسوٰك فرمایا پھر تعدیل کو فعدلك فرمایا۔ ان دونوں باتوں کے بعد اور کوئی حالت منتظر باقی نہیں رہتی بلکہ معاً ایک صورتِ خاصہ عطا ہوتی ہے جس کو صورتِ شخصیہ کہتے ہیں خواہ مرد کی خواہ عورت کی پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ خوب صورت بدصورت جیسا واہب العطایا کی طرف سے عطا ہو دیا جاتا ہے اس لیے اس بات کو

ك اور اسی اطمینان کے لحاظ سے بوقت مرگ اہل اللہ سے فرشتے کہتے ہیں یایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك الخ

بغیر عطف کے یوں فرمایا فی ایّ صورۃ ماشاء رکّبک
کہ جس صورتِ خاص میں چاہا اے انسان تجھے مرکب
کر دیا۔ ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اختیار کی نہیں نہ
تیرے سوال پر عطا ہوئی ہے یہ اسی کا کرم ہے جو آج تُو
اپنی صورت اور حسن و جمال پر اتنا غرور کرتا ہے کیا خوب کہا ہے
کسی نے ؎

تناسب یہ اعضا کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کے

اکثر انسان کے غرور کے اسباب تین ہیں، ایک[1]
حسب و نسب دوسرا حسن تیسرا مال و زر حکومت
و شوکت، ان تینوں کی حقیقت اسی ایک جملہ میں بیان
فرمادی۔

اب اس انسان کے کرتوت بیان فرماتا ہے کہ جس کو
اس ربِ کریم نے یہ کچھ دیا یہ اس کے مقابلہ میں کیا شکر
گزاری کرتا ہے؟

فقال کلا ہرگز نہیں بل تکذبون بالدین
بلکہ اے بنی آدم تم جزا کا انکار کرتے ہو شتر بے مہار بن کر
حصولِ لذات و شہوات میں غرق ہو اور جانتے ہو کہ اس میں
مزے اُڑانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں نہ مر کر جینا ہے نہ
حساب کتاب ہے نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے۔
وان علیکم لحٰفظین حالانکہ اس نے اپنے کرم سے
تم پر نگہبان فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، ان کی محافظت نہ ہو
تو تلف ہو جاؤ وہی تمہارے دل میں حفاظت کے علوم
القا کرتے ہیں یعنی صرف پیدا ہونے ہی میں اس کی محتاجی
نہ تھی بلکہ پیدا ہونے کے بعد بھی بقا اور وجود میں بھی احتیاج
باقی ہے سوتے میں وہی سانپ بچھو وغیرہ مہلکات سے
بچاتے ہیں یہ محافظت بڑی شرح طلب ہے۔

اور صرف وہ محافظت ہی نہیں کرتے بلکہ کراماً کاتبین
کرم کرتے ہیں مباشرت کے وقت اور شرم ناک کاموں کے
وقت تمہارے روبرو نہیں ہوتے کسی پر افشاء راز نہیں کرتے
لیکن جو کچھ نیک و بد تم کرتے ہو اس کو دفترِ غیب میں لکھ لیتے
ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو فرشتے شام کو آتے
ہیں صبح تک رہتے ہیں پھر صبح کو اور دو آتے ہیں شام تک رہتے
ہیں پہرہ بدلتا رہتا ہے۔

اور یہ لکھنا ان کا بے خبری سے نہیں بلکہ یعلمون ما
تفعلون جو تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں، ان سے تم کچھ چھپا
نہیں سکتے۔ پھر جب یہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ تم کو اس ربِ کریم
نے شتر بے مہار نہیں پیدا کیا بلکہ اس جہان میں نیکی کمانے
کے لیے، اس لیے ہر ایک کام کی جزا و سزا ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ⑬ وَّ
یقیناً نیک بندے تو نعمتوں میں ہیں

اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ⑭ یَّصْلَوْنَهَا
اور بدکار دوزخ میں ہوں گے انصاف کے دن

یَوْمَ الدِّیْنِ ⑮ وَمَا هُمْ عَنْهَا
اس میں داخل ہوں گے اور وہ اس دوزخ سے کہیں

بِغَآئِبِیْنَ ⑯ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا
جانے نہ پائیں گے اور تجھے کیا معلوم کیا ہے

یَوْمُ الدِّیْنِ ⑰ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ
انصاف کا دن پھر (کہتے ہیں) تجھے کیا خبر کہ

مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑱ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ
انصاف کا دن کیا ہے؟ جس دن کسی کا کسی

[1] اور یہی سرّ ہے صبح و شام کی عبادت کی طرف اہل اللہ زیادہ متوجہ ہوا کرتے ہیں ان قرآن الفجر کان مشھودًا میں اسی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ

[2] علمائے بدیع کہتے ہیں کہ اس آیت میں کئی صفتیں موجود ہیں (باقی بر صفحۂ آئندہ)

نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ؕ وَالْاَمْرُ

کے لیے کچھ بھی بس نہ چلے گا　　اور اس دن

يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

اللہ ہی کی حکومت ہوگی۔

ع ۱ (۱۹)

ترکیب

ان الابرار الجملۃ وما ہو معطوف علیہا اعنی الجملۃ الثانیۃ مستانفۃ لبیان نتیجۃ الحفظ والکتاب من الثواب والعذاب یصلونہا الجملۃ اما صفۃ لجحیم او مستانفۃ جواب لسوال مقدر کانہ قیل ما حالہم فقال یصلونہا الخ وقیل حال من الضمیر فی متعلق الجار والمجرور ویوم منصوب بیصلون قرء الجمہور مخففا مبنیا للفاعل وقری مشددا مبنیا للمفعول۔ وماہم الخ وہذہ الجملۃ ایضا صفۃ لجحیم وما ادرٰیک تفخیم لشان یوم الدین ولذا کررہ یوم لا تملک قری یوم بالرفع قرءہا ابن کثیر وابو عمرو علی انہ بدل من یوم الدین او خبر مبتدء محذوف وقرأ ابو عمرو فی روایۃ عنہ بالتنوین والقطع عن الاضافۃ وقرأ الباقون بفتحہ وفیہ وجوہ الاول باضمار یدانون لان الدین یدل علیہ والثانی باضمار اذکروا و الثالث قول الزجاج وہو ان یکون فی موضع رفع الا انہ مبنی علی الفتح لاضافۃ الی قولہ لا تملک والمضاف الی غیر المتمکن یبنی علی الفتح وان کان فی موضع رفع وجر قال الواحدی قول الزجاج انما یجوز عند الخلیل وسیبویہ اذا کانت الاضافۃ ای الفعل الماضی نحو قولک علی حین عاتبت واما اذا کانت الاضافۃ الی المستقبل فلا یجوز عند الکوفیین الرابع قول ابو علی وہو ان الیوم لما جری فی اکثر الامر ظرفا ترک علی حالۃ الاکثریۃ والدلیل علیہ قول العرب والامر مبتدء یومئذ للہ خبرہ رفع ابن کثیر یوم علی البدل من یوم الدین او خبر لمحذوف۔

تفسیر

اب یہاں سے اس جزا کی تفصیل و تشریح فرماتا ہے کس لیے کہ پہلے اس کو ثابت کر لیا۔ فقال ان الخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اول جمع و تقسیم وہ یہ کہ اول چند اشیاء کو جمع کر لیا جائے اور پھر تقسیم کیا جائے سو یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے جمع وان علیکم لحفظین الخ میں تھا کہ سب کو ایک حکم میں جمع کر لیا کہ سب پر محافظ کراماً کاتبین مقرر ہیں پھر یہاں تفریق کر دی کہ ان میں سے نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہوں گے۔
دوم صنعت ترصیع ہے۔ اور کلام مرصع وہ ہے کہ دونوں فقروں میں ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ جن کا وزن برابر ہو۔ سجع یعنی اخیر کا حرف ایک ہو۔ یہاں یہ بات بھی ہے ابرار کے مقابلہ میں فجار اور نعیم کے مقابلہ میں جحیم ہم وزن ہے۔
سوم صنعت تضاد بھی ہے جس کو اطباق و تطبیق کہتے ہیں کس لیے کہ ابرار کی ضد فجار اور نعیم کی ضد جحیم ایک کلام میں جمع ہیں۔

الابرار لفی نعیم کہ بے شک نیک بندے نعمت میں ہوں گے یعنی بہشت میں کس لیے کہ بہشت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے جہاں کھانے اور پینے اور مکان و لباس و ہم جلیس کے متعلق سب دل خواہ سامان ہیں اور اس پر حیاتِ ابدی بھی ہے اور کوئی مرض رنج موت بڑھاپا نہیں اور سب سے بڑھ کر وہاں دیدارِ الٰہی بھی ہے۔ یہ جگہ کسی ملک کے باشندوں یا کسی قوم یا خاندان کے لوگوں کا حصہ نہیں بلکہ ابرار کا ہے کوئی ہو۔

برّ یعنی نیکی کی تفسیر خود خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرما دی ہے لیس البر الخ کہ نیکی یا نیک کون ہے جو ایمان لائے اور پھر نیک کام کرے، ایمان اور عملِ صالح ہوں تو نیک ہے ورنہ دنیا کی مشہور نیکی کسی کام کی نہیں۔

یہ تو نیکوں کا انجام کار تھا اب بدوں کا انجام کار بیان فرماتا ہے فقال وان الفجار لفی جحیم اور بد یعنی جو ایمان اور عملِ صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر ہے۔ اور ایمان ہے مگر نیک کام نہیں بلکہ گناہ کرتا ہے چوری زنا شراب خواری ترکِ صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ، ظلم و دغا ناچ و رنگ میں مبتلا ہے تو بھی فاجر ہے مگر اولیٰ سے کم کس لیے کہ ایمان کی بدولت آخر کار اس کی نجات ہے۔ فاجر بھی کوئی ہو امیر ہو غریب ہو بادشاہ ہو عزت دار ہو خواہ ذلیل ہو کسی بزرگ کی اولاد ہو کسی مقدس شہر کا رہنے والا ہو سب کے لیے حکم عام ہے۔

اس کے بعد کسی قدر جحیم کے ہولناک احوال بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو سن کر لوگ فجور[1] سے باز آئیں۔

اوّل یصلونہا یوم الدین کہ اس جحیم میں جزا کے دن فاجر داخل ہوں گے یعنی جس طرح دنیا میں حیلہ بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے بچ جاتے ہیں یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دے کر خوشامد و منت کر کے بچ جاتے ہیں ایسا وہاں نہ ہوگا وہ قید خانہ ایسا نہیں کہ جو مجرم اس سے بچ سکے معاذ اللہ۔

دوم وما ہم عنہا بغائبین کہ اس جحیم سے وہ غائب بھی نہ ہو سکیں گے قید خانہ سے خلاصی کی ایک یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ قیدی مر جائے اور مر کر چھوٹ جائے۔ اور دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی تدبیر سے داخل ہو کر نکل جائے دیوار پھاند کر بھاگ جائے یا نگہبانوں سے چھپ کر نکل جائے یا زبردستی سے نکل جائے یا رشوت دے کر نکل جائے سو یہ بھی وہاں نہ ہوگا ان سب باتوں کی نفی اس ایک جملہ وما ہم عنہا بغائبین میں کر دی کہ وہاں یہ باتیں نہ ہونے پائیں گی۔

معتزلہ کا مذہب اور اس کا رد

ف اس جگہ سے معتزلہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمان کبیرہ گناہ کرنے والے بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کس لیے کہ وہ بھی فاجر ہیں اور فاجروں کی نسبت آگیا ہے وما ہم عنہا بغائبین کہ وہ وہاں سے غائب نہ ہوں گے یعنی کبھی نہ نکلیں گے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وما ہم بخارجین منہا۔

اس کا جواب امام رازی رحمہ اللہ نے یوں دیا ہے

[1] فجور بدکاری، بے ایمانی، بت پرستی ۱۲

کہ یہ تمہارا عقیدہ قطعی ہے اور الفاظ کی عموم پر دلالت ظنیہ ہے پھر اس سے ثبوت کرنا بے کار ہے اور ظن اس لیے ہے کہ استعمال جمع معرف باللام کا معہود سابق میں اکثر ہوا کرتا ہے پس محتمل ہے کہ یہاں الفجار سے مراد کافر ہوں جن کا ذکر چلا آتا ہے جو روزِ جزا کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر عموم کو قطعی بھی مان لیا جائے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اہلِ کبیرہ فاجر ہیں کس لیے کہ پہلے آچکا ہے اولٰئك هم الكفرة الفجرة کفار ہی کافر و فاجر ہیں اس لیے یہ بات کہ اصحاب الکبائر ہی علی الاطلاق فاجر ہیں غیر مسلّم ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو وماهم عنها بغائبين کے صدق کے لیے ان فاجروں میں سے کفار کا خلود کافی ہے۔ مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ معتزلہ کا اس آیت سے استدلال ہی صحیح نہیں کس لیے کہ مراد یہ ہے کہ وہ از خود کسی مکر و تدبیر سے وہاں سے نہ نکل سکیں گے نہ یہ کہ خود خدا تعالیٰ انہیں نہ نکالے گا سو یہ ممکن ہے کہ وہ ان میں سے اہل الکبائر کو رہائی دیدے ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد اپنے فضل و کرم سے یا شفاعت سے انہیں رہائی دیدے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے واللہ اعلم۔

اس کے بعد اُس روز کی شدت کے اظہار کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادرٰك ما يوم الدين کہ اے انسان تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ پھر اس کا اعادہ کرتا ہے ثم ما ادرٰك ما يوم الدين پھر تو کیا جانے کہ کیا ہے جزاء کا دن؟ یہ اس لیے کہ دنیا کے جس قدر مصائب ہیں اس روز کے مصائب کے آگے کچھ بھی نہیں پھر انسان اس کی حقیقت سے کیونکر واقف ہو سکے اس کے سواء جزاء کا معاملہ بھی عقل میں اچھی طرح سے نہیں آسکتا کہ انسان کے اعمال کیوں کر اپنی مناسب اشکال میں متشکل ہو کر راحت و رنج کا باعث ہوں گے۔ خیر حقیقتِ جزا تو کیا جانیں گے اس لیے وہاں کی ایک ہی بات پر سخن تمام کرتے ہیں يوم لا تملك نفس لنفس شيئاً کہ اس روز کوئی کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا نہ بھائی نہ باپ نہ یار نہ کوئی اور اہلِ قرابت کچھ کام آئے گا جیسا کہ دنیا میں شریک ہو جاتے ہیں اور دفعِ مصیبت میں کوشش کرتے ہیں وہاں یہ نہ ہوگا۔

ف ۲ نفس نکرہ لنفس نکرہ شیئاً نکرہ تینوں نکروں کے عموم نے یہ بات بتا دی کہ اس روز کسی کا بھی اختیار نہ ہوگا والامر يومئذ لله اس روز اللہ ہی کا اختیار رہوگا۔ برخلاف دنیا کے کہ بیوی پر میاں کی حکومت ہوتی ہے آقا کی نوکر اور غلام پر بادشاہ کی رعیت پر مگر اس روز بجز اس کے اور کسی کی حکومت نہ ہوگی۔

ف ۳ اس آیت سے شفاعت کا رد کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں غلط فہمی ہے کس لیے کہ شفاعت اپنا اختیار نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے سو وہ بھی اسی کا امر ہے۔

سورۂ تطفیف

مکیہ ہے اس میں چھتیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ

خرابی ہے کم تولنے والوں کی ان کی

اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢

جو لوگوں سے لیں تو پورا پورا ناپ کر لیں

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ
اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیں
يُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ
تو گھٹا کر دیں کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ
اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ لِيَوْمٍ
ان کو ایک بڑے دن (قیامت میں) اٹھایا
عَظِيْمٍ ۝۵ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ
جائے گا جس دن کہ سب لوگ رب العلمین
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶
کے سامنے کھڑے ہوں گے

ترکیب

ویل مبتدء وجاز الابتداء بہ لکونہ دعاءً۔ قال مکی ویل وشبہہ اذا کان غیر مضاف فالمختار الرفع ویجوز النصب و اذا کان مضافا او معروفا فالمختار فیہ النصب۔ والویل کلمۃ تذکر عند وقوع البلاء۔ یقال ویل لک وویل علیک۔ و قیل واد فی جہنم۔ للمطففین خبرہ المطفف ماخوذ من الطفف وہو الجانب او الشیٔ الیسیر۔ یقال طفّ الوادی و الاناء اذا قارب الامتلاء ولم یمتلیٔ بعد۔ قال الزجاج انما قیل للذی ینقص المکیال والمیزان مطفف لانہ یسرق الشیٔ الیسیر۔ والتطفیف البخس فی الکیل والوزن الذین الخ صفۃ کاشفۃ للمطففین اذا اکتالوا الاکتیال الاخذ بالکیل علی الناس قال الفراء۔ علیٰ ومن فی ہذا الموضع یعتقبان یقال اکتلت منک ای استوفیت منک و تقول اکتلت علیک ای اخذت ما علیک یعنی الاکتیال یستعمل بمن و علی وفی الکشاف لما کان اکتیالہم اکتیالا یضرہم ابدل علی مکان من للدلالۃ علی ذلک۔ واذا کالوہم ای کالوا لہم او وزنوا لہم حذفت اللام فتعدی الفعل الی المفعول فہو من باب الحذف والایصال۔ قال الکسائی والفراء ہذا من کلام اہل الحجاز ومن جاورہم یقولون زنی کذا کلنی کذا وکسبتک وکسبت لک قال الزجاج لایجوز الوقف علی کالوا حتی یوصل بالضمیر ویروی عن عیسی بن عمرو وحمزۃ انہما کانا یجعلان الضمیرین توکیدًا لما فی کالوا ویقفان عند الواوین ای علی کالوا ووزنوا ثم یقولان ہم یخسرون وزعم الفراء والزجاج انہ غیر جائز۔ الا یظن الخ جملۃ مستانفۃ۔ یوم منصوب باعنی وقیل بمبعوثون او مرفوع المحل خبرٌ لمبتدءٍ محذوف او مجرور بدلا من یوم عظیم مبنی علی الفتح لاضافۃ الی الفعل وان کان مضارعًا علی مذہب الکوفیین۔

تفسیر

وقت و مقام نزول یہ سورت بقول ابن مسعودؓ و ضحاکؒ و مقاتلؒ مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ آخر جو مکہ میں نازل ہوا وہ یہ سورت ہے۔ مگر حسن و عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور سب سے اول جو مدینہ میں آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ یہی سورت ہے۔ قول اول قوی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں کو لینے دینے میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرتے پایا سو سب سے اول جو ایک مجلس میں ان کو قرآن سنایا تو ان کے حسب حال یہی سورت سنائی جس میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرنے کی سخت برائی ہے۔ اس

سبب سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی ۔ مگر سبحان اللہ کیا وعظ تھا کہ اُس روز کے بعد سے اب تک اہلِ مدینہ سے بڑھ کر کوئی شہر اور بستی پورا تولنے اور پیمانہ بھرنے میں نہ ہوگی ، یک لخت سب نے وہ کام چھوڑ دیا۔

ربط

اس سورت کا سورتِ اذا السماء انفطرت سے ربط یہ ہے کہ اس سورت کے اخیر میں حشر کا معاملہ مذکور تھا کہ نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہونگے اور کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اس لیے اس سورت میں اُس بدی کی شرح کر دینا مناسب ہوا جو حقوق العباد سے متعلق ہے کس لیے کہ حقوق العباد سے زیادہ تر بازپُرس ہوگی۔

وہ بدی کیا ہے ؟ حقوق العباد میں دیدہ دانستہ کمی زیادتی کرنا جس کو عربی میں تطفیف اور اس کے مرتکب کو مطفّف کہتے ہیں خصوصاً لین دین میں زیادہ لینا اور کم دینا تول یا پیمانہ کے ذریعہ سے ۔

اس لیے فرماتا ہے ویل للمطففین خرابی ہے حقوق العباد تلف کرنے والوں کی پیمائش اور وزن میں۔ ہر چند لفظِ تطفیف کے معنی لغوی پیمائش اور وزن میں خیانت کرنے کے ہیں مگر شیخ ابو القاسم قشیری قدس سرہ العزیز اور دیگر بزرگوں نے فرمایا کہ یہ لفظ وسیع المعنی ہے پیمائش اور تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ ہر قسم کی خیانت اور خست کو بھی، جیسا کہ اپنے عیوب کو چھپانا اور لوگوں کے وہی عیوب ظاہر کرنا ، لوگوں سے انصاف طلب کرنا اور آپ انصاف نہ کرنا۔ لوگوں کی عیب جوئی کرنا اور اپنے عیوب کی پروا نہ کرنا لوگوں سے تعظیم طلب کرنا اور خود کسی کی تعظیم و تکریم نہ کرنا نوکروں غلاموں تابع داروں سے خدمت تو ٹھونک بجا کر لینا اور تنخواہ اور اجرت دینے میں کمی کرنا ۔ اپنے لیے جو پسند کرنا وہ دوسروں کے لیے نہ کرنا۔ رزق و عزت و عافیت تو خدا تعالیٰ سے بہت کچھ مانگنا اور اس کی حکم برداری سے دل چرانا ، لوگوں سے اللہ کے لیے سوال کرنا آپ اللہ کے لیے کچھ نہ دینا۔ اوروں کو نصیحت کرنا خود مبتلا ہونا۔ حال خراب رکھنا قال ٹھیک رکھنا۔ بزرگوں کی صورت بنانا ، باطن میں شیطانی کام کرنا۔ ریا کاری کرنا وغیرہ۔ یہ سب لوگ مطفف ہیں ان سب کے لیے ویل یعنی خرابی ہے ۔

پھر اس خرابی کو جو دنیا اور آخرت میں مطفف کو پیش آتی ہیں سیکڑوں صورتیں ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل و خوار ہونا ، اس کے کاموں میں برکت نہ ہونا مرض و وبا۔ و دیگر دنیا کے اشد مصائب میں مبتلا ہونا اور آخرت میں جہنم اور اس کی پیپ اور بدبودار وادی ہے جہاں عمر بھر رہنا اور رونا اور سر پیٹنا ہوگا ۔

دنیا کی خرابیوں کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں تفسیر کی ہے کہ خمس بخمس یعنی سن لو پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں مقرر ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اس کے دشمن اس پر مسلط ہو جاتے ہیں ۔ اور جو قوم احکام الٰہی کو خواہش نفسانی اور رشوت ستانی سے ترک کرتی ہے تو فقر و افلاس میں مبتلا ہوتی ہے۔ جس قوم میں زنا و اغلام کی کثرت ہوگی وبا وغیرہ حوادث سے ہلاک ہوگی۔ جو قوم ناپ اور تول میں خیانت کرے گی قحط میں مبتلا ہوگی، باغ اور کھیتوں کی پیداوار سے بہرہ ور نہ ہوگی۔ جو قوم زکوٰۃ اور حقوق مساکین سے دست کشی کرے گی

ان سے بارش روک لی جائے گی۔

مگر خدا تعالیٰ جب کسی قوم اور ملک کو برباد کرنا چاہتا ہے تو ان سے ان سزاؤں کو چند روز کے لیے روک لیتا ہے تاکہ دلیر ہو کر ان افعال کو کریں اور پھر دفعۃً برباد ہو جائیں۔ واملی لھم ان کیدی متین کہ میں ڈھیل دیتا ہوں اور میرا داؤں مضبوط ہے۔ معاذ اللہ۔

اس کے بعد ان کے مکر و خیانت کی تشریح فرماتا ہے فقال الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون کہ جب اوروں سے ناپ کر لیں تو بھر کر لیں۔ عرب میں عموماً اور دیگر ملکوں میں بھی رواج تھا بلکہ اب بھی ہے کہ غلہ وغیرہ انسان کی غذا اور کار آمد چیزوں کو تولنے کی جگہ پیمانہ سے لیتے دیتے تھے۔ مثلاً آدھ سیر کا ایک لکڑی کا برتن بنا رکھتے ہیں۔ آدھ سیر غلہ دینا ہو یا لینا ہو تو اس میں بھر کر لیتے دیتے ہیں۔ اس میں آسانی بہت ہے۔ اور پیمانہ کو کیل اور مکیال کہتے ہیں اور کیلہ اسم ہے اور جو چیزیں تول کر بکتی ہیں ان کو موزون کہتے ہیں، سو وہ تول کی چیزوں میں بھی خیانت کرتے تھے واذا کالوھم اور جب اوروں کو ناپ کر دیتے تھے اوو زنوھم یا تول کر دیتے تھے یخسرون کمی کرتے تھے۔

ف ۱ پیمانہ اور وزن سے لینا ایک حالت ہوئی اور انہیں سے ناپ یا تول کر دینا دوسری حالت ہے، لینے میں دھوکا دے کر زیادہ لے لینا پیمانہ میں اکثر ہوتا ہے دوسرے کرنے اس کو پیمانہ بھر کر دیا اس نے زیادہ دبا دیا اوپر سے چوٹی باندھ دی اس لیے لینے کی صورت میں پیمانہ کا ذکر کیا برخلاف دینے کے کہ وہاں پیمانہ میں بھی خیانت ہوا کرتی ہے اور تولنے میں بھی جس کو ڈنڈی مارنا کہتے ہیں۔ عرب میں ایسا دستور بھی تھا اس لیے اس سورت میں پیمانہ اور وزن دونوں کا ذکر کیا۔

ف ۲ اہل زبان اس مقام پر کہتے ہیں کہ اکتیال کا استعمال مِنْ کے ساتھ ہوتا ہے مگر علیٰ کے ساتھ اس لیے کیا کہ علیٰ مضرت کے لیے آتا ہے اور خیانت میں دوسرے کی مضرت ہے، اسی طرح کالوھم او وزنوھم لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، یہاں بغیر لام کے اس لیے استعمال ہوا کہ ان کے اس کاروبار کی کثرت بیان کرنی مقصود تھی اور کثرتِ استعمال میں ایسے حروف محذوف ہو جایا کرتے ہیں، یہ عرب کا خاص محاورہ ہے۔

ف ۳ بقول علمائے محققین یہاں بھی تول اور پیمانہ کی خاص خیانت مراد نہیں بلکہ عام خیانت مراد ہے آپس کے معاملات میں اور خدا کے معاملات میں بھی جیسا کہ علامہ قشیری قدس سرہ کے قول میں تشریح کی گئی۔

فرماتا ہے الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم کہ یہ جو ایسی گندم نمائی جو فروشی کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کو ایک بڑے سخت اور مصیبت کے روز کھڑا ہونا اور عدالتِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے؟ گویا ان کا بے باکانہ ایسی حق تلفی اور خیانت کا عمل میں لانا قیامت کے دن میں کھڑے ہونے کا انکار کرنا ہے، گو زبان سے انکار نہ ہو ورنہ جو اس کھڑے ہونے کا دل میں یقین رکھتا ہوگا اس سے یہ بے باکی سرزد نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو اپنے اعمال کے وزن اور تول کا خیال نہیں کہ حشر میں ہونا ہے۔

وہ دن کیسا ہوگا یوم یقوم الناس لرب العٰلمین ایسا ہوگا کہ جس میں تمام لوگ رب العالمین کے آگے کھڑے ہوں گے۔ لفظ رب العٰلمین میں اشارہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کا انصاف کرنا بھی اس کی ربوبیت عامہ کا مقتضی ہے اور یہی صفت اس روز مظلوموں کے بدلے لینے پر محرک ہوگی۔

حقیقت میں نفوسِ سرکش کی باگ تھامنے والی اگر کوئی چیز ہے تو یہی خیال ہے ورنہ حکامِ وقت کی قانونی بندش یا اور کوئی ترغیب وترہیب باز نہیں رکھ سکتی جیسا کہ آج کل ہم لوگوں میں بدکاری اور خیانت کا زیادہ رواج اس لیے دیکھتے ہیں کہ قیامت کا اعتقاد کم ہوتا جاتا ہے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ

نہیں نہیں بدکاروں کا روزنامچہ

سِجِّيْنٍ ۞ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا

سجین میں ہے اور (اے مخاطب) تو کیا جانے کیا ہے

سِجِّيْنٌ ۞ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٨﴾

سجین ؟ (وہ) لکھا ہوا دفتر (ہے)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٩﴾

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۞

ان کی جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ

اور اس کو وہی جھٹلاتا بھی جو حد سے بڑھا ہوا

أَثِيْمٍ ﴿١١﴾ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا

گناہ گار ہے جب کہ اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں

قَالَ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ۞

تو کہتا ہے (یہ تو) پہلوں کی کہانیاں ہیں

ترکیب

كلا الاكثرون على انها كلمة ردع وتنبيه اي ليس الامر ما زعمتم من انه لاحساب ولاجزاء۔ وقال ابو حاتم كلا ابتداء يتصل بما بعده على معنى حقا وهو قول الحسن كتب الفجار اسم ان لفي سجين خبرها۔ وفي السجين قولان الاول وهو قول الجمهور انه اسم علم على شئ معين فعلى هذا فيه اقوال عند الاكثر هو الارض السابعة السفلى وهو قول ابن عباسؓ وقيل جب[2] في جهنم۔ والقول الثاني انه مشتق فهو فعيل من السجن بمعنى الحبس والتضييق كالفسيق من الفسق وهذا قول المبرد والزجاج وابي عبيدة۔ ورده الواحدي۔ وقال صاحب الكشاف ان السجين فعيل من السجن ثم انه ههنا اسم علم منقول من وصف كحاتم وهو منصرف لانه ليس فيه الا سبب واحد هو التعريف كتب مرقوم اي هو محل كتاب۔ فلا يرد ما قيل ان الله سبحانه اخبر عن كتاب الفجار بانه في سجين بانه كتاب مرقوم فكانه قال ان كتابهم في كتاب[1] مرقوم واجاب القفال بان قوله كتب مرقوم ليس تفسير السجين بل التقدير ان كتب الفجار لفي سجين وان كتاب الفجار كتاب مرقوم فيكون هذا وصفا لكتاب الفجار بوصفين احدهما انه في سجين والثاني انه مرقوم وقوله وما ادرىك ما سجين جملة معترضة واجاب الرازي بانه لااستبعاد في كون احد الكتابين في الآخر بان يوضع كتاب الفجار في كتاب الذي هو الاصل المرجوع اليه في تفصيل احوال الاشقياء او بان ينقل ما في كتاب الفجار الى ذلك الكتاب المسمى بالسجين وفيه وجه آخر وهو ان يكون المراد من الكتاب الكتابة فالمعنى كتابة الفجار في سجين ثم وصف السجين بانه كتاب مرقوم فيه جميع اعمال الفجار من الكبير۔

---

[1] قال قتادة مرقوم رقم لهم بشر كانه اعلم بعلامة يعرف بها انه كافر وبه قال مقاتل ۱۲ منہ

[2] کنواں ۱۲ منہ

قال ابن عطیۃ من قال ان سجینا موضع فکتاب مرفوع علی انہ خبر الظرف وھو قولہ لفی سجین معنی و من جعلہ کتابا فکتاب خبر مبتدء محذوف والتقدیر ھو کتاب الذین یکذبون بدل من المکذبین او صفۃ۔ اساطیر جمع اسطورۃ او اسطارۃ۔

تفسیر

جب قیامت کے دن دربارِ الٰہی میں کھڑے ہونے اور نیکی بدی کا حساب دینے جزا و سزا پانے کا ذکر آیا تو مناسب ہوا کہ نیکوں اور بدوں کے ان حالات کو بھی بیان کیا جائے جو مرنے کے بعد حسب اعمال پیش آئیں گے ہرچند جزا و سزا کا مسئلہ بہت جگہ بیان ہوا لیکن اس مسئلہ کے سخت منکروں کے مقابلہ میں بار بار مختلف عنوانوں سے بیان کرنا ان کے دل پر نقش کر دینا مقصود ہے جو نبوت کے اہم مقاصد میں سے ہے اس لیے فرماتا ہے کلا نہیں نہیں یعنی تم جو یہ سمجھے ہوئے ہو کہ مر کر خاک ہو جائیں گے نہ سزا ہے نہ جزا جو چاہو دل کھول کر کرو مزے اڑاؤ کوئی پوچھنے والا نہیں یہ خیال غلط ہے ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ پھر اس کے بعد جزا و سزا کا حال بیان فرماتا ہے۔

بعض مفسرین کلا کو معنی حقاً لیتے ہیں تب یہ آئندہ کلام سے متعلق ہوگا کہ بے شک ان کتب الفجار لفی سجین کہ روزنامچہ بدکاروں کا جس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں سجین میں ہیں۔ سجین سے وہ واقف نہ تھے اس لیے آپ ہی فرماتا ہے وما ادرٰک ما سجین کہ اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے سجین؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کتٰب مرقوم وہ کہ ایک نشانی لگے ہوئے دفتر کی جگہ ہے۔ یعنی وہاں ایک دفتر ہے جس میں مجرموں کے نام و نشان اور اعمال کی کیفیت سب لکھی ہوئی ہے۔

سجین و علیین کا بیان

سجین سجن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قید خانہ۔ اس قید خانہ کی کہ جہاں مرنے کے بعد ارواح جاتی ہیں یوں تشریح آئی ہے کہ وہ جہنم کا طبقہ ہے اور ساتویں زمین کے تلے ہے یعنی عالمِ بالا یا علوی کے خلاف عالمِ سفلی میں جو تنگ و تاریک اور پُرحزن جگہ ہے جہاں درد و غم کے سوا اور کچھ نہیں جہاں طرح طرح کی تکالیف اور آگ کی لپٹیں اور سانپ بچھو ہیں۔

امام احمد نے براء بن عازب ؓ سے اور امام احمد و نسائی نے ابوہریرہؓ سے اور ابن ماجہ نے ابوہریرہؓ سے باسنادِ مختلف اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے اگرچہ ہر ایک کی سند میں الفاظ و مطالب میں کمی بیشی ہے مگر سب کا قدرِ مشترک یہ مضمون ہے کہ جب ایمان دار نیک بندہ مرنے کو ہوتا ہے تو نورانی فرشتے اس کے روبرو آبیٹھتے ہیں اور اس کے قریب ہو کر نہایت نرمی اور لطف سے کہتے ہیں لو چلو خدا کی رحمت و مغفرت اور باغ و بہار اور عیش دل پسند کی طرف تب اس کی روح فرحت و نشاط سے بدن سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیتی ہے اور وہ اس کو لے کر عالمِ بالا کی طرف جاتے ہیں۔ رستے میں جہاں ملائکہ ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تب وہ ملائکہ جو لیے جا رہے ہیں اس کا بڑی تعظیم سے نام بتلاتے ہیں یہاں تک کہ اس کو وہاں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی اس کی نورانیت و صفائی کی وجہ سے ہوتی ہے پھر کسی کو اول آسمان تک کسی کو

دوسرے تک کسی کو ساتویں تک پھر وہیں اس کو اپنے رب سے نزدیکی ہوتی ہے اور تجلی ہو کر شرف ہم کلامی حاصل ہوتا ہے تب حکم ہوتا ہے اکتبوا کتاب عبدی فی علیین کہ میرے بندے کا نام علیین کے دفتر میں لکھو یعنی علیین جو عالمِ بالا میں ایک فرحت بخش جگہ ہے اور جہاں ایمان داروں کی روحیں رہتی ہیں اور وہاں عیش اور بہار ایسی ہے کہ جس کا بیان ممکن نہیں وہاں یہی رہے اور وہاں جو ایک دفتر ہے جس میں وہاں کے رہنے والوں کے نام ہیں اس کا نام بھی وہیں درج کرو۔ تب وہ روح وہاں آتی ہے اور جو اس سے پہلے وہاں آئے ہیں اس سے بڑی خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور جس طرح سفر سے واپس آنے والے سے مل کر خوش ہوتے ہیں اس سے بھی زیادہ ان کو خوشی ہوتی ہے تب وہاں کے لوگ اپنے دنیاوی اقارب کا حال اس سے دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے ؟ فلاں کا کیا حال ہے ؟ پھر جو یہ بعض کی نسبت کہتا ہے کہ وہ تو مر گیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا تب وہ کہتے ہیں افسوس وہ ہاویہ میں گرایا گیا۔

اور اگر کافر و منافق ہے تو اس کے مرنے کے وقت اس کے سامنے ہیبت ناک اشکال کے فرشتے آتے ہیں جن کے چہروں سے غضب کے آثار دیکھنے والے کے زہرہ کو پانی پانی کیے دیتے ہیں جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے وہی بیٹھے نظر آتے ہیں تب وہ کہتے ہیں اے روحِ خبیث اس ناپاک بدن سے نکل اور اپنی سزا اور عذاب کی جگہ چل، تب وہ اس کو کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس سے بدبو آتی ہے جس جگہ سے لے کر گزرتے ہیں وہاں کے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون روحِ خبیث ہے ؟ تب وہ کہتے ہیں فلان بن فلاں برے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے آسمان تک لے کر آتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر اوپر چڑھنے کے لیے دروازہ نہیں کھلتا اس مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے۔ تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام سجین میں لکھو سب سے نیچے زمین میں تب اس کی روح اوپر سے نیچے پھینک دی جاتی ہے اور اس مقام پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء الآیہ کہ جس نے اللہ سے شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ الآیہ۔ تب سجین میں اس کو طرح طرح سے عذاب ہوتا رہتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد روح کو خبر رہتی ہے اور اسی کو عذاب و ثواب ہوتا ہے جسم یہاں پڑا رہتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سجین مجرموں کا قیدخانہ عالمِ پستی میں ہے اور وہاں نام لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وہاں دفتر رہتا ہے جیسا کہ جیل خانوں میں قیدیوں کے لیے دفتر رہا کرتا ہے اور جب کوئی قیدی آتا ہے تو اسکا اس میں نام لکھ لیا جاتا ہے، اس لحاظ سے اس سجین کو دفتر کی جگہ بھی کہنا نامناسب نہیں، اور ہے یہ در اصل قیدخانہ۔ اور علیین جس کا ذکر اگلی آیتوں میں آتا ہے عالمِ بالا میں ایک پرُ فضا اور فرحت کی جگہ ہے قیامت تک بد سجین میں پھر جہنم میں، اور نیک علیین میں اور پھر جنت میں رہیں گے۔ اور سجین جہنم کا ابتدائی طبقہ ہے جیسا کہ علیین جنت کا ابتدائی مقام ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سجین اور علیین کا کچھ حال بیان فرمایا ہے، چنانچہ انجیل لوقا کے سولھویں باب میں حضرت کا یہ قول منقول ہے۔ (۹) ایک

دولت مند تھا جو لال اور مہین کپڑے پہنتا اور روز روز شان و شوکت سے عیش کرتا تھا (۲۰) اور لعزر نام ایک غریب آدمی جو ناسور سے بھرا تھا جس کو اس کی ڈیوڑھی پر ڈال جاتے تھے (۲۱) اور وہ آرزو رکھتا تھا کہ ان ٹکڑوں سے جو دولت مند کی میز سے گرتے تھے اپنا پیٹ بھرے بلکہ کتے آکے اس کے گھاؤ چاٹتے تھے (۲۲) اور ایسا ہوا کہ وہ غریب مرگیا اور فرشتوں نے اسے لے جا کے ابراہیم کی گود میں رکھا (کس لیے کہ عالم روحانی میں ارواح ان کے ظل عاطفت میں رہتی ہیں یہ کام ان کے سپرد ہے) اور دولت مند بھی مرگیا اور گاڑا گیا (۲۳) اس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہیم کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لعزر کو اور اس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہیم مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی میں بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے کیوں کہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں (۲۵) تب ابراہیم نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور لعزر بری چیزیں سو وہ تسلی پاتا ہے اور تو تڑپتا ہے (۲۶) اور ان سب کے سوا ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا گڑھا حائل ہے کہ ایسا کہ وے جو یہاں سے تمہارے پاس جایا چاہیں نہ جاسکیں اور نہ وے لوگ جو وہاں ہیں اس پار ہمارے پاس آسکیں (۲۷) تب اس نے کہا اے باپ تیری منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج (۲۸) کیوں کہ میرے پانچ بھائی ہیں تا کہ ان پر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں آویں (۲۹) ابراہیم نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰ اور انبیاء ہیں چاہیے کہ وے ان کی سنیں (۳۰) اس نے کہا نہیں اے باپ ابراہیم پر اگر کوئی مُردوں میں سے ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے (۳۱) اس نے اسے کہا کہ جب وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہ سنتے ہیں تو مُردوں میں سے اگر کوئی اٹھ کر جاوے تو اس کی کب سنیں گے۔

یہاں سے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب ہوتا ہے اور بد طرح طرح کا عذاب پاتے ہیں اور نیک راحت اور اسی کو شرع محمدی میں قبر کا عذاب و ثواب کہتے ہیں۔

(۲) یہ کہ نیکوں کا مقام بالاتر ہے جہاں دور سے ابراہیم کو دیکھا اور ان کے پاس لعزر کو بھی اور اسی کو شرع محمدی میں علیین کہتے ہیں اور بدوں کا مقام پستی میں ہے جہاں گڑھا حائل ہے اس کو سجین کہتے ہیں جس قید خانہ سے نکلنا مشکل ہے۔

(۳) مرنے کے بعد دنیا کی باتیں اور اپنے اقارب کی محبت بھی باقی رہتی ہے اور سب کو جانتا ہے۔

(۴) مرنے کے بعد جو واقعات پیش آتے ہیں ان کی حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی خبر دی ہے جو مرد کے زندہ ہو کر دنیا میں جا کر خبر دینے سے زیادہ معتبر ہے۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام روحانی باپ ہیں اس لیے اسلامی ان پر بھی نماز میں درود بھیجتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے ویل یومئذ للمکذبین کہ اُس روز (یعنی جس روز کہ بدکار اور منکر سجین میں داخل ہوں گے اور وہ دن بہت دور نہیں صرف مرنے کی دیر ہے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ جو الہامی باتوں کو آج دنیا میں جھٹلاتے ہیں بعض تو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے کہتے ہیں کوئی خدا نہیں آپ ہی چیزیں پیدا ہوتی ہیں آپ ہی مٹ جاتی ہیں خدا صرف ایک

وہمی بات ہے جو مدتوں سے کانوں میں پڑتی چلی آتی ہے ۔

یہ ملحد آج کل فرنگستان میں بہت ہیں محسوسات کے چند علوم نے جن کی غلطیاں روز بروز نکلتی جاتی ہیں ان کو تاریک گڑھے میں ڈال رکھا ہے۔ پھر ان میں کچھ طبعی ہیں جن کو نیچری کہنا چاہیے اور کچھ دہری اور کچھ مادی ہیں اور کچھ خیالی ہیں کہ سب باتوں کو توہمات و خیالات ہی کہتے ہیں۔ اور بعض خدا تعالیٰ کو تو نہیں جھٹلاتے اس کے قائل ہیں مگر پھر اس کی صفات توحید و تنزیہ و قدرت کے منکر ہیں، پھر کسی نے مخلوقات میں سے اس کے وسائل قرار دے کر شریک بنا رکھے ہیں جیسا کہ مشرکین عرب و مشرکین ہند و فرقہ مجوس، پھر کسی نے خدا تعالیٰ کو ممکنات پر قیاس کر کے اس کی ذات مقدسہ کے حصے کر ڈالے ہیں جن کو اقانیم کہتے ہیں یعنی باپ بیٹا، روح القدس۔ پھر اس کی توجیہ میں کیا کیا باتیں بناتے ہیں کہیں ریاضات سے اور مثلث اور شکل سے ثابت کرتے ہیں بعض کرسٹان جو کچھ مسلمانوں کے علوم سے واقف ہیں بے سمجھے بوجھے اس کو تعینات اور تنزلات کے قالب میں ڈھالتے ہیں اور صوفیہ کرام کے اقوال و اشعار سے عامہ کو دھوکا دینے کے لیے سندیں لایا کرتے ہیں حالانکہ نہ تعینات کو سمجھے، نہ تنزلات سے واقف، نہ مصطلحات صوفیہ کرام سے آگاہی مگر یورپین پادری ان کی اس موشگافی سے جو محققین اہل اسلام کے نزدیک قابل تمسخر ہے انکی خوب قدر دانی کرتے ہیں۔

اور بعض نے جملہ اصول[1] عالم حسی کو قدیم مانا ہے اور ان کے پیدا اور فنا کرنے سے اس کو عاجز سمجھتے ہیں جیسا کہ آج کل فرقہ آریہ۔ بعض نے حضرات انبیاء کو جھٹلایا وہ کسی نبی کو بھی نہیں مانتے نہ نبوت کی کچھ ضرورت سمجھتے ہیں جیسا کہ فرقہ آریہ اور برہمو۔ اور بعض انبیاء کو تو مانتے ہیں لیکن خاص خاص کو نہیں مانتے جیسا کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور عیسائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں یہ سب مکذبین ہیں اور ان کے علاوہ آیات قدرت کے منکر بھی مکذبین ہیں جو ہر روز دنیا میں اس کی قدرت کے کرشمے دیکھتے ہیں پر نہیں مانتے۔

اور قیامت اور جزا و سزا کے منکر تو مکذبین میں سے بہت ہی بڑے مکذبین ہیں کس لیے کہ دل کھول کر بدکاری کرنے کا یہ عمدہ ذریعہ ہے اس لیے بالخصوص مکذبین میں سے اسی گروہ کا ذکر کرتا ہے۔ فقال الذین یکذبون بیوم الدین وہ مکذبین جو روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں اس کو نہیں مانتے اس لیے دل کھول کر بدکاری کرتے ہیں۔ اس مضمون کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وما یکذب بہ الا کل معتد اثیم کہ روز جزا کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرا ہوا اور بدکار ہے۔ اس کی یہ سرکشی اور بدکاری روز جزا کے خیال کو بھی دل میں نہیں آنے دیتی جیسا عرب بت پرست تھے اور اب یورپ کے عیش پسند حرام کار بدکار لوگ ہیں۔

اذا تتلی علیہ اٰیٰتنا قال اساطیر الاولین جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں بالخصوص وہ کہ جن میں جزا کا حال ہے تو سن کر ٹھٹھوں میں اڑاتے اور کہہ دیتے ہیں کہ پہلی کہانیاں ہیں یوں ہی کہتے چلے آرہے ہیں

[1] عالم حسی کے اصول یا علویات ہیں کواکب و سماوات یا سفلی ہیں عناصر ۱۲ منہ

کس نے دیکھا ہے۔ آج کل تعلیمِ انگریزی کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ ابتدا ہی سے جوان ملحدوں کے خیالات ان کے دل پر نقش کیے جاتے ہیں اور کسی قدر علومِ جدیدہ کے کرشمے دکھائے جاتے ہیں تو وہ الہامی باتوں سے تمسخر کرتے ہیں اور مرنے کے بعد جزا و سزا کے قائل نہیں رہتے پھر تو خوب مے نوشی اور زناکاری کرتے ہیں، پاک ناپاک حلال و حرام کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ خرابی کی شرح نہیں کی، کس لیے کہ وہ کئی جگہ ہو چکی ہے۔ آگ سانپ بچھو۔ درد و غم۔ لُو۔ پیاس وغیرہ۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا

نہیں نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پر

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ

زنگ لگ گیا ہے ضرور

اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾

وہ اس دن اپنے رب کے سامنے آنے نہیں پائیں گے

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾

پھر وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾

جھٹلایا کرتے تھے۔

ترکیب

کلا ردع و زجر للمعتدی الاثیم۔ وقال الحسن بمعنی حقا۔ ماکانوا یکسبون والعائد محذوف ای یکسبونہ۔ والجملۃ فاعل ران رین ریم و زنگ گرفتن ومنہ قولہ تعالیٰ بل ران الخ ای غلب وقیل ہو الذنب علی الذنب حتی یسود القلب (صراح) لمحجوبون خبر ان عن ربھم متعلق بہ یومئذ ظرف لہ ثم انھم ثم لتراخی الرتبۃ ھذا الذی الخ الجملۃ مفعول۔ مالم یسمی فاعلہ لیقال۔

تفسیر

ان حد سے بڑھنے والے گناہ گاروں کے خیال کو باطل کرتا ہے بقولہ کلا کہ جو تم سمجھے ہوئے ہو وہ ہرگز نہیں۔

پھر ان کے اس انکار اور آیات کو پہلوں کی کہانیاں کہنے کا سبب بیان فرماتا ہے فقال بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بد کا زنگ چڑھ گیا ہے جس لیے وہ ایسی باتیں بناتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ استغفار کر لیا تو صاف ہو گیا اور اگر اور گناہ کیا تو وہ نقطہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے بس یہی وہ رین ہے کہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ)

پھر گناہ کرتے کرتے جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو کوئی حق بات اس میں نہیں آتی پھر اگر اس سے بھی بڑھ گیا تو دل پر ایک حجاب ہو جاتا ہے جس کو

مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر اس سے بھی بڑھ کر قفل کا مرتبہ ہے، اب دل میں صلاحیت ہی نہیں رہی کہ کوئی اس کو صاف کر دے گویا مر گیا پہلے تو بیمار ہی تھا۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ مضغۂ گوشت پر کوئی سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور پھر پھیلتے پھیلتے سب کو سیاہ کر ڈالتا ہے یہاں تک کہ چیرنے کے بعد وہ سیاہ معلوم ہونے لگتا ہے کس لیے کہ قلب سے مراد شرع میں وہ انسان کی روحانی قوت ہے جو ادراک کرتی ہے گناہ کرنے سے اس پر تاریکی آجاتی ہے اور آخر اس تاریکی کا ایک حجاب بن جاتا ہے جو اس کو انوارِ الٰہیہ کی تجلی سے مرنے کے بعد دیدار سے محروم کرتا ہے کما قال کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون[1] کہ بے شک یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روکے جائیں گے حجاب یعنی پردہ حائل ہو جائے گا دیدار کے شرف سے محروم ہوں گے۔

پھر جب وہ ایسے ناپاک اور گندے ہیں تو ثم انہم لصالوا الجحیم ان کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا کہ وہ اسی کے لائق تھے۔

ثم یقال ھذا الذی کنتم بہ تکذبون پھر ان کو شرمندہ کرنے کے لیے کہا جائے گا کہ وہ جہنم جس کا تم دنیا میں انکار کرتے اور جھٹلاتے تھے یہی تو ہے، اب تو یقین آیا کہ نبیوں کا فرمانا برحق تھا۔

جس طرح پہلی آیات میں اشقیاء کا وہ حال بیان ہوا تھا جو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک ہوگا یعنی عالمِ برزخ کا اسی طرح ان آیات میں عالمِ حشر

اور اس کے بعد کا حال بیان فرما دیا۔ اور اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان کرتا ہے اور بدوں کا حال پہلے اس لیے بیان فرمایا کہ اس سے پہلے کم تولنے وغیرہ جرائم کا ذکر تھا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ

بے شک نیکوں کا روزنامچہ

عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا

علیین میں ہے اور تو کیا جانے کہ

عِلِّيُّوْنَ ﴿ط﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾

علیین کیا ہے ؟ ایک کتاب ہے (نشانی کی ہوئی)

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿ط﴾ اِنَّ

کہ جس کو (ملائکہ) مقرب دیکھا کرتے ہیں بے شک

الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى

نیک لوگ عیش میں ہوں گے تختوں پر

الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿لا﴾ تَعْرِفُ

بیٹھے نظارہ کیا کریں گے اے مخاطب تجھے

فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿ج﴾

ان کے چہروں پر عیش کی تازگی دکھلائی دے گی (اور)

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿لا﴾

ان شراب خالص پلائی جائے گی

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ

جس پر مشک سے مہر لگی ہوگی اور للچانے والوں کو

فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿ط﴾

للچانا تو اسی پر چاہیے

[1] محجوبون کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ شرمندہ ہوں گے شرم سار کو محاورۂ عرب میں بھی محجوب کہتے ہیں ۱۲ منہ

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا

اور اس شراب میں تسنیم کی بھی آمیزش ہوگی وہ

يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾

ایک چشمہ ہے جسے مقرب پیا کرتے ہیں۔

ترکیب

كلا الخ جملة مستانفة لبيان حال الابرار۔ عليين قال ابوالفتح الموصلي جمع على وهو فعيل من العلو وقال الفراء والزجاج جمع واعرابه كاعراب الجمع رفعا ونصبا وجرا ولكن لا واحد له من لفظه نحو ثلاثين و قنسرين۔ والمراد به المقام الاعلى فقيل على السماء السابعة وهناك يجتمع ارواح الابرار يشهده صفة اخرى الكتب اى يحضرون ذلك الكتاب ويحفظونه و قيل يرون ما فيه فعلى الاول من الشهود وعلى الثاني من الشهادة ينظرون حال ويجوز ان يكون مستانفا و على يتعلق به والارائك جمع اريكة وهى السرير فى حجلة و الحجلة بيت مربع من الثياب الفاخرة ترخى على السرير ويقال فى الهندية (چھپر کھٹ ومسہری) تعرف الخ الجملة مستانفة لبيان حال الابرار وكذا يسقون قال المبرد والزجاج الرحيق من الخمر مالا غش فيه وفى الصحاح الرحيق صفوة الخمر مختوم صفة لرحيق ختمه مسك صفة اخرى. التنافس شدة الحرص ومزاجه معطوف على ختمه مسك صفة اخرى من تسنيم هو شراب ينصب من علو۔ والتسنيم فى اللغة الارتفاع ومنه سنام البعير لعلوه من بدنه ومنه تسنيم القبور فهى عين تجرى من علو الى سفل وقال ابن مسعود عين فى الجنة تمزج للابرار و يشرب بها المقربون كما فسره الله تعالى بقوله عينا الخ

وفى نصب عينا وجوه الاول انه على المدح والثانى انه على الحال وانما جاز كونها حالا مع انها جامدة غير مشتقة لاتصافها بقوله يشرب بها وقال الاخفش منصوبة بيسقون وقال الفراء بتسنيم۔ والباء فى بها زائدة او بمعنى من۔

تفسیر

فقال کلا کہ جیسا کہ تم سمجھے ہوئے ہو کہ نیکوں کی نیکی بے کار ہے ایسا ہرگز نہیں یا یوں کہو کہ بے شک و شبہ ان کتب الابرار لفی علیین ابرار کا روزنامچہ کہ جہاں ان کے کام اور نام لکھے ہوئے ہیں علیین میں ہیں، پھر جس کا اس دفتر میں نام ہے وہ محو نہیں ہو سکتا نہ وہ مرنے کے بعد اکرام واعزاز سے محروم رہتا ہے۔ ع

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

وہ جریدہ بقا ہے ان کے لیے حیات جاودانی اور ابدی عیش کامرانی میں کوئی شبہ نہیں۔

چونکہ علیین پر آگاہی ان کے افہام ناقصہ کو نصیب نہیں اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما علیون کہ اے انسان تو کیا جانے کیا ہے علیین؟ کس لیے کہ انسان محسوسات کا ادراک کرتا ہے اور حس سے باہر جو کچھ ہے اس کا ادراک یا ترتیب معقولات سے بطور نظر و فکر کے کرتا ہے سو اس میں سیکڑوں غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اسی لیے عقلاء کا ایسے امور میں اختلاف ہوا ہے۔ پھر اگر ادراک صحیح ہے تو کشف و شہود سے ہے۔ اور اس میں کامل حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہے پھر جو کوئی ایسی باتوں کے دریافت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو وحی کا اتباع لازم ہے اس لیے

بذریعہ وحی آپ ہی بناتا ہے کتٰب مرقوم کہ وہ ایک بالاتر اور عالم قدس کی عمدہ جگہ ہے جہاں وہ لکھا ہوا دفتر ہے جس میں نیکوں کے نام ہیں اور وہ مقام چونکہ بہت بلند ہے وہاں نیکوں میں سے بھی ہر ایک نہیں پہنچتا بلکہ یشھدہ المقربون وہاں مقربین حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام ہی پہنچتے ہیں، عام مؤمنین و صلحائے امت اس کے نیچے اپنے درجات کے موافق عالم قدس کے اور مقامات میں ہوتے ہیں مگر نام ان کے اس بلند دفتر میں درج ہوتے ہیں کہ ترقی کر کے وہاں تک پہنچنے کی ان کے لیے امیدواری ہے۔

یہ تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ جملہ یشھدہ المقربون کو علیین کی صفت قرار دیا جائے اور بسبب مقام ہونے کے ضمیر مفرد اس کی طرف پھیری جائے اور اگر کتٰب مرقوم کی صفت مانا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اس دفتر تک ہر ایک کی رسائی نہیں بلکہ ملائکہ مقربین کی کہ وہی اس دفتر کے محافظ اور کارپرداز ہیں۔

یہاں تک عالم برزخ کا حال تھا جو مرنے کے بعد ابرار اور مقربین پر گزرتا ہے نفخ صور سے پہلے تک اور اس کے بعد کا حال آئندہ آیات میں بیان فرماتا ہے۔

ف اکثر سورتوں میں نیک بندوں کو دو جماعت میں تقسیم کیا ہے ایک اصحٰب الیمین اور ان سے بڑھ کر السابقون اور پھر بعض مقامات پر اصحاب الیمین کو ابرار اور سابقین کو مقربین سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین اور ابرار ایک ہی جماعت کا نام ہے۔ اور سابقین اور مقربین دوسری جماعت کا نام ہے۔ پہلی جماعت میں صلحاء و شہداء امت داخل ہیں اور دوسری میں حضرات انبیاء و اولیاء جن کو صدیقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اچھے لوگوں کو انہیں چار قسموں میں داخل کیا ہے من النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین اب یہ بتلا دیا گیا کہ مرنے کے بعد ابرار کا نام علیین میں ہے وہ خاص علیین میں یا اس کے متعلق کسی بلند جگہ میں رہیں گے اور مقربین علیین میں۔

ف علیین اور سجین کی تصویر عرفاء نے یوں کھینچی ہے کہ نوعِ انسانی کا بحسب معرفت اور اس کی تنگی کے اور باعتبار تہذیب لطائف و تحصیل انوار ملکیہ اور ان کے تکدر اور ظلمات بہیمیہ و سبعیہ کے بڑا وسیع میدان ہے جس کو ایک وسیع دائرہ خیال کرنا چاہیے کہ جس کا مرکز ادنیٰ مرتبہ انسانیت کا ہے جو بہت ہی فروتر مرتبہ ہے اور محیط اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور جب عالم غیب میں اس شکل متخیل نے ایک صورت پیدا کی ہے تو اس کے مرکز کا نام سجین اور محیط کا علیین نام ہو گیا اور یہ ثابت ہے کہ جس قدر دائرے مرکز کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی چھوٹے ہوں گے درجہ بدرجہ اور جو دوائر محیط کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی بڑے ہوں گے درجہ بدرجہ۔ اس لیے انسانیت فجار کے مراتب درجہ بدرجہ مرکز کے قریب ہیں یہاں تک کہ بعض تو محض مرکز ہی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، اور انسانیت ابرار کے مراتب ترقی کرتے ہوئے درجہ بدرجہ محیط کے قریب ہوتے ہیں اور وسعت و فراخی میں ایک دوسرے سے زائد یہاں تک کہ نوبت اعلیٰ علیین تک پہنچ جاتی ہے۔

اعلیٰ علیین جس کو رفیق اعلیٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے خاص مقربین کا مقام ہے اور ابرار ان کے طفیل سے اس مقام پر عبور کرتے ہیں لیکن ان کا مشہد یعنی ٹھہرنے کی

جگہ وہ نہیں اور یہ عبورِ روحانی مفارقتِ جسم کے بعد روح کو حاصل ہوتا ہے کہ مقربین کی ارواح کو اعلیٰ علیین میں لے جاتے ہیں اور ابرار ان کے قریب جگہ پاتے ہیں اور فجار سجین میں لائے جاتے ہیں۔ اور اسی لیے سجین کو بطور استعارہ کے زمین کے طبقہ سفلیٰ اور علیین کو ساتویں آسمان پر بیان کیا گیا محیط اور مرکز کے لحاظ سے۔

اس کے بعد وہ حالات بیان فرماتا ہے جو حشر میں ابرار کو پیش آئیں گے فقال ان الابرار لفی نعیم کہ بے شک ابرار یعنی نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے جتنی نعمتیں کہ ان کو انسان کا دل چاہے عمدہ مکان باغ و انہار نفیس کپڑے حور و غلمان سواری اور خادمانِ پری رو اور کھانے کی دل پسند چیزیں اور فرحت و سرورِ جاودانی کے وہ سب سامان وہاں موجود ہوں گے جن کو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے کان نے سنا نہ کسی کے ذہن میں آئے۔ لفظ نعیم سب کو شامل ہے۔

اس کے علاوہ ان کو بادشاہت کے تخت پر بھی بٹھایا جائے گا جیسا کہ فرمایا ہے علی الارائک ینظرون کہ تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارہ کیا کریں گے۔ اور وہ تخت ایسے معمولی تخت نہ ہوں گے بلکہ سایہ دار جو بیش بہا جواہرات اور بیش بہا کپڑوں اطلس و دیبا وغیرہ سے مزین ہوں گے کہ ان کو کوئی نہ دیکھے اور اس میں سے وہ سب کچھ دیکھیں گے اسی لیے ینظرون کا مفعول حذف کر دیا کہ تعمیم سمجھی جائے، جنت کے سب تماشے اور عیش و نشاط کے سامان بھی دیکھیں گے اور دوزخیوں کی حالتِ زبوں کا بھی ملاحظہ کریں گے مگر تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ان کو ان کی یہ حالتِ زار دیکھنے سے کچھ ملال اور پریشانی نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی دوست اور قرابت دار کافر و مشرک عذاب میں مبتلا نظر آئے گا تو ان کی محبت کا رشتہ اس سے بالکل منقطع ہو جائے گا اور ان کے عیش و نشاط میں ان کے برے حال کے دیکھنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا بلکہ ان کے چہروں پر وہی شادمانی اور نعمت کے آثار اور تازگی نمایاں ہوگی اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے نورانی چہرے جگمگائیں گے[1]

اور اس نظارے کا لطف زیادہ کرنے کے لیے یسقون من رحیق ان کو شرابِ خالص بھی پلائی جائے گی کہ نہ جس میں تلخی ہوگی نہ بدبو اور نہ بعد میں خمار و دردِ سر نہ بے ہوشی نہ بدحواسی جو تمام لطف کو درہم برہم کر دے بلکہ وہ ایک شراب ہوگی جو ان باتوں سے خالص ہوگی اور اس سے ایک سرور پیدا ہوگا اور وہ ایسی متبذل شراب نہ ہوگی کہ جس تک ہر ایک کا ہاتھ پہنچتا ہو بلکہ اس پر مہر لگی ہوگی۔

[1] عرفاء فرماتے ہیں کہ ارائک جس کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا آیا ہے وہ اہل اللہ کے مخفی حالات و مقامات ہیں اور یہ ان کی رات میں لوگوں سے چھپ کر تہجد و دعا و استغفار و تسبیح و تہلیل ہے اور ان کے دلوں کا وہ سوز و گداز ہے جو لوگوں سے مخفی تھا اور ان کی وہ محبتِ الٰہی ہے جو کسی کو نظر نہ آتی تھی آج وہ ارائک کی شکل میں جلوہ گر ہوگی اور ان کے چہروں کی وہ پژمردگی جو دنیا میں محبتِ الٰہی اور فاقہ کشی اور غربت و فقر سے تھی آج تازگی بن جائے گی ۱۲ منہ

نہ دنیا کی شرابوں کی طرح کہ جن پر مٹی یا لاکھ کی مہر ہوتی ہو بلکہ ختمہ مسک اس کی مہر مُشک سے ہوگی جس کی خوشبو اس میں سرایت کر جائے گی اور فرحت و سرور بڑھائیگی اور نیز مشک ایک مناسب گرمی پیدا کرے گا جو ہضم بڑھاتا ہے۔

بعض مفسرین ختام سے مراد تمامی لیتے ہیں کہ پینے کے بعد مشک سے ان کے منہ خوشبودار کیے جائیں گے جیسا کہ کھانا کھانے اور شربت پینے کے بعد پان یا الائچی کھاتے ہیں اور یہ اس کا ختام ہوتا ہے، اسی طرح وہاں بعد میں ایسی خوشبودار فرحت خیز چیز دی جائے گی جس کو مشک سے تشبیہ دی ہے۔

واضح ہو کہ یہاں تک ابرار اصحاب الیمین کے نعماء بیان ہوئے ہیں کہ جو تختوں پر بیٹھے ہوں گے شراب رحیق پییں گے۔ یہ شراب رحیق وہ محبت خالص ہے جو دنیا میں شرک و بدکاری کا ملاؤ نہیں رکھتی تھی اس لیے جنت میں وہ شراب خالص بن کر ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرے گی۔ مگر یہ شراب رحیق تسنیم سے جو خاص مقربین کا حصہ ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) کم مرتبہ ہے اس لیے اس رحیق میں کبھی کبھی اس تسنیم سے کچھ ملا دیا جائے گا جیسا کہ دنیا میں شراب میں گلاب وغیرہ چیزیں ملا کر پیتے ہیں۔ اور یہ کم مرتبہ اس لیے کہ رحیق وہ فرحت و شادمانی ہے جو موجوداتِ عالم علوی کے ملاحظہ سے ہوگی جیسا کہ دنیا میں یہ جماعتِ ابرار مصنوعات کے ملاحظہ سے صانع کو پہچانتے تھے اور ہر ایک آیتِ قدرت کو اس کے جمال کا آئینہ سمجھ کر شادمانی کرتے تھے اسی طرح اُس جہان میں ان کو ایک شراب خالص پلائی جائے گی کہ جو وہاں کے عجائب موجودات کو ملاحظہ کر کے ان میں اس کے جمالِ باکمال کا مشاہدہ کریں گے اور نہایت شادمانی ہوگی۔ بخلاف تسنیم کے کہ وہ خاص ذاتِ حق کے مشاہدہ کے لیے ہے بغیر اس کے کہ موجودات کے آئینوں میں جھلکی دکھائی جائے اس لیے اس شراب میں سے بھی کبھی ان کو حصہ ملے گا کہ یہ بھی ذاتِ پاک کا مشاہدہ کریں گے۔

اس کے بعد فرماتا ہے وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون اور چاہیے کہ للچانے والے اس پر للچائیں اور اسی کی آرزو اور خواہش کریں نہ کہ دنیا کی نعمتوں کی جو کدورت سے خالی نہیں اور اس پر بھی ان کو دوام و بقا نہیں جوانی بادِ صبا کی طرح ایک دم کے لیے آئی اور چلی گئی، پھر جب جوانی نہیں تو اور نعمتوں کا کیا مزہ باقی رہا، پھر دنیا کی شراب کی کیا رغبت کرنی چاہیے جو بدمزہ اور بدبودار اور مزیلِ عقل و حواس اور مورثِ دردِ سر و خمار ہے، اور کم تولنے یا حقوق العباد تلف کرنے میں بے حقیقت چیزوں پر کیا ریجھنا اور عاقبت برباد کرنا چاہیے یہاں کا مال و زر کیسا اور یہاں کے اسبابِ عیش و نشاط کیا ہیں۔ ان بے حقیقت چیزوں پر ریجھ کر عقبیٰ برباد کرتے ہو، رغبت کرنے اور ریجھنے کی چیز تو آخرت کی یہ نعمتیں ہیں۔

اس کے بعد کچھ حال مقربین کا بھی بیان کیا جاتا ہے انہیں ابرار کے ضمن میں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جب مقربین کے روز کے پینے کی چیز کبھی کبھی ان ابرار کی شرکت میں مزید لطف و کرم و اعزاز کے لیے لائی جاتی ہے اور یہ ابرار ان نعمتوں میں ہیں تو پھر مقربین کا ان سے مرتبہ بڑھ کر ہے، ان کے نعیم کا کیا کہنا ہے۔

اس لیے فرماتا ہے ومزاجہ من تسنیم کہ اس رحیق کی آمیزش تسنیم سے ہوگی۔ یعنی تسنیم اس میں ملائی جائے گی۔ تسنیم کے لغوی معنی بلندی کے ہیں۔ اونٹ کے کوہان کو اسی لیے سنام کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتا ہے اس لغوی معنی کے لحاظ سے تسنیم کے باب میں مفسرین کے

(۱) ایک یہ کہ وہ اونچے سے نیچے کو گرتا ہوا چشمہ ہے ایسا چشمہ بہ نسبت اس کے کہ ہموار زمین میں بہتا ہو نہایت صاف اور پر لطف ہوتا ہے۔

(۲) یہ کہ وہ ہوا میں بہتا ہے اس بلندی و ارتفاع سے اس کی لطافت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی ہوگی۔

(۳) یہ کہ وہ بلند قدر عالی مرتبہ چیز ہے اس لیے اس کو تسنیم کہتے ہیں اور اسی لیے عکرمہ کہتے ہیں تسنیم کے معنی تشریف کے ہیں یعنی عالی قدر بلند مرتبہ۔

ابن عباسؓ و حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کی حقیقت سے بجز پروردگار کے کوئی واقف نہیں وہ ایک نہایت عمدہ اور بے بہا چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہ کا اسی قدر بیان کافی ہے۔

عینا یشرب بھا المقربون کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ جس سے مقربین پیا کرتے ہیں۔ اور ابرار کو اس میں سے ملا کر دیا کرتے ہیں اس سے ابرار ع ۴۷ ۸ کی شان بھی معلوم ہوئی کہ پلائی تو ان کو رحیق جاتی ہے مگر اس میں اور لطف بڑھانے کے لیے تسنیم ملا دیتے ہیں اور مقربون کا بھی حال معلوم ہوا کہ وہ خاص اسی تسنیم کو پیا کرتے ہیں جو ایسی قدر و قیمت کی چیز ہے کہ جس میں سے کچھ ابرار کی شراب میں ملائی جاتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ

یقیناً نافرمان (دنیا میں) ایمان داروں

الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا

سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب

مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا

ان کے پاس سے نکلتے تو آنکھیں مارتے تھے اور جب

انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا

اپنے گھر لوٹ کر جاتے تو ہنستے

فَكِهِينَ ۝٣١ وَإِذَا رَأَوْهُمْ

ہوئے جاتے تھے اور جب ایمان داروں کو دیکھتے تھے تو

قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝

کہا کرتے تھے بے شک یہی گمراہ ہیں

وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ۝

حالانکہ یہ ان پر نگہبان بھی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ

پھر آج تو ایمان دار کافروں سے

يَضْحَكُونَ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ

ہنسی کر رہے ہیں تختوں پر بیٹھے

يَنْظُرُونَ ۝ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ

دیکھ رہے ہیں اب تو کافروں نے

مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

اپنے کیے کا بدلہ پایا۔

ترکیب

الذین مع صلتہ اسم ان۔ کانوا اسم کان ضمیر متصل یضحکون خبرہا من الذین آمنوا متعلق بیضحکون ای یستہزؤن منہم فالجملۃ کانوا الخ خبر ان۔ واذا مروا ای المسلمون بہم بالکفار وہم فی مجالسہم یتغامزون ای الکفار من الغمز وہو الاشارۃ بالجفون والحواجب واذا انقلبوا ای الکفار شرط انقلبوا جواب اذا فکہین حال منہم قرء عاصم فی روایۃ حفص عنہ فکہین بغیر الف فی ہذا الموضع وحدہ

وقرء الباقون فکھین بالالف فقیل معناھما واحد وقیل
ان الفکہ الاشر البطر والفاکہ الناعم المتنعم واذا
شرطیۃ مروا ای الکفار ھم المسلمین قالوا جواب
الشرط وما ارسلوا الجملۃ حال من فاعل قالوا فالیوم
منصوب بیضحکون وفاعلہ الذین آمنوا وتقدیم
الفاعل للتخصیص اولرعایۃ لفواصل علی الارائک
ینظرون الجملۃ حال من یضحکون ای یضحکون منھم
ناظرین الیھم والی احوالہم ھل ثوب الجملۃ مستانفۃ
وقیل فی محل نصب بینظرون وقیل ہی علی اضمار
القول ای یقول بعض المؤمنین لبعض، قرء حمزۃ و
الکسائی وابوعمرو بادغام لام ہل فی ثاء ثوب، والباقون
بترک الادغام ۔

تفسیر

فرمایا تھا کہ آخرت کی نعمتوں کی رغبت کرنی چاہیے اور یہی رغبت کرنے کے قابل چیز بھی ہے، اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب کوئی دنیا کی رغبت کرتا ہے اور اس پر یہاں تک فریفتہ ہوتا ہے کہ دارِ آخرت کی رغبت کرنا تو کجا سرے سے اس کا انکار ہی کر بیٹھتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ جو دارِ آخرت پر یقین کرکے وہاں کے لیے تیاری کرتا ہے تو اپنے مشرب کے خلاف سمجھ کر اس سے نفرت کرتا ہے اور ایذا دینے پر کمر باندھ لیتا ہے اور اس کو برا بھلا بھی کہتا ہے، پھر ان برے افعال کا بدلہ پاتا ہے خدائے عادل (جو میزانِ عدل ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور دنیا میں بھی ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اور کمی کرنے والوں کی خرابی بیان فرماتا ہے) قیامت کے دن ان دنیا کے فریفتہ لوگوں کو اسی ترازو سے تول کر اور اسی پیمانہ سے ناپ کرے گا جس سے انہوں نے خداپرستوں کو تول کر اور ناپ کر دیا تھا یعنی ایمان دار آخرت پر رغبت کرنے والے اس روز اس اپنی کامیابی پر خوش ہوں گے، ان احمقوں پر ہنسیں گے۔

ان مطالب کی ان آیات میں تصویر کھینچی جاتی ہے تاکہ دنیا سے نفرت اور دارِ آخرت سے رغبت ہو، فقال ان الذین الخ کہ وہ لوگ جنہوں نے جرم کیا ہے (دارِ آخرت سے بے خبری اور نفرت دنیا کی رغبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اسی لیے حدیث میں آیا ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ) اور اس جرم میں یہاں تک دلیر ہوئے ہیں کہ جو خدا کے مجرم نہیں بلکہ مطیع ہیں ان پر ٹھٹھے کیا کرتے ہیں۔ یہ ان کا **ایک** فعلِ بد ہے یا تھا۔ اول تو کسی پر ہنسنا یوں بھی برا ہے اس کی دل شکنی کا باعث ہے اور یہ اخلاق اور مروتِ انسانی سے بعید ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو ضرور اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے یہ بھی سخت عیب ہے۔

سوئم جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے کہ جس پر ہنس رہا ہے محفوظ سمجھتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا ہے کہ مجھ سے بھی کوئی بالادست ہے ممکن ہے کہ مجھے اس سے بھی بدتر کر دے اور اس کو مجھ سے بہتر بنا دے۔ ایسا کور باطن حوادثِ دہر اور قدرت کے انقلابات سے غافل ہے اور یہ باطن کی کوری ہے اور خدا تعالیٰ کو غصہ میں لانے والی بات ہے اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی کسی پر طعن کرے گا خود اسی میں مبتلا ہوگا اور بزرگوں نے فرمایا ہے جو کسی پر ہنسے گا اس پر ہنسا جائے گا۔

دوسرا فعلِ بد ان کا یہ تھا کہ اذا مروا بھم

یتغامزون کہ جب وہ دین داران کے پاس سے گزرتے تو تحقیر کے لیے آنکھوں کے اشارے کرتے یہ بھی ایک بڑی کمینہ خصلت ہے اور اکثر نالائق طعن وطنز کی راہ سے دوسروں کی طرف آنکھیں بھویں مارا کرتے ہیں منہ بنا کر اشارے کیا کرتے ہیں سو وہ دنیا پرست ان خداپرستوں کے ساتھ یہ بھی کیا کرتے تھے اور ان کی غرض ان دونوں فعلوں سے ان کی تحقیر ہوتی تھی جو ان کے ظاہر حال شکستہ پر اپنی ثروت دولت و اقبال کے زور میں ہنستے آنکھیں مارتے تھے کہ لو یہ ہیں جنت کے وارث حوروں کے شوہر جب ان کی دنیا میں یہ حالت ہے تو وہاں کیا نہ ہوگی اور ہم پر یہ فضل ہے ایسے عزت والے ہیں ہم کو کیا وہاں ان سے بڑھ کر رتبہ نہ ملے گا اگر وہاں کچھ ہے ورنہ خالی ڈر رکھے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ اُس عالم کا معاملہ یہاں کے برعکس ہے ؎

بسا امیر کہ آں جا اسیر خواہد شد
بسا پیادہ کہ آں جا سوار خواہد شد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا اخبرکم باھل الجنۃ کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ متکبر (متفق علیہ) کہ میں تمہیں اہلِ جنت بتلاؤں۔ ہر ایک ضعیف بے کس اگر خدا پر کوئی قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کو پورا ہی کر دے، اور دوزخی بتلاؤں ہر ایک سخت کٹر متکبر۔ آخرت کے مستحق وہی ہیں جو دنیا میں مسکین کمزور عاجز متواضع خداپرست ہیں ع

کہ ساکنانِ درِ دوست خاکسار انند

تیسرا فعل بد اُن کا یہ تھا واذا انقلبوا الی اھلھم انقلبوا فکھین کہ باہر تو یہ کچھ کرتے ہی تھے مگر جب اپنے گھروں میں جایا کرتے تھے تو وہاں بھی ہنستے ایمان داروں پر دل لگیاں کرتے۔ یا یہ معنی کہ ان کو آخرت کا اندیشہ اور آنے والے مصائب کا کچھ خیال نہیں آتا تھا۔ گھروں میں رات دن اٹکھیلیاں ہی کرتے تھے۔ یہ بھی دنیا پرست کی شان ہے جس کو کبھی مرنے کا بھی خیال نہیں آتا۔ باخدا لوگ ہمیشہ مغموم رہا کرتے ہیں ان کے دلوں پر ایک اندیشہ رہتا ہے بات بات پر ہنسی کیسی اہا اہا اہوا ہو کیسی، رنگ رلیاں کہاں کی، یہ مجلسیں کرنا رات دن ناچ رنگ عیش و نشاط کے سامان بہم پہنچانا اُس جہان سے غافلوں کا ہی کام ہے اور اس کا نتیجہ حزنِ دائمی اور مصائب کا نازل ہونا ہے جن گھروں پر یہ سامان تھے ہم نے وہاں خاک اڑتی دیکھی ہے دردمندانِ محبتِ الٰہی کو اس کی فرصت کہاں ؎

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

چوتھا فعل بد ان کا یہ تھا واذا راوھم قالوا ان ھؤلاء لضالون کہ جب ان دین داروں کو دیکھتے تو کہتے یہی گمراہ ہیں دنیا کے مزے چھوڑ کر کس مصیبت میں پڑے ہیں۔ یہ سب حشر کی گفتگو ہے کہ حق سبحانہ وہاں یوں فرمائیگا کہ دنیا میں یہ ایسا ایسا کرتے تھے۔

پھر ان کی بے ہودہ بات کا آپ ہی جواب دیتا ہے وما ارسلوا علیھم حفظین کہ یہ کفار ان دین داروں کے داروغہ یا فوج دار بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ان کو ان کی کیا پڑی جو ایسا کرتے ہیں۔

اب جو قیامت میں ان کو ان افعال کی جزا ملے گی اس کو بیان فرماتا ہے فالیوم الخ کہ آج کے دن ایمان دار اُن کفار پر تختوں پر بیٹھے نظارہ کرتے ہوئے ہنسیں گے یا یوں کہو کفار سے ہنسیں گے کہ وہ تمہارے جاہ وجلال کیا ہوئے، اب یہ تم سے کیا ہو رہا ہے اور تختوں پر بیٹھے بادشاہ بنے نظارہ کریں گے اور فرشتے پکار دیں گے کہ اب تو کفار نے اپنے کیے کا بدلہ پایا، اوروں پر ہنستے تھے

آج ان پر ہنسا جارہا ہے۔ کس لطف کے ساتھ دارِ آخرت کی جزاء وسزا کا نقشہ کھینچا ہے اور کس انداز سے انسان کو بری باتوں سے روکا ہے۔ وله الحمد۔

سُوْرَہ انشقاق

مکیّۃ ہے اس میں پچیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ① وَأَذِنَتْ

جب کہ آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا

لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ② وَإِذَا الْأَرْضُ

حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے اور جب کہ زمین

مُدَّتْ ③ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَ

پھیلادی جائے اور جو کچھ اس میں ہے اُگل دے اور

تَخَلَّتْ ④ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا

خالی ہو جائے اور اپنے رب کا حکم سن لے

وَحُقَّتْ ⑤

اور اس کا فرض ہے کہ سنے

ترکیب

اذا قیل شرطیہ فیقدر بعدھا فعل والتقدیر اذا انشقت السماء انشقت۔ فالسماء فاعل بفعل محذوف۔ وقیل لیست بشرطیۃ بل ہی منصوبۃ باذکر المحذوف وہی مبتدء وخبرہا اذا الثانیۃ والواو مزیدۃ والتقدیر وقت انشقاق السماء وقت مد الارض واذنت معطوف علی انشقت ومعنی اذنت اطاعت فی الانشقاق ولم تاب ولم تمنع مشتق من الاذن وہو الاستماع للشئی والاصغاء الیہ واستعمال الاذن فی الاستماع کثیر فی کلام العرب وحقت الجملۃ حال من فاعل اذنت قال الضحاک ومعنی حقت حق لہا ان تطیع ربہا ای لاتمنع ما ارادہ اللہ بہا۔ واذا الارض مثل اذا السماء الخ ومعنی مدت بسطت وصارت قاعًا وقیل زید فی سعتہا من المدد وہو الزیادۃ والقت ما فیہا من الکنوز والدفائن والاموات وطرحت الی ظہرہا فعلی تقدیر کون اذا شرطیہ جوابہا اما محذوف تقدیرہ بعثتم وقیل مذکور فقیل ہو قولہ یایہا الانسان الخ وقیل قولہ فامامن الخ قالہ المبرد والکسائی وقیل فملقیہ قالہ اخفش۔

تفسیر

یہ سورت بھی بلا خلاف مکی ہے۔ ابن عباسؓ وابن زبیرؓ کا یہی قول ہے۔

بخاری ومسلم وغیرہما نے ابی رافع سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہؓ نے عشاء کی نماز میں یہ سورت پڑھی اور بعد میں سجدۂ تلاوت کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے اور میں سدا ایسا کروں گا۔ اور بھی روایاتِ صحیحہ میں اس سورت کے اختتام پر سورت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے بہت سے مواقع ہیں جن کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے کس لیے کہ وہاں اسی کا حکم یا ذکر ہے اس قسم کے سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں اور ایسی چودہ سورتیں ہیں جن میں سجدۂ تلاوت ہے آخر اعراف۔ رعد۔ نحل۔ بنی اسرائیل۔

مریم[۵] - اول سجدہ حج[۶] میں - فرقان[۷] - نمل[۸] - الم تنزیل[۹] -
ص[۱۰] - حم سجدہ[۱۱] - النجم[۱۲] - اذا السماء انشقت[۱۳] - اقرء[۱۴] -
(ہدایہ) مضامینِ سجدہ کے لحاظ سے علماء کا سجدۂ تلاوت
میں اختلاف ہوا ہے - امام ابوحنیفہؒ کا تو یہی قول ہے
جس کو اوپر بیان کیا - لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ
سورۂ حج میں اخیر سجدہ بھی مانتے ہیں مگر سورۂ ص میں
نہیں مانتے -

ربط

اس کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے، دونوں میں قیامت کے واقعات اور مرنے کے بعد کے حالات مذکور ہیں ذرا تامل سے معلوم ہو سکتا ہے -

سب سے اول یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جس میں اس جہان کا درہم برہم ہونا علمِ الٰہی میں ٹھہر چکا ہے تاکہ پھر ایک دوسرا جہان قائم کیا جائے اور جو کچھ دنیا میں نیک و بد کیا تھا اس کی جزاء و سزا دی جائے گی اور اُس نئے جہان کی ابتدا کب سے ہے آپ ہی فرماتا ہے اذا السماء انشقت جب کہ آسمان پھٹ جائے اور یہ بات کچھ محال نہیں کس لیے کہ و اذنت لربھا وہ اپنے رب کے حکم پر کان رکھے گا یعنی جو کچھ امرِ تکوینی اس کی نسبت صادر ہوگا اس کو وہ فوراً قبول کرے گا فوراً آسمان پر وہی حالت طاری ہو جائیگی جو خدائے قادر ذوالجلال چاہے گا، وحقت اور آسمان کو لائق بھی یہی ہے کہ وہ تعمیلِ حکم کرے کس لیے کہ وہ ممکن ہے ہر وقت اپنے وجود اور بقا میں اسی کا محتاج ہے اور جب ممکن اور محتاج ہے تو اس کا وجود اور عدم دونوں اس کے آگے یکساں ہیں جب چاہے نیست و نابود کر دے -

ان آیات میں بہت سے اوہام باطلہ کا جن کو لوگوں نے مذہب بنا رکھا ہے ابطال کر دیا گیا - بہت سے لوگ آسمان ہی کو انسانی سعادت و نحوست کا مالک و مختار جانتے تھے، اسی لیے شعراء ناکامی کے وقت آسمان کو برا بھلا کہا کرتے ہیں اور بہت سی اقوام اجرامِ سماویہ کو معبود جانتے تھے کوئی زہرہ کو کوئی آفتاب کو کوئی کسی اور ستارے کو اسی خیال سے پوجتا تھا ان سے مدد مانگتا تھا - فرقۂ صابیہ اور اس کی شاخیں مجوس و ہنود اب تک ایسا کرتے ہیں اور عرب میں بھی یہی خیال تھا ان سب کے خیال کو باطل کر دیا کہ ایک روز آسمان پھٹ جائے گا اور اس کے بعد ستارے بے نور ہو کر جھڑ پڑیں گے، یہ سب ہماری مخلوق اور حکم کے تابع دار ہیں یعنی یہ مخلوق ہیں حادث ہیں فانی ہیں حکم بردار ہیں - یہ اس عالم کی چیزیں ہیں، ایک وقتِ معہود تک باقی ہیں، پھر ہم ایک اُس عالم سے وسیع عالم پیدا کریں گے تو ان کو نیست و نابود کر دیں گے -

یہاں تک تو عالمِ علوی کی کیفیت بیان ہوئی، اس کے بعد عالمِ سفلی کی حالت بیان فرماتا ہے و اذا الارض مدت اور جب کہ زمین پھیلائی جائے یا بڑھائی جائے - زمین بالفعل گول کروی الشکل ہے - جب حق سبحانہ اس کو بھی نیست و نابود کرنا چاہیگا تو یہ چپٹی ہو جائے گی اس کی صورت جو محافظ تھی اس سے چھین لی جائے گی اور عادۃً بھی یوں ہی ہے کہ کروی چیز ٹوٹتے وقت پھیل جاتی ہے - یہ نفخ صورِ اولیٰ کے وقت کا حادثہ ہے - جیسا کہ آسمان کا پھٹنا بھی اسی وقت کا حادثہ ہوگا اور بعد میں تو نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہوگی کما قال یوم تبدل الارض غیر الارض والسموٰت -

اور جب زمین کی یہ حالت ہو جائے گی تو والقت ما فیھا وتخلت تو جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی، اور یہ ظاہر ہے،

رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ⑥
طرف چلا جارہا ہے پھر تو اس سے جا ملے گا

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ⑦
پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا
تو اس سے آسانی کے ساتھ حساب

يَّسِيْرًا ⑧ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
لیا جائے گا اور وہ اپنے اہل و عیال میں خوش

مَسْرُوْرًا ⑨ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ
واپس آئے گا اور جس کو

كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ⑩
نامۂ اعمال پیٹھ پیچھے سے دیا گیا

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪ وَّ
تو وہ موت کو پڑا پکارے گا اور

يَصْلٰى سَعِيْرًا ⑫ اِنَّهٗ كَانَ
دوزخ میں بسے گا کیوں کہ وہ تو اپنے

فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑬ اِنَّهٗ
گھر میں خوشیاں منایا کرتا تھا اس نے

ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ⑭ بَلٰٓى
سمجھ لیا تھا کہ پھر کر تو جانا ہی نہیں کیوں نہیں

اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ⑮
اس کا رب تو اسے دیکھتا ہی رہتا ہے۔

ترکیب

انک الخ الجملۃ نداء الکدح السعی فی الشیٔ بجھد۔ کدح۔

کس لیے کہ جب یہ درہم برہم ہوگی اور اس کی صورت و شکل بگڑ جائے گی جس طرح کہ مرتے وقت ہر جان دار کی اور ڈھیتے وقت مکانات کی بگڑتی ہے اور اس وقت اس کے اندر جو کچھ مخفی ہے جس سے مراد خزائن و دفائن زر و جواہر اور مُردے ہیں جو اس میں دفن ہوئے تھے یا جو کچھ اس کے رب نے اس میں ودیعت رکھا ہے وہ سب اُوپر آپڑے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ آج جن چیزوں کو عزیز از جان سمجھ کر زمین کی تہ میں چھپاتے اور زمین کو اپنا خزانچی جانتے ہو ایک روز یہ سب کچھ باہر آجائے گا۔

اور یہ بات کچھ محال نہیں کس لیے کہ واذنت لربھا کہ زمین بھی اپنے رب کے حکم کی طرف کان لگائے گی یعنی مانے گی اور کوئی وجہ سرتابی کی اس کو حاصل نہ ہوگی وحقت اور اسے ماننا بھی چاہیے اس کو لائق بھی یہی ہے کہ حکم الٰہی مانے کیوں کہ یہ بھی ممکن ہے۔ اس کا وجود اور عدم دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے بلند کرے جس کو چاہے پست۔

ان حوادث کی نسبت اذا اذا کر کے یہ تو بیان فرمایا کہ جب ایسا ہوگا اور جب ایسا ہوگا مگر یہ نہیں فرمایا کہ جب یہ ہوگا تو کیا ہوگا یعنی اذا شرطیہ کی جزا یا شرط کا جواب بیان نہیں فرمایا، اس کو اہلِ زبان کے مذاق پر چھوڑ دیا کہ وہ خود سمجھ لیں گے کہ اس وقت ضرور انسان کا یہ خیال غلط ثابت ہوجائے گا کہ اس کو مر کر کسی دارِ جزا و سزا کی طرف جانا نہیں ہے اور اسی لیے بعد میں اسی مقصود کی تصریح بھی کر دی جس کو بعض نے جواب شرط سمجھ لیا، فقال

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى
اے آدمی! تو تو کھٹا کھٹ اپنے رب کی

ورزیدن وکار کردن وکوشش نمودن - وروی خراشیدن
یقال بہ کدح وکدوح ای خدوش وفی الحدیث فی وجہہ
کدوح وہو یکدح بعیالہ ای یکسب لہم - از صراح - فاما
من فیہ معنی الشرط فسوف جوابہ وینقلب معطوف
علی یحاسب مسرورًا حال وراء ظہرہ ظرف لاوتی
لن یحور قال الراغب الاصفہانی الحور التردد فی الامر
محاورۃ الکلام مراجعتہ والمحار المرجع - الحور الرجوع یقال
حار یحور اذا رجع ومنہ قولہ علیہ السلام اللہم انی اعوذ بک
من الحور بعد الکور یعنی من الرجوع الی النقصان بعد الزیادۃ۔
بلیٰ ایجاب للمنفی بلن ای بلی یحور - ان ربہ جواب قسم
مقدر فالجملۃ تعلیل لما افادتہ بلی -

تفسیر

فقال یاایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحًا فملٰقیہ - کدح کے معنی لغت میں حرکت کرنا اور کوشش کرنا ہے اس لحاظ سے مفسرین نے اس کے کئی معنی بیان فرمائے اور ہر ایک معنی کے لحاظ سے انسان سے بھی کبھی کافر مراد لیا ہے فردِ ناقص سمجھ کر اور کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فردِ کامل جان کر اور کبھی مطلقاً۔

پس بعض[1] نے یوں معنی بیان کیے ہیں کہ اے انسان یعنی نبی کریم تو ابلاغِ رسالت میں اور ارشاد و تعلیم میں جو کوشش تبلیغ اور سرگرمی کر رہا ہے ضرور تو اس کا بدلہ نیک پائے گا تیری کوشش رائگاں نہ جائے گی۔

بعض[2] نے کہا یہ معنی ہیں کہ اے کافر ابوجہل و ابی بن خلف تو جو طلبِ دنیا اور ابطالِ رسالت اور اصرارِ کفر پر کوشش کر رہا ہے اس کا بدلہ پائے گا یہ تیرا کام تجھے ملے گا ایک دن ہیبت ناک شکل میں تیرے سامنے آئے گا۔

تیسرے[3] یہ معنی کہ اے انسان (سب کی طرف خطاب ہے مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد) تو جو دنیا میں سرگرمی کر رہا ہے (نیک حسنات میں، بد فسق و فجور اور طلب دنیا اور اس کی لذات و شہوات میں) تجھے یہ تیری کوشش اور عمل کا نیک و بد پھل ضرور ملنا ہے یوں ہی عبث نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس میں کمال درجہ کی تنبیہ ہے کہ جو کچھ کرو آنکھ بند کر کے نہ کرو تقلیدِ آبائی و پابندیٔ رسم و رواج میں اندھے بن کر نہ گرو سوچ بچار لو کہ کیا کر رہے ہو یہ جو کچھ تم کر رہے ہو ایک روز تمہارے سامنے آئے گا۔

چوتھے[4] معنی یہ ہیں اور وہ زیادہ تر چسپاں ہیں کہ اے انسان (سب کی طرف خطاب ہے) تو یہ نہ سمجھ کہ میں سدا دنیا ہی میں رہوں گا، مجھے اپنے خدا کے پاس نہیں جانا ہے مرکر خاک ہو جاؤں گا یا اس میدانِ ناسوت میں تناسخ کے ذریعہ سے قوالب بدلتا رہوں گا، اس جہان میں ٹھوکریں کھاتا رہوں گا، یہ ہرگز نہیں بلکہ تو کھٹا کھٹ ہماری طرف چلا آرہا ہے، یہ رات اور دن تیری سواری کے دو پہیے ہیں یا تیرے سفر کرنے کے لیے دو پاؤں ہیں تو بے اختیار اس میدانِ وجود کو طے کر رہا ہے، ایک دن حمل میں تھا پھر باہر آیا لڑکا بنا رہا جوان ہوا بڈھا ہوا مر گیا۔ یہ حمل اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا تیرے اس تیز سفر کے منازل ہیں آخر ایک روز ہمارے پاس آئے گا مرنے کے بعد ہمارے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر تیرے نیک و بد اعمال تول تول کر تیرے پلے میں ڈالے جائیں گے۔

فاما من اوتی کتٰبہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابًا یسیرًا وینقلب الیٰ اھلہ مسرورًا

پھر جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا اور

یہ نیک لوگ ہوں گے یمین و یمن خیر و برکت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جانا اس کے لیے بشارت ہے کہ یہ اہلِ خیر میں سے ہے تو اس کے بعد جھٹ پٹ اس سے حساب آسان لیا جائے گا اور حسابِ آسان یہ ہے کہ اس کے زلات اور ان جرائم سے جس کے بعد اس نے توبہ و استغفار کیا اور نادم ہوا درگزر کیا جائے گا۔ اور در اصل یہ حساب نہیں بلکہ ایک ملاحظہ کرانا ہے کہ بندہ اپنے اعمال اور اس پر اس کے بے حد افضال کا اندازہ کرلے اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا وہ تو ہلاک ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے فسوف یحاسب الخ یعنی یہ آیت پڑھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حساب نہیں جو مومن سے آسانی سے لیا جائے گا یہ تو ایک ملاحظہ کرانا ہے اور جس سے حساب لیا جائیگا وہ تو ہلاک ہو جائے گا (رواہ البخاری ومسلم وغیرہما) اور اس لیے آں حضرتؐ بعض اوقات یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے امت کو تعلیم کرنے کے لیے اللھم حاسبنی حسابًا یسیرا کہ اے اللہ مجھ سے حسابِ یسیر لینا (اخرجہ احمد)

اور اس حسابِ یسیر سے فرصت پا کر وہ شخص اپنے گھر کی طرف جو پہلے سے جنت میں تیار کیا گیا ہے جہاں اس کے دنیاوی اقارب زن و فرزند اس سے پہلے گئے ہیں اور حور عین بھی ہے خوشی خوشی جائے گا اور وہ گھر اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہیں رہا کرتا تھا اور اب لوٹ کر وہیں جاتا ہے لفظِ وینقلب اسی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہ سچ ہے کس لیے کہ یہ دارِ آخرت اس کے ان اعمالِ حسنہ اور محبتِ الٰہی کا تو مظہر ہے جو ہمیشہ اس کے پاس رہا کرتے تھے گویا ان میں رہا کرتا تھا۔

اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے واما من اوتی کتٰبہ وراء ظھرہ اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا گیا تھا کہ پہلے سے معلوم ہو کہ بد ہے اور آیات میں وراء ظھرہ کی جگہ بشمالہ کا لفظ آیا ہے مگر یہ ملزم زنجیروں میں کسا ہوگا مشکیں بندھی ہوں گی ہاتھ پیٹھ کی طرف پیچھے بندھے ہوں گے اس لیے پیٹھ کے پیچھے سے دینا یہاں ذکر فرمایا تاکہ اس کی مشکیں بندھی ہونے کو بھی ثابت کرے (اس لیے دونوں لفظوں میں کوئی تعارض نہیں) تو وہ ہلاکی اور موت کو پکارے گا ہائے ہائے کرے گا اور کہے گا کہ موت آجائے تو میں مر کر اس مصیبت سے بچ جاؤں، پھر وہاں موت کہاں ویصلیٰ سعیرا وہ تو دہکتی آگ میں ڈالا جائے گا وہیں پڑا جلا کرے گا۔

اب اس کا سبب بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ کیوں دہکتی آگ میں ڈالا جائے گا انہ کان فی اھلہ مسرورا کہ وہ اپنے گھر میں مگن تھا۔ شہوات و لذات کے گھوڑوں پر سوار تھا آخرت کی کچھ فکر نہ تھی بلکہ سرے سے قائل ہی نہ تھا، رات دن طلبِ مال و زر میں مصروف تھا۔ حرام و حلال کی کچھ پروا نہ کرتا تھا شراب زنا ناچ تماشہ راگ رنگ میں مسرور تھا اور اس کے علاوہ انہ ظن ان لن یحور وہ یہ بھی سمجھے ہوئے تھا کہ اللہ کے پاس جانا نہیں حساب دینا نہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں جو چاہو کرو۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس خیال میں تھا کہ اس کی یہ حالت کبھی متغیر نہ ہوگی ہمیشہ یوں ہی رہے گا، یہ دو باتیں سبب ہیں اس کے آگ میں پڑنے کا، اس کی وہ خوشی اور وہ اعتقاد کہ جس میں یہ پڑا ہوا تھا آج آتشِ جہنم بن گیا گویا یہ خود ہی جہنم میں پڑا ہوا تھا۔ بلیٰ ہاں ہاں اس کا یہ خیال غلط تھا۔

کیوں کہ ان ربہ کان بہ بصیرا اس کا رب تو اس کو دیکھا کرتا تھا کوئی حرکت و سکون اس کی نظر سے غائب نہ تھا۔

ف بلیٰ کا کلمہ نفی کا اثبات کرتا ہے یعنی وہ جو سمجھتا تھا کہ خدا کے پاس نہ جاؤں گا اس کے جواب میں ہے بلیٰ ہاں جائے گا۔ اور یہ کلمہ اول کلام سے بھی متصل ہے اور بعد سے بھی اس لیے اس پر وقف بھی درست ہے اور ملا کر بھی پڑھا جاتا ہے۔ ع ۲ ۲۵ ۹

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (۱۶) وَالَّيْلِ
پھر میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات
وَمَا وَسَقَ (۱۷) وَالْقَمَرِ اِذَا
اور اس کے چھا جانے کی بھی اور چاند کی جب
اتَّسَقَ (۱۸) لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا
وہ پورا ہو جائے کہ تم کو تو ایک منزل سے دوسری
عَنْ طَبَقٍ (۱۹) فَمَا لَهُمْ لَا
منزل پر چڑھنا ہوگا پھر انہیں ہوا کیا جو
يُؤْمِنُوْنَ (۲۰) وَاِذَا قُرِئَ
ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے
عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا
روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو
يَسْجُدُوْنَ (۲۱) بَلِ الَّذِيْنَ السجدة
سجدہ نہیں کرتے بلکہ منکر تو
كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ (۲۲) وَاللّٰهُ
جھٹلا رہے ہیں اور اللہ
اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ (۲۳)
خوب جانتا ہے جو وہ (دل میں) بھرا رکھتے ہیں

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۲۴)
سو آپ ان کو عذاب الیم کا مژدہ سنا دیں
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ
کام بھی کیے ہیں ان کو تو بے انتہا
غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۲۵)
اجر ملے گا ؎

ترکیب

فلا لا زائدۃ کما مر الشفق الحمرۃ التی تبدو بعد غروب الشمس وسمی شفقا لرقتہ ومنہ الشفقۃ علی الانسان وہی رقۃ القلب علیہ والیل عطف علی الشفق وکذا ما وسق الوسق فی اللغۃ ضم الشی بعضہ الی بعض یقال استوسقت الابل اذا اجتمعت وانضمت والراعی یسقہا ای یجمعہا ای جمع وضم ما کان منتشرا فی النہار لان اللیل اذا اقبل اٰوی کل شیٔ الی منزلہ قال قتادۃ والضحاک ومقاتل بن سلیمان ای ما حمل من الظلمۃ او من الکواکب وقال سعید بن جبیر ای ما عمل فیہ من التہجد والاستغفار والقمر معطوف علی الیل اتسق ہو افتعل من الوسق وہو الجمع ای تکامل فی النور لترکبن جواب القسم لترکبن بفتح التاء وضم الباء صیغۃ جمع المذکر الحاضر من الرکوب قرئ بفتح الباء خطاب للواحد وہو النبی صلی اللہ علیہ وسلم او کل فرد من افراد الانسان وقرئ لیرکبن بالتحتیۃ وضم الموحدۃ علی الاخبار طبقا منصوب علی انہ مفعول ترکبن عن طبق صفۃ بطبقا ای طبقا حاصلا عن طبق ای حالا عن حال واذا قرئ الجملۃ فی محل النصب علی الحال

الا الذین استثناء منقطع او متصل۔

تفسیر

یعنی اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جزا و سزا ہے اور تمہاری عقولِ متکدرہ کو وہاں تک رسائی نہیں تو ہمارے کہنے سے مان لو اور اگر اس طرح سے کہنے پر بھی اعتبار نہیں کرتے ہو تو لو فلا اقسم بالشفق میں ان تین چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو ہماری قدرتِ کاملہ کا پورا نمونہ اور تمہارے متبدل حالات کا کامل آئینہ ہے۔

اول شفق کی۔ شفق آفتاب غروب ہونے کے بعد کی سرخی کو کہتے ہیں۔ ذرات پر جو آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ایک سرخ رنگ آسمان کے کناروں پر نمودار ہوتا ہے طلوع کے وقت بھی اور غروب کے وقت بھی۔ اور چونکہ یہ رقیق ہوتی ہے اس لیے اس کو شفق کہتے ہیں۔ اور اسی لیے مہربان کو شفیق کہتے ہیں کہ اس کے دل میں اپنے دوست کی طرف سے رقت ہوتی ہے یعنی نرمی۔

ف۔ جمہور کے نزدیک نمازِ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر اس سرخی (شفق) کے غائب ہونے تک رہتا ہے مگر امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ اس سرخی کے بعد سفیدی بھی شفق ہے اس تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور جب یہ سفیدی جاتی رہے اور سیاہی اٹھ آئے تو عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک اس سفیدی کے وقت عشاء کا وقت آجاتا ہے مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا۔

اس شفق کے وقت ایک درمیانی حالت رہتی ہے نہ تو پورا پورا دن ہی رہتا ہے نہ پوری رات ہی آجاتی ہے۔ اس شفق کی قسم کھانے میں انسان کو اس کے مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک کے زمانے کو یاد دلاتا ہے ایک پوری تشبیہ میں تصویر کھینچ دیتا ہے۔ کس لیے کہ جب انسان کا آفتابِ روح غروب ہوجاتا ہے یعنی اس جسمِ عنصری کو چھوڑ دیتا ہے تو اس وقت روح پر شفق کے وقت جیسی حالت طاری ہوتی ہے، کسی قدر دن سا ہوتا ہے تو ایسا ہی روح پر کسی قدر ہنوز آثارِ زندگی باقی رہتے ہیں، اپنے اقارب سے محبت دنیاوی مالوفات کے ترک کا رنج۔ اسی لیے تھوڑے دنوں تک مردہ خواب میں بہ کثرت آتا اور رہنے سہنے کی باتیں جو دنیا میں اس کے متعلق تھیں بتاتا ہے۔

ایک بڑھیا ماما کا انتقال ہوگیا بظاہر اس نے کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ ایک رات ایک عورت کے خواب میں آکر کہا کہ میرے اتنے روپے اتنے پیسے اس بوسیدہ تکیے میں سلے ہوئے ہیں کہ جس کو تم نے گندہ جان کر کوڑے کی جگہ پھینک رکھا ہے۔ صبح کو اسے کھولا تو اسی قدر روپے اور پیسے برآمد ہوئے۔ یہ معاملہ اور اس قسم کے اور صدہا واقعات کاتب الحروف کے سامنے کے ہیں۔

اسی لیے مردہ اس وقت اپنے تئیں زندہ سمجھتا اور کہتا ہے دعونی اصلی[1] کہ ذرا مجھے چھوڑ دو کہ نماز پڑھ لوں اور اپنے اس حال کی اپنے لوگوں کو خبر کر آؤں ارجع الی اھلی فاخبرھم[2] اور اسی لیے احیاء کی طرف سے صدقات و دعا کا زیادہ منتظر رہا کرتا ہے۔

اس وقت رات کے آثار بھی نمودار ہوتے ہیں تو ایسا ہی میت پر بھی دوسری حالت طاری ہوتی ہے کہ

[1] رواہ ابن ماجہ ۱۲ منہ

[2] رواہ ترمذی ۱۲ منہ

اس کے نیک و بد اعمال کے آثار اس پر وہاں منکشف ہوتے ہیں اور جوں جوں وقت زیادہ گزرتا جاتا ہے اتنا ہی دنیا سے تعلقات کا انقطاع ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ استغراقِ عظیم وہاں کی ان کیفیات کے مشاہدہ میں اس پر طاری ہوتا ہے جو اس کے نیک یا بد اعمال کا نتیجہ ہیں اور اس کے قویٰ مدرکہ و متصرفہ اس جہان سے بالکل منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کے اور دنیا کے درمیان ایک پردہ اندھیری رات جیسا حائل ہوتا جاتا ہے۔

اس لیے اس کے بعد رات کی قسم کھاتا ہے والیل وما وسق اور قسم ہے رات کی اور اس چیز کی کہ جس کو رات سمیٹے یعنی جمع کرے۔ دن کو لوگ اور حیوانات پھرا کرتے ہیں رات میں اپنے ٹھکانوں پر آجاتے ہیں گویا رات دن کے بچھڑے ہوؤں کو جمع کر لیتی ہے۔ اس لیے اس کا نام عشاق کے نزدیک جامع المتفرقین ہے۔

اور ما کو مصدریہ بھی کہہ سکتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ رات کے سمیٹنے کی قسم کہ بے اختیار سب سمٹے چلے آتے ہیں، اشیاء بھی آفتاب کا نور بھی سمٹ جاتا ہے۔ یہ دوسری قسم تھی جس میں رات کی اور رات میں سمٹنے والوں کی قسم تھی ان کا سمیٹنا بھی ایک شان ہے جو اس کی طرف رجوع کرنے کو اور موت کو یاد دلاتی ہے۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سوتے تو ایسی دعائیں پڑھتے جن میں مرنے کی طرف اور خدا کے پاس جانے کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا قصد کرتے تو اپنا ہاتھ دائیں رخسارہ کے نیچے رکھ کر یہ کہا کرتے تھے اللھم باسمك اموت واحیی (کہ الٰہی تیرے ہی نام سے مرتا اور جیتا ہوں) اور جب بیدار ہوتے تو یہ کہتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور کہ سب تعریف اس اللہ کو ہے کہ جس نے مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اس کے پاس جا کر جمع ہونا ہے۔

اور صحیحین میں اس دعا کا پڑھنا بوقتِ خواب ثابت ہوا ہے۔ اللھم اسلمت نفسی الیك و وجھت وجھی الیك و الجأت ظھری الیك رغبة و رھبة الیك لا ملجأ و لا منجا منك الا الیك امنت بکتابك الذی انزلت و نبیك الذی ارسلت۔

بہرحال خواب و بیداری ہیں خصوصاً رات کے وقت منازل پر جمع ہونے اور سونے ہیں جس کو رات کے سمیٹنے سے تعبیر کیا اس کی قدرتِ کاملہ کا پورا نمونہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تو دنیا آباد تھی اب ہے کہ سناٹا ہے موت کا نمونہ طاری ہے اسی لیے ایسے انقلابات پر اہل اللہ اس کی تسبیح و تہلیل اور یاد کرتے ہیں جو روح کے منور کرنے میں بڑا اثر رکھتا ہے۔

اس کے بعد یعنی اس رات کے بعد پھر چاند روشن ہوگا، وہ کیا؟ قیامت برپا ہو کر ابدان کو ایک نئی زندگانی عطا ہوگی اس لیے اس تیسری قسم میں یہ تیسری حالت مذکور ہوتی ہے فقال والقمر اذا اتسق کہ قسم ہے چاند کی جب کہ اس کی روشنی پوری ہو جائے تیرھویں چودھویں پندرھویں رات کا چاند۔ اس وقت حجاب دور ہو جائیں گے ہر ایک پر حقائق منکشف ہو جائیں گے نیکی بدی کا راز کھل جائے گا۔

ان تینوں حالات کی قسم کھا کر فرماتا ہے لترکبن طبقاً عن طبق کہ ضرور اے بنی آدم تم کو ایک سیڑھی پر دوسری سیڑھی کے بعد چڑھنا ہے یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل طے کرنی پڑے گی پہلے ماں کے

پیٹ میں رہنے کی ایک منزل تھی، جب اس پر چڑھ چکے تو دوسری منزل پر چڑھے کہ پیدا ہوئے باہر آئے اب لڑکپن کی منزل پر چڑھے اس کو طے کر کے جوانی کی منزل پر چڑھے، اس کے بعد بڑھاپے کی سیڑھی طے کی، اس کے بعد موت کی اور عالم برزخ میں رہنے کی، اس کے بعد حشر کی پھر حشر سے جنت یا دوزخ کی۔

تغیراتِ عالم خصوصاً انسان کا تغیر و تبدل باآوازِ بلند پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ انسان کہیں سے آیا ہے اور بے اختیار یہ مسافر کہیں جا رہا ہے جو کسی کے روکنے سے نہیں رُکتا۔ اور چوں کہ ان حالات کا طے کرنا قطعِ مراحل و طے منازل سے مشابہ تھا اس لیے لفظِ رکوب کو جس کے معنی سوار ہونا ہے استعمال کیا۔ اور چوں کہ یہ حرکت صعودی ہے کہ اس خاک دانِ پست سے عالمِ بالا کی بلندی پر جانا ہے اس لیے ان حالات و مقامات کو طبقاً عن طبق سے تعبیر فرمایا کس لیے کہ طبقاً عن طبق تہہ پر تہہ کو کہتے ہیں جیسا کہ آسمان کے سات طبق اور بلند مکانات کے طبقات یعنی درجات عرف میں مستعمل ہیں اور یہ آیات گویا پہلی آیت یایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحًا فملٰقیہ کی تفصیل و تشریح ہے۔

ف طبق اس کو کہتے ہیں جو دوسرے سے مطابق ہو کہتے ہیں ماذا یطبق کذا ای لایطابقہ، ومنہ قیل للغطاء الطبق ثم قیل للحال المطابقۃ لغیرہا طبق ومنہ قولہ تعالٰی طبقا عن طبق ای حالاً بعد حالٍ کل واحدۃ مطابقۃ لاخیھا فی الشدۃ والھول ویجوزان یکون جمع طبقۃ وہی المرتبۃ من قولھم ھو علی طبقات (کبیر)

لترکبن کی مختلف قراءتوں کی وجہ سے معنی بھی متعدد پیدا ہوسکتے ہیں۔ صیغہ جمع مذکر حاضر کی صورت میں ایک تو یہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کیے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے لوگو! تم قیامت کا کیا انکار کرتے ہو ہم ان تین چیزوں کی قسم کھا کر کہ جو علویات میں تغیر و تبدل پیدا کرنے کے سبب ہماری قدرت و جبروت پر دلیل بیّن ہے یہ کہتے ہیں کہ وہ دن ہو کر ہی رہے گا اور اس روز شدائد و اہوال پیش آئیں گے اور ایک مصیبت کے بعد دوسری کا سامنا ہوگا۔

تیسرے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے لوگوں کا اس روز حال متبدل ہو جائے گا بہت سے امیر فقیر ہو جائیں گے اور ذلیل عزیز ہو جائیں گے ؎

بسا امیر کہ آں جا اسیر خواہد شد
بسا پیادہ کہ آں جا سوار خواہد بود

خافضۃ رافعۃ۔

چوتھے یہ کہ تم پہلوں کے طریقہ کو اختیار کرو گے شبرًا بشبر، مگر یہ معنی یہاں مناسبت نہیں رکھتے۔

اور جس نے لترکبن کو واحد مذکر حاضر کا صیغہ پڑھا ہے تب آیت کے معنی بہ لحاظِ مخاطب کے بھی متعدد ہوں گے۔

(۱) اگر مخاطب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بشارت ہے اعداء پر فتح و ظفر پانے کی کہ اے محمد! تو ایک حال پر مسلّط ہو کر دوسرے حال پر مسلّط ہوگا ایک فتح و ظفر کے بعد دوسری پر متمکن ہوگا۔ یہ کفار جو آج تیری تکذیب کرتے ہیں نادم ہوں گے۔

(۲) یہ کہ تجھ کو رفعتِ مرتبت نصیب ہوگی، رفعتِ ظاہری معراج ہیں اور باطنی ترقی مراتبِ قرب و وصال میں، ہر روز اور ہر آن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبۂ قرب کے بعد دوسرے کو طے کرتے جاتے تھے جیسا کہ فرمایا ہے وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ کہ پچھلی ساعت تیرے لیے ترقی قرب کے لحاظ سے اول ساعت سے بہتر ہے۔

واللہ اعلم باسرار کلامہ ۔

چوں کہ یہ تغیراتِ عالم اور خاص کر انسان کے تبدلات براہین ہیں اس بات پر کہ ضرور انسان کو کسی اور جگہ جانا اور اپنے کیے کا بدلہ پانا ہے یہ ایسی بات ہے کہ ذرا غور کرنے سے بھی واضح ہو جاتی ہے، اس لیے فرماتا ہے فما لھم لا یؤمنون کہ انہیں کیا ہو گیا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے لیے کوئی سامان نہیں کرتے ۔ مصیبت سر پر آنے والی ہے اس سے کس قدر غافل ہو کر دنیاوی مشاغل میں غرق ہیں ۔

عاقل کو ذرا سا بھی کھٹکا ہوتا ہے تو اس کی تدبیر سے غافل نہیں رہتا ۔ اور اس دارِ آخرت کے لیے ہادی ہے تو صرف قرآن ہے اور ان کا قرآن سے یہ حال ہے و اذا قرئ علیھم القرآن لا یسجدون کہ جب ان کو قرآن سنایا جاتا ہے آپ پڑھنا اور غور و تدبر کرنا تو کجا اس کے آگے نہیں جھکتے ۔ یعنی اس کے پابند نہیں ہوتے بلکہ قہقہے اڑاتے ہیں یا یوں کہو کہ اسے سن کر نازل کرنے والے کے آگے اس شکریہ میں کہ اس نے ہمارے لیے ایسی کتاب نازل کی جو ہماری مشکلاتِ دنیا و آخرت کی رہبر ہے سجدہ نہیں کرتے اور حق سبحانہ کی عبادت جو آخرت کا سرمایہ اور قرآن کی تعلیم کا اعلیٰ تر مقصود ہے ادا نہیں کرتے ۔

ف ۔ جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے کس لیے کہ یہاں سجدہ نہ کرنے والوں کی برائی مذکور ہے، احادیثِ صحیحہ سے سجدہ کرنے کا ثبوت ہم شروع میں کر چکے ہیں ۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے ۔

پھر فرماتا ہے کہ سجدہ کرنا تو کجا بل الذین کفروا یکذبون بلکہ منکر تو جھٹلاتے ہیں اور گو بعض زبان سے نہیں جھٹلاتے لیکن دل میں قائل نہیں واللہ اعلم بما یوعون اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں مخفی ہے ۔ اس کی حُبِّ شہوات و لذات اور انکارِ آخرت کے متعلق ان کے دلوں میں جو گندگی بھری پڑی ہے، اور زبان سے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں ان کو خدا خوب جانتا ہے ۔ اس میں ان ریاکاروں کی طرف تعریض ہے کہ زبان سے دعویٰ اسلام و محبتِ خدا و رسول اور دل میں حبِّ شہوات و لذات ۔

جب ان بدنصیبوں کی یہ حالت ہے تو اے نبی کریم فبشرھم بعذاب الیم ان کو مژدہ سنا دے سخت عذاب کا ۔ بشارت کا لفظ علیٰ سبیل تہکم و استہزاء استعمال کرنا عین بلاغت ہے اس لیے کہ وہ اپنی بت پرستی اور بیہودگی پر نتائج نیک کے امیدوار تھے ۔

کوئی شخص اس جہان میں فلاح نہیں پا سکتا الا الذین اٰمنوا و عملوا الصلحٰت مگر وہ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کیے لھم اجر ان کے لیے اجر ہے ان کے ایمان اور نیک کاموں کا نیک بدلہ ہے اور بدلہ بھی کیسا غیر ممنون بے انتہا، اگرچہ ایمان و عمل محدود تھا کیوں کہ عمر کا زمانہ بھی محدود ہے وہ کریم و رحیم اپنے فضل و کرم سے ابد الآباد تک بدلہ دیتا رہے گا جو غیر محدود ہے ۔ (الٰہی ہمارا خاتمہ بالخیر کر ۔ آمین)

سورہ بروج

مکیہ ہے اس میں بائیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿١﴾ وَ
قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور
الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿٢﴾ وَشَاهِدٍ
وعدے کے دن کی اور حاضر ہونے والے کی
وَّمَشْهُوْدٍ ﴿٣﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ
اور جس پاس حاضر ہوں اس کی غارت ہوں آگ کے
الْاُخْدُوْدِ ﴿٤﴾ النَّارِ ذَاتِ
ایندھن بھرے ہوئے خندقوں
الْوَقُوْدِ ﴿٥﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿٦﴾
والے جب کہ وہ ان کے کناروں پر بیٹھے ہوئے
وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ
ایمان داروں سے جو کچھ کر رہے تھے اس کو دیکھ
شُهُوْدٌ ﴿٧﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ
رہے تھے اور ان سے اسی کا تو بدلہ لے رہے تھے
اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ
کہ وہ اللہ زبردست خوبیوں والے پر ایمان
الْحَمِيْدِ ﴿٨﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ
لائے تھے اس پر کہ جس کے قبضہ میں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى
آسمان اور زمین ہیں اور اللہ کے
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٩﴾
سامنے ہر چیز ہے۔

ترکیب

والسماء الواو للقسم ذات البروج صفۃ السماء والیوم موصوف الموعود صفتہ والمجموع معطوف السماء وکذا شاھد ومشھود جواب القسم محذوف ای لتبعثن ونحوہ وقیل جوابہ قتل اصحٰب الاخدود الخ وقیل جوابہ ان بطش ربک لشدید. الاخدود جمع خد وھو الشق العظیم المستطیل فی الارض کالخندق ومنہ الخد لمجاری الدموع النار قرء الجمھور بالجر علی انھا بدل اشتمال من الاخدود لان الاخدود مشتمل علیھا وقیل التقدیر ذی النار وقرئ بالرفع علی انھا خبر مبتدأ محذوف ای ھی النار ذات الوقود صفۃ النار بانھا نار عظیمۃ والوقود عند الجمھور بفتح الواو وقرئ بضمھا وھو الحطب اذ ھم ظرف لقتل ای لعنوا حین احرقوا بالنار قاعدین علی جوانبھا الذی الخ نعت للّٰہ۔

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بائیس آیات ہیں۔ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء میں والسماء ذات البروج اور والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔ (اخرجہ احمد) رات میں ستاروں کی کیفیت اس سورت کے معانی کو اور بھی ذہن نشین کر دیتی ہے۔

مناسبت اس کی پہلی سورت سے الفاظ و معانی میں ظاہر ہے کیوں کہ اس میں آسمانوں کا پھٹنا مذکور ابتدا میں تھا تو یہاں اس کے بروج کی صفت مذکور ہوئی تاکہ محل تجزیہ وتقسیم وانشقاق کا اظہار ہو۔ اور مضامین میں بھی اور مقطع میں بھی مناسبت تامہ ہے۔

سببِ نزول اس سورت کا یہ ہے کہ مکہ میں جب آفتابِ نبوت جلوہ گر ہوا اور صدیوں کے ظلمات کم ہونے

شروع ہوئے تو قریش مکہ کو ناگوار گزرا کیوں کہ ان کے مالوف ومرغوب دستور کے خلاف تھا اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع ہی کیا تھا مگر وہ جو غریب غربا مسلمان ہوئے تھے ان پر تو آفت ہی برپا کر دی تھی۔ مارپیٹ گالی گلوچ سے گزر کر دھوپ میں باندھ کر ڈال دینا اور پھر کوڑے برسانا اور پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا، عورتوں کو بے ستر کر کے ذلیل کرنا اپنے بت پرست مذہب کی حمایت سمجھ رکھی تھی۔ غربا مسلمین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکوہ کرتے۔ آپؐ تسلی دیتے کہ تھوڑی دیر کی بات رہ گئی ہے ان کا یہ زور ڈھے جائیگا یہ تمہارے آگے ذلیل و مقہور ہوں گے۔ یہ سن کر کفار قریش اور بھی تمسخر کرتے تھے، اس لیے مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے اور متکبروں کو تنبیہ کرنے کے لیے یہ سورت نازل فرمائی۔

اور اس کی ابتدا ہی میں وہ کلمات ارشاد فرماتے جو خدا کی جبروت اور دنیا کا اس کے آگے مسخر ہونا اور دنیا میں انقلاب برپا ہونے کو بتا رہے ہیں۔ فقال والسماء ذات البروج کہ ہم کو قسم ہے آسمان برجوں والے کی والیوم الموعود اور اس دن کی کہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے وشاھد ومشھود اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوں گے اس کی بھی قسم ہے۔

خدا کی پکڑ کا بیان

ان تین چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ان بطش ربک لشدید کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے جب کسی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ جس قوم اور جس شخص کو پکڑتے ہیں تو پہلے اس کی عقل مار دیتے ہیں۔ اقبال لے لیتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں ہیبت و عزت باقی نہیں رہتی۔ شہوت پرستی اور جفاکاری پیشہ ہو جاتا ہے۔ کاہلی اور اس پر بدمزاجی اور غرور و نخوت اور جملہ بداخلاقی گھر کر لیتی ہے۔ خدا ترسی اور راست بازی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دشمنوں کا غلبہ اور افلاس کو ترقی ہوتی جاتی ہے بے وقت موت و اعداء سے شکست، مقاصد میں ناکامی پیش آنے لگتی ہے آخر کوئی ایسا زبردست ان پر مسلط ہوتا ہے کہ کام ہی تمام کر دیتا ہے۔ اور کبھی دفعۃً کوئی آسمانی بلا بھیج کر غارت کر دیتے ہیں، زلزلہ اور ژالہ باری اور ہوا اور پانی کا طوفان بجلی اور وبا بھی اس کے آلات تیار رہتے ہیں۔ یہاں تک تو دنیا کی پکڑ تھی پھر آخرت میں تو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک اور حشر سے ابدالآباد تک جہنم اور دہکتی آگ اور طوفان اور طوق و زنجیر تیار ہے۔ معاذ اللہ من بطشہ۔

اس اجمالی بیان میں جس طرح کفار کو تنبیہ ہے اسی طرح مسلمانوں کو تسلی بھی ہے کہ وہ ہماری قدرت و قبضہ سے باہر نہیں مگر ان تینوں چیزوں میں کہ جن کی قسم کھائی ایک کو دوسرے سے نہایت ارتباط ہے۔ اس لیے ہم ان تینوں چیزوں کی تفسیر کرتے ہیں۔

اول برجوں والے آسمان سے کیا مراد ہے؟ اور پھر اس صفت کے ذکر کرنے سے کیا مقصد ہے؟ جو آسمان کے وجود بلکہ جسم کے قائل ہیں اور یہ قدیم خیال ہے اور صحیح بھی معلوم ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آسمان پر آفتاب کی گردش سے ایک دائرہ پیدا ہوتا ہے جس کو دائرۃ البروج کہتے ہیں۔ جس کو آفتاب حرکت ذاتی سے برس بھر میں تمام کرتا ہے۔ اور جب اس دائرے کو بارہ حصوں میں برابر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک حصہ برج ہے جیسا کہ خربوزے کی پھانکیں اور ہر ایک پھانک کو برج کہا جائے۔

یا یوں کہو کہ آفتاب کی حرکت سے اکثر آباد اور

معتدل بلاد میں چار فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ربیع، صیف، خریف، شتا۔ یعنی بہار، گرمی، خزاں، جاڑا۔ اصل دو فصلیں ہیں جاڑا اور گرمی۔ مگر جاڑے کے بعد جب گرمی آتی ہے تو دفعتہً نہیں آتی بلکہ ایک زمانہ بیچ میں حائل ہوتا ہے اور اس کو ربیع کہتے ہیں اور اسی طرح گرمی کے بعد سردی بھی دفعتہً نہیں آتی بلکہ درمیان میں ایک زمانہ دونوں سے ملتا جلتا ہوتا ہے اس کو خریف کہتے ہیں۔ یہ موسم ہندوستان میں برسات کے بعد پیدا ہوتا ہے یہ چار فصلیں ہوئیں۔ اور ہر ایک فصل کی تین حالت ہیں ابتدا، انتہا اور اوسط۔ آفتاب کی حرکت جس سے یہ فصلیں پیدا ہوتی ہیں جمہور کے نزدیک آسمان پر ہے اس لیے آسمان کے باعتبار ہر ایک فصل کے چار حصے کیے اور ہر ایک حصہ کے تین تین۔ ہر حصہ کا نام برج ہوا۔ اور جن کے نزدیک آسمان کا وجود نہیں وہ اس بُعد اور فضاء نیل گوں ہی کو آسمان کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس آسمان کے بارہ حصے اسی لحاظ سے ہوں گے۔

بارہ برجوں کی کیفیت

یا یوں کہو کہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے مختلف اشکال نمودار ہوتی ہیں۔ آسمان کے ہر ایک حصہ کو ان اشکال کے لحاظ سے نام زد کیا۔ حمل۔ ثور۔ جوزا۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ ان چھے برجوں میں جب آفتاب آتا ہے تو گرمی ہوتی ہے۔ حمل سے لے کر سرطان تک بڑھاؤ ہوتا ہے اور دن بھی بڑھا کرتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ جس طرح حمل میں رات دن برابر ہو جاتے ہیں اسی طرح میزان میں بھی۔

اس کے بعد سردی شروع ہوتی ہے، اور اس کے برج یہ ہیں میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

حمل (مینڈھے کا بچہ) چوں کہ تیئیس ستاروں کے باہم ملنے سے مینڈھے کی شکل پیدا ہو گئی ہے جس کا مغرب کی طرف سر مشرق کی طرف دُم ہے۔

ثور (بیل) بتیس ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت نمودار ہو گئی ہے جس کا سر بجانب مشرق اور دُم بجانب مغرب ہے اور بھی اس کے ساتھ ستارے ہیں جن کو عین الثور کہتے ہیں اور ثریا بھی جو انگور کے خوشہ کی طرح ہیں۔

جوزا (دو آدمی ملے ہوئے) اٹھارہ ستاروں کے ملنے سے ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ گویا دو آدمی جُڑے ہوئے ہیں۔

سرطان (کیکڑہ فارسی میں اس کو خرچنگ کہتے ہیں) نو ستاروں کے ملنے سے یہ صورت بن گئی ہے۔

اسد (شیر) ستائیس ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور زہرہ ستارہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔

سنبلہ (خوشہ) یہ ایک عورت کے ہاتھ میں معلوم ہوتا ہے جس کا سر اسد کی دُم کی طرف اور

ل یعنی در اصل آسمان پر برج وگنبد کچھ نہیں بلکہ اہلِ ہیئت و نجوم نے ستاروں کی رفتار و مقام سمجھنے کے لیے آسمان کے بارہ حصے مقرر کر لیے ہیں اور پھر ستاروں کے اجتماع سے جیسی شکل پیدا ہوگئی ہے اس کو اسی نام سے نام زد کر دیا ہے کہیں بیل کی شکل نمودار ہے تو اس حصہ کو برجِ ثور کہتے ہیں علیٰ ہذا القیاس ۱۲ منہ

پاؤں میزان کی طرف اور اس کے اس ہاتھ کے پاس کہ جس میں خوشہ معلوم ہوتا ہے ایک ستارہ ہے کہ جس کو سماکِ اعزل کہتے ہیں۔ یہ شکل چھبیس ۲۶ ستاروں سے بنی ہے۔

میزان (ترازو) یہ آٹھ ۸ ستاروں سے بنی ہے۔

عقرب (بچھو)۔ یہ شکل اکیس ۲۱ ستاروں سے بنی ہے۔

قوس (کمان)۔ یہ ایک ایسی شکل ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کمان ہے جس میں تیر لگا ہوا ہے یہ اکتیس ۳۱ ستاروں سے مرکب ہے۔

جدی (بزغالہ۔ بھیڑ کا چھوٹا بچہ) یہ اٹھائیس ۲۸ ستاروں سے مرکب ہے۔ سعدِ ذابح جو ایک ستارہ ہے وہ اسی سے متعلق ہے۔

دلو (ڈول) ایک مرد کے ہاتھ میں ایک ڈول سا معلوم ہوتا ہے یہ بیالیس ۴۲ ستاروں سے مرکب ہے۔

حوت (مچھلی) یہ دو مچھلیاں باہم ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ایک کا منہ دوسرے کی دُم کی طرف ہے یہ چھبیس ۲۶ ستاروں سے مرکب ہے۔

ف نزولِ قرآن مجید سے پہلے عرب بھی آسمان میں اس قسم کے برجوں کے قائل تھے، اشعارِ جاہلیت سے اس کا پتہ ملتا ہے۔

قرآن مجید میں آسمان کو اس صفت سے ذکر کر کے قسم کھانا اس طرف اشارہ ہے کہ انقلابِ عالم ہمارے ہاتھ میں ہے ہم موسموں کو بدلتے ہیں کفارِ قریش اس چند روزہ جاہ و حشم پر نازاں نہ ہوں، مقلّب الاحوال ہم ہیں اور اس میں ایمان داروں کو تسلی بھی ہے کہ چند روزہ مصیبت پر صبر کریں، سدا ایک سے دن نہیں رہا کرتے۔

بروج کے معنی

بروج کے اور معنی بھی علماء نے بیان کیے ہیں۔

(۱) یہ کہ بروج سے مراد منازلِ قمر ہیں۔

(۲) یہ کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہتے ہیں کیوں کہ بروج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں اور جو ستارے ظاہر اور روشن ہوں اس لیے ان کو بروج کہتے ہیں۔ یہ ابنِ عباسؓ و مجاہد و ضحاک و حسن و قتادہ و سدی کا قول ہے اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ قسم آسمان روشن ستاروں والے کی۔ اور یہ معنی مذاقِ عرب العرباء سے زیادہ چسپاں ہیں۔ منہال بن عمرو کہتے ہیں اس کے معنی ہیں عمدہ پیدائش۔

یومِ موعود کا بیان

دوسری بات والیوم الموعود کہ قسم ہے وعدہ کے دن کی۔ اس سے کیا مراد ہے؟ ابنِ ابی حاتم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ الیوم الموعود سے مراد قیامت کا دن ہے جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزا و جزا کے لیے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یا جو کچھ خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے دنیا میں فتح و ظفر آخرت میں بہشت وہاں کے نعیم کے وعدے کیے ہیں اور ان کے لیے ایک دن معین کر رکھا ہے اس کی قسم کھاتا ہے جس سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر پہلو پر ایک نئے معنی کا افادہ کرتا ہے[1]۔

[1] حضرات اہلِ دل (یعنی صوفیہ) یومِ موعود وصال کے دن کو کہتے ہیں جس دن حجاب اٹھ جائیں گے اور صاف صاف اپنے معبود و محبوبِ حقیقی کا دیدار کریں گے اس دیدار کا ان سے وعدہ ہے اسی یومِ موعود کے سہارے تو ان کی زندگی ہے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ہر شخص کے لیے ہر قوم کے لیے جس طرح بحالی اور اقبال کا ایک دن مقرر ہے اسی طرح اس کی بربادی اور تنزل کا بھی ایک دن معین ہے جس میں اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور اقبال اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے اور اس کی بقا کا وقت مقرر ہے پھر اس کی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے اس پر مغرور نہ ہونا چاہیے، اسی طرح دنیا کی تکالیف اور رنج و غم بھی سدا نہیں رہتے ان کے لیے بھی ایک دن موعود ہے کہ پھر وہ نہ رہیں گے۔ اس لفظ میں جس طرح غمگین ایمان داروں کو تسلی ہے تو اسی طرح دنیا کے متوالوں نعیم و ناز کے بندوں اور مغروروں کو تہدید بھی ہے کہ خبردار! کس بات پر ناز ہے اس کے زوال کا دن بھی موعود ہے۔

تیسری چیز کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ بھی ایک بڑی متبرک چیز ہے یعنی شاھد و مشھود اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا؟ لغت میں شاہد کے معنی سامنے ہونے والے کے ہیں اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے۔ یہ لفظ بھی بڑے وسیع المعنی ہیں۔ اس لیے ان کے معنی میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں:۔

(۱) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاھد جمعہ کا دن ہے کہ ہر شہر اور ہر مسجد میں آتا ہے۔ اور مشھود عرفہ کا دن ہے کہ تمام بلاد و اطراف سے حاجی وہاں حاضر ہوتے ہیں اور دراصل وہ راز مکہ کے ایک خاص میدان سے تعلق رکھتا ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے اور انوار و برکات کا فیضان ہوتا ہے۔ چونکہ جمعہ ہر ہفتہ میں اور یوم عرفہ ہر سال میں آتا ہے اس لیے ان کو نکرہ لایا گیا، برخلاف قیامت کے دن کے کہ وہ ایک ہی ہے اس لیے اس کو معرفہ باللام لایا گیا اور والیوم الموعود فرمایا اور اس قول کی تائید اُس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کو ترمذی و عبد بن حمید و ابن جریر و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور مشھود عرفہ کا اور شاھد جمعہ کا جو سب دنوں سے افضل ہے، اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ اس میں جو کچھ بندہ مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اس سے پناہ پاتا ہے۔

(۲) بعض مفسرین نے ہر ایک مجمع کو جو ذکرِ الٰہی اور دین کے لیے ہو مشھود اور جماعت کو شاھد بتایا ہے جس میں عیدین و جمعہ و عرفہ بھی شامل ہے۔

(۳) بعض علماء نے شاھد و مشھود میں صرف گواہی کے معنی کا لحاظ کر کے کہا ہے کہ شاھد سے مراد حق سبحانہٗ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے وکفیٰ باللہ شھیدا۔ اور نیز جملہ پیغمبر اور خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شاھد ہیں کیوں کہ قیامت کو وہ گواہی دیں گے ان دونوں صورتوں میں مشہود توحید اور امت ہے اور نامۂ اعمال کے لکھنے والے فرشتے بھی شاہد ہیں اور مشہود علیہ بنی آدم اور ان کے اعمال ہیں جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وجاءت کل نفس معھا سائق و شھید اور انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی شاہد ہیں جیسا کہ فرمایا یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم اور رات دن بھی شاہد ہیں یہ بھی انسان کے نیک و کاموں کی گواہی دیں گے۔ اور نیز آسمان و زمین بھی شاہد ہیں یہ بھی گواہی دیں گے۔ اور نیز جمیع ممکنات بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ؎

وعدے یہ ترے وصل کے اور ہجر کے صدمے
مرنے نہیں دیتے مجھے جینے نہیں دیتے

شاہد ہے ہر چیز اس کی ذات اور توحید پر گواہی دے رہی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

ففی کل شیء لہ شاہد
تدل علی انہ واحد

(۴) صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مقام جلا میں شاہد حق سبحانہ ہے اور مشہود خلق، اور مقام استجلا میں شاہد خلق اور مشہود حق ہے۔

(۵) ایک اور توجیہ بھی اس مقام پر چسپاں ہے اور وہ یہ کہ شاہد بمعنی حاضر ہونے والے اور آنے والے کے لیے جائیں تو شاہد سے مراد فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو شام و صبح نامۂ اعمال لکھ کر لے جاتے ہیں اور نامۂ اعمال لکھنے آتے ہیں خصوصاً صبح کی نماز میں قرآن پڑھتے وقت جیسا کہ خود قرآن میں ہے وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا۔

(۶) اور ممکن ہے کہ آنے والے دن کو جو مسلمانوں کی دنیاوی فتح و نصرت اور اعدائے دین پر غلبہ پانے کا دن ہے شاہد سے تعبیر کیا ہو اور اس کے ساتھ وہ برکات و فتوحات بھی مراد ہوں جو آنے والے تھے، اور مشہود صحابہ اور ان کے پیروکار جن کے پاس یہ برکات و فتوحات آئیں۔ اس تقدیر پر الیوم الموعود سے وہ دن مراد ہو سکتا ہے کہ جس کا وعدہ صحابہؓ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے جب کہ صحابہؓ مکہ میں کفار کی ناقابلِ برداشت ایذاؤں کی شکایت کرتے تھے۔ گویا الیوم الموعود وہ فتح و نصرت کا دن ہے اور شاہد اس دن کی برکات و فتوحات اور مشہود سچے دین دار، یہ توجیہ سورت کے شانِ نزول سے زیادہ تر چسپاں ہے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

الغرض ان تین چیزوں کی قسم کھا کر کیا فرماتا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں وہ بات جس پر قسم کھائی اور جس کو جوابِ قسم کہتے ہیں محذوف ہے۔ اس وقت کے مخاطبین اپنے ذوقِ سلیم و طرزِ کلام سے خوب سمجھے تھے۔ پھر کسی نے کہا وہ ایمان داروں کا دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا اور منکروں کا برباد ہونا۔ کسی نے اسی کے قریب قریب کچھ اور فرمایا، بہرطور مدعا ایک ہی ہے۔ اور یہ ٹھیک ہے، کس لیے کہ محاورہ میں بعض اوقات قسم کھاتے ہیں اور وہ بات کہ جس پر قسم کھائی گئی ذکر نہیں کرتے کیونکہ اس کو مخاطب و متکلم خوب جانتے ہیں یا اس کے اخفا میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

دیگر علماء فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے اسی سورت میں مذکور ہے، پھر بعض نے کہا وہ ان بطش ربک لشدید اور بعض نے کہا یہ جملہ قتل اصحٰب الاخدود النار ہے۔

چونکہ کلام الٰہی سب معانی پر حاوی ہے ہر احتمال درست ہے۔ فقال قتل اصحٰب الاخدود النار غارت ہوئے (یا غارت ہو جائیں) دہکتی آگ سے خندقوں کے بھرنے والے ذات الوقود اور آگ بھی کیسی تھی ایندھن والی یعنی بہت تیز۔ لمبے چوڑے گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر دی تھیں اور آگ لگا دی تھی، جب وہ شعلہ مارنے لگی تو ایمان داروں کو اگر وہ ایمان سے باز نہیں آتے تھے تو اس دہکتی آگ میں پکڑ پکڑ کر ڈالتے تھے اذ ھم علیہا قعود اور خود ان خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے وھم علیٰ ما یفعلون بالمؤمنین شھود۔ جو کچھ ایمان داروں سے کر رہے تھے اس کا تماشہ دیکھ رہے تھے، ان کے تڑپنے اور جلنے پر خوب ٹھٹھے لگاتے تھے[لہ]

اور ایمان داروں کو یہ سزا کسی چوری ڈکیتی خون وغیرہ

لہ اس تقدیر پر شہود بمعنی شاہد یہ ظالم اور مشہود وہ مظلوم ہیں ۱۲ منہ

جرائم کے سبب سے نہ تھی بلکہ وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللّٰہ العزیز الحمید صرف اسی لیے اور اسی جرم میں یہ سزا دی جاتی تھی اور ان سے بدلہ لیا جارہا تھا کہ وہ اسد زبردست ستودہ صفات پر ایمان لائے تھے یعنی ایمان لانا جرم قرار دیا گیا تھا۔ ؎

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

اور ایمان بھی کس پر اللہ پر جو تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے اور اس پر زبردست بھی ہے متکبروں اور گردن کشوں کو چاہے تو دم بھر میں خاک میں ملادے۔ اس بات کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اور وہ حمید بھی ہے تمام خوبیاں اس میں ہیں ازاں جملہ عدل و انصاف اور رحم بھی ہے سو اس بات کا بھی خیال نہ کیا اور وہ ایسے ظلم و ستم پسند نہیں کرتا۔ اور یہ بھی نہیں کہ اس کے بندوں پر یہ ظلم ہوا اس کو خبر نہ ہو بلکہ واللہ علیٰ کل شیء شھید کہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

اصحاب الاخدود کی تحقیق

اب دو باتیں قابلِ غور ہیں:۔

اول یہ کہ وہ اصحٰب الاخدود کہ جنہوں نے آگ کی کھائیاں کھود کر ایمان داروں کو بجرم ایمان آگ میں ڈالا تھا کون لوگ تھے کس ملک میں اور کس زمانہ میں تھے اور ان کا کیا مذہب تھا۔

مقاتل نے کہا کہ یہ واقعہ تین جگہ ہوا ہے ایک نجران میں جو ملک یمن میں واقع ہے۔ اور ایک بار شام میں اور ایک بار فارس میں۔ یمن میں ذو نواس نے کھائیاں کھدوا کر آگ سے بھر دی تھیں، ان میں ایمان داروں کو ایمان کے جرم میں ڈالتا تھا۔ شام میں انطاموس رومی نے ایسا ہی کیا تھا۔ فارس میں بخت نصر نے کیا جس کے عہد میں دانیال علیہ السلام تھے۔

ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے حضرت علی ؓ سے نقل کیا ہے کہ حبشہ میں بھی ایک بار یہ واقعہ گزرا ہے۔

ابن جریر نے ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں گزرا ہے۔ جب کہ ان میں بُت پرستی کا رواج ہوا اور انہوں نے خدا پرستوں کو ایمان سے روکنا چاہا تو خندقیں کھدوادیں اور ان میں آگ جلادی اور بت کو کھڑا کر دیا اور حکم دیا کہ جو اس کو سجدہ نہ کرے اس کو آگ میں ڈال دیا جائے۔

مگر ان آیات میں ان میں سے کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ بامعانِ نظر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذونواس نے جو یمن میں کیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اس واقعہ کو عرب جانتے تھے اور اس کے دیکھنے والے بعض اشخاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک باقی تھے اور قریش کو اس واقعہ سے عبرت دلائی گئی کہ وہ بھی اصحاب الاخدود کی طرح غریب ایمانداروں پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔

مسلم نے اپنی صحیح کے اخیر میں اور اسی طرح نسائی نے اور امام احمد نے اور ترمذی نے صہیب رومی سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے (ان نقول میں باہم کسی قدر الفاظ و مطالب میں کمی زیادتی ہے مگر ترمذی نے جو نقل کیا ہے ہم اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں) کہ کوئی بادشاہ تھا اور اس کے ہاں ایک بوڑھا کاہن[1] تھا اس نے ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میری عمر اخیر ہوئی آپ کسی ذہین و فطین لڑکے کو میرے حوالے

[1] کاہن: جادوگر ۱۲ منہ

فرماتے ہیں کہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا جاؤں۔ تب ایک ہوشیار لڑکے کو متعین کیا وہ اس کاہن کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور رستہ میں ایک راہب[1] اپنے صومعہ میں رہا کرتا تھا (معمر راوی کہتا ہے کہ اس عہد تک راہب لوگ اصلی دین پر قائم تھے) لڑکا راہب سے بھی ملنے لگا راہب نے اس کو دینِ حق اور توحید کی تعلیم کرنی شروع کی اور لڑکا ایمان لے آیا کاہن کے پاس آنے میں دیر ہونے لگی تو اس کے گھر والوں سے کہلا بھیجا کہ یہ کہاں رہا کرتا ہے میرے پاس کم آتا ہے، گھر والوں نے اور کاہن نے اس بات پر اس کی مار پیٹ شروع کی، ایک روز رستہ رکا ہوا تھا کسی مہلک جانور نے روک رکھا تھا۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ شیر تھا، بعض کہتے ہیں سانپ تھا اور لوگ رکے کھڑے تھے تب اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر یہ کہا کہ الٰہی اگر راہب[2] کی بات حق ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ اس پتھر سے یہ موذی مر جائے، یہ کہہ کر اس نے پتھر پھینکا جس سے وہ موذی جانور مر گیا لوگوں میں چرچا ہوا اور لڑکے کی بڑی تعریف ہونے لگی۔ یہ شہرہ سن کر ایک اندھا بھی لڑکے کے پاس آیا اور کہا اگر تو میری آنکھیں اچھی کر دے تو میں تجھے یہ کچھ دوں؟ وہ اندھا بادشاہ کا مصاحب تھا۔ لڑکے نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہیے صرف یہ کہ جو تجھے بینائی دے تو تو اس پہ ایمان لا، اس نے کہا بہت اچھا۔ لڑکے نے دعا کی تو اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی جو بت پرست تھا اس نے ان سب کو بلایا اور اس اندھے اور راہب کو آرے سے چروا دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی سے گرا دو۔ جب شاہی لوگ اس کو اوپر لے گئے تو وہ خود گر کر مر گئے اور لڑکا بچ رہا۔

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جا کر غرق کر دو، وہاں بھی شاہی لوگ ڈوب گئے اور لڑکا سلامت نکل آیا، تب لڑکے نے بادشاہ سے کہا آپ مجھے کبھی نہیں مار سکیں گے مگر اس تدبیر سے کہ مجھے سولی پر چڑھا دو، اور یہ کہہ کر کہ باسم رب ھذا الغلام (اس لڑکے کے رب کے نام سے) میرے تیر مارو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا لڑکا مر گیا اس کی کنپٹیوں میں تیر لگا اور مرتے وقت اس نے ان پر ہاتھ دھر لیا۔ بادشاہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ان تین شخصوں کو تو ہلاک کیا جو آپ کے مذہب کے برخلاف تھے مگر اب تو سب لوگ آپ کے دین کے مخالف ہوگئے (لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے) تب بادشاہ نے حکم دیا کہ خندقیں کھودو اور ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضر ہوں اور کہا جو اپنے اس دین سے نہ پھرے تو اس کو آگ میں ڈالتے جاؤ تب بادشاہی لوگوں نے ایمان داروں کو آگ میں ڈالنا شروع کر دیا۔ اسی واقعہ کا خدا تعالیٰ اس آیت میں ذکر کرتا ہے، قتل اصحٰب الاخدود النار یہاں تک کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے العزیز الحمید تک آیت پڑھی۔

مذکور ہے کہ وہ لڑکا دفن کیا گیا اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں اس کی لاش برآمد ہوئی تو اس کی کنپٹیوں پر

[1] راہب: خدا پرست ۱۲ منہ

[2] راہب سے مراد یہی فیمیون ہے۔ اور بادشاہ سے مراد ذونواس ہو سکتا ہے یا نجران کا حاکم۔ مگر احادیث میں راویوں سے اصل قصہ میں فرد گذاشت ہوگئی کس لیے کہ بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ نجران کا بادشاہ ایمان لے آیا اس نے قتل نہیں کیا بلکہ دوسرے بادشاہ نے کیا جو ذونواس ہے ۱۲ منہ

اسی طرح ہاتھ دھرے ہوئے تھے اور خون بہہ رہا تھا۔
محمد بن اسحاق بن یسار اسلامی مورخ نے اسی واقعہ کو اور بھی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر اس پہلی نقل میں اور اس کے بیان میں کسی قدر مخالفت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شہر نجران کا واقعہ ہے اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا۔ اور راہب کو کہا ہے کہ وہ عیسوی دین پر تھا۔ اور کھائیاں آکر ذونواس بادشاہ یمن نے کھدوائی تھیں، اور اسی نے آکر جب کہ یہ دیکھا کہ اکثر اہلِ نجران عیسائی ہو گئے تب یہ حرکت کی تھی اور عبداللہ بن تامر کو اسی نے قتل کیا تھا۔ اس حادثہ میں تخمیناً بیس ہزار آدمیوں کو اس ظالم نے قتل کیا تھا۔

ذونواس کا تذکرہ

اب ہم کسی قدر ذونواس کا حال بیان کرتے ہیں:۔
واضح ہو کہ ملکِ یمن میں قومِ حمیر کا اخیر بادشاہ اسعد تھا اس کو تبّع اخیر بھی کہتے تھے۔ یہ بادشاہ نوشیروان عادل کے عہد کے قریب تھا یا ہم عہد تھا۔ اس نے تسخیر بلاد کا اپنے بزرگوں کے طور پر قصد کیا۔ حجاز اور بالخصوص مکہ سے سفر کرتا ہوا مدینہ پہنچا مدینہ کے آس پاس قوم یہود کی چند بستیاں آباد تھیں۔ یہ لوگ بخت نصر کے حادثہ سے یا اس کے بعد دیگر حوادث سے اس ملک میں آ رہے تھے فدک۔ خیبر۔ قریظہ۔ نضیر۔ وادی القریٰ۔ تیبوع وغیرہ اسی قوم کی بستیاں تھیں، صرف یہی لوگ توریت اور دینِ موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے ورنہ سب عرب بت پرست تھے۔ مدینہ کا گرد و نواح اس بادشاہ کو بہت پسند آیا، مدینہ کا سردار ان دنوں عمرو بن طیلان بنی خزرج میں سے تھا۔ یہ بادشاہ جس کے پاس بے شمار لشکر تھا مدینہ پر غالب آیا اور عمرو کی جگہ اپنے بیٹے کو سردار کر کے شام کی طرف کوچ کر گیا، جب دور چلا گیا تو بعد میں اہلِ مدینہ نے اس کے بیٹے کو قتل کر ڈالا اس نے اس خبر کو سن کر ارادہ کیا کہ واپسی میں اس شہر کے مرد و زن کو تہ تیغ کروں گا چنانچہ جب یہ لوٹتا ہوا آیا تو مدینہ کا محاصرہ کیا، بہت دنوں محاصرہ رہا مگر شہر فتح نہ ہو سکا اس عرصہ میں بنی قریظہ کے دو تین عالم یہودی اس کے پاس آئے جن میں سے ایک کا نام کعب اور ایک کا اسید تھا، انہوں نے کہا اے بادشاہ آپ اس شہر کو برباد نہ کر سکیں گے لوٹ جائیے۔ اس نے کہا کس لیے؟ عرض کیا کہ اس شہر کو خدا نے اپنے اخیر نبی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو قریش مکہ میں سے برپا ہوگا اور جب مکہ کے لوگ اس پر ظلم کریں گے تو اس شہر میں آکر رہے گا۔ یہیں اس کی قبر ہوگی۔ یہ خبر ہماری توریت میں ہے، بادشاہ نے پوچھا توریت کیا ہے انہوں نے آگاہ کیا اور دینِ موسوی کے فضائل بیان کیے تب یہ بت پرست بادشاہ مذہب یہودی میں داخل ہو گیا اور ان دونوں عالموں کو یمن میں ہمراہ لے گیا اور وہاں اس مذہب کو رواج دیا پھر یہ بادشاہ مر گیا اور اس نے تین بیٹے چھوڑے حسان، عمرو، زرعہ۔ یہ کم سن لڑکے تھے اس لیے بنی لخم میں سے ایک شخص ربیعہ ابن نصر اٹھ کھڑا ہوا اور سلطنت کا مالک ہو گیا، اسی ربیعہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کے لیے سطیح اور شق دو کاہنوں کو بلایا انہوں نے از خود بادشاہ کا خواب بیان کر دیا کہ آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ایک سیاہی جہان میں پھیل گئی اور اس سیاہی میں سے ایک کوئلہ نکل کر زمین پر گرا اور آگ ہو گیا اور لوگوں کو جلا دیا۔ بادشاہ نے کہا تو نے درست کہا اب اس کی تعبیر کیا ہے؟ اس نے کہا ملکِ حبش سے ایک بادشاہ اٹھے گا اور تیرا ملک لے لے گا اور دینِ یہودی سے لوگوں کو برگشتہ کرے گا اور حبشیوں کا زور یمن پر ہو جائے گا۔ بادشاہ نے پوچھا اے سطیح اس کے بعد کیا ہوگا اس نے کہا ایک شخص اٹھے گا

جس کا نام سیف بن ذی یزن ہوگا اور حبشیوں سے ملک چھین لے گا۔ پھر سیف مارا جائے گا اور عرب سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اس کا دین لوگ قبول کریں گے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ اس خواب کے اندیشہ سے ربیعہ نے اپنے لوگوں کو حیرہ میں بھیج دیا تھا جن میں سے منذر ابن نعمان بھی تھا جو نوشیرواں کا تابع تھا اور اس کی سلطنت بصرہ کوفہ اور عراق اور کچھ شام اور نواحی عرب میں تھی۔

ربیعہ چند سال سلطنت کر کے مر گیا، لوگوں نے پھر تبع کے بیٹے حسان کو بادشاہ بنایا اس نے حجاز اور شام پر چڑھائی کی اور یمن میں اپنے بھائی عمرو کو چھوڑ گیا تھا جب وہ موصل میں پہنچا تو لوگوں نے عمرو کو بادشاہ بنالیا اور اس نے اپنے بھائی حسان کو قتل کر ڈالا جس کے بعد وہ دیوانہ ہو کر مر گیا اس عرصہ میں ایک شخص جو خاندانِ سلطنت سے نہ تھا کھڑا ہوا اور یمن کا بادشاہ بن بیٹھا اس کا نام خنیف بن عالم تھا، وہ بڑا ظالم اور بدکار تھا، لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتا تھا۔ جو نئی دلہن ہوتی تھی پہلے ایک رات وہ اپنے پاس رکھا کرتا تھا۔ زرعہ جو تبع کا چھوٹا بیٹا باقی رہ گیا تھا وہ نہایت حسین تھا اس کو بھی اس نے اس ارادہ سے بلایا اس نے تنہا پاکر اس ناپاک کو مار ڈالا اور لوگوں نے مستحقِ تاج و تخت سمجھ کر زرعہ ہی کو یمن کا بادشاہ بنالیا۔

ادھر نجران میں شام سے ایک شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی ذریت میں سے آیا جس کا نام فیمون تھا۔ اور نجران میں عرب کا قبیلہ بنی ثعلبہ تھا اور وہاں ایک کھجور کا پیڑ تھا جس کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس کے آگے قربانی کرتے تھے، فیمون مرد باخدا تھا رات بھر عبادت کیا کرتا تھا اور دن کو مزدوری اور آج اس گاؤں میں ہے تو کل دوسرے میں اسی طرح قیام کیا کرتا تھا جب لوگوں نے اس کی کرامات دیکھیں تو اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور کہا اگر تو ہمارے بتوں پر غالب آگیا تو ہم تیرا دین اختیار کر لیں گے، فیمون کی دعا سے ان کے بت گر پڑے لوگوں نے دینِ عیسوی اختیار کر لیا اور فیمون وہاں انجیل کی تعلیم کرنے لگے وہاں کے سردار تامر کا بیٹا عبداللہ بھی فیمون کا شاگرد رشید اور بڑا بزرگ اٹھا، اب نجران کے لوگوں نے بجز عیسائی دین کے اور کسی مذہب کو باقی نہ چھوڑا، جو ان کا دین قبول نہ کرتا تھا قتل کیا جاتا تھا۔

ایک یہودی نجران میں گیا اور جا کر اس نے یہ سب کیفیت ملاحظہ کی اور زرعہ کو خبر کی۔ اور یہ زرعہ ذونواس بھی کہلاتا تھا، یہ سن کر ذونواس پچاس ہزار کا لشکر لے کر نجران پر چڑھ گیا اور عیسائیوں کا عبادت خانہ جلا دیا اور کھائیاں کھدوا کر ان میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو دینِ عیسوی سے برگشتہ نہ ہو اس کو اس میں ڈال دو، اس لیے لوگوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا اور عبداللہ ابن تامر کو بھی قتل کیا۔ یہ ہیں وہ اصحاب الاخدود جن پر خدا تعالیٰ قرآن مجید میں لعنت کرتا ہے بقولہ قتل اصحٰب الاخدود النار ذات الوقود اذ ھم علیہا قعود۔

یہ ظلم و ستم کر کے ذونواس یمن میں واپس آیا، بعض کہتے ہیں ذونواس زرعہ نہ تھا بلکہ اس کا سپہ سالار تھا، اس حادثہ کے بعد نجران کے لوگوں میں سے ایک شخص جلی ہوئی انجیل لے کر قیصرِ روم کے پاس جو عیسائی تھا فریادی گیا قیصر یہ ماجرا سن کر سخت ناراض ہوا اور کہا میرے لشکر کا پہنچنا مشکل ہے، میں حبش کے بادشاہ نجاشی کو لکھتا ہوں کہ وہ بھی عیسائی ہے اور یمن سے قریب ہے وہ تمہاری مدد کرے گا چنانچہ قیصر کے نامہ کے ساتھ یہ شخص حبش میں آیا، وہاں کا بادشاہ یہ حال سن کر بہت رویا،

تب شاہِ حبش نے ستر ہزار بہادر سپاہ تیار کی اور اس کا سپہ سالار رباطہ کو کیا۔ حبش اور یمن کے درمیان چھوٹا سا ٹکڑا سمندر کا ہے۔ یہ لشکر بادبانی جہازوں پر سوار ہو کر یمن میں حضرموت کے مقام پر اُتر پڑا۔ ذونواس نے ایک حیلہ کیا کہ رباطہ کو نامہ لکھا کہ شاہ نجاشی کو مجھ سے عداوت نہیں اس لیے میں بھی لڑنا نہیں چاہتا آپ کو میں خزانوں کی کنجیاں دیے دیتا ہوں پھر آپ مجھے یا اپنے پاس رکھیے یا نجاشی کے پاس بھیج دیجیے۔ رباطہ نے کہا میں نجاشی کو مطلع کرتا ہوں جو وہ حکم دے گا آپ کو مطلع کر دوں گا اس لیے نجاشی کو سب حال لکھا‘ نجاشی نے خوش ہو کر حکم دیا کہ خزانے اس سے لے لو اور اس کو میرے پاس بھیج دو۔ اس بات کی ذونواس کو خبر دی‘ ذونواس نے اونٹوں پر کنجیاں لاد کر رباطہ کے پاس بھیج دیں اور پھر شہر صنعاء میں رباطہ کو لے آیا اور جو کچھ تھا اس کے حوالے کیا اور یہ بھی کہا کہ اور صوبہ جات میں بھی میرے خزانچی اور خزانے ہیں اور آپ جہاں جہاں میں کہوں ضبطِ اموال کے لیے لشکر روانہ کیجیے رباطہ نے ایسا ہی کیا اور تمام لشکر ملکِ یمن میں منتشر کر دیا اور در پردہ لوگوں کو لکھ بھیجا کہ ہر جگہ ان پر حملہ کر دو چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حبشی لشکر جا بجا مارا گیا‘ رباطہ کو جب یہ خبر ملی تو صنعاء سے بھاگ کر حضرموت میں آیا اور کشتی میں آبیٹھا اور نجاشی کو اس حال سے مطلع کیا‘ نجاشی نے ایک لاکھ پیادہ اور سوار کا دوسرا لشکر مرتب کیا اور ان کا افسر ابرہہ بن صباح کو کیا جو شاہی خاندان سے تھا اور اس کو عرب ابرہۃ الاشرم بھی کہتے تھے اور اشرم نکٹے کو کہتے ہیں۔ جب ذونواس نے دیکھا کہ اب کی بار بڑا لشکر آیا اور یہ کوئی تدبیر پیش نہیں چلتی تو گھوڑے پر چڑھ کر سمندر میں گھس گیا یہ گھوڑا تیرا کرتا تھا تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا اور سوار دونوں ڈوب گئے۔

ابرہہ نے آکر تمام ملک اور صنعاء کی بیش بہا چیزوں پر قبضہ کر لیا اور حکم دیا کہ جو دینِ عیسوی اختیار نہ کرے گا قتل کیا جائے گا چنانچہ جس نے ذرا بھی انکار کیا گردن اُڑا دی گئی۔

نجاشی کو ابرہہ کے تحائف و نذرانہ و فتوحات نہ بھیجنے سے گمان ہوا کہ خودسر ہو گیا ہے اس لیے چار ہزار کا لشکر دے کر رباطہ کو بھیجا کہ ابرہہ کو معزول کر کے میرے پاس بھیج اور تو میری طرف سے وہاں کا حاکم ہو کر رہ۔ جب رباطہ آیا اور ابرہہ سے کہا تو ابرہہ نے کہا اگر میں سب چیزیں تیرے سپرد نہ کروں تو تو کیا کرے گا۔ رباطہ نے کہا جنگ کروں گا۔ ابرہہ نے کہا تو آؤ میں اور تو ہی کیوں نہ لڑیں‘ فوج کو کیوں تلف کریں۔ فوج سے نکل کر دونوں میدان میں آئے ادھر ابرہہ نے اپنا ایک غلام چھپا رکھا تھا۔ رباطہ نے ابرہہ کے سر پر تلوار ماری چونکہ یہ لوہے کا خود پہنے ہوئے تھا سر تو نہ کٹا مگر ناک اُڑ گئی۔ اس لیے اس کو اشرم کہنے لگے۔ ادھر غلام نے رباطہ پر یکایک حربہ کیا اور ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ باقی رباطہ کے کچھ لوگ مارے گئے کچھ بھاگتے ہوئے دریا میں ڈوبے کچھ کشتیوں میں سوار ہو کر نجاشی کے پاس آئے اور سب حال سے مطلع کیا‘ نجاشی نے قسم کھائی کہ میں جب تک ابرہہ کو قتل نہ کر لوں گا خاموش نہ رہوں گا ابرہہ کو بھی خبر لگی اس نے ایک عرضی میں عذر لکھا اور کہا کہ رباطہ نے مجھ پر زیادتی کی تھی‘ میرے غلام نے اس کو مار ڈالا میں آپ کا فرماں بردار ہوں اور عرضی کے ساتھ بہت کچھ تحائف بھی بھیجے نجاشی نے عذر قبول کر کے ابرہہ کو ہی یمن کا حاکم رہنے دیا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جو بہت سے ہاتھی لے کر کعبہ ڈھانے آیا اور اس کا لشکر اور یہ قہرِ الٰہی میں مبتلا ہوا جس کا ذکر سورۂ

الم ترکیب کی تفسیر میں آئے گا۔ (ملخص از تاریخِ طبری)۔

اس تاریخ کے مطابق عبداللہ بن تامر کو ذونواس نے قتل کیا تھا اور واضح ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک دینِ عیسوی کی پابندی فرض تھی یہ اور بات ہے کہ اس دین میں عیسائیوں نے صدہا بدعات ملا کر اس کی اصلی صورت بگاڑ دی تھی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ
بے شک جنہوں نے ایمان دار مردوں اور
الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ
ایماندار عورتوں کو ستایا پھر اس سے باز نہ آئے تو ان کے لیے
عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمۡ عَذَابُ
جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلانے والا
الۡحَرِیۡقِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ
عذاب ہے بے شک جو ایمان لائے اور
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتٌ
انہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے باغ ہیں
تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ذٰلِكَ
کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی یہ ہے
الۡفَوۡزُ الۡكَبِیۡرُ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطۡشَ
بڑی کامیابی بے شک تیرے رب کی
رَبِّكَ لَشَدِیۡدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ
پکڑ بھی سخت ہے وہ تو اول بار
یُبۡدِئُ وَیُعِیۡدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ
پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی زندہ کرے گا اور وہی
الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الۡعَرۡشِ
بخشنے والا پیار کرنے والا تخت والا
الۡمَجِیۡدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ﴿۱۶﴾
بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر ہی ڈالتا ہے۔

ترکیب

فلهم الخ الجملة خبران ولهم الجملة الثانية معطوفة عليها الذين آمنوا الخ اسم ان۔ لهم جنت۔ الجملة خبرها تجري الخ صفة جنت المجيد قرء الجمهور بالرفع على انه نعت لذو وقرئ بالكسر على انه نعت للعرش ومجده علوه وعظمه۔ وقيل هو نعت لربك وقال مكي هو خبر بعد خبر۔ فعال مرفوع على انه خبر مبتدء محذوف وقال الفراء مرفوع على التكرير والاستيناف وقيل مرفوع على الاتباع۔

تفسیر

کفارِ قریش کو اصحاب الاخدود کا مآلِ کار سنا کر کہ ان پر لعنت پڑی دنیا میں بھی برباد ہوئے تخت بخت سب جاتا رہا ذلت سے مرے آخرت میں بھی رسوا ہوئے اپنا دائمی قانون سناتا ہے فقال ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنت کہ جنہوں نے ایمان دار مردوں اور عورتوں کو فتنہ میں ڈالا' عام ہے کہ مار پیٹ کی یا قتل کیا یا قید میں رکھا یا اور کسی قسم کی تکلیف دی یا ان کے لیے گمراہی میں اور لہو ولعب میں پڑنے کے سامان پیدا کیے۔ ناچ تماشا اور رقص وسرود کی محفل کر کے مسلمان مرد اور عورتوں کو شریک کرنا بھی ان کو فتنہ میں ڈالنا ہے ثم لم یتوبوا اور پھر اس سے وہ باز نہ آئے کیونکہ اگر

باز آجاتے اور توبہ کرتے تو گو حقوق العباد کا مطالبہ باقی رہتا مگر خدائی مقابلہ کے جرم میں عذابِ عظیم نہ پاتے فلھم عذاب جھنم تو ان کے لیے آخرت میں عذابِ جہنم ہے ولھم عذاب الحریق اور دنیا میں جلانے والا عذاب ہے یعنی وہ مصیبت کہ جس سے ان کے دلوں پر صدمہ ہو اور جلا کریں، اقبال جاتا رہے دشمن غلبہ پائیں، افلاس و نااتفاقی اور بیماریاں اور قحط پیش آئیں قتل کیے جائیں گھر بار چھنیں بال بچے قید ہوں یا غلام بنائے جائیں عورتیں ان کے روبرو بے عزت کی جائیں ان کے ملک اور دولت پر دشمن قابض ہوں اور یہ دیکھا کریں۔ خدا کی پناہ ہے عذابِ حریق سے اور سب عذابوں سے۔

اور ف جو فلھم میں آئی ہے تو اس سے یہ بات بتلا دی کہ یہ بلا انہیں کے افعال سے آتی ہے وہ افعال سبب اور یہ مسبب ہے، ہماری عدالت اور رحم کا مقتضی نہیں کہ خواہ مخواہ ہم بغیر کسی ارتکابِ جرم کے عذاب میں مبتلا کریں، یہ ان کی سوزش کا بدلہ ہے جو ان کے ہاتھ سے ایمان داروں کو پہنچتی تھی۔

اب دوسری بات اس کے مقابلے میں نیکی کرنے والوں ایمان داروں کی بابت بھی سن لو ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت کہ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کیے۔ عبادت خیرات وصلہ رحمی وغیرہ لھم جنت تجری من تحتھا الانھر ان کے لیے باغ ہیں، یعنی بہشت میں اور باغ بھی کیسے کہ جن میں نہریں بہتی ہیں یہ نہریں ان خونوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں ان کے بدنوں سے اللہ کی راہ میں نکلا تھا یا وہ حسناتِ جاریہ ہیں جن کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ذلک الفوز الکبیر یہ ہے بڑی کامیابی کس لیے کہ اگر دنیا میں کسی نے مالِ بے حساب اور ملک اور مکان اور اچھے جواہرات اور تمامی عیش و سامان بہم بھی پہنچا لیے اول تو سب چیزوں کا بہم پہنچنا مشکل، ایک نہ ایک حسرت باقی ہی رہ جاتی ہے، کیا خوب کہا کسی نے ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

تو پھر ان چیزوں کو دوام و بقا نہیں دشمن کا کھٹکا، ان چیزوں کی بے ثباتی کا بھی دغدغہ ساتھ ہی لگا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو اخیر عمر میں اپنے ملازموں اور اولاد اور بیویوں کے ہاتھ سے تلخی چکھ کر بڑی حسرتوں سے مال اور ملک رخصت کرنا پڑا ہے، اور یہ بھی نہ ہو تو خود اس کی عمرِ رواں کا کیا اعتبار اور پھر جوانی اور تندرستی تو تھامے نہیں تھمتی، بے اختیار چلی جاتی ہے، برخلاف دارِ آخرت اور وہاں کے نعیم کے وہاں ان باتوں میں سے کسی کا بھی دغدغہ نہیں، وہیں کے پھول بے کانٹے کے ہیں اسی لیے عالی دماغوں نے اس چند روزہ عیش پر لات ماردی تھی اور قبل اس کے کہ یہ عیش و نشاط ان کو چھوڑے خود انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا اس لیے بڑی کامیابی جنت اور وہاں کے نعیم ہیں۔

دو باتیں بیان فرمائی تھیں ایک یہ کہ ایمان داروں کو ستانے والوں کو جہنم ہے، دوسری یہ کہ ایمان داروں نیک بختوں کے لیے جنت ہے، اس لیے ان دونوں کے کے مناسب دو قسم کی صفات بیان فرمانا کلام کو مؤکد کرتا ہے۔

پہلی بات کے لیے اپنی صفتِ جبروت و قہر و قدرت کا اظہار فرماتا ہے فقال ان بطش ربک لشدید کہ تیرے رب کی گرفت سخت ہے جس کو پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ دنیا میں بھی خوار و ذلیل کر دیتا ہے، آخرت میں بھی مبتلائے عذاب کرتا ہے، نہ پھر

کوئی تدبیر کام آتی ہے نہ کوئی حیلہ اور زور چلتا ہے۔ بندہ کو کسی بات پر ناز نہ کرنا چاہیے وہ دم بھر میں سلطنتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے دولت مندوں کو مفلس کر دیتا ہے آبائی اعزاز کو برباد کر دیتا ہے۔

دوسری بات کے لیے صفاتِ رحم و عطا و بذل و جود کو ذکر کرتا ہے: فقال انہ ھو یبدئ ویعید کہ وہ مبدءِ فیاض ہے، پہلا وجود بھی اسی نے عطا کیا تھا اور مرنے کے بعد بھی جو نئی زندگانی ہوگی اُس وجود کو بھی وہی
عطا کرے گا۔ ع ۱ ۲۲ ۱۰

یہاں دارِ آخرت کا ضمناً ثبوت بھی تھا اور وہی زندگی فوزِ کبیر کا مقدمہ ہے، اس لیے اس کے بعد فوزِ کبیر کے متعلق صفات بیان فرماتا ہے۔ وھو الغفور کہ وہ بخشدینے والا بھی ہے۔ بندوں کے گناہوں سے توبہ واستغفار پر درگزر بھی کرتا ہے اور جو سرے سے نیکوکار ہیں ان کے لیے الودود پیار اور محبت بھی کرنے والا ہے۔ اس کو اپنے بندوں سے ایسی محبت ہے کہ ماں کو اپنی اولاد سے بھی نہیں۔ اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہی محبت کرنے کے قابل ہے وہی محبوبِ اصلی ہے۔ ذوالعرش وہ تخت والا بھی ہے تخت پر بیٹھ کر اپنے ملک میں جو چاہتا ہے کرتا ہے، کون ہے اس کے آگے صاحبِ تخت؟ المجید بڑی شان والا ہے۔ فعال لما یرید اور فاعلِ مطلق بھی ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے، کوئی اس کو روک نہیں سکتا، نہ کسی کام میں اس کو کسی مددگار کی حاجت پڑتی ہے، نہ وہ کسی سامان کا محتاج ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾

آپ کو لشکروں کا حال تو معلوم ہوا ہی ہوگا

فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ

فرعون اور ثمود کا بلکہ منکر تو

كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ

جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ہے

مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ

کہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ

هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ

یہ قرآن ہے بڑی شان کا لوحِ

لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔

ترکیب

هل اتك الجملة مستانفة مقررة لما تقدم من شدة بطشه وكونه فعالا لما يريد فرعون و ثمود بدل من الجنود والمراد بفرعون هو وقومه وثمود قوم معروفون عند العرب والمراد بحديثهم ما وقع منهم من الكفر والعناد وما وقع عليهم من العذاب والله الخ الجملة حال من فاعل كفروا محفوظ بالجر نعت للوح وبالرفع نعت للقرآن والاول قراءة الجمهور۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ تیرے رب کی پکڑ سخت ہے اور اس کے ثبوت کے لیے اول اصحاب الاخدود کا قصہ نقل کیا تھا اجمالاً جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھوڑے ہی برسوں پہلے گزرا تھا اور عرب میں زبان زد تھا اس کے بعد

پھر اسی بات کے ثبوت کے لیے اجمالی طور پر دو واقعات یاد دلاتا ہے جن میں سے ایک کو تو عرب اور اہلِ کتاب دونوں جانتے تھے اس لیے اس کو مقدم کیا اور وہ فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی اور ہلاکت کا قصہ ہے ، اور دوسرے کو عرب جانتے تھے یعنی قومِ ثمود کا حال کہ جو کچھ ان پر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ گستاخی اور خداتعالےٰ کی نافرمانی سے گزرا۔

اس لیے فرماتا ہے ھل اتٰک حدیث الجنود کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مخاطب کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی ؟ یعنی ضرور پہنچی ہوگی۔ بعض علماء کہتے ہیں ھل بمعنی قد ہے یعنی تحقیق پہنچی سب جانتے ہیں۔

جنود جند کی جمع ہے اس میں اشارہ ہے کہ کفارِ قریش کیا چیز ہیں ان کا تو ایک لشکر بھی نہیں اس سے پہلے بہت سے لشکروں کو ہم غارت کر چکے ہیں۔

پھر فرماتا ہے فرعون وثمود وہ لشکر کون تھے ؟ فرعون کے اور قوم ثمود کے لشکر جو بڑے طاقت ور اور کثرت سے تھے کچھ ایسے ویسے لشکر بھی نہ تھے۔ پھر دیکھو ان پر کیا گزری کس طرح خدائے جلیل و جبار نے ان کی سرکشی اور بدکاری سے ان کو ہلاک کیا۔ ان دونوں قصوں کی تفصیل کئی بار قرآن مجید میں آچکی ہے۔

منکرین قریش ایسے واقعات سن کر کہا کرتے تھے کہ کیا ہم خدا کے قائل نہیں اور کیا اس کی قدرت کو نہیں مانتے یہ اس لیے کہ وہ مشرک تھے بتوں کو وسیلہ جانتے تھے اور خدا پاک کو بھی مانتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے بل الذین کفروا فی تکذیب ہرگز نہیں بلکہ منکر جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں گو زبان سے کہتے ہیں مگر ان کا حال جھٹلا رہا ہے اور اگر دل میں ان کے اس بات کا نقشہ جما ہوتا کہ وہ سخت پکڑ کرنے والا ہے تو ایمان لاتے اور اور ہمارے پیغمبر پر یہ ظلم و ستم نہ کرتے اور سرکشی سے باز آتے اور ہماری مرضی کے تابع ہوتے بلکہ ان کو اپنے جہل سے اپنی طاقت اور قومیت کا غرور ہے اور دراصل یہ غرور باطل ہے کس لیے کہ واللہ من ورائھم محیط کہ وہ ہر طرف سے اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں کسی طرف سے باہر نہیں نکل سکتے" اور تمام ممکنات کا یہی حال ہے کہ اس کی قدرت کے احاطہ میں ہے، وہ سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ احاطۂ جسمانی نہیں، جیسا کہ برتن کا پانی کے لیے اور گھر کا گھر میں رہنے والوں کے لیے بلکہ احاطۂ قدرت اور احاطۂ ذاتی ہے۔

چونکہ یہ سب واقعات اور پُر ہدایت مضامین قرآن میں ہیں وہ ان باتوں کو کیا نہیں مانتے بلکہ قرآن کو نہیں مانتے مگر ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے بل ھو قراٰن مجید بلکہ قرآن وہ بلند شان والا ہے کہ کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہو سکتا کس لیے کہ فی لوح محفوظ لوحِ محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ لوحِ محفوظ کی کیفیت مقدمۂ تفسیر سے معلوم کر لو۔

سورہ طارق

مکیہ ہے اس میں سترہ آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ

قسم ہے آسمان کی اور رات میں آنے والے کی اور آپ

اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾

کیا جانیں کیا ہے رات میں آنے والا

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳ اِنْ كُلُّ

(وہ) چمکتا ہوا تارہ ہے ایسی کوئی بھی جان

نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴

نہیں کہ جس پر ایک محافظ مقرر نہ ہو

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵

پھر آدمی آپ ہی دیکھے کہ وہ کاہے سے بنایا گیا؟

خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخْرُجُ

ایک اُچھلتے قطرے سے جو پُشت

مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝۷

اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸

بے شک وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے

ترکیب

وللقسم۔ السماء مجرور معطوف علیه والطارق عطف علیه۔ والطارق ما یاتی لیلاً سواء کان کوکبا او غیرہ (طروق بشب آمدن (ع ف اض ۲) طارق بشب آیندہ وستارہ وکشتی کردن فحل - از صراح)۔ وما ادراک الجملة الاستفهامیة لتفخیم الطارق النجم الثاقب مستانفة جواب سوال کانہ قیل ما ہو فقال النجم الثاقب ثقوب افروختہ شدن آتش - ص ان کل نفس لما علیها حافظ قرء ابن کثیر وابی عمرو ونافع وکسائی لما بالتخفیف وقرء عاصم وحمزة والنخعی بالتشدید فمن خفف کانت ان عندہ المخففة من المثقلة واللام فی لما تدخل مع ان المخففة للفرق بین النافیة والمخففة وما صلة کما فی قوله فبما رحمة ومن ثقل فان عندہ النافیة ولما بمعنی الا حافظ مبتدء علیها

خبر والجملة جواب القسم علی التقدیرین. ای ان الشان کل نفس لعلیها حافظ او ما کل نفس الا علیها حافظ. خلق الخ الجملة مستانفة جواب سوال مقدر والماء المنی والدفق الصب دافق ای مدفوق مصبوب فی الرحم. یخرج الجملة صفة ماء. والترائب جمع تریبة وہی موضع القلادة من الصدر. والصلب والصدر لهما دخل عظیم فی تولد المنی لان للدماغ دخل تام وله خلیفة وہی النخاع وہی فی الصلب وله شعب کثیرة نازلة الی مقدم البدن وہو الترائب فلهذا السبب خصصهما الله بالذکر والامادة المنی فی الانثیین تتولد من فضلة الهضم الرابع وتنفصل عن جمیع اجزاء البدن حتی یاخذ من کل عضو طبیعة وخاصیة فیصیر مستعدا لان یتولد منه مثل تلک الاعضاء. انه الضمیر یرجع الی الله سبحانه والضمیر فی رجعه الی الانسان فالمصدر مضاف الی المفعول۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے، چونکہ لفظِ طارق اس میں ہے اس لیے اس کا نام سورۂ طارق قرار پایا، اس کی سترہ آیات ہیں۔ مناسبت اس کی پہلی سورت سے آسمان کے ذکر اور مسئلہ مبدأ و معاد کے ذکر سے اور نیز خاتمہ سے ظاہر ہے۔

سورۂ بروج میں فرمایا تھا کہ اللہ کے احاطہ میں لوگ ہیں اور یہ بھی کہ قرآن لوحِ محفوظ میں بحفاظت ہے۔ اب ان دونوں باتوں کے متعلق دو چیزوں کا ذکر قسم کھا کر کرتا ہے۔

فقال والسماء قسم ہے آسمان کی۔ اس میں پہلی بات کی تائید ہے کہ آسمان ہمارا بنایا ہوا ہے مگر اس نے سب کو گھیر رکھا ہے صورۃً و معنیً جہاں جاؤ اور کسی

مالک یا دریا میں چھپے جاؤ آسمان سر پر موجود اور ہر طرف سے محیط ہے۔ ع

بہر زمیں کہ روی آسماں برو پیداست

اور نیز آسمانی احکام سے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا۔ موت، حیات، تن درستی، بیماری، فتح و شکست، دولت مندی، افلاس عزت و ذلت۔ سب آسمانی احکام ہیں، بھلا کوئی ان کو ٹال تو دے۔ انہیں احکام کے ٹالنے میں اوہام باطلہ کہیں فال اور شگون سے مدد لیتے ہیں کہیں گنڈے اور ٹوٹکے کرتے ہیں، کہیں بتوں سے مدد لیتے ہیں، کہیں قبورِ صلحاء وانبیاء سے لیتے ہیں کہیں ان کی ارواحِ طیبات کو پکارتے ہیں مگر آسمانی حکم ہو کر رہتا ہے نہ کوئی تدبیر پیش چلتی ہے نہ کوئی حیلہ کارگر ہوتا ہے اب معلوم ہوا کہ اللہ کے احاطہ میں ہر چیز ہے؟ کس لیے کہ آسمان اس کے احاطہ میں ہے اور اس نے لوگوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔

دوسری بات کے لیے یہ اشارہ ہوا والطارق اور قسم ہے ہمیں طارق کی۔ طارق کے لغوی معنی ہیں رات میں آنے والے کے خواہ کوئی آئے۔ اور اسی لیے احادیث میں آیا ہے نعوذ باللہ من طوارق اللیل کہ اللہ کی پناہ ان حوادث سے جو رات میں یکایک آئیں۔ اس لیے کہ رات میں ان کا تدارک استغاثہ، تدبیر۔ علاج۔ استغاثت وغیرہ اسباب سے مشکل ہوتا ہے۔ مگر اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ آپ ہی تعظیمِ شان کے لیے سامعین سے دریافت کر کے وما ادراك ما الطارق کہ تو کیا سمجھا کہ طارق کیا ہے یعنی کوئی ایسی ویسی چھوٹی موٹی بات رات کی نہیں ہے، پھر آپ ہی بتلاتا ہے النجم الثاقب کہ وہ روشن ستارہ ہے۔

طارق کے معنی میں اقوال

پھر علماء کے اس میں کئی قول ہیں:۔

(۱) بعض کہتے ہیں جنس مراد ہے ہر ایک ستارے کو شامل ہے کسی کی خصوصیت نہیں کس لیے کہ ہر ایک طارق ہے یعنی رات میں آنے والا اپنے آپ نمودار ہونے والا۔

(۲) بعض کہتے ہیں ستارۂ معین مراد ہے، پھر اس تعین میں بھی کئی قول ہیں۔

بعض کہتے ہیں زحل مراد ہے کس لیے کہ ثقب چھید کرنے کو کہتے ہیں اور اس کی روشنی ساتوں آسمانوں کو چیر کر نیچے تک آتی ہے۔

بعض کہتے ہیں ثقوب روشنی کے معنی میں ہے اور ثریا کا گچھا بسبب اجتماع کے زیادہ روشن ہے اس لیے وہ مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں شہابِ ثاقب مراد ہے اور یہی اخیر قول زیادہ ترچسپاں ہے کس لیے کہ حفاظت کا نمونہ دکھانا منظور ہے، اور یہ بات شہابِ ثاقب سے زیادہ حاصل ہے کس لیے کہ جب شیاطین عالمِ بالا میں اسرارِ غیبی لینے کو جاتے ہیں تاکہ لوگوں پر افشا کر کے ان کے اعتقادات خراب کریں اور قرآن میں خلل اندازی کریں تو شہابِ ثاقب ان پر دوڑ کر جاتا ہے اور ہانک دیتا ہے گرچہ اور ستاروں سے بھی حفاظت ہے[1] عالمِ ارضی کی حفاظت اس لیے کہ نباتات کی روئیدگی اور ان کا پکنا پھولنا وغیرہ امور ستاروں کی شعاعوں سے متعلق ہیں

[1] دن کو تو آفتاب کے چراغ اور رات کو ستاروں کی روشنی عالمِ بالا تک شیاطین کو نہیں جانے دیتی ۱۲ منہ

اور نیز وہ اجسام نورانیہ ہیں اور نور سے بالطبع شیاطین کو نفرت ہے کس لیے کہ ان کا مادہ ظلمانی ہے اس لیے وہ ان شمعوں اور آسمانی چراغوں کی چکاچوند سے خیرہ ہو کر ہٹ آتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اندھیرے مکانوں میں اور رات کو کہ جہاں چراغ اور روشنی نہ ہو شیاطین وخبائث کا زیادہ گذر اور اثر ہوتا ہے۔

اس محافظت کے مضمون کو جو مقصود اصلی اس مقام پر تھا اگرچہ ضمناً ثابت کیا گیا تھا مگر اس کو بصراحت ثابت کرتا ہے اور اس کے مؤکد کرنے کو اسی کو جواب قسم قرار دیتا ہے فقال ان کل نفس لما علیها حافظ کہ ہر نفس پر محافظ ہے یا یوں کہو ایسی کوئی جان یا چیز نہیں کہ جس پر وہ محافظ نہ ہو۔ پھر قرآن کی حفاظت کون بڑی بات ہے۔

نفس سے بعض علماء کے نزدیک مطلق ذات الشئ مراد ہے، اس تقدیر پر حافظ اللہ ہے کس لیے کہ سوائے حق سبحانہ کے جو چیز ہے ممکن ہے اور ہر ممکن وجود و عدم میں مساوی الطرفین ہے جانب وجود کسی مرجح کی ترجیح سے قائم ہوتی ہے اور وہ واجب تعالیٰ ہے پس وہی حق سبحانہ ہر چیز کا قیوم ہے وہی موجودات کو باقی رکھتا ہے وہی حفاظت کرتا ہے، اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں ظاہر فرماتا ہے ان اللہ یمسک السموٰت والارض ان تزولا۔ اور اگر نفس انسانیہ یا حیوانیہ مراد ہوں تو بالخصوص ان کی قوامیت کی طرف اشارہ ہوگا اور اس طرف بھی کہ وہی ہر وقت ان کی خبرگیری کرتا ہے ان کے منافع واسباب زندگی بہم پہنچاتا ہی مضرات سے بچاتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حافظ سے مراد ملائکہ ہیں جیسا کہ فرماتا ہے ویرسل علیکم حفظة۔ یحفظونہ من امر اللہ۔ ہر بلا سے وہی حفاظت بحکم ربی کرتے ہیں

اگر اس کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو انسان کے حشرات الارض سے لے کر درندوں تک اور جن وشیاطین بلکہ ارضی وسماوی سیکڑوں جان لینے والے ہیں، دریا میں اور خشکی پر وہی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کے اندرونی اعضاء کے افعال و قویٰ کی بھی وہی محافظت کرتا ہے۔

جب کہ یہ ثابت کر دیا گیا کہ وہی محافظت کرتا ہے اسی نے امن دے رکھا ہے تو اس حالت میں اور اس فرصت میں اصلی مقصد کی تحصیل میں کوشش کرنی چاہیے خصوصاً جب کہ انسان کے اعمال بھی حفاظت سے دفتر میں لکھے جاتے ہیں اور اعلیٰ مقاصد میں سے تمام اہل ادیان واہل عقول کے نزدیک مبدء و معاد کی معرفت ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ معاد کی معرفت سے مبدء کی معرفت مقدم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے معرفت مبدء کے لیے پہلے یہ کلام ذکر فرمایا۔

فقال فلینظر الانسان مم خلق کہ آدمی خود نظر کرے کہ وہ کاہے سے پیدا کیا گیا؟ وہ دیکھے کہ اس کی اصل کیا ہے اور کس نے اس کو کیوں کر بنایا ہے؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے خلق من ماء دافق کہ ایک پانی کی بوند سے بنایا گیا جو اچھلتی ہے یعنی منی کے قطرہ سے جو کود کر نکلتا ہے۔ یخرج من بین الصلب والترائب وہ قطرہ پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔

اگرچہ محققین کے نزدیک منی کا خزانہ انثیین ہے اور اور رحم میں پڑنے کے وقت منی وہیں سے نکلتی ہے لیکن اس مادہ کی تولید کا اصلی سبب قیام و درستی بدن ہے اور خصوصاً دماغ۔ اور اسی لیے جب ضعف دماغ ہوتا ہے تو یہ قوت کم ہو جاتی ہے اور کثرت مجامعت سے دماغ کو ضعف عارض ہو جاتا ہے اور اس کے بعد تمام بدن میں بھی نحافت محسوس ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھے پشت کی طرف آتے ہیں جن کو نخاع کہتے ہیں اور اسی طرح اس کی شاخیں

مقدم بدن کی طرف بھی آئی ہیں جو سینہ ہے اور عربی میں
اس کو ترِیبہ کہتے ہیں اس لیے یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ منی
پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتی ہے اور یہ مراد نہیں کہ
پیٹھ اور سینہ میں منی موجود رہا کرتی ہے وہاں سے نکلتی ہے
بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مرد کی منی دماغ سے نکل کر پیٹھ
کی طرف سے انثیین کی رگوں میں آتی ہے اور عورت کی سینہ
میں سے۔

آیت میں نہ اس بات کی تصریح ہے کہ انسان
مرد و عورت دونوں سے بنتا ہے، نہ اس بات کی کہ
صرف مرد کی منی سے جس کسی نے کچھ ثابت کیا ہے تو قرائن و
استنباط سے۔

گرچہ انسانِ حقیقی روح ہے اور وہ نہ کسی قطرۂ منی
سے بنی ہے نہ اور کسی مادۂ عنصری سے لیکن اس روح کا
مرکب عالمِ حسی میں بدنِ انسان ہے اور عالمِ ناسوتی میں
غالباً اسی پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے، اور اس میں
کوئی شبہ نہیں کہ یہ منی کے قطرہ سے بنتا ہے پھر اس کا
بنانے والا کون ہے؟ وہی قادرِ مطلق اس قطرے کو
رحم میں اس سانچے میں ڈھالتا اور کیا کیا کاریگریاں
کرتا ہے۔

اس کے بعد معرفتِ معاد پر جو دلالت کرے اس کو
ذکر فرماتا ہے فقال انہ علیٰ رجعہ لقادر کہ وہ کہ
جس نے اس کو ایک قطرہ سے بنایا مرنے کے بعد بارِ دگر
اس کو بنانے اور اس کی اس صورت کی طرف لوٹا دینے پر
قادر ہے وہ بارِ دیگر پھر اس کو ویسا ہی بنا سکتا ہے۔ جن
اجزاء سے منی بنائی تھی پھر کیا وہ ان اجزاء سے اس کی
دوبارہ جمعیت کا مادہ مجتمع نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔
اس کلام کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ پھر اس کو انہیں اجزاء کی
طرف پلٹا سکتا ہے پھر وہی منی کا ایک قطرہ کر سکتا ہے
انسان و حیوان و نباتات میں اس کی گردش ظاہر ہے

جس قطرے سے یہ بنا تھا اس کے تمام جسم کا عطر پھر
وہی قطرہ ہے جس سے پھر ویسا ہی انسان بنتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨ فَمَا لَهٗ
جس دن کہ بھید کھل جائیں پھر نہ تو اس کا
مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩ وَالسَّمَآءِ
کچھ زور ہوگا اور نہ کوئی مددگار قسم ہے آسمان
ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪ وَالْاَرْضِ
بارش والے کی اور زمین کی
ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ
جس میں سے بوٹیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں بے شک قرآن
فَصْلٌ ⑬ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ⑭
قطعی بات ہے اور یہ کچھ ہنسی نہیں
اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ⑮
وہ تو ایک داؤ کر رہے ہیں
وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ⑯ فَمَهِّلِ
اور میں بھی ایک داؤ کر رہا ہوں پھر تو
الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ⑰ ع ۱ ۱۷ ۱۱
منکروں کو تھوڑی سی مہلت دو ..

ترکیب

یوم منصوب برجعہ وقیل بقادر وقیل العامل مقدر
ای یرجعہ او اذکر فیکون مفعولاً بہ والسرائر جمع سریرۃ و
السر جمعہ اسرار او ہو الذی یکتم والابتلاء الاختبار والامتحان
قال ابو مسلم بلوت یقع علی اظہار الشیء وعلی امتحانہ والسماء
الواو للقسم ذات الرجع صفۃ للسماء قال الزجاج الرجع المطر

لانہ یجیٔ ویرجع ویتکرر وقال الخلیل الرجع المطر نفسہ والرجع نبات الربیع وقال الواحدی الرجع المطر فی قول المفسرین۔ وقال ابن زید الراجع الشمس والقمر والنجوم یرجعن فی السماء تطلع من ناحیۃ وتغیب فی ناحیۃ وقال القفال معناہ ذات النفع وقال ابن عباس الرجع المطر والارض معطوف علی السماء۔ ذات الصدع صفۃ للارض۔ الصدع ہو الشق قال ابن عباس تنشق عن النبات والاشجار۔ وقال مجاہد ہو الحلالان بینہما شق وطریق نافذ کما فی قولہ وجعلنا فیہا سبلاً فجاجاً و قال اللیث الصدع نبات الارض لانہ یصدع الارض فتصدع بہ انہ لقول الخ جواب القسم والضمیر فی انہ یرجع الی ما اخبرتکم بہ من قدرتی علی احیاءکم یوم تبلی السرائر وقیل یرجع الی القرآن امہلہم بدل من مہل ومہل وامہل بمعنی واحد مثل نزل وانزل رویداً منصوب علی انہ مصدر مؤکد للفعل المذکور او نعت لمصدر محذوف ای امہلہم امہالاً رویداً ای قلیلاً او قریباً۔ ویجوز ان یکون حالاً۔ رویدٌ فی کلام العرب علی ثلاثۃ اوجہ (۱) اسم للامر کقولک روید زیداً ای دعہ ولاتنصرف لانہا غیر متمکنۃ (۲) ہو مصدر کسائر المصادر فیضاف الی مابعدہ تقول روید زید کما تقول ضرب زید (۳) ہو نعت منصوب کقولک ساروا سیراً رویداً وربما یحذفون المنعوت ویقیمون رویدا مقامہ (من الکبیر)۔

تفسیر

اور وہ اعادہ کس روز ہوگا؟ اس کو بتاتا ہے یوم تبلی السرائر جس روز کہ مخفی باتیں ظاہر ہو جائیں - یعنی قیامت کے روز۔ اس جملہ میں قیامت کی بھی ایک صفت بیان ہوگئی کہ وہ ایسا روز ہے کہ جس میں آج جو کچھ مخفی کہا جاتا ہے ظاہر ہوجائے گا۔ اِس عالمِ ناسوتی میں احکام روح مخفی و مستور اور احکام اجسام ظاہر ہیں، گناہ در پردہ ہوں یا ظاہر ان کی کیفیت جسم پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اخلاقِ ذمیمہ بخل وحسد وکینہ حب جاہ و مال سب مخفی ہیں اور اسی طرح ایمان وحب الٰہی وصداقت و ذکرِ الٰہی وغیرہ افعال و اخلاقِ محمودہ کا بھی کوئی اثر ظاہر بدن پر نہیں ہوتا لیکن قیامت کے روز معاملہ برعکس ہوگا روحانی آثار ظاہر ہوجائیں گے۔

سرائر عام ہے پوشیدہ گناہوں اور مکروحیلہ کو بھی شامل ہے کہ جن کے اخفاء کی دنیا میں کوشش کیا کرتے تھے۔ اور عقائد باطلہ ونیاتِ فاسدہ کو بھی، اسی طرح نیک کاموں کو بھی جن کو مخفی کرتے تھے۔ روزہ اور نمازِ تہجد اور مخفی خیرات اور دل کے ملکاتِ کاملہ مواجید و اشواق کو بھی اور ہر ایک معاملہ کو بھی جو اس میں اور خدا میں تھا۔

پھر اس روز کیا ہوگا فما لہ من قوۃ پھر نہ اس کو خود قدرت ہوگی کہ اخفاء کر سکے اور اظہار ہونے کے بعد اس کی سزا کو دور کر سکے ولا ناصر اور نہ اور کوئی دوسرا اس اخفاء میں اور اظہار کے بعد سزا دور کرنے میں مدد کر سکے جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔

ان آیات میں دو باتیں ذکر ہوئی ہیں: اول یہ کہ انسان کو بارِ دیگر خدا تعالیٰ ایسی ہی زندگانی عطا کر سکتا ہے، دوسری یہ کہ جس روز یہ زندگانی عطا ہوگی مخفی باتیں ظاہر ہوجائیں گی، اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے دو مثالیں پیش کرتا ہے جن کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور لطف یہ کہ ان دونوں مثالوں یا نمونوں کو قسم کھا کر بیان فرماتا ہے۔

اول نمونہ والسماء ذات الرجع کہ قسم ہے آسمان بارش والے کی، رجع کے معنی اکثر مفسرین کے نزدیک بارش کے ہیں اور نفع کے بھی، عرفِ عام میں بارش کا

آسمان سے برسنا مشہور ہے گو بادلوں سے برستی ہے اور اس لیے بادلوں کو بھی آسمان سے تعبیر کرتے ہیں، اس لحاظ سے آسمان کو بارش والا کہا گیا۔ اس میں بارِ دیگر زندگانی کا نمونہ ہے برسات میں سبزہ اُگتا ہے ایک عمرِ طبعی کو پہنچ کر چورا چورا ہو کر نیست و نابود ہو جاتا ہے اگلے سال پھر جو بارش ہوتی ہے تو وہ تمام نباتات بارِ دگر سرسبز ہو جاتے ہیں اور اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کر جاتے ہیں انہ علیٰ رجعہ لقادر اس جملہ میں اسی مضمون کی تصریح ہے۔

بعض علماء نے رجع کے معنی حرکت کرنے اور چکر لگانے کے بھی لیے ہیں اس تقدیر پر (آسمان چکر لگانے والے) معنی ہوں گے۔ اس میں بھی یہ مضمون ثابت ہے جیسا کہ آسمان چکر لگاتا ہوا لوٹ آتا ہے رات سے پھر دن ہو جاتا ہے اسی طرح انسان کا بھی بارِ دیگر اپنی حالت پر لوٹ آنا کچھ بھی مشکل نہیں۔

دوسری بات کے لیے یہ دوسرا نمونہ پیش کیا جاتا ہے والارض ذات الصدع کہ قسم ہے زمین پھٹنے والی کی۔ صدع کے معنی پھٹنے کے بھی ہیں اور نباتات کے بھی۔ دیکھو زمین میں جو قویٰ ودیعت رکھے گئے ہیں ایک وقت پر وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ زمین پھٹ کر اس میں کیسی کیسی جڑی بوٹیاں موسمِ بہار میں نکل آتی ہیں اور چشمے اور معادن بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ آسمان کا پانی بمنزلہ منیٔ والد کے ہے اور زمین بمنزلہ رحم مادر کے۔ نباتات و اشجار و دیگر اشیاء اس کے بچے ہیں جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں اور پھر پیدا ہوتے ہیں اور پھر مٹ جاتے ہیں، یہی حال اس دنیا اور دارِ آخرت کا ہے کہ اس کے بعد پھر یہ زندگی عطا ہوگی۔

قسم کھا کر وہ جامع بات یہ بیان فرماتا ہے انہ لقول فصل مر کر جینے اور مخفیات کے ظاہر ہو جانے کی بات قطعی اور دوٹوک بات ہے وما ھو بالھزل اور یہ ہنسی اور لغو بات نہیں جیسا کہ انھم یکیدون کیدًا وہ کفار کہتے ہیں کہ ابھی وہاں کا حال کس نے دیکھا ہے لوگوں کی ترغیب و ترہیب کے لیے حضرات انبیاء ایسے خیالی مضامین جنت و دوزخ سزا و جزا کی تراش کر بیان کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ بچوں کو خیالی باتوں سے پھسلایا اور ڈرایا کرتے ہیں، یہ تھا کفار کا کید۔ واکید کیدًا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں میں بھی کید کر رہا ہوں۔ ان باتوں کو دلائلِ انفس و آفاق سے ثابت کر رہا ہوں، یہ اس کا کید ہے۔ یا یوں کہو ان کا دارِ آخرت سے غافل ہو کر حصولِ دنیا کے لیے اور دینِ الٰہی کے برباد کرنے کے لیے تدابیر نکالنا یہ ان کا کید تھا اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے غلبہ اور ہدایت کے سامان پیدا کرنا اور ان کی بربادی کے سامان قریب لانا یہ کیدِ الٰہی ہے علیٰ وجہ المشاکلت کید کا اس فعلِ الٰہی پر اطلاق ہوا۔[1]

چونکہ وقت قریب آلگا ہے فمھل الکفرین ان کو مہلت دے امھلھم رویدًا ان کو اور تھوڑے دنوں مزے کر لینے دیجیے، بد دعا نہ کرو۔ پھر تو ہمیشہ کا عذاب ان کے لیے ہے، یہ مہلت بھی کیدِ الٰہی ہے۔

سُورۂ اعلیٰ

مکیہ ہے اس میں اُنیس آیات ہیں

[1] ورنہ یہ فعلِ الٰہی کید نہیں ۱۲ منہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١

اپنے رب کے نام کی جو سب سے اعلیٰ ہے تسبیح کیا کر

الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِيْ

اس کی کہ جس نے انسان کو پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور اس کی کہ جس نے

قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ

انسان کا اندازہ کیا پھر راہ دکھائی اور اس کی کہ جس نے چارہ

الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً

نکالا پھر اس کو کالا کوڑا

اَحْوٰى ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝٦

کر دیا (اے انسان) ہم تجھے ابھی پڑھاتے ہیں پھر تو نہیں بھولے گا

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ

مگر جتنا کہ اللہ چاہے وہ تو کھلی اور

الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧

چھپی (سب باتوں) کو جانتا ہے ۔

ترکیب

الاعلیٰ صفۃ ربک الذی الجملۃ صفۃ اخریٰ للرب والذی صفۃ اخری او معطوف علی الموصول الذی قبلہ ۔ قدر قرئ مخففا و مثقلا والذی اخرج صفۃ اخری فجعلہ غثاء فی القاموس الغثاء القماش والزبد والہالک البالی من ورق الشجر قال قتادۃ الغثاء الیابس احوی اسود ماخوذ من الحوۃ وہی سواد یضرب الی الخضرۃ فی القاموس الحوۃ سواد الی خضرۃ او حمرۃ الی السواد حوی کرضی و فی الصحاح الحوۃ بالضم حمرۃ الشفۃ ۔ قال ابن عباسؓ غثاء ہشیما احوی متغیرا فلا تنسیٰ قیل نفی وقیل نہی والالف للاشباع الا استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای لا تنسیٰ مما علمک اللہ شیئا من الاشیاء الا ما شاء اللہ ان تنساہ قال الفراء ولم یشا اللہ ان ینسی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فہو کقولہ خلدین فیہا ما دامت السموت والارض الا ما شاء ربک ۔ انہ یعلم الخ تعلیل لما قبلہ ۔

تفسیر

یہ سورت بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں انیس آیات ہیں ۔ ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ و عائشہؓ بھی یہی فرماتے تھے ۔

امام احمد و بزار و ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو بہت محبوب رکھتے تھے (کیوں کہ اس میں بہت سے علوم اور خیرات ہیں) امام مسلم و امام احمد و اہل سنن نے نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتٰک حدیث الغاشیۃ پڑھا کرتے تھے ۔ اور مسلم وغیرہ نے جابر بن سمرہؓ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے ۔ ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یایہا الکفرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے ۔

مناسبت اس سورت کی سورۃ طارق سے بہت سے مضامین میں ہے ازاں جملہ یہ کہ سورۃ طارق میں انسان اور اس کے بعد دیگر مخلوق کی آفرینش بیان کی تھی کہ انسان

قطرۂ منی سے اور نباتات آسمانی پانی سے اس کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سورت میں انتہا کا بیان ہے کہ آخر کار مُرجھا جاتے اور چورا چورا ہو کر ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں، پاؤں میں آتے خاک میں مل جاتے ہیں، وجودِ ناسوتی میں ایک جلوہ دکھا کر چلے گئے۔

شانِ نزول اس سورت کا مفسرین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جانبِ غیب سے بے شمار علوم و معارف کا فیضان ہونا شروع ہوا تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں خود لکھا پڑھا نہیں مبادا ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں اس لیے اس سورت میں حق سبحانہ آپ کی تسلی کرتا ہے کہ آپ نہیں بھولیں گے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید کی ہر ایک سورت بمنزلہ ایک کتاب کے ہے، ہر ایک میں علوم و معارف انسانی سعادت کی رہ نمائی کرنے میں کافی و شافی ہیں۔ تکمیلِ انسان کے لیے ان چند علوم کی اشد ضرورت ہے۔

(۱) علمِ مبدء و معاد کہ ہر عاقل کو یہ غور کرنا چاہیے کہ یہ مخلوق کس نے بنائی اور اس میں کیا کیا کاری گری کی۔ اگر کسی درخت یا جڑی بوٹی کو بغور ملاحظہ کیجیے گا تو اس کو معرفتِ الٰہی کا ایک دفتر پائیے گا۔ جب یہ خیال ہوگا کہ اس کی ابتدا کیا تھی؟ ایک تخمِ خشک۔ پھر زمین میں جا کر آسمانی پانی نے اس کی ان قوتوں کو جو مبدءِ فیاض نے اس میں ودیعت رکھی تھیں کس طرح سے اُبھارا اور پھر اس میں سے ایک تنہ نکلا اور نکل کر میدانِ وجود کو طے کرتے ہوئے اپنے کمال کو پہنچا۔ پتے ہیں تو ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے اور پھول ہیں تو اپنے رنگوں اور صورت میں کس کاری گری کے ساتھ اور پھر ہر شاخ کا نشوونما ہے تو کس انداز کے ساتھ اور پھر اس تدریجی ترقی میں اس کے لیے کیا کیا سامان مہیا کیے جاتے ہیں اور پھر ہر ایک چیز میں ایک جدا خاصیت رکھی گئی ہے اور اس کی غذا، حاصل کرنے اور توالد و تناسل کے جو قاعدے مقرر کر رکھے ہیں ان میں غور کرنے سے اور بھی حیرت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر انسان اپنے حالات میں غور کرے کہ میں کس طرح سے پیدا ہوا اور میری بناوٹ میں کیا کیا خوب صورتی کی شانیں نمایاں کی ہیں اور مجھ میں کیا کیا قوتیں ودیعت رکھی ہیں اور میں بے اختیار کیوں کر جسمانی ترقی کرتا جاتا ہوں تو حیران رہ جائے اور بے اختیار کہہ اٹھے سبحان ربی الاعلیٰ۔

اور جب اس کتابِ وجود کے ان اوراق کا مطالعہ کر کے اس کے اخیر باب پر پہنچے کہ اخیر اس کا کیا ہوتا ہے اور کیوں کر تدریجاً فنا کے گڑھے میں جا گرتا ہے تو روحِ انسانی کو ضرور اپنے خالق و مربی کے ساتھ دل بستگی کرنے کا ولولہ اٹھتا ہے اور یہ تمام دنیاوی زرق برق جس کی ہستی حباب کی بقا سے مشابہ ہے بے قدر ہو جاتی ہے، اس لیے اس دوسرے (۲) علم کی طرف مشتاق ہوتا ہے کہ میں اپنے ایسے خالق و مالک و مربی سے کہ جس کو نہ میری دنیاوی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ ہاتھ ٹٹول سکتے ہیں نہ کان سُن سکتے ہیں نہ زبان چکھ سکتی ہے نہ ناک سونگھ سکتی ہے کیوں کر پہچانوں اور کس طرح سے تقرب حاصل کروں تاکہ میں اس جسم کے لباس چھوڑنے کے بعد اس کے جلالِ کبریائی میں جگہ پاؤں اور اس کی تجلی سے متجلی ہو کر عالمِ بالا کے لوگوں میں مل جاؤں اور یہی انسان کی تکمیل اور یہی اس کی سعادت اور یہی اس کے اس سفر کا نتیجہ ہے۔

حق سبحانہ اس سورت میں ان دونوں علوم کو منکشف کرتا ہے مگر چونکہ دوسرا علم مقصودِ اصلی ہے

ف یعنی جو معشوق اس پردے میں یہ کاری گریاں کر کے اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اس کا شوق اور اس سے ملنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے ۱۲ منہ

اس لیے اول اسی کی رہ نمائی کرتا ہے اور بعد میں دوسرے علم کی طرف مشتاق کرتا ہے۔ فقال سبح اسم ربك الاعلیٰ کہ اپنے رب بالاتر کے نام کی تسبیح کیا کر یعنی اس تک تیرے تقرب کا یہی ذریعہ ہے۔

اور وہ کون ہے تیرا رب۔ اور رب بھی اعلیٰ یعنی اس ظلمت کدہ اور خاک دانِ پست میں جو تو نے آنکھ کھول کر ہماری مخلوق ہی کو دیکھا ہے اور اسی کے حالات کا تجھے مشاہدہ ہوا ہے اور ان سے تو نے ہم کو سمجھا ہے کہ آخر ان کا کوئی بنانے والا ہے اس سے تو ہم کو مخلوق پر قیاس نہ کر لینا، ہمارے لیے جسم اور توالد و تناسل اور تغذیہ اور خواب اور تدریجاً ترقی اور پھر تنزل اور بیچ میں بیماری وضعف اور اپنی سی شکل وصورت اور اپنے سے اسبابِ معیشت میں محتاجگی، مکان لباس کھانے پینے وغیرہ امور میں نہ سمجھ، ہم ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ یہ ہے تسبیح۔ مگر اس سمجھنے پر آمادہ کرنے والا لفظ سبحان اللہ وبحمدہٖ یا سبحان ربی الاعلیٰ وغیرہ کہنا ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جب تو سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھے تو کہہ سبحان ربی الاعلیٰ (رواہ عبد بن حمید)

ابو داؤد و ابن ماجہ واحمد نے روایت کی ہے کہ جب سبح باسم ربك العظیم نازل ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو رکوع میں کہا کرو اور جب سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو سجدہ میں کہا کرو۔ یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرو۔

تسبیح کے معنی

علما نے فرمایا ہے کہ تسبیح کے معنی ہیں خدا تعالےٰ کو جمیع عیوب اور نقصانوں سے مبرّا اور منزّہ سمجھنا اس کی ذات اور صفات اور افعال کو سب نقصانوں سے بری اور پاک جاننا اور منہ سے کہنا تسبیح ہے۔

اور لفظ اسم کے لانے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی ذات تک رسائی نہیں صرف اسم تک ہے۔ یعنی آثار وصفات سے اس کو جانتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں لفظ اسم محض عظمتِ شان کے لیے ہے ورنہ مراد تسبیح اس کی ذات کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس کے اسم کی تسبیح یہ ہے کہ اس کا نام بے حرمتی سے نہ لے نہ جنابت اور ناپاک جگہ میں پڑھے، نہ بُرے کام پر۔

اور لفظ ربك میں اس بات کا اظہار ہے کہ وہی تسبیح کا مستحق ہے کیوں کہ وہ تیری وقتاً فوقتاً پرورش کیا کرتا ہے نطفہ سے لے کر اخیر تک وہی تو تیرا مربی و محسن ہے۔

اور لفظِ اعلیٰ میں یہ بات بتلادی کہ دنیا کے مربی درحقیقت مربی نہیں بلکہ وسائل ہیں جیسا کہ ماں باپ آقا بادشاہ ولی النعمۃ کیوں کہ یہ اسی کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو دیتے ہیں گو اس لیے وہ بھی قابلِ شکر گزاری ہیں مگر ربِّ اعلیٰ وہی ہے۔ اور نیز لفظِ اعلیٰ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ سب خیالات وتوہمات کے احاطہ سے بالاتر ہے اس لیے تسبیح کا مستحق ہے، اور یہ بھی کہ وہ سب سے بالادست ہے، سب کا حاکم ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، پھر وہی تسبیح وتقدیس کا سزاوار ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تسبیح کرنے سے انسان پر بھی اس تقدیس وتنزیہ کا اثر پڑ کر یہ آلائشِ جسمانی سے پاک وصاف ہو کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ عالمِ بالا میں شامل ہو۔

ف خدا پاک کی ستائش میں صفاتِ حمیدہ کا

اثبات ہوتا ہے اور تسبیح میں صفاتِ رذیلہ سے جو اس کی شان کے منافی ہیں تنزیہ اور تبری ہوتی ہے یعنی دور کرنا، چونکہ ثابت کرنا جس کو تحمید کہتے ہیں بعد کا مرتبہ ہے اس لیے اول تسبیح کا حکم دیا بعد میں اس کی صفاتِ حمیدہ ذکر کرنے کا۔ اور اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ملانے کا ارشاد فرمایا ہے سبحان اللہ وبحمدہ کہنا موجب ثواب و اجرِ عظیم قرار دیا۔ تسبیح کے انوار منعکس ہو کر تسبیح کرنے والے کی روح پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی روح میں نورانیت ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد اس اول علم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو علمِ مبدء کہتے ہیں کیوں کہ جب اس کی ذات و صفات و تقدیس کا علم اور اس کے انوار اس پر پرتو فگن ہو جائیں گے تو مخلوق کے پیدا کرنے کے اسرار خوب سمجھ سکے گا۔

فقال (۱) الذی خلق فسوّٰی اس کی تسبیح و تقدیس کر کہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور پیدا کر کے یوں ہی اینڈا اور بے کار اور بے ڈول نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو ٹھیک اور درست بھی کیا جس کے لیے جس عضو اور جس قوت اور صورت کی حاجت تھی وہی عطا کی ہر ایک مخلوق میں اگر نظر کیجیے گا انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات و جمادات بلکہ علویات تک جس میں چاند اور سورج اور ستارے بھی شامل ہیں تو جلد اقرار کر لیجیے گا کہ اس کی بناوٹ ایسی ہی ہونی چاہیے تھی اور اگر اس میں ذرا بھی فرق ہوتا تو خوبصورتی بگڑ جاتی اور افعال میں فرق آجاتا پرندوں کو پر دیے، درندوں کو ناخن اور مچھلیاں عطا کیں، درختوں کو پوست کا لباس پہنایا، پھر ہر ایک کے جسم کی بناوٹ میں ہر ہڈی اور ہر پٹھا کس موقع سے رکھا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔

(۲) والذی قدّر فھدٰی اس کی کہ جس نے پیدا اور ٹھیک کر کے اندازہ کیا یعنی اس کے قویٰ اور اس کے افعال اور عمر سب چیزوں کا علمِ الٰہی نے اندازہ کر لیا تاکہ اس حد تک اس کی کسی بات اور بناوٹ میں فرق نہ آئے مثلاً یہ اندازہ کر لیا تھا کہ یہ حیوان تمام عمر میں اس قدر کھائیگا اور اتنے دنوں جیے گا تو اس کے معدہ میں اتنے ہی ایام تک اتنی غذا ہضم کرنے کی قوت عطا کی اور معلوم کر لیا تھا کہ اتنی حرکت کرے گا تو اس کے پاؤں میں اسی قدر قوت عطا کی اور اگر یہ اندازہ نہ ہوتا تو بڑی خرابی واقع ہوتی مثلاً چراغ جلانا صبح تک مقصود ہو اور تیل تھوڑا ڈال دیا جائے تو قبل الوقت گل ہو جائے اور زیادہ ڈال دیا جائے تو بے کار جائے اور جس اندازہ کی روشنی درکار تھی اس سے بڑھ جائے اور نیز اس اندازہ کرنے میں اس کی شانِ ربوبیت بھی نمایاں ہے۔

بعض قراء نے قدر کو بغیر تشدید کے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ اس کو قادر کیا یعنی اس کے مناسب افعال و حرکات کی اس میں قدرت بھی رکھی اور قدرت ہی پر بس نہ کیا بلکہ فھدٰی اس کو رہنمائی بھی کی انسان کو اس کے معاش کے اسباب حاصل کرنے کے علوم عطا ہوئے، پرندوں کو گرمی سردی میں گھر بنانے کی ہدایت کی، حشرات الارض کو زمین کے اندر سوراخوں میں رہنے کی ہدایت کی۔ چیونٹی ایک چھوٹا سا جانور ہے اگر آپ اس کی ہدایتِ الٰہی کو دیکھیں تو حیرت میں رہ جائیں، کس ترکیب سے خورش کی چیزیں لاتی ہے اور باہم کس موقع سے قطار باندھ کر چلتی ہیں، انسان کو تو ... ایجاد ... بنائیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جس سے ریل گاڑی، تار برقی اور طرح طرح کی کلیں اور کہربائی قوتیں ایجاد کیں۔ اور علوم آخرت بھی ہدایت کیے، اس کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ اس ہدایتِ الٰہی کی شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ آئے۔

اب یہاں تک تو اس کے وجود اور ما بینا سبہ کا

بیان تھا اب فنا کی بھی سن لیجیے۔

(۳) والذی اخرج المرعیٰ فجعلہ غثاءً احوی
اور اس کی تسبیح[1] کر کہ جس نے زمین سے چارہ نکالا یعنی گھاس پھر دیکھیے وہ کیسی لہلہاتی اور دل لبھاتی ہے پھر چند روز کے بعد وہ زرد پڑ جاتی ہے اور کٹ کر ٹوٹ جاتی ہے اور کوڑا ہو جاتی ہے اور کوڑے کے بعد سیاہی نما مٹی ہو جاتی ہے یا کھو کوڑے پنے ہی میں اس پر تیرگی آجاتی ہے اس میں مخلوق خصوصاً حضرت انسان کی انتہا کی طرف کس عمدہ پیرایہ میں اشارہ ہے کہ جس سے غور کرنے والے کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

اب یہاں سے موت اور موت کے بعد کا حال بیان ہوتا ہے۔

فقال ؛ سنقرئك فلا تنسیٰ کہ مرنے کے بعد تیرے نامہ اعمال کو ہم تجھ سے پڑھوائیں گے گو تو اے انسان اب اس کو نہیں پڑھ سکتا جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اقرأ کتٰبك کہ ہم کہیں گے پڑھ اپنی کتاب اور اس وقت تو اپنے اعمال نیک و بد میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا سب تجھے یاد آجائیں گے الا ما شاء اللہ مگر وہ کہ جن کو اللہ چاہے گا یاد نہ آئیں گے۔ اور وہ نیکوں کے بعض برے کام اور ان کی شرمندگی کے اسباب ہیں جو دنیا میں ان سے سرزد ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے توبہ و استغفار و گریہ وزاری کے پانی سے مٹا ڈالے تھے ان کو خدا پاک وہاں بھی یاد نہ دلائے گا تاکہ ان کی شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں یا وہ خفیف باتیں جو انسان سے بمقتضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں۔

یہ مرنے کے بعد خصوصاً قیامت میں ایک حضور علمی کا مرتبہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ سہو و نسیان دنیا میں بسبب جسم کے ہے۔

اور ہم یہ تمام باتیں کیوں یاد دلائیں گے انہ یعلم الجہر وما یخفیٰ اس لیے کہ اللہ کو کھلی اور چھپی بات معلوم ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں اب جو کچھ کرو ہوشیاری سے کرو اور جان لو کہ اس کو ایک روز ہمارا رب ہمیں جتلائے گا اور ہمارے دفتر اعمال کو ہم سے پڑھوائے گا۔

ان آیات سنقرئك الخ کی تفسیر میں بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب جبرئیلؑ وحی لاتے تو آپؐ اس خوف سے کہ کہیں کچھ بھول جاؤں جبرئیل کے ساتھ جلد جلد پڑھتے جاتے، یہ آپؐ کے لیے بڑی مشقت تھی، اس مشقت کے دور کرنے کو یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ بھول جانے کے اندیشہ کو دل سے نکال دیجیے اس کا یاد کرانا ہمارا کام ہے، آپ نہیں بھولیں گے الا ما شاء اللہ مگر جس قدر خدا چاہے کہ بشریت سے آپ کو نسیان و سہو ہو جائے[2] نہ یہ کہ بالکل ذہول ہو جائے اور ایسا ہوتا تھا چنانچہ نماز میں ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت پڑھنی بھول گئے۔ نماز کے بعد آپؐ نے پوچھا کیا میں کوئی آیت چھوڑ گیا؟ ابی بن کعبؓ نے

[1] اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو خدا پاک کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح پر انوار قدس فائض ہونے لگتے ہیں تو ملہم غیب اس کے دل کو علوم و معارف کا چشمہ کر دیتا ہے اس کو اس حال میں وہی پڑھاتا ہے اس صفت میں اول درجہ پر حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پھر اولیاء کرام ۱۲ منہ

[2] اس سے یہ سمجھنا کہ پیغمبر علیہ السلام قرآن کی بعض آیات بھول گئے تھے یا خدا نے بھلوا دی تھیں ایک غلط خیال ہے جس کی بناء اخبار آحاد غیر صحیحہ اور غلط فہمی پر ہے ۱۲ منہ

عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ فلاں آیت چھوڑ گئے۔

بعض فرماتے ہیں کہ الا ماشاء اللہ تبرکاً فرمادیا گیا تاکہ معلوم رہے کہ بُھلا دینا حق سبحانہ کے اختیار میں ہے۔ ورنہ بُھلایا آپؐ کو کچھ بھی نہیں۔ یہ فراء کا قول ہے۔

انہ یعلم الجھر کیوں کہ وہ تیرے موجودہ کمالات کو جانتا ہے وما یخفیٰ اور جو تیرے اندر استعداد کامل رکھی ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ تو اس قابل ہے کہ حق سبحانہ تیرے ذہن کو عالمِ غیب کا آئینہ یا خزانہ کردے۔

چنانچہ ایسا ہی کردیا پھر قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی آپؐ نہ بھولے تھے اور آپؐ کی برکت سے بہت سے صحابہؓ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے، اور امتوں کی طرح کتابِ آسمانی کا کتابت پر انحصار نہ تھا بلکہ تمام قرآن اُن پاک بازوں کے سینوں پر لکھا ہوا نہیں بلکہ کُھدا ہوا تھا اور ان کی یہ برکت اب تک امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مستمر چلی آتی ہے۔ خصوصاً اس گروہ میں جو ان کے قدم بقدم ہے ہر گاؤں اور ہر شہر میں حفّاظ موجود ہیں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور عورتیں بھی تمام قرآن مجید کے حافظ ہیں اگر خدانخواستہ تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا باقی نہ رہا تو ایک گاؤں میں سے ایک لڑکا سب قرآن کو لکھوا دے اور ایک لفظ اور حرف بلکہ زیر و زبر کا بھی فرق نہ آنے پائے۔ فلا تنسیٰ کی بشارت کیسی جلوہ گر ہو رہی ہے۔ بھلا کوئی دوسری قوم تو اپنی کتاب کا ایک ہی حافظ دکھادے۔ نہ کوئی وید کا حافظ سننے میں آیا نہ انجیل کا نہ توریت کا نہ زبور کا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ فَذَكِّرْ

اور ہم تیرے لیے آسان بات کو سہل کر دیں گے پس سمجھاتے رہو

اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۗ

اگر فائدہ سمجھانا بخشے

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ ﴿۱۰﴾

جو خدا ترس ہوگا وہ تو جلد سمجھ جائے گا

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْ

اور اس نصیحت سے بدبخت ہی تو (الگ رہی) ہٹا رہے گا وہ جو

يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ ثُمَّ

بڑی آگ میں پڑے گا پھر

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۗ

وہاں نہ مرے گا اور نہ جیے گا

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ

جس نے پاکیزگی حاصل کرلی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا

اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۗ ﴿۱۵﴾

(اور) نماز پڑھتا رہا اس نے فلاح پائی

ترکیب

ونیسرك معطوف علیٰ سنقرئك وقولہ انہ یعلم الجھر وما یخفیٰ اعتراض ای سنقرئك فلا تنسیٰ و نوفقك للطریقۃ التی ہی اسھل والیسران شرطیۃ نفعت الذکریٰ شرط وقولہ فذکر یدل علی الجزاء الذی یصلی لاصفۃ الاشقی ثم لایموت عطف علیٰ یصلی وذکر عطف علیٰ تزکیٰ وفصلی عطف علیٰ ذکر۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا سبح اسم ربك الاعلی کہ اپنے ربِ اعلیٰ کی

تسبیح بیان کرے۔ اور اب اس تسبیح کے ثمرات بیان فرماتا ہے فقال ونیسرک للیسریٰ کہ ہم تیرے لیے نجات کے رستے کو آسان کر دیں گے۔

نجات کو یسریٰ یوں کہا کہ وہ کوئی درحقیقت مشکل اور محال بات نہیں جیسا کہ مذاہب باطلہ میں ہے کہ کوئی بتوں پر اپنی اولاد کی قربانی کو نجات کا سبب جانتا ہے، کوئی آگ میں جل مرنے کو، کوئی دریا میں ڈوب مرنے کو، کوئی عمر بھر بھوکا پیاسا مرنے کو، کوئی لنگوٹی باندھ کر فقیر بننے اور بھیک مانگتے پھرنے کو نجات جانتا تھا۔

اس لفظ یسریٰ میں اشارہ کر دیا کہ یہ سب خیال باطل ہیں، نجات کچھ مشکل نہیں، صرف خدا اور اس کے رسول کی فرماں برداری سے ہے، مگر یہ بھی ہر ایک کے لیے آسان نہیں گو فی نفسہا آسان ہے، یہی پنج گانہ نماز ہے کہ جس میں کچھ بھی دقت نہیں، وضو نہ کر سکے تو تیمم کر لے، کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے، مگر بعض طبائع پر یہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے۔ زنا سے بچنا کچھ مشکل کام نہیں ایک عورت دل پسند سے نکاح کر کے قضاء حاجت کر سکتا ہے، اگر اس پر بھی بس نہیں تو دو کر لے اور اس پر بھی بس نہیں تو تین، اور بہت ہی ضرورت پڑے تو چار سہی، پھر جس کی تقدیر کھوٹی ہے وہ سو پر بھی بس نہیں کرتا اور اس کو حلال میں لذت نہیں آتی۔ ایک بدکار عورت یا مرد سے اگر کہا جائے کہ تم اپنا یہ تعلق قائم رکھو مگر نکاح کر لو تو وہ ہرگز نہیں کریں گے یوں عمر بھر جھک ماریں گے علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن خدا کی تسبیح و تقدیس کے انوار سے جب روح منور ہوتی ہے تو قوائے بہیمیہ پست ہو جاتے ہیں، اس وقت روح کا تقاضا نیک کاموں پر ہوتا ہے اور وہ بڑی آسانی سے یہ کام کرنے لگتا ہے اور وہ نیک کام اس کے نزدیک ایسے آسان ہو جاتے ہیں جیسا کہ ظلمانی کے نزدیک بدکام آسان ہوتے ہیں۔ اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کل میسّر لما خلق له اما من کان من اهل السعادة فییسّر لعمل السعادة و اما من کان من اهل الشقاوة فییسّر لعمل الشقاوة الحدیث (متفق علیہ) کہ جو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کو وہی آسان کر دیا جاتا ہے پھر جو اہل سعادت ہے اس کے لیے سعادت کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں اور جو اہل شقاوت ہے اس کے لیے بدبختی کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں۔

اب اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ ہے کہ معرفت عبادت وسیاست وحسن اخلاق صبر وغیرہ کے لیے آپ کے دل کو منبع کر دیا جائے گا اس سے ایک فوارہ جوش کرے گا جس سے یہ سب کام آپ کے نزدیک بہت آسان ہو جائیں گے اس لیے آپ کو کسی معلم اور استاد اور لکھنے پڑھنے کی حاجت نہ پڑے گی اور نہ کوئی مشقت اٹھانی پڑے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پھر جب آپ خود کامل ہو گئے اور نیک کاموں کا ملکۂ راسخہ آپ کے دل میں پیدا ہو گیا تو فذکّر لوگوں کو سمجھا اور ان کو سدھار۔ درحقیقت اسی کے وعظ و پند کا اثر بھی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں خود ان باتوں کا ملکۂ راسخہ ہوتا ہے اور اسی کے قلب سے ایک سچا جوش اٹھ کر موج زن ہوتا ہے ورنہ خالی بک بک اور اسپیچ کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔ کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے ؎

گر ز عشقت خبرے ہست بگو اے واعظ
ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست

مگر یہ تذکیر ایک دُرِ بے بہا ہے، خنزیر اور کتا اس

لائق نہیں کہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے بلکہ وہ جو اس کا اہل ہو اور جس کو سمجھتے ہو کہ وہ اس سے فائدہ مند ہوگا، اس لیے اس کے بعد فرما دیا کہ ان نفعت الذکریٰ کہ اگر آپ یہ سمجھیں کہ ذکر نفع دے گا۔

شبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا کہ سب کو نصیحت کریں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے اس کو نفع ہو یا نہ ہو کس لیے کہ آپؐ تمام خلق کے لیے ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے پھر یہ قید کیوں لگائی کہ اگر ذکر نفع دے تو تذکیر کرو؟

جواب تبلیغ اور تذکیر میں فرق ہے۔ تبلیغ عام ہے وہ ایک حکم کا پہنچا دینا ہے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے جو نہ مانے اس پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اور رہی تذکیر جس کے معنی ہیں یاد دلانا یا سمجھانا وہ یہ ہے کہ یہ شخص پہلے سے جانتا تھا اس کی فطرت میں یہ باتیں تھیں مگر علائق و موانع سے بھول گیا تھا، اب اس کو مذکر یاد دلاتا ہے۔ اگرچہ حق سبحانہ کو علم ازلی سے معلوم ہے کہ فلاں کو تذکیر فائدہ دے گی یہ ازلی سعادت مند ہے عارضی گمراہی اس پر طاری ہوگئی ہے اور فلاں کو فائدہ نہ دے گی کس لیے کہ یہ ازلی گمراہ ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم و قرائن سے جس کے لیے تذکیر کو مفید دیکھیں تو تذکیر کریں، ورنہ ابلاغ و انذار تو سب ہی کے لیے ہے۔

بعض علماء نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ اصلی عبارت یوں ہے ان نفعت الذکریٰ او لم تنفع کہ خواہ فائدہ دے یا نہ دے آپ سمجھائیں مگر دوسرے جزء کو حذف کر دیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ مقصود اصلی نفع ہی دینا ہے۔

اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کسی شے کو کسی چیز پر معلق کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب وہ شے کہ جس پر معلق کیا ہے نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو ممکن ہے کہ ایک شے کے چند اسباب ہوں ہر ایک کے پائے جانے سے یہ شے پائی جائے اور ان میں سے ایک کے وجود پر معلق کی جائے اور یہ نہیں کہ جب یہ نہ ہو تو یہ شے نہ ہو کس لیے کہ اس وقت دوسرا سبب پایا جائے۔

بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے کہ کسی کام کو کسی فائدہ سے اور مقصود اعلیٰ سے معلق کر دیتے ہیں، جب کسی حکیم سے کہا جائے کہ آپ علاج کیجیے اگر علاج سے شفا ہوتے دیکھیں اور صورت یہ ہے کہ علاج ہر حال میں کرانا مقصود ہے۔

اب یہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ تذکیر کس کو نفع دے گی اور کون اس کے اثر سے محروم رہے گا فقال سیذکر من یخشیٰ کہ اس وعظ و تذکیر سے وہ بہت جلد سدھر جائے گا کہ جو ڈرتا ہوگا۔

واضح ہو کہ تین قسم کے آدمی ہیں۔

ایک وہ جو دار آخرت اور اعمال کی جزا و سزا کے قائل ہیں۔

دوم وہ کہ جو نہ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ متردد و شکی ہیں۔

یہ دونوں قسم کے لوگ ڈر جاتے ہیں۔ اول قسم کے تو خوب ہی ڈرتے ہیں اور قسم دوم کے بھی جب کہ ان کے سامنے عذاب آخرت کی تصویر کھڑی کر دی جاتی ہے تو وہ بھی ڈر جاتے ہیں، ان دونوں فرقوں کو اس میں شامل کر لیا گیا۔

تیسرا فریق وہ ہے کہ جو منکر اور سخت معاند ہے ڈھٹائی کرتا ہے اس کی نسبت یوں فرماتا ہے ویتجنبہا الاشقی کہ اس نصیحت یا نجات کے معاملہ میں بدبخت و بڑا شقی وہ ہے کہ جس کے اعمال خراب ہوں لیکن اعتقاد درست ہو اور اشقیٰ وہ ہے کہ جس کے اعتقادات بھی خراب ہوں، پھر اگر یہ کسی رسم و عادت یا کسی کی تقلید سے ہیں

تو یہ بھی سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے۔ اور اگر حق سے انکار کرنے کی مشاقی کرتے کرتے اور ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کرتے کرتے ایک ملکۂ راسخہ پیدا کرلیا ہے تو یہ لاعلاج ہے اسی کے حق میں آیا ہے وما تغنی الاٰیٰت والنذر اس جگہ اشقیٰ سے یہی مراد ہے۔

اس کا انجام بیان فرماتا ہے الذی یصلی النار الکبریٰ کہ وہ بڑی آگ میں پڑے گا اور دنیا کی آگ صغریٰ اور وہاں کی آگ کبریٰ ہے یعنی سخت سوزش والی اور پھر جہنم میں طبقات ہیں ایک سے ایک بڑا پس جو یہاں اشقیٰ یعنی بڑا شقی ہے اس کے لیے وہاں کی آگ بھی بڑی ہے۔ یہی شقاوت آگ بن جائے گی۔ العیاذ باللہ۔

پھر دنیا کے مصائب ناقابلِ برداشت سے موت رستگاری کردیتی ہے اسی لیے ایسے سخت مصائب میں لوگ موت کی آرزو کیا کرتے ہیں اور بعض خودکشی بھی کرلیتے ہیں مگر وہاں موت بھی نہیں جیسا کہ خبر دیتا ہے ثم لا یموت فیہا کہ پھر اس آگ میں موت بھی اس کو نہ آئے گی، اور یہ اس لیے کہ اس عالم میں روح کے احکام بدن پر غالب ہوں گے اس لیے جس طرح روح فنا پذیر نہ ہوگی ابدان بھی نہ ہوں گے، ہاں ایک چمڑی جل جانے کے بعد دوسری چمڑی تیار ہوجائے گی کما قال بدلنا جلودا الآیہ

ولا یحییٰ اور نہ زندگی ہی اچھی طرح سے ہوگی کس لیے کہ ہر وقت موت سے زیادہ تلخی چکھنی ہوگی اور ایسی بری زندگی کو عرف میں زندگی ہی نہیں کہتے۔

پہلے فرمایا تھا کہ ڈرنے والے اس نصیحت سے جلد سمجھ جائیں گے، اب اس سمجھنے کی تشریح اور اس کا نتیجہ بیان فرماتا ہے قد افلح من تزکیٰ کہ تحقیق فلاح پائی اس نے کہ جو پاک بن گیا۔

پاکی عام ہے اول جسم کی پاکی نجاساتِ ظاہرہ گوہ موت وغیرہ سے اور نیز ناپاک کپڑوں سے عام ہے کہ وہ حقیقۃً ناپاک ہوں کہ ان پر نجاستیں لگی ہوں یا حکماً کہ مالِ حرام یا مشتبہ سے بنائے گئے ہوں یا نامشروع ہوں جیسا کہ مرد کے لیے ریشم اور زری گوٹا یا پائچا دامن اور فساق و بدکاروں کی وضع و تراش ہو نیز جسم کو حکمی نجاستوں سے بھی پاک کیا ہو جنابت یا حدثِ اصغر سے غسل اور وضو کے ساتھ۔ کس لیے کہ جسم کی پاکی کو روح کی پاکیزگی میں بڑا دخل ہے۔

اس کے بعد روح کی پاکیزگی ہے اور یہی مقصدِ اصلی بھی ہے۔ اور وہ روحانی نجاستیں کیا ہیں اول کفر و شرک اور دیگر عقائدِ باطلہ مثلاً حق سبحانہ کی ذات یا کسی صفات کا انکار یا انبیاء علیہم السلام اور ان کے ارشادات اور کتبِ سماویہ اور عالمِ آخرت کا انکار یا ان میں کوئی خیالِ باطل جیسا کہ گمراہ فرقوں کو ہوتا ہے ان سب سے تزکیہ ایمان لانا اور عقائدِ حقہ کا دل پر نقش کرنا ہے اور یہ روحانی پاکی ہے، پھر افعالِ زشت اور اخلاقِ بد سے پاکی حاصل کرنا ہے زنا چوری جھوٹ بولنا۔ دغابازی۔ کینہ۔ حسد۔ طمعِ بے جا۔ حبِ شہواتِ فاسدہ سے پاک کرنا ہے جس کے لیے توبہ و استغفار و ندامت اور آنکھوں کے آنسو بڑا عمدہ صابن ہیں نہ کہ کسی حوض کا پانی جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں اور نہ کسی دریا میں نہانا جیسا کہ ہنود خیال کرتے ہیں[1]۔ اور اتلافِ حقوق کی نجاست سے بھی پاکی حاصل کرے، عام ہے کہ حقوق اللہ ہوں جیسا کہ اس کے فرائض و واجبات جن میں زکوٰۃ اموال و صدقات

[1] عیسائی بپتسمہ یعنی حوض میں غوطہ لگانے چھینٹا دینے کو روحانی پاکی خیال کرتے ہیں اسی طرح عامۂ ہنود گنگا جمنا دریاؤں میں نہانا پاکی سمجھتے ہیں ۱۲ منہ

بھی شامل ہیں یا حقوق العباد ہوں۔

مگر ان سب باتوں سے صرف ناپاکی دور ہوتی ہے ابھی تک کوئی نیا رنگ نہیں پیدا ہوتا اس لیے نئے رنگ پیدا کرنے کے لیے ان جملوں میں ارشاد فرماتا ہے وذکر اسم ربہ کہ اپنے رب کا نام لے، عام ہے کہ ذکر قلبی ہو یا ذکر لسانی ہو، سر ہو یا جہر بشرطیکہ شرعی اور مسنون طریقوں سے ہو۔ ذکرِ الٰہی سے روح پر ایک ایسی نورانیت پیدا ہوتی ہے جو اور کسی کام سے نہیں ہوتی اسی لیے ایک جگہ فرمادیا اذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون۔

اب اس کے بعد ترقی ہوتی ہے فصلی کہ پھر نماز پڑھی کس لیے کہ نماز میں روح اور جسم دونوں ذکر وفکر و مراقبہ میں ہوتے ہیں۔

بعض عرفاء (صوفیہ) نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں تمام منازلِ سلوک کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ تزکی میں توبہ اور معاصی سے تصفیہ آگیا جو اول منزل ہے وذکر اسم ربہ میں ذکرِ قلبی و لسانی و روحی و سرّی آگیا۔ اور فصلی میں مرتبۂ مشاہدہ تک پہنچنا آگیا اور اسی لیے نماز کو معراج المؤمنین کہتے ہیں۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ تزکیٰ میں طہارت کی طرف اور ذکر اسم ربہ میں تکبیر تحریمہ کی طرف اور فصلی میں ادائے نماز کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کی جگہ الرحمٰن اعظم یا لا الٰہ الا اللہ یا سبحان اللہ بھی کہہ دے گا تو نماز ہو جائے گی کس لیے کہ ذکر میں یہ بھی شامل ہے، صرف لفظ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ نیز فصلی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکبیر یا ذکر جو افتتاحِ نماز کے وقت ہو نماز میں داخل نہیں۔

افلح کے لفظ میں تعمیم ہے دنیا کی فلاح اور آخرت کی فلاح سب آگئی، جنت اور دیدار الٰہی سب کو شامل ہے۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؗ

بلکہ تم تو دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ

حالانکہ آخرت کا گھر بہتر اور سدا رہنے والا ہے بے شک

هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ

یہی بات تو اگلے صحیفوں میں بھی ہے

صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۧ ۱ ع ۱۹ ۱۲

ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی۔

ترکیب

بل اضراب عن کلام مقدر یدل علیہ السیاق ای انتم لا تفعلون ذلک بل تؤثرون اللذات الفانیۃ العاجلۃ الحاصلۃ فی الدنیا علی الدار الآخرۃ ونعائمہا الباقیۃ۔ والاخرۃ مبتدء خیر وابقیٰ خبر والجملۃ حال من فاعل تؤثرون صحف ابرٰہیم الخ بدل من الصحف الاولیٰ۔

تفسیر

کفار دنیا پرست کہتے تھے کہ ہم کو تو تزکیہ اور ذکر اور نماز میں کوئی فلاح نہیں معلوم ہوتی کیا ہم عقل و ادراک نہیں رکھتے۔ اس کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ بھی تزکیہ کے مدعی تھے، ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے تمہیں عقل و ادراک کیا نہیں بل بلکہ تم تؤثرون الحیوۃ الدنیا دنیا کی چند روزہ زندگانی

اور اس کی لذاتِ فانیہ کو آخرت اور اس کی لذاتِ باقیہ پر فوقیت دیتے ہو۔ حالانکہ وللآخرۃ خیر وابقیٰ وہ جہان دنیا سے کہیں بہتر ہے کس لیے کہ دنیا کے گھر میں کون سی لذت ہے جس کے اول بھی تلخی نہ ہو اور آخر بھی تلخی نہ ہو، کون سی شادمانی ہے جس میں غم کا کانٹا نہ لگا ہو، اگر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور دولت مندوں سے پوچھیے گا کہ تمہیں پوری مرادیں مل گئیں، اب تو کوئی ارمان اور ہوس باقی نہیں؟ تو فوراً کہہ دیں گے ابھی بہت کچھ ارمان دل میں ہیں جو ابھی نہیں نکلے۔ پھر یہ کیسا کانٹا ہے جو ہر وقت کھٹکتا رہتا ہے۔ اور اگر یہ پوچھیے کہ کوئی رنج و غم تو نہیں تو جھٹ بول اٹھیں گے کہ ہزاروں۔ کوئی کہہ اٹھے گا کہ میرا بیٹا مر گیا اور میری زندگی تلخ کر گیا، کوئی کہے گا میری محبوبہ مر گئی، مجھے اس کی جدائی نے بے چین کر دیا، کوئی کہے گا مجھے فلاں مرض نے مجبور کر رکھا ہے۔ اور اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو پھر بقا نہیں چند روزہ عیش و کامرانی کے بعد فنا ہے، اور فنا بھی ایسی کہ گویا کبھی آئے ہی نہیں تھے برخلاف آخرت کے کہ وہاں کے عیش بے خار ہیں اور اس پر باقی ہیں، فنا ہی نہیں۔

چونکہ یہ مضمون کہ آخرت کو دنیا پر فوقیت ہے (اس لیے دل کو اس فانی اور کم تر چیز پر باقی اور بہتر کے مقابلہ میں نہ لگانا چاہیے) اکثر طبائع بنی آدم کے مخالف تھا کیونکہ ان کی جبلت میں دنیا کی محبت اور آخرت سے نفرت اور غفلت ہے اس لیے اس مطلب کے اثبات کے لیے پہلی کتابوں سے سند لائی گئی کہ جو اکثر طوائف عالم کے نزدیک بالخصوص عرب کے نزدیک مسلّم الثبوت ہیں۔

فقال ان ھٰذا الخ تحقیق یہ مضمون قد افلح سے لے کر اخیر تک لفی الصحف الاولیٰ پہلی کتابوں میں ہے ہرگز منسوخ نہیں ہوا نہ ہوگا۔ بالخصوص صحف ابراہیم و موسیٰ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پر بھی خدا پاک نے متعدد صحیفے نازل کیے تھے۔ صحیفہ یعنی چھوٹی سی کتاب۔ اب صحیح تعداد تو معلوم نہیں کہ کتنے تھے اور نہ ان میں سے اب کوئی صحیفہ کسی کے پاس باقی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام پر بھی توراۃ کے علاوہ اور صحیفے نازل ہوئے تھے ان میں بھی یہ مضمون موجود تھا۔

سورۃ غاشیہ

مکیہ ہے اس میں چھبیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾

بھلا آپ کو چھا جانے والی چیز (قیامت) کا حال بھی معلوم ہوا؟

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾

اس دن بہت سے منہ تو ذلیل مشقت کش

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلٰى

ہارے ہوئے ہوں گے دہکتی آگ میں

نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقٰى مِنْ

گرے پڑتے ہوں گے ان کو کھولتے چشمے کا

عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿٥﴾ لَيْسَ لَهُمْ

پانی پلایا جائے گا ان کو کھانا نہ

طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿٦﴾ لَّا

ملے گا مگر اونٹ کٹارا جو نہ

يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ ⑦

موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک میں کام آتا ہے

ترکیب

ھل بمعنی قد وبہ قال قطرب وقیل استفہامیۃ۔ الغاشیۃ القیامۃ وسمیت بہا لانہا تغشی الخلائق باہوالہا وقال سعید بن جبیر ومحمد بن کعب الغاشیۃ النار تغشی وجوہ الکفار وعن ابن عباس انہا من اسماء القیامۃ وعنہ انہا الساعۃ وجوہ الخ الجملۃ مستانفۃ وجوہ مرفوع علی الابتداء وان کان نکرۃ لوقوعہ فی مقام التفصیل خاشعۃ خبرہ۔ یومئذ ظرف للخبر عاملۃ وصف لہا وکذا ناصبۃ تصلی قرء الجمہور بفتح التاء مبنیًا للفاعل وقری بضمہا مبنیًا للمفعول والضمیر راجع الی الوجوہ والمراد اصحابہا۔ وہی خبر آخر للمبتدء وکذا تسقی۔ لیس لہم الجملۃ مستانفۃ لبیان حال اہل النار۔ الا من ضریع۔ یجوز ان یکون فی موضع نصب علی اصل الباب وان یکون رفعًا علی البدل۔

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی، ابن عباسؓ وابن الزبیرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں چھبیس آیات ہیں۔ غاشیہ ڈھانکنے والی چیز کو کہتے ہیں اور بے ہوش کر دینے والی کو بھی اور یہ قیامت کا اسی سبب سے نام ہے کہ اس کی دہشت لوگوں کو ڈھانک لے گی اور بے ہوش کر ڈالے گی، یہ لفظ اس سورت میں ابتداء میں آیا اس لیے اس کا نام غاشیہ ہوا۔

مناسبت اس سورت کی پہلی سورت سے بہت سے مضامین میں ہے، ازاں جملہ اس مضمون میں کہ سورۂ سبح اسم ربک میں اخیر مضمون یہ تھا کہ نجات سے الگ رہنے والا بڑی آگ میں ڈالا جائے گا کہ جہاں نہ اس کو موت آئے گی نہ پوری زندگی ہوگی اور جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا اس نے فلاح پائی، اب اس سورت میں ان دونوں باتوں کا وقت بیان فرماتا ہے اور نیز اُن دونوں گروہوں کے حالات کی پوری تشریح بھی ہے تاکہ نارِ کبریٰ سے لوگ ڈریں اور آخرت جو بہتر اور باقی ہے اس کی نعمتوں کا حال سن کر مشتاق ہوں اور لذائذ دنیا اور اس کی چند روزہ زرق برق کو حقیر جانیں اور اس پر دل نہ لگائیں۔

وہاں دو گروہ ہوں گے ایک بد لوگوں کا کہ جو اس دنیا کی محبت میں آخرت کو برباد کر بیٹھے تھے، دوسرا نیک لوگوں کا جنہوں نے اس چند روزہ زندگی میں آخرت کی کامرانی حاصل کرنے کو غنیمت جانا اور بڑی کوشش کی۔

اس لیے پہلے گروہ کا حال بیان کرتا ہے اور شروع قیامت کے حال سے کرتا ہے۔ فقال ھل اتاک حدیث الغاشیۃ کہ کیا تجھے غاشیہ یعنی قیامت کی بات معلوم ہوئی؟ ضرور ہوئی۔ بعض علماء نے یوں معنی بیان کیے ہیں کہ بے شک تجھ کو اے پیغمبر یا اے سامع قیامت کا حال معلوم ہو گیا ہے۔

غاشیہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت ہے اور اس کا یہ نام اس لیے ہوا کہ جو چیز ہر طرف سے ڈھانک لیتی ہے اس کو غاشی کہتے ہیں، اور یہ بات قیامت میں پائی جاتی ہے۔

(۱) یوں کہ وہ لوگوں پر دفعۃً آ جائے گی اور ایسے آنے والے کو غاشی یا غاشیہ کہا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں افامنوا ان تاتیہم غاشیۃ من عذاب اللہ۔

(۲) یہ کہ سب لوگوں کو ڈھانک لے گی ہوش و

حواس کو بھی اور مجرموں کے بدنوں کو بھی چاروں طرف سے اس روز عذاب ڈھانک لے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے یوم یغشٰھم العذاب من فوقھم ومن تحت ارجلھم اور نیز ایمان داروں کی لغزشوں کو بھی بسبب مغفرتِ الٰہی کے اور کفار کے نامقبول اعمال کو بسبب عتاب کے۔

اور اس طرز سے سوال کرنے میں کہ ھل اتٰک حدیث الغاشیۃ اس طرف سامع کی پوری توجہ دلانا اور آئندہ کلام کو حضورِ دل سے سُنوانا مقصود ہے۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وجوہ یومئذ خاشعۃ کہ بہت سے منہ اس روز ذلیل وخوار ہوں گے، ان کے چہروں پر ذلت نمایاں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں خدا کے آگے سر کو نہیں جھکاتے تھے کبر وگردن کشی کرتے تھے اور وہ بھی ہیں کہ جو تن پروری کرتے تھے اور وہ بھی ہیں جو دنیا میں عبادت اور دینی کاموں میں سُستی کرتے اور عیش و آرام طلبی کی عادت بنا رکھی تھی لوگ رمضان کے روزہ سے لب خشک تھے بھوک پیاس کے آثار نمایاں تھے یہ تھے کہ خوب مجلسوں میں بیٹھ کر نعمتیں اڑاتے اور روزہ داروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے یا نماز کے لیے مسجدوں اور عیدگاہوں میں نہیں جاتے تھے یا جہاد میں جانے سے پہلو تہی کرتے تھے یا اور دینی کاموں سے دل چرا کر گھروں میں بے فکر بیٹھ کر عیش کرتے تھے۔

ان کے منہ اس روز عاملۃ عمل کی مشقت میں پڑے ہوں گے کسی کو جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اُتارا جائے گا کما قال سارھقہ صعودا کوئی میدانِ قیامت میں دوڑا دوڑا پھرے گا کہ ہے آج کوئی جو میری دست گیری کرے اور مجھ کو اس بلا سے رستگاری دلائے، کسی کے ملائکہ زنجیریں اور ہتھکڑیاں ڈالے جہنم میں گھسیٹتے لیے جاتے ہوں گے اور سر پر ہزاروں جوتیاں پڑتی جاتی ہوں گی کسی کو وہاں جہنم میں کوئی اور سخت کام تفویض ہوگا جیسا کہ دنیا میں قیدیوں کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے اور ان اعمالِ شاقہ کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے کما قال ناصبۃ کہ تکان ان کے چہروں پر نمایاں ہوگی۔ اگر دنیا میں کسی کی یہ حالت ہو تو دیکھنے والے کو رحم آجائے مگر وہاں کون رحم کرے۔

اب اس کے بعد ان کے اور حالات بیان فرماتا ہے فقال تصلیٰ نارا حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ میں گریں گے، یہ ان کی وہی شہوت کی اور حمایتِ کفر کی اور حُبِّ جاہ و مال کی آگ ہے۔ یہ تو مکان ملے گا، اب پینے کی سنیے۔ تسقیٰ من عین اٰنیۃ کہ دنیا میں ٹھنڈے پانیوں اور لذیذ شربتوں اور برف آمیز شرابوں کے بدلے ان کو کھولتے پانی کے چشمہ سے پلایا جائے گا، وہ بھی جب کہ مدتوں منت کریں گے اور وہ انتڑیوں میں سے پیتے ہی نکل پڑے گا، پیتے وقت منہ جھلس جائے گا۔

اب کھانے کا حال سنیے لیس لھم طعام کہ سر سے ان کو کھانا ہی نہ ملے گا بھوکوں مریں گے، یہ حرام اور ناجائز نعمتیں کھانے کا بدلہ ہے جو کھا کر اکڑتے اور بدکاری کرتے تھے الا من ضریع اور جو ملا بھی تو اونٹ کٹارا جو لا یسمن ولا یغنی من جوع نہ موٹا کرے نہ بھوک دور کرے۔

ضَریع کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر کہتے ہیں کہ یہ خار دار چیز ہے جس کو اونٹ کھاتے ہیں اور یہ خشک ہو جانے پر زہر ہے (جھوانسا)۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ زقوم کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضراعۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ذلت وخواری کے یعنی وہ ذلیل وخوار کھانا جو نہایت مکروہ اور قابلِ نفرت ہے جس سے فریاد کریں گے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ ﴿۸﴾
اُس دن بہت سے منہ تو تر و تازہ اور

لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ ﴿۹﴾ فِىۡ جَنَّةٍ
اپنی کوشش سے خوش ہوں گے اونچے باغوں میں

عَالِيَةٍ ۙ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسۡمَعُ فِيۡهَا لَاغِيَةً ؕ ﴿۱۱﴾
رہیں گے جہاں کوئی بیہودہ بات بھی سننے میں نہ آئے گی

فِيۡهَا عَيۡنٌ جَارِيَةٌ ۘ ﴿۱۲﴾ فِيۡهَا
وہاں بہتا چشمہ ہوگا ان باغوں میں

سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ ۙ ﴿۱۳﴾ وَّاَكۡوَابٌ
اونچے اونچے تخت اور آب خورے

مَّوۡضُوۡعَةٌ ۙ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ[2]
چنے ہوئے اور گاؤ تکیے

مَصۡفُوۡفَةٌ ۙ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِىُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ؕ ﴿۱۶﴾
قطار سے لگے ہوئے اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔

ترکیب

وجوہ مبتدء ناعمۃ خبرہ یومئذ ظرف للخبر۔ لسعیہا واللام تتعلق براضیۃ وہی خبر بعد خبر۔ وکذا فی جنۃ عالیۃ لا تسمع قرء الجمہور بفتح الفوقیۃ ونصب لاغیۃ وقرئ بصیغۃ المجہول ورفع لاغیۃ۔ ولاغیۃ اما صفۃ موصوف محذوف ای کلمۃ لاغیۃ او مصدر ای لاتسمع انت یا ایہا المخاطب فی الجنۃ لغوًا ای اٰذًا و باطلاً۔ ہذہ الجملۃ وکذا ما بعدہا صفۃ جنۃ۔ واکواب جمع

کوب وانہ قدح الذی لاعروۃ لہ ولا خرطوم نمارق جمع نمرقۃ بضم النون وبکسرہا عند الفراء وہی وسادۃ صغیرۃ (تکیہ) زرابی جمع زربی وزربیۃ۔ فی القاموس الزرابی النمارق والبسط وکل ما یبسط ویتکا علیہا الواحد زربی بالکسر وبالضم۔

تفسیر

اب دوسرے فریق کا حال بیان فرماتا ہے یعنی نیک لوگوں کا، فقال وجوہ یومئذ ناعمۃ کہ بہت سے منہ اس روز شاداں اور خوش اور تر و تازہ ہونگے ان پر وہاں کے ہول اور سختی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں روزہ کی بھوک پیاس اور راہِ حق میں کوشش اور جہاد کے واسطے تکالیف شاقہ اٹھاکر اور نیز راتوں کو عبادت کرکے پژمردہ ہوگئے تھے۔ اور اللہ کی راہ میں فقر و فاقہ نے ان کے چہروں کو بے رونق کر دیا تھا، اس لیے فرماتا ہے لسعیہا راضیۃ اپنی دنیاوی کوششوں سے جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کی تھیں خوش و خرم ہوں گے کہ ہماری کوششوں کا نیک ثمرہ نمودار ہوا اور کفار بدمذہبوں کے موافق وہ رائگاں نہ گئیں۔
اور وہ نیک ثمرہ یہ ہے فی جنۃ عالیۃ کہ بلند باغوں میں ہوں گے جہاں حوادثِ دہر کے ہاتھ کو رسائی نہ ہوگی اور نیز بلندی پر جو باغ ہوتا ہے تو نہایت خوش فضا ہوتا ہے۔ یا یہ معنی کہ بلند مرتبہ باغوں میں ہوں گے یعنی وہ دنیا کے باغوں جیسے باغ نہیں جن پر خزاں کو دسترس ہو بلکہ ایسے کہ جن کے آگے دنیا کے

[1] وما احسن قول بعض الصوفیۃ المعنی الجاریۃ لمن عینہ فی خشیۃ اللہ جاریۃ ہل جزاء الاحسان الا الاحسان ۱۲ (شہاب)
[2] النُّمرُقُ والنُّمرُقۃ وسادۃ صغیرۃ والنمرقۃ بالکسر لغۃ وربما سموا الطِنفسۃ التی فوق الرحل نُمرقۃ ۱۲ (مختار الصحاح)

شاہانہ باغ ہیچ ہیں، جہاں تک عقل و وہم انسانی نعمتیں تجویز کرے ان سے بڑھ کر ان میں ہیں۔

ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ لا تسمع فیہا لاغیۃ کہ اے مخاطب تو اس میں کوئی لغو اور رنج وہ بات نہ سنے گا، نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہے گا، نہ کوئی خوف و اندیشہ کی بات کہے گا، نہ کسی کے مرنے کی خبر ہوگی کہ عیش مکدر ہو جائے، نہ اپنی جوانی اور اس باغ و بہار کے فنا کی بات سننے میں آئے گی، الغرض کوئی رنج وہ بات کان میں نہ پڑے گی بلکہ ہر طرف سے فرحت بخش باتیں سننے میں آئیں گی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ فیہا عین جاریۃ کہ ان باغوں میں چشمے جاری ہوں گے ان کے پانیوں کی خوشش آئند روانی اور ان سے باغوں کی تر و تازگی لطف دوبالا کر دے گی۔ دوزخیوں کو تو گرم چشمہ کا پانی پینے کو ملتا تھا۔ یہاں نہرِ تسنیم بے حساب ہے، یہ ان کے ان اعمالِ جاریہ اور خدا کے خوف و محبت سے روتی آنکھوں کا مظہر ہے۔

اور تیسری[۳] بات یہ ہے کہ فیہا سرر مرفوعۃ ان باغوں میں بلند مرتبہ یا بلند تختِ شاہانہ ہوں گے جن پر بیٹھ کر نظارہ کریں گے اور اس سلطنت کے بادشاہ ہوں گے ہر جنتی اس جہان میں ملکِ باقی کا بادشاہ ہوگا۔

چوتھی[۴] بات یہ کہ اکواب موضوعۃ وہاں کوزے اور پیالے نعمتوں سے بھرے ہوئے اور نہایت خوش رنگ اور بیش بہا قرینہ سے چنے ہوں گے تا کہ جس چیز کی طرف رغبت ہو آسانی سے لی جائے۔

پانچویں[۵] یہ کہ نمارق مصفوفۃ کہ برابر برابر حریری اور پُر زر اور نہایت پُر تکلف تکیے اور جواہر کی ہوئی مسندیں بچھی ہونگی کہ جن کے رنگوں اور تکلف کو دنیا کی آنکھ نے دیکھا بھی نہیں، یہ تکیے اور مسندیں تو تختوں پر ہوں گی اور مکانوں میں یہ یہ ہوگا وزرابی مبثوثۃ کہ نہایت بے بہا قالین بچھے ہوں گے۔ ہر کمرہ میں ایک نئی تیاری ہے۔

اور مکانات کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کیوں کہ وہ جواہرات کے ہوں گے اور وہ جواہرات دنیا کے جواہرات سے بدرجہا فائق ہوں گے۔ اور جب مکانوں اور وہاں کے سامانوں کی یہ کیفیت ہے تو ان مکانوں میں ان کے دل بہلانے اور آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے وہ وہ حسین عورتیں ہوں گی کہ جن کے حُسن اور خوبی اور ان کی نوخیز جوانی اور ان کے ناز و ادا اور ان کے لباس اور زیورات کی تصویر وہم و ادراک سے بھی نہیں کھنچ سکتی۔

یہ سب چیزیں روحانی ملکات کے مظاہر ہیں، کور باطن ان باتوں کو اک تشبیہ اور دل لُبھانے والا استعارہ سمجھتا ہے اور اس کی کوتاہ عقل درحقیقت ایسی چیزوں کے وجود کو اس قادرِ مطلق کی قدرت کے احاطہ سے باہر جانتی ہے۔ یہ سب باتیں برحق ہیں۔ عالم ناسوتی کا حجاب ان کے دیکھنے میں حائل ہے۔ جب یہ پردۂ ظلمانی موت نے اٹھا دیا تب یہ سب چیزیں نظر آنے لگیں گی۔ اور جو اہلِ صفا ہیں اور ان کی روح میں کمالِ نورانیت پیدا ہو گئی ہے تو اس عالم میں بھی یہ چیزیں دکھائی دے جاتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کی آنکھوں میں نہ یہاں کے حسینوں کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے نہ وہ دنیا کے عیش و نشاط کو خاطر میں لاتے ہیں، اور اسی لیے وہ ہر دم اُس عالم کے مشتاق رہا کرتے ہیں۔ اور دنیا کی زندگی کو قید خانہ کی زندگی سے بدتر سمجھتے ہیں، ہاں خسیس طبع بچوں کی طرح اس کھیل اور تماشہ پر ایسے گردیدہ ہوتے ہیں کہ پھر اور نیک و بد کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ کیا خوب فرمایا ہی عارفِ جامی نے ؎

دلا تا کے دریں کاخِ مجازی
کنی مانندِ طفلاں خاک بازی

بیفشاں بالؔ و پر زامیزشِ خاک
بپرتا کنگرِ ایوانِ افلاک

قرآن مجید دنیا کے غافلوں کو اس ملکِ جاودانی کی ہدایت کرتا ہے مگر نفس قوائے ملکیہ اور قوائے بہیمیہ میں کہ اس کو اُدھر کو کھنچنے نہیں دیتے عجب کش مکش میں پڑا ہوا ہے مگر جس کو جاذبۂ الٰہی چاہتا ہے ادھر کھینچ لے جاتا ہے۔

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ

پھر کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے

خُلِقَتۡ ⑰ وَقفہ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ

بنائے گئے ہیں   اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کیسا

رُفِعَتۡ ⑱ وَقفہ وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ

بلند کیا گیا ہے   اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کیوں کر

نُصِبَتۡ ⑲ وَقفہ وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ

کھڑے کیے گئے   اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح

سُطِحَتۡ ⑳

بچھائی گئی ہے۔

ترکیب

افلا ینظرون الاستفہام للتوبیخ والفاء للعطف علی مقدر والجملۃ مستانفۃ مسوقۃ لاثبات البعث و لاظہار القدرۃ علی الاعادۃ وقیل الجملۃ فی محل جر علی انہا بدل اشتمال من الابل، وعن الاصمعی انہ قال من قرء خلقت بالتخفیف عنی بہ البعیر ومن قرء بالتشدید عنی بہ السحاب ای بالابل وقال المبرد والمراد من الابل ہٰہنا القطعۃ العظیمۃ من السحاب والابل اسم جمع لا واحد لہ من لفظہ وانما واحدہ البعیر و الناقۃ والجمل۔ والسطح بسط الشئ۔ قرء الجمہور مبنیا للمفعول مخففا وقرء الحسن مشدد وقرء علی بن ابی طالب رض وغیرہ فی المواضع کلہا مبنیا للفاعل وضم التاء فیہا علی انہا صیغۃ الواحد المتکلم۔

تفسیر

دوزخ کے عذاب اور جنت کے نعماء سن کر قریشِ مکہ تعجب کرتے تھے خصوصًا جنت کی نعمتوں پر کہ اس قدر عیش و آرام کے سامان کہ جو دنیا میں بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں اس افراط سے کیوں کر پیدا ہو جائیں گے؟ اور دنیا میں تو ایسی چیزیں کیا بلکہ روزمرہ کھانے پینے کی چیزیں بھی بمشکل میسر آتی ہیں، اور عرب پر کیا موقوف ہے ہر طبقہ کے انسان کا (بشرطیکہ نورِ باطن سے اس کی عقل بہرہ یاب نہ ہو۔ اس بذل و جود اور ان چیزوں کے وجود پر) تعجب کرنا بعید نہیں، اس لیے اس تعجب کے دور کرنے کو دنیا کی چیزوں میں جو غریب و امیر کو میسر ہیں اور کیسی عظیم الشان ہیں نظر کرنے کا حکم دیتا ہے، فقال افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت کہ پھر وہ کیوں اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کیے گئے۔ یا میں نے ان کو کیسا پیدا کیا؟۔

اونٹ کی خصوصیات و فوائد

یہ اول نمونہ اس کی قدرتِ کاملہ اور بذل و جود کا ہے جو اہلِ عرب کے ہر وقت سامنے رہتا ہے اور جس پر ان کی معاش کا دارومدار ہے، اونٹ کی اول تو خلقت ہی عجیب و غریب ہے، اس قدر اونچا مگر جب بٹھاؤ بیٹھ جائے، اور جانوروں پر ان کو کھڑا کر کے سوار ہوتے اور بوجھ لادتے ہیں مگر اس کو بٹھا کر، اور پھر اپنا پورا بوجھ لے کر گردن کی لچک اور اس کے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے، یہ کسی جانور میں خوبی نہیں، پھر جس قدر اطاعت کا اس میں مادہ ہے کسی میں نہیں۔

سیکڑوں کی قطار کو ایک لڑکا مُہار تھام کے جدھر چاہے لے جائے۔ پھر بارکش ایسا کہ تمام گھر بار اس پر لادلو۔ گویا خشکی میں رواں کشتی ہے، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ یا اور اشیاء لے جانے میں چھکڑا یا ریل گاڑی ہے پھر جلد چلنے اور اس پر آرام کے سامان ساتھ لے جانے میں ڈاک گاڑی ہے کہ جس کے لیے نہ سڑک کی ضرورت ہے نہ رستہ کا ہموار ہونا، سانڈنی (جو سواری کا اونٹ ہوتا ہے) دن میں سو کوس تک جاسکتی ہے۔ اس پر جفاکش اتنا کہ کیسی ہی دھوپ اور گرمی ہو کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ پھر کم خور اتنا کہ تھوڑے سے چارہ میں گذر کر لیتا ہے۔ جو بلند درختوں کے پتے اور کڑوے کسیلے اور کسی کے کھانے کے نہیں ہوتے یہ کھالیتا ہے کچھ ہری بھری گھاس اور دانہ اور مالیدہ کی حاجت نہیں، اس پر کئی روز تک پانی نہ ملے تو کچھ بھی پروا نہیں۔ سواری کا یہ آرام، اسی کے ساتھ دودھ میں یہ برکت کہ ایک گھر کو کافی ہو، اور پھر استسقاء وغیرہ امراض کے لیے اس کا دودھ دوا بھی ہے۔ اس کی پشم بھی کام آتی ہے کیسے کیسے نفیس کپڑے بُنے جاتے ہیں خصوصاً عرب کے لباس کمبل اور اور خیمے جو برسوں میلے نہیں ہوتے اور مدتوں چلتے ہیں اور خوب صورت بھی ہوتے ہیں اسی کی پشم سے بنتے ہیں، اس پر اس کا گوشت بھی حلال، گھر بھر کیا محلے کو کافی ہو سکتا ہے۔ اس پر اس کی نسل میں برکت، سستا مل سکتا ہے اور عرب میں ہر جگہ مل سکتا ہے، اور خشک گرم اور ریگستانی ملکوں کی معاش تو اسی پر موقوف ہے۔ یہ باتیں کسی جانور میں نہیں۔ ہاتھی قد و قامت میں اتنا بڑا جانور ہے، نہ اس میں یہ فوائد ہیں نہ وہ ہر ایک کو مل سکتا ہے، نہ تھوڑے سے پتوں پر گذر کر سکتا ہے پھر اس کی قدرتِ کاملہ کو دیکھو اور اس پر اس کے اس احسانِ عام کو غور کرو۔ پھر اگر اُس عالم میں وہ بندوں کے آرام کے لیے ایسے ایسے سامان پیدا کرکے یہ احسان کرے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ وہاں کے بہت بلند تخت اونٹوں کی طرح اونچے اونچے ہو جائیں تو کیا بڑی بات ہے۔

دوسرا نمونہ [۲]

والی السماء کیف رفعت اور آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسا بلند کیا گیا (یا ہم نے اس کو کیسا بلند کر دیا) یہ دوسرا نمونہ ہے جس سے ہر ملک اور ہر قوم سمجھ سکتی ہے کہ اول تو اس قدر بلندی کہ جہاں طائر وہم بھی اڑ کر نہیں جاسکتا کیسی قدرتِ کاملہ ہے، پھر اس کی وسعت کہ جس کے سایہ میں ہر نیک و بد بادشاہ و امیر ہے کیسی قدرت و انعامِ عام کی دلیل ہے، پھر اس کے ستارے بھی قدرت کا نمونہ ہیں۔ آفتاب کو دیکھو کہ کتنا بڑا جسم ہے کہ جو زمین سے لاکھوں حصے زیادہ ہے کس نے بنا دیا۔ اور اس میں یہ نور اور نور میں یہ گرمی کس نے دی؟ جس سے تمام دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے اگر آفتاب نہ ہو تو زندگی وبال ہو جائے، پھر یہ کیسا انعامِ عام ہے اس دنیا کے ظلمت کدہ کا چراغ ہے تو آفتاب ہے، اگر یہ نہ ہو تو جنگلوں اور دریاؤں اور شہروں اور گاؤں کو کونسی شمع روشن کر سکتی ہے اور کس تنور کی گرمی پھل پھول اور پیداوار کو پکا سکتی اور اُگا سکتی ہے۔ سرد موسم میں آفتاب کے سب مشتاق رہا کرتے ہیں۔ غریبوں کی انگیٹھی یہ تو آفتاب ہے۔ پھر چاند کے فوائد اور اس کی جسامت اور اس کی روشنی میں غور کیا جائے تو عقلِ سلیم کبھی انکار نہ کرے کہ وہ قادرِ مطلق جواد کریم اُس جہان میں نیک بندوں کے لیے جیسے چاہے سامان پیدا کر سکتا ہے، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض ستارے لاکھوں کوس دور ہونے کے سبب نظر بھی نہیں آتے

حالانکہ وہ زمین سے بہت بڑے ہیں پھر جب زمین میں یہ کچھ سامان ہیں باغ و بہار بھی ہے جو جنت کا نمونہ ہے اور گرمی و سوزش اور تکالیف کے سامان بھی ہیں سانپ بچھو بھی ہیں جو جہنم کا نمونہ ہے تو ان اجسام میں کیا کچھ نہ ہوگا پھر وہ ایک دو نہیں لاکھوں ہیں' پھر اس پر اس کی قدرت و عظمت و انعام و اکرام کو خیال کر لو جو تمہارے تنگ فہم میں بخوبی آسکے۔

تیسرا نمونہ

لو اب نیچے اُتر آؤ اور اپنی زمین اور اس کے عجائبات کو ہی غور کرو والی الجبال کیف نصبت اور پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے کھڑے کر دیے گئے اور کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں (یا ہم نے ان کو کیسا کھڑا کر دیا ہے) یہ تیسرا نمونہ ہے۔ پہاڑ بھی اس کی قدرت اور بذل و احسان کا کامل نمونہ ہیں۔ اول تو باوجودیکہ وہ بھی زمین ہی کا ایک جزو ہیں پھر زمین سے کس طرح ممتاز ہیں' اول تو ان کی بلندی قابل حیرت ہے اور بلندی کے ساتھ عرض و طول بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

حکماء و عقلاء نے عقل کے بڑے گھوڑے دوڑائے ہیں مگر اب تک کوئی تسکین بخش وجہ پیدا نہیں کر سکے کہ زمین کے اس ٹکڑے میں یہ بلندی اور پھر یہ سختی اور پھر یہ رنگتیں کیوں کر پیدا ہو گئیں۔ اس قدر کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ بدء خلقت میں جب قدرت نے زمین بنائی تو اوپر سے پانی برسنے شروع ہوئے ادھر اُدھر کی زمین گھل کر بہہ گئی تو ٹیڑھے ترچھے یہ ٹیلے ویسے ہی بلند رہ گئے اور پھر آفتاب کی حرارت سے ان ٹیلوں میں تحجریت آگئی یعنی مٹی کا پتھر بن گیا اور جیسی زمین تھی اس رنگ کے سرخ سفید سیاہ پتھر بنے۔ اور بارشوں اور چشموں کے پھوٹ پڑنے سے پہاڑوں میں گھاٹیاں ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں یوں نہیں بلکہ پہلے تمام دنیا پر سمندر کا پانی محیط تھا یہ ٹکڑے جو اوپر اُبھر آئے پانی کی موجوں نے ان میں نشان کر دیے اور پھر پانی درجہ بدرجہ اُترتا گیا اور بہت سی زمین اور ملک کھلتے گئے مگر یہ ٹکڑے سخت ہو گئے۔

بظاہر یہ باتیں تو ٹھیک ہیں تک تو ملا دی مگر اس پر سیکڑوں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اُس قادرِ مطلق نے ایسا ایسا کر دیا اور چلو اسباب بھی تلاش کرو مگر پھر ان اسباب میں گفتگو ہو گی کہ وہ کیوں کر پیدا ہوئے؟ پھر آخر کار تو اس قادرِ مطلق کے بدِ قدرت تک سلسلہ تمام ہو گا۔

پہاڑوں کے فوائد

اب پہاڑوں کے منافع میں غور کیجیے تو عقل حیران رہ جائے انہیں پہاڑوں میں سے یہ خوش گوار پانی کے دریا نکلے گنگا، جمنا نیل فرات جیحوں دجلہ وغیرہ اور پھر ان سے ملک شاداب ہوئے اور کیا کیا نعمتیں پیدا ہوئیں اور بھی سیکڑوں فوائد ہیں جن کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

چوتھا نمونہ

والی الارض کیف سطحت اور زمین کو دیکھو کہ کیسی بچھائی گئی (یا ہم نے کس طرح بچھا دیا) یہ قدرت کا چوتھا نمونہ ہے۔ اگر غور کیا جائے کہ زمین ایک کروی الشکل یعنی گول ہے تو گول چیز پر کوئی رہ نہیں سکتا ہے نہ کھیتی باڑی کر سکتا ہے مگر اس قادرِ مطلق اور حکیم متقن نے باوجود اس کے کروی ہونے کے اس کو ایسا بچھایا کہ سیکڑوں کیا ہزاروں کوس تک ہموار جنگل اور میدان اور پہاڑ اور دریا رواں ہیں' لوگ کس کشادگی سے بس رہے ہیں۔ سیکڑوں کوس تک سڑکیں ہیں اور بے شمار باغ اور کھیت ہیں اور کیا کیا نفیس وسیع شہر آباد ہیں اور کیسی کیسی بلند شان عمارات ہیں کہ جن میں اس کی کرویت سے کوئی بھی حرج واقع نہیں ہوتا اور

یہاں تک وسعت دی ہے کہ بڑے بڑے ملکوں پر بادشاہ
حکم رانی کر رہے ہیں یہاں تک کہ عقولِ عامہ کے نزدیک
زمین گول ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک ہموار فرش بچھا
ہوا نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین کے رہنے والوں کو
زندگی وبال اور محال ہو جاتی۔ یہ کیسا انعام ہے جس سے
ہر امیر فقیر برابر نفع اٹھا رہا ہے اور یہ اس کی کیسی قدرت
اور کاری گری ہے کہ اس قدر اس کے محدب کو وسعت
عطا کی کہ کُرویت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

پھر کیا وہ قادر و حکیم اور منعم اُس عالم میں نیک بندوں
کے لیے یہ نعمتیں نہیں پیدا کر سکتا ضرور پیدا کر سکتا ہے اور
لطف یہ کہ ان چاروں نمونوں میں بہشت کی شان بھی نمایاں
ہے اور دوزخ کی بھی۔

اونٹ کے منافع پر غور کیجیے تو شانِ بہشت
نمایاں ہے، جدھر چاہو لے چلو، بٹھا لو کھڑا کر لو بوجھ لاد لو،
اور جو خود اونٹ کی مشقت اور بارکشی کو دیکھیے تو جہنم کی
تکالیف کا نمونہ ہے آخر وہ بھی تو ہماری طرح خدا کا بنایا ہوا
ہے، پھر بے چارہ کس مشقت میں ہے۔ ع ۱ ۲۶ ۱۲ النصف

اور سرسبز پہاڑوں میں جنت کی شان نمایاں ہے
خشک اور گرم پہاڑوں میں خصوصاً ان میں کہ جہاں آتش
فشانی ہوتی ہے یا آتشیں مادہ نکل کر بہتا ہے جہنم کا غصہ
اور اس کی چنگاریاں نظر آجاتی ہیں۔

آسمان کی فضا اور چاند و سورج کی پُربہار روشنی اور
اچھے موسم جنت کا نمونہ ہیں، پھر اندھیری راتیں اور گرم لُو
کے دن جہنم کا نمونہ ہیں۔

زمین کے شاداب ٹکڑے اور باغات جنت کا نمونہ
ہیں اور خشک و گرم اور بدبودار اور عمیق گڑھے جہنم کا
نمونہ ہیں۔

مگر یہ چیزیں روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں
ہر روز دیکھتے دیکھتے ایک معمولی بات ہوگئی مگر روشن
دل ان میں پورے نمونوں کا ملاحظہ کیا کرتا ہے۔ اور یہی
آثارِ قدرت ہیں جو بندوں کو خدائے پاک دکھاتا ہے،
اس لیے جنت کے بیان میں شہوت انگیز مضامین بیان
نہیں ہوئے بلکہ ان کو سن کر عالمِ آخرت کی طرف رغبت
ہوتی ہے اور دنیا سے نفرت۔ اس لیے فرمایا:۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝
سو (اے رسول) آپ سمجھاتے رہیں آپ کا کام تو سمجھانے کا ہے

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ إِلَّا مَنْ
تم ان پر کوتوال تو نہیں ہو لیکن جس نے

تَوَلَّى وَكَفَرَ ۝٢٣ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ
منہ موڑ لیا اور منکر ہو گیا سو اس کو اللہ

الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝٢٤ إِنَّ إِلَيْنَا
بڑی سزا دے گا بے شک ان کو ہمارے پاس

إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝
پھر کر آنا ہے پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔

ترکیب

فذکر الفاء لترتیب ما بعدها علی ما قبلها۔ مصیطر
بالصاد والسین قال فی الصحاح ہو المسلط علی الشیٔ لیشرف
علیہ ویتعہد احوالہ۔ الا استثناء متصل من اعم المفاعیل
وقیل منقطع والعذاب الاکبر العذاب الشدید الدائم و
ہو عذاب جہنم وانما قال الاکبر لانہم عذبوا فی الدنیا بالعذاب
الاصغر وہو الجوع والقتل والاسر قرء قتادۃ وابن عباس
الا التی للتنبیہ ایابہم اسم ان الینا خبرہا وقس
علیہ حسابہم وجمیع الضمیر فی ایابہم وحسابہم

باعتبار معنی من کما افراد الضمیر فی یعذبہ باعتبار لفظہا۔

تفسیر

جب عالمِ آخرت کی طرف رغبت کرنے کے اسباب بیان ہو چکے اور اس چند روزہ زندگی کا انجامِ کار لوگ سن چکے ہیں اور نیک و بدکاموں کا انجام بھی معلوم کر چکے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ فذکر آپ نصیحت کیجیے، وعظ و پند سے سمجھائیے کس لیے کہ انما انت مذکر آپ کا کام ہی سمجھانا اس لیے آپ اس پُر آشوب زمانے میں مبعوث کیے گئے ہیں کہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں پھر جو کوئی ہٹ دھرم اور شقی ازلی نہ مانے تو اپنا سر کھائے کس لیے کہ لست علیہم بمصیطر آپ ان پر کوتوال یا داروغہ نہیں کہ زبردستی ان کو ایمان پر لائیں اور جو نہ مانے تو اس کا ذمہ آپ پر ہو۔

ف بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات منسوخ ہیں آیت واقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم سے یعنی یہ حکم جب تھا کہ کفار کا غلبہ تھا اور اسلام غالب ہونے کے بعد اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو قتل کیا جائے۔

مگر یہ کہنا صحیح نہیں کس لیے کہ اب بھی جو نہ مانے تو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم نہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ لوگ عرب سے نکال دیے جائیں اور دیگر ممالک میں اگر رہنا چاہیں تو شاہِ اسلام کی اطاعت میں ذمی[1] بن کر رہیں، کچھ جبر نہیں کہ ان کو مسلمان بنایا جائے اور قتل کا حکم بوقتِ مقابلہ ہے۔

الا من تولی وکفر بعض مفسرین نے اس کو مفعولِ عام سے مستثنیٰ کیا ہے کہ فذکر کل واحد۔ الا من تولی وکفر کہ سب کو نصیحت کر مگر اس کے لیے کچھ ضرور نہیں جو منہ موڑ جائے اور منکر ہو جائے کس لیے کہ اس ہٹ دھرم کو نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ پہلے فرمایا تھا ان نفعت الذکریٰ۔

ابن عباسؓ و قتادہ الا کو لاتنبیہ کا کلمہ قرار دیتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ خبردار جو منہ موڑے اور انکار کرے گا اس کو خدا سخت سزا دے گا۔

بعض نے اس کو علیہم کی ضمیر سے استثناء کیا ہے کہ آپ ان پر داروغہ نہیں لیکن جو نہ مانے گا وہ سخت سزا پائے گا۔

ان الینا ایابہم آخر ان سب کو مر کر ہمارے پاس آنا ہے ثم ان علینا حسابہم پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے، ہم ضرور بازپرس کریں گے اور منہ موڑنے اور انکار کرنے والے کو سخت سزا دیں گے وہ کیا ہے؟ جہنم کا ابدی عذاب اس کے مقابلہ میں سب سزائیں کم ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

سورۂ فجر

مکہ میں نازل ہوئی اس میں تیس آیات ہیں

---

[1] ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جو مسلمان نہ ہو اور شاہِ اسلام کی رعیت ہو کر رہے اس کی حفاظت کا شاہِ اسلام پر اور اس پر شاہِ اسلام کی اطاعت کا ذمہ ہے اس لیے ذمی کہتے ہیں۔ اس سے ایک خاص ٹیکس حفاظتی لیا جاتا ہے جس کو جزیہ کہتے ہیں اس کے بعد یہ فوجی خدمت سے معاف کیا جاتا ہے ۱۲ منہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾
قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ إِذَا
اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب کہ

يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ
وہ ڈھلے کیا ان چیزوں کی قسم عقل مند کے لیے

لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿۵﴾
بس کرتی ہے ؟

ترکیب

والفجر الواو للقسم والباقی معطوف علی الفجر وجواب القسم محذوف ای لتبعثن او نحوہ وقیل جوابہ ان ربک لبالمرصاد۔ والشفع والوتر بفتح الواو وکسرہا ہما لغتان و معناہما الزوج والفرد اذا یسر اذا ظرف والعامل فیہ محذوف ای اقسم بہ یسر قرء الجمہور بحذف الیاء وصلاً ووقفاً اتباعاً لرسم المصحف وقرء نافع وابو عمرو بحذفہا فی الوقف و اثباتہا فی الوصل وقرء ابن کثیر ویعقوب وابن محیص باثباتہا فیہما قال الخلیل تسقط الیاء منہا موافقۃ لرؤس الآی وہو ماخوذ من السری وہو السیر لیلاً یقال سریت اللیل وسریت بہ واسناد السری الی اللیل قیل حقیقی لان معناہ جاء او ادبر وقیل مجازی ہل فی ذلک القسم قسم لذی حجر ای عقل ولب واصل الحجر المنع یقال لمن ملک نفسہ ومنعہا انہ لذو حجر ومنہ سمی الحجر لامتناعہ بصلابتہ ومنہ حجر الحاکم علی فلان ای منعہ والجملۃ استفہامیۃ لتقریر تعظیم ما اقسم اللہ تعالیٰ بہ وذلک اشارۃ الی تلک الامور المذکورۃ بتاویل المذکور ای ہل فی تلک الامور المذکورۃ التی اقسمت بہا قسم حقیق بان یتیقن بہ ذو عقل سلیم وفہم مستقیم۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ ابن عباسؓ وعائشہؓ وابن الزبیرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں تیس آیات ہیں۔ لفظِ فجر اس کے شروع میں ہے اس لیے اس کو سورۂ فجر کہنے لگے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذؓ کو لمبی قرارت پر تنبیہ فرمائی تھی تو من جملہ اور سورتوں کے اس سورت کے پڑھنے کا بھی حکم دیا تھا۔ (رواہ النسائی)

واضح ہو کہ اس سورت میں بھی خدا تعالیٰ جزا و سزا کا پانا اور ایک ایسے دن کا آنا کہ جس میں انسان نے جو کچھ اس ظلمت کدہ میں کیا تھا اس کا مشاہدہ کرنا بدلائل ثابت فرماتا ہے اور یہی وجہ اس سورت کی پہلی سورت سے مناسبت کی ہے، مگر ہر سورت میں ایک نیا دلکش اور پُراثر انداز ہے جو انسان کو شقاوت کے گڑھے سے نکال کر سعادت کی بلندی کی طرف لاتا ہے اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام سے یہی مقصودِ اصلی بھی ہے اس لیے اس سورۂ مبارکہ کی ابتداء ایسی چند چیزوں کی قسم سے کی کہ ان میں سے ہر ایک میں غور کرنا اس مقصود کو ثابت کرتا ہے اور لطف یہ کہ شبہات کو بھی زائل کر دیتا ہے اس لیے فرماتا ہے:

والفجر ولیال عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں کہ جن کی قسم کھائی گئی۔ اوّل فجر۔ اگر فجر کے معنی صبح کے لیے جائیں جیسا کہ جمہور کا قول ہے تو یہ بھی قیامت کے برپا ہونے کا پورا نمونہ ہے رات کو ایک سناٹا ہوتا ہے پرند چرند انسان حیوان پر

نیند و آرام طاری ہوتا ہے جو ایک حالتِ موت سے پوری مشابہ ہے، نہ وہ شور و غل ہے، نہ ہاؤ ہو ہے، نہ وہ آفتاب کی مشعل کی روشنی ہے۔ پھر صبح نمودار ہوتے ہی ہر ایک بیدار ہوتا ہے، پرند چہکنے لگے مسافروں نے چلنے کی تیاری کی۔ کاروباری اپنے کاروبار کی طرف، درباری اپنے دربار کی طرف دوڑنے لگے، الغرض ایک شور برپا ہوگیا، یہ قیامت کا پورا نمونہ ہے کہ مرنے کے بعد خصوصاً جب کہ فنا کے صور سے ہر چیز نیست ہوجائے گی تو پھر صبح قیامت نمودار ہوکر لوگوں کو بیدار کردے گی، بادۂ غفلت کے مست کہیں گے من بعثنا من مرقدنا کہ ہم کو نیند سے کس نے جگادیا۔

اس تقدیر پر فجر سے مراد کسی روز معیّن کی فجر نہیں بلکہ عام ہے جیسا کہ اور جگہ بھی آیا ہے والصبح اذا تنفس، والصبح اذا اسفر اور یہی حضرت علیؓ وابن عباسؓ وابن الزبیرؓ کا قول ہے۔

اور جو اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد لی جائے تو بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ اور علماء فرماتے ہیں چنانچہ:

(۱) قتادہ کہتے ہیں کہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے کس لیے کہ عرب کے نزدیک شروع سال محرم سے ہوتا ہے، تب ان کے نزدیک اس فجر میں یہ خصوصیت ہوگی کہ گویا یہ تمام سال کا دیباچہ ہے اور برس بھر کے دنوں کا پیش خیمہ ہے جو ہر روز کے لحاظ سے پورا پورا قیامت کا نمونہ ہے، اور سال بھر میں جو کچھ نیک و بد کام ہوتے ہیں ان کا دروازہ ہے۔

(۲) اور مجاہد کہتے ہیں کہ یوم النحر[1] کی صبح مراد ہے کیونکہ یہ دن مناسکِ ملتِ ابراہیم کے ادا کرنے کا ہے جو تمام خدا پرستوں کے لیے ملتِ ابراہیمیہ کا شعار ہے۔ اور اس دن دنیا بھر کے خدا پرستوں کا ایک متبرک مقام پر مجمع ہوتا ہے جو ہر ایک اپنے خدائے پاک پر جان فدا کرنے کو تیار ہے اور جان کے بدلے اپنی خاص رحمت سے جانوروں کی قربانی کی اجازت دیدی ہے۔ یہ دن بڑا متبرک دن ہے اور اجتماع کے لحاظ سے حشر کا بھی نمونہ ہے پھر اس کی صبح تو کیا ہی مبارک صبح ہے۔

(۳) ضحاکؒ کہتے ہیں کہ ماہِ ذی الحجہ کے پہلے روز کی صبح مراد ہے کس لیے کہ مناسکِ حج جو حشر کا نمونہ ہیں اس سے شروع ہوتے ہیں اور اسی لیے اس کے بعد لیال عشر کی قسم کھائی ہے جو اسی مہینے کی دس راتیں ہیں۔

(۴) بعض کہتے ہیں عرفہ کی فجر مراد ہے کس لیے کہ آج تو تمام حجاج کا مجمع ہوتا ہے اعظم ارکانِ حج کے لیے۔

اب اگر فجر کے اور معنی لیے جائیں جیسا کہ دیگر علماء نے لیے ہیں تب بھی ہر ایک معنی کے لحاظ سے یہ حشر و نشر اور اس دن میں اس کے جلال و جمال کے اظہار کا پورا نمونہ ہے۔

چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد لغوی معنی کے لحاظ سے پھٹنا اور بہنا ہے جس سے چشموں کا بہنا اور پھوٹنا مراد ہے اور ان پر دنیا کی معاش کا دارومدار ہے اور یہ اس کے جمال یعنی اس روز کی خاص رحمت کا جو نیکوں کے لیے رکھی گئی ہے پھوٹ پڑنے اور چشموں کی طرح بہنے کا پورا نمونہ ہے۔

(۵) بعض صوفیہ کرام فجر سے مبدء طلوع نورِ حق مراد لیتے ہیں جس کا اول مرتبہ تو روح کا بدن پر ظہور ہے جس کو انسان کی آفرینش یا تولد سے تعبیر کرنا چاہیے اور پھر ترقی کرتے کرتے اس کی تجلیات تک نوبت پہنچتی ہے، یہ دوسرا مرتبہ ہے مگر اب تک آفتابِ ذاتِ حق اس پر طلوع نہیں ہوا، اب تیسرے مرتبہ میں جب آفتابِ ذاتِ حق جلوہ گر ہوتا ہے تو روزِ روشن ہوجاتا ہے پھر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی، یہ مرتبہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے بعض مخصوص

[1] نحر قربانی۔ یوم النحر قربانی کا دن۔ ذی الحجہ کے مہینے کی دسویں تاریخ ۱۲ منہ

لوگوں کو حیات ہی میں حاصل ہو جاتا ہے مگر اور لوگوں کو مرنے کے بعد حشر کے دن حاصل ہوگا۔

اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت کی ابتداء کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی ہے تو اس وقت نبوت کی فجر تھی مکہ ہی میں اسلام تھا پھر آفتاب جلوہ گر ہوا اور دنیا کو منور کرتا گیا اس لیے اس سہانی حالت کی قسم کھاتا ہے۔

لیالِ عشر کی تحقیق

دوسری چیز جس کی قسم کھائی ولیال عشر ہے جس کے معنی ہیں دس رات کے، یہ وہ دس رات کہ جن کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے بڑی متبرک راتیں ہیں جن میں بندہ کے لیے عالم بالا سے ایک خصوصیت خاصہ ہے۔

جمہورِ مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے ماہِ ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں کہ جن میں دور دراز کے خدا پرست ایک متبرک مقام پر جمع ہو کر عبادت و دعا میں مشغول ہوتے ہیں یہ ایام حج کی راتیں ہیں۔ ان میں بھی مجمعِ حشر کا نمونہ ہے۔

دوسرا قول بعض مفسرین کا یہ ہے کہ اخیر رمضان کی دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلۃ القدر بھی واقع ہوتی ہے اور اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان راتوں میں نہایت شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی شریک کرتے تھے اور مسجد میں معتکف ہو کر بیٹھتے تھے، دنیاوی کاروبار چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ بیع و شرا وغیرہ، اگرچہ آپ کے دنیاوی کام بھی بغرض تحفظِ دین ہی ہوا کرتے تھے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ماہِ محرم کی اول دس راتیں مراد ہیں کس لیے کہ دسویں تاریخ کے روزہ کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں اور اسی لیے رفع درجات کے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مصیبت اور شہادت بھی انہیں ایام میں واقع ہوئی۔

چوتھا قول یہ ہے کہ تمام سال میں سے یہ دس متفرق راتیں ہیں جن میں سے پانچ راتیں تو اخیر رمضان کی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ جن میں لیلۃ القدر واقع ہوتی ہے اور ایک عید الفطر کی رات اور ایک عرفہ کی رات اور ایک یوم النحر کی رات اور ایک لیلۃ المعراج یعنی ستائیسویں رجب کی رات اور ایک شب برات، اور چونکہ یہ راتیں فی الجملہ مبہم ہیں جیسا کہ چاروں قولوں میں مختلف اقوال گزرے۔ اور نیز ان کی تعظیم بھی مقصود تھی اس لیے نکرہ لائی گئیں تاکہ ہر احتمال کو گنجائش ہو سکے۔

بعض صوفیہ کرام دس راتوں سے حواسِ عشرہ پانچ باطنہ اور پانچ ظاہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کو رات سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ انوارِ حق و مجردات کے ادراک اور ان سے مشغول ہونے کے وقت یہ متکدر اور بے کار ہو جاتے ہیں اور شب کی طرح ان پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب نورِ الٰہی کی تجلی ہوتی ہے تو یہ جسمانی آلات معطل ہو جاتے ہیں مگر بندہ کے کسبِ کمالات کے لیے عمدہ اوزار ہیں اس لیے ان کی قسم کھائی گئی۔ اور یہ تعطل ایک جسمانی عالم کا بطلان ہے جو قیامت اور صورِ فنا کو یاد دلا رہا ہے۔

شفع اور وتر کے معنی

تیسری اور چوتھی چیز جس کی قسم کھائی والشفع والوتر ہے کہ قسم ہے شفع اور وتر کی۔ شفع زوج جس کو جفت کہتے ہیں۔ وتر طاق یا فرد۔

ان سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں مگر وہ سب دو قولوں سے باہر نہیں کس لیے کہ یا تو ان سے

نفسِ عدد مراد ہوگا یا معدود۔

اوّل قول جو حسن کا قول ہے یہ ہے کہ نفسِ عدد جفت وطاق کی قسم کھاتا ہے جس کی حساب کے لیے اور گنتی کے لیے لوگوں کو ازبس ضرورت ہے اور دنیا کی عمر یا خود انسان وحیوان کی عمر ضرور کسی نہ کسی عدد پر منتہی ہوتی ہے۔ دس بیس پچاس سو ہزار لاکھ یا کچھ ہو آخر کوئی نہ کوئی عدد ہوگا طاق ہو یا جفت اس میں دنیا واہلِ دنیا کے حادث اور فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے ان کی ابتدا بھی ہے پھر انتہا بھی یہی، ایک بات اگر عاقل غور کرے تو جلد قائل ہو جائے کہ آخر ایک روز یہاں سے جانا ہے اور جاکر کیے کا بدلہ پانا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ معدود مراد ہیں۔ پھر اس میں بھی کئی قول ہیں۔

(۱) یہ کہ عام ہے سب کو شامل ہے رات دن کا جوڑا، نیکی بدی کا، شمس وقمر کا، جن وانس کا، کفر وایمان کا، سعادت وشقاوت کا، مرد وعورت کا، ذلت وعزت کا، دولت وفقر کا، آسمان وزمین کا، بحر وبر کا، تن درستی بیماری کا، موت وحیات کا، جیسا کہ فرماتا ہے ومن کل شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون یہ مخلوق تو سب شفع ہے۔ اور وتر یعنی فرد وہ سبحانہ ہے جو ان کا خالق ہے جس کا کوئی جوڑا نہیں، یہ سفیان بن عیینہ ومجاہد ومحمد بن سیرین وقتادہ وغیرہ کا قول ہے۔

(۲) یہ کہ مخلوق میں سے شفع اور وتر مراد ہے شفع یوم النحر ہے اور وتر یوم عرفہ، پہلے دن میں قربانی ہوتی ہے اور دوسرے پر بہت سے احکام حج کا مدار ہے۔

(۳) ربیع بن انس وابو العالیہ کہتے ہیں صرف نمازِ مغرب مراد ہے اس کی پہلی دو رکعت شفع ہیں اور تیسری رکعت وتر ہے۔

(۴) ضحاک وعطا کہتے ہیں شفع دس روز ذی الحجہ کے اور وتر اس کے بعد کے تین روز۔

(۵) بعض کہتے ہیں آدم وحوا مراد ہیں کس لیے کہ آدم اکیلے تھے پھر حوا کے ملنے سے جوڑا ہو گیا۔

(۶) مقاتل کہتے ہیں شفع کل ایام ہیں رات دن سے اور وتر وہ اخیر دن ہے یعنی قیامت کا۔

(۷) حسین بن فضل کہتے ہیں شفع جنت کے درجات ہیں کیونکہ وہ آٹھ ہیں اور وتر جہنم کے طبقات ہیں کیونکہ وہ سات ہیں۔

(۸) شفع صفاتِ خلق ہیں۔ علم ہے تو جہل بھی ہے، قدرت ہے تو عجز بھی ہے۔

(۹) شفع انسان کے بعض اعضاء دو ہاتھ، دو پاؤں۔ اور وتر وہ جو ایک ہیں۔ ناک، سر، قلب۔

(۱۰) شفع سجدہ اور وتر رکوع ہے۔

اور بھی اقوال ہیں، الفاظِ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے، سب کو حاوی ہیں، مگر ان میں ٹھیک وہی ہیں جن کی طرف احادیثِ صحیحہ میں اشارہ ہو۔

ترمذی وامام احمد وغیرہما نے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے شفع اور وتر کے معنی پوچھے آپؐ نے فرمایا کہ نماز مراد ہے، بعض جفت ہیں دو دو یا چار چار رکعت، بعض طاق یعنی تین رکعت، لیکن اس روایت میں ایک راوی مجہول ہے اور اسی لیے ترمذی نے کہہ دیا کہ یہ روایت غریب ہے۔

امام احمد ونسائی وحاکم نے روایت کی ہے کہ لیالِ عشر عید الاضحیٰ کی دس راتیں اور وتر عرفہ کا دن اور شفع نحر کا دن ہے۔ مگر محققینِ محدثین کے نزدیک ان روایات میں کلام ہے۔

پانچویں چیز کہ جس کی قسم کھائی وہ رات ہے فرماتا ہے والیل اذا یسر کہ قسم ہے رات کی جب کہ ڈھلے۔ یسری تھا تی فواصلِ آیات کے لحاظ سے محذوف ہو گئی۔

اور کلام عرب میں ایسا بہت ہے۔ اس کے معنی ہیں جب کہ جائے یعنی ڈھلے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے والیل اذا ادبر، والیل اذا عسعس مگر قتادہ و ابو العالیہ کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جب کہ آئے۔ اس میں کسی رات کی تخصیص نہیں، ہر رات میں جب کہ ڈھلتی ہے رحمتِ الٰہی کا ظہور اور اس کی تجلی ہوتی ہے۔

بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف اُترتا[1] ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں دوں اور کون ہے جو دعا کرے کہ میں قبول کروں اور ہے کوئی جو مجھ سے معافی مانگے میں معاف کر دوں۔

پچھلی رات کے اور بھی برکات و فضائل آئے ہیں اور اسی لیے حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام و صالحین کا ہمیشہ پچھلی رات میں جاگنے اور عبادت کرنے کا دستور رہا ہے اور احادیث میں تاکید ہے۔

اور روزِ جزا پر جو شبہات ہوتے ہیں ان کا بھی ان پانچوں چیزوں کی قسم کھانے میں جواب ہے۔

شبہ منکرینِ قیامت اکثر یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ دنیا میں نیکی و بدی کی جزا و سزا دینے سے کون مانع ہے، اگر خدا تعالیٰ ہے اور وہ بندوں کے نیک و بد اعمال پر بھی نظر رکھتا ہے اور وہ جزا و سزا پر قادر ہے تو پھر اسی جہان میں کیوں بدلہ نہیں دیتا تاکہ جلدی قصہ طے ہو جائے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی حکمتِ کاملہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس بدلہ دینے میں قیامت کا انتظار کیا جائے کس لیے کہ انسان کی دو حالت ہیں: ایک اس کی یہ زندگانی، دوسری موت اور بعد کا زمانہ۔ پہلی حالت سزا و جزا کے لیے کافی نہیں اس لیے دوسری حالت پر موقوف رکھا ہے کیوں کہ اس جہان میں انسان کی تمامی عمر دارِ آخرت کے لیے سامان جمع کرنے کے واسطے مقرر ہے کہ اخیر تک تحصیلِ کمالات کرے اور نیز ہر ایک کے ساتھ بہت سے لوگوں کے حقوق و آسائش بھی متعلق ہیں۔ اور نیز بعض ایسے بھی لوگ ہیں کہ جن پر ظلم و ستم ہوئے ہیں اور ظالم زندہ ہے مظلوم مرگئے، اب اگر اس کو اسی جہان میں سزا دی جائے تو:

اول تو اسی کو اس کہنے کی جگہ باقی رہے کہ جلدی کیوں کی؟ میں آئندہ توبہ و استغفار و عبادت کرنے کو تیار تھا مافات کی تلافی کا وقت مجھے باقی تھا۔

دوم اس کے سزا دینے سے اس کے متعلقین پر ایک مصیبت کا دروازہ کھلتا اس کے عیال و اطفال اور دیگر اہلِ حقوق اپنے حقوق سے محروم رہ جاتے۔

سوم جن مظلوموں پر ظلم ہوا اگر ان کے بعد ظالموں کو سزا ہوئی تو انہیں کیا؟ وہ دیکھتے تو دل ٹھنڈا بھی ہوتا یا وہ اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرتے۔

چوتھے اس عالم میں جزا و سزا ہونے پر بندوں کی وہ آزمائش جو دنیا میں آزادانہ زندگی پر منحصر ہے باقی نہ رہتی۔

اس لیے اس کی سزا و جزا کے لیے یہ زندگانی کافی نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جہاں نہ یہ عذر باقی رہے گا کہ میرے لیے تلافی کا وقت باقی تھا، نہ اس کی جزا و سزا سے اس کے متعلقین کی آسائش میں کچھ فرق آئے گا، نہ ان کے

[1] آسمانِ دنیا کی طرف اترنا یا نازل ہونا کنایہ ہے اس کی ایک توجہ اور التفاتِ خاص سے جو اس کی تجلی سے عبارت ہے نہ کہ نزول و صعودِ جسمانی کیوں کہ وہ اس سے پاک ہے ۱۲ منہ

حقوق تلف ہوں گے ۔ اور جہاں مظلوم بھی موجود ہوگا اور ظالم بھی ہوگا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دل ٹھنڈا کرے گا، پس اُس جہان کا انتظار کرنا چاہیے کیوں کہ دنیا میں بھی بہت سی باتیں فوراً ہی نہیں ہو جایا کرتیں انتظار ہی کرنا پڑتا ہے، فجر کو دیکھو کہ اکثر لوگ اپنے کام اور ضرورتوں کے سرانجام کے لیے اس کا انتظار کیا کرتے ہیں، بیمار و عشّاق تو رات میں تڑپ تڑپ کر صبح کی آرزو کیا کرتے ہیں، پرند اور چرند جب خالی پیٹ ہو جاتے ہیں تو صبح کے انتظار میں کلبلانے لگتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس ۔

پھر لیال عشر دس راتوں کو دیکھو کہ ان کے انتظار میں برس گزر جاتا ہے خواہ ذی الحجہ کی دس رات ہوں یا رمضان کی یا محرم کی ۔ یا سال ۔ یا سال بھر میں سے متفرق اور عدد جفت و طاق کو دیکھو جن کے انتظار سے چارہ نہیں تمام دنیا کے کاروبار تنخواہ و طلب توالد و لین دین اسی عدد پر موقوف ہے خواہ جفت ہو خواہ طاق، نو مہینے تک لڑکے کے پیدا ہونے کا انتظار ہوتا ہے، مہینہ یا سال بھر نوکر ماہ وار یا سالیانہ کا انتظار کرتا ہے، اور رات کو دیکھو کہ اس کا بھی انتظار ہوتا ہے ۔ سیکڑوں کام رات کے آنے پر موقوف ہوتے ہیں، پھر کیوں جھٹ پٹ اسی وقت نہیں کر لیتے، جب دنیاوی کاموں میں وقت و عدد کا انتظار ہے تو پھر اگر ایسے بھاری کام کے لیے ہو تو کیا تعجب ہے ؟

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ کہ کیا جو کچھ مذکور ہوا عقل مند کے لیے اس میں کافی قسم ہے ؟ ضرور ہے بلکہ بغیر قسم ہی کے عقل مند ان پانچ چیزوں میں غور و تدبر کر کے کہہ سکتا ہے کہ بے شک قیامت آنے والی ہے اور مصلحتِ الٰہی سے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور بندہ کے نیک و بد کام سے وہ غافل نہیں ۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾
(اے مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد ارم ستونوں

إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ
والوں سے کیا کیا ؟ جن کا مثل دنیا پر

مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ
پیدا نہ کیا گیا تھا اور ثمود سے کیا کیا کہ

الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾
جنہوں نے وادی میں پہاڑ تراشے تھے (مکان بنانے کے لیے)

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ
اور میخوں والے فرعون سے کیا کیا ؟ ان سب نے

طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا
ملک میں سرکشی کر کے بڑا ہی

فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ
فساد مچادیا تھا پھر تو آپ کے رب نے بھی

رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ
ان پر عذاب کا کوڑا پھٹکار دیا کیونکہ

رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾
آپ کا رب تاک میں ہے ۔

ترکیب

ارم ذات العماد عطف بیان لعاد او بدل منه و ارم غیر منصرف للتعریف والتانیث ۔ و ارم جد عاد[1] لانه عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح وقال قتادة هی قبیلة من عاد

[1] وہذا کقولهم قریش کنانة والیاس مضر وربیعة نزار ۱۲ منه

قال ابو عبیدۃ ہما عادان فکان الاولی ارم - ومعنی ذات العماد و ذات القوۃ والشدۃ وقیل ذات الطوال یقال رجل طویل العماد ای القامۃ وفی الصحاح العماد الابنیۃ الرفیعۃ تذکر و تؤنث التی لم یخلق الخ صفۃ لعاد وقیل صفۃ ارم علی قول من قال ان ارم قریۃ دارض و ثمود بالنصب عطفا علیٰ عاد مجرور محلا علی انہ اسم للقبیلۃ ففیہ التانیث والتعریف فھو غیر منصرف الذین الخ صفۃ لثمود جابوا الجوب القطع ومنہ جاب البلاد اذا قطعھا ومنہ جیب القمیص لانہ قطع بالواد متعلق بجابوا والمراد بالواد وادی القریٰ وھو موضع بقرب المدینۃ من جھۃ الشام - قرء الجمھور بالواد بحذف الیاء وصلا ووقفا اتباعا لرسم المصحف وقرء ابن کثیر باثباتھا فیھما وقری باثباتھا فی الوصل دون الوقف وفرعون معطوف علیٰ عاد ذی الاوتاد صفۃ فرعون والمراد بہ قومہ والاوتاد جمع وتد بکسر التاء وفتحہا وعند اہل نجد بسکونہا - والمراد بالاوتاد الجنود لان الملک یشدبہا الذین الخ الموصول صفۃ لعاد و فرعون ای طغت کل طائفۃ منہم فی بلادہم وتمردت فصب ای القی وافرغ وہذا استعارۃ عن ایقاع العذاب بہم علیٰ ابلغ الوجوہ ان ربک تعلیل لما قبلہ ایذانا بانہ عالم باحوال القریش یوقع بہم ما اوقع بمن قبلھم - وقیل ہو جواب القسم -

تفسیر

اس بات کا ذکر ہوا تھا کہ جزا و سزا کا دن قیامت ہے اور وہیں پوری سزا و جزا ملا کرتی ہے - اب یہاں سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کبھی دنیا میں بھی ہم کچھ سزا دے دیا کرتے ہیں اور نیکوں کو جزا بھی - اس لیے پہلی قوموں کے تین مشہور واقعات یاد دلاتا ہے کہ جن کی سرکشی پر خدا نے دنیا ہی میں ان کو سزا دی تھی -

فقال الم تر کیف فعل ربک بعاد کہ کیا اے مخاطب تو نے نہیں دل کی آنکھ سے دیکھا اگو اس زمانے کے لوگوں نے دیکھا نہیں مگر وہ مشہور واقعہ ایسا ہی یقین بخش ہے جیسا کہ آنکھ کا دیکھا ہوا کرتا ہے اس لیے الم تر فرمایا) کہ تیرے رب نے عاد کی قوم سے کیا کیا۔ کون سے عاد سے ؟ آپ ہی فرماتا ہے اِرَم یعنی عادِ ارم کی قوم سے (جن کو عادِ اولیٰ بھی کہتے ہیں) ارم ان کے جدِ اعلیٰ کا نام تھا - عرب میں جدِ اعلیٰ کی طرف منسوب کرنا عام محاورہ ہے، کہتے ہیں قریش کنانہ - اور وہ کیسی قوم تھی ؟ ذات العماد بڑی بلند قامت یعنی طاقت ور یا یہ معنی کہ مکانوں اور محلوں والی کس لیے کہ عماد بلند مکانوں کو بھی کہا کرتے ہیں یا خود ستونوں والی کیوں کہ اس دولت مند قوم کی عادت تھی کہ اپنے بزرگوں کے مقابر پر بلند منارے بنوا دیا کرتے تھے فخر اور یادگاری کے لیے جس کے آثار ملکِ مصر میں اب تک باقی ہیں التی لم یخلق مثلھا فی البلاد ایسی قوم یا ایسے ستون یا ایسی عمارات کہ جن کی مثل اس عہد تک ملکوں میں پیدا نہیں کیے گئے تھے' یہ پہلا واقعہ ہے قومِ عادِ اولیٰ کا -

واضح ہو کہ عاد دو فرقوں کا نام تھا - ایک کو عادِ اولیٰ اور عادِ قدیمہ بھی کہتے تھے - اور وہ اولادِ عاد بن اوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھے اور انہیں کو عادِ ارم کہتے ہیں کس لیے کہ ارم ان کے دادا ہیں اور شہرِ ارم بھی عدن کے قریب نہایت عمدہ انہوں نے اپنے نام سے آباد کیا تھا جس کا مثل اس زمانہ میں دنیا بھر میں نہ تھا یا ملکِ عرب میں نہ تھا -

دوسرا فرقہ جس کو عادِ اُخریٰ کہتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اس قوم کے ہلاک ہونے سے بچ رہے تھے اور یہ لوگ ملکِ یمن کے ضلع حضر موت میں احقاف کی زمین میں

رہا کرتے تھے، پھر یہ بھی بڑے پھلے پھولے اور آخر کار جبار و سرکش ہو گئے، انہیں میں ہود علیہ السلام پیغمبر بھیجے گئے تھے، یہ قوم ہوا کے طوفان سے ہلاک ہوئی تھی ان کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔ مگر عادِ ارم[1] کا صرف دو ہی جگہ آیا ہے، ایک انہیں آیات میں دوسرے سورۂ نجم میں جہاں کہ فرمایا وانہ اہلک عادان الاولیٰ۔

اس قوم کا وہ واقعہ جو صحیح طور پر ثابت ہوا اسی قدر ہے کہ یہ ایک قوم قدیم زمانے میں طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد ملکِ یمن میں آباد تھی، اس قوم کا یہاں تک عروج ہوا کہ تمام عرب بلکہ مصر و دیگر ممالک پر بھی ان کی سلطنت ہو گئی اور انہوں نے بڑے بڑے عجائب شہر آباد کیے۔ اور دولت و حشمت نے ان سے قول ہار دیا تھا، من جملہ ان کے شہر ارم بھی اس وقت میں ایک عجائب زمانہ تھا، یہ بڑی طاقت ور اور بہادر قوم تھی مگر پھر دولت و ثروت کے ساتھ بدکاری اور عیاشی اور ظلم بھی ان میں آیا اور یہ باتیں دولت و ثروت کا خمار ہیں۔ ہر چند اس عہد کے انبیاء علیہم السلام نے ان کو سمجھایا اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی مگر ان کے گناہوں کی کشتی جو بھر چکی تھی غرق ہونے کو تھی، کب ماننے تھے آخر عذابِ الٰہی کا کوڑا ان پر پڑا، برباد و ہلاک ہو گئے، سلطنتیں جاتی رہیں، دولت و ثروت نے منہ پھیر لیا، وبا اور دیگر مصائب نے ہجوم کر لیا، برباد ہو گئے۔

شہرِ ارم کا بیان

مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شدید اور شداد۔ یہ ملکوں پر قابض ہوئے شدید مر گیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا، اس کے اقبال نے بڑی ترقی کی، بڑے بڑے بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے۔ اس نے جنت کا ذکر سن کر کہا کہ میں بھی ایک ایسی بہشت تیار کرتا ہوں، تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈال دی، اور تین سو برس میں ایک شہر تیار ہوا جس کے چاندی سونے کے محل اور یاقوت و زبرجد کے ان کے ستون تھے اور اقسام اقسام کے اس میں باغ اور نہریں تھیں، جب یہ بن کر تیار ہوا تو ارکانِ دولت کو لے کر اس بہشت میں چلا جب قریب رہ گیا تو آسمان سے ایک کڑک آئی اور سب کو ہلاک کر دیا، شداد نو سو برس کی عمر میں مرا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابو قلابہ اپنا اونٹ ڈھونڈتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے اور شہر ارم میں جا پہنچے اور وہاں سے بہت کچھ جواہرات اٹھا لیے، اس کی خبر معاویہؓ کو پہنچی انہوں نے بلا کر پوچھا سارا احوال بیان کر دیا، تب معاویہؓ نے کعب سے دریافت کیا تو کہا یہ وہ شہر ارم ہے جو شداد نے بنایا تھا۔

اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو ممکن ہے کہ وہ شہر ارم کے کھنڈرات میں جا پہنچے ہوں اور بیش بہا پتھر لے آئے ہوں مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شہر ارم اسی طرح اب بھی یمن کے جنگلوں میں موجود ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہے۔

دوسرا واقعہ

اس کے بعد دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے جو اس کے بعد گزرا ہے فقال وثمود الذین جابوا الصخر بالواد اور قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا وہ قوم ثمود کہ جس نے جنگلوں میں پتھر تراشے تھے اور بڑے مستحکم مکان بنائے تھے کہ ہم ہمیشہ ان میں رہا کریں گے۔ یہ قوم شمالِ عرب میں رہتی تھی۔ حجر سے لے کر وادی القریٰ تک ان کی بستیاں تھیں، پہاڑ تراش کر نہایت خوبصورتی کے ساتھ مکان بنایا کرتے تھے تصویریں اور پھول

[1] یعنی عادِ ارم کا ۱۲ منہ

اور درختوں کی صورتیں بھی تراشا کرتے تھے، نہایت شادمانی اور مزے سے زندگانی بسر کیا کرتے تھے مگر ساتھ ہی بدکاری اور بت پرستی بھی بے حد تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے، پھر کب یہ ماننے والے تھے آخر ایک ہی بار ہلاک ہوگئے۔ ان کا قصہ بھی کئی بار قرآن مجید میں آچکا ہے۔ ان کے آثار اب تک شام کی طرف جانے والوں کو دکھائی دیا کرتے ہیں، حال کے سیاحوں نے بھی ان کے سنگین مکانات کے کچھ کچھ آثار دیکھے ہیں۔

تیسرا واقعہ

اس کے بعد تیسرا واقعہ قومِ فرعون کا بیان فرماتا ہے فقال وفرعون ذی الاوتاد اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو لشکر والا تھا۔ اوتاد وتد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں میخ کے مفسرین کے اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) یہ کہ اوتاد لشکروں کو کہتے ہیں کیوں کہ سلطنت و حکومت کی یہی میخ ہے جس بادشاہ کا لشکر مہیا اور کارآمد نہیں اس کی بادشاہت بے بنیاد ہے۔ اور یہی ابن عباس رضؓ کا قول ہے۔

(۲) یہ کہ اس قدر گھوڑے اور خیمے تھے کہ بے شمار میخیں ساتھ چلا کرتی تھیں جس سے اس کی حشمت اور کثرتِ مال و جاہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) یہ کہ وہ موذی ایمان داروں کو چومیخا کیا کرتا تھا اس لیے میخیں رکھ چھوڑی تھیں اس لیے اس کو اس بُری صفت سے یاد کیا گیا۔

پھر اجمالاً ان تینوں قصوں کو بیان فرما کر سب کے افعالِ زشت اور حالاتِ بد کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے جو ان پر دنیا میں قہر ٹوٹ پڑنے کا باعث ہوا، فقال الذین طغوا فی البلاد یہ سب قومیں وہ تھیں کہ جنہوں نے ملک میں رہ کر سرکشی کی اپنی حد سے گزر گئے تھے، تکبر کی بھی انتہا نہ رہی تھی، محکوموں کے ساتھ نخوت اور بے پروائی سے پیش آتے تھے، اخلاق کا نام تک نہ تھا شہوت پرستی اور عیاشی کی بھی کچھ انتہا نہ تھی بہائم کو بھی شرما دیا تھا، اس پر درندے بھی بن گئے تھے جس کو چاہا پیٹ ڈالا قید کر دیا مروا ڈالا الزام لگا کر گھر بار ضبط کر لیا۔ عدل و انصاف صداقت پارسائی پرہیزگاری رحم دلی خوش اخلاقی تو چھو بھی نہیں گئی تھی اس پر اعتقادات وہ بد کہ الٰہی توبہ۔ خدا تعالیٰ کی بے ادبی اس کے رسولوں اور ان کی شریعت کی بے عزتی بت پرستی ایک ادنیٰ بات تھی، دارِ آخرت اور اعمال کی جزا و سزا کا تو خیال بھی نہ آتا تھا زناکاری اور شراب خواری کے دروازے کھول دیے تھے لوگوں کو بھی اسی روش اور انہیں خیالات پر پھیر کر لانے تھے اور اپنی عقل و تدبیر اور شوکت و حشمتِ موجودہ پر بڑا غرور تھا ان سب باتوں کی طرف اس ایک ہی جملہ میں اشارہ ہے فاکثروا فیہا الفساد کہ زمین میں بہت ہی فساد کیا، ہر ایک بات جو اوپر مذکور ہوئی فساد فی الارض ہے۔

اب ان کی سزا بیان فرماتا ہے فقال فصب علیھم ربك سوط عذاب کہ تیرے رب نے (جو رب العالمین ہے اس کو اپنے غریب بندوں کی پرورش بھی ملحوظ ہے مظلوموں پر رحم کھانا بھی اس کی ربوبیت کا مقتضیٰ ہے) ان پر سزا کا کوڑا مارا، سب کو ہلاک و برباد کر دیا۔ اس کے تازیانہ سے ڈرنا چاہیے کس لیے کہ ان ربك لبالمرصاد تیرا رب اپنے بندوں کے حالات و حرکات دیکھتا رہتا ہے، سب کچھ اس کی نظروں میں رہتا ہے، کچھ انہیں قوموں پر انحصار نہیں اور صدہا قوموں پر سزا کے کوڑے مارے ہیں اور آئندہ بھی مارے گا۔ اگر یہی اخیر جملہ بندے کے دھیان میں رہے تو بڑا ہی نیک ہو جائے قرآن نے تذکیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اس سے بڑھ کر

کوئی کہہ نہیں سکتا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ
لیکن انسان ایسا ہے کہ جب اس کا رب اس کو
رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ
آزماتا ہے پس اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے
فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝۱۵ وَ
تو کہنے لگتا ہے کہ مجھے میرے رب نے نواز دیا اور
اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ
جب کہ اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر
رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ
تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے
اَهَانَنِ ۝۱۶ كَلَّا بَلْ لَّا
مجھے ذلیل کر دیا ہرگز نہیں بلکہ تم
تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝۱۷ وَ
یتیم کی عزت نہیں کرتے اور
لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ
نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی
الْمِسْكِيْنِ ۝۱۸ وَتَاْكُلُوْنَ
ترغیب دلاتے ہو اور مُردوں کا
التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝۱۹ وَّ
مال بھی سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور
تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝۲۰
مال کو بھی بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

ترکیب

فاما ہہنا لمجرد التاکید لا لتفصیل المجمل اذا شرطیۃ ما زائدۃ فاکرمہ ونعمہ تفسیر للابتلاء۔ فیقول الخ جواب الشرط وقیل اذا ظرفیۃ ودخلت الفاء فی فیقول لتضمن اما معنی الشرط ای فاما الانسان فیقول ربی اکرمنی وقت ابتلائہ بالنعماء۔ اکرمن اصلہ اکرمنی حذفت الیاء اتباعًا لرسم المصحف وبقیت الکسرۃ دلیلًا علیہا وقس علیہ واما اذا ما ابتلٰہ فقدر الخ کلا ردع للانسان عن قولہ ولا تحضون والمفعول محذوف ای احدا او انفسکم قرء الجمہور تحضون من حضہ علی کذا ای اغراہ بہ وقری تحاضون بفتح التاء۔ واصلہ تتحاضون ای لا یحض بعضکم بعضا وقری بضم التاء من الحض وہو الحث۔ طعام المسکین والطعام اما اسم مصدر ای اطعام المسکین او اسم للمطعوم فالمضاف محذوف ای بذل طعام المسکین التراث اصلہ الوارث فابدلت التاء من الواو المضمومۃ کما فی تجاہ ووجاہ لما اصل اللم الجمع یقال لممت الشئ المہ جما الجم الکثرۃ یقال جم الشئ یجم جموما یقال فی المال وغیرہ فہو جم وجائم۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا ان ربک لبالمرصاد کہ وہ آخرت کے مفید و مضر کاموں کو دیکھ رہا ہے فاما الانسان الخ اور انسان کا یہ حال ہے کہ وہ رات دن حصولِ دنیا اور اس کی لذات و شہوات میں مشغول ہے۔ اگر دنیا میں دولت و راحت مل گئی تو کہنے لگا کہ میرا خدا مجھ سے خوش ہے اور جب ہی تو اس نے مجھے یہ عزت دی ہے اور جو تنگ دستی یا تکلیف پیش آ گئی تو کہنے لگا کہ ناراض ہے جس لیے اس نے مجھے ذلیل کر رکھا ہے گویا خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا عزت و اکرام حصولِ دولت و

راحتِ دنیا پر منحصر جانا، اور اس کی ناراضگی اور توہین کو دنیاوی فقر و فاقہ اور تکالیف پر محمول کیا اور یہ اس کا خیال باطل ہے کس لیے کہ دنیا کی راحت و نعمت اور اسی طرح افلاس و فقر بیماری و خواری اس کی آزمائش ہے کہ نعمت و راحت پا کر کیسی شکرگزاری و فرمانبرداری کرتے ہیں اور مصیبت میں کیوں کر صبر کرتے ہیں۔ اگر مصیبت میں صبر کیا تو ترقیٔ درجاتِ آخرت کا باعث ہے اور نعمت میں شکر نہ کیا تو اور بھی بازپرس کا باعث ہوگا، الغرض حصولِ دنیا اور اس کے عدمِ حصول پر ہماری رضامندی اور اکرام یا توہین و ناراضی سمجھنا غلط بات ہے جیسا کہ کفار سمجھے ہوئے ہیں اور یہی حجت پیش کیا کرتے ہیں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے کلا کہ ہرگز ایسا نہیں۔

کلا یعنی فراخ دستی کثرتِ مال و اولاد سے یہ سمجھنا کہ خدا مجھے معزز سمجھتا ہے اچھا اور محبوب جانتا ہے یا تنگ دستی سے برا جانتا ہے غلط خیال ہے جس کو لفظِ کلا سے تعبیر کیا۔ بلکہ فراخ دستی بھی اس کی آزمائش ہے اور تنگ دستی بھی کہ فراخ دستی میں کیا شکر اور تنگ دستی میں کیا صبر کرتے ہو۔ فراخ دستی سے خدا کے نزدیک عزت دار نہیں ہوجاتا نہ تنگ دستی سے ذلیل۔

بل بلکہ ذلت کے یہ اسباب اور یہ کام ہیں۔ گو وہ کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو، اور وہ ذلت کے کام کیا ہیں جن کے کفار مرتکب تھے آپ ہی بیان فرماتا ہے۔

(۱) لا تکرمون الیتیم تم یتیم کی عزت نہیں کرتے حالانکہ وہ بے باپ کے ہے۔ دنیا کے مصائب اس پر پڑے ہوئے ہیں اور خود بھی کم سن ہے کچھ کر نہیں سکتا۔ اب تم اپنے تکبر سے اس کو منہ بھی نہیں لگاتے، شفقت اور کھانا کھلانا اس کی حاجت برآری کرنا تو کجا۔ یہ کام ہے جس سے اللہ کے نزدیک انسان ذلیل ہوجاتا ہے خواہ بظاہر کیسا ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔ جہالِ عرب میں یہ بھی عیب تھا کہ یتیموں پر مہربانی نہیں کرتے تھے۔ احادیثِ صحیحہ میں یتیموں پر مہربانی کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں۔

(۲) ولا تحضون علیٰ طعام المسکین اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو، نہ اپنے آپ کو اور نہ اور کسی کو۔ حالانکہ غریب محتاج کو کھانا کھلانا تمام اہلِ عقل و نقل کے نزدیک مسلّم نیکی ہے، برخلاف اس کے بدبخت جاہل یہ کہتے ہیں کہ جب اس کو خدا ہی نے نہ دیا اور اس نے اس کی بے قدری کی اور خدا ہی نے یتیم کے باپ کو مار دیا تو ہم اس پر کیوں رحم کریں کیوں کھانا کھلائیں؟ نہ کرنے میں تو یہ دو کام نہیں کرتے جو کرنے چاہیے تھے۔ اور کرنے میں یہ دو کام کرتے ہیں۔

(۳) و تاکلون التراث اکلا لما کہ مُردوں کا مال جو بلا مشقت ورثہ میں ملتا ہے اس کو سمیٹ لیتے ہو اور خوب دل کھول کر کھاتے ہو فضول خرچی کرتے ہو عیاشی اور نمود کے کاموں میں اڑاتے ہو۔ سچ ہے مالِ مفت دلِ بے رحم۔

(۴) و تحبون المال حبا جما اور مال کی دل سے محبت کرتے ہو، بڑے لالچی اور طمّاع ہو۔ معاذ اللہ تمام گناہوں کی جڑ یہی محبتِ دنیا اور یہی لالچ اور طمع تو ہے، یہی حق تلفی کراتی ہے، یہی جھوٹ بلواتی ہے یہی خون کراتی ہے۔ یہی بے شرم بے حیا بنا دیتی ہے۔ یہ ہیں وہ کام جو تم اے قریش کر رہے ہو بجائے عبادت، صداقت، ایمان، پرہیزگاری، خیرات، صلہ رحمی کے۔ پھر تم سمجھ لو کہ عاد و ثمود و فرعون پر جو کوڑا پڑا تھا وہ تمہارے لیے بھی تیار رہے پھر بتاؤ اہانت و ذلتِ خدائی کا سبب حبِ دنیا ہے یا فقر و فاقہ؟

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ

نہیں نہیں جب کہ زمین پچکنا چور

دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَ

ہو جائے اور آپ کے رب (تخت) آجائے اور

الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِآىْءَ

فرشتے بھی صف بستہ چلے آئیں اور اس دن

يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ

جہنم بھی سامنے لائی جائے اس دن

يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ

انسان سمجھے گا اور اس وقت اس کو

الذِّكْرٰى ﴿ط﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ

سمجھنا کیا فائدہ دے گا کہے گا اے کاش !

قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿ج﴾ فَيَوْمَئِذٍ

میں اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجتا سو اس دن

لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾

اس جیسی مار کوئی بھی نہ مارے گا

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

اور نہ اس جیسی جکڑ کوئی جکڑے گا

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾

(کہا جائیگا) اے تسلی یافتہ جان !

ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً

لے، آ اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی

مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿٢٩﴾

وہ تجھ سے راضی (لے آ) میرے بندوں میں جا مل

وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿ع﴾

اور میری بہشت میں چل رہ

ترکیب

کلا ردع اذا ظرف والعامل فیہ یتذکر الانسان دکا منصوب علی انہ مصدر مؤکد للفعل دکا تاکید للاول۔ والدک الکسر وجاء معطوف علی دکت صفا صفا حال ای مصففین او ذوی صفوف وجائ فعل مجهول بجهنم مفعول مالم یسم فاعلہ قائم مقام الفاعل یومئذ منصوب بجائ والجملۃ معطوف علی دکت۔ یومئذ بدل من یومئذ قبلہ یتذکر عامل اذا وانی لہ الذکری الجملۃ حال من فاعل یتذکر۔ یقول الخ تفسیر لیتذکر قدمت لحیاتی ای قدمت فی الدنیا من الاعمال الصالحۃ لاجل حیاتی الاخرویۃ فانہا الحیاۃ بالحقیقۃ۔ وقیل ان اللام بمعنی فی والمعنی یالیتنی قدمت فی حیاتی الدنیاویۃ الاعمال الصالحۃ۔ یومئذ عاملۃ لایعذب الخ عذابہ ووثاقہ بالنصب علی نزع الخافض ای کعذابہ وثاقہ۔ قرء الجمہور لایعذب ولایوثق مبنیا للفاعل فالضمیر فی عذابہ ووثاقہ یرجع الی اللہ تعالی ای لایعذب احد کعذابہ ولایوثق احد مثل وثاقہ۔ وقرئ بصیغۃ المجهول ایضاً فالضمیر ان راجعان الی الانسان الکافر راضیۃ مرضیۃ حال من فاعل ارجعی۔

تفسیر

پھر فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ وہ خدا تعالیٰ جو تمہارے نیک و بد کاموں کو دیکھ رہا ہے وہ بدلہ دینے سے عاجز ہے یا بدلہ نہ دے گا کلا ہرگز یہ خیال نہ کرو بلکہ وہ ضرور بدلہ دے گا کس روز؟ اذا دکت الارض دکا دکا جس دن کہ زمین جو اس دنیا کا فرش ہے ریزہ ریزہ ہو جائے اور بلند و پستی ہموار کر دی جائے یہ نفخ ع ۱ ۳۰ ۱۴

صورِ اول کے بعد ہوگا جب کہ زلزلۂ عظیم زمین کو زیر و
بالا کر دے گا اور اس کے بعد یہ تمام عالم فنا ہو جائیگا
تب ایک دوسرا جہان پیدا ہوگا اور مردے قبروں سے
زندہ ہو کر نکلیں گے اور تمام اولین و آخرین عدالت
کے لیے خدا تعالیٰ اور اس کے ملائکِ مقربین کی راہ
تکیں گے کہ اس گرمی و مصیبت سے فیصلہ کر کے ہم کو
نجات ملے وجاء ربك تیرا رب آئے گا یعنی صفت
جلال و قہر میں تجلی کرے گا اور بندوں کی عدالت کی طرف
متوجہ ہوگا۔

والملك صفا صفا اور فرشتے بھی صف باندھ کر
آحاضر ہوں گے، یہ تعمیلِ حکم کرنے کے لیے صف بستہ
کھڑے ہوں گے ہر ایک مرتبہ کے فرشتوں کی ایک
صف ہوگی۔

وجائ یومئذ بجھنم اور جہنم بھی لاکر لوگوں کے
سامنے موجود کی جائے گی اور اس کی بڑی بڑی چنگاریاں
اڑتی ہونگی اور اس کے جوش و خروش کی ایک ہیبتناک
آواز لوگوں کے ہوش و حواس پریشان کرتی ہوگی لانے
سے مراد ظاہر کیا جانا بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اس آیت میں
آیا ہے وبرزت الجحیم لمن یری۔

یومئذ یتذکر الانسان اس روز انسان یاد کریگا
جو اس نے دنیا میں کیا تھا اور اس روز اس کا نشہ ہرن
ہو جائے گا اور اس کو نصیحت ہو جائے گی کہ جو کچھ دنیا میں
انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے خبر دی تھی
سب حق ہے اور ہم اپنی بدبختی سے آنے والی مصیبت کو
ٹھٹھوں میں اڑاتے رہے اور اس کے لیے نیک عمل
اور ایمانِ صادق کا سرمایہ جمع کرنے کے بجائے دنیاوی
لذات و شہوات فانیہ میں مستغرق رہے۔

وانّی لہ الذکری مگر اس روز کے سمجھنے سے
اس کو کیا فائدہ ہوگا، اس روز پچھتانا دانت پیسنا رونا سر پیٹنا
کچھ کام نہ آئے گا۔

اور اس دن اس رونے پیٹنے میں منہ سے کیا کہے گا
یٰلیتنی قدمت لحیاتی اے کاش میں آج
کی زندگی کے لیے جو ابدی ہے دنیا میں ایمان اعمالِ نیک کا
سرمایہ آگے بھیجتا اس کے بعد مرتا۔ میں بدنصیب تو
جو کرتا رہا چند روزہ زندگانی کے لیے کرتا رہا جو ایک
خواب سا تھا۔

بعض نے لحیاتی کے لام کو فی کے معنی میں بھی
سمجھا ہے، تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنی زندگانی دنیا میں اس
دن کے لیے کاش کچھ آگے بھیجتا۔

یہ حسرت و ندامت بھی عذابِ جسمانی کے علاوہ
ایک اور روحانی عذاب ہوگا اس لیے فرماتا ہے فیومئذ
لا یعذب عذابہ احد کہ پھر اس روز اس کے
عذاب جیسا اور کوئی عذاب نہ کرے گا، یعنی جس قدر
اللہ تعالیٰ اس روز اس بے ایمان بدکردار کو عذاب دیگا
ویسا کسی نے نہ دیا ہوگا، کس لیے کہ اوّل تو اس کا عذاب
روحانی و جسمانی ہوگا۔ دوم ایسا سخت ہوگا کہ ویسا دنیا
میں ہو نہیں سکتا۔ سوم دنیا کے عذاب کی انتہا خواہ
وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو موت ہے جس سے چھٹکارا ہو جاتا
ہے مگر وہاں موت بھی نہیں کہ چھٹکارا ہو جائے۔

ولا یوثق وثاقہ احد اور نہ اس کی قید جیسی کسی
نے قید کی ہوگی۔ وہاں کی بیڑیاں خدا کی پناہ، وہاں کے
جیل خانہ سے کوئی نکل نہیں سکتا، کچھ لے دے کر کوئی راحت
نہیں پہنچا سکتا۔ آخر ہمیشہ کی قید، الامان الامان!
اس کے علاوہ عقل و ادراک تمام اسی تکلیف کی طرف
متوجہ۔ غم زدہ آدمی کہیں جائے اس کے غم کی بیڑیاں
اس کے پاؤں میں رہا کرتی ہیں، یہ روحانی قید ہے جو وہاں
بدرجۂ کمال ان بدبختوں کو ہوگی۔ پھر ایسی قید اور کون
کر سکتا ہے۔

بعض قاریوں نے لا یعذب ولا یوثق کو مجہول
کا صیغہ پڑھا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ اس غافل بدبخت
جیسا اور کسی کو عذاب نہ کیا جائے گا نہ اس جیسی اور کو قید
کی جائے گی کس لیے کہ وہ کافر و مشرک اور اس پر بدکار
لذات و شہواتِ دنیا کا فریفتہ کسی وقت اور کسی حال
میں بھی دنیا میں خدا تعالیٰ اور دارِ آخرت کی طرف متوجہ
نہیں ہوتا تھا۔ برخلاف اور ایمان داروں گنہ گاروں کے
کہ اگر وہ بدی کرتے تھے تو دوسرے وقت کوئی نیکی بھی
کر لیتے تھے، ان کو آخر کار ان کے ایمان یا اعمالِ نیک کے
سبب رستگاری ہو جائے گی۔

یہاں تک تو بدوں کا حال بیان فرمایا جو قیامت
میں ان پر طاری ہوگا، اس کے بعد نیکوں کا حال بیان
فرماتا ہے کہ ان سے اس روز کیا معاملہ پیش آئے گا؟
فقال یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک
راضیۃ مرضیۃ کہ اس خوف و ہراس کے وقت
فرشتے ان کو تسلی دے کر یہ کہیں گے کہ اے اطمینان یافتہ
جان! اپنے رب کی طرف عدالت میں خوش خوش چل،
تو اس سے خوش، وہ تجھ سے خوش، کوئی غم و ہراس نہ کر۔
اس عظمت و شان سے اس کو پیشی میں لائیں گے، پھر جب
وہ حق سبحانہ کے سامنے ہوگا تو جو کچھ عنایت و مہربانی اس پر
ہوگی اس کی انتہا نہیں۔

آخر کار خدا تعالیٰ اس کو فرمائے گا فادخلی فی عبادی
کہ اب اس بلند مرتبہ اور بلند جگہ میں آ جو میرے بندگانِ
خاص کے لیے ہے، جیسا کہ دنیاوی عدالت میں حاکم
کسی کی تعظیم و تکریم کے لیے کہا کرتا ہے کہ آپ ادھر معزز
لوگوں میں آئیے ہمارے پاس دائیں طرف عزت کی کرسی پر
بیٹھیے جہاں اور معززین ہیں۔

وادخلی جنتی اور میری بہشت میں جو میں نے خاص
تمہارے لیے پہلے سے تیار کر رکھی ہے اس میں رہیے سدا
آرام کیجیے۔ دنیاوی بادشاہ بڑے عالی شان مکانوں اور
باغوں میں ملا کرتے ہیں اور ملنے والوں کے لیے بیٹھنے رہنے
کی جگہ کی کیسی تیاری کرتے ہیں تو پھر کیا خدا پاک کا جہاں
دیدار ہوگا وہ کوئی کوٹھڑی اور ویرانہ ہوگا؟ ہرگز نہیں۔
جہاں ان کا جلوہ جہاں ان کا دیدار وہ جگہ گلزار بلکہ لاکھ
گلزار اس پر نثار۔ یہ بات جنتی کے لفظ سے سمجھی جاتی
ہے جس میں جنت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

بہت سے خشک زاہدوں اور بے سمجھ شاعروں
نے جنت نہیں سمجھی جنت کو دنیا کا باغ اور چکلہ اور کیا کیا
بتانے لگے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ جو اس دیوانِ خاص میں
نہ جانے پائے گا اس کو اس کا دیدار ہی نصیب نہ ہوگا۔
کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی دکھائی، پھر
کیا اس کی وہ جنت دنیا کے طور سے بھی کم ہو گئی؟
ہرگز نہیں۔

ف ۱ اس نیک کو اطمینان والی جان کیوں فرمایا؟
اس لیے کہ اس کو اس لفظ کے سنتے ہی عذاب و عتاب کی
دہشت سے اطمینان ہو جائے۔ گویا یہ تسلی دینے والا لفظ
پہلے سے بطور مژدہ کے سنایا جائے گا کہ تجھے اطمینان
ہے۔

ف ۲ واضح ہو کہ انسان کے نفس کی صفات ہیں۔
امّارہ، لوّامہ، مطمئنہ۔

امّارہ۔ کفار و دنیا کی لذات پر فریفتہ لوگوں کی صفت
ہے کہ وہ ان کو بدکاری پر بار بار امر یعنی حکم کرتا رہتا ہے اور
وہ مانتے رہتے ہیں۔

لوّامہ۔ لوم ملامت کرنے والا یعنی اپنی برائیوں پر
ملامت کرے، یہ عام ایمان داروں کی صفت ہے کہ
ان میں حس و ادراکِ باطنی باقی ہے، ابھی گناہ کو گناہ سمجھتے
ہیں، افسوس کرتے ہیں دل میں گناہ کر کے رنج ہوتا ہے۔

مطمئنہ یعنی اطمینان یافتہ، یہ حضرات انبیا علیہم السلام

واولیاء کرام وصالحین کے نفس کی حالت ہے ان کو عبادت و معرفت سے اطمینان ہوجاتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور کاموں میں ان کا دل بے قرار رہتا ہے۔ ہر پھر کر اپنے مرکزِ اصلی ذکرِ الٰہی کی طرف آرہتا ہے یہ بات بوقتِ مرگ بھی نیکوں سے پیش آتی ہے کیوں کہ یہ بھی قیامت صغریٰ ہے، رحمت کے فرشتے نہایت مہربانی سے کہتے ہیں کہ اے روح اطمینان والی چل اپنے رب کی طرف اس ویرانۂ دنیا کو چھوڑ تو اس سے خوش وہ تجھ سے، تیرے لیے وہاں بڑی بڑی تیاریاں ہیں احادیثِ صحیحہ میں اس کی بکثرت تصریح ہے جعلنا اللہ منہم۔

سورۂ بلد

مکیہ ہے اس میں بیس آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنۡتَ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی حالانکہ آپ

حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَ وَالِدٍ وَّ

اس شہر میں مقیم ہیں اور قسم ہے والد اور

مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ

اس کی اولاد کی کہ البتہ ہم نے انسان کو

فِیۡ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾

محنت میں پیدا کیا ہے

ترکیب

لا قدم الکلام فیہا فقیل زائدۃ وقیل لا لنفی کلام الکفار وقیل لنفی القسم بظہور الامر ای لاحاجۃ الی القسم بہذہ الاشیاء والمراد بالبلد عند جمہور المفسرین مکۃ والبلد یذکر ویؤنث والجمع بلدان والبلدۃ بالفتح جمعہا بلاد بالکسر وانت حل الخ قال الواحدی الحل والحلال والمحل واحد وہو ضد الحرم ای فاحل اللہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم القتال فی مکۃ وقد انجز اللہ تعالیٰ وعدہ یوم الفتح فالجملۃ معترضۃ بین المقسم بہ وما عطف علیہ وقیل معناہ حال ای اقسم بہذا البلد وانت مقیم فیہ تشریفاً لک وتعظیماً لقدرک اولا اقسم بہذا البلد حال کونک مقیماً فیہ بل اقسم فعلی ہذا الجملۃ منصوبۃ محلاً ووالد وما ولد معطوف علی البلد وما بمعنی من لقد خلقنا الجملۃ جواب القسم فی کبد حال ای مکابدا واصل الکبد الشدۃ ومنہ تکبد اللبن اذا اشتد و غلظ ثم استعمل فی کل مشقۃ وشدۃ وقیل الکبد الاستواء والانتصاب (ابن کثیر)

تفسیر

یہ سورت بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ کا بھی یہی قول ہے، اس میں بیس آیات ہیں اور اس کا نام سورۂ بلد اس لیے ہے کہ اس کے اول میں بلد یعنی شہر مکہ کی قسم ہے۔

سورۂ فجر میں ذکر تھا کہ عاد و ثمود و فرعون کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے۔ دنیاوی اسباب پر غرور کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرنا اپنے سر پر قہر الٰہی لینا ہے۔ اس بات پر کفارِ مکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ اس میں آپ کا امتحان ہے تو ہم پر بھی عاد و ثمود جیسا عذاب نازل کرا دو۔ اگر سچے ہو تو چاہیے کہ مکہ شہر غارت ہو جائے۔ اس سورت میں ان کے اسی شہر مکہ کی قسم کھانے کے پیرایہ میں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ شہر مقدس ہے، اس میں کعبہ ہے حضرت

ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا سب دنیا کے معابد سے اول معبد یہی ہے۔ اور نیز ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہیں رہتے ہیں ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ہمارے نبی کا مولد اور اسلام و برکات کا سرچشمہ بھی یہی ہے پھر تم بیہودہ لوگوں کے کہنے سے ہم اس کو کیوں غارت کرنے لگے تم خود ہی برباد ہو جاؤ گے جیسا کہ فی کبد میں اشارہ ہے اور نیز یہ بھی مناسبت ہے کہ سورۂ فجر میں بدوں پر دنیا اور آخرت میں عذاب نازل ہونا اور نیکوں کو راحت ملنا مذکور تھا جس سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ انسان دنیا میں محض عیش و کامرانی کے لیے نہیں بنایا گیا ہے جیسا کہ اور حیوانات ہیں جن کا کام صرف پیٹ بھر کر کھانا اور سو رہنا اور سرمستی کرنا ہے، نہ ان کو آئندہ کی فکر ہے نہ کوئی تدبیر درپیش ہے بلکہ انسان کو عقل و ادراک دیا گیا ہے اس لیے یہ مکلف ہے۔ اسی مضمون کو اس کے مناسب چند چیزوں کی قسم کھا کر لقد خلقنا الانسان فی کبد میں بیان فرماتا ہے۔

فقال لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد کہ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی اور تم کو اے محمدؐ! قید نہ رہے گی اس شہر میں، بلکہ یہاں کافروں سے لڑنا حلال ہوگا۔ گویا اس نزعہ کے وقت آپؐ کو بشارت دی جاتی ہے کہ گو یہ شہر مقدس ہے اس میں شکار کی بھی ممانعت ہے قتل و قصاص کیسا؟ لیکن ان بدبختوں کی شرارت کے سبب ایک بار آپ کو ان سے انتقام لینا اور ان کو سرکشی کی سزا دینا اس شہر میں حلال ہو جائے گا، چنانچہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ یہ شہر محرم ہے، اللہ نے اس کی حرمت قائم کی ہے، قیامت تک نہ یہاں شکار کھیلا جائے نہ گھاس کاٹی جائے، صرف میرے لیے ایک ساعت کے لیے یہاں کفار سے جنگ کرنا حلال ہوا ہے لیکن پھر اس کی وہی حرمت عود کر آئی ہے۔ (یہ معنی ہیں ابن عباس و سعید ابن جبیر و ابی صالح و عطیہ و ضحاک و قتادہ و سدی و ابن زید کے نزدیک)

اس میں ان کے اس شبہ کا جواب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ پھر مکہ کیوں نہیں ہلاک کیا جاتا؟ یعنی صبر کرو ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مباح ہوا جاتا ہے تمہاری گردنیں ماری جاتی ہیں۔ اس پیشین گوئی کو خدا تعالیٰ نے فتح مکہ کے روز سچا کر دیا آپؐ شوکت و جلال سے یہاں آئے اور دشمنانِ خدا سے انتقام لیا گیا

بعض علماء اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس شہر مقدس کی قسم کھاتا ہوں کیوں کہ یہاں جانوروں پر بھی ظلم ممنوع ہے، سب کو امن ہے کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں نہیں مارتا یہ سب کچھ ہے مگر وانت حل بھذا البلد تم نے ہی اس شہر میں حلال ہو، تمہارے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں، ظلم و ستم مار دھاڑ سب تم سے روا ہے؟ گویا یہ قریش مکہ پر تعریض ہے کہ اور چیزوں کا مارنا تو ممنوع مگر ہمارے نبی معصوم کا خون مباح اور حلال یہ کیا انصاف اور کونسی عقل ہے؟

بعض علماء حل کے معنی کہتے ہیں مقیم کہ ہمیں اس شہر کی قسم جب کہ تم اس میں مقیم ہو، اس کی برکت و حرمت زیادہ تمہارے سبب سے ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں لا نفی کے لیے ہے کہ جس وقت آپ اس شہر میں ہیں ہم کو اس کی قسم کھانے کی حاجت نہیں بلکہ آپ کی کھانی چاہیے کیوں کہ تم ہی تو اس شہر کی برکت اور روحِ رواں ہو اور لطف یہ کہ تمہیں پر یہ ظالم ظلم کر رہے ہیں۔

ووالد وما ولد اور قسم ہے والد کی اور اس کی جو اس سے پیدا ہوا۔ یہ عام ہے، بعض کہتے ہیں کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں ما ولد سے مراد ان کی اولاد۔

ان چیزوں کی قسم کھاکر فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی کبد کہ ہم نے انسان کو مصیبت و مشقت کے لیے بنایا ہے پھر اس پر یہ غرور اور سرکشی کہ خدا کے بندوں میں داخل ہونے سے دور بھاگتا ہے۔ یہ مناسبت ہے اس سورت کو سورۂ فجر سے۔

اس مضمون سے ان چیزوں کو کہ جن کی پہلے قسم کھائی یہ مناسبت ہے کہ شہر مجمع خلائق ہوتا ہے، حاجت ایک دوسرے سے تمدن میں پڑتی ہے، کوئی بے کار نہیں رہتا کوئی کپڑا بنتا ہے، تو کوئی بڑھئی کا کام کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس ہر ایک ایک نہ ایک دھندے اور مشقت میں ہے اور بالخصوص مکہ شہر جہاں اول تو اس کی پہاڑی اور ریگستانی زمین کی وجہ سے مشقت ہے، جہاں نہ کوئی باغ ہے نہ کھیتی نہ کنوؤں میں میٹھا پانی اور نیز گرم جگہ جہاں بادِ سموم چلا کرتی ہے اور جب سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اور بھی دین داروں کو مصیبت و مشقت ہو گئی، آئے دن کی مار پیٹ گالی گلوچ شروع ہو گیا تھا، اور والد اپنی اولاد سے مشقت اور فکرِ معیشت اور تدبیرِ تربیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ بچوں کی بیماریاں اور پھر جوان ہو کر مر جانے کے صدمے اور پھر نالائق اٹھنے کے دکھ باپ ہی سے پوچھنے چاہییں اور اس پر ان کے لیے رزق و آسائش کے سامان بہم پہنچانے اور ان کو آرام دینے آپ دکھ اٹھانے کا حال بھی ہر ایک صاحبِ اولاد پر ظاہر ہے، اور بچہ بھی دنیا میں آکر کیسے کیسے مصائب اٹھاتا ہے، نو مہینے رحم میں خون کھاکر تنگ رستہ سے نکلنا، پھر دانتوں کی تکلیف، آنکھوں کی تکلیف اور صدہا تکالیف ہیں کہ جو ضعیف البنیان بچوں کو ان کی جسمانی حالت سے پہنچتی ہیں اور ماں باپ کو روحانی صدمہ ہوتا ہے اس لیے یہ فرمانا کہ انسان کو مشقت و مصیبت کے لیے پیدا کیا ہے بہت ٹھیک ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے:

؎

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنستے ہی رو دیا ہوگا
دل زمانے کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہوگا جو بچ رہا ہوگا

اس مشقت کی تصویر بعض اکابر نے یوں کھینچی ہے کہ اول تو انسان کی خلقت ہی میں آب باد خاک آتش ایسی چار چیزیں متضاد جمع ہیں کہ ہر ایک کا غلبہ اعتدال سے دور کر کے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا ہے ؎

گر یکے زیں چہار شد غالب
جانِ شیریں برآید از قالب

دوم رحم میں محبوس ہونے اور طرح طرح کے مصائب اٹھانے کی مشقت۔

سوم باہر آنے کی مشقت۔

چہارم لڑکپن میں ضعیف البنیان ہونے کے سبب طرح طرح کے امراض کی مشقت کہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔

پنجم دانتوں کے نکلنے کی مشقت۔

ششم مکتب و مدارس میں تعلیم کی مصیبت۔

ہفتم جب عقل و بلوغ کی بیڑی پاؤں میں پڑی تو قوائے شہوانیہ و سبعیہ وحرص اور ان کے ثمرات کی ایسی مشقت کہ الٰہی توبہ، ایک ذرا سی دیر کے مزے کے لیے عزت مال تن درستی دین سب کو خیرباد کرتا ہے اور رسوائے خلائق ہوتا ہے، پھر غصہ ہے کہ شیر بھیڑیا بنا کر مخلوقِ الٰہی کے درپے آزار کرتا ہے جس سے خلق کی بدگوئی اور دنیا کی نفرینیاں اس کو نصیب ہوتی ہیں۔ پھر کبھی حرص و طمع چند دانوں (یعنی غلہ) کے لیے سخت گرمی اور سردی برسات اور خشکی میں آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی، بیلوں کے پیچھے دوڑاتی ہے، چند روپیوں کے لیے فوج میں نوکر ہو کر کیا کیا مصائب دیکھ کر سر کٹواتا ہے، چند پیسوں کے لیے دن بھر دوکان یا

کارخانہ میں مقید رہتا ہے، پھر حرص وحسد کی آگ ہمیشہ دل میں شعلے مارتی رہتی ہے۔ جو کچھ نعمتیں اس کو میسر ہیں ان کا مزہ اور ان سے تمتع بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پھر حب جاہ و مال اور نام آوری کی حرص ہوئی تو اس کو ایسے ایسے ہولناک گڑھے جھکواتی ہے۔

ہشتم طبیعت کی عقل ودین سے لڑائی کی مصیبت، عقل کہتی ہے یہ کام نہ کر اس میں تیری رسوائی اور سخت نقصان ہے مگر طبیعت نہیں مانتی۔ دین یا الہام الٰہی کہتا ہے کچھ آخرت کا توشہ ساتھ لے تجھے یہاں سے بہت جلد جانا ہے اور ایسا جانا کہ پھر کر نہیں آنا ہوگا۔ عبادت کر، خیرات کر، خلق خدا کے ساتھ نیکی کر، صداقت و بردباری اپنا شیوہ بنا، مسافرانہ زندگی بسر کر۔ مگر کم بخت طبیعت ادھر نہیں آنے دیتی۔ حرام کاری فسق وفجور سے شرع روک رہی ہے طبیعت اُبھار رہی ہے صبح کو بفتوائے شرع وخرد توبہ کرتا ہے، رات کو بحکم نفس اس کو توڑ کر جو نہیں کرنا وہ کرتا ہے۔

یہ تو وہ مصائب تھے جو خاص اس کی ذات سے متعلق تھے، اب جن میں دوسروں کا بھی تعلق ہے وہ سنیے۔ رعیت کو بادشاہ کی اطاعت بلکہ غلامی اور کار بیگار وخراج وٹیکس کی مصیبت، بادشاہ کو جہانداری وحفظِ سلطنت کی مصیبت، نوکر کو آقا کی اطاعت کی مشقت، آقا کو اپنے ملازمین کی نگہداشت اور تمرد وخیانت کی مشقت، بیوی کو میاں کی اطاعت وبچہ کشی کی مشقت، میاں کو بیوی کے اخلاقِ بد اور خیانتِ مال یا اس کے جا بے جا مصارف اور فرمائشات کے برداشت کرنے کی مشقت، ماں باپ کو اولاد کی پرورش اور بیماری میں ان کے درد وغم کھانے کی مشقت، اولاد پر مادر پدر کی خدمت واطاعت کی مشقت، پھر احباب وہم وطن وہمسایوں کے خوش رکھنے کی مشقت۔

یہ تو دنیا کی مشقتیں تھیں، اب آگے کی سنیے۔ نزع کی مشقت، قبر کی تنگی اور مفارقتِ مال واولاد واحبہ کی مشقت پھر اگر شقی ازلی ہے تو ابدی جہنم کی مشقت اور مصیبت پر مصیبت۔

کبد بفتح ب بمعنی مشقت اور بکسر ب بمعنی جگر۔ جگر غذا کے پکانے اور خون بنا کر اعضاء میں تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہے۔

ابن مسعود وابن عباس وعکرمہ ومجاہد وابراہیم نخعی اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ انسان برابر پیدا کیا گیا اس کی آفرینش میں کوئی، اندھا نہیں، اپاہج نہیں۔ سمجھ بوجھ سب کچھ دیا گیا ہے پھر کیوں ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے میرے نیک بندوں میں داخل نہیں ہوتا۔

اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ

کیا وہ (یہ) سمجھ رہا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہ

اَحَدٌ ﴿۵﴾ یَقُوۡلُ اَهۡلَكۡتُ

آئے گا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں

مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَیَحۡسَبُ اَنۡ

مال اُڑا دیا کیا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ

لَّمۡ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾

اس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

وقف لازم

ترکیب

ا، الهمزة للاستفهام الانکاری یحسب فاعله الضمیر یرجع الی الانسان ان مخففة من الثقیلة واسمها ضمیر الشان مقدر والجملة مفعول یحسب یقول جملة مستانفة

اھلکت صرفت لبدا صفۃ مالا قال ابوعبیدۃ لبد فعل من التلبید وھو المال الکثیر بعضہ علی بعض وقال الفرا جمع لبدۃ وقال بعضھم ھو واحد۔ الاستفہام للانکار ان اٰہ لویرہ احد خبران والجملۃ مفعول یحسب۔

تفسیر

یعنی باوجودیکہ انسان مصائب کش پیدا ہوا ہے سدا کا دُکھیا ہے[۱]، پھر اس پر بھی اس کو یہ غرور و پندار ہے ایحسب ان لن یقدر علیہ احد کیا یہ خیال کر رہا ہے کہ مجھ پر کوئی قابو نہیں پائے گا، میرے اعمالِ بد کی سزا مجھے کوئی نہیں دے گا، جو چاہوں کروں۔ گویا حشر کا انکار کرتا ہے اور دنیا میں بھی اعمالِ بد کی سزا کا منکر ہے اور اپنی تھوڑی سی کامیابی اور دنیاوی اسباب پر یہ گھمنڈ کرتا ہے۔ مکہ کے بعض کفار تو اپنے مال و اولاد کے گھمنڈ پر خدا تعالیٰ کے زواجر سن کر صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ وہ اور ہی لوگ تھے جن کو خدا نے غارت کر دیا ہم پر کون قادر ہو سکتا ہے کس کا قابو چل سکتا ہے۔

یقول اھلکت مالا لبدا کہتا ہے کہ میں نے اپنی حفاظت میں بہت سا مال صرف کر دیا ہے، بڑے عمدہ گھوڑے لڑائی کے قابل اور بڑے عمدہ ہتیار خریدے ہیں، بہت لوگوں کو کھلا پلا کر تنخواہیں دے کر تیار کیا ہے، پھر وہ بوقتِ مقابلہ ہمارے ساتھ ہیں۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دین الٰہی کے برباد کرنے کے لیے بھی وہ بہت کچھ خرچ کرتے تھے۔

اور لوگ بھی گو صاف یہ نہیں کہتے مگر ان کی حالتِ تکبر اور معاصی پر اصرار یہی کہہ رہا ہے۔ دنیاوی بادشاہ اپنی فوجوں اور اعوان و انصار و اسلحہ و آلات پر نازاں ہوا کرتے ہیں جن پر بے شمار روپیہ صرف کر چکے ہیں کروڑہا روپیہ سے جنگی جہاز اور عمدہ توپ خانے اور کیا کیا سامان بہم پہنچائے اور اس زور میں آکر کفر بکتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمیں کون مغلوب کر سکتا ہے حالانکہ روزمرہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ بالکل بس میں ہیں۔

یہ جملہ یقول اھلکت اس کے گمان کرنے کی وجہ ہے یعنی اس لیے گمان کرتا ہے کہ اس کا اعتماد عزت و جاہ پر ہے جو مال صرف کرنے سے پیدا کیا ہے اور بعض تو اپنے آلہۂ باطلہ کے نذر و نیاز میں صرف کرنے کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں دیوی اور دیوتا کی نذر و نیاز میں میں نے ڈھیروں خرچ کر دیا ہے وہ میرے حامی ہیں ہمیں کوئی آسیب نہیں پہنچا۔

الغرض دنیاوی تحفظ و استحکام میں جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس کو اپنے قیام و دوام کا سبب جانتا ہے اور قادرِ حقیقی کی قدرتِ کاملہ پر غور نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا پھر اس کو کیا کر دیا کیا اس کی اول حالت کسی نے نہیں دیکھی؟ ایحسب ان لم یرہ احد ضرور دیکھی ہے وہ پہلے ایک قطرۂ منی تھا، پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ آپ اپنے منہ سے مکھیاں بھی نہ ہٹا سکتا تھا نہ کچھ ہوش و ادراک تھا، نہ اس کے پاس کچھ مال و زر تھا نہ کچھ زور و بل تھا پھر جس نے یہ زور و زر ہوش و ادراک عطا کیا۔ کیا وہ اس کو پھر لے نہیں سکتا؟ ضرور لے سکتا ہے، وہاں کچھ مال و زر کام نہیں آتا بڑے بڑے بادشاہ بڑے مال دار جب بیماری یا اور کسی آسمانی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو تمام مال و زر دھرا رہ جاتا ہے، پھر اس پر یہ غرور یہ سرکشی، اگلی آیات الم نجعل لہ عینین میں اسی بات کو بیان فرماتا ہے۔

[۱] وہ مصائب جو بندہ کے اعمالِ بد پر اس کی تنبیہ کے لیے نازل ہوتے ہیں ۱۲ منہ

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا

کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں اور ایک زبان

وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ

اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور اس کو ہم نے دونوں رستے بھی سمجھا دیے

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۖ ۙ وَمَآ اَدْرٰىكَ

پھر وہ گھاٹی میں نہ گھس پڑا اور تو کیا جانے

مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝۱۳ اَوْ

گھاٹی ہے کیا ؟ بردہ آزاد کرنا یا

اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ ۙ

بھوک کے دن کھانا کھلانا

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵ ۙ اَوْ مِسْكِيْنًا

قرابت دار یتیم کو یا خاکسار

ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶ ۭ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ

فقیر کو پھر اس گروہ میں سے ہوتا جو

اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

ایمان لائے اور وہ صبر اور رحم کرنے کی برابر تاکید

بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۷ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

کرتے رہے وہی لوگ مبارک ہیں اور

الْمَيْمَنَةِ ۝۱۸ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

خوش نصیب اور جو لوگ ہماری آیتوں کے

بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْــَٔمَةِ ۝۱۹ ۭ

منکر ہوئے وہی منحوس (و بدبخت) ہیں

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰ ۧ

وہی آگ میں بند کر دیے جائیں گے ⁂

ترکیب

الم نجعل الاستفهام للتقرير الجعل بمعنى الفعل فعينين مفعول له متعلق بنجعل ولسانا وشفتين معطوفان على العينين النجدين مفعول ثان لهديناه والضمير المنصوب مفعول اول۔ قال اهل العربية النجد الطريق فی الارتفاع فكانه لما وضحت الدلائل جعلت كالطريق المرتفعة العالية بسبب انها واضحة للعقول كوضوح الطريق العالی للابصار فالمراد بهما عند عامة المفسرين سبيلا الخير والشر وعن ابن عباس و عكرمة وسعيد بن المسيب والضحاک النجدان الثديان فهدى الله سبحانه فی بدء الولادة الطفل الثديين فلا اقتحم لا حرف للتحضيض والاقتحام الدخول فی الامر الشديد يقال قحم يقحم قحوما واقتحم اقتحاما وتقحم تقحما اذا ركب القحم وهی المهالک والامور العظام۔ العقبة مفعوله۔ وهی طريق فی الجبل الجمع العقب والعقاب۔ وهو مثل ضربه الله سبحانه لمجاهدة النفس والهوى فی اعمال الخير وكف النفس عن اللذات والشهوات الغير المرضية۔ فک رقبة الخ تفسير للعقبة وما ادراک جملة معترضة اوردت لبيان شان العقبة او اطعام عطف على فک رقبة وهما مصدران والتقدير هی فک او اطعام۔ وقيل هما فعلان ويؤيده ما بعدهما وهو قوله تعالىٰ ثم كان۔ ذی مسغبة صفة ليوم والسغب الجوع والساغب الجائع والمسغبة مفعلة منه يتيما مفعول اطعام وقرأ الحسن ذا مسغبة بالنصب على انه مفعول اطعام ای يطعمون ذا مسغبة ويتيما بدل منه۔ او مسكينا معطوف على يتيما ذا متربة صفة لمسكينا يقال ترب الرجل يترب تربا و ذا متربة اذا افتقر حتى لصق بالتراب ثم كان عطف على المنفی بلا وثم للتراخی فی الذكر لا فی الوجود كقوله ؎

ان من ساد ثم ساد ابوه

ثم قد ساد قبل ذلک جده

ع ۱ ۲۰ ۱۵

لم يرد بقوله ثم ساد ابوه التاخر فی الوجود وانما المعنى ثم اذكر انه ساد ابوه كذا المراد فی الآية وتواصوا معطوف

علی امنوا ای اوصی بعضھم بعضا بالصبر علی طاعۃ اللہ و عن معاصیہ وعلی ما اصابھم من البلایا والشدائد فی دین اللہ۔ موصدۃ ای مطبقۃ۔ مغلقۃ۔ یقال اصدت الباب واوصدتہ اذا اغلقتہ قرأ الجمھور بالواؤ وقری بالھمزۃ والمعنی واحد والمراد علیھم نار ابوابھا مغلقۃ لاتفتح ابدًا وقیل المراد احاطۃ النیران بھم من جمیع الجہات۔

تفسیر

فرماتا ہے الم نجعل لہ عینین کہ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں پیدا کر دیں؟ اس میں چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) اندھا نہیں ہے دیکھ سکتا ہے کہ ایسا ناپاک مال اور پاک بھی ہو تو اپنے نفس کو خوش کرنے والے کاموں میں صرف کرنا کوئی نیکی نہیں۔ ہر چند یہ بات محسوس نہیں مگر بمنزلہ محسوس کے ہے جس کو ہر ایک آنکھوں والا بخوبی دیکھ سکتا ہے۔

(۲) مال کے خرچ کرنے پر فخر بے جا ہے۔ مال حاصل کرنے کے آلات جن میں سے اعلیٰ چیزیں آنکھ اور زبان اور لب ہیں وہ تو ہم نے ہی پیدا کر دیے ہیں پھر اس نے کیا کمایا۔ اندھا اپاہج ہوتا تو کیا کماتا۔

(۳) آنکھیں ہیں تو جا کر دیکھ لے کہ اس سے پہلے لوگ عاد و ثمود جو اس سے کہیں زیادہ فخر و نام آوری تحفظ کے کاموں میں صرف کیا کرتے تھے ہلاک ہوئے۔

(۴) یہ سمجھنا کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا نہ میرے اسرار دل پر کوئی واقف ہے یہ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں پیدا کر دی ہیں جو سیاہ اور سفید میں فرق کر سکتی ہیں تو پھر ہمارے علم و بصیرت کی کیا انتہا ہے۔

صرف دو آنکھیں ہی نہیں پیدا کر دی ہیں بلکہ لسانا زبان بھی پیدا کر دی ہے خود عقل نہیں تو پوچھ دیکھے اور نیز یہ سمجھے کہ جس نے مجھے زبان عطا کی ہے جو میرے اندرونی اسرار کو ظاہر کرنے کا آلہ ہے تو کیا وہ اندرونی اسرار نہیں جان سکتا؟ اور نیز زبان ایک ایسا آلہ ہے کہ میٹھے اور کڑوے میں امتیاز کر دیتا ہے۔ تلخی اور شیرینی کے اقسام اور مراتب پہچان سکتا ہے، نعماء الٰہی کے کھانے پینے کا مزہ اسی سے وابستہ ہے، پھر انسان سمجھ لے کہ لسانِ غیب میرے اندرونی حالات کیوں کر نہ بیان کر دیگی اور زبانِ غیب نیک اور بد کاموں کا فرق کیوں کر نہ بیان کر دے گی، مگر سننے والے کے کان ہوں تو سُن لے کہ ہر دم لسانِ غیب سے کیا آوازیں آیا کرتی ہیں۔

اور صرف زبان ہی پر بس نہیں کی شفتین دو ہونٹ بھی بنا دیے جن سے تکلم میں مدد پہنچتی ہے اور جن سے چوسنے اور پھونکنے کا کام چلتا ہے۔ اور یہ دونوں منہ کے دو کواڑ بھی ہیں اور چہرہ کی خوش نمائی بھی۔

خلاصہ یہ کہ انسان کی قوت و اکتساب کے آلات آنکھیں زبان لب ہم نے پیدا کیے ہیں پھر اس کو کاہے پر غرور ہے؟ اور نیز یہ سعادت حاصل کرنے کے آلات ہیں ان کو کیوں کام میں نہیں لاتا کیوں بری جگہ استعمال کرتا ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ دو آنکھ ایک زبان پیدا کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا دیکھنا عام ہے، خیر کو بھی دیکھتا ہے شر کو بھی مگر کہنا خاص ہی رہنا چاہیے صرف خیر کا کلمہ منہ سے نکالنا چاہیے بُری بات منہ سے نہ نکالے۔ اور نیز دو ہونٹ اس کے دو کواڑ ہیں جو ہر وقت اس پر مؤکل ہیں کہ دیکھ جو کچھ کہنا ہو سمجھ کر کہیو، نیک بات کہیو کس لیے کہ تُو دل کی کنجی شمار ہوتی ہے۔

ترمذی نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت نجات کس چیز میں ہے؟ فرمایا کہ اپنی زبان بند کر اور گھر میں گوشہ نشین بن کر بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زبان سانپ ہے اس کا گھر منہ ہے۔ اس لیے کوئی شاعر کہتا ہے ؎

احفظ لسانک ایہا الانسان
لا یلدغنک انہ ثعبان

کہ اے انسان اپنی زبان کو حفاظت سے رکھ' یہ سانپ ہے کہیں یہ تجھے ڈس نہ لے۔

حفظِ لسان اور کم گوئی کے فوائد اور زیادہ گوئی کے نقصان علماء و حکماء نے نظم و نثر میں بہت بیان کیے ہیں' احادیثِ صحیحہ میں سب سے زیادہ مذکور ہیں۔

ف ان اعضاء کے یہاں ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اس وقت اس کی غذا صرف ماں کا دودھ ہی ہوتی ہے' اس کے پینے میں یہ اعضاء کام آتے ہیں' پھر جب وہ اپنی غذا پر قادر نہ تھا تو اور مال اس نے اپنی ہمت اور کوشش سے بغیر ہماری مدد کے کیونکر پیدا کر لیا جس کے خرچ کرنے کا فخر کرتا ہے۔

اور ان اعضاء ہی پر بس نہیں بلکہ وھدینہ النجدین[1] اس کو نیکی اور بدی کے دو رستے بھی سجھا دیے۔ مضر اور مفید کی پہچان عطا کر دی' دنیاوی امور سے لے کر اخروی تک سب کو انسان (بشرطیکہ تھوڑی دیر کے لیے شیطانی عوارض دور ہو جائیں) بخوبی پہچان سکتا ہے' خود اس کا دل فتویٰ دے سکتا ہے کہ یہ نیکی ہے یہ بدی ہے' اس جگہ مال خرچ کرنا حق سبحانہ کی خوشنودی کا باعث ہے کہ نہیں' پھر کیوں عذر کرتا ہے کہ مجھے نیکی کا رستہ معلوم نہیں۔

بعض علماء نجدین سے مراد دو پستان لیتے ہیں کہ یہ بھی تتمہ ہے بیانِ سابق کا کہ ہم نے دودھ پینے کے آلات عطا کیے اور ماں کی چھاتیاں بنائی ہیں خود ملہمِ غیبی کے کہنے سے بچہ ماں کی چھاتیوں کی طرف قصد کرتا ہے۔

پھر جب نیکی اور بدی کے دو بلند نشان بتا دیے تو فلا اقتحم العقبۃ[2] پھر نیکی کی گھاٹی میں کیوں نہیں گھستا۔ اس سخت اور اونچی چڑھائی پر کیوں نہیں چڑھتا جس پر چڑھنا نفس کے خلاف ہے اور بدی کا رستہ خواہشِ نفسانی کے موافق ہوتا ہے اس لیے اس پر چلنا آسان معلوم ہوتا ہے مگر اس میدانِ دشوار گزار کو وہی طے کرتے ہیں جو جوانمرد ہیں اور جن کی تقدیر میں سعادتِ ازلی ہے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں درنمے آید سواراں را چہ شد

یہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے کیونکہ اس میں سے گزرنا نفس کے خلاف ہے اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما العقبۃ اور اے انسان تجھے کیا معلوم کہ وہ

---

[1] نجد بلند جگہ اس کی جمع نجود آتی ہے۔ اور ملک نجد کو اس لیے نجد کہتے ہیں کہ وہ تہامہ سے بلند قطعۂ زمین پر ہے اس لیے پستان کو نجدین سے تعبیر کرنا بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اور خیر و شر کے دلائل واضح ہونے کے سبب بھی ان کو دو بلند رستوں سے تشبیہ دینا ٹھیک ہے جو ہر ایک اہلِ بصیرت کو دکھائی دیتے ہیں ۱۲ منہ

[2] عقبہ پہاڑ کا رستہ (درہ) جس کی جمع عقب و عقاب آتی ہے اس سے مراد نیکی کا دشوار گزار رستہ ہے اس دشواری اور بلندی کی وجہ سے راہِ ہدایت کو عقبہ سے بطور تمثیل کے بیان کیا ہے یعنی استعارہ ہے اور نجدین ذکر کرنے کے بعد عقبہ کا ذکر ترشیح ہے ۱۲ منہ

گھاٹی ہے کیا۔ پھر آپ ہی بیان فرماتا ہے فک رقبۃ اب نیکی کے اقسام ارشاد ہوتے ہیں۔

اول فک رقبۃ ہے یعنی گردن کا چھڑانا۔ یہ لفظ عام ہے اس میں کئی معنی ہیں۔

(۱) غلام کا آزاد کر دینا یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کرا دینا، عرب میں غلاموں پر ایام جاہلیت میں بڑی سختی ہوتی تھی، ان کو بہائم کے مرتبہ میں رکھ کر سخت مشقت کے کام لیا کرتے تھے، اسلام نے اس رسم میں بھی اصلاح کی، اول تو آزادی کی بڑی ترغیب دلائی اور جو کسی کے پاس رہ جائے تو اس کے ایسے حقوق قائم کیے کہ پھر غلام کو غلامی میں آزادی ہے، کوئی تکلیفِ سخت باقی نہیں رہتی۔

(۲) جو کوئی قصاص میں گرفتار ہو اس کا خون بہا ادا کر کے اس کو آزادی دلانا۔

(۳) کسی نادار قرض دار کو قرضہ معاف کر کے خود آزادی دینا یا ادا کر کے اس کی گردن کو اس سخت پھندے سے چھڑا دینا۔

(۴) کوئی ظالم زبردستی اور ناحق کسی کو بیگار رقید میں پکڑ لے اس کی خلاصی کرانا خواہ بقوتِ بازو خواہ مال دے کر۔

(۵) اپنے آپ کو حقوق العباد و حقوق اللہ سے ادا کر کے رہائی دلانا، اپنی گردن میں سے یہ پھندا نکالنا بھی حریتِ کبریٰ اور اصل آزادی ہے جس کے بعد سعادتِ عظمیٰ ہے۔ ورنہ غلامی کی قید میں پڑا ہوا ہے۔ یہ کام ہیں مال صرف کرنے کے۔

قسم دوم او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یا کھانا کھلانا احتیاج کے دن۔ جیسا کہ ایام قحط میں یا کسی سبب سے غلہ نہ ملتا ہو ایسے وقت بھوکے کو کھانا کھلانا ہزار روپیہ دینے سے بہتر ہے۔ ع

شلغم پختہ بہ کہ نقرۂ خام

اس میں کوئی ہو مگر یتیما یتیم کو کھانا کھلانا اور بھی بہتر ہے کس لیے کہ اس کا کوئی سرپرست نہیں نہ اس کی صغرسنی کی وجہ سے اس سے کوئی توقع ہے نہ اس کی مدح سے دل خوش ہوتا ہے۔

اور یتیموں میں بھی ذا مقربۃ اہلِ قرابت ہو جیسا کہ چچا کا بیٹا یا بھتیجا یا بھانجا یا خالہ زادہ یا ماموں زاد بھائی ہو کیوں کہ ان پر رحم کھانے اور کھانا کھلانے میں صلہ رحمی بھی ہے، کسی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے عمدہ کام دریافت کیے تو فرمایا کھانا کھلانا، سلام کرنا، خواہ کسی کو جانے یا نہ جانے اور رات میں جب کہ لوگ پڑے سوتے ہوں نماز پڑھنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید عمدہ موقع بتلانے کے لیے ہے۔

اور کس کو او مسکینا ذا متربۃ یا فقیر حاجت مند کو کہ فقر و فاقہ نے اس کو خاک پر بٹھا دیا ہو۔ کیوں کہ جب یہ حالت پہنچ جاتی ہے تو اس سے کوئی دنیاوی توقع باقی نہیں رہتی۔ اس وقت جو کھلایا پلایا جائے گا خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہوگا۔ یوں تو وہ بھی مسکین ہے کہ جس کا خرچ اس کی آمد سے بڑھا ہوا ہے یا بالفعل اس کے پاس کچھ نہیں، لیکن امید ہے۔ اس کا کھلانا بھی بہتر ہے مگر پہلا موقع اس سے بھی بہتر ہے۔

یہ ہے مال صرف کرنے کا عمدہ موقع نہ وہ کہ جس کو وہ دولت مند سمجھ رہا تھا نام آوری تن پروری میں صرف کرنا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ صرف مالی عبادت کے بعض عمدہ مواقع بتلائے گئے جن میں کسی مذہب و ملت کو بھی اختلاف نہیں مگر یہ اعمال جب ہی مقبول ہوتے ہیں کہ جب ایمان بھی ہو کس لیے کہ قوتِ عملیہ کی تکمیل قوتِ نظریہ کی تکمیل پر موقوف ہے، اس لیے اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا ثم کان من الذین امنوا یعنی باایں ہمہ

پھر وہ ایمان داروں میں سے بھی ہو کیوں کہ بغیر ایمان کے کوئی نیکی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوتی، ایمان جڑ ہے، ایمان ہی بنیاد ہے۔ اعمالِ صالحہ اس پر عمارت ہے کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں رہ سکتی۔

ف لفظِ ثم اس مقام پر تراخیٔ ذکر کے لیے ہے یعنی ان سب باتوں کے ذکر کرنے کے بعد میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایمان دار بھی ہونا چاہیے۔

ف بعض علماء فرماتے ہیں کہ ثم اس جگہ تاخیرِ وقوع کے لیے ہے یعنی اعمالِ خیر کفار کے توقف میں رہتے ہیں، اگر اخیر میں ایمان لے آیا تو یہ اعمال قبول ہو جاتے ہیں ورنہ مردود۔ چنانچہ حکیم بن حزام نے اسلام لانے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے حالتِ کفر میں بھی بہت کچھ نیک کام کیے ہیں، آپ نے فرمایا تیرے تیرے ایمان نے ان سب کو نیک اور مقبول کر دیا۔

الحاصل عقبہ سعادت کی گھاٹی میں سے گزرنا نہ صرف بردہ آزاد کرنا، یتیموں کو مسکینوں کو مصیبت کے دن کھانا کھلانا ہے بلکہ اس کے ساتھ ان لوگوں کے زمرے میں بھی داخل ہونا ہے جو ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس کر کے نہ بیٹھ رہے بلکہ ہر ایک قسم کی نیکی خود بھی کی اور لوگوں کو بھی تاکید کی خصوصاً دنیا سے چلتے وقت۔

وتواصوا بالصبر صبر کرنے کی وصیت اور تاکید کر چلے۔ اور صبر ہی پر موقوف نہیں بلکہ وتواصوا بالمرحمۃ ایک دوسرے سے باہم مہربانی اور نرمی اور رحم دلی کرنے کی بھی تاکید کر چلے۔

صبر نفس کو بے جا خواہشوں سے روکنا، راہِ راست پر ثابت قدم رہنا۔

صبر کے محامد قرآن مجید میں بکثرت وارد ہیں۔ ازاں جملہ یہ ہے فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ازاں جملہ یہ ہے یاایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ازاں جملہ یہ ہے ان اللہ مع الصٰبرین ازاں جملہ یہ ہے انما یوفی الصٰبرون اجرھم بغیر حساب ازاں جملہ یہ ہے وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا۔ وغیرہا من الآیات۔ اور احادیثِ صحیحہ میں بھی اس کے بہت کچھ محامد مذکور ہیں۔

واضح ہو کہ انسان کے اندر تین قوتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تیز ہو جاتی ہیں تو اس کو راہِ راست سے ادھر ادھر گھسیٹ لے جاتی ہیں، ان سے نفس کو روکنا صبر ہے۔

صبر کی اقسام

اوّل قوتِ شہوانیہ۔ کھانے پینے جماع کے متعلق۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی ایک قسم کا صبر ہے جس کو عفت اور اس کے خلاف کو فجور کہتے ہیں۔ پس جو چیزیں نہ کھانی پینی چاہییں انہیں نہ کھائے پیے جیسا کہ شراب و سور و رشوت اور جملہ ناجائز کمائی کا مال یا بے گانہ حق یا یتیم کا مال۔ اور جن جگہوں پر اس کو ازار کھولنا نہ چاہیے وہاں نہ کھولے جس سے زنا اور اغلام اور ہر قسم کی بدکاری ممنوع ہو گئی۔ بلکہ جو ان چیزوں کی طرف رغبت دلانے والی چیزیں ہیں جیسا کہ ناچ اور نا محارم کے ساتھ اختلاط اور فحش قصے اور ناہنجاروں کی صحبت۔ ان سے بھی دور اور نفور رہے۔

دوسری قسم قوتِ غضبیہ ہے جس سے ظلم و ستم برپا ہوتے ہیں، اس کی لگام بھی بڑے زور سے روکنی چاہیے، یہ دوسری قسم کا صبر ہے۔ غصہ کا تھامنا اور انتقام سے درگزر کرنا بھی بڑے جواں مردوں کا کام ہے۔ کسی نے گالی دی یا برا کہا اس کو سن کر جو نفس کو ہیجان ہوتا ہے اس کا تھامنا بھی صبر ہے، اسی بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولمن صبر وغفر الخ اور اس کو حلم کہتے ہیں۔ عالی حوصلہ انتقام لینے سے درگزر کرنے میں زیادہ لذت پاتے ہیں۔

تیسری قسم کی قوت طبعیہ ہے وہ بھی بہت دور و دراز کھینچ کرلے جاتی ہے۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی صبر ہے نیک کام میں خرچ نہ کرنا اس قوت کی بے صبری ہے جس کو بخل کہتے ہیں اور نیک راہ میں صرف کرنا سخاوت اور جود ہے، اور اسی طرح یہ قوت خیانت اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے کی طرف اُبھارا کرتی ہے۔ اس کے مقابلے میں نفس کو روکنا امانت وصیانت ہے، اور کبھی تجملاتِ دنیا کے حاصل کرنے کی طرف بلاتی ہے جس کو حرص کہتے ہیں، اس کے مقابلہ میں نفسِ سرکش کی مُہارِ تھامنا زہد وقناعت کہلاتا ہے جو ایک قسم کا صبر ہے یہ۔

چوتھی قسم اس کے علاوہ مصائب اور تکالیف کی برداشت کرنا اور جزع وفزع نہ کرنا اور دین پر ثابت قدم رہنا چوتھی قسم کا صبر ہے جیساکہ اللہ کی راہ میں دور دراز کا سفر اختیار کرنا اور سفر اور دھوپ اور بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھانا یا اعدائے دین کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ان سے خوف نہ کرنا۔

پانچویں قسم یہ ہے کہ نفسِ خبیث کو ریاضاتِ شاقہ وعبادات پر لانا اور اس کی خواہشوں سے روکنا بھی صبر ہے روزہ میں بھوک پیاس کی برداشت کرنا، نیند کا غلبہ ہے مگر نماز کی طرف آنا، نہانے اور وضو کرنے سے دل ڈرتا ہے مگر اس کے مقابلے میں نہانا وضو کرنا صبر ہے۔

چھٹی قسم کا صبر رضا بقضا ہے۔

مرحمت کے فضائل

اسی طرح مرحمت بھی صدہا خصائلِ حمیدہ کا رکنِ اعظم ہے۔ یتیموں پر شفقت، چھوٹوں پر مہربانی، بے کسوں بیواؤں بے زبانوں کی چارہ سازی، قوم اور ملک کے ساتھ بھلائی کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، بیماروں کی دوا کرنا، ننگوں کو کپڑا پہنانا، بھولوں کو رستہ بتانا درماندوں کی ان کے کاموں میں مدد کر دینا وغیرہ سب مرحمت کی شاخیں ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (رواہ ابوداؤد والترمذی) کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحمت کرتا ہے زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے جب تک کوئی بھی مومن (کامل) نہیں ہوتا جب تک کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اپنے بھائی کے لیے نہ چاہے (متفق علیہ)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم اور بڑے کی توقیر نہ کرے (رواہ الترمذی)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان داروں کو تو باہمی رحم دلی اور محبت ونرمی میں ایسا پائے گا کہ جیسا ایک جسم جس کا ایک عضو بیمار ہو جائے تو دوسرے اعضاء میں بھی درد وبخار پیدا ہو جاتا ہے (متفق علیہ) ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

تمام نیکیوں کی یہی دو چیز اصل ہیں اول تعظیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم شفقت برخلق اللہ جس کو مرحمت سے تعبیر کیا۔

جو لوگ ان اوصافِ حمیدہ سے موصوف ہیں اولئک اصحب المیمنۃ وہی لوگ یمن اور برکت والے ہیں ان کی

تاکیدِ صبر و تاکیدِ مرحمت کا نفع ان کی حیات میں اور ان کے بعد میں ان کو بھی اور بندگانِ خدا کو بھی پہنچتا رہے گا اور پہنچتا ہے۔

بعض علماء میمنہ کو یمین جانبِ راست سے لیتے ہیں یعنی وہ دائیں والے ہیں۔ تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے، اور یہ جگہ اہلِ سعادت کی ہے۔ عرب دائیں جانب کو متبرک اور بائیں کو زبون سمجھا کرتے ہیں۔

ان اہلِ کمال کے بعد ازلی بدبختوں کا حال بیان فرماتا ہے والذین کفروا بایٰتنا کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، اور ہماری آیات میں مکارمِ اخلاق اور حسنات کی تاکید اور قبائح کی مذمت ہے پھر وہ ان پر عمل سے بھی محروم رہے، اخلاقِ ذمیمہ اور طرح طرح کی سیئات کے امراضِ روحانی میں مبتلا رہے۔

ہم اصحٰب المشئمۃ وہی شامت اور بدبختی والے ہیں ان کے بداخلاق کی نحوست نے ان کو ہر طرف سے احاطہ کر لیا اگر مشئمۃ کو بمعنی چپ یعنی بائیں کے لیے جائیں تو بھی ممکن ہے کیوں کہ بائیں جانب والے بدبخت اور مشئوم اور نامبارک لوگ ہیں۔

ان کے یہ اخلاقِ ذمیمہ اور ناپاک عقائد اور یہ کفر و بت پرستی جو یہاں ان پر محیط ہے وہاں آگ بن جائے گی علیھم نار مؤصدۃ اور سرپوش بنا کر ڈھانک دی جائے گی۔ جس طرح یہ دنیا میں ان آتشیں ملکات و افعال و عقائد سے نہ نکلتے تھے وہاں بھی کبھی نہ نکلیں گے، اعوذ باللہ من النار۔

سُورۂ شمس

مکہ میں نازل ہوئی اس میں پندرہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا (۱) وَالْقَمَرِ
قسم ہے آفتاب اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی

إِذَا تَلٰهَا (۲) وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰهَا (۳)
جب کہ اس کے پیچھے چلے اور قسم دن کی جب کہ آفتاب کو نمایاں کرے

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰهَا (۴) وَالسَّمَاءِ
اور قسم رات کی جب کہ آفتاب کو چھپا لے اور قسم ہے آسمان کی

وَمَا بَنٰهَا (۵) وَالْأَرْضِ وَمَا
اور اس کے بنانے والے کی اور قسم ہے زمین کی اور اس کے

طَحٰهَا (۶) وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا (۷)
بچھانے والے کی اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ جس نے اس کو درست بنایا

فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (۸)
پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (۹) وَ
بے شک وہ کامیاب ہوا کہ جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا اور

قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (۱۰)
بے شک وہ غارت ہوا کہ جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔

ترکیب

والشمس الواو للقسم[1] جارۃ وضحٰھا وما بعدھا عطف علی الشمس اذا تلٰھا وکذا اذا یغشٰھا الظرف معمول للقسم ای

[1] اس جگہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ واوات یا عطف کے لیے ہیں یا قسم کے لیے۔ اگر عطف کے لیے ہیں تو لازم آتا ہے العطف علی معمولی عاملین مختلفین (یعنی دو مختلف عاملوں کا (باقی بر صفحہ آئندہ)

اقسم اذا تلٰہا واقسم اذا یغشٰہا۔ والضمیر فی تلٰہا راجع الی الشمس۔ ومعناہ اذا تبعہا وذلک بان یطلع القمر بعد غروب الشمس یقال تلا یتلو اذا تبع۔ وذلک فی النصف الاول من الشہر اذا غربت الشمس تلاہا القمر فی الاضاءۃ وکذا الضمیر فی اذا جلاہا ویغشاہا راجع الی الشمس لان الشمس عند انبساط النہار تجلی تمام الانجلاء وکذا عند مجیٔ الیل تغشی الشمس یذہب ضوءہا فالاسناد فی جلا ویغشی مجازی وما بنٰہا مصدریۃ ای اقسم بالسماء وبناءہا اذا بناء السماء بالرفعۃ والاستدارۃ امر عجیب وقیل موصولۃ بمعنی من اقسم بالسماء وبمن بناہا و ایثار ما علی من لارادۃ الوصفیۃ لقصد التفخیم۔ والاول قول الفراء والزجاج والثانی قول ابی البقاء۔ وقس علیہ قولہ تعالی وما طحٰہا والطحو البسط من کل جانب کما فی قولہ دحاہا ومعناہما واحد وقیل معنی طحاہا قسمہا وخلقہا وقال ابوعمرو بن العلاء طحا الرجل اذا ذہب فی الارض یقال ما ادری این طحا و یقال طحا بہ قلبہ اذا ذہب بہ ومنہ قول الشاعر ؎

طحا بک قلب فی الحسان طروب
بعید الشباب عصر حان مشیب

وکذا قولہ تعالی وما سوٰہا فالہمہا عطف علی سوٰہا و جواب القسم عند الجمہور قولہ تعالی قد افلح الخ قال النحاۃ ان الماضی المثبت المتصرف الذی لم یتقدم معمولہ اذا وقع جوابا للقسم تلزمہ اللام وقد ولا یجوز الاقتصار علی احدہما الا عند الضرورۃ او طول الکلام وہہنا طول الکلام حذف اللام۔ ودسّٰہا اصلہ دسسہا فابدلت السین الاخیرۃ الفاء ومعنی التدسیس الاخفاء۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی پندرہ آیات ہیں۔

احمد و ترمذی ونسائی نے بریدہؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں والشمس وضحٰہا اور ایسی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نمازِ صبح میں والیل اذا یغشٰی والشمس وضحٰہا پڑھا کرے۔ عقبہ ابن عامر سے بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم صلوٰۃِ ضحیٰ[1] کی دو رکعتوں میں والشمس وضحٰہا اور والضحیٰ پڑھا کریں۔ اور حدیثِ جابرؓ میں بھی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو فرمایا تھا کہ کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ و الشمس وضحٰہا والیل اذا یغشٰی نہیں پڑھا کرتا۔

مناسبت اس کی سورۂ بلد سے یہ ہے کہ سورۂ بلد میں خیر و شر کی رہ نمائی کا ذکر تھا قال وھدینٰہ النجدین اسی طرح اس سورت میں بھی اشارہ ہوا فالہمہا فجورہا وتقوٰہا کہ ہر ایک کو ہم نے نیکوکاری و بدکاری سمجھادی، اور سب سے بڑھ کر مناسبت یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عطف معمولین مختلفہ پر ہے، اگر قسم کے لیے ہے تو یلزم تعدد القسم مع وحدۃ الجواب (تو اس صورت میں وحدتِ جواب مع تعدد قسم لازم آئے گا) اس کو خلیل وسیبویہ منع کرتے ہیں۔ پس بعض نحویوں نے شقِ ثانی (یعنی الواوات للقسم) کو اختیار کرکے جواب دیا ہے اور خلیل کے قول کو رد کردیا ہے بعضوں نے شقِ اول اختیار کرکے منع وارد کیا ہے ومنع لزوم المحذور بان تلک الواوات نوائب للواو الاولی القسمیۃ الجارۃ بنفسہا النائبۃ مناب فعل القسم فجاز ان تعمل الجر والنصب کالاصل ۱۲ حقانی

[1] یعنی چاشت کی نماز ۱۲ منہ

کہ خیر کی رہ نمائی میں آفتابِ نبوت کی روشنی درکار ہے کہ جس کے سبب نیک و بد میں تمیز کر سکے، اس لیے سورۂ بلد کے بعد سورۂ والشمس نازل ہوئی تاکہ معلوم رہے کہ شمس یعنی آفتاب کے بغیر جس طرح حیاتِ دنیاوی میں چارہ نہیں اسی طرح آفتابِ نبوت کے بغیر ہدایت کی راہ نہیں ملتی، اور اسی لیے اس سورت کا نام سورۂ شمس ہوا۔

انسان کو جو کچھ آفتاب اور ماہتاب اور دن اور رات اور آسمان و زمین کی حیاتِ دنیاوی میں احتیاج ہے اسی طرح اس کو جب کہ وہ دنیا کے کھیت میں آخرت کے لیے کچھ بونا چاہے تو آفتابِ نبوت اور اس کے متعلقات کی بھی حاجت ہے، اس لیے اس کا بیان کرنا بھی آفتاب کے ساتھ مناسب ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ دنیا میں کاشت کار کو ان چھے چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور اکثر انہیں پر انسانی قوت کا مدار ہوتا ہے۔

(۱) آفتاب کہ جس کی گرمی سے دانہ زمین میں پڑنے کے بعد پھوٹ کر باہر نکلتا ہے اور اس کی حرارت سے نشو و نما پاتا ہے اور اسی سے پھل اور پھول آتے ہیں اسی کی گردش سے موسم بدلتے ہیں۔

(۲) چاند جس کی رطوبت سے پھل پھولوں میں رس پڑتا ہے دریا میں جزر و مد پیدا ہوتا ہے اور اندھیرے میں وہ آفتاب کا خلیفہ بھی ہے۔

(۳) دن کہ جس میں کام کاج کیے جاتے ہیں۔

(۴) رات کہ جس میں آرام کرتے ہیں اور دن کی گرمی سے ٹھنڈک پاتے ہیں اور رات کی شبنم دن کی حرارت کا تدارک کرتی ہے۔

(۵) آسمان کہ نزولِ بارش وہیں سے ہے اور اسی میں آفتاب و ماہتاب ہیں۔

(۶) زمین کہ جس میں تخم ریزی ہوتی ہے بشرطیکہ قابل بھی ہو۔

اسی طرح انسان کو جو اس دنیا میں آخرت کی کھیتی کرنے آیا ہے ان چھے چیزوں کی ضرورت ہے۔

(۱) آفتابِ نبوت کی کہ اسی کی روشنی اور اسی کی گرمی سے سب کام بنتے ہیں۔

(۲) چاند۔ یعنی آفتابِ نبوت کے بعد اس کے جانشین اور نائب ضروری ہیں جو بمنزلہ چاند کے ہیں۔ جس طرح چاند کی روشنی آفتاب کا پرتو ہے اسی طرح حضرات اولیائے کرام و نائبانِ رسول علیہ السلام کی روشنی بھی انہیں کا پرتو ہے۔

(۳) دن یعنی وہ عمرِ گراں مایہ کا حصہ کہ جس میں کچھ کام کر سکے۔

(۴) رات یعنی اس کے دنیاوی کاروبار اور راحت کا وقت چوں کہ اس میں اللہ سے غفلت ہے اس لیے اس کو رات سے تشبیہ دی جاتی ہے، مگر نفسِ انسانی کو یہ وقت نہ ملے تو انوارِ دائمیہ اس کو سست و معطل کر دیں اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے عابد زاہد صحابی سے فرمایا تھا نہ وصل کہ سو بھی اور تہجد کی نماز بھی پڑھ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ان لنفسك عليك حقا الخ کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، اس کو بھی راحت دو پھر اس سے کام لو۔

(۵) آسمانِ شریعت جو اس کو جمیع اطراف سے محیط ہے اس کے عقائد و اعمال و احوال وہیں سے بارش کی طرح برستے ہیں، وہیں سے شوق کی ہوائیں چلا کرتی ہیں جو کوئی شریعت سے باہر ہو کر یہ کھیتی کرنا چاہے گویا آسمان سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے جو محال اور خیالِ باطل ہے۔

(۶) زمین وہ اس کی استعداد کی زمین ہے کہ جس قدر اس کی فراخی و صفائی ہے اسی قدر احوال و مقامات کا نشو و نما ہوتا ہے۔

لیکن ان چھے چیزوں میں سب سے عمدہ آفتاب ہے

جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں اس لیے اس سے ابتدا کی اور اس لیے سورت کا نام شمس ہوا۔ یا یوں کہو کہ یہ چھے چیزیں انقلاب دنیا کے لیے اصل الاصول ہیں اور یہ انقلاب انسان کو بتا رہا ہے کہ اس کو بھی جانا ہے اور انسانی حالات کا نمونہ ہیں۔

آفتاب نورِ نبوت اور اس کی روحانی روشنی پر دلالت کرتا ہے اور قمر اس کے دوسرے حال پر جو پہلے سے کم تر ہو اور دن اس کی علم معرفت اور روشنی پر کہ جس میں سیاہ و سفید کا امتیاز ہوتا ہے اور رات اس کی بہیمیت اور قوائے شہوانیہ پر اور آسمان اس کی بلندی پر جو قوائے روحانیہ کے آفتاب چمکنے سے حاصل ہوتی ہے اور زمین اس کی پستی پر جو قوائے بہیمیہ کی رات اور اندھیرا چھا جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ان چھے چیزوں میں ان چھے چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

اور نیز یہ بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح آفتاب اور اس کی روشنی اور پھر دن کسی کے روکے سے نہیں رُکتے اسی طرح نورِ نبوت اور دنیا کی روشنی جو دن سے عبارت ہے وہ بھی کسی کے روکے سے نہیں رُکے گی پھر اے قریش تمہاری ہمارے نبی کے مقابلہ میں یہ جد و جہد محض بے فائدہ ہے۔

اور رات اور اس میں آفتاب کا پوشیدہ ہونا ضلالت ہے جو اس وقت دنیا میں چھائی ہوئی تھی، اس کے بعد طلوعِ آفتاب مقتضائے حکمت ہے اور اگر اس آفتاب نے غروب بھی کیا تو مدتوں چاند کی روشنی رہے گی جس سے نائبانِ نبوت کے پرتوے مراد ہیں اور آسمان و زمین ہر ایک کی تقدیری پستی و بلندی ہے۔

اس لیے ان چھے چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہیں انسان کی جان اور اس کے ٹھیک کرنے کی یعنی قوائے باطنیہ و ظاہریہ عطا کرنے کی اور پھر اسے نیک و بد کی سوجھ بوجھ عطا کرنے کی قسم کھا کر انجام کار بتلاتا ہے کہ جس نے اپنی اس روح کو آلائش سے پاک و صاف کر لیا اس نے فلاح پائی آسمانِ رفعت پر پہنچا اور جس نے اس کو آلودہ کر لیا شبِ ضلالت اس پر طاری ہو گئی وہ جہنم کی پستی کی طرف گیا خراب ہو گیا۔

اور اس کے بعد چند لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفس کو آلائش دنیا میں آلودہ کیا تھا کہ وہ پستی کی طرف ڈالے گئے دنیا میں بھی ہلاک ہوئے آخرت کا وبال بھی سر پر لے گئے۔ اس مضمون کو اس سورت میں کس دل کش انداز سے بیان فرماتا ہے۔

فقال والشمس کہ قسم ہے آفتاب کی جس کا نمونہ نورِ نبوت ہے۔ وضحٰها اور قسم ہے آفتاب کی روشنی کی جس کا نمونہ نورِ نبوت کا جہان میں پھیلنا ہے۔ جیسا کہ کتابِ یسعیاہ علیہ السلام کے ساٹھویں باب میں بشارت ہے۔

" اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہاں تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔" انتہی

شمس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات اور آپ کی روشنی جو دنیا میں پھیلی وہ ضحیٰ یا ضحو ہے۔

والقمر اور قسم ہے چاند کی اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہے یکے بعد دیگرے، ونیز اولیا کرام، اذا تلٰها جب کہ آفتاب کے بعد آئے یا پیروی کرے آفتاب کی ماہ تاب چند باتوں میں پیروی اور اتباع کرتا ہے۔

اول استفادۂ نور میں۔

دوم غروب میں کہ آفتاب کے غروب ہوتے ہی ماہتاب نمودار ہوتا ہے، یہ اول چاند رات سے لے کر پندرھویں یا چودھویں تاریخ تک ہوتا ہے۔

سوم جسم میں باعتبار حسن ظاہر کے کس لیے کہ اور ستارے

گو جسامت میں ماہتاب سے بھی بڑے کیوں نہ ہوں اور بُعدِ مسافت کی وجہ سے چھوٹے نظر آتے ہوں مگر حسن ظاہر میں آفتاب کے برابر بجز ماہتاب کے اور کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔

چہارم تاثیرات اور حسابِ سال وماہ میں ہے جہاں اور ستاروں کو دخل نہیں۔

یہ قید اس لیے لگائی کہ آفتاب کے اتباع کرنے میں ہی ماہتاب کا کمال ہے جس سے اشارہ ہے کہ نائبانِ خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کا کمال اور منصبِ خلافت وامامت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے۔

والنہار اذا جلّٰہا اور قسم ہے دن کی جب کہ آفتاب کو روشن کرے جس سے دینِ محمدی علیہ السلام کے شیوع و ظہور کی طرف اشارہ ہے اور نیز سالک ومرشد کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے جو ریاضات ومراقبات کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اور نورانیتِ محمدیہ ان میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ جس میں ایما ہے کہ خالی ریاضات ومجاہدات بغیر اس کے کہ نورِ محمدی کو ان میں چمکایا جائے کچھ بھی قابلِ عزت وحرمت نہیں، ورنہ یوں تو بہتیرے جوگی سنیاسی عمر بھر فضول ریاضات کرتے ہیں۔

ہر چند آفتاب دن کو روشن کرتا ہے نہ کہ دن آفتاب کو مگر جب دن دوپہر آتا ہے تو آفتاب زیادہ روشن وتاباں معلوم ہوتا ہے برخلاف وقتِ طلوع وغروب کے، یہ ظرف ہے اور ظرف کی طرف اس فعل کو نسبت کرنا مجاز ہے جو محاورہ میں کثیر الاستعمال ہے، بعض علماء فرماتے ہیں ضمیر اذا جلّٰہا آفاق یا ارض کی طرف راجع ہے گو مذکور نہ ہو مگر مراد ہے۔

والیل اذا یغشٰہا اور قسم ہے رات کی جب کہ آفتاب کو چھپالے۔ رات میں آفتاب چھپ جاتا ہے اس لیے رات کی طرف مجازاً اسناد کیا گیا اور اس رات اور اس کے آفتاب کے چھپا لینے سے اشارہ ہے انسانی راحت اور اس کے حقوقِ زن وفرزند اعزہ واحبا کے ادا کرنے پر متوجہ ہونے کی طرف یعنی توجہ الی الخلق کی طرف۔

یہ بھی ایک متبرک چیز ہے اگر ایسا نہ ہو تو بہت سے حقوق اور معاملاتِ دنیا درہم برہم ہو جائیں اور یہ منشا بعثتِ انبیاء علیہم السلام کے برخلاف ہے۔ اسی لیے یہ کیفیت توجہ الی اللہ کی ہر وقت نہیں ہوتی مگر اس غفلت کو صحابہ رضی اپنی اولوالعزمی اور شوقِ الی اللہ سے نفاق سمجھا کرتے تھے، چنانچہ ایک بار ایک صحابی نے جن کا نام حنظلہ ہے اس بات کی حضرت صدیقِ اکبر سے شکایت کی اور کہا میں تو منافق ہوگیا، وہ بات جو حضرت کی صحبت میں نصیب ہوتی ہے بال بچوں میں جا کر نہیں رہتی، صدیقِ اکبر رضی نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے حنظلہ یہ کیفیت ہر وقت نہیں رہا کرتی۔ اگر ایسا ہو تو بشریت سے نکل کر فرشتوں میں مل جاؤ (مشکوٰۃ)

اور نیز اس رات سے عارف وسالک کے قبض کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت آفتابِ معرفت بالکل چھپ جاتا ہے جس سے پھر انکشافِ تام ہوتا ہے جیساکہ رات کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے، اور محبت میں یہی مزے ہیں، ہجر نہ ہو تو وصال کا مزہ نہ آئے۔

نیز اسلامی تنزل کی طرف اشارہ ہے جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی مگر وہ تنزل بار دیگر ترقی کا سبب ہے کیونکہ اس رات کے بعد پھر دن ہونے والا ہے اس لیے یہ بھی ایک محترم چیز ہے۔

والسماء وما بنٰہا اور قسم ہے آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ آسمان تو عجیب وغریب چیز ہے مگر اس کی بناوٹ بھی عجائب ہے قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔

بعض علماء نے ما کو مصدریہ نہیں بلکہ من کے معنی میں

پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی اس بنانے والے کے قربان جائیے جس کے مبارک ہاتھوں نے یہ رفیع عمارت بنائی۔

آسمان کو شریعت سے تشبیہ ہے جو کہ آسمان کی طرح انسان کے جمیع افعال و احوال و مقامات و عقائد کو محیط ہے۔ اور جس طرح آسمان میں برج اور ستارے ہیں اسی طرح شریعت میں ابواب و اقسام ہیں اور یہی مناسبات ہیں۔

والارض اور قسم ہے زمین کی وما طحٰھا اور اس کی فراخی و کشائش کی یعنی کیا ہی اس میں وسعت رکھی ہے۔ یہاں بھی بعض علماء نے ما کو من کے معنی میں پڑھا ہے۔ اور یہ استعداد نفس انسانی کی مثال ہے جس کی وسعت و فراخی کے بموجب اس میں تخم معرفت بویا جاتا ہے۔

اب خود نفس انسانی کی عالم میں کوئی نظیر باقی نہ تھی کیوں کہ وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے اس لیے خاص اسی کی قسم کھاتا ہے، فقال ونفس وما سوّٰھا کہ قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی آراستگی کی یا اس کی کہ جس نے اس کو آراستہ کیا۔

انسان کے جسم کو دیکھو تو اس میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں جس کی پوری شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ سمائے اور اس کے قوائے باطنیہ و ادراکات و علوم کو غور کیا جائے تو اس کی آراستگی حیرت خیز ہے اور وہ پہلی چھٹے چیزیں کہ جن کی قسم کھائی گئی اس نفس انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہیں اور وہ سب مل کر ایک عالم ہیں تو نفس انسانی تنہا ایک دوسرا عالم ہے جس میں اول عالم کی سب باتیں موجود ہیں بایں طور کہ اس کا آفتاب نور روحانی ہے اور ماہتاب دل کی روشنی ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہے اور دن اس کے کمالات کا ظہور اور اس کی حیات کے ثمرات کا بروز ہے۔ اور اس کی رات اور اس کی روح اور قلب کی تاریکی ہے یا اس کے قوائے بہیمیہ کا قوائے ملکیہ پر غلبہ ہے اور چوں کہ قلب جو محل معرفت اور عرش رحمانی ہے اور وہ نور روح و ظلمت نفس کے ملنے کے بغیر نہیں ہوتا گویا کہ وہ ان دونوں کے اجتماع سے پیدا ہوا ہے اور اگر نفس کی ظلمت نہ ہو تو قلب پر معانی ظاہر نہ ہوں کیونکہ روح میں کمال صفائی و نورانیت ہے، اس لیے یہ رات بھی ایک عمدہ چیز ہے اور اس کا آسمان روح حیوانیہ ہے اور زمین اس کا بدن ہے کہ جس کے خالق نے اس کو فراخ و وسیع کیا ہے اس طور پر کہ روح حیوانیہ ہر جگہ اثر کر رہی ہے۔

اور یہاں تک نفس انسانی کی درستگی کی کہ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا کہ اس کی بدی اور نیکی کی پہچان اس کو عطا کر دی اور نفوس حیوانیہ کی طرح نامکمل نہیں رکھا کہ اپنی شقاوت و سعادت اخرویہ کو نہ جانتا ہو، صرف معاش ہی کے رستے جانتا ہو۔

ف علماء فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقویٰ سے جبر لازم نہیں آتا کس لیے کہ یہ جب لازم آتا کہ اس میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہوتا، پھر جب کہ جو کچھ کراتے ہیں بندہ ہی کے اختیار و ارادہ سے کراتے ہیں تب کسی طرح جبر لازم نہیں آتا۔

تحقیق المقام

الہام در دل افگندن وانچہ در دل افگند خدائے تعالیٰ یقال الھمہ اللہ واستلھمت اللہ (صراح)

یہ الہام ہے جس کے معنی القاء کے ہیں اس سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں ہر ایک کے دل پر اس طرف کا تار برقی لگا ہوا ہے ادھر سے نیک و بد بات دل میں پڑتی ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے موافق ہے اور اس میں کوئی جبر بھی لازم نہیں آتا کس لیے کہ القاء ہونے

کے بعد کرنا نہ کرنا اس کے اختیار و ارادے کے ساتھ ہے اور اسی پر عذاب و ثواب کا دار و مدار ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو خدائے پاک نے عقل و ادراک سمجھ بوجھ عطا کی ہے جس سے وہ نیک و بد جانتا ہے۔ یہ ہیں فجور اور تقویٰ کے الہام کے معنی۔ اور مجاہد اور فراء اسی کے قائل ہیں۔ اور مذہبِ معتزلہ بھی یہی ہے۔

اس الہامِ عام کے بعد ایک اور مرتبہ خاص الہام کا ہے جو حضراتِ اولیاء کرام و انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے اس میں اور کسی کو شرکت نہیں۔

واضح ہو کہ

ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفاتِ غائب پر مشاہد سے استدلال کرتا ہے اور مشاہد بجز عالمِ جسمانی کے اور نہیں اور عالمِ جسمانی کی دو قسم ہیں۔ بسیط اور مرکب۔

پھر بسیط کی دو قسم ہیں۔ اول علوی جس کی طرف والسماء وما بنٰھا میں اشارہ ہے۔ دوم سفلی جس کی طرف والارض وما طحٰھا میں اشارہ ہے۔ اور نیز والشمس والقمر علویات میں داخل ہیں اور رات و دن اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

اب رہے تھے مرکبات، سو ان میں سب سے افضل انسان ہے جس کی طرف ونفس وما سوّٰھا میں اشارہ ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدائے پاک مدبّرِ اجسام ہے خواہ علویہ ہوں یا سفلیہ خواہ مرکبہ خواہ بسیطہ پس عالمِ محسوسات میں ایسی کوئی شے نہیں جو اس کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے نہ ہوئی ہو مگر یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا تھا کہ حیوان و انسان کے افعال اس کی ایجاد و تخلیق میں داخل نہیں، اس کا دفع اسی قول میں کر دیا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا کہ یہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے ہیں اسی کی قضاء و قدر سے سرزد ہوتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ جو کچھ ہے سب اسی کی قضاء و قدر سے پیدا ہوا ہے، اسی کے احاطۂ قدرت و تصرف میں ہے۔ پس الہامِ فجور خذلان ہے اور الہامِ تقویٰ توفیق ہے۔ اور وہ حدیث جس کو امام احمد و مسلم و ابن جریر وغیرہ نے عمران بن حصین رضؓ سے روایت کیا ہے اس کی مؤید ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں پہلے ان کے حق میں مقدر ہو چکا تھا یا ایک آئندہ فعل ہے کہ اپنے نبی کے فرمانے سے کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا پہلے ہی سے مقدر ہو چکا ہے اس کے موافق کرتے ہیں، اس نے عرض کیا پھر اب لوگ کس لیے عمل کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے ان دونوں مرتبوں (خیر و شر) میں سے جس کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اس کے موافق عمل کرنا آسان کر دیتا ہے، اور تصدیق اس کی کتاب اللہ میں ہے فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔

مگر اس کے ساتھ بھی انسان کو اختیار باقی رہتا ہے جیسا کہ حدیثِ مذکور سے پایا جاتا ہے اور اسی لیے اس کے بعد جوابِ قسم میں اس بات کو واضح کر دیا قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا کہ فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا گناہوں اور غفلات کے میل کچیل سے[1]۔

انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے یا عقائدِ فاسدہ کو دل میں جگہ دیتا ہے یا حبِّ لذات و شہوات میں خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کے نفس یعنی روح پر ایک میل یا دھبہ لگ جاتا ہے، مرنے کے بعد یہی دھبہ جس مرتبہ کا ہے اسی کے موافق ایک خاص صورت میں باعثِ عذاب

[1] معلوم ہوا کہ تزکیۂ نفس اور اس کی آلودگی کا انسان کو اختیار دیا ہے جو ان افعال کو اس کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲ منہ

ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا وقد خاب من دسّٰها کہ خراب ہوا جس نے روح کو آلودہ کر لیا اس نورانی جوہر کو گندی چیزوں میں چھپا دیا، تزکیہ و تطہیر نفوس کے لیے صرف یہی ایک جملہ قد افلح الخ کافی ہے جس کو چند مہتم بالشان چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ اور عالم حسی کی بنیاد ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ⑪

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح پیغمبر کو) جھٹلایا

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫ فَقَالَ

جبکہ ان میں سے سب سے بڑا بدبخت اٹھا پھر اُن سے

لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ

اللہ کے رسول نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی

سُقْيٰهَا ⑬ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ⑭

سے تعرض نہ کرنا سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ

پھر تو ان کے رب نے بھی ان کے گناہ سے انہیں مار کر

فَسَوّٰىهَا ⑮ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ⑯ ع ١٥ ١٦

برابر ہی کر دیا اور اس نے اس کے انجام کی پروا بھی نہ کی

ترکیب

بطغوٰها الباء للسببية الطغوٰى فعلى من الطغيان والواو مبدلة من ياء مثل التقوٰى ومن قال طغوت كانت الواو اصلا۔ ثمود فاعل كذبت والجار فى بطغوٰها يتعلق بكذبت اذ ظرف لكذبت او للطغوٰى انبعث مطاوع بعث يقال بعثت فلانا على الامر فانبعث له ومعناه انتدب لذلك و قام به ناقة الله منصوب بفعل محذوف اى ذروا ناقة الله او احذروا وسقيٰها معطوف عليه والاضافة فى ناقة الله للتشريف كبيت الله فدمدم فى الصحاح دمدمت الشئ اذا الزقته بالارض وطحطحته والدمدمة تضعيف العذاب يقال دمدمت على الشئ اى اطبقت عليه، دمدم عليه القبر اى اطبقه۔ فسوّٰها والضمير يعود الى الدمدمة اى فسوى الدمدمة عليهم وعمهم بها فاشتملت على صغيرهم وكبيرهم، وقيل يعود الى الارض اى فسوى الارض عليهم فجعلهم تحت التراب وقيل يعود الى الامة اى ثمود۔ ولا يخاف الخ الجملة حال اى فعل ذلك وهو لا يخاف والضمير فى عقبٰها يعود الى الفعلة او الى الدمدمة والضمير فى لا يخاف يرجع الى الله سبحانه۔ وقيل الى صالح عليه السلام۔ اى لا يخاف الرسول وهو صالح عليه السلام عقبى هذا العذاب كانه وعد لنصرته۔ وقيل يرجع الى الاشقى اى ذلك الاشقى الذى عقر الناقة لا يخاف عقبى هذه الفعلة۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا قد افلح من زکّٰها وقد خاب من دسّٰها جس سے تزکیہ فلاح کا سبب اور تلویث خسارہ کا سبب سمجھا گیا۔ تلویث میں قوائے بہیمیہ عقل و شرع پر غالب آجاتی ہیں اور تزکیہ میں ان پر عقل و شرع غالب رہتی ہے۔ اب تلویث کے مضمون پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ واضح ہو جائے کہ قوائے بہیمیہ کے غلبہ دینے سے دنیا اور آخرت میں کیا برے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں اور قوت دراکہ بھی فاسد ہو جاتی ہے، حق باتوں کا انکار کر دینا اور انکار پر اصرار کرنا اور ناصح مشفق کا مقابلہ کرنا ان کے نزدیک ایک ادنیٰ سی بات ہو جاتی ہے، اس لیے

اب اس واقعہ کا ذکر ہوتا ہے۔

فقال كذبت ثمود قومِ ثمود نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو بطغوٰھا اپنی سرکشی سے جھٹلا دیا تھا۔ یعنی قوائے بہیمیہ کے جوش و غلبہ کے سبب جس کے وہ عادی ہو رہے تھے۔ اور یہ ہوتا ہے کہ جس قوت کو ترقی دی جاتی ہے اس کے بعد ایک ملکہ راسخہ ہو جاتا ہے جس سے اس کے موافق افعال بے تکلف سرزد ہونے لگتے ہیں، عبادات و ریاضات والے سے عبادات و ریاضات بدکار شہوت پرست غدار سے ویسے کام۔

طغویٰ کی تشریح

ف جمہور کے نزدیک طغویٰ بفتح الطاء مصدر ہے بمعنی الطغیان، فراء کہتے ہیں طغویٰ و طغیان دونوں مصدر ہیں مگر اس جگہ اخیر آیات کے لحاظ سے طغویٰ کا استعمال ہوا۔ بعض کہتے ہیں واؤ کو اسم و صفت کے فرق کرنے کے لیے یاء سے بدل لیا کرتے ہیں جیسا کہ تقویٰ و سرویٰ۔ اور جس نے طغویٰ کو بضم الطاء پڑھا ہے اس کے نزدیک بھی مصدر ہے جیسا کہ رجعیٰ اور حسنیٰ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں طغویٰ سے مراد اس قوم کا وہ عذاب ہے کہ جس سے وہ ہلاک ہوئے تھے۔ صالح علیہ السلام نے اس کی خبر دی تھی انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تھا۔ اور چونکہ طغویٰ کے لغوی معنی حد سے گزرنے کے ہیں اور وہ عذاب جس سے وہ ہلاک ہوئے وہ بھی حد سے گزر گیا تھا اس لیے اس پر طغویٰ کا اطلاق ہونا بہت ٹھیک ہو سکتا ہے۔

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہوتا تھا۔ قومِ عاد جو عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں تھی اس کے ہلاک برباد ہونے کے بعد شمال عرب میں قومِ ثمود آباد ہوئی تھی۔ قومِ شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا اس کا نام وادی القریٰ تھا ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مورخین نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے۔ اس قوم میں مال و دولت بہت تھا بڑے بڑے عالی شان مکان بنائے تھے اور سنگ تراشی کا ہنر خوب جانتے تھے اس لیے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب و غریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنوئیں اور باؤلیاں بھی کھودی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی، درندہ پن اور سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوتِ شہوانیہ و غضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی رحم دلی پرہیزگاری کا نام و نشان بھی نہ تھا، ایسی حالت میں رحمتِ الٰہی نے انہیں میں سے ایک شخص صالح بن عبید کو منتخب کیا اور نورِ نبوت سے منور فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس بدبخت قوم کی اصلاح اور وعظ و پند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوتِ ازلیہ تھی۔ کب ماننے والے تھے، پھر جو جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ اور ناصحِ مشفق کو پہنچیں کم ہیں۔

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لیے ایک معجزہ طلب کیا اور وہ یہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے، چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آکر بچہ بھی دیا، قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع ابن عمر رئیسِ قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ صرف یہی ایک جماعت ایمان داروں نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذا و ظلم کا دروازہ کھول دیا۔

ادھر اونٹنی کی سنیے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے لہٰذا یہ ٹھیرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آئے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور۔ چندے اس پر قوم نے صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے

جس کی ایک شخص شریر سرکش قیدار نامی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی کہ تو اس اونٹنی کا کام تمام کر دے کیوں کہ میرے جانوروں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بدبخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں، اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اور قوم میں اس کا گوشت بٹا، سب نے خوشی خوشی پکا کر کھایا، اور حضرت صالح علیہ السلام پر بڑے ٹھٹھے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضب الٰہی آگیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے اگر ایمان لایا جائے اور توبہ کی جائے تو کر لو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامت ہلاکی یہ ہوگی کہ اول روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ۔ چنانچہ صبح کو جب اٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا۔ چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح ان کا بھی کام تمام کر دیا جائے۔ یہ قصد کر کے نو بدمعاش شب خون کی نیت سے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے۔ حمایت الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچالیا، وہ بدمعاش صبح کو وہیں مردہ پڑے پائے گئے۔ یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لیے حضرت صالح پر حملہ آور ہوئے ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی آمادۂ جنگ ہوگئی۔ آخر یہ فیصلہ ٹھیرا کہ صالح اور ان کے اتباع شہر سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا۔ یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا سب کے منہ لال ہو رہے تھے اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہوگئے اور یہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے، اس لیے وہ ان پہاڑوں میں تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا نہ بارش کا، اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی متواتر دو تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی۔ کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔ عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم کے پاس آئے ان کی لاشیں اور ان کو اوندھے پڑے دیکھ کر حسرت بھرے الفاظ میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا، اے بدبخت قوم میں نے بہت سمجھایا مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگزشت جو عرب میں متواتر منقول تھی، اور اس واقعہ کو ہر کہہ و مہہ جانتا تھا، یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا حجر ہے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں صحابہؓ کے ساتھ حجر سے گزرے تو صحابہؓ کو اس بدبخت قوم کی جگہ پر ٹھہرنے اور ان کے کنوؤں سے پانی لینے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قوم ثمود کے آثار باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حال زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گزرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی طغیانی اور کبھی ژالہ باری اور بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے، شہر اُجاڑ ہوگئے آسمان سے پتھر برسنے سے ہندستان میں گاؤں کے گاؤں برباد ہوگئے، ہوا نے گاؤں اجاڑ دیے سیکڑوں آدمی ہلاک ہوئے، دریاؤں کی طغیانی سے گاؤں کے گاؤں برباد ہوگئے مگر اب ان واقعات سے عبرت بھی نہیں، کیوں کہ حال کا علم ان کو اسباب کا قفل کھتا ہے، مسبب

الاسباب کا قائل نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں جن میں یہ واقعہ مختصراً مذکور ہے۔

اذا انبعث اشقٰھا جب کہ اپنی شرارت اور نشاط سے اس قوم میں سے بڑا بدبخت کھڑا ہوا اور قیدار بن سالف تھا۔ یہ پاجی پست قد، متکبر، چنکبرا، نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ، بڑا موٹا تازہ شریر اور متکبر شہوت پرست شخص تھا۔ اسی لیے عرب میں یہ مثل مشہور ہوگئی ہے "ہو اشام من قیدار" کہ فلاں تو قیدار سے بھی زیادہ منحوس و بدبخت ہے۔

ہر قوم میں چند ایسے نالائق اور رذیل ہوا کرتے ہیں کہ جو کام لوگوں کے نزدیک بہت ہی برا اور قابلِ نفرینِ اولین وآخرین ہو وہ اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ اس کے لیے تیار رہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میں بتاؤں تجھ کو سب سے بڑا شقی کون ہے؟ علیؓ نے عرض کیا فرمائیے، آپؐ نے فرمایا ایک تو وہ کہ جس نے صالح علیہ السلام کے ناقہ کی کوچیں کاٹیں اور دوسرا وہ کہ جو تیرے سر پر تلوار مارے گا جس سے تیری داڑھی پر خون بہے گا، یہ دونوں سرخ رنگ والے سب سے شقی ہیں۔ (رواہ احمد وابن ابی حاتم و ابن مردویہ والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ)

یہ شخص بھی درحقیقت بڑا ہی بدبخت تھا کس لیے کہ جناب مرتضویؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا نمونہ اور شوکتِ اسلام کا سرچشمہ تھے گویا اس بدبخت نے ایک خسیس شہوت کے لیے سلسلۂ خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ یہ شخص ابن ملجم خارجی تھا۔ ایک خارجیہ عورت نے کہ جس پر یہ عاشق تھا حضرت مرتضویؓ کے شہید کر ڈالنے کی ترغیب دلائی تھی۔

اسی طرح شمر اور یزید بھی اس شقی سے کم نہیں کہ جنہوں نے دنیائے دنیہ کے لیے جگر گوشۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بے رحمی سے شہید کیا۔

جب اس مردود قیدار نے ناقہ کی کوچیں کاٹنے کا بیڑہ اٹھایا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام کو اس بدبخت قوم کا ارادہ معلوم ہوگیا تھا اس لیے آپ نے بتاکید فرما دیا تھا فقال لھم رسول اللہ ان سے رسول اللہ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے کہہ دیا تھا ناقۃ اللہ وسقیٰھا خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے کبھی اس کو برائی سے نہ چھونا، نہ پانی پینے سے منع کرنا۔

ف اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا کہ وہ خاص معجزہ سے اللہ نے پیدا کی تھی، یہ اضافتِ تشریفی ہے یعنی عزت دینے کے لیے جیسا کہ بیت اللہ، ورنہ خدا پاک کا کوئی خاص گھر نہیں کہ جس میں وہ رہا کرتا ہو اور نہ اس کے چڑھنے کی کوئی اونٹنی ہے اور یوں تو دنیا بھر کی اونٹنیاں بلکہ کل چیزیں اللہ ہی کی ہیں، مگر اس اونٹنی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے آیت یعنی نشانی تھی اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک خاص طرز سے پیدا ہونے کے سبب نمونہ تھی۔

مگر وہ بدبخت کب ماننے والے تھے فکذبوہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کچھ انہوں نے اونٹنی کی بابت فرمایا تھا کہ اگر اس کو بری نگاہ سے دیکھو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ بھی ایک ڈھکوسلا ہے، کس لیے کہ گناہ کرتے کرتے وہ دلیر ہوگئے، دلوں پر سیاہی چھاگئی تھی، اس لیے فعقروھا اس بدبخت قوم نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ کوچیں تو قیدار نے کاٹی تھیں مگر اور بھی شریک تھے اور اس فعلِ بد سے راضی تھے اس لیے یہ فعل ان سب کی طرف نسبت کیا گیا۔

لہ اور اسی لیے سورہ قمر میں خاص اس بدبخت کی طرف اس فعل کو نسبت کیا کما قال فتعاطیٰ فعقر اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ۱۲ منہ

فدمدم علیھم ربھم پھر توان کو ان کے رب نے غارت کر دیا۔ بذنبھم یوں ہی نہیں بلکہ ان کے گناہ کے سبب جو کفر و تکذیب اور کوچیں کاٹنا تھا' اور ایسا ہلاک کیا کہ فسوّٰھا اس ہلاکت کو سب کے لیے برابر کر دیا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا چھوٹے بڑے سب ہلاک ہوئے بجز ان لوگوں کے کہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور کوئی نہ بچا۔

ولا یخاف عقبٰھا اور خدائے تعالیٰ اس ہلاکت کے انجام سے نہیں ڈرتا تھا۔ کیونکہ انجام سے ڈرنے کی کئی وجوہات ہوا کرتی ہیں۔

اول یہ کہ بے سوچے سمجھے کوئی کام کر بیٹھے۔ اس کو انجام بد کا خوف ہوا کرتا ہے' سو وہاں یہ بھی نہیں کس لیے کہ وہ ہر بات کا انجام اور ابتدار جانتا ہے۔

دوم یہ کہ اس ہلاک شدہ چیز سے کسی منفعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو جیسا کہ کوئی غصہ سے گھر میں آگ دے کر بعد میں پشیمان ہوا کرتا ہے' سو وہاں یہ بھی نہیں' کیوں کہ اس نابکار قوم میں کوئی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں رہی تھی جو ان سے کوئی مصلحت یا منفعت متصور ہو سکتی ہو بلکہ یہ ناپاک قوم ایسی تھی کہ جیسے باغ میں خار دار درخت اگ آئیں ان کے اکھاڑے بغیر چارہ نہیں ہوتا' چہ جائیکہ ان کے وجود میں کوئی منفعت یا مصلحت ہو۔

سوم یہ کہ ہلاک شدہ قوم کا کوئی اور قوم یا شخص انتقام لینے والا ہو' اس وقت خوفِ انتقام ہوا کرتا ہے۔ سو خدا پاک کو ان کی طرف سے کسی کے انتقام کا بھی خوف نہیں تھا وہ جس قوم یا جس شخص کو برباد کرتا ہے بے دھڑک کرتا ہے۔ اس میں مشرکین کے خیالِ باطل کا بھی رد ہے کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بت یا فلاں روح جس کی ہم پرستش کرتے ہیں ہم کو ہر قسم کی مصیبت سے نجات دے گی اور جو کوئی ہمیں ہلاک کر دے گا تو وہ ضرور بدلہ لے گا۔ بتلایا جاتا ہے کہ خدا سے بدلہ لینے والا کوئی نہیں۔

بعض علماء نے لا یخاف کا فاعل عاقرھا یعنی کوچیں کاٹنے والے کو قرار دیا ہے۔ یہ سدّی اور ضحاک اور کلبی کا قول ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اس بدبخت نے ایسا نڈر ہو کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹیں کہ اس فعل بد کے انجام سے بھی نہیں ڈرا جو صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا اس کو جھوٹ جانتا تھا اور حقیقت میں ایسا برا فعل جو کوئی بدبخت کرتا ہے وہ انجام کار سے نہیں ڈرتا اگر ڈرے تو کرے کیوں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ضمیر لا یخاف کی رسول اللہ یعنی صالح علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے کہ جب صالح علیہ السلام ان سے کہتے تھے کہ خبردار ناقۃ اللہ اور اس کے پانی پینے سے تعرض نہ کرو تو اس وقت نہایت بلند حوصلگی سے یہ فرماتے تھے' ان کو اس قوم کی ہلاکت میں اپنی اور اپنے متبعین کی ہلاکت کا کچھ بھی خوف نہ تھا گویا ان کو وعدہ دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ تم ہلاک نہ ہو گے مگر اول معنی زیادہ تر چسپاں ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔

اس مختصر سی سورت میں کس انداز اور خوبی سے انسان کی سعادت و شقاوت کا نقشہ کھینچ کر دکھایا کہ ایسا نقشہ کھینچنا بشر کی طاقت سے باہر ہے اور ہر آیت کے ہر ایک پہلو میں بے شمار معانی ودیعت رکھے ہیں جو انسان کو اگر ان پر غور کرے شقاوت کے عمیق گڑھے سے نکال کر سعادت کے محل پر بٹھا سکتے ہیں اور لطف یہ کہ کلام میں شانِ شاہانہ بھی ہے جو کھے دیتی ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ فسبحان من انزل القرآن ۔

سورۃ لیل

مکیہ ہے اس میں اکیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ① وَالنَّهَارِ

قسم ہے رات کی، جب کہ چھا جائے اور دن کی

اِذَا تَجَلّٰى ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

جب کہ روشن ہو جائے اور قسم اس کی کہ جس نے نر

وَالْاُنْثٰٓى ③ اِنَّ سَعْيَكُمْ

و مادہ کو بنایا بے شک تمہاری کوشش

لَشَتّٰى ④ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ

مختلف ہے پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور

اتَّقٰى ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ⑥

پرہیزگاری کی اور نیک بات (کلمہ توحید) کو سچ جانا

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ⑦ وَاَمَّا

تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے اور جس نے

مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ⑧ وَكَذَّبَ

کنجوسی کی اور آخرت کی پروا نہ کی اور نیک

بِالْحُسْنٰى ⑨ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ⑩

بات کو جھٹلایا تو اس کے لیے ہم جہنم کی راہیں آسان کر دیں گے

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا

اور اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا جب کہ

تَرَدّٰى ⑪

وہ گڑھے میں پڑے گا۔

ترکیب

والیل الواو للقسم اذا العامل فیہما معنی القسم والنہار عطف علیہ وما خلق الخ معطوف علی السابق وما مصدریۃ عند مقاتل والمعنی واقسم خلق الذکر والانثٰی۔ وعند الجمہور موصولۃ ای والذی خلقہما و ما بمعنی من فقد اقسم بنفسہ الکریمۃ ان سعیکم لشتّٰی جواب القسم ای عملکم مختلف فمنہ عمل للجنۃ ومنہ عمل للنار او منکم مؤمن و منکم کافر السعی العمل و شتّٰی جمع شتیت کمرضٰی جمع مریض والشتات ہو الافتراق ومعناہ مختلف لتباعد البعض عن البعض۔ وسعیکم مصدر مضاف فیفید العموم فہو جمع معنًی فاما من الخ شرط فسنیسرہ الخ جواب والسین فی الموضعین للتسویف وہو من اللہ محقق والحسنٰی ای الخصلۃ الحسنٰی تشتمل کل فعل محمود من التوحید والایمان والفرائض وبالیسرٰی والعسرٰی المراد بہما جماعۃ الاعمال فوجہ التانیث ظاہر وان کان المراد عملا واحدا رجع التانیث الی الخلۃ او الفعلۃ او المراد بہما الطریقۃ فکانہ قال للطریقۃ الیسرٰی والعسرٰی و فی تفسیرہما اقوال (۱) المراد بالیسرٰی الجنۃ و بالعسرٰی النار (۲) والمراد بالیسرٰی الخیر بالعسرٰی الشر (۳) المراد بالیسرٰی العود الی الطاعۃ وبالعسرٰی الرجوع الی القبائح کالبخل والتکذیب واتباع الہوٰی وانما سمیت بالعسرٰی لاعتبار العسر فی ارتکابہا علی اہل السعادۃ او لاعتبار نتائجہا وہی العذاب۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی، ابن عباس رض و ابن زبیر رض کا بھی یہی قول ہے، اس میں اکیس آیات ہیں۔ بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سمرہ رض سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں والیل اذا یغشٰی جیسی

سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بار ظہر کی نماز پڑھائی، کسی قدر آواز بلند ہوئی تو معلوم ہوا کہ سورۃ والشمس وضحٰها اور واللیل اذا یغشیٰ پڑھ رہے ہیں۔ ابی بن کعب نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا آپ کو اس نماز میں کسی خاص سورت کے پڑھنے کا حکم ہوا ہے، فرمایا نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے وقت مقرر کر دوں۔

ربط

ربط اس سورت کا پہلی سورت سے یہ ہے کہ

(۱) دونوں سورتوں کی ابتدا میں ان چیزوں کی قسم ہے جو باہم نہایت مناسبت رکھتی ہیں۔

(۲) پہلی سورت میں نفوس انسانیہ کا اختلاف مذکور تھا کہ بعض کو فجور کا الہام ہوتا ہے تو بعض کو تقویٰ کا، اس سورت میں بھی یہی تفاوت بیان فرمایا ہے بقولہ ان سعیکم لشتیٰ اور پھر اس کی آگے تفصیل بیان فرمائی ہے بقولہ فاما من اعطیٰ الخ

(۳) اس سورت میں اشقیٰ[۱] کا بیان تھا تو اس سورت میں جماعت اشقیا کا بیان ہے۔

شانِ نزول

اگرچہ الفاظ سورت کے عام ہیں مگر سبب نزول اس کا علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مکہ میں دو شخص بڑے مال دار تھے۔ ایک صدیق اکبرؓ دوسرا امیہ بن خلف، مگر دونوں کا مال خرچ کرنے میں مختلف طریقہ تھا۔ امیہ کے بہت سے غلام مختلف کاموں پر معین تھے اور ہر قسم سے اس کے پاس مال تھا، با وجود اس کے خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا اور جو کسی غلام نے دے دیا تو اس پر آفت آجاتی تھی۔ اور جو کوئی اس سے توشۂ آخرت پیدا کرنے کو کہتا تھا تو یہ کہتا کہ آخرت ہے کہاں؟ اور جو ہوئی بھی تو میرا یہ بے شمار مال اور یہ غلام اور یہ اولاد کافی ہیں، مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان نعیم جنت کی پروا نہیں جن کا وہ فقیروں کنگلوں کو لالچ دلا کر اپنا معتقد بناتا ہے۔

اس کے غلاموں میں سے ایک بلالؓ بھی تھے۔ یہ نیک طینت توحید و ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ اس بدبخت کو جو خبر ہوئی تو روکنا چاہا اور جب نہ مانا تو طرح طرح سے ایذائیں دینی شروع کیں چنانچہ اول اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے بدن میں کانٹے اور سوئیاں چبھوؤ۔ پھر عین دوپہر میں مشکیں باندھ کر جلتے پتھروں پر چت لٹا دو پھر شام کو اس تنگ مکان میں کہ جہاں سخت گرمی ہو بند کر دو اور بعدہٗ کوڑے لگاؤ چنانچہ ایسا ہی کرتے تھے مگر اس تکلیف کے وقت بلالؓ کے منہ سے اَحد اَحد ہی نکلتا تھا کہ اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے۔ ایک روز ابوبکر صدیقؓ اس بدبخت کے محلہ میں گئے تو اس کے گھر میں سے آہ و زاری اور شور و فریاد کی آوازیں سنائی دیں، پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ کسی نے اصل حال سے مطلع کیا کہ بلال کو بجرم اسلام مارتے پیٹتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کو بڑا رحم آیا اور آپ امیہ سے ملے اور کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا کس لیے اس غریب اور بے کس کو اتنی تکلیف دیتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو خدا ترس اور اسلام کا حامی ہے تو اس کو خرید لے آپ نے فرمایا بہت اچھا کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا اس کے بدلے میں مجھے اپنا غلام نسطاس رومی دیدے، یہ رومی غلام بڑا ہوشیار اور قابل تھا۔ دو ہزار دینار اس نے اپنی کمائی سے جمع کر رکھے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے نسطاس دے کر بلکہ اور بھی کچھ دے کر بلالؓ کو خرید اور آں حضرت صلی اللہ

[۱] بڑا بدبخت ۱۲ منہ

اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں لائے اور لاکر آزاد کر دیا۔ اسی طرح اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے کافر اور بے رحم مالکوں سے بے انتہا اذیتیں اٹھاتے تھے خرید کر آزاد کیا۔

ازاں جملہ عامر بن فہیرہؓ ہیں، یہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے، یہ ہجرت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جنگِ بیرِ معونہ میں شہید ہوئے۔

ازاں جملہ زبیرہ لونڈی ہے جس کو خرید کر آپ نے آزاد کیا آزادی کے بعد اس کی بینائی جاتی رہی تھی، اس کے مالکوں نے طعنہ کے طور سے کہا دیکھی ہمارے لات[1] و عزیٰ کی کرامات تم کو اندھا کر دیا، اس نے کہا وہ کیا کر سکتے ہیں میرا اللہ ہی اندھا کرتا ہے وہی آنکھوں میں روشنی دیتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں روشن کر دیں۔

صدیق اکبرؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، بہت سے تو مکہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خرچ میں صرف ہوئے اور جو کچھ باقی رہے تھے ان کو آکر مدینہ میں صرف کیا جن سے مسجدِ نبوی کی زمین خریدی گئی اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہا فرمایا کرتے تھے ان من امن الناس علی فی صحبتہ و مالہ ابو بکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام ومودتہ (متفق علیہ) کہ سب لوگوں کے جان اور مال سے ابو بکر کا مجھ پر بڑا احسان ہے اگر خدا کے سوا میں اور کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو، لیکن اخوتِ اسلامی اور اس کی مودّت کافی ہے۔

یہاں تک کہ ایک بار جب کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس کچھ نہ رہا تو کمبل لپیٹ کر کانٹے کا تکمہ لگا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتنے میں جبرئیل بھی نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ ابو بکر کو سلام کہتا ہے اور یہ پوچھتا ہے کہ اس فقر میں بھی تو مجھ سے راضی ہے یا کچھ کدورت آگئی؟ یہ سن کر ابو بکرؓ پر ایک وجد کی حالت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ ہائے ہائے مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہو؟ اور بار بار اس کلمہ کو کہتے تھے انا عن ربی راض انا عن ربی راض (رضی اللہ عنہ)

حق تعالیٰ اس سورت میں اُن دو شخصوں کے معاملات و حالات کا نقشہ کھینچ کر سعادت و شقاوت کے دو راستے بتاتا ہے اور بنی آدم کی مختلف کوشش کا مآلِ کار ظاہر فرماتا ہے، سعادت کی طرف نفوسِ انسانیہ کو اُبھارتا ہے۔

تفسیر فقال واللیل اذا یغشیٰ یعنی قسم ہے رات کی جب کہ چھا جائے یا کھو آفتاب کے نور کو چھپا لے اور جہان کو تاریک کر دے اور سب کو ڈھانک لے، یہ کنایہ ہے انسان کی اس ظلمانی حالت سے جو اس کے نورِ روحانی اور نورِ قلب کو چھپا کر اس کے اندرونی جہان میں اندھیرا کر دیتی ہے اور اس سے پھر گونا گوں افعالِ بد سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رات میں اندھیرے کے سبب چوروں زناکاروں جادوگروں کو موقع ملتا ہے اسی طرح اس اندھیری میں شیطان اور نفسِ امارہ کے چوروں قزاقوں کو اپنی کارروائی کا موقع ملتا ہے۔

اور رات دنیا میں ایک انقلابِ عظیم بھی ہے اور موت اور قیامت کا بھی پورا نمونہ ہے کس لیے کہ رات میں یکے بادیگرے باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں[2] تھوڑی

[1] یہ دو بت ان کے بڑے معبود تھے جیسا کہ ہنود کے مہادیو وبشن ۱۲ منہ۔ [2] میں اپنے رب سے خوش ہوں میں اپنے رب سے خوش ہوں ۱۲ منہ

دیر کے بعد سناٹا ہو جاتا ہے سب مُردوں کی طرح فرشوں پر بے خبر لیٹے ہوتے ہیں، نہ اس وقت اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی نہ کسی کے نیک و بد کہنے کی، یہی حال خوابِ عدم کا ہے یکے بعد دیگر مر جاتے ہیں سب کو یہیں چھوڑ جاتے ہیں، ایک عرصہ کے بعد اس کے ہم عصروں میں سے کوئی انسان کیا جانور بھی باقی نہیں رہتا، سب پر خوابِ عدم طاری ہو جاتا ہے اس لحاظ سے یہ ایک بڑی نشانی قدرتِ کاملہ کی ہے اس لیے اس کی قسم کھائی گئی۔

والنهار اذا تجلّٰى اور قسم ہے دن کی جب کہ روشن ہو جائے۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی دوسری نشانی ہے کہ اب دوسری حالت پلٹ دی، جو بے خبر پڑے سوتے تھے جاگ اٹھے اور پھر ہائے ہو ہونے لگی۔ پرند چہچہانے لگے، چرند جنگل کی طرف جانے لگے، ہر ایک کاروبار والا اپنے کار کی طرف چلنے لگا، مسافر کمر باندھنے لگے۔ یہ حشر کا نمونہ ہے۔ اور اس میں انسان کی اس نورانی حالت کی طرف اشارہ ہے جب کہ اس میں آفتابِ روح جلوہ گر ہوتا ہے اور رات کے چور بدمعاش بھاگنے لگتے ہیں، اور نیک کاموں کی طرف اس کے ارادوں کے لوگ دوڑنے لگتے ہیں، چنانچہ آگے انہیں دونوں حالتوں کی طرف ایماء ہوتا ہے کہ ہم ایمان داروں نیکوکاروں کو نیکی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں، اور بے ایمانوں بدکاروں کو بدکاری کا رستہ آسان کر دیتے ہیں۔

رات دن بھی نر و مادہ سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے افعال و خواص میں بڑا اختلاف ہے ہر ایک کی کوشش مختلف ہے، اسی طرح مخلوق میں نر و مادہ کا حال ہے اس لیے اس کے بعد نر و مادہ کی بھی قسم کھاتا ہے۔

فقال وما خلق الذكر والانثٰى اور قسم ہے نر و مادہ پیدا کرنے کی۔ یا یوں کہو کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی (یعنی اپنی) کہ جس نے نر و مادہ پیدا کیا۔

بعض کہتے ہیں نر سے خاص آدم علیہ السلام اور مادہ سے حضرت حوّا مراد ہیں جو تمام بنی آدم کی اصل ہیں ہر ایک نر و مادہ ہے خواہ انسانی ہو خواہ حیوانی خواہ اور مخلوق کی۔ یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانی ہے کس لیے کہ نر و مادہ کا ایک ہی مادّہ ہے یعنی وہ ایک تخم سے پیدا ہوتے ہیں، پھر وہ کون ہے کہ اسی سے کسی کو نر اور کسی کو مادہ کر دیتا ہے۔ حیوانات و انسان کی ہر صنف و نوع میں یہی قانون جاری ہے۔

پھر نر اور مادہ میں جو جو چیزیں ہونی چاہیے تھیں وہ سب ہر ایک موقع سے پیدا کیں۔ اعضاء انسانی کے تناسب کو اگر بغور دیکھا جائے تو عقل حیران ہو جائے، ماں کے سترِ مخصوص کو جو ایک شرم کی چیز ہے کس موقع پر پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں حتیٰ کہ سر کے بالوں اور دیگر بدن کے صاف ہونے میں کیا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ پھر اندرونی اعضاء توالد و تناسل میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں، پھر اس کے قویٰ و عادات و افعالِ طبعیہ میں کیا کیا مصلحتیں رکھی ہیں۔ اگر نر و مادہ نہ ہوتے سب نر ہوتے یا سب مادہ ہوتے تو کیا کیا مشکلیں پیش آتیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نر و مادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ کر دیا ہے۔

اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح نر و مادہ کے تخم میں نر و مادہ ہونے کی صلاحیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح ہر ایک میں خیر و شر نقصان و کمال کی بھی قابلیت پیدا کی ہے اور جس طرح نر و مادہ کے میل سے اولاد پیدا ہوتی ہے اسی طرح انسانی قویٰ کے باہمی اختلاط سے بھی عجائب و غرائب ثمرات پیدا ہوتے ہیں اگر خیر کی طرف ہے تو فرشتوں سے جا ملتا ہے اور شر کی طرف ہے تو شیاطین سے بھی بُرا ہوتا ہے اور مر کر ان کی جماعت میں جا ملتا ہے۔ اور اسی کی اصلاح کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔

جس طرح رات اور دن کی کوشش اور افعال و خواص میں

اختلاف ہے اسی طرح نر و مادہ کے بھی۔ نر کا مقتضائے طبعی اور، مادہ کا اور۔ اسی لیے اس مناسبت سے ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان سعیکم لشتّٰی کہ لے بنی آدم اعمال و اشغال میں تمہاری کوشش و ہمت اور جد و جہد گوناگوں ہے۔

ہرچند یہ بات ذکر و انثیٰ کی پیدائش سے عیاں تھی مگر اس کے بعد اس کا ذکر کرنا گویا دعوٰی کو مع دلیل ذکر کرنا ہے۔

پھر کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے بُرے کام کرتا ہے، اور کسی کی دن کی طرح نورانی ہے وہ اچھے کاموں میں سرگرمی کر رہا ہے، پھر کوئی اپنی کوشش میں مردِ میدان ہے تو کوئی نامرد اور زن ہے، اور پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے، زنوں اور دنیائے دوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، سعادت کے بلند مقامات ہی کے طے کرنے کے درپے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے وہ دنیا کی خسیس چیزوں پر مر رہا ہے لذائذ فانیہ پر فریفتہ ہے، حیات کے سبز باغ پر شیدا ہے۔ کوئی ہے کہ رات دن مال و زر کے جمع کرنے میں لگا ہوا ہے، نہ اس کو دن میں چین، نہ رات کو راحت، نہ کھانے پینے پہننے کا خیال، نہ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ایک روز مرنا اور ان سب کو چھوڑ جانا ہے اور جب اس دولت سے کوئی تمتع ہی نہیں تو پھر کس کام آئے گی۔ اور کوئی ہے کہ اس کی ہمتِ مردانہ کے نزدیک مال و زر تو کیا دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں، وہ سمجھتا ہے کہ چند روزہ مہمان ہوں۔ جہاں سدا رہنا ہے راحت و عزت ہو تو وہاں کے لیے ہو، یہاں آرام سے گزر گئی تو کیا، تکلیف سے گزر گئی تو کیا ؎

شبِ تنور گزشت و شبِ سمور گزشت

اس کے بعد ان مختلف مساعی کے نتائج مختلف بیان فرماتا ہے فاما من اعطٰی کہ جس نے اللہ کی راہ میں دیا حتیٰ المقدور سب نیک کاموں میں خرچ کیا، یہ زکوٰۃ و صدقات کو بھی شامل ہے اور ہر قسم کی خیرات کو بھی یہ وہ پہلا کام ہے کہ جس کی خوبی پر تمام مذاہب اور دنیا بھر کے عقلاء کا اتفاق ہے۔

دوم واتقٰی اور برائیوں سے بھی بچا۔ ظلم و ستم، زنا کاری، جھوٹ بولنا کسی پر اتہام لگانا، ناحق قتل کرنا، چوری کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ کبائر سے دور رہا جس میں دیگر فقیر مسکین و اہلِ قرابت پر احسان جتلانا، یا ریاکاری کے لیے دینا بھی آگیا۔ الغرض پرہیزگاری کی۔ کس لیے کہ دینے کے بعد افعالِ قبیحہ سے بچنا بھی شرط ہے۔ یہ وہ دوسری بات ہے جس کو اکثر کیا کل مذاہب مانتے ہیں۔

خیر یہاں تک قوتِ عملیہ کی اصلاح تھی۔ عبادتِ مالی اور بدنی سے اور نیز بری باتوں کے عمل میں نہ لانے سے مگر ان سب کے بعد عقائد کا درست کرنا بھی ضرور ہے۔ یعنی قوتِ نظریہ کا یا یوں کہو عمل کے بعد علم کی اصلاح، اس لیے فرماتا ہے وصدّق بالحسنٰی اور اس نے نیک باتوں کو سچ بھی جانا ہو۔ جیسا کہ حق سبحانہ اور اس کی صفاتِ کاملہ اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور قیامت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق یا جو کچھ انبیاء نے فرمایا اس کی تصدیق جس کو ایمان کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حسنٰی کلمۂ توحید ہے۔ اس بات کو عقلاء و حکماء بھی مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی روح باقی رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے جہان میں جاتی ہے جہاں اس کے علم (گیان) کے موافق (بشرطیکہ وہ علم صحیح ہو کیوں کہ یا تو علم ہی نہ ہوا اور ہوا تو خلافِ واقع کے ہوا کہ بات تھی کچھ اور اس نے جان لی کچھ اور جس کو جہلِ مرکب کہتے ہیں) تو روح پر تاریکی طاری ہوتی ہے۔ اور یہ تاریکی رنج و غم اور جہنم ہے۔ اور اگر علم ہے اور علم بھی علمِ صحیح تو یہ ایک نور ہے جو راحت و سرور و جنت و سورگ سے تعبیر کیا جاتا ہے

انتہی قولہم۔

لیکن یہی بات تو قابلِ بحث ہے کہ مطابقِ واقع کیا ہے اور خلافِ واقع کیا اعتقاد ہے، کس لیے کہ مشرکین اور مذاہبِ باطلہ اپنے من گھڑت خیالات و توہمات کو اعتقادِ کامل اور علم مطابقِ واقع سمجھا کرتے ہیں، اور اپنے مخالف کے اعتقاد کو جہلِ مرکب۔ اس بات کا فیصلہ بھی انہیں الفاظ میں کر دیا کیوں کہ جن کی تصدیق کرنی چاہیے یا یوں کہو جن پر ایمان لانا چاہیے ان کو حسنیٰ کے لفظ سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ ایمان لانے کے قابل وہی باتیں ہیں جو عمدہ اور خوب ہوں۔

اب ہر ایک بات کی عمدگی اور خوبی کی پہچان دو ہی باتوں پر منحصر ہے۔

اول یہ کہ کوئی مسلم شخص جس کے علم و انکشاف کو ایک عالم نے تسلیم کر لیا ہو ان کو عمدہ کہے۔

دوم یہ کہ عقلِ سلیم کے حوالے کر کے (جب کہ عوارضِ وہم اس سے دور ہوں) دریافت کیا جائے کہ ان میں حسن و خوبی یعنی راستی بھی ہے کہ نہیں۔

وہ شخص کہ جو مسلم ہے نبی ہے، کیوں کہ اس کا علم و انکشاف اور لوگوں کے علم و انکشاف سے خواہ وہ کیسے ہی مرتاض ہوں بدرجہا فائق ہے، پس اس کے فرمودہ عقائد حسنیٰ ہیں اور نیز عقلِ سلیم ان کی عمدگی پر شہادت دے رہی ہے مثلاً خدا کی توحید اور صفات میں یکتائی حسنیٰ ہے نہ کہ تثلیث۔

علیٰ ہذا القیاس عمل کے متعلق جو کچھ انہوں نے فرمایا خدا کی عبادت و خیرات جملہ بری باتوں سے پرہیزگاری اب یہ تین باتیں ہوئیں، پھر جس نے ان تین باتوں کے حاصل کرنے میں کوشش اور ہمت کی تو فسنیسرہ للیسریٰ ہم اس کے لیے یسریٰ کو آسان کر دیں گے۔ یسریٰ سے مراد آسان طریقہ وصول الی اللہ اور وصول الی الجنۃ کا ہے، اور وہ طریقہ آسان شرعِ محمدی ہے (علیہ السلام) کس لیے کہ اگر بغور دیکھو گے تو ہر طریقہ میں دقت و دشواری پاؤ گے برخلاف شریعتِ محمدی کے، یعنی ہم اس کو اس نیک رستہ پر چلنے کی توفیق عطا کریں گے۔ جب انسان کوئی کام بار بار کرتا ہے تو اس کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اگر نیک کاموں کی عادت ڈالے گا جن کا ذکر ہوا تو ایک نورانی ملکہ پیدا ہوگا جس سے اس کو ہر نیک کام آسان معلوم ہوگا اور پھر مرنے کے بعد یہی ملکہ بارگاہِ قدس اور عالمِ باقی میں پہنچانے کا ذریعہ ہو جائے گا اور یہی ملکہ قبر کی روشنی اور پلصراط کا نور اور میدانِ حشر میں سایہ اور نجات کے لیے دلیل ہے۔

واما من بخل اور جو بخل کرتا ہے اللہ کی راہ میں کچھ نہیں دیتا مال کی محبت کی جڑ اس کے دل پر ہے، یہ اول صفت کی ضد ہے واستغنیٰ اور بے پروائی بھی کی یعنی پرہیزگاری نہ کی بڑی بے پروائی اور تکبر سے برے کام کرنے لگا۔ قوتِ عملیہ بگاڑ لی، یہ دوسری صفت کی ضد ہے وکذب بالحسنیٰ اور نیک باتوں کو جھٹلا دیا، نہ اللہ تعالیٰ کا قائل رہا اور اس کا قائل ہوا بھی تو توحید کا قائل نہیں، نہ اور صفاتِ حمیدہ کا، نہ دارِ آخرت کا اور نہ اعمال کی جزا کا قائل، نہ انبیاء علیہم السلام کا قائل، یہ تیسری صفت کی ضد ہے۔ اب اس شخص میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا جو سخت ظلمانی ملکہ ہے فسنیسرہ للعسریٰ تو اس کے لیے ہر عملِ بد خواہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے۔

جس میں ملکۂ خیر ہے اگر اس سے کہو چوری کر یا زنا کر یا فلاں کو مار ڈال وہ کبھی نہ کرے گا، اور یہ کام اس کو پہاڑ معلوم ہوگا اور اگر کہو تہجد کی نماز پڑھا کر اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین کو دیا کر وہ اس کو بہت ہی آسان کام جانے گا، اور جس میں بد ملکہ پیدا ہو گیا ہے اس کا معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ تمام عمر زنا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک آسان کام ہے اگر کہو نکاح کر لے نہ کرے گا، یہ مشکل کام ہے، ناحق قتل

کر ڈالنا، رات کو چوری کرنا، سردی اور برسات کی تکلیف اٹھانا یا رات بھر ناچنا اور رات بھر محفلِ رقص و سرود میں جاگنا آسان مگر آدھ گھنٹہ بھی عبادت کے لیے جاگنا اور وضو کی تکلیف اٹھانا پہاڑ سے بھاری۔ فواحش کو ہزاروں روپیہ دے ڈالنا آسان، اللہ کی راہ میں دو پیسے بھی دینا سخت مشکل۔ یہ ملکۂ ظلمانی جس کے سبب خدا نے تمام بدراہوں کے لیے برے کام آسان کر دیے قبر میں عذاب اور حشر میں جہنم اور طوق و زنجیر ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

اول ملکہ دنِ روشن سے اور دوسرا اچھا جانے والی رات سے مشابہ ہے، اول کا صاحب نر، دوسرے کا صاحب مادہ ہے۔

مگر وہ بدبخت جو مال میں بخل کرتا تھا اور نیک کام میں صرف نہ کرتا تھا نہ آپ فائدہ اٹھاتا تھا وما یغنی عنہ مالہ اذا تردّٰی اس کے مرنے کے بعد وہ کس کام آئے گا وہ تو اوروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ یا یوں کہو جب کہ جہنم کے عمیق گڑھے میں گرے گا تب وہ مال کیا کام آئے گا پھر اس پر اس قدر فریفتگی۔

ف جس طرح تزکیہ اور کمال کے لیے تین وصف بیان فرمائے تھے ایک اعطٰی اللہ کی راہ میں دینا دوم واتقٰی پرہیزگاری سوم وصدّق بالحسنٰی درستیٔ اعتقادات و ایمان اسی طرح نقصان و تلویث کے لیے ان تین وصفوں کے مقابلے میں تین صفاتِ رذیلہ بیان فرمائیں۔

بخل اعطٰی کے مقابلہ میں، بخل بھی بڑا ہی عیب ہے۔ بخیل کے ہنر بھی عیب معلوم ہوا کرتے ہیں، اس کے دوست بھی دشمن ہو جاتے ہیں، خلائق میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے کوئی بھلائی سے یاد نہیں کرتا۔ عالمِ بالا میں یہ حقیر شمار ہوتا ہے۔

اور اتقٰی کے مقابلہ میں واستغنٰی تکبر و احکامِ الٰہی سے بے پروائی، گناہوں اور برے کاموں کے انجام سے بے پروا ہو کر ان کو عمل میں لانا، معاذ اللہ فاسق و بدکار بھی مخلوق میں گھناؤنا ہو جاتا ہے، اس کے کسی کام میں برکت نہیں ہوتی عالمِ قدس کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اس کی دعا کو قبولیت نہیں، عمر و مال میں برکت نہیں ہوتی آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

اور صدّق بالحسنٰی یعنی ایمان کے مقابلہ میں کذّب بالحسنٰی بے ایمانی۔ کافر و بدعقیدہ تو خدا کا دشمن اور سخت مقہور ہوتا ہے، اس کے کسی نیک کام کا بھی آخرت میں ثمرہ نہیں ملتا، کیوں کہ آخرت کا اعتقاد نہیں۔ اب درمیانی تیسرا مرتبہ رہ گیا کہ اس میں بعض صفات حمیدہ ہیں تو بعض رذیلہ، اس کو مخاطبین کے فہم پر چھوڑ دیا کہ وہ آپ سمجھ لیں گے، اگر ایمان ہے تو قصورِ عمل سے آخرکار نجات ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾ وَاِنَّ لَنَا
ہم پر تو (صرف) رہ نمائی کر دینا ہے اور آخرت اور
لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿١٣﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ
دنیا (دونوں) ہمارے ہی بس میں ہیں پس میں نے تو تم کو دہکتی
نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا
آگ سے خبردار کر دیا ہے جس میں صرف وہی بدبخت
الْاَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ
داخل ہوگا جو (دینِ حق کو) جھٹلاتا
وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾
اور منہ موڑتا رہا اور اس آگ سے وہ پرہیزگار دور رہے گا
الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾
جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کو دیا کرتا ہے
وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ
اور اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں کہ جس کا بدلہ

تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ

اُتارتا ہو　　وہ تو صرف اپنے عالی شان خدا کی رضامندی کے

ع ۲۱ ۱ ۱۷ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

لیے دیا کرتا ہے　　اور وہ عن قریب خوش ہوجائے گا ◆

ترکیب

للهدیٰ اسم ان علینا خبرہا۔ ای علینا ان نبین طریق الهدیٰ من طریق الضلال وقد فعلنا ذلک حیث بینا طریق کلا الفریقین ترغیباً وترهیباً۔ قاله الزجاج للاٰخرة معطوف علیه والاولیٰ معطوف وکلاهما اسم ان لنا خبرہا والجملة معطوفة علی الجملة السابقة ومعناه لنا کل ما فی الآخرة وکل ما فی الدنیا فمن ارادهما فلیطلب منا۔ تلظیٰ صفة نار واصله تتلظی فحذفت احدی التائین تخفیفاً وقرئ علی الاصل ومعناه تتوقد وتتلهب یقال تلظت النار تلظیا ومنه سمیت جهنم لظیٰ۔ لا یصلٰها الجملة صفة نار وهو بیان لمن هی۔ الا الاشقی استثناء متصل ای لا یدخلها دخولا مؤبدا احد الا الاشقی۔ وهو الکافر والمشرک الذی کذب وتولیٰ وصف للاشقی۔ الذی یؤتی ماله صفة للاتقی۔ یتزکیٰ فی محل نصب علی الحال من فاعل یؤتی ای حال کونه طالباً للزکاة وهی طهارة النفس۔ ویجوز ان یکون بدلاً من یؤتی داخلاً معه فی حکم الصلة وما لاحد الخ الجملة حال من فاعل یؤتی وقیل مستانفة لتقریر ما قبلها من کون التزکی خالصاً لا علی سبیل المعاوضة۔ تجزیٰ صفة نعمة ای لیس علی ہذا المؤتی احسان احد یجزی به۔ الا ابتغاء الخ قرء الجمهور بالنصب علی الاستثناء المنقطع لعدم اندراجه تحت جنس النعمة وقیل مفعول له علی المعنی ای لا یؤتی الا الابتغاء۔ وجه ربه لامکانه نعمة۔ وقرئ بالرفع علی البدل من محل نعمة لان محلها الرفع اما علی الفاعلیة واما علی الابتداء او من مزیدة ولسوف اللام موطئة للقسم ای وتاللہ لسوف یرضیٰ بما نعطیه من الاجر العظیم۔

تفسیر

شبہ پہلے بیان سے (جو اس بابت تھا کہ خیرات اور پرہیزگاری اور ایمان لانے کے لیے نیکی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں اور ان تینوں باتوں کے خلاف کرنے والے کے لیے برائی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں جو سخت ہے) یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب سب اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ ہی کیوں ہدایت نہیں کر دیتا۔ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے کیا فائدہ؟

جواب اس کا جواب دو جملوں میں دیا جاتا ہے: اول ان علینا للهدیٰ کہ بندوں کی رہنمائی کرنا ہمارا ذمہ ہے، ہم نے اپنی رحمت سے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اس لیے اول حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی عطا کیے۔ عقل و ادراک دیا جو نیک و بد میں امتیاز کرتا ہے۔ اس کے بعد رسول بھیجے۔ کتابیں نازل کیں۔ پھر رسولوں کے جانشین علماء، ائمہ و اولیاء۔ و مرشدانِ دین و واعظانِ پُرگو قائم کیے اور حوادثِ دہر اور تغیراتِ عالم بلکہ ان کے حالات کے عبرت خیز نشان قائم کیے تاکہ باختیار و ارادہ نیک رستہ کو اختیار کریں بُرے رستہ کو چھوڑیں۔ اور یہ ہمارا ذمہ نہیں کہ زبردستی سے کسی کو بے ارادہ و اختیار ہدایت پر لائیں بلکہ دونوں رستوں پر چلنا چلنے والے کے اختیار و ارادہ پر چھوڑ دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو نافرمان اور مطیع اور نیک و بد میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان حجر و شجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا تھا اور انسان کو قدرت و اختیار دے کر اس عالم میں بھیجنے کا منشاء ہی غلط ہو جاتا۔

رہی توفیق جو انسان کے ارادہ و اختیار سے متعلق ہے

وہ ضرور ہمارے ہاتھ میں ہے، اور یہ کس لیے کہ وان لنا للآخرۃ والاولیٰ دنیا اور آخرت ہماری ہے، ہمیں ان کے مالک وخالق وبادشاہ ہیں۔ ایک ذرّہ بھی ہمارے ارادہ وقدرت اور قضاوقدر کے بغیر عالمِ وجود میں نہیں آسکتا۔ بندہ اور اس کے افعال اور جو کچھ راحت ورنج دنیا میں ہے وہ ہمارے اختیار وارادہ سے موجود ہوتا ہے۔ اور جو کچھ آخرت میں نعیمِ جنت اور عذابِ دوزخ ہے وہ بھی ہمارا ہی مخلوق ومملوک ہے۔ اور اسی لیے جو ہم سے دنیا مانگتا ہے اور اسی لیے جو ہم سے دنیا مانگتا ہے اور جائز اور ناجائز طور پر اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو اس کو ہم جس قدر چاہتے ہیں دنیا کی کامیابی عطا کرتے ہیں، اور جو عقبیٰ کی نعمتوں کے طالب اور حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ آسمانی کے خواہاں ہیں اور اس کے لیے سعی وکوشش کرتے ہیں ان کو ہم وہ عطا کرتے ہیں، دونوں جہان ہمارے ہیں جو جس کا طالب ہو وہ اس کے لیے آئے اور حاصل کرلے۔ اس شبہ کو ان دونوں جملوں سے دفع کردیا اور جبر وقدر دونوں کو باطل کرکے درمیانی صاف اور سیدھا رستہ بتادیا۔

اور جب کہ ہدایت کرنا ہمارا ذمہ ہے اس لیے فانذرتکم نارا تلظیٰ ہم نے تم کو اے بنی آدم اس شعلہ مارتی آگ سے خبردار اور متنبہ کردیا ہے۔ اور یہ آگ مرنے کے بعد ایک دوسرے جہان میں کہ جہاں سب کو جانا ہے موجود ہے۔ اور قیامت کے روز سب پر ظاہر ہوجائے گی، رحیم وکریم ہوں، یوں ہی اس میں اپنے بندوں کو نہیں جھونک دوں گا بلکہ لا یصلٰہا الا الاشقی اس میں بجز بڑے بدبخت کے اور کوئی نہیں پڑے گا۔

اب اشقیٰ کی آپ ہی تفسیر بھی بیان فرماتا ہے الذی کذب وتولیٰ کہ اشقیٰ وہ ہے جس نے اللہ کے رسولوں اور اس کی فرمودہ باتوں کو جھٹلایا جن میں سے مرنے کے بعد اعمالِ نیک وبد کی جزا وسزا بھی ہے اور جب جھٹلا دیا اور باور نہ کیا تو اس نے نیک کاموں سے منہ موڑ لیا، یہ وہی شخص ہے کہ جس کے لیے عسریٰ یعنی بری کا رستہ آسان کردیا گیا تھا اور بُرے کام گو بظاہر مزے دار تھے مگر ان کا انجام یہ آگ ہے اس لیے ان کو عسریٰ کہا گیا۔ اور یہ اس لیے کہ کذب بالحسنیٰ کی جگہ تو کذب موجود ہے جو اس سے بھی عام ہے اور تولیٰ کی تفسیر بخل واستغنیٰ ہوسکتی ہے۔

فرقہ مُرجئہ کا قول

ف علماء اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک گناہ گار مومن کو بھی آخرت میں عذاب النار ہوگا اگر اللہ معاف نہ کردے گا مگر فرقۂ مرجئہ کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی ایسا گناہ نہیں جس سے جہنم میں جائے۔ ہاں گناہوں کے سبب جنت میں درجاتِ عالیہ نصیب نہ ہوں گے اس لیے گناہ گار مومن اور نیک مومن برابر نہیں۔ اور دلیل ان کی یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات ہیں، اور یہ اس لیے کہ اشقیٰ سے مراد کافر و مشرک ہی ہے کیونکہ بدبختی کی دو قسم ہیں۔

اوّل دنیا کی بدبختی، بیماری، تنگ دستی، مرگِ احبہ، شکست ونا کامی وغیرہ۔ سو یہ بدبختی دنیا ہی میں تمام ہوچکتی ہے آخرت میں اس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔

دوسری عقبیٰ کی بدبختی، پھر وہ دو قسم ہے: ایک یہ کہ ایمان تو ہے مگر برے اعمال کرنے سے یا عبادات و فرائض میں سستی کرنے سے بدبختی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ درجاتِ عالیہ سے حرمان ہے اور اسی لیے اس کو شقی کہتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ ایمان بھی نہیں بلکہ الہام الٰہی کی تکذیب بھی کرتا ہے، سو یہ اشقیٰ یعنی بڑا بدبخت ہے۔ اسی کے لیے خدا پاک نے جہنم میں جانا بیان فرمایا ہے۔ اور یہ عرفِ شرع میں کافر ومشرک ہے کس لیے کہ کذب اسی پر صادق آتا ہے نہ کہ مومنِ گناہ گار پر کس لیے کہ وہ تکذیب

نہیں کرتا، اللہ اور اس کے رسولوں کی سب باتوں کو سچا جانتا ہے مگر خواہشِ نفسانی یا غفلت و سستی سے گناہ کرتا ہے۔

اہلِ سنت کی طرف سے مُرجیہ کا جواب

علماء اہلِ سنت ان کے جواب میں دو باتیں بیان فرماتے ہیں:

اول یہ کہ جو گناہ گار مومن جہنم میں داخل ہوگا وہ وہاں سدا نہ رہے گا، چند روز سزا ہوگی۔ سو ایسا داخل ہونا کچھ داخل ہونا نہیں کس لیے کہ آیت میں داخل ہونے سے ہمیشہ کے لیے داخل ہونا مراد ہے۔

دوم یہ کہ نارًا تلظّٰی تو خاص کافروں کے لیے ہے اور گناہ گار مومن جس آگ میں داخل ہوگا تو وہ اور آگ ہوگی جو اس آگ کے آگے کچھ بھی نہ ہوگی۔

وسیجنبھا الاتقی اور اس آگ سے عن قریب بڑا پرہیزگار دور رہے گا۔

اتقیٰ کی تفسیر

اب اس اتقیٰ کی تفسیر بیان فرماتا ہے فقال الذی یؤتی مالہ یتزکی کہ وہ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے فقراء و مساکین کو دیتا ہے ریاکاری اور نمود یا غرضِ دنیاوی کے لیے نہیں بلکہ طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے درجات کی دم بدم ترقی کے لیے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں اور افزائش و زیادہ کرنے یا ہونے کے بھی ہیں۔ اس جگہ دونوں معنی صادق آتے ہیں، کس لیے کہ اتقیٰ اپنا مال محض رضائے الٰہی کے لیے خرچ کیا کرتا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے اور رضائے الٰہی میں صرف کرنے سے درجات و تقربات میں ترقی و افزائش بھی ہوتی ہے کیوں کہ اس شجرِ تقرب کے لیے یہ عبادت پانی اور ہوا ہے جس سے یہ درخت بڑھتا ہے اور نیز اس کو ایک قسم کی نورانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے جس کو انشراح کہنا چاہیے اور یہ نجاستِ بخل اور کدوراتِ طمع و ظلمتِ حبِ مال سے پوری پاکیزگی ہے۔

پھر اس یتزکی کی تشریح کرتا ہے وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی یعنی اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو اس کے بدلہ میں دیتا ہو، کسی کی نعمت و احسان کا بدلہ نہیں اتارتا الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ بلکہ محض اپنے خدائے برتر کی ذات کی خواہش میں یعنی خاص اسی کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے اور کوئی غرض نہیں۔

پھر اس اتقیٰ کا دارِ آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے ولسوف یرضیٰ قسم ہے کہ وہ بہت جلد راضی ہوجائے گا یعنی دارِ آخرت میں اس قدر نعمتیں اور اس جہان کی خوبیاں اس کو عطا ہوں گی کہ راضی ہوجائے گا، اپنے صرف کرنے اور خدائے پاک و برتر کی رضامندی حاصل کرنے سے پچھتائے گا نہیں بلکہ خوش ہوگا۔

سوف کے معنی ہیں آئندہ کے۔ یہ اس لیے کہ یہ سب کچھ دارِ آخرت میں ہوگا جس کا شروع موت ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں خیرات کا اگر کسی مصلحت سے بدلہ نہ ملے تو دل تنگ نہ ہو کس لیے کہ دنیا اس وعدہ کے پورا کرنے کی جگہ نہیں۔ اگر ایسا ہو تو لالچ کے مارے ہر بخیل بھی خرچ کرنے پر تیار ہوجائے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اکثر اوقات اللہ کی راہ میں صرف کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے، وہ مصائب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

ف عرفِ شرع میں اتقیٰ اس کو کہتے ہیں جو مومن صغائر و کبائر سے پاک ہو۔ اور جو احیانًا کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو توبہ و استغفار صدقِ دل سے کرے اور نہایت ندامت کرے۔ اور صوفیہ کے نزدیک اس کے بعد خطرات (خیالات) اور توجہ الی ماسوی اللہ کی نجاست سے بھی پاک ہو۔ نہ دل میں حبِ جاہ و مال ہو، نہ اللہ جل جلالہ کے سوا اور کسی کو جگہ ہو۔ پھر اتقیٰ کے بھی درجات متفاوت ہیں۔ فردِ کامل اس کا نبی ہے صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔ اس کے بعد صدیق

پھر شہید پھر صلحاء امت اور اولیاء کرام بھی صدیق وشہید کے زمرہ میں داخل ہیں اور یہی لوگ اصحاب الیمین اور سابقون ہیں۔

شبہ اب اس آیت سے بطور مفہوم مخالف کے یہ سمجھا گیا کہ جو اتقیٰ نہیں گو متقی ہو وہ اس نارًا تلظیٰ سے دور نہ رہے گا یعنی جو صغائر سے مجتنب نہ ہو مگر مومن ہو اور کبائر سے بچنے والا ہو اس کو اتقیٰ نہیں کہتے متقی کہتے ہیں، وہ اس آگ سے نہ بچے گا حالانکہ یہ پہلی آیت کے کہ جس میں یہ تھا کہ اس آگ میں اشقیٰ ہی داخل ہوگا خلاف ہے کس لیے کہ متقی اشقیٰ کیا شقی بھی نہیں۔

اس کا جواب اس الجھن کے جواب میں علماء نے طرح طرح کے جواب اپنی تفاسیر میں ذکر فرمائے ہیں مگر کاتب الحروف کے نزدیک یہ الجھن ہی کچھ نہیں کس لیے کہ اول تو ہر جگہ مفہوم مخالف پیدا کرنا ہی لغو ہے جیسا کہ علمائے اصول فقہ نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے، بلکہ یہ محاورہ کی بات ہے کہ کبھی قید یا وصف کو اس کی بہتری اور خوبی جتلانے کے لیے ذکر کیا کرتے ہیں مگر یہ مراد نہیں ہوتی کہ جس میں یہ قید یا وصف نہیں اس کے لیے مخالف حکم ثابت ہے، اس کی نظیر قرآن مجید ہی کی آیات ہیں، ازاں جملہ یہ ہے ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیٰوۃ الدنیا کہ اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے اور خرچی کمانے پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامنی چاہیں۔" اب پاک دامنی کی قید اس لیے ہے کہ پاک دامنی کی خوبی ظاہر کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ اگر وہ پاک دامنی نہ چاہیں تو خرچی کمانے پر مجبور کی جائیں۔ اسی طرح آیت میں وصف اتقیٰ کی خوبی کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ جو اتقیٰ نہیں وہ اس نارًا تلظیٰ سے دور دور نہ رہے گا۔

دوم اگر مفہوم مخالف بھی مان لیا جائے تو بھی کچھ محذور نہیں کس لیے کہ صغائر وکبائر سے بھی انسان مواخذہ کے قابل ہو جاتا ہے جس کی سزا جہنم کی آگ ہے گو وہ ابدی آگ نہیں ہوتی بلکہ موقت ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہٗ صغائر وکبائر کو بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو کبھی تو اور دوسرے نیک کاموں کے صلہ میں مٹا ڈالتا ہے کما قال ان الحسنات یذھبن السیئات کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں واولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات کہ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ اور احادیث صحیحہ صریحہ میں بکثرت وارد ہے کہ ایک جمعہ کی شرائط سے نماز پڑھنا جمعہ بھر کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے یا حج عمر بھر کے گناہ اور رمضان کے روزے سال بھر کے وغیر ذلک اور کبھی دنیاوی تکالیف بیماری تنگ دستی یا موت اعزہ یا اور حادثہ بشرطیکہ صبر کیا جائے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اس کو یہیں اسی قدر عذاب سے رہائی مل جاتی ہے اور کبھی اہل دل کی ندامت و اشک باری جو ان پر باعتبار تقرب الی اللہ کے نارًا تلظیٰ یعنی شعلہ مارنے والی آگ ہو جاتی ہے وہ یہیں اس آگ میں جل کر تھوڑی دیر میں نجات حاصل کر لیتے ہیں، اور واللہ یہ دل کی آگ بڑی سخت آگ ہے جس کی گرمی سے دل پگھل کر آنسو نکلتے ہیں۔ اور کبھی موت کے وقت کی سختی اور کبھی تھوڑی سی قبر کی تنگی اور گھبراہٹ سے یہ گناہ مٹ جاتے ہیں، اور نہیں تو اس کی رحمت کا پانی اور شفاعت کا ابر ماطر سب کو بہا دیتا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح مگر مرجیہ فرقہ کو کیا جواب آئے گا وہ جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ جہنم میں نہیں لے جاتا۔ اس آیت کا مفہوم مخالف ان کے سراسر مخالف ہے، واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

اس مقام پر ایک اور بحث دلچسپ ہے وہ یہ کہ الفاظ آیات کے ہرچند عام ہیں کوئی اشقیٰ ہو اور کوئی اتقیٰ کیوں نہ ہو ہر ایک کا حال اور مآل بیان فرما کر

شقاوت و سعادت کا نقشہ کھینچا ہے، اور کتابِ آسمانی میں ایسا ہی ہونا بھی چاہیے مگر جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت بھی اشقیٰ و اتقیٰ کے افراد موجود تھے اور گو ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا اور لینا بھی نہیں چاہیے تھا مگر ان پر رکھ کر عموماً کلام کیا گیا، اس لیے ان اشقیٰ و اتقیٰ سے ضرور اس وقت کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور اسی بات کو بعض مفسرین نے یوں سمجھ لیا کہ یہ آیت فلاں شخص کے لیے نازل ہوئی ہے یا اس سے فلاں شخص مراد ہے، اور اسی لیے وہ ان عام مفہوموں کے نیچے خاص خاص نام تفسیر میں لکھ دیا کرتے ہیں، جہاں کہیں کافر یا اور کوئی اس قسم کا لفظ آیا اس سے مراد ابوجہل لے لیا۔ یا جہاں کہیں کسی کے صفاتِ حمیدہ مذکور ہوتے ان سے اپنے معتقد فیہ کا نام لے دیا۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ نے تو جہاں کہیں قرآن مجید میں اہلِ سعادت و شقاوت کے واقعات یا ان کے حالات اور مآلِ کار بیان کیے گئے ہیں ان سے حضراتِ اہلِ بیت اور ان کے مخالفین جن کو کہ انہوں نے مخالف بنا رکھا ہے مراد لیے ہیں۔ گویا تمام قرآن اسی جھگڑے میں نازل ہوا ہے، اور دب دب کر معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اہلِ بیت کی مدح اور ان کے مخالفوں کی قدح کرتا ہے، صاف صاف نام لینے سے ڈرتا ہے، اور کوئی مقصد نہ تھا، نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کام کے لیے بھیجے گئے تھے۔

اور لطف یہ ہے کہ جو جو مسائل اپنی طبیعتوں کے زور سے پیدا کر کے مذہب و ملت یا اصولِ دین[لہ] بنائے گئے ہیں وہ بھی صاف صاف قرآن سے ثابت نہیں ہوتے، اینچ تان کر ثابت کیے جاتے ہیں اور دور از کار تاویلات کی جاتی ہیں۔ اور شیعہ پر کیا موقوف ہے ہر ایک فرقے کا کم و بیش یہی حال ہے، جن کو مذاقِ تصوف ہے وہ ہر آیات میں توحیدِ وجودی کا جلوہ دکھاتے ہیں اور کھینچ تان کر روح اور نفس اور قرب و بعد مقامات پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ نزولِ قرآن کے وقت تک یہ مسائل پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ کہیں بھی قرآن مجید میں بزرگانِ دین صحابہؓ و اہلِ بیتؓ کی جاں فشانیوں کی مدح نہیں یا روح و نفس اور مقامات و احوال و مواجید و اشواق کی طرف ایما نہیں، ضرور ہے مگر نہ ہر جگہ۔ اب انہیں آیات میں ضرور اتقیٰ و اشقیٰ سے اُس وقت کے بعض اشخاص کی طرف اشارہ ہے مگر یہ کہنا کہ کس کی طرف ہے قرائن کا محتاج ہے اور تعیین کرنا ایک ظنی بات ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اتقیٰ سے حضرت صدیقِ اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ جب یہ آیات ہجرت سے پہلے شروع اسلام میں شہر مکہ میں نازل ہو رہی تھیں تو اُس وقت مسلمانوں میں یؤتی مالہ یتزکی وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ کا مصداق اگر کوئی اور بھی فرض کیا جائیگا تو ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں نکلے گا، اول تو اُس وقت کوئی مسلمان مالدار ہی نہ تھا بجز ان کے، نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نہ حضرت عثمانؓ نہ حضرت عمرؓ۔ اور پھر انہیں حضرت کا مال اللہ کی رضامندی میں بے دریغ صرف ہوا کرتا تھا، انہیں نے بلالؓ وغیرہ بآخدا مسلمانوں کو

لہ اس میں اشارہ ہے کہ در اصل جو اصولِ دین ہیں وہ تو صاف صاف قرآن سے ثابت ہیں مگر وہ جو بعد میں باہمی مخالفت اور فرعیات میں نزاع قائم ہونے سے ہر ایک متعصب نے اصولِ دین بنائے ہیں جیسا کہ شیعہ کا مسئلہ امامت وہ قرآن سے ثابت نہیں ۱۲ منہ

کافروں سے خرید کر آزاد کیا۔ یہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں مال و جان نثار کرنے والے یارِ غار تھے۔ اسی لیے ان کے فضائل انہیں کے ہم عصر صحابہ میں مسلّم الکل تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں میں بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سورہ ضحیٰ

مکہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالضُّحٰى ۝۱ وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲

قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جب کہ وہ چھا جائے

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳

(اے نبی[1]) نہ آپ کے ربّ نے آپ کو چھوڑ ہی دیا ہے اور نہ وہ بےزار ہی ہوا ہے

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴

اور آپ کے لیے دنیا سے آخرت کہیں بہتر ہے

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵

اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے

ترکیب

والضحیٰ الواو للقسم وہو اول النہار اذا تجلّی وارتفعت الشمس وقیل المراد بہ النہار کلہ مجازاً من اطلاق الجزء وارادۃ الکل بدلیل مقابلتہ باللیل اذا سجی واللیل عطف علیہ اذ العامل فیہ معنی القسم سجی ای سکن قالہ قتادۃ ومجاہد وابن زید وعکرمۃ وغیرہم یقال لیلۃ ساجیۃ ای ساکنۃ ویقال سجا الشیٔ یسجو سجواً اذا سکن وعن ابن الاعرابی سجی اشتد ظلامہ وقال الاصمعی سجو اللیل تغطیۃ النہار ما ودعک ہذا جواب القسم قرأ الجمہور بتشدید الدال من التودیع وقرئ بتخفیفہا من قولہم ودعہ ترکہ وما قلی عطف علی ما ودعک والقلاء البغض یقال قلاہ یقلیہ قلاءً ولم یقل ما قلاک لموافقۃ رؤس الآی وللاخرۃ اللام جواب قسم محذوف۔

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور نیز حاکم نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے ابی الحسن مقری سے ایک روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے قرآن عکرمہ بن سلیمان کے سامنے پڑھا اور اس نے خبر دی کہ میں نے اسمٰعیل بن قسطنطین اور سہل بن عباد کے سامنے پڑھا جب میں والضحیٰ تک پہنچا تو ان دونوں نے فرمایا تکبیر کہہ اخیر تک یعنی الناس تک ہر سورت کے بعد تکبیر کہہ۔ کیونکہ ہم نے ابن کثیر کے سامنے قرآن پڑھا اس نے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے مجاہد کے سامنے قرآن پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابن عباسؓ کے سامنے پڑھا تو انہوں نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے اُبی بن کعبؓ کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھا تو آپ نے مجھے یہی حکم دیا۔

یہ روایت ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بزی کی ہے

[1] ای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ منہ

جو قراءت کے امام تھے مگر فنِ حدیث میں ابو حاتم رازی ان کو ضعیف جانتے ہیں لیکن اس روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شیخ شہاب الدین ابو شامہ شاطبیہؒ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کسی کو نماز میں اس سورت کے بعد تکبیر پڑھتے سنا تو فرمایا کہ بہت خوب کیا یہ سنت ہے۔

شانِ نزول

پھر بعض علماء فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے لے کر اخیر تک جس سورت کو بھی تمام کرے تو اللہ اکبر کہے، اور بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ وجہ اس کی علماء نے یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک مدت تک آپؐ کو وحی آنی بند ہو گئی تھی، پھر جب شروع ہوئی تو یہی سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی جس کی خوشی میں آپؐ نے تکبیر پڑھی۔ اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں مگر بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر و امام احمد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تھے ایک یا دو رات اٹھے نہیں، ایک عورت نے آکر کہا کہ اے محمد! ابن تیرے شیطان کو نہیں دیکھتی کیا اس نے تجھے چھوڑ دیا، تب یہ سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی، اور سفیان بن عیینہ کی روایت میں یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی تو مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ نے محمدؐ کو چھوڑ دیا تب ان کے قول کو رد کرنے کے لیے کہ اس نے ہرگز نہیں چھوڑا یہ سورت نازل ہوئی، یہی اس کا شانِ نزول ہے۔

ف ابن اسحاق وغیرہ سلف سے منقول ہے کہ وہ جو سورۂ نجم میں مذکور تھا کہ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی (یعنی ہم نے اپنے بندے کی طرف جب کہ بہت ہی قریب ہو گیا تھا وحی کی جو کچھ کہ وحی کی) اس میں یہی سورۂ والضحیٰ وحی کی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ چند روزہ وحی کے بند ہو جانے سے جس کو فقراء (صوفیہ) کے نزدیک قبض کہتے ہیں اور اسی کو کبھی ضلال بھی کہتے ہیں ایک عجیب حالت رنج و غم کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گزری تھی جس پر کفار کو محبوبِ حقیقی کی ناراضی اور جدائی کے طعنے دینے کا موقع ملا۔ اس پر دریائے رحمت جوش زن ہوا اور یہ سورت نازل ہوئی جس میں اس طعنہ کا رد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد اور آئندہ کے لیے تسلی اور قربِ روز افزوں کے وعدہ کا مژدہ ہے فقال:

والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ کہ قسم ہے روزِ روشن یا وقتِ چاشت کی اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھا جائے اور پھیل پڑے۔ وقتِ چاشت کو (جب کہ آفتاب کی سلطنت کا عروج ہوتا ہے اور جہان میں نور پھیل جاتا ہے۔ رات کی کوئی مخفی چیز جو اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی تھی مخفی نہیں رہتی) تقربِ الٰہی اور نزولِ وحی کے وقت سے پوری مشابہت ہے کیوں کہ اس وقت حجابِ ظلمانی دور ہو جاتے ہیں۔ اور حقیقتِ الٰہی اور حقیقتِ کونی کا ظہورِ کلی ہوتا ہے اور عالمِ ملکوت کے اسرار منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور لیل (رات) کو قبض و انقطاعِ وحی کے زمانہ سے کمال مشابہت ہے۔ اسی لیے والضحیٰ کو مقدم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایامِ غمِ ہجر و انقطاعِ وحی تمام ہو چکے اب روزِ فرح و سرور و تتابعِ وحی کا وقت آگیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ ہے ؎

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

رات جب چھا جاتی ہے اور اس کی ظلمت عالم پر طاری ہو جاتی ہے اس وقت کوئی روشنی نہیں ہوتی اور ایسے ہی مواقع پر رات کا چھا جانا مستعمل ہوتا ہے، اس میں اشارہ ہے زمانۂ جاہلیت کی طرف اور ضحیٰ سے زمانۂ آفتاب نبوتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جلوہ گر

ہونے کی طرف اشارہ ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہ تھا۔ اور آپؐ کے بعد پھر رات پھیل گئی، مگر آفتاب کا خلیفہ قمر خلافت مدتوں تاباں رہا اور اس کے بعد پھر تاریکی چھا گئی کہ جس میں متعدد فرقے پیدا ہو گئے اور ہر ایک فریق دلائل کے چراغوں اور مشعلوں سے استعانت کرتا ہے۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مذاہبِ مجتہدین وطرقِ اولیاء اسد اس نور میں متفاوت درجہ رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ وقتِ چاشت سے اس نورِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو قلبِ محمدی علیہ السلام پر جلوہ گر تھا۔ اور شب سے اُس ظلمتِ انسانیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو نفوس وارواح پر طاری ہوا کرتی ہے۔ نور اللہ قلوبنا بنور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف وہ ضحیٰ کہ جس کی قسم ہے بظاہر عام ہے مگر بعض نے خاص مراد لیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ضحیٰ سے وہ ضحیٰ مراد ہے کہ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا تھا، اور رات سے لیلۃ المعراج مراد ہے، بعض کہتے ہیں ضحیٰ سے جنت کی روشنی اور لیل سے جہنم کی تاریکی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ قلوبِ عارفین کا نور اور لیل قلوبِ کافرین کی ظلمت ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آپؐ کا چہرۂ منور اور لیل موئے مبارک۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر حال جو سب پر روشن ہے اور لیل آپؐ کے اسرارِ روحانیہ کہ جن کو بجز علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ضحیٰ اسلام کی ترقی کا زمانہ اور لیل اس کا تنزل۔

چوں کہ الفاظ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے لہٰذا ہر ایک احتمال کی گنجائش ہے، اور یہ بڑا معجزہ ہے۔

سوال، اس جگہ دن کو قسم کھانے میں مقدم اور رات کو مؤخر کیا اور پہلی سورت میں برعکس کیا تھا اس کا کیا سبب؟ علماء کرام نے اس کے جواب میں نہایت بے بہا موتیوں کی لڑیاں پروئی ہیں مگر سب سے آسان اور جلد سمجھ میں آنے والی یہ بات ہے۔

جواب (۱) یہ کہ پہلی سورت میں صدیقِ اکبرؓ کے فضائل تھے اس لیے اس کو سورۂ ابوبکر بھی کہتے تھے اور اس سورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل مذکور ہیں اس لیے اس کو سورۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ صدیقِ اکبرؓ کے کمالات وانوار جو کچھ تھے وہ آفتابِ نبوت کا عکس تھا ورنہ اسلام سے پہلے یہ باتیں حاصل نہ تھیں، وہی اندھیرا ان پر بھی طاری تھا جو عموماً بر عرب کیا تمام دنیا پر طاری تھا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام ماں کے پیٹ ہی سے باکمال پیدا ہوتے ہیں اس لیے سورۂ ابی بکر میں رات کو قسم کھانے میں مقدم کیا اور اس سورت میں دن کو تاکہ معلوم ہو کہ نورِ صدیقی کے پہلے رات تھی اور نورِ محمدی ابتدا ہی سے نور ہے۔

(۲) یہ کہ پہلی سورت میں رات کا اول ذکر کرنا اور اس سورت میں دن کا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صدیقیت سے ترقی کر کے محمدیت کا مرتبہ ہے اور نیز جس طرح دن کے بعد رات ہوتی ہے اسی طرح محمدیت کے بعد دنیا میں صدیقیت ہی باقی رہ جایا کرتی ہے

ع

چونکہ گل رفت وگلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

اور یہ ان دونوں حضرات میں کمالِ اتحاد و وحدت کی دلیل ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ہر جگہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت ہر معرکہ میں شرکت تھی اور مرنے کے بعد بھی اپنے آقا کے پہلو بہ پہلو ایک روضہ منورہ میں لیٹے

ہوئے ہیں۔

(۳) یہ کہ رات اور دن اس کے عجائب قدرت کی دلیل ہیں کبھی دن کی قسم کو مقدم کر دیا اور کبھی رات کی قسم کو مقدم کر دیا۔ لیکن دن کے اس جگہ مقدم کرنے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ کافر جو تجھ کو کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھ سے ناراض ہو گیا اور تجھے چھوڑ دیا (حالانکہ اور مطاعن سے یہ مفارقتِ محبوب کا طعنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو جس قدر شاق گزرتا ہوگا اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم تر درجہ کے لوگ یعنی عارفانِ طریق (صوفیہ) بھی اس مفارقت کو عذابِ عظیم سے بڑھ کر تصور کرتے ہیں اور جب دعا کرتے ہیں تو یہی کرتے ہیں ؎

خلاصِ حافظ ازاں زلفِ تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند

سو یہ تکلیف تو آپ کو دن ہی میں ہوتی تھی اور رات کا وقت تو آپ کا سراسر اطمینانِ قلبی اور یادِ حق اور اُنسِ حقیقی کا وقت ہوتا تھا جس میں آپ کو مواصلتِ تامہ میسر آتی تھی۔

(۴) یہ کہ یہ جو آپ کو طعنہ دیتے ہیں تجھے چھوڑ دیا، اندھے ہیں جن کو دوپہر میں بھی آفتاب نظر نہیں آتا اور پھر رات تو رات ہی ہے، آپ ان کے کہنے کی کچھ بھی پروا نہ کریں۔

(۵) یہ ہے کہ جس طرح آفتاب غروب ہونے کے بعد تاریکی ہوتی ہے مگر اس کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے، دہر ایک وطیرہ پر نہیں رہتا۔ اسی طرح جو اس دہر میں ہیں ان پر بھی ویسے تغیرات ہوں تو کیا تعجب ہے، عارف کی یکساں حالت نہیں رہتی کبھی آفتابِ غیب اور خورشیدِ جمالِ حقیقی ایسا جلوہ گر ہوتا ہے کہ اس کی دوپہر ہوتی ہے جہاں ظلمتِ بہیمیہ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اور پھر کبھی انسانیت کی تاریکی اور مادیت کی رات بھی چھا جاتی ہے مگر اس رات کے بعد پھر آفتابِ معنوی جلوہ گر ہوتا ہے ایسے جزر و مد سے یہ خیال کر لینا کہ ان کو وہاں سے دوری ہو گئی انہیں کا کام ہے جن پر سدا بشریت کی رات کا اندھیرا چھایا رہتا ہے، اور یہ تفاوت ایک لذت رکھتا ہے کس لیے کہ ہجر کے بعد وصال ایسا ہی مزہ دیتا ہے جیسا کہ اہلِ جہان کے لیے رات کے بعد آفتاب کا جلوہ گر ہونا مسرت بخشتا ہے، مگر یہ کور باطن اس مزے کو کیا جانیں جس مصلحت سے چند روز وحی بند ہوئی ہے اس کی حقیقت سے یہ کیا واقف؟

پھر اس بات میں کیا لطیفہ ہے کہ تمام دن کی قسم نہیں کھائی صرف وقتِ چاشت کی، بر خلاف رات کے کہ اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں کی بلکہ عموم سمجھا گیا۔

وہ لطیفہ یہ ہے کہ وقتِ چاشت فرحت و سرور کا وقت ہوتا ہے اور رات غموم و ہموم کا وقت ہے یا یوں کہو کہ یہ وقتِ چاشت تمام حیوانات کی بیداری کا وقت ہے کس لیے کہ دن چڑھے تو بڑے عیاش اور منحوس بھی جاگ اٹھتے ہیں اور تمام رات نیند اور غفلت کا وقت ہے جو موت سے مشابہ ہے جس میں اشارہ ہے کہ انسان کی فرحت اور اس کا سرور بہ نسبت غموم و ہموم کے بہت ہی کم ہے یا اس کی دنیاوی ہستی کا زمانہ اس کے نیست کے زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی کم ہے۔ پھر اتنی سی خوشی اور ایسی حیاتِ سریع الزوال پر یہ غرور یہ گمراہی!

ف ضحیٰ یعنی چاشت آفتاب بلند ہونے سے لے کر نصف النہار تک پہنچنے تک کا زمانہ ہے۔ اس وقت میں کوئی نماز فریضہ نہیں کس لیے کہ یہ کام کاج کا وقت ہے، لیکن طالبانِ آخرت کے لیے اس وقت بھی

چند نوافل پڑھنا ایسا ہی مسنون ہے کہ جیسا رات میں تہجد یا اس سے کسی قدر کم۔ نمازِ چاشت کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہیں۔ اس نماز کے بہت سے فضائل ہیں اور اہل اللہ کا دستورِ قدیم ہے۔ اور اہلِ بصیرت نے فرمایا ہے کہ جو فقر و تنگ دستی سے دور رہنا چاہے تو نمازِ چاشت پڑھے اور اگر گور کی تنگی اور وہاں کی اندھیری اور عذاب سے بچنا چاہے تو نمازِ تہجد پڑھا کرے۔

اب وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کی صداقت کے لیے دن اور رات کی قسم کھائی ہے فقال ما ودّعك[1] ربك و ماقلیٰ کہ نہ تمہارے رب نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں رخصت کیا ہے اور نہ تمہارا پروردگار تم سے ناخوش ہوا ہے یعنی یہ جو چند روز کسی مصلحت سے وحی بند ہو گئی اس لیے نہیں کہ تمہارے رب یعنی پرورش کرنے والے کی پرورش میں کچھ قصور یا تمہاری حالت میں کچھ فتور آگیا ہو بلکہ عنقریب پھر وہی آفتاب جلوہ گر ہوگا جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتابِ ظاہری جلوہ گر ہوا کرتا ہے۔ اب جلد وصالِ دائمی اور قربِ روز افزوں میسر آئے گا، اس لیے فرماتا ہے وللاٰخرۃ خیرلك من الاولیٰ کہ تمہاری ہر پچھلی ساعت پہلی سے بہتر ہی بہتر جو آج قرب و کمال ہے کل اس سے زیادہ ہے اور جو صبح ہے شام اس سے زیادہ ہے اور ربوبیتِ تامہ کا بھی یہی مقتضیٰ ہے کہ ہر آن اور ہر زمان پرورش کا سلسلہ جاری رہے، پرورشِ ظاہری سے تو اور بھی مستفید ہیں مگر پرورشِ باطنی اور جو تائیدِ الٰہی تمہارے لیے ہے کہ بغیر کسی مرشد و معلّم کے خود حق سبحانہٗ نے تمہاری روح پر تجلی فرمائی اور اپنے نورِ حقیقی سے منور کیا اور علمِ اوّلین و آخرین کے خزانے تمہارے ہاتھ میں دیے وہ کم نہ ہو گی بلکہ اب یہ وصال علی الدوام ہوگا اور مراتبِ قرب میں آپ درجات طے کرتے جائیں گے اور دنیا سے اٹھنے کے وقت دنیا و مافیہا سے نفرتِ کلّی اور عالمِ بالا کا شوق اور جذبہ بے حد مستولی ہوگا چنانچہ بوقتِ اخیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے تھے اللهم الرفیق الاعلیٰ۔

اور اسی لیے واصلانِ حق کی اخیر عمر کا حصہ پہلی سے زیادہ ترمتبرک سمجھا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اول عمر میں کمالاتِ باطنیہ کی ترتیب ہوتی تھی تو اخیر میں کھلم کھلا۔

بعض علماء نے آخرت سے مراد دارِ آخرت اور اولیٰ سے دنیا لی ہے۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے لیے دنیا آخرت سے بہتر ہے، اور یہ بھی ٹھیک ہے کس لیے کہ دنیا آپؐ کے لیے تکالیف و شدائد کا گھر تھا، مہینوں سوکھے ٹکڑوں یا چند چھواروں اور پانی پر اوقات بسر کی ہے۔ دو[2] وقت پیٹ بھر کر اچھا کھانا میسر نہیں آیا ہے، پھر نا اہلوں کے ظلم و تعدّی اور اصلاحِ عالم کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ مخالف خون بہا رہے ہیں تو آپؐ دعا کر رہے ہیں۔ کسی سے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہیں لیا کسی سے اپنے دنیاوی حقوق کا مطالبہ نہیں کیا کبھی کوئی عیش و نشاط کا سامان نہ بہم پہنچایا وہ خدائے پاک کے نورِ مجسم جن پر ہماری روح فدا ہو رات دن ہماری فکر میں رہ کر دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہمارے لیے تجویز کرتے رہے آخرت میں آپؐ کے لیے نعیمِ بے حد اور سرورِ سرمد ہے بلکہ وہ اُس جہان کے سلطان اور حیاتِ جاودانی اور سرورِ ابدی کے مالک اور تقسیم کرنے والے ہیں، وہ درحقیقت ابو القاسم ہیں۔ صلوات اللہ علیہ وسلامہ۔

[1] ودّع (تشدید سے) ماخوذ ہے تودیع سے جس کے معنی ہیں رخصت کرنا یعنی چھوڑ دینا کیوں کہ بوقتِ رخصت ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے ۱۲ منہ

دوم آپ کی سیادتِ کبریٰ اور سلطنتِ عظمیٰ کا ظہورِ کلّی دارِ آخرت ہی میں ہوگا، مرنے کے بعد ہر مومن پر روحِ پاک کی تجلی اور نورِ پرسُرور کا جلوہ ہوگا اور ہوتا ہے اور یہی جلوہ نجات کا باعث ہے۔ اور میدانِ حشر میں تاجِ کرامت آپ کے سرِ مبارک پر رکھ کر مقامِ محمود میں کھڑے کیے جائیں گے اور تمام انبیاء و اولیاء و اولین و آخرین کی نگاہیں اس روز آپ ہی کی طرف لگی ہوئی ہوں گی آپ ہی شفاعت کریں گے۔ جس طرح کوئی شفیق ماں اپنے گم شدہ بچوں کو ڈھونڈتی پھرا کرتی ہے آپ امت کے مجھ جیسے گنہگاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے ربِ کریم کے سامنے لے جاکر بخشوائیں گے، آپ کا حوضِ کوثر تشنگانِ میدانِ حشر کو سیراب کرے گا۔ آپ کا سایہ امت کو جگہ دے گا (لے میرے آقا روحی فداک میں بھی حضور کا ادنیٰ غلام ہوں. میں بھی اس فیضِ عام سے فیض یاب ہوتوں، آپ کے غبارِ پا کے قربان محروم نہ کیا جاؤں۔ ننگِ امت ہی سہی پر آپ کا نام لیوا تو ہوں)

اور چوں کہ کفار نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی کی تھی تو حق سبحانہ آپ کو خلعتِ عز و امتیاز عطا کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ملازم خاص پر عنایت فرما کر کوئی معزز عہدہ عطا کرے اور وہ کمالِ جد و جہد سے اس خدمت کو ادا کر رہا ہو لیکن حاسدانِ بداندیش محض اس کی دل شکنی کے لیے جھوٹی خبریں اڑائیں اور بدنام کریں کہ بادشاہ نے اس سے یہ خدمت چھین لی اور نظروں سے گرا دیا تو ایسے موقع پر بادشاہ عزت و امتیاز دینے کے لیے اور ان مخالفین کی باتوں کو غلط کرنے کے لیے اس معزز ملازم کو خلعت و عطیات سے سرفرازی بخشا کرتا ہے اور آئندہ ترقیوں کے لیے وعدہ فرمایا کرتا ہے تاکہ نہایت ہمت و کوشش سے اپنی خدمت کو ادا کرتا رہے۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرماتا ہے فقال ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ کہ تمہیں تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے، یہ بڑا وسیع وعدہ اور نہایت گراں بہا خلعت ہے کس لیے کہ ایسے وعدوں میں دو باتوں کی طرف نظر کی جایا کرتی ہے۔

اول وعدہ دینے والے کی طرف کس لیے کہ اگر تنگ حوصلہ یا کم مایہ کسی کو ایسا وسیع وعدہ دے تو وہ بہ لحاظ اس کی مقدرت و حوصلہ کے ایک معمولی وعدہ بلکہ اس سے بھی کم سمجھا جائے گا۔ مخاطب خیال کر سکتا ہے کہ یہ کیا مجھے کوئی جاگیر یا ملک دے گا، یہی دو چار روپے پیسے۔ اور اگر کوئی شہنشاہ بلند حوصلہ ایسی بات کہے تو ضرور خیال ہوتا ہے کہ کوئی جاگیر یا ملک عطا ہوگا۔

دوم اسی طرح جس کے لیے وعدہ ہو اس کی طرف بھی دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرومایہ شخص ہے تو اس کی قابلیت اور حوصلہ کے موافق عطیہ خیال کیا جائے گا اور اگر بڑا شخص اور بلند حوصلہ ہے تو اسی کے موافق عطیہ متصور ہوگا۔

اب اس مقام پر وعدہ دینے والا تو خدائے تعالیٰ ہے جس کے ہاتھ میں دارین ہیں اور اس کی بلند حوصلگی لفظ رب سے ظاہر ہے۔ جو تمام مخلوق کو بلا امتیازِ مومن و کافر مطیع و عاصی ہر وقت پرورش کر رہا ہے اور ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اور ہمیشہ کرے گا، اور جس کی نسبت وعدہ ہے وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حق سبحانہ کا دنیا میں ظل ہیں، اور بلند حوصلگی آپ کی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی اپنے دشمن کو سر دیا بھی دینا گوارا نہیں کرتا آپ ان کو سلطنتِ جاودانی اور ملکِ کامرانی دیتے ہیں، پھر اب اس وعدہ کی وسعت کو غور کیجیے کہ کیا کیا دیں گے جو کچھ آپ کو کمالاتِ جسمانی سے لے کر کمالاتِ اخلاقی و روحانی عطا ہوئے۔ اور جو کچھ شرف و امتیاز دوسرے جہان میں عطا ہوں گے اگر ان کو بیان کیا جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ سمائیں اور حق سبحانہ نے فقیر کو

توفیق دی تو خاص اسی آیت کی تفسیر میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطیات و کمالات کا کچھ نمونہ دکھائے گا۔ مگر ادنیٰ بات اس وعدہ کے وسعت کی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند حوصلگی کی ایک دلیل ہے یہ بات ہے کہ اس جملہ کو سن کر آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ میں کبھی راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ایک شخص بھی جہنم میں رہے گا۔ اخرجہ الخطیب فی التلخیص و یؤیدہ ما فی صحیح مسلم۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ

کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا	پھر جگہ دی	اور اس نے تمہیں

ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا

حیران پایا پھر تمہارے رہنمائی کی	اور اس نے تمہیں تنگ دست پایا

فَأَغْنَىٰ ۝ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝

پھر غنی کر دیا	پھر یتیم[1] کو	دبایا نہ کرو

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَ

اور	سائل کو	جھڑکا نہ کرو	اور

أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کرتے رہا کرو

ترکیب

الم یجدک ہذا شروع فیما انعم اللہ علیہ والہمزۃ لانکار النفی وتقریر المنفی فکانہ قال قد وجدک یتیما والوجود بمعنی العلم۔ فآوی قرء الجمہور بالالف بعد الہمزۃ رباعیا من آواہ یؤیہ وقرئ ثلاثیا وہو اما بمعنی الرباعی او ہو من اوی لہ اذا رحمہ ووجدک ضالا فہدی معطوف علی المضارع المنفی وقیل علی ما یقتضیہ الکلام السابق والضلال ہہنا بمعنی الغفلۃ کما قال الزجاج ونظیرہ قولہ تعالیٰ ولا یضل ربی ولا ینسی و قولہ تعالیٰ ان تضل احدہما فتذکر احدہما الاخری وقیل من الطلب والمحبۃ کقولہ تعالیٰ انک لفی ضلالک القدیم ووجدک عائلا معطوف علی الکلام السابق یقال عال الرجل یعیل عیلۃ اذا افتقر اما الیتیم منصوب بتقہر و قرئ بالکاف۔ والعرب تعاقب بین القاف والکاف وقیل القہر الغلبۃ والکہر الزجر قال ابو حیان ہی لغۃ واما السائل منصوب بتنہر والتقدیر مہما یکن شیء فلا تقہر الیتیم ولا تنہر السائل واما بنعمۃ ربک فحدث قیل المراد بالنعمۃ النبوۃ وقیل عام والتحدث الابلاغ والاظہار او الشکر الجار والمجرور متعلق بحدث والفاء غیر مانعۃ من ذلک لانہا کالزائدۃ قال الکرخی۔

تفسیر

پہلے فرمایا ہے کہ ہم آپ کو اس قدر دیں گے کہ آپ
ع ۱ ۱۱ ۱۸ راضی ہو جائیں گے۔ اب اس قول کی تائید و صداقت یا اطمینانِ قلبی کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گزشتہ چند واقعات کا اجمالاً ذکر فرماتا ہے جن میں حق سبحانہ کی طرف سے کیسی کیسی عنایتیں ہوئیں اور ان مواقع میں کیا کیا عطا فرمایا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے تین حال ہیں:۔

اوّل لڑکپن بلوغ کی حد تک کی عمر، سو اس عمر میں آپؐ یتیم تھے آپؐ پر کیا بے کسی تھی مگر حق سبحانہٗ نے کیا کیا انعام و اکرام کیے اس لیے اس پہلی حالت کی بابت فرماتا ہے الم یجدک یتیما فآوی کہ کیا اس نے یعنی خدا نے تمہیں یتیم نہیں پایا کہ پھر تم کو جگہ دی۔

[1] وہ نابالغ بچہ جس کا باپ نہ ہو ۱۲ منہ

تفصیل اس کی یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حمل میں تھے کہ حضرت کے والد ماجد عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہوگیا اور کوئی جائداد یا مال نہ چھوڑا کہ جس سے پس ماندوں کی پرورش ہوتی، پھر حق سبحانہٗ نے یہ انعام کیا کہ آپؐ کے جدِ امجد عبدالمطلب کو آپؐ پر مہربان کر دیا ایسا کہ آپؐ کے آگے تمام اولاد کو بھول گئے حالانکہ عبدالمطلب کثیر الاولاد تھے۔ اور حال یہ تھا کہ جب حضرتؐ دو برس کے تھے تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئی تھیں، اب نہ ماں ہے نہ باپ، صرف اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ عبدالمطلب کو فریفتہ کر رکھا ہے، جب چھے برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی چل بسے، اب خوف تھا کہ کیا کیا مصیبتیں آئیں مگر ان کی جگہ حضرتؐ کے چچا ابو طالب یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد سرپرستی کرنے لگے اور ایسی کی کہ کوئی اپنی حقیقی اولاد کی بھی ایسی نہ کرے گا۔

یہ یتیمی کا زمانہ اس طور سے گزرا اب بالغ ہوئے، یہ دوسرا حصہ عمر کا شروع ہوتا ہے، اس میں جوانی کی امنگیں اور نوخیز شباب کے ولولے بھی کچھ کم نہیں ہوتے، ہرچند آپؐ مادر زاد نبی تھے اور طفولیت ہی میں رئیس الموحدین تھے خدا پرستی مکارمِ اخلاق آپؐ کا شیوہ تھا مگر ہنوز مراتبِ قرب اور محبت کی سنگلاخ گھاٹیوں سے اور نیز وحی اور شریعتِ اسلام کی حقیقت سے جو آپؐ کو بعد میں الہام ہوئی ناواقف تھے، اس کوچہ سے بھولے ہوئے تھے اور حیران و طالب تھے لیکن حق سبحانہٗ نے رہنمائی کی اس بات کی طرف اس جملہ میں ایما کرتا ہے ووجدک ضالا فھدیٰ کہ ہم نے تمہیں بھولا ہوا یا طالب پایا کہ پھر تمہیں رہنمائی کی جیسا کہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان الآیہ آپؐ عبادت کرتے تھے مگر یہ تعدادِ رکعات اور اس کے آداب و قوانین نہ جانتے تھے، ناپاکی سے دور رہتے تھے، ہاتھ پاؤں دھو لیا کرتے تھے مگر وضو اور غسل کے دستورات نہ جانتے تھے، خیرات کرتے اور اس کی تاکید کرتے تھے مگر اس کے مصارف اور مقدارِ زکوٰۃ اور اس کے دیگر دستورات سے واقف نہ تھے۔ اسی طرح ایک محبتِ الٰہی کا جاذبہ تھا اور دل میں ایک آتشِ عشق شعلہ مارتی تھی مگر اس کی ترقی اور قوانین سے واقف نہ تھے، اس حالت کو ضلال سے تعبیر کیا جو اوروں کی ہدایت سے بڑھ کر تھی۔

مفسرین نے ضلال کے چند معنی بیان فرمائے ہیں کسی نے کہا کہ ضلال سے مراد رستہ بھولنا ہے جو آپؐ شام کے سفر میں بھول گئے تھے۔ بعض نے کہا حلیمہ سعدیہ کے ہاں ایک بار جنگل میں گم ہوگئے تھے، بعض نے کہا مکہ میں ہا کرتے تھے تب رستہ بھول گئے تھے۔ ابوجہل جا رہا تھا آپؐ کو اٹھا کر اپنے پیچھے سوار کرکے اونٹنی کو ایڑ ماری تو نہ اٹھ سکی ہرچند مارتا تھا مگر وہ جنبش بھی نہ کرتی تھی آخر ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ تو نادان ہے جہان کے سردار کو پیچھے سوار کرتا ہے اور آپ آگے ہوتا ہے، یہ آگے ہونے کے قابل ہے، تب آپؐ کو آگے بٹھایا جب اونٹنی چلی۔ آخر عبدالمطلب سے کہا کہ یہ تیرا بچہ دیکھیے کیا کیا گل کھلاتا ہے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بعض نے کہا وہ ضلال محبت کی بے تابی ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسفؑ سے تھی اور اسی لیے بیٹوں نے بھی کہا تھا انک لفی ضلالک القدیم حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کسی گمراہی میں نہ تھے لیکن اس مقام پر ضلال سے مراد طلب اور حیرت ہے جو حضرتؐ پر طاری تھی۔

ف حضرات انبیاء علیہم السلام جمہور اہل اسلام کے نزدیک گمراہی سے پاک تھے ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک کوئی ناپاک دھبہ ان کے دامنِ عصمت پر نہیں لگا اور نہ لگنا چاہیے کس لیے کہ جس نے ان کو نبی اور مخلوق کا ہادی بنا کر بھیجا وہ ان کی سیرت اور صورت اور اخلاق کو

نفرت انگیز کیوں کر ہونے دیتا جس میں سراسر مقصودِ الٰہی فوت ہو جاتا۔ بعض گمراہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ کہنے میں اس لفظ سے استدلال پکڑ کر بڑی جرأت کی ہے۔ اگر نادانستگی سے تو خیر، اور اگر متعصب عیسائیوں اور ہنود جیسا عناد اور آفتاب پر گرد و غبار ڈالنا مقصود ہے تو بڑا کمینہ پن اور دارین کی رُوسیاہی ہے۔

تیسری حالت آپ کی عمر شریف کا وہ حصہ ہے کہ جس میں عیال داری ہے۔ خصوصاً جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شہر میں نکاح کیا جہاں نہ زراعت تھی نہ صنعت نہ کوئی کارخانہ تجارت۔ اس وقت حق سبحانہ نے یہ احسان کیا کہ آپ کو غنی کر دیا۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں اشارہ فرماتا ہے ووجدک عائلا فاغنیٰ اور تم کو فقیر پایا تو غنی کر دیا۔ حضرتؐ کی تنگ دستی تو ظاہر ہے مگر غنی کیوں کر حاصل ہوئی؟ اول تو اصل غنیٰ دل کی غنا ہے، سو یہ بات حضرت کو بہت کچھ عطا کی اور دراصل جس کو غنائے نفس حاصل نہیں گو کیسا ہی مال دار ہو مگر سخت محتاج ہے، مارا مارا پھرتا ہے، دل میں بے قراری ہے بر خلاف غنائے نفس کے اس کو اطمینان ہے۔ دوم حضرتؐ کو خدیجہؓ بیوی ملی۔ جن سے اعیانِ قریش نکاح کرنا چاہتے تھے مگر وہ کسی کی طرف رغبت نہ کرتی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا، یہ بڑی مال دار تھیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعدار بلکہ جاں نثار بھی تھیں۔

یعنی ہم اے نبی کریم تمہاری گزشتہ عمر میں تم پر کیا کیا احسان کرتے رہے، پھر اب آئندہ جو بے شمار عطیات کا وعدہ کرتے ہیں اس کو کیوں کر نہ پورا کریں گے۔

اب ان تینوں زمانہ کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تین حکم صادر فرماتا ہے

(۱) فاما الیتیم فلا تقھر کہ یتیم جو ہو سو اس پر ظلم نہ کرنا۔ اپنے یتیمی کے زمانہ کو یاد کر لیا کرو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی یتیم کو کیا اور بھی کسی کو نہ دباتے تھے نہ کبھی دبایا نہ کسی پر سختی کی۔ عرب میں اسلام سے پہلے جہالت اور سخت دلی اور بدکاری کی کوئی حد نہ تھی خصوصاً یتیموں، بیواؤں اور ضعیفوں پر زیادتی کرنا اپنے ذرا سے نفع کے لیے ان کا نقصان کر دینا کوئی بات نہ تھی، اس لیے بظاہر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مگر معنیً سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا۔ یہ لفظ عام ہے۔ زبانی جھڑکنا سخت کلامی کرنا بُری نگاہ سے دیکھنا اور اس کو مارنا یا اس کے مال کی خیانت کرنا یا دغا فریب سے لے لینا سب قہر میں داخل ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا اس کے حالِ زار پر رحم نہ کھانا بھی قہر ہے۔ عرب اس مرض میں مبتلا تھے اور نیز دفعِ مضرت طلبِ منفعت سے مقدم ہے اس لیے یہ فرمایا کہ قہر نہ کرنا یوں نہ کہا کہ رحم کر۔ اور یہ بھی نکتہ ہے کہ جب قہر نہیں تو خواہ مخواہ رحم ہی رحم ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص یتیموں پر بڑے مہربان تھے اور لوگوں کو بھی تاکید رحم کرنے کی فرماتے تھے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ بہشت میں اس طرح سے رہے گا اور اپنی دونوں انگلیوں کی طرف ملا کر اشارہ فرمایا کہ جس طرح ہاتھ کی ایک انگلی دوسری سے ملی ہوئی ہے اسی طرح میرے ساتھ یہ ہوگا۔ یہ مضمون صحیح بخاری میں موجود ہے۔

اور یتیم ہی پر موقوف نہیں، ہر ضعیف بے کس پر رحم کرنا اسلام اور اسلامیوں کا شیوہ ہے۔ اب ان بے کسوں میں سے ایک سائل بھی ہے، جب نہایت ذلیل و خوار حالت ہو جاتی ہے تب ہی شریف سوال کرتا ہے اس لیے فرماتا ہے واما السائل فلا

تنھر اور جو کوئی سائل ہو اس کو نہ جھڑکو۔ اگر اس کے سوال پورا کرنے کی قدرت ہو تو پورا کر دو بشرطیکہ ممنوع امر کا سوال نہ ہو ورنہ نرم الفاظ میں جواب دے دو۔ سائل کی دل شکنی نہ کرو اور دے کر طعنہ و تشنیع نہ کرو کہ ایسے دینے کا کچھ بھی ثواب نہیں۔ یہ اس دوسری نعمت کے شکر یہ میں ہے یعنی آپ کو تنگ دستی کے بعد غنی کیا اپنے وقت کو نہ بھولو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور مروّت کی کی کچھ انتہا نہ تھی۔ نہیں تو کہنا جانتے ہی نہ تھے۔ آپ بھوکے ہیں، سائل نے مانگا جو میسر آیا دے دیا۔ ایک بار بحرین سے نوے ہزار درہم آئے بانٹ کر خالی ہاتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بار ایک عورت نے ایک عمدہ چادر سی کر آپ کو بھیجی۔ سائل نے مانگی اسی وقت اُتار دی، کبھی گھر میں مال و زر کچھ بھی نہیں رکھا، اس کے علاوہ اگر اپنے پاس نہ ہوا تو قرض لے کر دیا یا اور سے فرمائش کر کے دلوا دیا اور یہاں تک کہ ایک بار ایک ہی کرتا تھا جسے پہنے ہوئے تھے کسی نے مانگا آپ نے اُتار دیا۔ اب کوئی کپڑا نہیں جو پہن کر باہر نماز پڑھانے آئیں، لوگ بیٹھے راہ دیکھ رہے ہیں۔ اس بارے میں آخر آیت نازل ہوئی کہ ایسا ہاتھ نہ کھولو کہ تنگ ہو کر گھر میں بیٹھ رہنا پڑے۔

ف آیت میں سائل سے وہی سائل مراد ہیں جو حاجت مند ہو کر سوال کرتے تھے، نہ کہ وہ لوگ کہ جنہوں نے بارہ مہینے گداگری کو پیشہ کر لیا ہے اور صحیح و تن درست ہیں کما سکتے ہیں، مگر کہیں کوئی بہروپ بھر لیا ہے کہیں کوئی اور صورت بنائی ہے صدائیں اور اشعار یاد کر لیے ہیں اور رٹے کٹے ہیں، پھر ایک نہیں دو دو چار چار جماعت بنا کر مانگتے پھرتے ہیں اور تکیوں میں بیٹھ کر مسکرات پیتے ہیں، بھنگ گھونٹتے ہیں۔ چرس کے دم لگاتے ہیں، نہ نماز ہے نہ روزہ اور اسی کو فقیری اور وصول الی اللہ اور معرفت و حقیقت کی روح جانتے ہیں، اور پھر مانگتے کیا ہیں گویا شاہی حکم نامہ ساتھ لے کر چلتے ہیں، اَڑتے ہیں تو لیے بغیر ٹلتے نہیں، اور پھر کیا کیا آوازے کستے ہیں۔ ایسا سوال حرام ہے۔ اور ایسے سائل عرب میں نہ تھے۔ اور جو کوئی تھا بھی تو شریعت نے منع کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تن درست سائل کو جو کمانے پر قادر تھا درّے مارے ہیں۔ یہ بے حیائی کا پیشہ جیسا ہندوستان میں ہے شاید کہیں اور بھی ہو۔ اس نے صدہا لوگوں کو بے کار اور نکما کر دیا۔ حاجت مندوں کا حق تلف کرا دیا۔ ایسے لوگوں کو دینا اور جو دراصل حاجت مند ہیں اور شرم کے مارے سوال نہیں کرتے ان کو نہ دینا بڑا ظلم ہے۔ اگر اس وقت کے مسلمانوں کی سخاوت قانونِ محمدی کے موافق ہوتی تو بہت کچھ نفع ہوتا۔ یہ بھی جہل کا کرشمہ ہے۔

ف آیت میں ایک لطیفہ ہے۔ سائل کیلئے لفظِ تنھر ایک عجیب لطف عربی زبان دانوں کو دے رہا ہے کیوں کہ سائل سے سیلان اور تنھر سے نہر سمجھا جاتا ہے جس کو سیلان ہوتا ہے۔ سائل سے وہ سائل بھی مراد ہو سکتا ہے جو مسائل پوچھے، اس کو بھی جھڑکنا نہ چاہیے۔ یہ داب تعلیم ارشاد ہوا ہے۔

اب اس تیسری نعمت کے مقابلہ میں یعنی ہدایت و ارشاد کے مقابلہ میں یہ حکم ہوتا ہے واما بنعمۃ ربک فحدث اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کرو۔ نعمت کا لفظ عام ہے کوئی بھی نعمت ہو۔ اور بیان کرنے سے وہ بیان کرنا مقصود ہے جس میں تعلّی اور استکبار ریا کاری نہ ہو بلکہ اوروں کو حق سبحانہ کی جود و عطا کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو۔

بعض علماء نے بقرینہ فہدیٰ نعمت سے مراد نبوت و ہدایت لی ہے۔ اور دراصل یہ بڑی نعمت ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے، اور اس کے بیان کرنے سے بندوں میں اس کا اظہار اور ابلاغ اور گمراہوں کی

رہ نمائی کرنا مراد ہے۔

ف قرآن مجید میں جو کچھ روحانی برکات ہیں وہ تو ہیں ہی ہیں مگر امورِ معاش میں بھی ایک ادنیٰ تاثیر یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو سات بار اس سورتِ مبارکہ کو پڑھے، انگلی کے سرے کو سر کے اردگرد پھرایا جائے اور اس کے بعد اَصْبَحْتُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ وَ اَمْسَیْتُ فِیْ جَوَارِ اللّٰہِ اَمْسَیْتُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ وَاَصْبَحْتُ فِیْ جَوَارِ اللّٰہِ پڑھ کر دستک دے تو وہ چیز مل جائے گی۔ روح جو اپنا عالمِ قدس کا آشیانہ کھو بیٹھی ہے اُس سے اس کا بھی جلد پتہ مل جاتا ہے۔

اللہ اکبر

سورۃ انشراح

مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَ

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا اور

وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢ الَّذِيْٓ

کیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اُتار دیا کہ جس نے

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣ وَرَفَعْنَا

آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور کیا ہم نے آپ کے

لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤ فَاِنَّ مَعَ

ذکر کا آوازہ بلند نہیں کیا پھر مشکل کے

الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

ساتھ آسانی بھی ہے بے شک مشکل کے ساتھ

يُسْرًا ۝٦ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧

آسانی ہے پھر جب آپ (تبلیغ احکام سے) فارغ ہوا کرو تو جھک پڑا کرو

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝٨ ع ۱ ۱۹

اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگا لو۔

ترکیب

الم نشرح الخ الاستفہام تقریری والمعنی قد شرحنا لک صدرک ووضعنا عنک معطوف علی معنی ما تقدم وعنک متعلق بوضعنا وتقدیمہ علی المفعول الصریح مع ان حقہ التاخر لتعجیل المسرۃ والتشویق المؤخر الذی الخ وصف الوزر ورفعنا الخ معطوف علی السابق یسرًا اسم ان مع العسر خبرہا والعسر فی الموضعین واحد لان المعرفۃ اذا اعیدت یراد بہا الاول والیسر غیر الاول ولذا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یغلب عسر یسرین ان اللہ یقول ان مع العسر یسرا الخ اخرجہ عبد الرزاق وسعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان وغیرہم۔

تفسیر

یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی، جمہور کا اس پر اتفاق ہے، حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ کا یہی قول ہے اس میں آٹھ آیات ہیں۔

اس کی مناسبت سورۃ والضحیٰ سے ایسی ہے کہ بعض نے اس کو پہلی سورت کا جز سمجھ لیا اور کہہ دیا کہ دونوں ایک سورت ہیں، چنانچہ شیعہ کا یہی قول ہے، لیکن

دراصل یہ دونوں دو سورت ہیں، اس لیے کہ وہاں استفہام غائب کے صیغوں سے ہے جیسا کہ الم یجدک یتیماً الخ اور یہاں متکلم کے صیغہ سے، اور دونوں کے اسلوب میں بڑا فرق ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سورت کے مضامین سورۂ والضحیٰ کے اخیر مضامین کا بقیہ ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو جو افضالِ الٰہی ہوئے ہیں ان کی طرف چھوٹے چھوٹے جملوں میں اشارہ ہے اور بعد ان کے دو حکم مؤکد ہیں جو تکمیل و ترقی کے لیے دو رکنِ رکین ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر خدائے پاک نے دو قسم کے کمالات ودیعت رکھے تھے: ایک وہ کہ جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور دوسرے وہ کہ جن کا تعلق خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک اور حق سبحانہ سے ہے۔

اول قسم کے کمالات میں سے وہ تین کمال سورۂ والضحیٰ میں مذکور تھے (۱) یتیمی اور اس میں باوجود بے اسباب پیدا ہو جانے کے کہ کوئی سرپرست اور معلم نہ رہا تھا۔ پھر کمالاتِ ظاہری باطنی کی ایسے معلم نے تعلیم دی کہ انبیا اولو العزم اور حکماء باکمال سے صدہا منازل آگے بڑھ گئے۔

(دوم) ہدایت عطا کرنا اور اس کی صدہا اقسام ہیں۔ اور دنیاوی تدابیر اگر موافق مصلحت او مقتضائے حال کے نہ ہوں تو گمراہی ہے پھر ان میں سیدھی راہ کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ پھر دینی امور میں قوانین نوامیسیہ سے لے کر قوانینِ سیاسیہ تک راہِ راست سے افراط و تفریط ضلال ہے اور راہِ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے اسی طرح اخلاق میں افراط و تفریط ضلال ہے، ان میں راہِ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے، اسی طرح قوائے انسانیہ کی تہذیب ہدایت ہے اور اس کے برخلاف ضلال ہے۔ اسی طرح مراتبِ قرب و منازلِ تقرب میں اوپر کے درجہ کی تعلیم ہدایت ہے، اور اب یہ نیچا درجہ نقص و ضلال ہے۔ ان سب امور میں حق سبحانہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی یہ کیسی نعمت و رحمت ہے۔

(۳) غنائے نفس اور غنائے مال جو ایک اور نعمت ہے اس کا عطا کرنا بڑا احسان ہے کیونکہ ایسے مصلحِ قوم بنی آدم کے لیے اگر استغنا نہ ہو تو کوئی فائدہ مترتب نہ ہو یہ تیسرا کمال تھا۔

شرحِ صدر کی شرح

ان تینوں کمالات کے بعد اس سورت میں تین وہ کمال بیان فرماتا ہے جن کا تعلق خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حق سبحانہ کے مابین ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) شرحِ صدر۔ اس کے لفظی معنی ہیں سینہ کھول دینا۔ یہ ہدایت کا اخیر مرتبہ ہے۔ اس مرتبے میں تمام حقائق ملک و ملکوت لاہوت و جبروت منکشف ہو جاتے ہیں۔ زبان اسرارِ غیب کی کنجی اور دل خزانہ ہو جاتا ہے، پھر وہ جو کچھ فرماتا ہے عالمِ غیب میں مشاہدہ کر کے فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی مرتبہ کے عطا ہونے کی التجا کی تھی۔ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (کہ اے رب میرا سینہ کھول دے) یہ مرتبہ اولو العزم انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا کرتا ہے اور آں حضرت کی نبوتِ کبریٰ کے لیے یہ مرتبہ اور یہ کمال ضروری تھا اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کمال کے حاصل ہونے کی استفہام تقریری کے پیرایہ میں خبر دیتا ہے: کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا یعنی کھول دیا تاکہ آپ کو اور لوگوں کو آپ کی نبوتِ کبریٰ کا اطمینان حاصل ہو اس لیے سب سے اول اسی کمال کا اظہار فرماتا ہے فقال الم نشرح لک صدرک کہ کیا ہم نے اے نبی تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟ ضرور کھول دیا یہ استفہام تقریری کامل ثبوت کا فائدہ دیا

کرتا ہے۔

احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ دوبار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ فرشتوں نے چاک کر کے قلبِ مبارک کو نورانی طشت میں آبِ قدس سے دھویا ایک بار لڑکپن میں جب کہ آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پایا کرتے تھے۔ دوبارہ جب کہ معراج کو تشریف شریف عالمِ بالا کی طرف لے گئے جمیع الواثِ بشریہ و کدوراتِ انسانیہ دھو دیے تھے

یہ اسی شرحِ صدر کی تاثیر تھی کہ دنیا و مافیہا آپ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے اور غم اور خوشی دونوں حالتیں آپ پر کوئی تغیر پیدا نہ کرتی تھیں۔ ہمتِ عالی کے نزدیک تمام جہان کی اصلاح کے لیے کھڑا ہونا اور دنیا کو ناپاک کرنے والی قوی سلطنتوں کا اکھیڑ کر پھینک دینا کہ جن کی نسبت یہ خیال کرنا بھی جنون شمار ہوتا تھا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہر حال میں آپ انبساطِ قلبی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔ لک کی قید یہ بتلا رہی ہے کہ اور کسی کے لیے شرحِ صدر مراد نہیں بلکہ خاص آپ ہی کے واسطے ہے۔

ف شرحِ صدر فرمایا شرحِ قلب نہ فرمایا، اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس میں یہ نکتہ ہے کہ صدر سینہ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر قلب ہے، جب قلب کا قلعہ ہی درست کر دیا اور شیطان اور اس کے وسواس کی آمد و رفت بند کر دی ہو تو پھر قلب تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے کس لیے کہ وہ تو سینہ میں ایک محفوظ جگہ ہے۔ جیسا کہ جب کوئی شہر محفوظ کر دیا جائے تو اس شہر میں جو مخصوص گھر ہے وہ بدرجۂ اول محفوظ ہوگا۔ اور جب چور اس محفوظ گھر میں آنا چاہتا ہے تو اول اس شہر میں گھستا ہے، پھر جب کوئی رستہ پاتا ہے تو اس گھر میں بھی آگھستا ہے۔ اور ہموم و غموم دنیا کے زہریلے اثر اور حب الشہوات و حرص آرزوہائے دور و دراز کے تلخ ثمر اور دارِ آخرت سے غفلت اور حق سبحانہٗ سے محجوبیت کے ظلمات ڈال جاتا ہے۔ پھر نہ کسی طاعت میں لذت نہ اسلام و ایمان میں حلاوت پاتا ہے اور نہ اس کی طرف رغبت کرتا ہے اور جب یہ شہر ہی محفوظ ہو جاتا ہے اور اس میں ایسی روشنی تجلیاتِ الٰہی کی ہوتی ہے کہ کوئی چور و قزاق روحانی جذبات کے پاسبانوں کے سامنے آنے نہیں پاتا تب عبادات و ریاضات میں حلاوت پاتا ہے اس لیے شرحِ صدر فرمایا نہ کہ شرحِ قلب

وزر کی تحقیق

اب دوسرے کمال کا اظہار فرماتا ہے۔

(۲) و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک

کہ ہم نے تمہارے اس بوجھ کو کہ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ ڈالی تھی تم سے اُتار دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا؟ صحیح تر بات یہی ہے کہ جس کی روح میں جو استعداد رکھی گئی ہے اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا ایک جبلی بات ہے، اور جب انسانی قویٰ اور اس کے اعضاء ان چیزوں کی برداشت نہیں کرتے اور ان استعدادات کے حاصل کرنے میں تائید نہیں کرتے تو وہ چیزیں کہ جن کا داعیہ اس کی روح کو ہے ایک بارِ گراں معلوم ہونے لگتی ہیں اور بڑی کش مکش اور اضطراب میں پڑ جاتا ہے یہ ہے بارِ گراں۔ اور یہ ہر شخص پر اس کے روحانی حوصلے کے موافق کم و زیادہ ہوا کرتا ہے۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ بہت ہی بڑا تھا اور خصوصاً اس سبب سے کہ شرحِ صدر ہو چکا تھا تو آپ کے عزائم کی کیا انتہا۔ اور مکہ میں اس وقت تک آپ کے پاس اس کے سرانجام کے اسباب نہ تھے، نہ آپ کے قویٰ و جوارح ان کا تحمل کر سکتے تھے۔ یہ تھا وہ بوجھ بھاری کہ جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو یوں اُتار دیا کہ اس کے سامان بہم پہنچا دیے اور

قویٰ و جوارح میں طاقت دے دی یا سامان بہم پہنچانے کا یہ قوی وعدہ ہے چونکہ یقینی ہے اس لیے اس آنے والی چیز کی ماضی کے صیغوں سے خبر دیتا ہے۔ یہ ایک قوی پیشین گوئی ہے جس کا تحقق بہت جلد ہوا۔

بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ وہ نبوت اور اس کے لوازمات کا بوجھ تھا کس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب شرح صدر ہو چکا تھا اور تجلیات الٰہیہ و آفتاب ذاتِ حق سبحانہ آپؐ کی روح پر جلوہ گر ہو چکا تھا تو آپؐ مقام شہود میں تھے۔ اس وقت سوائے خالقِ اکبر کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ مخلوق کا وجود ہی معدوم معلوم ہوتا تھا پھر ان کے افعالِ خیر و شر کا تو کیا ذکر تھا پھر کس کو کس بات سے منع کرتے اور کس کو کس بات کا حکم دیتے ؎

بسا میری نظروں میں تو خوب رُو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

پھر ایسے مستغرق الحال کو مخلوق کی طرف متوجہ ہونا اور اعلیٰ مقام سے نیچے تنزل کرنا سخت بوجھ ہے، پھر اس بوجھ کو خدا پاک نے یوں اُتارا کہ مقام بقا میں آپؐ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمائی کہ کثرت وحدت کا حجاب نہ ہوئی عین تفصیل میں جمعیت کا مشاہدہ کرتے تھے اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے سے وہ شہود غائب نہیں ہوتا تھا یہ انتہا درجہ کا کمال ہے جو انبیاء اولوالعزم کا حصہ خاص ہے۔

بعض حضرات یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بوجھ بھاری جس نے کمر توڑ رکھی تھی وہ ہیولانیت اور امکان کا بوجھ تھا جو آپؐ کو اوپر نہ اُبھرنے دیتا تھا اور عالمِ قدس کے لحوق سے مانع تھا، پھر جب اس کو خفیف کر دیا اور صدرِ امکان پہ تقدسِ وجوب کا پرتو پڑ گیا تو وہ بوجھ اُتر گیا اور باطناً آپؐ عالمِ قدس کے لوگوں میں داخل ہو گئے اور اسی لیے طرفۃ العین میں آسمانوں پر تشریف لے گئے۔

اور یہی وہ رفعِ ذکر ہے جس کا ذکر آتا ہے

رفعِ ذکر کا بیان

(۳) ورفعنالک ذکرک اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔ اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپؐ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرتؐ پر ثنا۔ و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپؐ کا ذکر ہے، ہر حال میں باستثناء مواضع چند جہاں حق سبحانہ، کا ذکر ہے وہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔ عالمِ غیب میں آپؐ سلطان ہیں، کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپؐ کا ذکرِ خیر نہ ہو، قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع تھا یا نافرمان، ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازوں اور عرش کے کنگروں پر بھی اسمِ گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرتؐ کا ذکر نہ ہو، منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۂ دنیا پر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں آپؐ کا ذکر نہ ہو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔

رفعِ ذکر کی مثال

اس رفعتِ ذکر کو ایک محلِ رفیع الشان سے تشبیہ دی جائے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے، ہر ایک میں آپؐ ہی حاکمِ اعلیٰ ہوں۔

اوّل کمرہ

جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہ عرب و عجم

روم و شام ایران و ہند وغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیر مملکت اور قوانین جہانداری آپؐ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپؐ فرماتے ہیں اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں، کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں، کسی گوشہ میں مامون ہیں کسی میں سلاطین سلجوقیہ ہیں کہیں خلفائے مصر ہیں پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں اور کہیں تیمور صاحب قران ہیں اور کہیں علاء الدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نام آور باقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبان زد خلائق ہیں ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں، اور ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے؟ وہی ذات بابرکات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوسرا کمرہ

پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استاد زمانہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علوم سیاست و تدبیر منزل، تہذیب اخلاق و درستی آداب حاصل کر رہے ہیں۔ کہیں ابو علی سینا کھڑا ہے۔ کہیں ابوریحان البیرونی کھڑا ہے۔ کہیں ابو نصر فارابی اور کہیں شہرستانی اور کہیں نصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکمائے دہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استاد کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرا کمرہ

تیسرے کمرہ میں قانون محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں ہدایہ وغیرہ۔ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجد قوانین سیاسیہ و نوامیسیہ حاضر ہیں کہیں امام ابو حنیفہ ہیں تو کہیں قاضی ابو یوسف اور امام محمد اور امام مالک و امام شافعی حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمین و ابن دقیق العید و تاج الدین سبکی وغیرہ حاضر ہیں۔ اور آپؐ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھا کمرہ

چوتھے کمرہ میں ایک مفتی متبحر مسند افتاء پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم و فنون کے دریا جو ان کے سینہ میں جوش زن تھے رواں ہیں۔ کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب و سنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جا رہی ہے کہیں محدثین نحریر روزگار فنون احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرین زماں قرآن مجید کے جلوہ میں جو جو اسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں ان کے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں۔ اور کہیں واقعات قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں اور کہیں اہل دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں استفادہ کر کے حظ وافر اٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائل فرائض و میراث دریافت کر رہی ہے۔ اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیح قرات کر رہے ہیں اور الفاظ قرآنیہ کو انہیں کے لب و لہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب و سنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملات بیع و رہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علم عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں، مخلوق کی ابتداء اور انتہاء اور صفات باری اور اس کے افعال اور وجود ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کی شرائع کی بابت سوال کر رہے ہیں کہیں مرنے کے بعد سے لے کر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں ان کا حال دریافت کر رہے ہیں۔

اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سے کرے غلط اور خیالاتِ جاہلانہ پر مبنی تھے اور کون سے من اللہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف و تبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی۔ اور کہیں ایک جماعت اسرارِ احکامِ الٰہی دریافت کر رہی ہے اور کہیں علم زہد و رقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں۔ یہ مفتیِ متبحر وہی سرورِ کائنات ہیں علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچواں کمرہ

پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسندِ حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکامِ الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر درّے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم و تعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں اور کہیں لہو و لعب ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں، شہوات اور فسق و فجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں مکاروں فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے باز پرس ہو رہی ہے یہ صاحبِ وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹا کمرہ

چھٹے کمرہ میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عز و وقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبرانِ ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں، پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں امرھم شوریٰ بینھم کا اشارہ کر کے کاروبارِ سلطنت کے لیے مدبرانِ قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں۔ اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لیے قومی لشکرِ جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں واعدوا لھم ما استطعتم اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ و سامانِ حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور ملازمانِ سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکمِ مؤکد صادر فرما رہے ہیں من اطاع امیری فقد اطاعنی۔ پھر قرب و جوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے اس کے قوانین و دستورات کی تعلیم دے رہے ہیں، کہیں ملک میں امن و امان قائم کرنے کی تاکیدِ شدید کر رہے ہیں، کہیں عہدناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کی عزت و وقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت و شفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں خیرہ چشموں سے سختی اور جواں مردی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ کس لیے کہ قیامِ سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم اور عیش و نشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد و محبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ و عیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا حاجات میں کام آنا معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدی بن کر گھر میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرما رہے ہیں، یہ کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔

ساتواں کمرہ

ساتویں کمرہ میں ایک عابد زاہد دنیا و مافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے، اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمرِ گراں مایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بے کار نہیں کھوتا۔ کبھی تلاوتِ قرآن مع التدبر التام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں کبھی تسبیح و تہلیل میں مصروف

ہیں اور اوراد و ادعیہ صبح و شام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصار ہے۔ اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں۔ ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں، لوگوں کو ان سے دلی انس ہے، ملائکہ علوی و سفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگانِ خدا بھی جوق جوق آکر مستفید ہوتے ہیں پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اوراد و اشغال کی تعلیم ہے کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے نہ کسی امیر کی پروا نہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا، یہ حضرت بھی وہی سرورِ کائنات ہیں صلوٰۃ اللہ وسلامہ۔

آٹھواں کمرہ

آٹھویں کمرہ میں ایک عارف و کامل تشریف رکھتے ہیں جو ذات و صفات کے اسرار اور عالمِ ناسوت و ملکوت کے حقائق اس کے دلِ فیض منزل پر منکشف ہیں۔ حقائق و معارف مواجید و اشواق کا اس کی زبانِ فیض ترجمان سے دریا جاری ہے۔ فصوص الحکم و فتوحاتِ مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذاتِ مقدس کے بیانات سے لکھی جا رہی ہیں، وہ بھی آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نواں کمرہ

نویں کمرہ میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا ہے لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جما رہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ کسی کو ثوابِ عظیم و اجرِ جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذابِ قبر اور عذابِ جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرا رہا ہے۔ اور کسی کو دارِ آخرت کے درجات اور حیاتِ جاودانی کی برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کافر و بت پرست کفر و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے ہیں سنگ دلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے مجلس میں آہ و بکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر دور ہی نہیں ہوتا۔ جو ایک بار بھی اس مجلس میں آ گیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار خونی ایسے رحم دل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ شہوت پرست پرہیزگار بن گئے۔ سست و غافل ہوشیار بن گئے۔ کنجوس اور کٹر سخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرت واعظ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دسواں کمرہ

دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشدِ کامل صاحبِ طریقہ و صاحبِ دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے طالبانِ خدا کا اس کے اردگرد ہجوم ہے، وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بنا رہے ہیں، اور ان کے مقامات و احوال اور مراتب و مناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگارنگ توجہات و تاثیرات پیدا کر رہے ہیں کسی کو وجد آ رہا ہے، کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے، کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے، کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقا کا، کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ و شبلیؒ و سید عبدالقادر جیلانیؒ و شیخ احمد بدویؒ و معین الدین چشتیؒ و نظام الدین محبوب الٰہیؒ و شیخ شہاب الدین سہروردیؒ و خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ وغیرہ اولیاء کرام حاضر ہیں۔ یہ مرشدِ کامل بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

گیارہواں کمرہ

گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے

رخساروں پر آفتاب و ماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمالِ الٰہی کا پورا آئینہ کہ ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے، وہ بھی آپ ہی ہیں۔

بارہواں کمرہ

بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحبِ کتاب نہایت عز و شان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم و اسحٰق و یعقوب و داؤد و سلیمان و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام ان کے اردگرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں۔ کہیں ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں کہیں گھٹا رہے ہیں کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو از سرِ نو قائم فرما رہے ہیں، اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا استاد مان رہے ہیں، یہ بھی وہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرحِ صدر اور یہ ہے وہ رفعِ ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں چند اشعار نظم کیے ہیں، اور وہ یہ ہیں ؎

اغر علیہ للنبوۃ خاتم
من اللّٰہ مشھود یلوح ویشھد
وضم الالٰہ اسم النبی مع اسمہ
اذا قال فی الخمس المؤذن اشھد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ
فذو العرش محمود وھذا محمد

چوں کہ یہ رفعِ ذکر و شرحِ صدر و وضعِ وزر جو بڑی نعمت و سرورِ دائمی ہے یوں ہی نہیں مل گئی ہے اس کے لیے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے مجاہدات کیے ہیں، اس لیے فرماتا ہے فان مع العسر یسرا کہ بے شک ہر سختی کے ساتھ آسانی بھی ہے، جب کوئی سختی اور مشقت کا بوجھ سر پر دھرتا ہے تو بہت دیر کے بعد نہیں بلکہ بہت جلد راحت بھی پاتا ہے، اسی لیے بعد کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ مع کا یعنی کچھ دیر نہیں۔ اس میں ایمان داروں کو ان کی مساعی جمیلہ پر دنیا و آخرت میں کامیابی کا پورا وعدہ ہے اور اسی لیے اس جملہ کو دوبارہ تاکید کے لیے فرمایا جاتا ہے ان مع العسر یسرا کہ ضرور رنج کے بعد خوشی اور دکھ کے بعد سکھ ہے۔ صبر کا نتیجہ اچھا ہے۔ دنیا میں دیکھو جب کاشتکار زراعت کی مشقت اٹھاتا ہے تو غلہ پیدا ہونے کی خوشی دیکھتا ہے علم میں اور کمالات حاصل کرنے میں جو مشقتیں اٹھاتے ہیں بہت جلد اپنی کوشش کے پھل پاتے ہیں، اسی طرح جو ایمان دار نفس کو بد خواہشوں سے روکتے اور عبادات و فرائض کے ادا کرنے کی مشقت و محنت اٹھاتے ہیں دنیا میں بھی ورنہ مرنے کے بعد جو بہت ہی قریب زمانہ ہے اور گویا ساتھ ہی لگا ہوا ہے، عمدہ پھل پائیں گے اس میں سستوں اور کاہلوں تن پروروں کو تنبیہ ہے کہ وہ کبھی سعادت کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

اس جملہ کے دوبارہ لانے سے محاورۂ عرب کے موافق زبان دانوں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک سختی کے ساتھ دو راحت عطا کیا کرتا ہے یا کہو دو راحت عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے کس لیے کہ لفظِ عسر الف لام آنے سے معرفہ ہو گیا اور یسر نکرہ ہے۔ اور جب معرفہ بار دگر

ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے وہی مراد ہوتا ہے، برخلاف نکرہ کے کہ اس کے دوبارہ آنے سے پہلے سے غیر مراد ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے عسر تو وہی ایک رہا اور یسر دو ہو گئے، اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جو عبد الرزاق و سعید بن منصور و عبد بن حمید و بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک عسر دو یسر پر غالب نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان مع العسر یسرا۔ بزار محدث نے کہا ہے کہ اس روایت کے سلسلہ میں ابو حاتم رازی ہے اور اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

حسن بصری سے عبد الرزاق و ابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش اور شاد گھر سے باہر تشریف لائے آپ ہنس رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ ایک عسر یعنی سختی دو یسر یعنی آسانی پر غالب نہ آئے گی فان مع العسر یسرًا ان مع العسر یسرا

کسی عرب شاعر نے بھی اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

اذا اشتدت بك البلوىٰ ففكر فى الم نشرح

لعسر بين يسرين اذا فكرته فافرح

کہ جب تجھ پر کوئی بلا آجائے تو الم نشرح کی سورت میں غور کر کہ اس میں ایک مشکل پر دو آسانیوں کا وعدہ مذکور ہے۔

بعض علماء نے مع سے حقیقی معیت سمجھ کر ایک اشکال پیدا کیا ہے پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ خاص مصیبت کے وقت میں تحمل اور آئندہ آنے والی راحت کی قوی امید پر بھی ایک یسر ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ مصیبت نہ کٹے، اور پھر دوسرا یسر ان مصیبت کے بعد میسر آتا ہے جب کہ اس محنت یا مصیبت کا اس رحیم وکریم کی طرف سے بدلہ ملتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ایمان اور صبر کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ بے صبر و بے ایمان نہ جن کو خدا تعالیٰ کا اعتقاد نہ اس کے وعدہ پر بھروسہ۔ اگر کسی مصیبت کے بعد راحت نہ دیکھیں اور خود مصیبت کے وقت بھی اطمینان و امید کی راحتِ قلبی ان کو نصیب نہ ہو تو کچھ بعید نہیں اور ایسا دیکھا بھی گیا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک یسر سے مراد یسرِ دنیا اور ملکوں اور شہروں کا فتح کرنا اور اعدائے دین پر غلبہ پانا ہے اور دوسرے سے مراد یسرِ آخرت ہے۔ اور وہ ثوابِ جنت اور عالم باقی کے درجات ہیں جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے قل هل تربصون بنا الا احدى الحسنيين حالانکہ یہاں دونوں حسنیٰ سے حسنِ ظفر اور حسنِ ثواب مراد ہے۔ گویا اس جملہ میں ایمان والوں کو بشارت ہے کہ اگر تم اسلام میں سرگرمی اور کوشش کرو گے سستی اور نامردی اور دنیا پر فریفتہ ہو کر اسلام میں دغابازی نہ کرو گے تو تم کو دو آسانیاں اور فرحتیں اس ایک تکلیف کے بدلے میں ملیں گی۔ ایک دنیا میں فتح و ظفر عزت و اقبال، دوسری آخرت کے درجات، اور اگر یہ عسر گوارا نہ کرو گے تو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ الیم پاؤ گے[1]

جہاں تک تجربہ ہوا اور تواریخ زمانہ شہادت دے رہی ہیں اس سے بھی ثابت ہوا کہ جب مسلمانوں نے

[1] عرفاء کرام (یعنی صوفیہ حضرات) اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر انفصال کے ساتھ یسرِ اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بسط رکھا ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرا یسر کشفِ حجاب اور رفعِ عتاب کا ہے۔ یا یوں کہو کہ عسر اول جو احتجاب بالخلق عن الحق ہے اس کے بعد یسر کشفِ ذات ہے اور دوسرے (باقی بر صفحہ آئندہ)

اسلام کے فرائض بجالانے کی تکلیف گوارا کی خصوصاً اعدائے دین کے مقابلے میں جواں مردی کی تو وہ ملکوں کے مالک اور آخرت کے حصہ دار ہوگئے جس کی نظیر صحابہؓ کرامؓ اور ان کے بعد اسلامیوں کے عروج کا زمانہ ہے ، پھر جب فرائضِ اسلام ترک کیے عیش و نشاط میں پڑے ، نامردی اور خیانت اور حمق میں مبتلا ہوئے تو دنیا میں غیروں نے ان کے تاج و تخت چھینے ان کی عزتوں کو خاک میں ملایا ، غلامی کی ہتھکڑیاں اور فرماں برداری کا طوق جو لعنت کا طوق ہے ان کی گردنوں میں ڈالا ۔ پھر دین بھی برباد ہوا دنیا بھی گئی ۔ سب سے اول خلافتِ عباسیہ کا انجام دیکھو کہ اس عہد کے نالائق خلیفہ کی عیاشی اور عہدہ داروں کی تن پروری اور غفلت اور عیش پسندی اور خیانت نے کیا آفت برپا کی ۔ دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوا ، عورتوں کی عصمت تاتاری کفار کے ہاتھوں کیسی خراب ہوتی ۔ سلطنت گئی خزانے گئے ۔ علوم مٹے ۔ کتب خانے برباد ہوئے ، مدارس و مساجد منہدم ہوتے ۔ اسی طرح اندلس کی حالت ہوئی ، پھر اس زمانہ میں جس پر پوری ایک صدی بھی نہیں گزری فرانس نے الجیریا اور تیونس پر اور روس نے ترکستان پر انگریزوں نے ہندستان اور ملحقات پر کیسا تسلط کیا ، یہ جو کچھ ہوا مسلمانوں کی عیاشی ، بدکاری ، سستی اور جہالت اور فرائضِ اسلامیہ سے غفلت کا نتیجہ ہے فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

ان نعمتوں کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اذا فرغت فانصب یعنی جب رسالت کے کام سے (جو تبلیغ احکام وعظ و پند تدبیر امور ، فیصلِ قضایا ہیں) فراغت ہوا کرے تو عبادت کے لیے کھڑے ہو جایا کرو ، من جملہ ان دو راحتوں کے جو ایک سختی کے بعد عطا ہوتی ہیں ایک بڑی راحت مشغولی بحق بھی ہے کس لیے کہ ارواحِ طیبہ کا جبرِ طبعی تقربِ الٰہی ہے اور تمام مشاغل ایک قسم کے عوائق ہیں جہاں دور ہوتے فوراً ادھر ہی میلان ہوا ، اور یہی ان کا آرامِ جاں ہے ۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جو تو تن درست ہو تو اپنا نکاح عبادت سے کر (یہ اس لیے کہ نصب کے معنی تکان کے بھی ہیں) یعنی بڑی کوشش اور سعی عبادت میں کر کہ تھک جائے ۔

قتادہ و ضحاک و مقاتل فرماتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ جب نمازِ فرض سے فارغ ہو تو نوافل کے لیے کھڑا ہو اور دعا کر اور خوب کر کہ تھک جائے ۔

بعض فرماتے ہیں کہ جب مشاغل سے فراغِ دل حاصل ہو تو نماز کے لیے کھڑا ہونا مراد ہے ۔

حقیقت میں جو اپنے فراغ کو اس کام میں صرف نہ کرے بلکہ لہو و لعب میں تو وہ عمرِ گراں مایہ کو برباد کرتا ہے مگر بعضے ایسے بھی بدنصیب ہیں کہ انہیں دنیاوی جھگڑوں سے کبھی فراغت ہی نہیں ہوتی پھر ان کو اللہ کی عبادت کی فرصت کہاں اسی جنجال میں موت آ لیتی ہے ۔ عاقل کو ضرور فارغ ہونا چاہیے یہ نعمتِ الٰہی کا شکریہ ہے ۔

(۲) والیٰ ربک فارغب کہ اپنے رب کی طرف رغبت کر ۔ اس کی طرف پھر ، اسی کو مدِّ نظر رکھ ۔ یہ دوسرا یسر ہے ۔ یعنی ہر کار اور ہر شان اور ہر حال میں اسی محبوبِ حقیقی کی طرف نظر رہے خصوصاً عبادت میں ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عسر کے بعد جو احتجاب عن الحق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرحِ صدر اور ثباتِ مشاہدہ ہے کہ کثرت میں بھی وحدت کا جلوہ ہے اور یہ مقامِ نبوت ہے ۱۲ حقانی

نہ ریاکاری مطلوب ہو، نہ دنیا نہ آخرت، بلکہ اس کی ذات اور اسی کا شوق اسی کا جذبہ محبت۔

اس میں اشارہ ہے کہ شرحِ صدر میں اس قدر عروج تھا کہ بجز ذاتِ حق کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا، محویت کبریٰ تھی۔ پھر جب دنیا کی تکمیل کا آپ پر بوجھ ڈالا گیا جو بڑا بھاری بوجھ تھا اس لیے کہ حق سے خلق کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا تو ایسی حالت میں روح پر وہ رنگ جو خاص مشغولی بحق میں ہوتا ہے ممکن ہے کہ کسی قدر متغیر ہو جاتا ہو، سو اس کی تدبیر بھی ارشاد فرمادی کہ جب اس کام سے فارغ ہوا کرو تو پھر روح کو اس کے تقرب سے قوی اور منور کر لیا کرو اور پھر اسی مقام پر شہود میں آجایا کرو تاکہ ماندگی دور ہو جائے۔ ؎

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم

اللہ اکبر

سورۃ والتین

مکہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ (۱) وَطُوْرِ
قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور

سِيْنِيْنَ (۲) وَهٰذَا الْبَلَدِ
سینا اور اس امن

الْاَمِيْنِ (۳) لَقَدْ خَلَقْنَا
کے شہر کی کہ ہم نے انسان کو

الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۴)
بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (۵)
پھر ہم نے اس کو سب سے نیچے پھینک دیا

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مگر ان کو نہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۶)
سو ان کے لیے تو بے انتہا بدلہ ہے

ترکیب

والتین الواو للقسم والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین معطوف علیہ لقد خلقنا الانسان الجملۃ المصدرۃ بلام التاکید وقد الی آخرہا جواب القسم۔ والقسم مع جوابہ جملۃ فعلیۃ۔ والمراد التین والزیتون عند الجمہور الشجرتان المعروفتان وقیل الجبلان وقیل البلدان وطور جبل کلم اللہ علیہ موسیٰ علیہ السلام فی ناحیۃ الشمال والغرب من العرب و ہو مضاف الی سینین عند النحاۃ سینین وسیناء اسمان للمکان الذی حصل فیہ الجبل المذکور۔ وقال ابو علی الفارسی سینین فعلیل کررت اللام التی ہی نون فیہ ولم ینصرف سینین کما لم ینصرف سیناء لانہ علم للبقعۃ وعجمی ای سریانی ولذا اختلفت عادۃ العرب فی تعریبہ فقیل سینین وقیل سیناء۔ والامین بمعنی المامون وصف للبلد۔ فی احسن الخ فی موضع الحال من الانسان والمراد بالتقویم القوام لان التقویم فی الحقیقۃ فعل اللہ تعالیٰ اسفل منصوب مضاف الی سافلین وہو حال من المفعول ویجوز ان یکون نعتا لمکان محذوف والتقدیر علی الاول ای رددناہ حال کونہ اسفل سافلین ای ارذل وعلی الثانی رددناہ مکانا اسفل

ساقلین ای الدرک الا الذین علی الاول استثناء متصل من ضمیر رددناہ فانہ فی معنی الجمیع وعلی الثانی منقطع ای لکن الذین کانوا صالحین من الھرمیٰ فلھم اجر غیر ممنوع علی طاعتھم علی الضعف والشیخوخۃ علی مقاساۃ المشاق۔

تفسیر

جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن الضریس ونحاس وابن مردویہ وبیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے، اور ابن الزبیر سے بھی یہی منقول ہے، اور اس میں آٹھ آیت ہیں۔

بخاری ومسلم واہل سنن وغیرہ نے براء بن عازبؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور عشاء کی نماز پڑھائی تب ایک رکعت میں سورۃ والتین والزیتون پڑھی، سو میں نے آپؐ سے بہتر خوش آواز اور عمدہ پڑھنے والا نہیں سنا۔

اور انہیں سے خطیب نے روایت کی ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تو آپؐ نے سورہ والتین پڑھی۔ اور بھی اس قسم کی روایات ہیں۔

خدا تعالیٰ اس سورت کی ابتداء میں چار چیزوں کی قسم کھا کر انسان کی آفرینش کا حال اور پھر سعادت شقاوت حاصل کرنے سے مآل بیان فرماتا ہے۔ اور چاروں چیز اس کی کمال قدرت کے دلائل ہونے کے علاوہ اس مطلب کے ساتھ کمال مناسبت بھی رکھتی ہیں۔

فقال والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین کہ قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور سیناء اور اس شہر امین کی۔ طورِ سیناء اور بلدِ امین تو بالاتفاق دو جگہ ہیں۔ طورِ سیناء وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام باری حاصل ہوا، اور بلدِ امین یعنی محفوظ یا امانت دار شہر مکہ ہے۔ یہ امن کا شہر ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ شہر دارالامن رہا۔ عرب میں باوجودیکہ اسلام سے پہلے باہمی وہ مار دھاڑ تھی کہ جس کی انتہا نہ تھی مگر مکہ میں کوئی اپنے دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی تعرض نہ کرتا تھا اور اسلام میں بھی اس کی یہی حرمت تا قیامت باقی رہی۔ جو اس پر چڑھ کر آیا غارت ہوا۔ جس طرح اور شہروں پر آفات آئیں اس پر کبھی نہیں آئیں۔ یہ اپنے رہنے والوں کا امانت دار ہے اس میں بڑی وجہ امین ہونے کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا کے لیے بڑی نعمت اور اس کی امانت تھے اسی شہر کو تفویض ہوئے تھے ہر چند مشرکین آپؐ کی ذاتِ بابرکات کے فنا کرنے میں ساعی تھے مگر کسی کی کچھ بھی نہ چلی، اس شہر نے یہ امانت بسلامت مدینہ منورہ کے سپرد کر دی۔

مگر تین اور زیتون میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) اکثر علماء کا تو یہ قول ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون سے یہی زیتون کا درخت مراد ہے۔ پھر ان میں کیا شرف ہے جو ان کی حق سبحانہ نے قسم کھائی؟ علماء کرام نے اس کے چند اسباب لکھے ہیں۔

اول قول

اول یہ کہ انجیر کا عجب میوہ ہے جس میں نہ گٹھلی نہ پوست، پھر غذا بھی ہے اور چند امراض کے لیے دوا بھی۔ سریع الھضم جید الکیلوس والکیموس، بلغم کو کم کرتا ہے بدن کو فربہ گردوں کو ریگ وغیرہ سے پاک وصاف کرتا ہے اور کبد وطحال کے مسامات کھولتا ہے اور ورم کو تحلیل کرتا ہے اس کو انسان بے مشقت کھا سکتا ہے، اس کے درخت میں نہ کانٹا ہے نہ بہت بلند ہے کہ یہ پھل لینا مشکل ہو جائے اور اس میں معنیٰ اہلِ کمال سے پوری مشابہت بھی ہے کہ جس طرح وہ

ظاہر و باطن میں یکساں ہیں یہ بھی ظاہر و باطن میں یکساں ہے نہ چھلکا پھینکنے کے قابل نہ گٹھلی ڈال دینے کے لائق۔

دوم یہ کہ اہلِ کمال کی طرح یہ بھی لاف وگزاف سے مبرا ہے۔ پھل اور پھولوں کی بہار کا دعویٰ کرنے سے پہلے ہی پھل لے آتا ہے، بخلاف اور درختوں کے۔ اور سال میں کئی بار میوہ لاتا ہے اور ارزاں بھی ہے۔ بہرطور اس کو اہلِ کمال سے کمال مناسبت ہے، اور اس سورت میں اہلِ کمال کا حال ہے۔

اور اسی طرح زیتون کو بھی اہلِ کمال سے ظاہر و باطن میں کمال مشابہت ہے۔ زیتون کے فوائد بھی انجیر کی طرح بہت ہیں، اس کے علاوہ زیتون میں ایک اور بات بھی ہے جو انجیر میں نہیں وہ یہ کہ اس کے پھلوں کا تیل علاوہ سیکڑوں فوائد کے جلانے میں وہ روشنی صاف دیتا ہے کہ ایسی اور تیلوں میں کم ہوتی ہے جس سے اہلِ کمال کی اس روشنی کی طرف اشارہ ہے کہ جو دنیا کے ہر امر میں ان کے ساتھ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں اور پل صراط پر دائیں بائیں دوڑتی چلے گی، الغرض ان دونوں میں ایک عمدہ خوبی ہے کہ ان کے لگانے اور پرورش کرنے میں بڑی دقت نہیں ہوتی بلکہ پہاڑوں میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اہلِ کمال کا ہے کہ آفرینش سے ان کی ذات میں صلاحیت رکھی ہوئی ہے، چنداں تربیت کی حاجت نہیں، برخلاف خاردار بے ثمر درختوں کے کہ ان کی کوئی لاکھ تربیت کرے پھر وہی کے وہی رہتے ہیں۔

دوئم قول

(۲) قول یہ ہے کہ ان دونوں سے دو مبارک شہر مراد ہیں۔ کعب کہتے ہیں تین دمشق کا نام ہے اور زیتون بیت المقدس کا اور برکات ان دونوں شہروں کی بسبب مولد و مسکن ہونے حضرات انبیاء علیہم السلام کے مشہور ہیں جس سے اہلِ کمال کے پیدا ہونے کے مقامات کا ذکر کر کے ان اہلِ کمال کا یاد دلانا مقصود ہے۔

سوئم قول

(۳) قول یہ ہے کہ تین اور زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں۔ اور یہی قول کاتب الحروف کے نزدیک قوی تر ہے۔ کیونکہ توریت سفر استثنا۔ کے تینتیسویں باب کے شروع میں ایک بشارت ہے اور وہ یہ ہے "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔"

اس کو تو اہلِ کتاب کے علماء بھی مانتے ہیں کہ سینا سے کوہِ سینا مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی کرنا ہے کہ کلام کا شرف دینا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے میں وہ اپنے خیال کے موافق توجیہ کرتے ہیں اور شعیر اور فاران بھی فلسطین کے پہاڑوں کا نام بتلاتے ہیں مگر کوئی تسلی بخش بات نہیں بتلا سکتے کہ فلسطین یا شام یا تبہ ہی کے پہاڑوں کا نام شعیر اور فاران ہے، اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنے کے کچھ معنی نہیں بتا سکتے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ شعیر سے مراد بیت المقدس کے پہاڑ ہیں۔ مگر اس پہاڑ کے کہ جس پر بیت المقدس شہر آباد ہی دو ٹکڑے ہیں ایک کو تو اب تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو تین کہتے ہیں۔ اور فاران مکہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔ اور فتح مکہ کے روز دس ہزار قدسی یعنی پاکباز صحابہ آپ کے ساتھ تھے اور آتشی شریعت بھی آپ کے ہاتھ میں تھی جس نے بت پرستوں منکروں زناکاروں بدکاروں کو جلا دیا۔ پس اس بشارت کے بموجب خدا پاک ان چاروں مقدس جگہوں کی قسم کھاتا ہے جہاں سے

نبوت و رسالت کے آفتاب و ماہتاب دنیا کو منور کرنے کے لیے جلوہ گر ہوئے تاکہ معلوم ہو کہ آئندہ جو کچھ انسان کی سعادت و شقاوت کی بابت کہا جاتا ہے وہ لغو بات نہیں بلکہ ان چاروں جگہوں کے مقدس و ابرار حضرات انبیاء علیہم السلام کا قول ہے کہ جن کو جہان مانتا ہے اور یہی تمام شرائع کا ماحصل اور خلاصۂ مطلب ہے۔

پس تین و زیتون سے شام کے مقدس پہاڑ مراد ہیں جہاں سے حضرت عیسیٰؑ و داؤدؑ و سلیمانؑ و الیاسؑ وغیرہ اولوالعزم انبیاء برپا ہوئے، اب خواہ تین سے دمشق کا پہاڑ مراد لو جیسا کہ کعب کا قول ہے اور ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے اور اسی کے قریب ربیع اور ضحاک اور عکرمہ کا قول ہے خواہ بیت المقدس کے سلسلۂ کوہ کو کہو جو زیتون کے سوا ہے، اور زیتون تو بیت المقدس کا پہاڑ ہے جیسا کہ عکرمہ و کعب و قتادہ کہتے ہیں، اور طور سینا سے بالاتفاق وہ پہاڑ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰؑ پر تجلی ہوئی اور فاران کی جگہ ھٰذا البلد الامین فرمادیا جس سے بالاتفاق مکہ معظمہ مراد ہے جو کوہ فاران پر آباد ہے۔ چوں کہ حضرت موسیٰؑ اور آں حضرت علیہ السلام ممتاز نبی ہیں اس لیے ان کے مطلع الانوار مواضع کا جداگانہ نام لیا گیا اور پیچھے بعد دیگرے ترقی ہوتی گئی کیوں کہ سب سے زیادہ مرتبہ مکہ معظمہ کا ہے، وہیں کے آفتاب نے تمام دنیا کو منور کر دیا۔

ف بعض عرفا (صوفیہ) فرماتے ہیں تین سے شجرۂ روح قدسیہ کی طرف اشارہ ہے اور زیتون سے شجرۂ عقل قدسی کی طرف کہ اسی کی روشنی پھیلتی ہے اور طور سینین سے عارف کے قلب کی طرف اور بلد امین سے محب کے سینہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں بے شمار اسرار الٰہی امانت رکھے ہیں۔

بہرحال ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کہ ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز اور شان میں پیدا کیا ہے۔ ع

حق نے کھینچی ہے تری تصویر اپنے ہاتھ سے

احسنِ تقویم کی تشریح

اس کے تناسب اجزاء کو دیکھا جائے تو عقل حیران رہ جائے۔ ناک ہے تو کتنی اور کس موقع پر، آنکھیں ہیں تو کیسی اور کس موقع پر، بھوؤں اور پلکوں کی خوب صورتی اس نرگسی آنکھ کا (جس کی سفیدی اور سیاہی کبھی عاشق کو گمراہ کر رہی ہے اور کبھی ہدایت پر لا رہی ہے) اور بھی حسن بڑھا رہی ہے۔ پھر ہاتھ پاؤں ہیں تو ایسے، قد ہے کہ سرو کو شرما رہا ہے، رخساروں کی خوبی آفتاب و ماہتاب کو ماند کر رہی ہے، لال لب یاقوت بدخشاں کو اور دُرِ دنداں مروارید عدن کی لڑی کو شرما رہے ہیں۔ حیوانات کو اور اس کو ملا کر دیکھا جاتے تو قدرتِ حق کا تماشا نظر آئے۔

پھر اس کے باطن میں کیا کیا قوتیں عطا کیں کہ اس کو قادر و مرید، سمیع و بصیر، مدبر و حکیم و گویا بنا دیا۔ گویا اپنی صفاتِ عالیہ سے حصہ عطا کیا چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے ان اللّٰہ خلق اٰدم علیٰ صورتہ کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا کیونکہ حق سبحانہ شکل و صورت سے تو پاک ہے لیس کمثلہ شیٔ۔ افمن یخلق کمن لا یخلق کہ اس کی کوئی مثل نہیں اور خالق مخلوق جیسا نہیں، پھر صفات ہی کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔ انسان باطنی لحاظ سے ایک عجیب مجموعہ ہے، تمام عالم کا نمونہ ہے۔ سیکڑوں دریا جوش زن ہیں۔ سیکڑوں نہریں پڑی بہہ رہی ہیں۔ سیکڑوں بلند پہاڑ اس میں موجود ہیں۔ آتش فشاں مادے بھی ہیں۔ ہیبت ناک پُر از ظلمات جہنم کے مشابہ عمیق گڑھے

بھی ہیں جن میں گر کر نکلنا مشکل ہے۔ بڑی بڑی پُر خار وادیاں بھی ہیں جن کے بھولے کو خضر ہی رستہ بتائیں تو بتائیں۔

اب ان چار نہروں کو ہی دیکھیے کہ رات دن کس زور شور سے بہا کرتی ہیں۔ شہوت کی نہر۔ غصہ کی نہر۔ طمع کی نہر۔ خیال کی نہر۔ اگر یہ ٹھیک ٹھیک ہیں تو خیر، اور جو طغیانی پر آجائیں تو پھر ان کے ڈوبے کبھی نہ اُبھریں۔ اسی طرح محبت و عشق کی نہریں۔ علم و ادراک کلیات و جزئیات مادیہ و معانی مجردہ کے دریا رواں ہیں۔ قوائے ملکوتیہ کے بلند پہاڑ ہیں جن میں انجیر اور زیتون اور کیا کیا مفید اور پُر ثمر چیزیں ہیں اور قوائے بہیمیہ کی پُر خار وادیاں اور ہیبت ناک گڑھے بھی ہیں جن میں سانپ، بچھو اور زہریلے جانور رہا کرتے ہیں اور اس عالمِ کبیر پر ظلمات کی رات اور انوارِ حق کا دن بھی آتا ہے اور تجلیٔ ذات کا آفتاب اور نورِ روح کا ماہتاب اور انوارِ لطائف کے ستارے بھی چمکا کرتے ہیں۔

یہ تو اس کی فطری حالت ہے، اب جس نے اس کی اصلاح کی اور ان وادیوں اور گندی نہروں اور ظلمات سے بچنے میں کوشش کی، وہ سعادت کے ملک کا بادشاہ بن گیا، اور جس نے کوشش نہ کی بلکہ خود انہیں کی طرف ان کا سبز باغ دیکھ کر جھک پڑا تو شقاوت کے عمیق گڑھے میں گرا جو نہایت نیچے ہے۔

اب ان دونوں حالتوں کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہوتا ہے ثم رددنٰہ اسفل سافلین کہ پھر ہم نے اس کو اس کے بُرے کرتوتوں کے سبب نیچے کے درجہ میں پھینک دیا یا کھو گرا دیا۔ اور جس قدر سافلین ہیں یعنی فروتر اور پست درجہ کے یہ ان سے بھی فروتر ہو گیا۔ حیوانات میں تحصیلِ کمالات کی استعداد نہ تھی اس لیے وہ فرو اور پست ہوئے مگر اس بدنصیب نے باوجود استعداد کے تحصیلِ کمالات میں کوشش نہ کی بلکہ نقص پیدا کر لیے، اب ان سے بھی گیا گزرا ہوا، اسی بات کی طرف لحاظ کر کے خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ چارپایوں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہے۔ الغرض شیطان ہو گیا اور خبیثوں میں مل گیا۔

یہ ایک حالت تھی اور دوسری حالت کی طرف اس استثناء میں اشارہ کرتا ہے الا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت فلھم اجر غیر ممنون مگر وہ اس پستی سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے یعنی قوتِ نظریہ و عملیہ کو درست کر لیا، وہ ملکِ سعادت کے بادشاہ ہیں، ان کے لیے بے انتہا اجر اور نیک بدلے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کو ہر نعمت میسر ہے۔

اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو ہم نے نہایت خوشنما قالب میں ڈھالا، عمدہ انداز پر بنایا۔ چڑھتی جوانی کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے، یہ اس کی ایک حالت ہوئی۔ اب اس کی مرضی کے بغیر اپنے آسمانی حکم سے اس کی حالتِ علو کو پلٹا اور بڑھاپے کی پست تر حالت میں پہنچایا، لیکن ایمان داروں اور نیکوں کو اس پر بھی دارِ آخرت میں ایک نئی زندگانی اور بلندی ہے جس کو اجر غیر ممنون سے تعبیر کیا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ؕ ۝٧

پھر اس کے بعد آپ کو قیامت کے معاملہ میں کون جھٹلا سکتا ہے

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨ ع ۱ ۸ ۲۰

پھر کیا اللہ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے

ترکیب

فما استفہامیہ ای ای شیٔ وقیل بمعنی من یکذبک

الکاف مفعول یکذب و فاعلہ ضمیر یرجع الیٰ ما والبار للسببیۃ فی بالدین والظرف متعلق بالفعل۔ اللہ فاعل لیس باحکم الحکمین خبرہا والاستفہام اذا دخل علی النفی صار الکلام ایجابا وتقریرا۔ فما یکذبک بعد قال الفراء تقدیرہ فمن یکذبک یا محمد بعد ظہور ہذہ الدلائل بالدین وقیل الخطاب للانسان والمعنی فما الذی یلجئک بعد ظہور الامر ایہا الانسان الی تکذیب الجزاء۔

تفسیر

جب اے انسان تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ حق نے تجھے عمدہ اور بہتر سے بہتر انداز اور شان میں پیدا کیا ہے اور پھر تیری حالت کو باعتبار ظاہر کے بھی ایسا پلٹا ہے کہ بوڑھا ہو جاتا ہے، نہ آنکھوں میں نور رہتا ہے، نہ چہرہ پر تازگی، قدِ رعنا کمان کی طرح جھک جاتا ہے، دانتوں کی لڑیاں ٹوٹ پڑتی ہیں، بھاڑ سا پوپلا منہ کھلا برا معلوم ہوتا ہے اور صدہا نقصان پیدا ہو جاتے ہیں ع

پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند

اور باطن میں بھی تغیر ہوتا ہے کہ یا تو فطرت سادہ تھی، پھر بُرے کاموں سے شیطان اور بھوت ہو جاتا ہے، پھر اس صنعت و قدرت و کمال کو دیکھنے کے بعد فما یکذبک بعد بالدین وہ کون سی دلیل اور کون سی وجہ تیرے پاس ہے جو تجھے دارِ آخرت کے انکار پر مجبور کر رہی ہے، یا اے نبی علیک السلام اس بیان اور ان حالات کے سننے کے بعد وہ کون سا تیرہ باطن ہے جو تمہیں قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کے معاملہ میں جھٹلائے گا۔

اور اگر اس پر بھی باور نہیں الیس اللہ باحکم الحکمین تو پھر کیا خدا تعالیٰ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے۔ اس کو تو سب مانتے ہیں اور عقل کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں، اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں، بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء و عقلاء سحر کار سب حاضر ہیں مگر وہ بھی جلیل و جبار کا زیر فرمان اسی طرح سے ہے کہ جس طرح ایک ادنیٰ فقیر و مفلس و بے کس۔ اس بادشاہ کے ذاتی تغیرات لڑکپن اور جوانی اور بے اختیار بڑھاپا اور پھر بیماری و تندرستی پھر موت اور اس کے اعزہ کی بیماری اور موت اسی طرح سے ہے کہ جس طرح غریبوں کی۔ وہ بادشاہ ان میں سے ایک کو بھی ٹال نہیں سکتا، پھر جب دنیاوی بادشاہ اپنی عدالت کا قائم کرنا لوازمۂ سلطنت جانتے ہیں، بدوں کو سزائیں دیتے ہیں، خیر خواہانِ سلطنت اور فرماں برداروں کو انعام عطا کرتے ہیں پھر کیا وہ سب سے بڑا حاکم اپنے نافرمانوں سرکشوں بندگانِ خدا پر ظلم و ستم کرنے والوں بدکاروں منکروں کو یوں ہی چھوڑ دے گا، اور مطیع و فرماں برداروں کی طاعت ضائع کر دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اور دنیا تو اس جزاء و سزا کا مقام نہیں، کس لیے کہ یہ تو اخیر عمر تک دار العمل ہے پھر ضرور ہے کہ اور دوسرا جہان دار الجزاء ہو اور یہی مدعا ہے، یہ دوسری دلیل اثباتِ جزا و سزا پر تھی۔

ابوہریرہؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب کوئی اس جملہ الیس اللہ کو پڑھے تو کہے بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاھدین۔ کہ ضرور ہے اور میں بھی گواہ ہوں۔ روایت کیا اس کو ترمذی و ابن مردویہ وغیرہ نے۔ احناف کے نزدیک یہ جملہ نماز میں زبان سے نہ کہے، صرف دل سے اور بیرونِ نماز کہے، دوسرے ائمہ ہر جگہ کہنے کا حکم دیتے ہیں۔

اللہ اکبر!

سورۃ اقرأ

مکہ میں نازل ہوئی اس میں انیس ۱۹ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے سب کچھ بنایا

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ

جس نے آدمی کو خون کی پھٹکی سے بنایا پڑھو

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ۳ الَّذِیْ

اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ ۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ

لکھنا سکھایا جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا

مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ ۵

کہ جس کو وہ جانتا بھی نہ تھا

ترکیب

اقرأ عند الجمہور بسکون الہمزۃ ہو امر من القراءۃ وعند البعض بفتح الراء علی انہ قلب الہمزۃ الفاً ثم حذفہا للامر۔ ومفعول اقرأ محذوف ای مایوحی الیک باسم ربک متعلق بمحذوف و ہو حال ای اقرأ متلبساً باسم ربک۔ وقال ابو عبیدۃ الباء زائدۃ فہو مفعول اقرأ۔ والاسم صلۃ ایضاً والمعنی اذکر ربک وقیل الباء بمعنی علی والمعنی اقرأ ما یتلی علیک علی اسم اللہ۔ وقیل الباء للاستعانۃ ای مستعیناً بہ۔ الذی الخ الجملۃ صفۃ لربک خلق الانسان الجملۃ تفسیر للجملۃ الاولی وہی الذی خلق وقیل تخصیص بعد التعمیم تشریفاً للانسان لما فیہ من بدائع الخلق وعجیب الصنع۔ من علق الجار متعلق بخلق والعلق جمع علقۃ وہی الدم الجامد واذا جری فہو المفسوح۔ ولم یقل من نطفۃ او من علقۃ رعایتاً للفواصل۔ اقرأ تاکید وتقریر للاول۔ وربک موصوف الاکرم صفۃ۔ الذی موصول علم بالقلم صلتہ والجملۃ صفۃ ثانیۃ فالموصوف مع الصفات مبتدء علم الانسان الخ الجملۃ خبر والمبتدء مع الخبر جملۃ اسمیۃ و ہی حال من ضمیر اقرء۔

تفسیر

یہ سورت بھی بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور قرآن میں سے جو سب سے پہلے سورت نازل ہوئی یہی ہے۔ یہی جمہور صحابہ و تابعین کا قول ہے۔ اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث کی روایت صحیحہ اسی بات کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ پھر سورۂ نون نازل ہوئی پھر مزمل پھر مدثر۔ اور اس بحث کو ہم مقدمہ تفسیر میں لکھ آئے ہیں۔ اور اس میں انیس آیات ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ مدثر نازل ہوئی، سو یہ روایت اس قول کے مخالف نہیں کس لیے کہ سب سے اول اس سورت اقرأ کی یہی پانچ آیات مالم یعلم تک نازل ہوئی تھیں اور پھر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لیے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور پھر چھ مہینے تک وحی بند ہوگئی۔ پھر سب سے اول سورۂ مدثر نازل ہوئی اور لگاتار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ پس حضرت علیؓ جو سب سے اول الحمد کا نازل ہونا ارشاد فرماتے ہیں وہ نماز اور تعلیم کے بارے میں ہے، اور جابرؓ جو سورۂ مدثر کو اول کہتے ہیں

اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وحی بند ہونے کے بعد جو سب سے اول نازل ہوا وہ یہی سورت تھی۔

شانِ نزول

اس سورۂ مبارکہ کے نازل ہونے کی کیفیت صحیح بخاری میں یوں مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ پھر جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہی بات صبح کی سفیدی کی طرح پیش آتی تھی۔ اس کے بعد آپ کو خلوت نشینی کی طرف رغبت ہوگئی (کیونکہ ابتدا میں فراغِ خاطر، لوگوں کے ساتھ میل جول ترک کیے بغیر میسر نہیں آتا) پھر آپ حرا[1] پہاڑ کے ایک غار میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے چند رات دن وہاں رہا کرتے، پھر گھر میں آکر خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوی کے پاس سے کھانے پینے کا سامان لے جایا کرتے یہاں تک کہ اسی غارِ حرا میں تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آپ کے سامنے آیا اور کہا کہ پڑھو، آپ نے فرمایا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ کر بھینچ لیا اور بڑے زور سے بھینچا، پھر مجھے چھوڑ دیا۔ اور پھر کہا پڑھ۔ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر دوبارہ مجھے پکڑ کر بھینچا زور سے، پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ، پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا، پھر تیسری بار مجھے پکڑا اور بہت زور سے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق۔ اقرأ و ربك الاكرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم کہ پڑھ اپنے اس رب کے نام سے کہ جس نے پیدا کیا، بنایا انسان کو خون کے لوتھڑے سے، پڑھ اور تیرے رب کریم نے جس نے قلم سکھائی انسان کو وہ بتایا جو جانتا نہ تھا۔

اس واقعہ میں چند نکتے ہیں۔

نکتہ اوّل

(۱) کمالات میں ترقی بتدریج کرنا بنی آدم کی فطرت میں ہے۔ اور اسی فطری قاعدے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اول خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ سے علوم غیب کا القاء ہوتا رہا تاکہ اور اسرارِ غیب اور ملکیتِ کبریٰ حاصل ہونے کی رفتہ رفتہ عادت ہوجائے۔ اس کے بعد اب دوسرا مرتبہ ترقی کا شروع ہوا، وہ یہ ہے کہ عالم بیداری میں بحالتِ فراغِ قلبی عالمِ ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگا۔ اس لیے آپ کو خلوت و عزلت کا شوق ہوا، تب آپ غارِ حرا میں بیٹھے جب اس عرصہ میں الواثِ بشریہ و کدوراتِ بہیمیہ سے آئینۂ باطن بالکل پاک وصاف ہوگیا تو عیاناً جبرئیلِ امین تشریف لائے جو عالمِ ملکوت کے بادشاہ ہیں۔ یہ ترقی کا تیسرا مرتبہ تھا۔

نکتہ دوم

(۲) یہ کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھنے کو کہا تو آپ نے تین بار یہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا یا میں نہیں پڑھتا جو ما انا بقاری کا ترجمہ ہے۔ اس میں سرّ[2] یہ ہے کہ گو آپ بھی صاحبِ کمال تھے اور جو وہ پڑھاتے تھے آپ کے نزدیک آسان تھا۔ مگر جب ملکیتِ کبریٰ کا ظہورِ اتم ہوا اور عالمِ غیب کے علوم سامنے آئے تو اگلا کمال اور فصاحت و بلاغت اس طرح لاشے ہوگئی کہ

[1] یہ پہاڑ مکہ سے منیٰ کی جانب تخمیناً دو میل دور ہے۔ اسی میں وہ غار ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلِ نبوت خلوت گزیں ہوتے تھے اور یہیں وحی کا آنا شروع ہوا اور سب سے اول سورہ اقرأ کی یہ آیات نازل ہوئیں ۱۲ منہ [2] یہ شبہ کرنا (باقی بر صفحہ آئندہ)

جس طرح آفتاب کے سامنے ستاروں کے نور لاشے ہو جاتے ہیں، اور یہ آپؐ پر ایک بارِ عظیم معلوم ہونے لگا۔ اس لیے جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو تین بار لے کر بھینچا اور یہ ایک قسم کی توجہ ہے جس کو توجہ اتحادی کہتے ہیں اس کے سبب وہ بارِ گراں آسان ہو گیا اور جو پڑھایا پڑھنے لگے۔

توجہ کی اقسام

واضح ہو کہ صوفیۂ کرام کے نزدیک توجہ کی چار قسم ہیں۔

(اول) تاثیر انعکاسی اس میں کامل کا عکس مرید میں چمک جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی عطر مل کر کسی مجلس میں آئے اور ہم نشینوں کے دماغ میں اس کی خوشبو پہنچے مگر یہ اثر پائدار نہیں، اس کے اٹھ جانے سے اٹھ جاتا ہے بعد میں باقی نہیں رہتا۔

(دویم) تاثیر القائی کہ اپنا اثر مریدوں پر ڈال دے اور وہ جب تک کوئی مانع نہ ہو قائم بھی رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی چراغ جلا کر لائے اور دوسرا اس سے اپنی بتی روشن کرلے، سو یہ جب تک ہوا اور بارش وغیرہ کا صدمہ نہ پہنچے قائم رہے گی اور جس قدر اپنا تیل ہے اسی کی مقدار پر روشن رہے گی۔ یہ اول سے قوی ہے۔

(سویم) تاثیر اصلاحی کہ مرشد اپنی روحانی طاقت سے مرید کے باطن کی اصلاح کر دے اور لطائف جاری ہو جائیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کاریگر کسی حوض کی نالیوں اور پانی کے آنے کی جگہ کو اور فوارہ کو صاف کر دے اور پانی ڈال کر فوارہ کو رواں کر دے، یہ اول سے بھی قوی ہے۔ لیکن یہ بھی اسی وقت تک جاری ہے کہ جب تک حوض میں پانی ہے اور نیز جس قدر پانی آنے کی نالیوں میں وسعت ہے اور جب تک ان نالیوں میں بہیمیت کا کوڑا کرکٹ نہیں آیا ہے۔

(چہارم) تاثیر اتحادی جو سب سے قوی تاثیر ہے اور وہ یہ کہ مرشدِ کامل اپنے روحانی زور سے مرید کو اپنے ضمن میں لے کر اپنی روح کو اس کی روح سے ایک کر دے اور جو کچھ کمالات اس کی روح میں ہیں وہ اس میں بھی آجائیں یہ سب سے اعلیٰ تاثیر ہے، اس میں بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہتی۔ اور یہ کوئی محال بات نہیں، روحانی طاقت ور کا تو کیا ذکر ہے بعض پرند جانوروں میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ دوسرے چھوٹے جانور کو ایک مدت میں اپنا سا ہی کر دیتے ہیں، اور ان کے توالد و تناسل کا یہی طریقہ ہے۔ یہ توجہِ اتحادی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسولِ کریمؐ پر کی تھی اور اس توجہ میں یہ ضرور نہیں کہ ہمیشہ اتحادِ ظاہری و باطنی باقی رہے۔

نکتہ سویم

(۳) یہ کہ اس کے بعد آپؐ پر ایک عجیب حالت طاری تھی کہ بدن کانپ رہا تھا، اس حالت میں آپؐ گھر تشریف لائے۔ اور آپؐ کو بیوی خدیجہؓ محض اپنی محبتِ شوہری کے جوش میں اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کہ ان کو یہ کیا بات پیش آئی؟ ہر چند خود خدیجہؓ نے بھی تسلی بخش الفاظ کہے تھے کہ آپ غریب و بے کس کے چارہ ساز مہمان نواز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (کہ اس سے پہلے آپؐ نے عیاناً جبرئیل کو دیکھا نہ تھا پھر جب وہ سورۂ اقرأ کی وحی لے کر غارِ حرا میں آئے اور آپؐ سے بار بار پڑھنے کی تاکید کرنے لگے تو آپؐ نے کیوں کر پہچان لیا کہ یہ جبرئیل ہیں ممکن ہے کہ کوئی جن بھوت ہو) محض خام خیال ہے کس لیے کہ جس کا ادراکِ باطن اس درجہ بڑھ جائے کہ اس کو عیاناً ملائکہ دکھائی دینے لگیں اس کے نزدیک ان کا پہچان لینا بعینہٖ ایسا ہے کہ جیسا دوپہر میں آفتاب کا پہچان لینا جہاں دلیل کی ضرورت نہیں ۱۲ منہ

حق پسند ہیں، آپؐ کو کوئی آسیب و آفت خدا نہیں پہنچائیگا مگر پھر بمقتضائے محبت دل نے نہ مانا اور ورقہ کے پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ عیسوی مذہب کا عمر رسیدہ اور نیک شخص تھا تاکہ ان سے اصلی حال دریافت کریں۔ ورقہ نے سب قصہ سن کر کہا کہ یہ ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ اور انبیاء اولوالعزم کے پاس آیا کرتا تھا۔ کوئی خوف کی بات نہیں اور کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور جب کہ تیری قوم تجھے یہاں سے نکالے گی تو میں مدد کرتا۔ آپؐ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے نے کہا ایسا کون نبی ہے کہ جس کے ساتھ قوم نے ایسا نہیں کیا۔ پھر چند روز کے بعد ورقہ مرگیا۔ اس لرزہ آنے میں یہ حکمت تھی کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ غار کا قصہ بناوٹی ہے، بلکہ اس کے آثار ظاہر جسم پر لوگوں نے دیکھ لیے۔ اور ورقہ بھی حضرتؐ پر ایمان لانے کے بعد چند روز میں مرگئے تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ شریعت واحکام ورقہ سے سیکھے تھے۔

اب میں اس مقام پر حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کی ابتدائی حالت اہل کتاب کی مسلّم کتابوں سے دکھا کر موازنہ کرتا ہوں تاکہ کسی متعصب کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔

انجیل متّٰی کے تیسرے باب کے اخیر میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اصطباغ پایا یعنی ان کے مرید ہوئے اور مریدی کی رسم ادا کی جو دریا میں غوطہ مارنا تھا اور جب دریا سے اوپر آیا تو اس کے لیے آسمان کھل گیا اور خدا کی روح کبوتر کے مانند اتری اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔" پھر چوتھے باب کے اول میں ہے "تب عیسیٰ روح کے وسیلہ سے بیابان میں لائے گئے تاکہ انہیں شیطان آزمائے اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکے آخر بھوکے ہوئے تب آزمائش کرنے والے نے ان پاس آکے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھر روٹی بن جائے۔ مسیح علیہ السلام نے جواب دے کر ٹال دیا پھر شیطان حضرت مسیح کو ہیکل یعنی بیت المقدس کے کنگورے پر چڑھا لے گیا اور کہا تو اپنے آپ کو نیچے گرا دے اگر سچا ہے تو فرشتے اٹھالیں گے ٹھیس بھی نہ لگے گی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی آزمائش نہ کرنی چاہیے تیسری بار پھر آزمایا کہ ایک بلند پہاڑ پر چڑھا کر دنیا کی ساری بادشاہتیں اور اس کی شان و شوکت دکھا کر کہا اگر تو مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں تب مسیح علیہ السلام نے فرمایا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اکیلے؎ کی بندگی کر۔" تب شیطان چھوڑ گیا اور مسیح علیہ السلام جلیل کو چلے گئے اور کفرناحوم میں جا رہے اور منادی کرنے لگے۔" انتہی ملخصاً۔

یہ ترقی اس ترقی سے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی کم درجہ پر ہے۔ اول تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے مرید نہیں ہوئے نہ کسی کے ہاتھ سے اصطباغ پایا بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے، نہ کبوتر کی شکل میں ان پر روح اتری بلکہ عیاناً۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ ہے "تب اس نے گلّے کو بیابان کے ایک طرف ہانک دیا اور خدا کے پہاڑ حوریب کے نزدیک آیا اس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا اس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا۔ تب موسیٰ نے کہا

؎ افسوس عیسائی آج تین کی بندگی کرتے ہیں ۱۲ منہ

میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا آگ میں کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ نزدیک آیا تو خدا نے اسے بوٹے کے اندر سے پکارا کہ اے موسیٰ نزدیک مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیوں کہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے پھر اس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحٰق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں الخ (توریت سفر خروج باب ۳)

یہاں حضرت موسیٰ پر خدا نے درخت میں سے تجلی کی مگر وہ تجلی جو غارِ حرا میں ہوئی تھی اس سے کہیں بڑھ کر تھی کس لیے کہ وہاں کسی ناسوتی شکل میں تجلی نہ تھی بلکہ بلاکیف تھی اور تجلی کے بعد ناموسِ اکبر عیاناً دکھائی دیا۔ اسی فرق اور امتیاز کو خدا تعالیٰ سورۂ نجم میں اور دیگر سورتوں میں جتلاتا ہے کہ ولقد راٰہ بالافق المبین فاستوٰی و هو بالافق الاعلیٰ ثم دنا فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ما کذب الفؤاد ما رأیٰ افتمارونہ علیٰ ما یریٰ (کہ محمدؐ نے جبرئیلؑ کو آسمان کے کنارے پر عیاناً دیکھا۔ اور جبرئیل جب کہ بلند کنارے پر تھے سنبھلے اور نزدیک ہوتے گئے یہاں تک کہ کمانوں کے فاصلے کے برابر یا اس سے بھی کم قریب آکر ہمارے بندے کو جو کچھ وحی کرنا تھا وحی کیا (یعنی سورۂ اقرأ کی یہ آیات) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اطمینان ہو گیا۔ پھر کیا اے لوگو جو کچھ انہوں نے دیکھا اس میں شک کرتے اور جھگڑتے ہو) رہا ورقہ کے پاس جانا یہ ایک انسانی فطرت کے باعث تھا۔ اور ورقہ جانتے تھے اس لیے ایمان لے آئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔

اقرأ باسم ربک (کہ اے نبی پڑھ اپنے رب کے نام سے) اس کے دو معنی ہیں۔

اول معنی | اول یہ کہ باسم میں ب زائد ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ پڑھ اپنے رب کا نام یعنی اس کو یاد کر۔ اور اسم کا لفظ اس مقام میں اس لیے آیا کہ ذاتِ حق کی طرف ابتدائی حالت میں بغیر ملاحظۂ صفات کے رسائی نہیں اور اسم میں صفات کا ملاحظہ ہوتا ہے اور اس لیے اس کے بعد من جملہ اور صفات کے صفت الذی خلق ذکر کی یعنی وہ جو پیدا کرتا ہے اور اس میں شانِ ربوبیت بھی جلوہ گر ہے جو اول میں باسم ربک میں ظاہر کی گئی ہے اور اس لیے باسم اللہ نہ کہا بلکہ باسم ربک فرمایا تاکہ ذاتِ بحت کا ملاحظہ ابتدا میں شاق نہ ہو۔ اور نیز ربک کے لفظ میں تسلی بھی ہے کہ کسی اجنبی کے نام یاد کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ تمہارے اس خالق کا کہ جس نے اب تک تمہاری ظاہری اور باطنی پرورش کی اور کرتا ہے اور کرے گا اور یہ اس کی صفتِ ربوبیت ہی کا تقاضا ہے کہ تم کو تعلیم سے ترقی دے کر مخلوق کا ہادی بنانا چاہتا ہے۔

رب کا نام پڑھنا یعنی اس کا ذکر کرنا عام ہے کہ زبان سے مع تعداد ہو یا بے تعداد یا محض قلب سے مگر اصل مقصود اس صفت کا استغراق اور مراقبہ ہے تاکہ اس آسان رستہ سے شاہدِ مقصود تک پہنچے اور اس آئینہ سے اس کے جمالِ باکمال کا نظارہ کرے۔

اور فی الحقیقت جملہ صفاتِ باری سے اس صفتِ ربوبیت کی طرف جس قدر انسان کیا کل مخلوق کو فطرتاً دل بستگی ہے اس قدر اور سے نہیں کیونکہ اول تو اس کا مشاہدہ ہر دم کرتا ہے کسی دلیل و برہان یا کسی کے اظہار و بیان پر موقوف نہیں جس قدر جس کو ادراک ہے اسی قدر وہ اپنے اندر اس کی شانِ پرورش کو ملاحظہ کر سکتا ہے۔ دوم اس میں جو مخلوق اور خالق میں رابطہ ہے اس کا بھی کامل اظہار ہے۔ انسانی محاورے میں

لفظِ رب کی جگہ کبھی پیار سے باپ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ باپ میں بھی اپنے بچہ کے لیے ربوبیت کا ایک جلوہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی لحاظ سے خدا تعالیٰ پر اس لفظ کا استعمال کیا اور اے میرے رب کی جگہ اے میرے باپ کہا مگر ان کے بعد عیسائیوں نے یہی سمجھ لیا کہ دراصل حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کے بیٹے اور وہ ان کا باپ ہے۔

دوسرے معنی (اور یہ بھی معنی ہیں) کہ بؔ باسم ربک میں استعانت کے لیے ہے جیسا کہ کتبتُ بالقلم میں۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ پڑھ اپنے رب کے نام کی مدد سے۔ کیا پڑھ؟ قرآن یا یوں کہو جو کچھ تجھے سُنایا جائے اور جو کچھ تجھ پر وحی کیا جائے۔

ف ہر چند حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ازل ہی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور مدرسہ الٰہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پاکر دنیا میں مخلوق کو پڑھانے اور سُدھارنے آتے ہیں مگر ظہور ان کا اس عالم میں پیکرِ انسانی میں ہوتا ہے تاکہ اس مجانست سے بنی نوعِ انسانی بآسانی تعلیم پاسکیں۔ اور پیکرِ انسانی یہی خاک و آب وغیرہ عالمِ ناسوت کے کثیف اجزاء ہیں جن کی خاصیت جہل اور نسیان اور لذاتِ حسیہ پر فریفتگی ہے، اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو بلوغ سے پہلے ہی سینہ چاک کرکے آبِ قدس سے دھودیا گیا تھا تاکہ لذاتِ حسیہ کی فریفتگی اور جملہ تلوثات دور ہو جائیں۔ پھر بلوغ کے بعد ایک دوسرا عالم شروع ہوتا ہے، اس لیے بعد بلوغ بھی قلب مبارک کو آبِ قدس سے دھویا تاکہ تمامی عمر خصائصِ ہیولانیت سے پاک اور مبرا رہیں۔ پھر جب عالمِ ناسوتی میں عہدۂ رسالتِ کبریٰ عطا ہوا تو جبرئیل نے عیاناً غارِ حرا میں وہ کچھ پڑھایا کہ اولین و آخرین کے جملہ علوم آپ کے بحرِ علوم کا ایک قطرہ ہو گئے اور ایسا پڑھایا کہ آپ نے اندھوں کی آنکھیں کھول دیں، دلوں کے حجاب اٹھا دیے، مردہ اجسام میں نئی رُوح پھونک دی۔ جہلاء کو علوم کا چشمہ بنا دیا کما قال تعالیٰ یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ۔ اور دراصل پڑھاتے والا اللہ تعالیٰ تھا جبرئیل ایک واسطۂ درمیانی تھے۔ اس لیے کمال پر پہنچ کر جبرئیل سے بھی بڑھ گئے۔ اور اسی بات کی طرف باسم ربک الخ میں اشارہ ہے کیوں کہ یہ انکشافِ علوم اسم ربک کی برکت تھی۔

اول اسم ربک فرمایا تاکہ رب کی شانِ ربوبیت جس میں تعلیمِ علوم بھی ہے اپنے اندر غور کرنے سے ظاہر ہو جائے یہ شبہ انفس ہے۔ اس کے بعد آفاق کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرماتا ہے الذی خلق کہ جس نے تمام مخلوق کو بنایا اپنی ذات میں ربوبیت کا جلوہ دیکھنے کے بعد کہ اس نے میرے ظاہر اور باطن میں کیا کیا صنعتیں صرف کی ہیں اور پھر کس طرح ہر لحظہ ان کی تکمیل کے اسباب بہم پہنچا رہا ہے مخلوق میں غور کرنے سے اور بھی حیرت ہوتی ہے اور مخلوق میں سے انسان سب سے زیادہ نمونہ ربوبیت ہے اس لیے اس کے بعد فرمایا خلق الانسان من علق وہ رب کہ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔

علق علقہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خونِ بستہ۔ مختلف غذاؤں نے ہضم کے بعد جسم میں ایک نیا رنگ بدلا اور سب کا عطر کھینچ کر ایک دوسرا جوہر تیار ہوا جس کو منی کہتے ہیں جس میں جملہ کمالات جو تدریجاً ظاہر ہوں گے ودیعت رکھے ہوئے ہیں، یہ پہلا استحالہ یا اول ترقی تھی، اس کے بعد جب وہ منی عورت کے رحم میں جاتی ہے تو چند روز کے بعد خونِ بستہ ہو جاتی ہے، یہ دوسرا استحالہ ہوا۔ پھر یہ خون چند روز کے بعد ترقی کرکے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کو مضغہ کہتے ہیں، یہ تیسرا استحالہ ہوا۔ اب صناعِ حقیقی اس میں سے مختلف اجزا ہاتھ پاؤں سر دل دماغ

نمودار کرتا ہے اور ہر ایک عضو کی خاصیتیں اس کو عطا کرتا ہے، اب منی کے اندر جو کمالات ودیعت تھے خوب ظاہر ہونے لگے، اب ایک ہی مادہ سے مختلف اجزاء بنانا اور ان میں یہ حیرت انگیز نقاشی کرنا کیا طبیعت جسمِ بے تمیز کا فعل ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر کیا ماں باپ کی کاری گری ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے، اور اب تک بھی جو جو مصلحتیں اور حکمتیں اس کے اعضاء میں رکھی ہیں ان کی تشریح سے بڑے بڑے اطباء عاجز ہیں، قدرت کے بنائے ہوئے اعضاء میں کوئی جوڑ نہیں لگا سکتے اور نہ کسی میں کوئی زائد قوت رکھ سکتے ہیں، پھر ماں باپ بے علم کو کیا تمیز، پھر یہ کون کاری گر ہے اور کس کے مبارک ہاتھ اس اندھیری کوٹھڑی میں یہ حیرت بخش کاریگری کرتے ہیں؟ اُسی قادرِ مطلق اور حکیم برحق کے۔ یہ چوتھا استحالہ تھا۔

اس کے بعد اس میں حیات یعنی جان ڈالی جاتی ہے اور وہیں اس کے تغذیہ و تنمیہ کے سامان وہ ربِ حقیقی مہیا کرتا ہے اور رحم ہی میں یہ پورے انسان بن جاتے ہیں، یہ پانچواں استحالہ تھا۔ الغرض جب وہ منی اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان ہو جاتی ہے اور حضرت انسان رحم سے باہر آتے ہیں تب اس پر ربوبیت کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ اول تو اسی جسم میں سے اس کے لیے غذا تیار کی۔ ماں کے پستانوں میں دودھ پیدا کیا۔ اس مرتبہ میں اس سے بڑھ کر نہ کوئی غذا مفید ہے نہ آسان ہے، پھر اس کو بھی دودھ پینا اور منہ سے چوسنا سکھایا جب اس عرصہ میں اس کی اور بھی تکمیل ہوگئی اور اس کے جسم میں دوسری غذا کے لیے قابلیت پیدا ہوگئی تو دانت نکل آئے، معدہ میں قوت آگئی، دوڑ پھر کر ہضم کرنے کا سامان بھی بہم پہنچ گیا تو دنیا بھر کا الوانِ نعمت سے بھرا ہوا دسترخوان اس کے لیے بچھا دیا گیا، اب جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پییں۔ اب بولنے بھی لگے حس اور ادراک بھی کرنے لگے اور اس میدان میں ترقی کرتے چلے یہاں تک کہ عقلِ ہیولانی کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلِ بالفعل اور عقلِ کل تک جا پہنچے، اب تو زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ ان جملہ مراتب کو لحاظ کرے تو اس کی شانِ ربوبیت کا کامل جلوہ نظر آنے لگے اور یہ بھی جان لے کہ اس کی ربوبیت کا سلسلہ یہیں تک ختم نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے عالم تک جاتا ہے جس کے لیے علومِ روحانیہ پڑھائے جاتے ہیں۔

ف منی کے مادہ کا ذکر چھوڑ کر خونِ بستہ کا ذکر کرنا اس وجہ سے ہوگا کہ ماں کے رحم میں آکر خون بستہ ہو جانا اول استحالہ ہے اور یہیں سے انسان کی عمارت شروع ہوتی ہے اور نیز عمارت تمام ہونے کے بعد بھی خون ہی کے زور پر قائم رہتی ہے۔ اسی سے اجزاء تحلیل شدہ پھر تیار ہوتے جاتے ہیں اور اسی سے روحِ نفسانی و حیوانی و طبعی بنتی ہے، وہی روحِ انسانی یعنی نفسِ ناطقہ کا مرکب ہے بھلا کوئی کاریگر کسی مادہ سے ایسا خون بنا کر تو دکھا دے۔

مضامین مذکورہ بالا جو شانِ ربوبیت یاد دلاتے ہیں ذکر فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اقرأ پڑھ یہ کلمہ تاکید کے لیے دوبارہ استعمال کیا۔

ف مفسرین نے اس کلمہ کے دوبارہ آنے کی بہت سی حکمتیں بتائی ہیں۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ اول بار جو اقرأ فرمایا تھا اس سے مراد خود کا پڑھنا تھا کس لیے کہ آپؐ بظاہر امی تھے، پھر جب تک کہ پہلے آپؐ کو نہ پڑھایا جائے تب تک آپؐ اوروں کو کیا پڑھا سکتے تھے، اس لیے اس کے بعد دوسرا اقرأ فرمایا کہ اب آپ لوگوں کو پڑھائیں، آپ ہی استاد فی الکل، یہ دستارِ فضیلت آپ ہی کے سر مبارک پر

قضاء و قدر کے ہاتھوں نے باندھی ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ اقرأ اول سے علومِ باطنیہ کے پڑھنے کی طرف اشارہ ہے اور اقرأ ثانیہ سے علومِ ظاہرہ کی طرف یا برعکس۔

ازاں جملہ یہ کہ اقرأ اول کی اقرأ دوم تاکید ہے جیسا کہ کہتے ہیں پڑھ پڑھ، اور یہ اس لیے کہ آپؐ نے بھی کئی بار انکار ما انا بقاری کہہ کر کیا تھا۔

یہ پڑھانا پڑھنے والے کے لیے ایک بڑا بھاری کام ہے، بغیر مددِ غیبی کے ہو نہیں سکتا، اس لیے مددِ غیبی کا بھروسا دلانے کے لیے اس کے بعد یہ بھی فرمادیا وربك الاکرم کہ تیرا رب کریم ہے اس کے کرم اور فضل پر بھروسہ رکھو، اس کا کرم اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور تمہاری دستگیری کرے گا اور یہ بھاری کام تمہارے لیے آسان ہو جائے گا۔

اور اس کے کرم کا یہ ثبوت ہے کہ الذی علم بالقلم اس نے انسان کو قلم یعنی لکھنا سکھایا وہ مطالب جو ذہن میں ہوتے ہیں قلم کے ذریعہ سے کاغذ پر ثبت ہو جاتے ہیں جن کو لکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے اور بھولی بات کو لکھی دیکھ کر یاد کر لیتا ہے، اور دوسرا شخص بھی، گو سیکڑوں ہزاروں برس گزر گئے ہوں مگر لکھی ہوئی بات کو سمجھ لیتا ہے اور ایک کے سینے کا مضمون دوسرے کے سینہ میں مرتکز ہو جاتا ہے۔

قلم پر نہ صرف سلطنت تجارت حرفت کا دارمدار ہے بلکہ دینی امور بھی قلم کے ذریعہ سے آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور ان کے علوم اور اسی طرح اولیاء کرام کے فیوض و برکات جو پچھلوں کو پہنچے اور پہنچ رہے ہیں قلم ہی کے ذریعہ سے، اس لیے قلم کے محامد میں لوگوں نے بہت کچھ عمدہ مضامین لکھے ہیں۔

اور دوسرا ثبوت اس کے کرم کا یہ ہے کہ علم الانسان ما لم یعلم کہ انسان کو جس کی حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ وہ خون کی ایک پھٹکی سے بنا ہے وہ وہ چیزیں سکھائیں کہ جن کو وہ جانتا نہ تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو امورِ غیب بتائے بندوں کی نجات اور دنیا کی انتظام کے قانون سکھائے، عرفاء کو مواجید و اشواق کے رستے بتائے ذات و صفات کے علوم عطا کیے، حکماء کو صدہا علوم اور علوم کے اصول سکھائے جن سے انہوں نے دنیا میں وہ وہ عجائبِ فنون ایجاد و اختراع کیے جو حیرت بخش ہیں، عام ہے کہ قلم کے ذریعہ سے یا خود اس کے دل میں القاء کیے ہیں۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تعلیمِ الٰہی کے دو طریقے ہیں۔

ایک تعلیمِ قلم یعنی تعلیمِ کتابی، یہ کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے جو پڑھنے والے کو حاصل ہوا کرتا ہے

دوم تعلیم روحانی یا لدنی جو وحی و الہام کے ذریعہ سے انبیاء کو ہوتی ہے اور قرآن تعلیمِ لدنی ہے اور یہ قلم کے ذریعہ سے پچھلوں تک متوارث ہوتا رہے گا۔

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد قلمِ اعلیٰ ہے یعنی روحِ اعظم جو واسطہ ہے علومِ غیبیہ کا۔ اس کے ذریعہ سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو جانتا نہ تھا۔

ف انسان کو جن وسائل سے علم آتا ہے بہت سے ہیں ازاں جملہ قلم ہے جس کا ذکر ہوا۔ ازاں جملہ حواسِ ظاہرہ و باطنہ ہیں یہ جزئیات مادیات کے علم میں کام آتے ہیں۔ ازاں جملہ استدلال و نظر و فکر ہے جو چند معلومات کے مرتب کرنے سے مجہول چیز معلوم ہو جاتی ہے۔ ازاں جملہ کشف ہے۔ ازاں جملہ رؤیائے صادقہ ہیں ازاں جملہ وحی و الہام ہے۔ نجوم و رمل و جفر علم معین یقین کے ذرائع نہیں، ان سے جو حاصل ہوتا ہے وہ ظن ہے اور وہ

کارآمد نہیں۔

اب ان بے انتہا نعمتوں کے بدلے میں انسان اپنے منعم سے کیا کرتا ہے۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ۙ أَن

بے شک انسان تو سرکشی کر رہا ہے اس لیے

رَّءَاهُ اسْتَغْنَىٰٓ ۗ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ

کہ اپنے آپ کو بے پروا جان رہا ہے پھر کر تو تیرے رب ہی کے

الرُّجْعَىٰٓ ۗ أَرَءَيْتَ الَّذِى

پاس جانا ہے تم نے اس کو بھی دیکھا جو

يَنْهَىٰ ۙ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰٓ ۗ

بندے کو نماز سے روکتا ہے

أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰٓ ۙ

بھلا دیکھو تو سہی اگر وہ راہ پر ہوتا

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰٓ ۗ أَرَءَيْتَ

یا پرہیزگاری سکھاتا بھلا دیکھو تو سہی

إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰٓ ۗ أَلَمْ

اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا تو کیا وہ

يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۗ

نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

ترکیب

كلا فيها اقوال (١) انها بمعنى حقا وهو مذهب الكسائى۔ لانه ليس قبلها ولا بعدها شىء تكون كلا ردا له ذكره الجرجانى صاحب النظم (٢) ردع وزجر لمن كفر انعامه تعالى بطغيانه وان لم يتقدم له ذكر (٣) مذهب ابى حيان انها بمعنى الا التنبيه نحو الا انهم هم المفسدون فيقف على ما قبلها وعلى الاول الوقف عليها۔ ان رآه بالنصب قال الاخفش اصله لان رآه فحذفت اللام كما يقال انكم لتطغون ان رأيتم غناكم۔ وقال ابن الصائغ هو مفعول له اى يطغى لذلك۔ والرؤية ههنا بمعنى العلم ولو كانت بصرية لامتنع الجمع بين الضميرين فى فعلها لشىٔ واحد لان ذلك من خواص علم و مثله فالمفعول الاول الضمير فى رآه والثانى استغنى الرجعى والرجوع والمرجع كلها مصادر۔ والرجعى على وزن فعلى۔ ارءيت فى المواضع الثلاثة بمعنى اخبرنى لان الرؤية سبب الاخبار عن المرئى فاقيم مقام الاستفهام و الخطاب لكل من يصلح له۔ ارءيت فاعله الضمير المستتر فيه اى انت الذى موصول ينهى الضمير الراجع فيه الى الموصول فاعله عبدا مفعوله اذا صلى متعلق بينهى و الموصول مع الصلة مفعول لرءيت والجملة الشرطية (ان كان على الهدى معطوف عليه او امر بالتقوى معطوف) مفعوله الثانى وجواب الشرط محذوف يدل عليه قوله الم يعلم الخ وارءيت الثانى زائدة مكررة للتوكيد ارءيت الثالث مفعوله الاول محذوف ان كذب وتولى شرط الم يعلم الخ جوابه والشرط مع الجواب مفعوله الثانى فان قلت كيف صح ان يكون الم يعلم جوابا للشرط قلت كما صح فى قولك ان احسن اليك زيد هل تحسن اليه۔ (الكشاف)

تفسیر

کیا وہ شکر گزاری اور نیازمندی کرتا ہے یا سرکشی۔ اس کا بیان ان آیات میں ہے۔

کلا نہیں نہیں انسان شکر گزاری نہیں کرتا بلکہ

ان الانسان لیطغیٰ انسان سرکشی کرتا ہے۔ اور یہ کس لیے کرتا ہے ان راٰہ استغنیٰ کہ وہ اب اپنے آپ کو اُس منعم کا محتاج اور دست نگر نہیں سمجھتا، جانتا ہے کہ اب مجھے کیا پروا ہے مجھ میں زور ہے تو ایسا، میرے پاس مال و اسباب ہے تو یہ کچھ، اور مجھے علم و عقل ہے تو یہ کچھ۔ جس کے آگے تمام حیوانات میرے غلام۔ اور عناصر میرے خدمت گار ہیں۔ میں بجلی کی طاقت کو بس میں لاکر تار کے ذریعہ سے پل بھر میں سیکڑوں کوس اپنا مضمون پہنچا سکتا ہوں، میرا الہام بھی کچھ کم نہیں۔ کہربائی طاقتوں سے وہ وہ حیرت انگیز کام کر سکتا ہوں کہ جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ابخراتِ مائیہ کے زور سے ہزاروں من بوجھ کھینچنے والی تیز چلنے والی ریل بنا سکتا ہوں۔ بخارات کو بس میں کر کے کیسی کیسی مشینیں چلا سکتا ہوں۔ سمندر کے سفر کے لیے میں نے اپنے علم اور عقل سے وہ وہ سامان بہم پہنچائے کہ سمندر پر میری حکومت ہو گئی۔ اور انسانی علاج میں میں نے وہ وہ نسخے بہم پہنچائے کہ جن کو سن کر حیرت ہو جائے، میں ہڈی کی جگہ اور ہڈی لگا سکتا ہوں اور بدن میں خونِ جدید پہنچا کر قوی کر سکتا ہوں۔ میں نے بارش کی حقیقت معلوم کر لی۔ اب جب چاہوں چند گولے چھوڑوں ان کے ابخرات اوپر کو جا کر بادل بن جائیں اور پانی برسنے لگے۔ میں بجلی بنا سکتا ہوں نوشادر اور جست اور تانبے کو ترکیبِ خاص سے ملا دوں تو وہی کڑک وہی چمک ہونے لگے۔ اب میں آسمان کی طرف بھی غبارہ میں بیٹھ کر اُڑنے لگا ہوں، میں نے وہ وہ دوربینیں ایجاد کی ہیں کہ جن سے عالمِ غیب کا مشاہدہ ہو جاتا ہے لاکھوں کوس کے ستارے میرے سامنے آجاتے ہیں وہاں کی چیزیں مجھے خوب دکھائی دیتی ہیں۔ میں نے معاش میں وہ وہ کار آمد چیزیں ایجاد کی ہیں اور وہ وہ پُرلطف مکان بنانے جانتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا۔ وہ وہ باجے ایجاد کیے ہیں کہ چابی دینے سے خود بخود گھڑیالوں بجتے ہیں اور سننے والے کو محو کر دیتے ہیں۔ ہماری کوٹھی کا فرنیچر یعنی سامان کچھ جنت کے سامانوں سے کم نہیں۔ ابھی میں بہت سی چیزوں کی تحقیق میں سرگرم ہوں۔ پھر دیکھیے میں کیا ہو جاتا ہوں۔ خدا خدا، ارے کہاں ہے، مجھے کوئی دوربین، خوردبین یا اور کسی آلے سے تو دکھائے۔ فلسفۂ جدید کہتا ہے یہ ایک انسان کا خیال ہے جو پشت در پشت چلا آیا ہے، عالمِ اجسام مادہ کے سبب موجود ہے۔ آپ ہی چیزیں بگڑتی بنتی ہیں۔ جیسا کہ دریا کے جوش میں پانی کے بلبلے اٹھتے اور بیٹھ جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد کس نے روح کو دیکھا ہے، وہ تو قطعاً مر جاتی ہے۔ پھر آخرت اور ثواب و عقاب کا جھگڑا محض ریفارمروں نے لوگوں کے بہکانے ڈرانے کے لیے بنا لیا ہے اور اس کے بغیر ان کا کام بھی نہیں چلتا تھا۔

یہ ہے وہ انسانِ بدبخت نمک حرام کی سرکشی۔ جس نے اس خون کی بوند کو ایسا بنایا اور یہ کچھ سکھایا آج اس سے اکڑتا ہے، اور یہ سرکشی علیٰ قدرِ مراتب ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ مکہ کے کافر اور مشرک اپنے حوصلہ کے موافق کرتے تھے، آج کل جو علومِ جدیدہ اور نیا فلسفہ پھیل گیا اور عمدہ عمدہ سامانِ معاش بہم پہنچے تو صاف صاف بغاوت کی ٹھہرا دی، حالانکہ ابھی تو اس نمک حرام کو لاکھواں حصہ بھی نہیں بتایا ہے۔ یہ خود جانتا ہے کہ فلسفۂ حال اور اس کی تحقیق کسی حد پر جا کر ٹھہر نہیں گئی ہے، ہر روز اور ہر سال نئی نئی باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں، جن باتوں کا اگلے سال یقین تھا اب ان کو غلط بتایا جاتا ہے۔ الغرض جن جن نعمتوں پر شکر کرنا چاہیے تھا نہیں پر اکڑنے لگا۔ کوئی حسن پر، کوئی حسب و نسب پر کوئی مال و جاہ پر، کوئی علم و ذہن پر کوئی اولاد و لشکر و تخت پر۔

بعض مفسرین انسان سے مراد آیت میں خاص انسان لیتے ہیں، مکہ کے کفار ابوجہل وغیرہ۔

اس بیان کے بعد انسانی سرکشی کو باطل کرتا ہے۔ فقال ان الیٰ ربك الرجعیٰ کہ بے شک تیرے رب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہر پھر کر اسی کی طرف آنا ہوتا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔

اول یہ کہ موت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں جن حکیموں فیلسوفوں نے یہ کچھ ایجاد و اختراع کیے ہیں آخر وہ بھی اپنی صحت اور جوانی کی بقاء کی کوئی تدبیر نہیں کر سکے، دیکھ رہے ہیں کہ عمرِ رواں ہاتھ سے چلی جا رہی ہے تن درستی اور جوانی کا قافلہ لُٹ رہا ہے، یکے بعد دیگرا اس کے قویٰ جواب دیتے چلے جاتے ہیں، آخر ایک روز یہ سرکش لمبے چوڑے دعوے کرنے والا بھی چل دیتا ہے، بے حس و حرکت ہو کر گر پڑتا ہے، اب اس کی روح خدا کے پاس جاتی ہے، اپنے کیے کا بدلہ پاتی ہے۔

دوئم یہ کہ باوجود ان نعمتوں اور ان علوم کے جو اس کو خدا نے تعلیم کیے اور جن پر یہ سرکشی کرنے لگا اور منعم سے اکڑ بیٹھا جب آن کر اس کی کوئی تدبیر بگڑتی ہے تو پھر خدا ہی سوجھتا ہے۔ اسی طرح زمانۂ حال کے بڑے مدعی جب ان کا جہاز سمندر کے طوفان میں پھنستا ہے اور جملہ تدابیر سے عاجز آ جاتے ہیں تو خدا ہی سوجھتا ہے۔ اسی طرح وہ لشکر جن کے اسلحۂ جنگ پر ناز تھا شکست کھاتا ہے اور کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی تو خدا ہی کی طرف دل دوڑتا ہے۔ بڑے بڑے حکیم و ڈاکٹر جو اعجازِ مسیحا کے مدعی تھے جب تدبیر بگڑتی ہے اور کچھ بن نہیں آتی تو وہی سوجھتا ہے۔

بہر طور ہر حال اور شان میں اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان پر تمام تدابیر اور زور دل کے بعد ایک ایسی حالت بھی آتی ہے کہ جہاں بجز ناچاری کے اور کچھ نہیں ہو سکتا یہی وہ حالت ہے کہ جس کو رب کی طرف رجوع کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی اندرونی آنکھیں روشن ہیں وہ تو اس وقت بھی دل سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر جان لیتے ہیں کہ تمام اسباب کا سلسلہ ایک مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ مگر جو گمراہِ ازلی ہیں اور بالکل تیرہ باطن ہیں اور بہائم سے زیادہ ان میں باطنی حس و ادراک نہیں وہ اس حالت میں بھی کہ جو رجوع الی اللہ کی حالت ہے دل سے رجوع نہیں ہوتے اور اسی گمراہی کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔

من جملہ اس کے سرکشی کی ایک حرکتِ بد یہ بھی ہے ارءیت الذی ینھیٰ عبدًا اذا صلیٰ کہ بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یعنی اللہ کے بندوں کو نماز اور رجوع الی اللہ سے روکتا ہے۔ آپ تو رُکا ہوا تھا ہی، اوروں کو بھی روکتا ہے، یہ گمراہی اور سرکشی کا کمال درجہ ہے۔

ابو جہل لعین نے بھی ایسا ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا کہ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے پیچھے سے آ کر گلے میں پٹکا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نکل آئیں اور کہا کہ اگر پھر کبھی تجھے کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں گا۔ اور بلالؓ جو غلام تھے جب تک اس کی ملک میں تھے ان کو بھی نماز سے روکتا تھا۔ اس وجہ سے مفسرین نے کہہ دیا کہ یہ آیات ابو جہل کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

ف نماز سے روکنے سے وہی روکنا مراد ہے جو عبادتِ الٰہی کا مخالف بن کر روکے، ورنہ بے قاعدہ اگر کوئی نماز پڑھے جیسا کہ اوقاتِ مکروہ میں یا غصب کی زمین میں یا فرائض و سنن کے علاوہ اور زیادہ نوافل میں نوکر یا بیوی مصروف ہو کر حرجِ کار کرے تو یہ روکنا وہ روکنا نہیں۔

اب یہ بتاتا ہے کہ بجائے اس سرکشی کے اس کو یہ کرنا تھا۔ فقال ارءیت ان کان علی الھدیٰ او امر بالتقویٰ کہ اے دیکھنے والے دیکھ تو سہی وہ ناشکر متکبر باغی بن کر جو اوروں کو بھی خدا کی طرف رجوع ہونے سے

روکتا ہے اگر بجائے اس گمراہی اور سرکشی کے خود ہدایت پر ہوتا یعنی سیدھی راہ چلتا جو انبیاء کی راہ ہے اور اس سے بھی ترقی کر کے اوروں کو بھی تقویٰ و پرہیزگاری کی ہدایت کرتا حکم دیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ گمراہی اور سرکشی کے بدلے ہدایت پر ہوتا اور لوگوں کے روکنے کے بدلے ان کو بھی ہدایت کرتا مہدی اور ہادی ہوتا تو کیا بگڑ جاتا برخلاف اس کے ضال اور مضل بن گیا نعمت کی شکرگزاری یہ ہے نہ کہ وہ۔

ف لفظ او جس کے معنی یا کے ہیں انفصالِ حقیقی کے لیے نہیں صرف منعِ خلو کے لیے ہے کہ ان میں سے ایک نہ ایک بات ضرور کرنی تھی اور جو دونوں ہوتیں تو اور اچھا ہوتا مگر وہ بدنصیب تو ادھر آتا ہی نہیں، اس بات کو اس جملہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

ارءیت ان کذب وتولی الم یعلم بان اللہ یری دیکھ تو سہی اگر اس بدبخت نے ارشادِ الٰہی کو جو اسی کی بہتری کے لیے تھا بجائے تصدیق کرنے کے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا ہے تو کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ بھی دیکھ رہا ہے۔

خلاصۂ کلام اگر وہ خود بھی ہدایت پر ہوتا اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتا اور جو اس نے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا تو بھی خدا نیکی بدی کا بدلہ دیتا ہے، پھر جو بندہ نیکی سے روکتا اور بدی کرتا ہے کیا اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا دیکھتا نہیں ہے ضرور دیکھتا ہے۔

اس میں اجمالی طور پر اعتقادات کی جزا و سزا کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حق سبحانہٗ لطیف و خبیر ہے، کوئی جوہر اور کوئی عرض اس کے علم سے باہر نہیں، اور علم بھی علمِ حضوری کہ نہ ذہول ہے نہ نسیانؔ، اور یہ اس لیے کہ وہ خالق ہے اور جواہر و اعراض مخلوق ہیں، اور علت کو معلول کا علم حضوری ہوتا ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ عادل ہے پھر اس کے نزدیک محسن اور مُسیئ، نیک اور بد برابر کیوں کر ہو سکتے ہیں، اور وہ قادر بھی ہے اور قدرتِ کاملہ کا ثبوت اس کے خالق ہونے سے بخوبی ہے۔ پھر قادر بھی ہو عادل بھی ہو عالم بھی ہو کہ اعمال تو اعمال دلوں کے خطرات (خیالات) بھی اس کو معلوم ہوں پھر اگر وہ نیک کو جزا اور بد کو سزا نہ دے تو عالم کی بادشاہی تو بڑی چیز ہے ایک گھر پر بھی حکومت نہیں کر سکتا اس لیے جس طرح اس کے فضل کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس نے انسان کو یہ یہ نعمتیں عطا کیں اور علم کی دستار اس کے سر پر باندھ کر اور مخلوق کا سردار بنایا اسی طرح اس کے عدل و انصاف کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ان نعمتوں کے شکر کرنے والے کو دنیا میں یا مرنے کے بعد جزاءِ خیر عطا کرے اور وہ کیا ہے حیاتِ جاودانی اور سُرور ابدی۔ اور شکر یہ کیا ہے ایمان لانا اور نیک کام کرنا اور یہ خیال رکھنا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور دل سے اس محسن کی محبت کرنا۔ اور ناشکری کیا ہے کفر اور طغیان اور نیکی سے اوروں کو بھی روکنا تو اس کی سزا جہنم ہے۔

چنانچہ اگلی آیتوں میں اسی کی تصریح فرماتا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۵ لَنَسْفَعًا

خبردار اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب

بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ

پکڑ کر گھسیٹیں گے جو جھوٹا اور

خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾

گناہ گار ہے لے اب بلالے اپنی مجلس کو

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا

ہم بھی اپنے پیادے بلاتے ہیں خبردار!

ع ۱۵ / ۲۱ السجدۃ

كَلَّا ۚ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ (۱۹)

اس کا کہنا نہ مانیو اور سجدہ کرو اور نزدیک ہو جاؤ ۔

ترکیب

کلا زجر للناہی عن الصلوٰۃ والخیرات ۔ لئن شرطیۃ واللام موطئۃ للقسم ای واللہ لئن لم ینتہ عما ہو علیہ شرط لنسفعًا[1] جواب الشرط ۔ واصلہ لنسفعن ۔ صیغۃ جمع المتکلم مع لام التاکید ونون الخفیفۃ للتاکید ۔ السفع القبض علی الشیٔ وجذبہ بشدۃ (کشیدن) یقال سفع یسفع (سفع موئے پیشانی گرفتن (ع بفتحہا) یقال بہ سفعۃ من الشیطان ای مس ٌ وسوختن آتش وسموم روی را در نگ گردانیدن ۔ (سفعہ بالضم سیاہی کہ بسرخی زند) صراح وقریٔ لنسفعن بنون مشددۃ ونون المخففۃ تبدل بالالف فی الوقف لسکونہا وانفتاح ماقبلہا ۔ وکتبت فی المصحف بالالف علی حکم الوقف ۔ ولما علم انہا ناصیۃ المذکور اکتفیٰ بلام العہد عن الاضافۃ فقیل بالناصیۃ ناصیۃ بدل من الناصیۃ وجاز بدلہا عن المعرفۃ لانہا وصف بکاذبۃ خاطئۃ فاستقلت بفائدۃ وصارت کالمعرفۃ ۔ وقرئت ناصیۃ بالرفع علی انہا خبر مبتدء ای ہی وقرئت بالنصب علی الذم ووصف الناصیۃ بالکذب والخطأ وہما لصاحبہا علی الاسناد المجازی للمبالغۃ والناصیۃ شعر مقدم الرأس النادی المجلس الذی ینتدی فیہ القوم ای یجتمعون والمراد اہل النادی (نداء بالکسر والمد آواز دادن وخواندن وقد یضم ایضاً مثل دعاء ۔ ورغاء مناداۃ مثلہ وتنادوا ای نادیٰ بعضہم بعضا ندی ندوۃ نادی منتدیٰ انجمن) صراح الزبانیۃ قال الکسائی والاخفش وعیسی بن عمر وجمع زابن وقال ابو عبیدۃ جمع زبنیۃ ۔ وقیل زبانی بتشدید الیاء وقیل ہو اسم الجمع لا واحد لہ من لفظہ کعبادید وابابیل ۔ واصل الزبن الدفع والعرب تطلق ہذا الاسم علی من اشتد بطشہ قال قتادۃ ہم الشُّرَط[2] قرء الجمہور سندع بالنون ولم یرسم الواو کما فی قولہ یوم یدع الداع ۔

تفسیر

کلا خبردار ۔ یہ اس ناشکر کو جھڑکی ہے ۔ واضح ہو کہ لفظ کلا کے کلام عرب میں کئی معنی ہیں ۔ کبھی بمعنی بے شک وتحقیق کے آتا ہے کبھی حرفِ تنبیہ کی جگہ مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ الا اس کے معنی ہیں دیکھو ۔ کبھی زجر و توبیخ کے لیے آتا ہے جس کے معنی ہیں خبردار ۔ یا نہیں نہیں ۔ اس جگہ اس معنی میں مستعمل ہے ۔ اور یہ کلمہ قرآن مجید کے نصفِ اول میں مستعمل نہیں ہوا ، نصفِ اخیر بالخصوص آیات وسورِ مکیہ میں آیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مکہ کے لوگ کفر و بدکاری اور بے ہودہ گوئی پر اصرار اور ہٹ دھرمی زیادہ کرتے تھے ۔

اس جھڑکی کے بعد فرماتا ہے لئن لم ینتہ لنسفعًا بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ اگر وہ بدکیش ناشکرا کافر اس پر بھی باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر کھینچیں گے یعنی پیشانی کے بال پکڑ کر جو خطاکار اور جھوٹی پیشانی ہے ۔

ف پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے مراد سر کا ذلیل و خوار کرنا ہے دنیا اور آخرت میں ۔ انجام کار ایسے متکبر کافر سخت رسوا اور بہت ذلیل ہوتے ہیں ۔ خدائے جبار ان کے سب زور توڑ دیا کرتا ہے ۔ کوئی تدبیر نفع نہیں دیتی اور جو کسی مصلحت سے دنیا میں چند روز مہلت بھی دی تو مرنے کے بعد تو یہی

[1] سیاہی پیادہ ۱۲

سزا ہے۔ سفع کے معنی گھسیٹنے کے بھی ہیں اور سیاہی کو بھی کہتے ہیں اس لیے دوسرے معنی پر خیال کر کے علماء نے یوں مطلب بیان کیا ہے کہ ہم اس کو روسیاہ کر دیں گے۔

ف۲ پیشانی سر میں ایک نمود کی چیز ہے اور سر ہی تمام غرور اور بطالت کا خزانہ ہے، اس لیے ذلیل کرنے میں پیشانی کا ذکر کیا اور اس لفظ سے تعبیر کیا اور چونکہ یہ پیشانی یعنی سر غرور اور خیالاتِ بے ہودہ کا مخزن ہے، دماغ میں ہی یہ لغویت ہوتی ہے اس لیے اس کو خاطئہ یعنی خطا کار کہا یعنی غلط خیالات کا مخزن۔ اور اس میں جھوٹی تمنائیں بھی ہوتی ہیں کہ جس طرح دنیا میں ہم نے عزت حاصل کی خدا کے ہاں بھی حاصل کریں گے۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہم کو کون سزا دے سکتا ہے اس لیے اس کو کاذبہ یعنی جھوٹی بھی فرمایا۔ یعنی وہ علوم جو اس کو راہِ حق سے روکے ہوئے تھے بطالت و کذب تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ پیشانی خاطئہ کاذبہ ہونے سے مجازاً پیشانی والا مراد ہے۔

ف۳ خاطی اور مخطی میں فرق ہے۔ اول وہ جو دیدہ دانستہ کوئی برا کام یا غلط کاری کرے۔ دوم وہ جو بھولے سے کرے۔ اول کی سزا جہنم ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے من غسلین لا یاکلہ الا الخاطئون۔ دوسرا قابلِ درگزر ہے جیسا کہ اس آیت سے سمجھا جاتا ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا کہ اے ہمارے رب بھول اور نادانستہ خطا پر ہمیں نہ پکڑنا۔

اگر اس پر بھی بس نہ ہو اور یہ سمجھے کہ ہم کو کون پکڑ سکتا ہے جیسا کہ ابوجہل لعین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانۂ کعبہ میں نماز اور قرآن پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اب دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے قہر سے ڈر، وہ چاہے تو تیری گردن توڑ ڈالے۔ اس پر اس نے کہا میری گردن کون توڑ سکتا ہے، اگر میں اپنے اعوان و انصار کو کیا ہر وقت مجلس اور دربار کے بیٹھنے والوں کو بھی کہوں اور ان کو بلاؤں تو آدمیوں سے جنگل بھر دوں۔ اسی طرح ہر سر پُر غرور کو خیال ہوتا ہے، تو حق سبحانہ فرماتا ہے جب اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹیں اور اس کو ذلیل و خوار کرنا چاہیں تو فلیدع نادیہ وہ اپنی مجلس اور اعوان و انصار کو بلا لے، دیکھیں کون آ کر ہمارے مقابلے میں اس کو بچاتا ہے؟ کس لیے کہ سندع الزبانیۃ ہم بھی اپنے جلاّدوں کو بلائے لیتے ہیں، خدا تعالیٰ کے جلاّد وہ قہر الٰہی کے فرشتے ہیں جن کے مقابلے کی کسی کو بھی طاقت نہیں۔ اور نیز وہ حوادث و ہولناک وقائع ہیں جو دنیا میں پیش آتے ہیں، اور پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتے۔ وبا، قحط، بیماری، تنگ دستی، بے عزتی، نفاقِ باہمی، بزدلی، سوءِ تدبیر، کاہلی، غلبۂ اعداء وغیرہ بھی آسمانی جلاّد ہیں۔

ف۴ پھر جب ایک بار حسبِ دستور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابوجہل لعین نے دیکھا اور حملہ کرنے کے لیے بڑھا۔ جب قریب آیا تو کسی چیز کو ہاتھوں سے ہٹاتا ہوا پچھلے پاؤں جلدی سے لوٹا۔ لوگوں نے دیکھ کر پوچھا تو کہا میرے اور اس کے درمیان ایک آگ کی خندق تھی اور پروں کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بخدا اگر وہ میرے ہاتھ لگاتا تو اس کو فرشتے اُچک لے جاتے اور تم سب کے سامنے پُرزے پُرزے کر ڈالتے (رواہ مسلم واحمد و نسائی وغیرہم)

آخرش آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ پیش آیا۔ بدر کی لڑائی میں اس واقعہ کے بعد ابوجہل بہت سے بہادروں کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نکلا حالانکہ اس کی جمعیت سہ چند تھی مگر جب قہرمانِ الٰہی نازل ہوا تو اس کی مجلس و جلس کچھ کام نہ آئی اور بہت سے مارے گئے اور بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور یہ بھی زخمی ہو کر زمین پر گرا اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کاٹی۔ اور کان میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے۔ اور

ایک گڑھے میں لاکر ڈال دیا گیا۔ خدا کے قہر سے ڈرتا رہے آج وہ پُر غرور جھوٹی اور خطاکار پیشانی کس ذلت سے میدانِ بدر میں گھسیٹی گئی۔

اس تہدید کے بعد اہل اللہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کلّا کہ ہرگز ہرگز لاتطعہ اس کافر بدکیش ناشکرہ کا کہنا نہ مان جو تجھے نماز و تقرب و عبادتِ الٰہی سے روکتا ہے بلکہ واسجد اپنے رب کو کہ جس نے تجھے یہ نعمتیں دیں، علم دیا سجدہ کر اور اس کے آگے جھک۔ بندہ کی یہی سعادت مندی ہے کہ اپنے آقا اور محسن کے آگے جھکے۔

سجدہ سے مراد بعض علماء کے نزدیک نماز ہے اس افضل جزء سے کُل کو تعبیر کیا اور اس کے افضل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ سر پُر غرور کہ جس کو ناشکر اونچا رکھتا ہے اپنے رب کے آگے سجدے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اور یہ انسان کے تمام جسم میں افضل جزء ہے، یہ کمالِ نیاز مندی کی دلیل ہے اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب کو سجدہ کرتا رہتا ہے تو نہایت قریب ہو جاتا ہے (رواہ مسلم) اور اسی لیے غیر اللہ کے لیے سجدہ حرام ہو گیا۔ بلکہ جو جھکنا سجدہ سے مشابہت رکھے اس کو بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے۔

اور اے بندے اس سجدہ سے اقترب اس کا قرب حاصل کر۔ بندہ جس قدر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اسی قدر قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور سجدہ افضل عبادت ہے اس لیے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے، اس لیے اپنے رب کو سجدہ کرنا تمام صالحین کی قدیم عادت ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں صرف سجدہ کرنا ہی نماز تھا۔

اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ قرآن کے مواقعِ سجود میں سے اخیر موقع ہے۔

ف بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کلا لئن لم ینتہ لا خاص ابوجہل کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور خطاب کے صیغوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔

سورہ قدر

مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾
ہم نے اُتارا ہے اس کو شب قدر میں

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾
اور تو کیا جانے کیا ہے شب قدر،

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۥ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ
شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر

شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ
ہے اس میں فرشتے اور روح

الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ
نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر

كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى
کام پر سلامتی کی رات ہے وہ صبح

مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾
روشن ہونے تک۔

ع ۵/۱ ۲۲ الثلث

[1] یعنی اول جزء قرآن۔

ترکیب

انا مبتداء انزلناہ الضمیر یرجع الی القرآن وان لم یتقدم ذکرہ لکونہ معہودًا معلومًا فی متعلق بانزلناہ والجملۃ خبر المبتدء۔ وما ادراک الجملۃ الاستفہامیۃ لبیان عظم شان لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر مبتدء خیر من الف شہر خبرہ والجملۃ التامۃ جواب الاستفہام۔ تنزل بحذف احدی التائین من الاصل۔ الملئکۃ فاعلہ وتانیث الفعل لاعتبار جمعیۃ الفاعل ای متلبسین والروح معطوف علی الملائکۃ فیہا ای فی لیلۃ القدر والجار متعلق بتنزل باذن ربہم متعلق بتنزل او بمحذوف ہو حال من فاعلہ ای متلبسین باذن ربہم ای بامرہ من کل امر ای من اجل کل امر وقیل من بمعنی اللام ای لکل امر وقیل بمعنی الباء ای بکل امر۔ متعلق بالفعل السابق۔ والفعل مع متعلقاتہ جملۃ مستانفۃ مبنیۃ لوجہ فضیلۃ لیلۃ القدر وتم الکلام عند من کل امر۔ ثم ابتدء فقال سلام ہی فی سلام وجہان الاول بمعنی مسلمۃ ای تسلیم الملائکۃ علی المؤمنین او تسلیم بعضہم علی بعض فعلی ہذا ھی مبتداً موخر وسلام خبر مقدم وحتی متعلقۃ بسلام ای الملائکۃ مسلمۃ الی مطلع الفجر والثانی بمعنی سلامۃ ویجوز الوقف علیہا ویکون المعنی سلام من کل امر ہی حتی مطلع الفجر یجوز ان تتعلق حتی بسلام او بتنزل مطلع بکسر اللام وفتحہا لغتان وقیل الفتح اولی۔

تفسیر

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سورت کہاں نازل ہوئی۔

ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے، اور ابن عباسؓ وابن زبیرؓ و عائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اور واقدی بھی یہی کہتے ہیں۔ قولِ اول زیادہ معتبر اور قرینِ قیاس ہے۔ اس کی پانچ آیت ہیں۔

مناسبت اس سورت کو سورۂ اقرأ سے یہ ہے کہ سورۂ اقرأ میں بشر پر الطاف اور اس کی ترقیات کا اور پھر اس کی سرکشی اور سرکشی سے باز نہ آنے پر سزا کا ذکر تھا، اس سورت میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان ترقیات والطاف کے سوا ہم نے انسان پر دو اور بے انتہا عنایات کی ہیں۔

(۱) یہ کہ اس کی تہذیب اور دارین کی سعادت کے لیے ہم نے قرآن نازل کیا یعنی اس کو اس علم پر نہیں چھوڑا بلکہ علم الانسان ما لم یعلم کے پورا کرنے کے لیے آپ اس سے بواسطۂ جبرئیل اور پیغمبر علیہما السلام کے کلام کیا اور خود اس کو آئندہ سعادت کی باتیں سکھائیں، اور ہاویہ میں گرانے والی باتوں سے بچایا۔

(۲) یہ کہ جس طرح دنیاوی شاہنشاہوں کے ہاں ایک روز ایسا ہوتا ہے کہ جس میں الطاف وعنایتِ خسروانہ بے شمار ہوتی ہیں، انعامات بٹتے ہیں، فرمان بردار کے لیے ترقی درجات ہوتی ہے، اسی طرح ہم نے بھی انسان کے لیے ایک رات سال بھر میں ایسی رکھی ہے۔ اگر یہ اس میں ہماری طرف توجہ کرے اور عبادت و دعا و استغفار کرے تو اس کو بے انتہاء انعامات ملیں، دعائیں قبول ہوں، اس کے گناہوں سے درگزر ہو، اور برسوں کی عبادت سے یہ عبادت افضل ہے، اور وہ لیلۃ القدر کا وقت ہے۔

ان دونوں باتوں کا اس سورۂ مبارکہ میں ذکر ہے اور یہ رحمتِ خاص نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرؤوں کے لیے ہے اور سِرّ اس میں یہ ہے کہ پہلی

امتوں کی عمریں دراز اور قویٰ تیز تھے اس لیے ان کے لیے عمل اور احکام کی پابندی کی مشقت زیادہ تھی کئی کئی سو برس کی عمریں ہوا کرتی تھیں اور ان میں وہ کیا کیا ریاضات شاقہ کیا کرتے تھے۔

اسی بات کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میری امت اور اگلی امتوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے نصف دن تک ایک معین اجرت پر کسی کو کام پر لگایا اور پھر نصف دن سے لے کر عصر تک اسی کام اور اسی اجرت پر دوسرے کو معین کیا اور پھر عصر سے لے کر غروب تک دوگنی اجرت پر تیسرے شخص کو معین کیا پہلے نے کہا میرا وقت اتنا اور مزدوری اسی قدر کہ جس قدر نصف دن سے لے کر عصر تک والے کی ہے اور اس کا وقت مجھ سے نصف۔ پھر دوسرے نے بھی تیسرے کی نسبت یہی شکایت کی کہ اس کا وقت مجھ سے کم اور اجرت دوچند۔ مالک نے کہا کہ یہ میری عنایت ہے جس پر چاہوں کروں مگر تمہارے حق میں سے تو میں نے کوئی کمی نہیں کی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ وہ پہلا شخص یہودی حضرت موسیٰ کی امت اور دوسرا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت اور تیسرا میری امت ہے، تمہارے لیے وقت کم اور اجرت دوچند ہے (اس کو امام مالک وغیرہ نے محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے)۔

مقتضائے رحمتِ تامہ (کہ جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التماس کی تھی اور جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ فساکتبھا للنبی الامی الخ کہ میں اس کو نبی امی کے حصہ میں لکھے دیتا ہوں۔ اور کتب سابقہ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ میں ایک نئی قوم پیدا کروں گا اور وہ میری قوم کہلائے گی اور وہ ابد تک مبارک ہوگی، میں اپنے دستِ شفقت کو ان سے نہ اٹھاؤں گا الخ) یہی تھا کہ اس امت اور اس مبارک قوم کے لیے ایک رات تقرب الٰہی میں ہزار راتوں سے بڑھ کر بنائی جائے تاکہ یہ لوگ تھوڑی عمر اور تھوڑے زمانہ میں وہ تقرب حاصل کریں جو اوروں کو سیکڑوں برس میں بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔ گویا وصولِ الی اللہ کے لیے پہلے بیل گاڑی تھی، پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں گھوڑا گاڑی بنی، اور پھر آخر الزمان نبیؐ کے عہد میں ریل یا اس سے بھی جو کوئی تیز اور آرام کی سواری ہو، وہ بنی جلد شہر مقصود تک تھوڑی سی دیر میں پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوگی اور گسائیں اور پادریوں میں راہب کیا کیا مشقتیں اٹھاتے ہیں اور کیسی کیسی سخت ریاضتیں کرتے ہیں مگر ان پر تقرب الٰہی کا دروازہ نہیں کھلتا، باطن میں وہی تاریکی باقی رہتی ہے، جو کبھی کسی جھری یا سوراخ میں سے کچھ چمک پڑ گئی تو کس حساب میں ہے، برخلاف طریقۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کے، یہاں تھوڑی دیر میں اور بہت آسانی سے کشود کار ہوتا ہے، پھر جو کوئی اب بھی ادھر نہ آئے تو بڑا ہی بدنصیب ہے، ذرا اس میں کوئی کر تو دیکھے۔ ان سب باتوں کا ذکر اس سورۂ مبارکہ میں ہے۔ گویا یہ شوق دلانے کے لیے اعلانِ شاہی ہے۔

فرماتا ہے انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر کہ خاص ہم نے نہ کسی اور نے اس کو یعنی قرآن کو جس کا چرچا ہو رہا ہے اور مکہ میں غلغلہ مچا ہوا ہے کسی ایسے ویسے وقت نازل نہیں کیا بلکہ اس خاص وقت میں یعنی لیلۃ القدر میں۔

سوال۔ اب اس جگہ ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باتفاقِ مؤرخین قرآن مجید تیئیس برس میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے، اور سب سے اول جو سورۂ اقرأ مالم یعلم تک غارِ حرا میں نازل ہوئی تو شوال کا مہینہ تھا اور غالباً اول عشرہ تھا، پھر یہ کیوں کر صحیح مان لیا جائے کہ قرآن مجید کو ہم نے شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انزال اور تنزیل میں فرق ہے۔ تنزیل ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا اور انزال

ایک بار۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تنزیل تیئیس برس میں ہوئی اور ابتدائے تنزیل ماہِ شوال میں ہوئی۔ مگر اس آیت میں انزال کا ذکر ہے نہ کہ تنزیل کا۔

بات یہ ہے کہ قرآن مجید کل یک بارگی شبِ قدر میں جو رمضان کے مہینے میں واقع تھی (جیسا کہ اسی لحاظ سے فرمایا گیا شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کہ رمضان کا وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا) لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے نازل کیا گیا اور پھر وہاں سے حسبِ حاجت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے تھے، اور آپؐ ہر کلام کو اس کے اصلی موقع پر جمع کرا دیتے تھے اور ترتیبِ اصلی قرآن مجید کی یہی ہے جو اب موجود ہے، اور اسی ترتیب سے لوحِ محفوظ سے بیت العزت میں او پر سے لاکر رکھا گیا تھا[1]۔

سوال پھر یہ بات دریافت طلب ہے کہ لوحِ محفوظ کیا ہے اور بیت العزۃ کیا ہے اور کیا قرآن کاغذوں پر معمولی سیاہی سے لکھا ہوا مجلّد بیت العزۃ میں آیا تھا؟

جواب اس کی تشریح ہم مقدمۂ تفسیر میں کر چکے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوحِ محفوظ کوئی لوہے یا چاندی یا سونے یا لکڑی کی تختی نہیں۔ بلکہ وہ علمِ الٰہی کا تعین اور مرتبۂ اثبات ہے جس میں ہر ایک چیز کا علم دوسری چیز کے علم سے متعین و ممیز ہے بامتیازِ خاص، ورنہ ذاتِ بحت کے مرتبہ میں بھی اس کے علوم ناقص اور غیر متمیز نہیں۔ اس مرتبہ کو لوح سے تشبیہ دی گئی کہ جہاں ایک مطلب کو دوسرے مطلب سے امتیازِ خاص ہوتا ہے، اور یہ امتیاز اس سے جدا ہے جو لکھنے والے کے ذہن میں پہلے تھا کس لیے کہ وہ مرتبہ مخفی و مکنون تھا، یہ لوح کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہے، وہ خود پڑھ سکتے ہیں، اور ممکن ہے کہ عالمِ شہود میں یہ مرتبہ اپنے اپنے مناسب کسی شکلِ نورانی میں متمثل ہو جس کو عالمِ جسمانی میں لوح سے کمال مشابہت ہو۔

بیت العزۃ اس کے بعد اور دوسرا مرتبہ علم و امتیاز کا ہے کہ جو اعلیٰ طبقہ کے ملائکہ پر ظاہر و منکشف ہے اور ممکن ہے کہ اس مرتبہ میں قرآن کی حقیقت اپنی مناسب صورت میں متمثل ہو جس کو نوشتہ کتاب سے نہایت مشابہت ہو۔ واللہ اعلم۔

ف لیلۃ القدر کیا ہے؟ قدر مصدر ہے قدرت القدرکا اور قَدْر اور قَدَر (سکونِ دال اور اس کی حرکت سے) دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، مگر یہ فرق ہے کہ بالسکون مصدر اور بالفتح اسم ہے۔ واقدی کہتے ہیں کہ قدر کے لغت میں معنی ہیں اندازہ کرنا۔ اور قدر شرف و منزلت کو بھی کہتے ہیں لفلان قدر عند فلان کہ فلاں شخص کی فلاں شخص کے نزدیک قدر یعنی عزت ہے (کبیر)

لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ

اب دونوں معنی کے لحاظ سے اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی علماء نے کئی وجہ بیان فرمائی ہیں۔

---

[1] ایک سوال انا انزلنٰہ پر یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی تو قرآن کا جز ہے۔ پھر جب انزلنٰہ کی ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے تو اس میں یہ جملہ داخل نہیں ہو سکتا ورنہ حکایت و محکی عنہ کا اتحاد لازم آجائے گا۔ اس کا جواب۔ بچند وجوہ ہے کہ گو انزلنٰہ میں ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے مگر قرآن کا اطلاق جزء اور کل سب پر ہوتا ہے، ایک آیت یا سورت کو بھی قرآن کہتے ہیں جیسا کہ مجموعہ کو پس ضمیر قرآن کے ان اجزاء کی طرف پھرے گی جو سب سے اول لیلۃ القدر میں نازل ہوئے۔ اس کے اور بھی جواب ہیں ۱۲ منہ

(۱) ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس رات کو اس لیے لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات میں برس بھر کی آنے والی باتیں عالم بالا میں مقدر و معین کی جاتی ہیں۔ کسی کا مرنا، بیمار ہونا، رزق کی فراخ دستی، عزت و ذلت جو کچھ سال بھر میں اس جہان میں ظاہر ہوگا وہ سب اس رات میں عالم بالا میں مشہور کر دیا جاتا ہے، اور ہر ایک کام پر ملائکہ معین کر دیے جاتے ہیں۔

(۲) یہ کہ اس رات عالم بالا کے روحانیات اس قدر زمین پر آتے ہیں کہ گویا زمین میں تنگی ہو جاتی ہے گنجائش نہیں رہتی، اور تنگی کے معنی میں بھی یہ لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے ومن قدر علیہ رزقہ۔

(۳) زہری فرماتے ہیں اس لیے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات نیک بندوں کی خدا تعالیٰ اور عالم بالا کے لوگوں کے نزدیک نہایت قدر و منزلت ہوتی ہے بلکہ اہل صفا سے مصافحہ بھی کرتے ہیں اور عام ایمانداروں کو بھی چھوتے ہیں گو ان کو محسوس نہ ہو جس کا اثر ان کے دل پر رقت اور گناہوں پر رونا اور دعا کرنا ہوتا ہے اور ان کے اعمال حسنہ کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔

(۴) ابوبکر وراق کہتے ہیں کہ اس لیے اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس میں خدا تعالیٰ نے کتاب قابل قدر امت قابل قدر کے لیے رسول صاحب قدر کی معرفت نازل فرمائی اور اسی لیے یہ لفظ تین بار آیا۔ اور اس لیے بھی کہ اس رات کی قدر کرنا چاہیے۔

یہ رات کب آتی ہے؟

اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ سال بھر میں ایک بار آتی ہے، مہینے کا کوئی تعین نہیں۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ رمضان میں یہ رات ہوتی ہے۔ پھر اکثر اسی پر متفق ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرے میں بالخصوص ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔ اور بعض نے خاص ستائیسویں رات کی بابت زور دیا ہے، اور احادیث بھی بکثرت اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔

اس کے اخفا کی حکمت

حکمت اس کے اخفا میں یہ ہے کہ اس کا طالب سال بھر عبادت میں گزارے، گناہوں سے بچے ورنہ خیر رمضان شریف خصوصاً عشرۂ اخیرہ میں تو بڑی کوشش کرے۔ نیکی کرنا تو اس رات میں بڑی قبولیت کا باعث ہے مگر اس رات گناہ کرنا بھی قہر الٰہی کا سبب ہے جیسا کہ کوئی خاص بادشاہ کے دربار میں بغاوت اور نافرمانی ظاہر کرتا ہے تو بہ نسبت اوروں کے وہ زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے اس لیے اس بات کی زیادہ احتیاط چاہیے کہ بالخصوص اس رات گناہ سے بچے اور غفلت و عیش میں اس رات کو نہ گنوائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس کی برکت سے محروم رہا وہ سب بھلائیوں سے محروم رہا یعنی بڑا ہی بدنصیب ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو دربار کے روز بھی حضوری نصیب نہیں ہوئی تو پھر وہ خلوت میں کیا مل سکتا ہے اور پھر معلوم نہیں کہ اس کی زندگی میں یہ رات اس کو نصیب بھی ہوتی ہے کہ نہیں، زندگانی کا بھروسہ کیا، اس لیے ہر رات کی قدر کرنے والے کو وہ رات بھی نصیب ہو جاتی ہے اسی لیے ہمیشہ سے صلحاء کا رات کو جاگنا عبادت کرنا نماز تہجد پڑھنا دستور رہا ہے۔

لیلۃ القدر کا راز

سر اس لیلۃ القدر کا یہ ہے کہ یہ اس کی تجلی کی رات ہے اور من جملہ شیون باری تعالیٰ کے ایک شان مواصلت و تقرب و تدلی بھی مخلوق کی طرف جیسا کہ فرماتا ہے کل یوم ھو فی شان ہر روز اس کی ایک شان ہوتی ہے، اس رات یہ ہوتی ہے جس سے مدارک و اذہان بندگان میں اس کی طرف کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور قوت خیالیہ مدرکہ کے تابع

ہو جاتی ہے اور تمام عالمِ سفلی میں عالمِ بالا کی طرف جنبش ہو جاتی ہے اور عالمِ بالا اور وہاں کے لوگ ملائکہ و ارواح کو بھی اس تجلی کے ساتھ عالمِ سفلی کی طرف جھکاؤ ہو جاتا ہے جس کو اُتر آنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عالمِ غیب کے عالمِ شہادت سے ملنے سے ایک نئی کیفیت اور لمعات پیدا ہوتے ہیں اور ایک عجیب حالت پیدا ہوتی ہے جس کی تشبیہ نہیں دی جاتی۔ مگر ایک تشبیہ ناقص سی یہ ہے کہ جس طرح بارش کے برسنے اور آفتاب کے ایک موقع خاص میں آنے سے ہر تخم اور ہر جڑی بوٹی میں ایک نئی جان پڑ جاتی ہے، پیڑ اور بوٹیاں نشو و نما کرتی ہیں، درختوں میں پتے اور شگوفے اور رنگا رنگ کے پھول آتے ہیں اور فرحت و انبساط کی کیفیت ہو جاتی ہے اسی طرح عالمِ بالا اور حق سبحانہٗ کی تجلی سے ارواحِ بشریہ بلکہ تمام عالمِ محسوس پر ایک نئی کیفیت بہار کی پیدا ہوتی ہے۔

ف قرآن مجید میں ایک جگہ یوں بھی آیا ہے انّا انزلنٰہ فی لیلۃ مبارکۃ انّا کنّا منذرین کہ ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ مبارکہ میں نازل کیا ہے۔ پھر کیا یہ اور کوئی رات ہے جیسا کہ بعض علماء شبِ برات کو کہتے ہیں جو شعبان کے نصف میں واقع ہوتی ہے؟

امام نووی شرح صحیح مسلم (باب صوم التطوع) میں کہتے ہیں کہ "لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے اور جو نصفِ شعبان کی رات کہتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں"۔ اس تقدیر پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

مگر عکرمہ کہتے ہیں کہ "یہ نصفِ شعبان کی رات ہے"۔ اس صورت میں ایک تعارض سا واقع ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شبِ برات میں حکم ہوا تھا کہ قرآن کو لوحِ محفوظ سے نقل کر کے بیت العزت میں لے جاؤ، یہ ہے لیلۃ مبارکہ میں نازل کرنا اور پھر جب فرشتوں نے نقل کر کے بیت العزت میں پہنچایا تو لیلۃ القدر تھی اور جب دنیا میں نازل ہوا تو شوال یا ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

ف اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تجلی کا وقت رات میں کیوں مقرر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے اس لیے دن عالمِ شہادت سے مناسبت رکھتا ہے مگر رات میں اخفاء و پوشیدگی ہوتی ہے اس لیے یہ عالمِ غیب سے مشابہ ہے اور عالمِ غیب کے اسرار منکشف ہونے کے لیے نہایت مناسبت رکھتی ہے۔

ف بعض عرفاء (صوفیہ) انّا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر سے اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ رات سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے جو شہودِ ذاتی کے بعد پیدا ہوئی تھی یعنی مقامِ خلوت میں محتجب ہونا کس لیے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر ایسی حالت کے ممکن نہ تھا اور اس کو لیلۃ القدر اس لیے کہا کہ یہ حالت قابلِ قدر و تعظیم ہے۔

اب آپ ہی حق سبحانہٗ لیلۃ القدر کے مراتب بیان فرماتا ہے فقال وما ادرٰک ما لیلۃ القدر کہ اے نبی یا اے مخاطب تو کیا جانے کہ کیا حقیقت ہے لیلۃ القدر کی؟ کس لیے کہ عارف وسیع المعرفت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقت اس تجلی کی کہ جو گوناگوں عالم کو ساتھ لاتی ہے اور قابلیت و استعداد کے موافق ہر ایک میں رنگا رنگ تاثیرات پیدا کرتی ہے بغیر اس کے معلوم نہیں کر سکتا کہ تمام عالم اور جمیع قابلیت و استعداد عالمِ سفلی پر احاطہ ہو اور یہ مقدورِ بشر سے باہر ہے اس لیے خود ہی کسی قدر اس کے مراتب بیان فرماتا ہے لیلۃ القدر خیر من الف شھر کہ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ گو ہر مہینہ میں رات اور دن ہوتے ہیں اور ہر رات دن میں تجلیاتِ غیبیہ و شہودیہ ہوا کرتی ہیں لیکن جو تجلی اس رات ہوتی ہے وہ اس سے ہزارہا مرتبہ زیادہ ہے۔ اس رات کی

تجلی سے اس تجلی کو وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریا سے۔ اور عدد ہزار سے حصر مراد نہیں کہ ہزار ہی مہینوں سے بہتر ہے زائد سے نہیں، بلکہ لفظِ اَلف یعنی ہزار سے کثرت مراد ہے کس لیے کہ عرب میں اس سے اوپر کوئی عدد نہیں' اس سے زیادہ جو گنتی کرنی ہوتی ہے تو اسی عدد کے ساتھ اضافہ کرنے سے کرتے ہیں۔

اور برسوں کی جگہ مہینوں کا نام اس لیے آیا کہ عرب کے سالوں کی بنیاد محض قمری مہینوں پر ہے اور قمر کو رات سے تعلق ہے، برخلاف شمسی مہینوں کے کہ ان کا مدار دنوں پر ہے' اور قمر کو اس تجلی سے نہایت مناسبت ہے یعنی جس طرح قمر اندھیری رات کو روشن کرتا ہے اسی طرح یہ تجلی دنیا کے ظلمت کدہ کو جو رات سے مشابہ ہے روشن کرتی ہے۔

ف اس رات کے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کے کیا معنی؟ ایک یہ کہ اس رات کی عبادت ایک خصوصیت خاصہ سے ایسے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے کہ جن میں یہ رات نہ ہو۔

اور اسی لیے یہ فضیلت امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی کہ ان کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہیں۔ اگر کسی نے یہ ایک رات بھی پائی تو گویا اس نے کچھ اوپر تراسی ۸۳ برس عبادت کی اور جو کسی نے اس کو عمر میں کئی بار دس بیس پچاس بار پالیا (کس لیے کہ ہر سال ایک بار یہ رات آتی ہے) تو گویا سیکڑوں برس عبادت کرلی۔ اور لطف یہ کہ ہزار مہینے سے بہتر فرمایا نہ کہ برابر۔ اب بہتری کس درجہ تک ہوگی اس کی حقیقت وہی جانتا ہے۔

ف بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس میں بنی امیہ کی سلطنت کی عمر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بلکہ قاسم بن فضل نے ایک روایت بھی کردی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے منبر پر بندر چڑھتے اور اُترتے ہیں (یعنی بنی امیہ کے بادشاہ کس لیے کہ اس عہد میں خلیفہ منبرِ نبوی پر چڑھ کر خطبہ پڑھا کرتا تھا) یہ بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بری معلوم ہوئی۔ تب آپ کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

اول تو یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے۔ مزی کہتے ہیں کہ یہ روایت غیر معروف ہے اور قاسم جو کہتا ہے کہ ہم نے بنی امیہ کی سلطنت کے برس جو گنے تو پورے ہزار مہینے ہوتے ہیں نہ کم نہ زیادہ، محض غلط ہے کس لیے کہ بنی امیہ کی سلطنت سن چالیس ہجری میں قائم ہوئی معاویہؓ سے اور سن ایک سو بتیس (۱۳۲ھ) میں مروان الحمار پر ختم ہوگئی جس سے کل مدت بانوے ۹۲ برس ہوتی ہے حالانکہ ہزار مہینوں کے کچھ اوپر تراسی ۸۳ برس ہوتے ہیں۔ اس سے قطع نظر الف شہر سے خیر کہنے میں یہ اشارہ یا بیان کیوں کر ہوگیا کہ بنی امیہ کی سلطنت ہزار برس رہے گی۔ ایسے ہی بے تکے راویوں نے قرآن مجید کے مطالب میں ایسی گڑبڑ کردی ہے کہ اصل کلام کو اس کے اسلوب سے ہٹا کر محض پھیکا بنا دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

اب اس رات کی دوسری فضیلت بیان فرماتا ہے تنزل الملٰئکۃ والروح فیہا باذن ربھم کہ اس رات فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

نزولِ ملائکہ کا بیان

کیا کل ملائکہ نازل ہوتے ہیں؟

بعض علماء فرماتے ہیں کُل نازل ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے ایمان داروں کے دیکھنے اور ملنے کے لیے آتے ہیں پھر بعض آسمانِ دنیا ہی تک اُتر کر رہ جاتے ہیں۔ یہ

اس لیے کہ ایک وقت فرشتوں نے انسان کی حالتِ ابتدائی دیکھ کر یہ کہا تھا طنز سے اتجعل فیھا من یفسد فیھا الخ کہ یارب زمین پر آپ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو وہاں فساد کرے اور اس کو اپنے گناہوں سے ناپاک بنا دے مگر حق سبحانہ نے اس انسان پر یہ انعام کیے اور اس کی بتدریج ایسی ترقی کی کہ اب اس کے کمالات کے مشتاق بن کر اوپر سے وہی فرشتے آتے ہیں اور ایک وقت یہ تھا کہ جب منی کا قطرہ اور خون کا لوتھڑا تھا تو اس کے ماں باپ کو بھی اس سے گھن آتی تھی۔ پھر اس کو صورتِ جمیلہ عطا فرمائی اور ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو ماں باپ اور خویش اقارب اس پر شیدا ہوئے۔ اس کے بعد جو کمالاتِ روحانیہ میں ترقی کی تو آج عالمِ بالا کے لوگ اپنی مناسبت سے اس کو دیکھنے آئے۔

بعض فرماتے ہیں کہ سب فرشتے نہیں اترتے بلکہ ایک گروہ خاص جن کا جبرئیل علیہ السلام سے تعلق ہے۔ پھر جب یہ اوپر جاتے ہیں تو اوپر کے ملائک اور جنت کے کارکن ان سے حال دریافت کرتے ہیں، پھر وہ ایک ایک مرد اور عورت کا نام لے لے کر حال بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں شخص کو اب کے سال عبادت میں پایا فلاں کو خراب وخستہ، اول کے لیے دعا اور دوسرے کے لیے استغفار کرتے ہیں اور افسوس بھی۔

روح سے کیا مراد ہے

پھر روح سے کیا مراد ہے؟

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں جو اس گروہ ملائکہ کے سردار ہیں اسی لیے خاص کر ان کا بھی ذکر کیا ورنہ ملائکہ میں یہ بھی داخل تھے۔

بعض کہتے ہیں روح ایک اور فرشتے کا نام ہے جس کو روح القدس کہتے ہیں اور اس کو انسانی ترقی میں جو کمالاتِ روحانیہ میں ہو کمال دخل ہے، گویا وہ معلمِ روحانی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر تو روح القدس ایک بار نازل ہوا تھا جب وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے جس کی برکت سے مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتابِ اعمال) مگر امتِ محمدیہ کے صلحاء کے پاس وہ ہر سال تشریف لاتے ہیں جس کا اثر اس کے اوپر کہ جس کے پاس آتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے، آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں، بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ کرامات و برکات کا کارخانہ حواریوں تک چل کر ختم ہو گیا برخلاف اس امتِ مکرمہ کے کہ اس پر روح القدس کی برکت و تاثیر سے قیامت تک جاری رہے گا اور جو چاہے اب بھی مشاہدہ کرے کہ ہر زمانہ میں اسی امت میں ایسے اولیاء و صلحاء پائے جاتے ہیں کہ ان سے عجائب و غرائب کرامات و برکات سرزد ہوتی ہیں جو اس دین کے برحق ہونے کی کھلی ہوئی نشانی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی زمانہ اور کسی جگہ میں ایسے لوگ بہت تھے کہیں تھوڑے مگر زمانہ خالی نہیں رہتا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ روح سے ایمان داروں کی روحیں مراد ہیں جو مفارقتِ بدن کے بعد ملائکہ میں مل گئی ہیں، وہ بھی اپنے بھائیوں سے ملنے اور ان کے حالات دیکھنے اور اس عالمِ سفلی کی کہ جہاں سے یہ گئی ہیں سیر کرنے آتی ہیں، نیکی میں ان کو مصروف دیکھتی ہیں تو خوش ہوتی ہیں اور دعا کرتی ہیں اور جو برے کاموں میں مبتلا دیکھتی ہیں تو ناراض ہوتی ہیں اور دل میں فرشتوں سے شرماتی ہیں جن کی ناراضگی کا اس بدنصیب پر یہ برا اثر پڑتا ہے:- خسارتِ مال و زوالِ اقبال دنیاوی مصائب تاکہ تنبیہ ہو کر رجوع الی اللہ کرے، وہ اس کی معمولی درود فاتحہ اور خالی نام کی تعظیم اور انتسابِ نسبی اور نسبی سلسلہ بیعت وغیرہ سے کبھی خوش نہیں ہوتیں بلکہ اپنی طرف نسبت کرنے سے

شرم کرتی ہیں۔ بہرطور اس رات ایک عجیب بابرکت اجتماع عالمِ سفلی پر ہوتا ہے اور عالمِ بالا اور عالمِ سفلی کے اجتماع سے بطور تعاکس ایک عجیب ہیئت مرکبہ انوار کی پیدا ہوتی ہے جس کا سُرور عالمِ سفلی والوں اور عالمِ علوی والوں دونوں کو ہوتا ہے جیسا کہ اجزاء مختلفۃ المزاج کے ملنے سے معجونِ مرکب میں ایک کیفیتِ متشابہ پیدا ہوتی ہے جو جداگانہ ہر ہر جز کی کیفیت سے ایک جدا چیز ہے' اور یہی سِر ہے کہ دنیا میں خاص عبادات کے لیے مجمع کرنا افضل ٹھیرایا گیا جیسا کہ نمازِ جماعت اور جمعہ و عیدین و حج۔ تا کہ باہم ملنے سے انوار کا تعاکس ہو اور ناقصوں کو کاملوں کے فیض سے حصہ ملے اور اسی لیے جس قدر جماعت زیادہ ہو ثواب زیادہ ہے۔ الغرض یہ نزولِ ملائکہ و روح ایک طلسمِ الٰہی ہے کہ ناقصوں کو اس طریق سے کاملوں میں حساب کر لیا جاتا ہے۔

اور یہ نازل ہونا ان کا اختیاری نہیں بلکہ ان کے رب کے اذن و اجازت سے ہے گو عالم بالا کے ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کو دنیا کے صلحا اور ابرار سے ملنے کا شوق ہو مگر وہ بے اجازت نہیں آسکتے۔ یہ خیال کر لینا کہ جب ہم چاہیں اور ان کے بلانے کا کوئی سامان کریں وہ فوراً آئیں گے گویا کہ ہمارے حکم کے تابع ہیں جیسا کہ جاہلوں کا خیال ہے غلط اور باطل خیال ہے اسی کے رد کرنے کو باذن ربھم کا جملہ ساتھ لگا دیا ہے۔

اب تیسری صفت اس مبارک رات کی یہ بیان فرماتا ہے من کل امر سلٰم ھی کہ ہر چیز یعنی ہر آفت و بلا سے یہ رات سلامتی کی رات ہے شیطانی آفات اور اس کے مکر و زور کے مصائب جو ابن آدم کے لیے تیار رہتے ہیں اس رات نیک ایمان داروں کے لیے ان سے سلامتی اور امن ہوتا ہے' اور یہ ظاہر ہے کس لیے کہ ملکیت کا غلبہ ہوتا ہے' پھر بہیمیت کیونکر ضرر پہنچا سکتی ہے۔

بعض علماء من کل امر کو ایک جملہ اور سلٰم ھی کو دوسرا جملہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ ملائکہ اور روح کے متعلق ہوگا' پھر اگر من کو بیان کے لیے کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کے اور ہر قسم کے فرشتے اترتے ہیں کیونکہ ملائکہ اور روحانیات ایک خاص خاص کام میں مشغول ہیں کوئی رکوع میں تو کوئی سجود میں کوئی تجلی جمال کے مشاہدے میں کوئی ایمان داروں کے لیے دعا و استغفار میں کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیاوی کارخانہ کے سرانجام دینے میں' پھر یہ اس رات اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ کر دنیا پر ایمان داروں سے ملنے دیکھنے اپنا فیض پہنچانے آتے ہیں' آج کی رات جشنِ شاہانہ اس دنیا پر ہوتا ہے' ہر کارخانہ کے لوگوں کو اس میں شریک ہونے کے لیے چھٹی مل جاتی ہے۔

اور اگر من کو اجل یا واسطہ کے معنی میں لیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کی تدبیر کرنے کو نازل ہوتے ہیں جو کچھ دنیا میں سال بھر تک ہوتا ہے اس کا حکم تو شعبان کی پندرھویں رات ہوتا ہے جس کو شب برات کہتے ہیں اور اس کے جائزے لینے کے لیے لیلۃ القدر میں فرشتے دنیا پر نازل ہوتے ہیں' پھر سال بھر تک اس کے مطابق کارروائی کرتے رہتے ہیں یہی مدبرِ امور من جانب اللہ ہیں۔

بعض قرار نے من کل امرئ پڑھا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر ایک آدمی یعنی مؤمن کے لیے نازل ہوتے ہیں' اور یہ روایت بھی ہے کہ جب وہ کسی ایماندار مرد یا عورت سے ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں جس میں سلامتی کی دعا ہے۔

سلٰم ھی کے یہ معنی کہ یہ رات سلامتی کی ہر جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یا یہ کہ اس میں ملائکہ باہم اور نیز

مومنوں کو سلام کرتے ہیں۔

یہ ایک قرآن مجید کی کمال بلاغت ہے کہ ایک لفظ کو خواہ آخر سے کلام سے ملالو یا اول سے ہر حال میں معنیٰ عجیب پیدا ہوتے ہیں۔ ولہ الحمد حمداً کثیراً۔

پھر یہ تجلی کب تک رہتی ہے؟ آپ ہی فرماتا ہے حتیٰ مطلع الفجر کہ صبح صادق کے طلوع تک، پھر ملائکہ اوپر چلے جاتے ہیں۔

سورہ بیّنہ

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ

کافر اہل

الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ

کتاب اور مشرکین تو بغیر اس کے ٹلنے والے

حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾ رَسُوۡلٌ

تھے نہیں کہ ان کے پاس کھلی دلیل پہنچے (وہ کیا) کوئی خدا

مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۙ﴿۲﴾

کی طرف سے رسول آئے اور پاک صحیفے سنائے

فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ؕ﴿۳﴾

جن میں مضبوط احکام ہوں

ترکیب

لم یکن الذین کفروا اسم کان من للبیان اہل الکتب والمشرکین مجرور ان بمن منفکین خبر کان ای زائلین عما کانوا علیہ من دینہم ہذا حکایۃ عن قولہم قبل الاسلام (کانوا یقولون لا نترک ما نحن علیہ حتی یجیٔ النبی الموعود فی التوراۃ والانجیل فاذا جاء نتبعہ و نترک دیننا فلما جاء کفروا بہ) زجراً و توبیخاً لہم لاثبات کذبہم۔ البینۃ الحجۃ الواضحۃ وہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولذلک سماہ سراجاً منیراً۔ رسول مرفوع علی انہ بدل من البینۃ او خبر مبتدأ محذوف و قرأ ابن مسعودؓ و ابیؓ رسولاً بالنصب حالاً من البینۃ من اللہ صفۃ لرسول ای کائن من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃ صفۃ اخریٰ لرسول او حال والصحف جمع صحیفۃ ای قراطیس و انہ وان کان اُمیاً لکنہ لما تلی ما فی الصحف کان کالتالی لہا۔ فیہا کتب قیمۃ صفۃ لصحف او حال من ضمیرہا والمراد الاحکام المکتوبۃ فیہا او الآیات والسور الثابتۃ فیہا۔

تفسیر

اس سورت میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اور بعض اس کو مکیہ کہتے ہیں کہ مکہ میں نازل ہوئی حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔

وجہ تسمیہ اس سورت کو بیّنہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں مشرکین عرب اور اہل کتاب اپنے قبائح مروّجہ کو ترک نہ کرتے تھے اور بیّنہ آنے پر محول کرتے تھے، اس سورت میں بتلایا جاتا ہے

کہ لو اب وہ بیّنہ بھی آگیا۔ اب کیوں نہیں مانتے۔

مناسبت اس کی سورۂ قدر سے یہ ہے کہ وہاں بتا دیا گیا ہے کہ (انسان کو وہ چیزیں جو وہ جانتا نہ تھا بتانے کے لیے) ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اتارا جو بڑی متبرک رات ہے اور اہلِ کتاب اور مشرکین ایسے رسول اور ایسی کتاب کے منتظر تھے۔ اب بتایا جاتا ہے کہ لو وہ کتاب اور وہ رسول آگیا ہے۔ اب تو اپنا باطل مذہب چھوڑو۔ اس لیے سب سے اول اسی بات کا ذکر فرماتا ہے۔

فقال لم یکن الذین کفروا من اھل الکتٰب والمشرکین منفکین حتٰی تاتیھم البینۃ کہ کافر لوگ یعنی اہلِ کتاب اور بت پرست اپنے باطل مذہب اور جہالت و بطالت سے دور ہونے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس بینہ نہ آجائے۔ آگے بینہ کی تفسیر فرماتا ہے۔

اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے[1] بعض کہتے ہیں کہ بینہ آنے کے بعد بھی وہ کافر اپنے کفر سے نہیں ٹلے۔ اور یہ قید کہ جب تک ان کے پاس بینہ نہ آئے، یہ بتاتی ہے کہ بینہ آنے کے بعد انہیں ٹلنا چاہیے اس لیے یہ قرار دیا جائے گا کہ یہ انہیں کافروں کا قول بطور تعریض کے خدا تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ جیسے کوئی کہے اور اصرار کرے کہ جب تک میرے پاس سواری نہ آئے گی میں چلنے والا نہیں، پھر سواری آنے کے بعد بھی نہ چلے اور حیلہ بہانہ کرے تو کوئی اس پر تعریض کرے اور یہ کہے کہ آپ تو سواری آئے بغیر چلنے والے نہ تھے یعنی اب سواری بھی آگئی اب کیوں نہیں چلتے؟

اسی طرح خدا تعالیٰ ان کافروں پر تعریض کرتا ہے کہ تم تو بینہ آئے بغیر اپنے مذہب سے ٹلنے والے نہ تھے اب بینہ بھی آگیا اور پھر بھی تم اسی طرح اڑے ہوئے ہو۔

(۲) بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کا قول نقل نہیں کیا بلکہ از خود فرماتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور بطالت پر یہاں تک جمے رہے ٹلے نہیں کہ ان کے پاس بینہ بھی آگیا اور پھر بھی اسی جہالت میں پڑے ہوئے ہیں، ایسی کھلی دلیل کو بھی نہیں مانتے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ کافر یعنی اہلِ کتاب اور مشرکین دنیا سے جدا ہونے والے نہیں تھے بینہ آئے بغیر یعنی خدا تعالیٰ اس پُرآشوب زمانہ میں کہ دنیا پر کفر کی ظلمت طاری تھی اپنی برہان بھیجے بغیر کفار کو موت نہیں دینے والا تھا، اب اس نے بینہ بھیج دیا، بُری اور بھلی راہ میں فرق کر دیا، حجت تمام کر دی، یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ بینہ آئے تک اہلِ کتاب اور مشرکینِ عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل اور ان کے مبعوث ہونے کے منتظر تھے۔ جب آپؐ آئے اور بینہ آگیا تو ٹل گئے یعنی منکر ہو گئے کقولہ تعالیٰ فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہٖ۔

اہلِ کتاب کی کتابوں میں ایک آنے والے پیغمبر کی خبر تھی، توریت میں بھی اور انجیل میں بھی ایک ایسے عالی شان نبی برپا ہونے کی پیشین گوئی اب تک موجود ہے جس کا بیان ہم اپنی تفسیر میں کئی جگہ کر چکے، بلکہ اہلِ کتاب کو حضرتؐ کے تمام صفات بھی معلوم تھے اور اسی طرح مشرکینِ عرب میں بھی چرچا تھا کہ مکہ سے ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو عرب کی ابدی عزت و شوکت کا باعث ہوگا اور اس کے سبب سے گلہ بان بھی حکومت کریں گے، اور یہ بات عرب میں ایسی مشہور تھی کہ ہر کہہ و مہ جانتا تھا اور ایسے شخص کے مبعوث ہونے کا انتظار کرتا تھا۔ الغرض اہلِ کتاب اور عرب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منفک یعنی جدا اور

مخالف نہ تھے، پھر جب آپ مبعوث ہوئے تو ان پر بدبختی سوار ہوگئی، آپ سے جدا ہوگئے، دشمن بن گئے۔

(۵) ایک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اہلِ کتاب اور مشرکین اپنی حالتِ سرداری اور ریاست سے ٹلنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ آگیا اور جب وہ بینہ پر ایمان نہ لائے تو وہ ریاست جاتی رہی۔ اس میں اُس پیشین گوئی[۱] کی طرف اشارہ ہے کہ یہود سے حکومت کا عصا دور نہ ہوگا جب تک کہ ان کے پاس شیلا نہ آئے، شیلا سے مراد بینہ ہے۔

اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ جزیرہ نمائے عرب میں مشرکین کی حکومت تھی، عام ہے کہ مشرکین عرب ہوں یا مشرکینِ مجوس ہوں کس لیے کہ یمن میں مجوسی یعنی ایرانی بھی فرماں روا تھے اور باقی ممالک میں یہی بت پرست قبائل کے سردار حکم رانی کرتے تھے اور اہلِ کتاب بالخصوص نصاریٰ شام اور دیگر ممالک کے فرماں روا تھے اور ان ممالک پر قیصرانِ روم کا جھنڈا لہرا رہا تھا، یہود گو کہیں کے فرماں روا مستقل نہ تھے مگر خیبر وغیرہ مقامات میں آپ سردار تھے، کسی کے زیرِ حکم نہ تھے اور ان کو دینی ریاست کا بھی بڑا دعویٰ تھا، یہ سب کچھ رنگ بینہ آنے کے بعد مٹ گیا۔ کسی کی بھی ریاست باقی نہ رہی۔ عرب کے سرداروں کا تو کیا ذکر ہے اسلام نے قیصر اور کسریٰ کے بھی تاج سر سے اتار لیے۔ یہ ایک بڑا اعجاز ہے جس کا چرچا سیکڑوں برس سے ہو رہا تھا اور ہر قوم میں تھا اور یہ اخیر معنی سب سے زیادہ چسپاں ہیں، گویا اس آیت میں بطورِ پیشین گوئی کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبوں کو جو مشرکین اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ تھے متنبہ کیا جاتا ہے کہ اب ہماری کھلی ہوئی دلیل آچکی ہے، اب راہ پر آجاؤ اور کجی اور سرکشی چھوڑ دو، ورنہ اس کا آنا اور تمہارا منفک ہونا یعنی زائل و برباد ہونا وابستہ ہے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔

ف منفکین انفکاک سے ہے جس کے معنی ہیں جدا ہونا ٹلنا زائل ہو جانا چھوڑنا۔ انفکاک کے معنی پر آیت کے معنی کا اختلاف مبنی ہے۔

بتلایا جاتا ہے کہ وہ بینہ کیا ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے رسول من اللہ اللہ کا فرستادہ، رسول۔ اور رسول بھی کیسا؟ یتلوا صحفا مطھرۃ کہ وہ پاک صحیفے پڑھ کر سناتا ہے۔

صحیفہ یعنی کاغذ، کتاب، رسالہ، قرآن مجید کی ہر ایک سورت ایک صحیفہ ہے جس طرح توریت کے ابواب یا حصص صحیفے ہیں۔

اور صحیفے بھی کیسے ہیں؟ پاک، ان میں جھوٹ اور مبالغہ کی کوئی نجاست نہیں۔ یہ نجاست کتاب کے حق میں ظاہری نجاست سے بڑھ کر بے قدر کرنے والی ہے، اسی طرح تحریف و تبدیل بھی کتاب کے لیے نجاست ہے اسی طرح اس کے مضامین میں فحش اور خلافِ تہذیب باتیں بھی نجاست ہے۔ الغرض ہر ایک عیب خواہ کسی قسم کا ہو ایک نجاست ہے، سو وہ صحیفے جن کو خدا کا برگزیدہ رسول سنا رہا ہے ان جملہ عیوب سے پاک ہیں۔ اس لفظ میں ایک مہذبانہ تعریض بھی اہلِ کتاب پر ہے کہ جن صحیفوں کو وہ لیے پھرتے ہیں ان میں ان ناپاکوں نے نجاستِ تحریف لگا رکھی ہے۔

کتابِ آسمانی ہونے کے لیے یہ دو ہی معیار کافی ہیں:-

ایک تو یہی کہ ہر قسم کے عیوب سے وہ کتاب

---

[۱] توریت سفر تکوین انچاسواں باب ۱۲ منہ

پاک ہو جس میں مذکورہ بالا عیوب ہوں گے وہ آسمانی کتاب نہیں ہو سکتی۔

دوم فیہا کتب قیمۃ ان صحیفوں میں مستحکم اور عمدہ مضامین بھی ہوں، یہ ان صحیفوں کی جن کو خدا کا رسول سنا رہا ہے دوسری صفت ہے۔

کتب کتاب کی جمع ہے۔ اور کتاب بمعنی مکتوب اکثر مستعمل ہوتا ہے اور مکتوب مضمون ہوتا ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد احکام و مطالب ہیں کس لیے کہ لکھے تو وہی جاتے ہیں۔

اور قیمۃ بمعنی مستقیمہ یعنی ان مطالب میں کوئی کجی نہ ہو۔ عقل سلیم کے مطابق ہوں۔ سو یہ وصف بھی قرآن مجید کے مطالب میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وصف اول پایا گیا۔

شبہ صحف اور کتب کے تو ایک ہی معنی ہیں پھر یہ کیا فرمایا کہ صحیفوں میں کتابیں ہوں۔ گویا یوں کہا کتابوں میں کتابیں، اور یہ کلام غلط ہے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتب سے مراد صحیفے نہیں بلکہ مطالب و احکام ہیں بمعنی مکتوب اور وہ کتاب ہی میں ہوا کرتے ہیں۔

بَیِّنَۃ بان الشئ بیانًا فھو بیّن، پیدا (صراح) بیّن ظہور کے معنی میں ہے، بینہ وہ شے جو بالکل ظاہر ہو یا ظاہر کر دے۔ اس لیے شہادت کو جو کسی دعوے کے اظہار کے لیے پیش کی جاتی ہے بینہ کہتے ہیں۔ اس مقام پر اس سے مراد خدا کی طرف کی کھلی ہوئی دلیل اور برہان واضح ہے، اور وہ کون ہے آں حضرت کی ذات بابرکات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی لیے آپ کو سراج منیر یعنی روشن چراغ بھی کہا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ بینہ سے مراد اس جگہ رسول کریم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس لیے کہ اس کے بعد کا جملہ رسول من اللہ خود اس بات کو بیان کر رہا ہے۔

رسول کریم خدا تعالیٰ کی دلیل واضح اس لیے تھے کہ آپ کی تھوڑی سی صحبت بھی گم گشتگان وادی ضلالت کو راہ راست دکھا دیتی تھی۔ اور آپ سے صدہا معجزات و آیات بینات ایسے سرزد ہوتے تھے جو مافوق العادت زائد از قوت انسانیہ ہونے کے سبب آپ کی سچائی کی روشن دلیلیں تھیں جن کے بعد کوئی ازلی محروم رہے تو رہے ورنہ فوراً ہدایت ہوتی تھی، آپ کے اخلاق کریمانہ اور آپ کی سیرت و صورت بھی حق نمائی کا ایک صاف آئینہ تھا اور سب سے بڑھ کر ارواح کے لیے آپ عجیب خاصیت رکھتے تھے۔ اور یہ بات خلاف قیاس نہیں، اجسام میں ایک دوسرے کے لیے جاذب پایا جاتا ہے، لوہے اور مقناطیس ہی کو دیکھو۔ پھر آپ کی روحانیت میں جملہ ارواح کے لیے اگر ایسا بڑا جذب ہو کہ خود بخود نفوس انسانیہ اس طرف کھنچے چلے آتے تھے تو کیا تعجب ہے اور یہی قوت روحانیہ تو ہے جو ایک عالم کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔

وجوہ مذکورہ بالا کے لحاظ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف کی روشن دلیل یا اس اندھیرے زمانہ میں جو شب تار سے زیادہ عالم میں محیط تھا چودھویں رات کے چاند تھے۔ پھر ان جنم کے اندھوں کو اس بینہ کے بعد بھی کچھ سجھائی نہ دے تو ان میں دراصل کچھ بھی ادراک روحانی باقی نہیں رہا۔ پھر ایسے حروف غلط اگر لوح دنیا سے مٹائے نہ جائیں تو کیا کیا جائے۔

فوائد

(۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آگے ہدایت کا چراغ بہت روشن ہونے کے بعد ٹمٹمانے لگا تھا

اور آخر کار گُل ہو گیا تھا، دنیا میں اندھیرا پھیل گیا تھا، بر عرب جو آپؐ کا مولد و مسکن تھا اس کی تو عموماً یہ حالت تھی کہ بت پرستی رگ و ریشوں میں دوڑ گئی تھی، خاص خانہ کعبہ میں بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے، کہیں جنوں بھوتوں غیر مرئی اشیاء کی پرستش ہوتی تھی، کہیں صلحاء و ابرار کی ارواحِ طیبات کو معبود مان رکھا تھا کہیں ستارے اور چاند اور سورج کو پوجا جاتا تھا۔ الغرض سیکڑوں معبود اور ان کی پرستش کے سیکڑوں دستور مروج تھے، اخلاقی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تھی۔ قتل و غارت، لوٹ مار، زنا، چوری، شراب خوری ایک عام پیشہ تھا۔ اب رہے اہل کتاب سو ان کے دو فریق تھے، ایک یہود، ان کی یہ حالت تھی کہ اصلی توریت و صحفِ انبیاء علیہم السلام ہی کو کھو بیٹھے تھے اور جو کچھ محرف باقی تھا اس پر بھی عمل نہ تھا، اور ان کے بھی متعدد فریق تھے جن میں سے ایک فریق قیامت کا ہی منکر تھا حضرات انبیاء کا کوئی بھی دستور ان کا رہبر نہ رہا تھا، صرف رسوم باقی رہ گئی تھیں، ان کے علماء اور درویشوں نے دین فروشی کا پیشہ بنا رکھا تھا، جہلاء انہیں کے کہنے پر چلتے تھے، اخلاقی حالت بالکل تباہ و برباد ہو گئی تھی۔

دوسرا فریق نصاریٰ کا تھا اس میں سے بھی وہ مسیحی خوشبو نکل گئی تھی، صرف پھوک باقی رہ گیا تھا۔ انہوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ مریم کی پرستش شروع کر دی تھی۔ خدا ایک کونسل تھی جس کے دو ممبر حضرت مسیح اور روح القدس تھے، بعض کے نزدیک حضرت مریم بھی ایک ممبر تھیں، حلال و حرام کی اور پاک و ناپاک کی کوئی قید نہ رہی تھی، ان کے علماء نے مکر کا دام پھیلا رکھا تھا۔ جہلاء ان کے بندے تھے، پھر ان کے بھی بہت سے فریق تھے اور آئے دن باہم جوتی پیزار ہوا کرتی تھی، روما[1] میں ان کے اہل علم نے ایک سلطنت قائم کر لی تھی اور وہاں کا سجادہ نشین حضرت مسیح کا نائب کہلاتا تھا جس کو پوپ کہتے تھے، پھر ان پوپوں نے لوگوں کو نچا مارا تھا اور طرح طرح کی بدعات اور عجیب و غریب احکام جاری کر رکھے تھے۔ مُردے کو یہ نجات کی چٹھی روح القدس کے نام سے دیا کرتے تھے یہ شادی تو نہیں کرتے تھے مگر ہزاروں کنواریاں بے حجابانہ ان کی خدمت کے لیے رات دن ان کے پاس رہا کرتی تھیں، پھر کیا کیا شرم ناک واقعات پیش آتے تھے، اس لیے ان سب کو خدا تعالیٰ نے کافر کہا اور بہت بجا فرمایا۔ ان میں ایمان کی کون سی بات باقی رہ گئی تھی؟

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾

تو بینہ آنے کے بعد

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ

اور ان کو حکم (بھی کوئی ایسا نہیں) دیا گیا تھا صرف یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں خالص

لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ

اسی کی اطاعت کی نیت سے یکسو ہو کر اور نماز پڑھا کریں

وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾

اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی وہ مستحکم دین ہے۔

ترکیب

[1] روما، ملک اٹلی کا پایہ تخت ۱۲ منہ

وما تفرق الخ الجملۃ مستانفۃ لتوبیخ اہل الکتاب والتخصیص بذکرہم للدلالۃ علی ان المشرکین مع جہلہم اولی بالتفرق ۱ لا الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال والاوقات ۔ وما امروا الجملۃ فی محل النصب علی انہا حال من اہل الکتاب والحال انہم ما امروا بالشئی یخالف اصول دینہم بل لشئی یطابقہا مخلصین قرء الجمہور بکسر اللام وقرء الحسن بفتحہا ۔ وہی حال من الضمیر فی یعبدوا حنفاء حال من الضمیر فی مخلصین فیکون من باب التداخل ویمکن ان یکون من یعبدوا جمع حنیف ۔ والحنیف المائل عن الباطل الی الحق وقیل المتبع بطریقۃ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ویقیموا ویؤتوا معطوفان علی لیعبدوا اسقطت النون لتقدیر ان ای ان یعبدوا اللہ الخ دین القیمۃ قال الفراء ہذا من باب اضافۃ النعت الی المنعوت کقولہ ان ہذا لہو حق الیقین والہاء للمبالغۃ کما فی قولہ کتب قیمۃ ۔

تفسیر

اب یہ ظاہر فرماتا ہے کہ جس بینہ کے انتظار میں اہل کتاب اور مشرک بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی آرزو کیا کرتے تھے، اس کے آنے کے بعد کیا کیا؟ آپ ہی ارشاد فرماتا ہے وما تفرق الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءتہم البینۃ کہ افسوس اہل کتاب جو علم اور فہم رکھتے تھے انبیاء علیہم السلام سے واقف تھے وہی بینہ پہنچنے کے بعد اس کے مخالف ہو گئے اور مشرکین عرب کا تو کیا ذکر ہے وہ تو جاہل ہی تھے ۔ یہ ان کی کمال بے نصیبی پر افسوس ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس کا زمانہ دراز سے انتظار تھا اور شدید انتظار تھا مگر جب وہ وقت آیا تو جو ازلی بدنصیب تھے ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے اور عناد و ضد کے نشہ نے انہیں بے خبر کر دیا ۔ ؎

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

جس طرح لیلۃ القدر کی تجلی کے انتظار میں کوئی راتوں نہ سوئے پر جب وہ رات آئے تو سو جائے، یہی حال آں حضرت کی بعثت پر اہل کتاب کا ہوا (اور یہ بھی ایک وجہ مناسبت اس سورت کی لیلۃ القدر سے ہے) یہی حال حضرت مسیح کی بعثت پر یہود کا ہوا جس کا افسوس حضرت مسیح علیہ السلام عجیب عجیب تمثیلوں اور دل ہلانے والے فقروں میں کرتے تھے ۔

پہلا حکم

وما امروا اور وہ جو مخالف ہوئے اور بہت جلد اس رسول سے بگڑ بیٹھے ان کو کوئی حکم بھی تو ایسا سخت یا توریت و انجیل کے مخالف نہیں دیا گیا تھا الا لیعبدوا اللہ مگر یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں مگر نہ شرک کی آمیزش کے ساتھ بلکہ ان شرائط سے :

(۱) مخلصین لہ الدین اول یہ کہ خاص اسی کی اطاعت کی نیت سے اس میں تثلیث کی آمیزش نہ ہو، نہ اور کسی معبود کی شرکت ہو، اور دل سے پورا اخلاص بھی ہو، ریا کاری اور نمود کی گرد بھی نہ لگی ہو ۔

اب کہو یہ کون سی بڑی بات تھی جس سے وہ بینہ سے پھر گئے بلکہ یہ تو وہی بات ہے کہ جس کی توریت و انجیل میں بھی جا بجا تاکید ہے ۔

(۲) حنفاء یک طرفہ ہو کر کسی باطل اور غلط طریق کی طرف میلان نہ ہو جس کے اصول جہل اور خیالات فاسدہ پر مبنی ہوں، اور حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسی وجہ سے لقب بھی ہے جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم جو رئیس الموحدین اور خدا پرست فرقوں کے بزرگ بلکہ اکثر کے جد امجد ہیں اور تمام فریق یہود و نصاریٰ ابراہیمیت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ان کے طریق کی پابندی اس عبادت میں ملحوظ رہے ۔ سو یہ بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے

وہ بھاگتے ۔

دوسرا حکم اس حکمِ عبادت کے بعد جو ہر قسم کی عبادت کو شامل تھا ایک خاص عبادت کے لیے دوسرا یہ حکم بھی دیا گیا تھا (۲) یقیموا الصلوٰۃ کہ نماز قائم کیا کریں۔ یہود و نصاریٰ نے وہ نماز بھی ترک کر دی تھی کہ جو ان کے مذہب میں تھی سجدہ اور دعا یا رکوع سبت یعنی ہفتہ کے روز۔ یہ حکم بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ انکار کرتے بلکہ سچے مذہب کا عطر یہی ہے۔

تیسرا حکم تیسرا حکم یہ تھا (۳) ویؤتوا الزکوٰۃ اور زکوٰۃ بھی دیا کریں یعنی خیرات کیا کریں خیرات کرنا بھی وہ بات ہے کہ جس کو تمام مذاہب بالاتفاق اچھا جانتے ہیں۔

پھر وہ کون سی بات ایسی تھی کہ جس کے سبب اہلِ کتاب کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا حیلہ ملا، ہاں اس قدر تو ضرور ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کے طریقے میں اصلاح کی گئی جو عقلِ سلیم کے سرِ مو خلاف نہیں، پھر ان سے خلاف و انحراف اگر شقاوتِ ازلی نہیں تو اور کیا ہے؟ کوئی عیسائی کوئی ہندو، کوئی یہودی، کوئی مجوسی انصاف سے کہہ تو دے کہ اس بینہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔

اور جب آپؐ کے مذہب کے یہ اصول ہیں تو ذٰلک دین القیمۃ اس دین کے محکم اور مضبوط ہونے میں کیا شبہ ہے، بے شک یہ دینِ قیم ہے، اور یہی مذہب اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو آسمانی مذہب قرار دیا جائے اور یہ تمام بنی آدم میں شائع ہو، اور سب ایک دین اور ایک مذہب ہو جائیں، اختلاف کا نام باقی نہ رہے اور یہ ایک ہو کر رہے گا۔

خلاصہ یہ کہ بینہ آنے کے بعد اہلِ کتاب نے اختلاف ع ۱ ۸ ۲۳
کیا حالانکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا نہ بہ لحاظ مشقتِ عمل کے سخت تھا اور نہ توریت و انجیل کے برخلاف تھا مگر وہ اس پر بھی مخالف ہو گئے اور حکم جو ان کو دیے تھے اور رسول نے ان کو سنائے تھے صرف یہ تین حکم تھے۔

(۱) خالص اللہ کی عبادت کرنا (۲) بالخصوص نماز پڑھنا (۳) مالی عبادت کرنا زکوٰۃ و خیرات دینا۔ اور دینِ قیم یہی ہے۔ تعظیمِ خدا جو دو پہلے حکموں میں ہے، اور ترحم بر خلق جو تیسرے حکم سے متعلق ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
بے شک جنہوں نے انکار کیا یعنی اہلِ کتاب
وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ
اور مشرک وہ جہنم کی آگ میں
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ ﴿۶﴾
سدا رہا کریں گے وہی سب مخلوق سے بدتر ہیں
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ
وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے
اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ
وہی سب خلق سے بہتر ہیں ان کا بدلہ
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ
ان کے رب کے پاس باغ ہیں بسنے کے جن کے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ
نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہا
اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا
کریں گے اللہ ان سے راضی ہوا وہ اس سے راضی
عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾ ع
ہوئے یہ اس کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے

ترکیب

الذین موصول کفروا صلتہا من اھل الکتب والمشرکین بیان لکفروا اسم ان فی نار جہنم خبرہا ای یصیرون الیہا بعد الموت خلدین فیہا حال من المستکن فی الخبر۔ اولئک مبتدا۔ ھم شر البریۃ الجملۃ خبر قرء الجمھور فی الموضعین البریۃ بغیر ہمزہ وقری بالھمزۃ وقیل الاصل بالھمزۃ لانہ یقال برء اللہ الخلق بالھمز ای ابتدعہ واخترعہ ومنہ قولہ من قبل ان نبرأھا ولکنھا خففت عند عامۃ العرب والبریۃ الخلیقۃ والباری الخالق الذین اٰمنوا الخ اسم ان ھم خیر البریۃ خبرہا جزاؤھم مبتدا۔ عند ربھم صفۃ جنٰت عدن خبر یقال عدن بالمکان یعدن عدنا ای اقام ومعدن الشئ مرکزہ ومستقرہ تجری الخ الجملۃ صفۃ جنٰت خلدین حال العامل محذوف ای ادخلوہا خالدین ولا یجوز ان یکون حالاً من الضمیر المجرور فی جزاؤہم لوقوع الفصل بین المصدر ومعمولہ بالخبر واجازہ قوم ابداً تاکید للخلدین رضی اللہ الخ الجملۃ خبر ثان ویجوز ان تکون فی محل نصب علی الحال باضمار قد ذٰلک مبتدا۔ لمن خشی ربہ الجملۃ خبر۔

تفسیر

اب ان اختلاف کرنے والوں کا جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر سمجھتے ہیں انجام کار بیان فرماتا ہے۔

فقال ان الذین کفروا کہ وہ جو منکر ہو گئے ہیں بیّنہ کے خواہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرکین ہوں وہ جہنم کی دہکتی آگ میں جلیں گے، پھر جس طرح یہ ان کا کفر کبھی ان سے دور نہیں ہوتا تھا بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا اسی طرح وہ بھی ہمیشہ اس آگ میں پڑے جلا کریں گے کبھی رستگاری نہ ہوگی، جن عقائد و اعمال و رسوم کو وہ موجب نجات جانتے ہیں کچھ کام نہ آئیں گے کس لیے کہ وہ سب باطل کوششیں ہیں۔

اور وہ جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر جانتے ہیں یہ بھی غلط خیال ہے بلکہ اولئک ھم شر البریۃ وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں کس لیے کہ مخلوق میں مومن اور فرشتے تو بالاتفاق بہتر ہیں، اب رہے حیوانات خواہ وہ کیسے ہی کیڑے مکوڑے کیوں نہ ہوں سؤر، کتا، یہ ان سے بھی بدتر ہیں، کس لیے کہ وہ اپنے آقا کی ناشکری تو نہیں کرتے مگر یہ بدنصیب باوجود عقل و ادراک ہوش و حواس کے ناشکری کرتے ہیں، اس کے احکام اور اس کے رسول اور اس کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اور حیوانات کو مرنے کے بعد عذاب و ثواب کچھ نہیں، پر ان کے گلے میں تو رنج و حزن دائمی کی مستحکم رسّی پڑی ہوئی ہے۔

پہلی قوموں کے تفاخر

یہود کو دعویٰ تھا کہ نحن ابناء اللہ واحباءہ کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں ہم ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے اجزائے بدن ہیں اور ان کے لیے برکت و مغفرت کا وعدہ ہو چکا ہے، پھر ہم کو کسی طرح بھی اللہ جہنم میں نہ ڈالے گا اور بڑے بڑے گناہوں کی باز پرس ہوئی بھی تو یہ ہوگی کہ دو چار روز جہنم کی تپش دکھا کر پھر ہم کو ہمارے باپ دادا کے مرتبہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ الغرض مغفرت و جنت ہمارا موروثی حصہ ہے۔ اس لیے ہم سب مخلوق سے بہتر اور اشرف ہیں، ہمارے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔

عیسائی کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت مسیح پر ایمان لائے اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا جان لیا تو وہ ہمارے لیے آپ کفارہ ہو گئے، سولی چڑھے، ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے، اب ہم کو کوئی گناہ مضرت نہیں پہنچا سکتا، حوض میں غوطہ لگانے سے اگلے اور پچھلے تمام گناہ صاف ہو گئے، بہرحال ہماری نجات ہے، آسمانی بادشاہت ہمارے لیے حیات

جاودانی کے ہم مالک، ہم باپ کے برابر کرسی پر بیٹھیں گے۔ ہم سے بہتر اور افضل کوئی قوم نہیں، اوروں کے ہاں جسمانی عبادات، ہمارے ہاں روحانی یعنی ناپاک اعتقاد۔

ہنود کی بت پرست قومیں جو ہزاروں میں اخلاقی اور روحانی نجاستوں میں آلودہ ہیں اور تمام مذہب توہمات و خیالاتِ فاسدہ پر مبنی ہے، ہر چند ان کے گروہ آریہ نے اس کی اصلاح کرنی چاہی ہے، وید کی تاویلات کرکے اس کو لوگوں سے مخفی رکھ کر (تاکہ ظاہر ہونے پر قلعی نہ کھل جائے) اس میں اسلامی توحید و اخلاق ملانے کی کوشش کی ہے مگر پھر کہاں تک ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

کا مضمون ہے، اس پر وہ اپنے آپ کو پوتر[1] جانتے ہیں، اوروں کو ملیچھ[2] بتلاتے ہیں اور ان کے سایہ تک سے بچتے ہیں، ہاتھ اور کپڑا چھو جانے سے تو دھرم برھشٹ ہو جاتا ہے، سوائے پہر دن چڑھے تک دھرماتما ہندو غیر قوم کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ پھر سورگ یعنی جنت تو ان کی زرخرید ہے یا برہمن کا عطیہ، اور ان کے تمام کاروبار تو ان کے بت چلاتے ہیں۔ پھر جو کوئی پاپ یعنی گناہ ہو جاتا ہے تو گنگاجی میں اشنان کرنے سے دُھل جاتا ہے، بالخصوص ان میں سے فرقہ برہمن تو نوری بندے ہیں وہ جو چاہیں کریں، ان کو کوئی گناہ ہی نہیں، کس لیے کہ برہماجی کے پُتر یعنی پسر ہیں، وہ کسی کو ماریں گالی دیں، اس کے مقابلہ میں دھرماتما مہاراجوں کو سزا دینے کا اختیار نہیں، نسل میں برکت حاصل کرنے کے لیے ان سے نطفہ حاصل کرنا قدمائے ہنود کا قدیم دستور تھا۔ اور ہنود قومیں تو تناسخ کے میدان میں ٹھوکریں کھا کر اور کیا کیا جنم لے کر مکتی[3] حاصل کرتی ہیں مگر برہمن جی مہاراج تو کھرے سُورگ میں چلے جاتے ہیں، ان کے سوا اور اقوام ہند کو دینی کتابوں کے پڑھنے کی اجازت تک نہیں (تاکہ راز نہ کھل جائے) جو کچھ خیرات کرنا ہو تو برہمن کو دو گرچہ وہ بڑا مالدار ہی کیوں نہ ہو، اس کا دیا مُردوں کے پاس پہنچتا ہے، پھر ہنود کی بیاہ شادی، مرنے جینے کے رسوم، بتوں کی عبادت کرانا برہمن ہی کے ہاتھ میں ہے، پھر قانون بھی جو بنایا ہے جس کو دھرم شاستر کہتے ہیں وہ منوجی برہمن کا بنایا ہوا ہے کہ جو کسی طرح سے ان کے پچھلے اوتاروں رشیوں سے اس کی ترمیم بھی نہ ہو سکی۔

الغرض یہ بھی اپنی فضیلت اور نجات کو موروثی حصہ جانتے ہیں اور اسی کے قریب قریب عرب اور دیگر بلاد کی بت پرست قوموں کا خیال تھا جس کا ابطال کر دیا گیا اور بتلا دیا گیا ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک ھم خیر البریّۃ کہ انسان کی فضیلت کا دارومدار ایمان اور عملِ نیک پر ہے، یا ہنود کے سمجھانے کو یوں کہو کہ گیان اور کرم پر ہے ؎

ذات بھانت پوچھے نا کوئے
ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

یا حکماء کے سمجھانے کو یوں کہو کہ کمالِ انسانی قوتِ نظریہ و عملیہ کی تکمیل پر موقوف ہے، قوتِ نظریہ کی تکمیل ایمان سے ہے کس لیے کہ علوم الٰہیات کو واقعی طور پر جاننا ایمانِ شرعی میں داخل ہے، اور عملیہ قوت کی تکمیل نیک کاموں کے بجا لانے میں ہے، اور نیک وہی کام ہیں جن کو طبائع سلیمہ نیک کہتی ہوں جیسا کہ خدا کی عبادت کرنا بندگانِ خدا سے بھلائی کرنا۔ سو اول بات کو لفظِ اٰمنوا حاوی ہے۔ اور دوسری کو وعملوا الصّٰلحٰت۔

الغرض یہ کہ رب سب کا رب ہے تمام بندے

[1] پاک ۱۲　　[2] ملکش یا ملیچھ یعنی کمینہ ناپاک ۱۲　　[3] مکتی نجات ۱۲

اور کل بنی آدم اس کے نزدیک ایک ہی قطرہ کی پیدائش ہیں۔ اگر کسی کو فضیلت ہے تو ایمان و اعمالِ صالحہ سو ہے اور یہی مضمون اس آیت میں ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کہ اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ افضل و اشرف ہے جو پرہیزگار ہے اور پرہیزگاری ایمان و اعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتی ہے۔

الغرض یہ لوگ مخلوق میں بہتر ہیں اور دراصل وہی بہتر ہے جو ایمان و اعمالِ صالحہ کے لباس سے آراستہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس لیے آخرت کے درجات بیان فرماتا ہے جہاں سدا رہنا ہے، اگر وہاں عزت ہے تو دراصل عزت ہے ورنہ دنیائی چندروزہ عزت مال و زر حسن و جمال حسب و نسب کی عزت ایک خواب و خیال ہے۔

فقال جزاءھم عند ربھم جنت عدن کہ ان کا بدلہ ان کے مہربان رب کے پاس رہنے کے باغ یعنی عالمِ قدس کے باغ ہیں جن میں تمام راحت کے سامان مہیا ہیں جن کو کبھی خزاں چھو نہیں سکتی یہ ان کے ایمان و اعمالِ صالحہ کا مظہر ہے۔

تجری من تحتھا الانھر ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کے اعمالِ صالحہ عرفانِ الٰہی کی نہریں ہیں جو دنیا میں ان کے اندر رات دن بہا کرتی تھیں کبھی بند نہ ہوتی تھیں۔

پھر جس طرح یہ ایمان و معارف و اعمالِ صالحہ ان کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے اسی طرح یہ بھی اُس عالم میں ان باغوں میں خلدین فیھا ابدا ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے، نہ ان کو کبھی موت آئے گی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے، نہ ان کی عمر میں فتور ہوگا، یہ خلود اس نیت کا ثمرہ ہے جو ایمان داروں نیک بختوں کے دل میں تھی، وہ یہ کہ گو ان کی عمریں تھوڑی تھیں مگر نیت اور قصد یہی تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی اطاعت و بندگی میں رہیں گے کبھی اس نیک روِیہ کو نہ چھوڑیں گے ؎

خلاصِ حافظ ازاں زلفِ تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انند

اور یہی قصد کفار کا تھا، اس لیے وہ بھی خلود کے مستحق ہوئے مگر جہنم کے خلود کے۔

ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک بڑی نعمت ان کو یہ نصیب ہوگی رضی اللہ عنھم کہ اللہ ان سے راضی اور خوشنود ہوگا ورضوا عنہ اور یہ اس سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔ پھر اب اور کسی نعمت کی کیا اصل ہے۔ محبوب کی رضامندی کی لذت عاشقِ صادق سے اور بادشاہ کی خوشنودی کی فرحت ملازم سے پوچھنی چاہیے۔ اور لفظِ ماضی سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب دنیا میں بھی ان کا رب ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ کوئی حسرت و ارمان دل میں باقی نہیں رہا، ایمان داروں نیک کام کرنے والوں کو یہ تمغہ پہنایا گیا، جس کا اثر نیک مومن کے دل پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ دنیا وما فیہا کو اس کے آگے ہیچ جانتا ہے۔ تنگ دستی، بیماری اور ناکامی میں بھی اس کے دل میں ایک ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جس کے سبب وہ تنگ دستی بیماری کو کچھ بھی نہیں جانتا۔

یہ تمغہ صحابہؓ خصوصاً خلفاء اربعہؓ کو بخوبی حاصل ہوگیا تھا کس لیے کہ ان کے ایمان لانے اور نیک کام کرنے کی بھی گواہی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کریم نے دیدی تھی اور کیوں نہ ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ کچھ فضیلت حضرت مسیح علیہ السلام کی برکت سے عطا ہوئی تھی، پھر کیا خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریوں اور قدیم جاں نثاروں کو یہ رتبہ نصیب نہ ہوتا؟ اس لیے نیک مسلمانوں کا عام دستور ٹھہر گیا ہے کہ جب

کبھی ان بزرگواروں کا نام لیا جائے تو اس تمغہ رضی اللہ عنہ سے لیا جائے، اور یہ ایک ادب ہے اور جو لوگ ان کی تنقیص کرتے ہیں جیسا کہ شیعہ و خوارج وہ گویا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور اثر کی تنقیص کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ نعمت کس کو نصیب ہوتی ہے فقال لمن خشی ربہ یہ اس کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے، خواہشِ نفسانی اور پابندیٔ رسم و رواجِ قوم کو اس کے احکام کے مقابلہ میں کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ حصہ کسی شخص کو اس کے مال و جمال حسب و نسب سے نہیں ملتا بلکہ خدا سے ڈرنے سے، سب کا اصل الاصول خوفِ خدا ہے، یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ یہی بڑی دولت ہے ٭

سورۂ زلزال

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١

جب زمین تھرتھر کانپے

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝٢

اور جب زمین اپنے بوجھے (دفائن) نکال پھینکے

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝٣ يَوْمَئِذٍ

اور انسان کہنے لگے اس کو کیا ہو گیا اس دن

تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝٤ بِاَنَّ

یہ اپنی خبریں بتائے گی اس لیے کہ

رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ

آپ کا رب اس کو حکم دے گا اس دن

يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝٦

لوگ مختلف حالتوں میں پھر کر آئیں گے

لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝

تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں

ترکیب

اذا شرطیۃ کان والفرق بینہا وان اذا تستعمل فی المقطوع ای اذا اردت التعلیق بما یوجد قطعاً تقول اذا بخلاف ان فانہا تستعمل فی المحتمل فلما کان الزلزال یقیناً قال اذا زلزلت فعل مجہول الارض مفعول مالم یسم فاعلہ زلزالہا زلزال مفعول مطلق مضاف الی الضمیر الراجع الی الارض۔ قال الفراء الزلزال بالکسر مصدر و بالفتح اسم وقال القرطبی بالفتح مصدر کالوسواس والقلقال وقیل ہما مصدران وقد قری بہما۔ فالمصدر مضاف الی فاعلہ والمعنی ای حرکت الارض حرکۃ شدیدۃ کما قال اذا رجت الارض رجا واخرجت الخ الجملۃ معطوفۃ علی زلزلت الارض الاثقال جمع ثقل والمراد بہ الدفائن وقال الخ ایضا معطوف ما مبتدا لہا خبر والجملۃ الاستفہامیۃ مفعول قال و المعنی یتعجب الانسان من افعال الارض۔ وہذہ الجمل کلہا شرط والجواب یومئذ تحدث الخ قال ابو السعود یومئذ بدل من اذا والعامل فیہما تحدث اخبارہا مفعول ثان والاول محذوف ای تحدث الناس اخبارہا اما بلسان المقال وقیل یجوز ان یکون اذا منتصباً بمضمر ای اذکر اذا زلزلت الارض بان ربک الخ متعلق بتحدث فالباء سببیۃ ای تحدث بسبب ایحاء اللہ الیہا۔ وقیل زائدۃ فیکون ان

سرائک اوحی لھا بدلاً من اخبارہا لھا بمعنی الیھا لان اوحی یتعدی تارۃً بالی وتارۃً باللام وانما اوثرت اللام ایماءً الی انما فعلنا ذلک لاجلھا حتی تتوسل الارض بذلک الی الانتقام من العصاۃ یومئذ اما بدل من یومئذ قبلہ واما منصوب بما بعدہ یصدر الناس ای یرجع والصدر الرجوع ضد الورود ای من موقف الحساب ای منازلھم اشتاتاً جمع شت بمعنی متفرق وھو حال من فاعل یصدر ای یرجعون متفرقین بعضھم بیض الوجوہ وبعضھم سود الوجہ بحسب اعمالھم۔ لیروا اللام تتعلق بیصدر قرء الجمھور مبنیاً للمفعول من رؤیۃ البصر ای لیریھم اللہ اعمالھم و قری مبنیاً للفاعل والمعنی لیروا جزاء اعمالھم۔

تفسیر

یہ سورت ابن عباسؓ اور قتادہ کے نزدیک مدنی ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے، مگر ابن مسعودؓ و عطاء و جابر کہتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت کی آٹھ آیات ہیں، بعض کہتے ہیں کہ نو ہیں اس لیے کہ وہ ایک جملہ کو دو سمجھتے ہیں۔

مناسبت مناسبت اس کی پہلی سورت سے یہ ہے کہ پہلی سورت میں یہ تھا جزاءھم عند ربھم کہ ایمان داروں کی جزاء ان کے رب کے نزدیک جناتِ عدن ہیں۔ یہ سن کر ایمان داروں کا دل مشتاق تھا کہ یہ پوچھے کہ کب یہ جزاء ملے گی اس لیے اس کا وقت بتلا دیا کہ اذا زلزلت الارض الخ کہ جب زمین ہلائی جائے گی یعنی قیامت میں، یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کا پہلی سورت میں اجمالاً ذکر تھا کہ مشرکین اور کافر جہنم کی آگ میں اور ایمان دار ابرار جناتِ عدن میں ہمیشہ رہا کریں گے، اس سورت میں مسئلہ معاد کی ابتدائی حالت بیان فرمائی کہ زمین ہلے گی اور اپنے دفائن و اموات اُگل دے گی۔ کافر تعجب کریں گے اور یہ عالم کہ جس پر یہ منکرین مبتلا ہیں زیر و زبر ہو جائے گا۔

فقال اذا زلزلت الارض زلزالھا کہ جس وقت ہلائی جائے زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہیے اور جتنی کہ ہل سکے یعنی بہت زیادہ۔ یہ شروع قیامت کا ہوگا کہ اسرافیلؑ کے صور پھونکنے سے زمین میں سخت زلزلہ آئیگا جس سے کوئی پہاڑ اور عمارت باقی نہ رہے گی اور سمندر جوش مار کر ادھر ادھر پھیل پڑیں گے واذا البحار سجرت مجاہد کہتے ہیں کہ یہ اول بار صور پھونکنے میں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ بار دوم صور پھنکنے کے وقت ہوگا۔

ف عرب کے کسی بڑے فصیح و بلیغ نے یہ فقرہ بنایا تھا اذا زلزلت الارض زلزالا اور اس کو اس پر بڑا ناز تھا، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں زلزالا کی جگہ زلزالھا آیا یعنی مصدر کو مضاف کر دیا تو فقرہ میں جان پڑ گئی، وہ عرب سن کر وجد میں آگیا اور بول اٹھا کہ میں اس کلام کی فصاحت پر ایمان لایا۔ اس کا لطف اٹھانا اہلِ زبان ہی کا حصہ ہے۔

اور اس زلزلہ سے کیا ہوگا؟ من جملہ ان کے یہ ہوگا واخرجت الارض اثقالھا کہ زمین اپنے بوجھے نکال ڈالے گی۔ ثقل و بوجھ[ل] جس سے مراد ہے زمین کے اندر کی چیزیں خزانے اور کانیں اور مردے گڑے ہوئے اور طرح طرح کے پتھر اور قدیم عمارات کی بنیادیں اور جو کچھ زمین کے طبقات میں زلزلہ عظیم سے باہر نکل پڑے گا۔ مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی، چاندی سونے کے ستونوں جیسے

ل اور اس لیے جن و انس کو ثقلین کہتے ہیں ۱۲ منہ

ٹکڑے باہر پڑے ہوں گے۔ قاتل دیکھ کر کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے قتل کیا تھا - اور قطع رحم کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے عزیزوں کو چھوڑا تھا اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اس کے لیے میرے ہاتھ کاٹے گئے تھے، پھر کہا جائیگا اٹھالو مگر وہ کچھ بھی نہ لیں گے۔

وقال الانسان مالھا اور انسان کہے گا اس زمین کو کیا ہوگیا؟ وہ اس کے باغ اور وہ اس کی عمدہ عمارات کیا ہوئیں؟ اس کی وہ رونق کیا ہوئی جس پر بنی آدم فریفتہ تھے اور کٹے مرتے تھے۔ گز گز بھر زمین کے لیے تلواریں چلتی تھیں، ہائے ہائے یہ زر بھی پڑا ہے اور یہ زمین بھی پڑی ہے آج کوئی نہیں پوچھتا۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا دفائن باہر پھینکنا اور انسان کا یہ کہنا دوسری بار صور پھونکنے کے بعد کا معاملہ ہے جب کہ مرنے کے بعد سب زندہ ہوجائیں گے اور زمین و زر کو یوں خراب و مبتذل دیکھیں گے۔ مگر یہ یہ بھی ممکن ہے کہ قریب قیامت کا معاملہ ہو جب کہ ایک زلزلہ آئے اور دنیا کو درہم برہم کردے پھر جو کچھ انسان اس وقت زندہ ہوں یہ کہیں اور پھر نفخ صور اول شروع ہوجائے۔

یومئذ تحدث اخبارھا اس روز زمین اپنے اخبار وحالات بیان کرے گی کہ فلاں نے مجھ پر زنا کیا تھا اور فلاں نے قتل کیا تھا اور فلاں نے فلاں گناہ اور فلاں نے نماز پڑھی تھی۔ فلاں نے فلاں نیک کام کیا تھا سب حالات بتلائے گی۔ اور یہ کیوں بان ربک اوحی لھا اس لیے کہ تیرے رب نے اس کو وحی کی ہوگی۔ یعنی وحی اور حکم رب سے بندوں پر نیکی بدی کی گواہی دے گی۔ یہ معاملہ بالاتفاق نفخ صور ثانیہ کے بعد ہوگا۔

ف بعض علماء فرماتے ہیں کہ تحدث اخبارھا کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زبان حال سے اپنی گزشتہ خبریں بتائے گی عبرت کرنے والوں کے لیے۔

ف یہ شبہ کرنا کہ زمین جسم لایعقل کیوں کر کلام کرسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوق الٰہی میں سے ہر ایک چیز روح رکھتی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ حیوانات کی روح بدن کی تدبیر و تصرف اور حس و ادراک اختیاری کا شرف رکھتی ہے برخلاف اور اجسام کی روح کے کہ اس کا ادراک و حس محسوس نہیں مگر کبھی محسوس بھی ہوجایا کرتا ہے بطریق خرق عادات و معجزات کے اور اسی لیے بعض دفعہ پتھروں نے حضرات انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع نبوت کے وقت پتھر سلام کیا کرتے تھے اور ستون حنانہ حضرتؐ کی مفارقت میں رویا ہے اور اسی لیے ہر شے خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کرتی ہے کما قال وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم اور نفوس ملکیہ کے حکماء بھی قائل ہیں اور قیامت کے روز جب ظہور کلی ہوگا ان چیزوں کی گویائی بھی سب کے نزدیک محسوس ہوجائے گی اور اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے بیدہ ملکوت کل شیٔ زمین بھی گواہی دے گی، انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جہاں تک موذن کی آواز جاتی ہے وہاں کے حجر و شجر گواہی دیں گے مگر سوائے حیوانات کے دیگر اجسام کی حیات فلسفہ جدید کی سمجھ سے باہر ہے اور اسی لیے وہ اس کو محال خیال کرتے ہیں[1]۔ مولانا روم اپنی

---

[1] مگر یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کی زبان جو گویائی کا ایک آلہ ہے اور گوشت کا ٹکڑا اس میں کون سے اسباب گویائی کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں؟ کچھ نہیں صرف ایک قادر مطلق نے اس میں قوت رکھ دی ہے اگر وہ چاہے تو یہی قوت انسان کے (باقی برصفحہ آئندہ)

مثنوی میں اس حیات کی کن دل کش الفاظ میں تصویر کھینچتے ہیں ؎

ہستیٔ کوہ است مخفی از خرد
ہستیٔ بے چوں خرد کے پے برد
باد را بے چشم گر بینش نداد
فرق چوں مے کرد اندر قوم عاد
آتشِ نمرود را گر چشم نیست
با خلیلش چوں ترحم کردا ایست
گر نبودے نیل را آں نورِ دید
از چہ کافر را نہ مومن بر گزید
گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد
پس چرا داؤد را او یار شد
ایں زمیں را گر نہ بودے چشمِ جاں
از چہ قاروں را فرا خورد آں چناں
گر نہ بودے چشمِ دل حنّانہ را
چوں بدیدے ہجرِ آں فرزانہ را
در قیامت ایں زمیں از نیک و بد
کہ ز ما دیدہ گواہی ہا دہد

پھر اور کیا ہوگا؟ یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم کہ اس روز دربارِ عدالت سے اپنے اپنے منازل پر مختلف حالات میں لوگ لوٹ کر آئیں گے، جو ایمان دار و نیک ہیں ان کے منہ چاند سے روشن ہوں گے، جنت کی طرف خوشی میں دوڑتے آئیں گے اور کافر و مشرک اور بدکار جہنم کی قید کا حکم سن کر سیاہ رو غمگین جہنم کی طرف جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دکھایا جائے، نیکوں کو نیک بدوں کو بد۔

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا

پھر جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ اس کو

یَّرَہٗ ؀۷ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ

دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ

ع ۸ ۲۴ شَرًّا یَّرَہٗ ؀۸

اس کو دیکھ لے گا۔

ترکیب

الفاء للتفسیر من موصولۃ مبتدء خبر منصوب علی انہ تمیز من مثقال ذرۃ یرہ خبرہ ویمکن ان تکون من شرطیۃ یرہ جواب الشرط وقیل خیرًا بدل من مثقال ذرۃ قرء الجمہور یرہ فی الموضعین بضم الہاء وصلًا وسکونہا وقفًا و قرء ہشام بسکونہا وقفًا و وصلًا و قرء الجمہور یَرَہ فی الموضعین مبنیا للفاعل وقرئ مبنیا للمفعول ای یریہ اللہ ایاہ وقرئ یراہ علی توہم ان من موصولۃ او علی تقدیر الجزم بحذف الحرکۃ المقدرۃ فی الفعل مثقال بالکسر سنگ زر و دینار (صراح) ای زنۃ ذرۃ۔ والذرۃ ہو ان یضرب الرجل بیدہ علی الارض

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کسی دوسرے عضو میں رکھ دے وہ بھی اسی طرح بولنے لگے، دیکھنے کی قوت آنکھیں رکھ دی ہے، سونگھنے کی ناک ہیں، ٹٹولنے کی تمام جسم ہیں، اگر وہ چاہے تو ایک قوت کو دوسری جگہ رکھ دے، یا کل بدن کو جمیع قوتوں کا محل کر دے ہر جگہ سے دیکھنے، سننے، بولنے سونگھنے ٹٹولنے لگے اور کبھی کبھی خاصانِ خدا پر یہ حالت دنیا میں بھی طاری ہو جاتی ہے جب کہ بہیمیت پست اور روحانیت غالب آجاتی ہے اسی لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نماز میں پسِ پشت سے بھی دیکھتا ہوں ارکانِ صلوٰۃ میں فرق نہ کیا کرو ۱۲ منہ

فما علق من التراب فهو ذرة وقيل ما يرى فی شعاع الشمس من الهباء۔

تفسیر

اب اعمال دیکھنے کی تفصیل کرتا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ اور جو ذرہ کے برابر بھی یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کرے گا ضرور اس کو یعنی اس کے نیک بدلہ کو دیکھ لے گا وہ نیکی رائگاں نہ جائے گی ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا وہ اس کے بد نتیجہ کو دیکھیگا۔

سوال علماء کا اتفاق ہے کہ کافروں کی نیکیاں ان کے کفر کے سبب سے ملیا میٹ ہو جاتی ہیں، پھر وہ اپنی نیکی بڑی بھی نہ دیکھیں گے ذرہ بھر کا تو کیا ذکر۔ اسی طرح ایمان داروں کی بدیاں مٹا دی جاتی ہیں یا معاف کر دی جاتی ہیں پھر ان کو بھی ذرہ بھر بدی دیکھنے کا موقع نہیں ملتا پھر آیت کے معنی کیوں کر صحیح ہوں گے؟

جواب دیکھنے کا موقع بیان نہیں فرمایا اس لیے عام ہے، پس کافر کی نیکیوں کا نتیجہ اس کو دنیا میں مل جاتا ہے، افزائش مال و کثرت اولاد، تن درستی وغیرہ۔ ہاں آخرت میں کچھ ثواب نہ ہوگا۔ پس یہ کہنا صحیح ہوگیا کہ کافر کی بھی کوئی نیکی خواہ ذرہ برابر ہو رائگاں نہ جائیگی آخرت میں نہ سہی دنیا میں تو ضرور اس کا بدلہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح مومن کو اس کے گناہوں کے سبب دنیا میں بدنتیجہ کوئی مصیبت بیماری تنگدستی رنج و غم دیکھنا پڑتا ہے گو آخرت میں نہ سہی۔

بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ دونوں جگہ مَن عام نہیں، اول سے مراد ایمان دار ہے کہ جو ایمان لاکر نیکی کریگا وہ ضرور اپنی نیکی کا بدلہ دیکھے گا اور نیکی کے لیے ایمان مقدم ہونا شرط ہے، اور اسی طرح دوسرے من سے مراد کافر ہے کہ کافر کو ہر بدی کا بدلہ دکھایا جائے گا خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو۔

یہ بھی جواب ہے کہ جب کافر کی نیکیاں ہی نہ رہیں اس کے کفر نے ملیا میٹ کر دیں اور اسی طرح مومن کے گناہ ہی نہ رہے توبہ و استغفار سے معاف ہوگئے پھر ان کا بدلہ کیا یہ تو موجود نیکی و بدی کے بدلہ کا ذکر ہے۔

ف بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت جامعہ اور یکتا ہے کعب احبار کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ دو آیت ایسی نازل ہوئی ہیں جو توریت و زبور و انجیل کا خلاصہ اور لب لباب ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے لیے قرآن تعلیم کرنے کو فرمایا پھر جب اس کو یہ سورت تعلیم فرمائی اور ان آیتوں تک پہنچا تو اس نے کہا بس کیجیے مجھے یہی دو آیت عمل کرنے کے لیے کافی ہیں، اس کی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی آپ نے فرمایا وہ فہمیدہ شخص ہے جانے دو۔ کیوں کہ ہر ایک گناہ سے بچنا چاہیے خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو اور ہر ایک نیکی پر مستعدی کرنی چاہیے خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔

ف۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے یہ سورت پڑھی اس کو نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ہوگا اور جس نے قل ہو اللہ پڑھی اس کو تہائی قرآن کا اور جس نے قل یا ایہا الکافرون پڑھی اس کو چوتھائی قرآن کا ثواب ہے (رواہ الترمذی وابن مردویہ والبیہقی)

سورۃ عادیات

مکیہ ہے اس میں گیارہ آیت ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١ فَالْمُوْرِيٰتِ

قسم ہے ان (غازیوں کے) گھوڑوں کی جو دوڑتے میں ہانپتے جاتے ہیں

قَدْحًا ۝٢ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣

پھر ٹاپوں سے چنگاریاں اُڑاتے جاتے ہیں اور صبح ہوتے دھاوا کرتے ہیں

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤ فَوَسَطْنَ

اور اس وقت غبار اٹھاتے　اور انبوہ میں

بِهٖ جَمْعًا ۝٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ

جا گھستے ہیں　بے شک انسان　اپنے رب کا

لَكَنُوْدٌ ۝٦ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ

بڑا ناشکرا ہے　اور وہ　اس بات کو

لَشَهِيْدٌ ۝٧ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ

دیکھ بھی رہا ہے　اور وہ　مال کی محبت کے لیے

لَشَدِيْدٌ ۝٨ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ

مضبوط ہے　پھر کیا نہیں جانتا جب کہ قبروں سے

مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا

مردے نکالے جائیں گے　اور جو دلوں میں ہے وہ

فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠ اِنَّ رَبَّهُمْ

ظاہر کیا جائے گا تو　ان کا رب

بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١

ان سے اس دن　واقف ہوگا ۔

ترکیب

وللقسم ۔ العٰدیٰت جمع عادیۃ من العَدْوِ وہو المشی بسرعۃ فقلبت الواو یاءً لکسرۃ ماقبلها کالغازیات من الغزو ۔ والمراد بہا الخیل الجہادیۃ وقیل بعیر الحجاج ضبحًا الضبح صوت اجواف الخیل اذا عدت وقیل السیر ونوع من العدو ویقال ضبح الفرس اذا عدا بشدۃ من الضبع بمعنی الدفع وکان الحاء بدل من العین علی الاول منصوب علی الحال ای ضابحات وعلی الثانی مفعول مطلق مؤکد لاسم الفاعل ویجوز ان یکون مصدر الفعل محذوف ای یضبح ضبحا ۔ فالمورٰیت قدحًا عطف العادیات من الایراء وہو اخراج النار جمع موریۃ والقدح الصک فجعل ضرب الخیل بحوافرہا کالقدح بالزناد والکلام فی نصب قدحا کالکلام ضبحا فالمغیرات ای التی تغیر علی العدو جمع مغیرۃ من الاغارۃ صبحا منصوب علی الظرفیۃ ۔ عطف علی السابق فاثرن بہ نقعًا عطف علی الفعل الذی دلّ علیہ اسم الفاعل اذا المعنی واللاتی عدون فاثرن ۔ اوعلی اسم الفاعل نفسہ لکونہ فی تاویل الفعل لوقوعہ صلۃً للموصول، لان الالف واللام فی الصفات اسماء موصولۃ فالتقدیر واللاتی عَدَوْنَ فاورین فاغرن فاثرن من الاثارۃ ای ہیجن ۔ والضمیر فی اثرن الی المغیرات ہو فاعلہ ۔ بہ الضمیر یعود الی الضبح او الی مکان العدو والمدلول علیہ ۔ نقعًا مفعول بہ ۔ والنقع الغبار و قرء الجمہور فاثرن بتخفیف الثاء ۔ وقریٔ بتشدیدہا ایضاً ۔ فوسطن ای المغیرات بہ النقع الباء زائدۃ ای وسطن ذلک الغبار جمعًا مفعول بہ وقیل الباء للتعدیۃ او الظرفیۃ ای فی ذلک الوقت اوبسبب اثارۃ الغبار جمعا حال

ع ١١ ٢٥

وکل موضع صلح فیہ بین فہو وسط بالسکون وان لم یصلح فہو وسط بالتحریک یقال جلست وَسَطَ الدار بالتحریک لانہ اسم لما یحویہ غیرہ من جہاتہ من باب وسط یسط کوعد یعد ۔ والاسم الفاعل واسط ۔ والفاءات الاربع للدلالۃ علی ترتیب مابعد الواحد علی ماقبلہ ان الانسان الخ ہذہ الجملۃ ومابعدہا جواب القسم افلا یعلم الاستفہام للانکار والفاء

للعطف علی مقدر ای یفعل مایفعل من القبائح فلا یعلم اذا العامل فیہا یعلم بعثر وحصل شرط ان ربہم لخ الجملۃ جواب الشرط، والمجموع یدل علی مفعول یعلم یومئذ وہم متعلق بخبیر۔

تفسیر

یہ سورت اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن مسعودؓ وجابرؓ وحسن وعکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ مگر ابن عباسؓ وانس بن مالک وقتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسن سے روایت ہے کہ یہ سورت نصف قرآن کے برابر ہے۔ نقل کیا اس کو ابو عبید نے "فضائل" میں اور ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ نقل کیا اس کو محمد بن نصر نے بسند عطاء بن ابی رباح۔

ربط سورۃ اذا زلزلت الارض میں نیکی اور بدی کا انجام اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا گیا تھا کہ سلیم الطبع کو سننے کے بعد پھر قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں رہتا مگر کج طبع اور ہٹ دھرم کب مانتے ہیں، ان کے سمجھانے کے لیے تو آسمانی کوڑا درکار ہے۔ اس لیے اس سورت میں لشکر جہاد اور اس کے گھوڑوں کے جواں مردانہ اوصاف کی قسم کھا کر بدانسان کا مقتضائے طبع بیان فرماتا ہے کہ بدنصیب بڑا ہی ناشکر اور احسان فراموش ہے اور اس پر بھی خدا کی طرف سے بہتری کی قوی امید رکھتا ہے اور مال کا لالچ اس کے دل میں راسخ ہے جس لیے ابواب سعادت کی طرف نہیں آتا، چند روزہ زیست کے لیے مارا مارا پھرتا ہے الخ اس میں اشارہ ہے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ آسمانی سیاست ان کو ادب سکھائے گی چنانچہ چند روز بعد ایسا ہی ہوا۔

یا یوں کہو کہ پہلی سورت میں کفار و بدکردار لوگوں پر آخرت کی سرزنش بیان کی تھی جو ان تیرہ باطنوں کے دل پر مؤثر نہیں ہوتی، وہ تو دنیا کے خسارے سے ڈرتے ہیں اس لیے ان پر جو دنیا میں عذاب آنے والا ہے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فقال

(۱) والعٰدیٰت ضبحًا کہ ہم کو قسم ہے غازیوں کے گھوڑوں کی جو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور دوڑتے میں اُخ اُخ کی آواز ان کے پیٹ سے پیدا ہوتی ہے۔

(۲) فالمورٰیت قدحًا پھر ان کی کہ جو رات میں اپنی ٹاپوں سے پتھروں میں سے چقماق کی طرح آگ جھاڑتے جاتے ہیں یہ دوسرا وصف انہیں جہادی گھوڑوں کا ہے جو ان کی قوت اور تیز روی ظاہر کرتا ہے، قوی گھوڑوں کے نعل رات میں جب تیزی سے چلتے ہیں اور پتھروں پر کھٹا کھٹ پڑتے ہیں تو پتھروں میں سے آگ چمکا کرتی ہے، یہ گھوڑے اعدائے دین پر قہر الٰہی ہیں اور یہ آگ قہر الٰہی کی آگ ہے اور ان کے سواروں کی اس حرارت و شجاعت دینی کا اثر ہے جو مبدء فیاض نے ان کے دلوں میں رکھی ہے جو بدکاروں کے خرمن عیش و کامرانی کے جلانے کو کافی ہے۔

(۳) تیسرا وصف اور بیان کرتا ہے فالمغیرٰت صبحًا پھر ان کی جو صبح ہوتے جب کہ اعدائے دین خواب غفلت میں سرشار ہوتے ہیں دھاوا کرتے ہیں، راتوں چلے اور چلتے میں ٹاپوں سے آگ کے شرارے جھڑتے تھے صبح ہوتے ہی بدکرداروں اور آسمانی مجرموں پر دھاوا کر دیا۔

(۴) اور چوتھا وصف یہ ہے فاثرن بہٖ نقعًا پھر ان کی قسم جو صبح میں دھاوے کے وقت بڑے زور سے دوڑنے میں گرد و غبار اٹھاتے ہیں اور دشمنوں کے مونھوں کو گرد آلود کرتے ہیں۔ یہ صبح کے وقت گرد اڑانا زیادہ قوت و زور پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ شبنم سے زمین تر ہوتی ہے، برخلاف شام کے کہ خشکی ہوتی ہے، ذرا سی حرکت میں بھی گرد اڑنے لگتی ہے اور فاثرن

اسم فاعل کی جگہ فعل اس لیے استعمال ہوا تاکہ معلوم ہو کہ یہ گرد اٹھانا اور ان کے انبوہ میں گھس جانا جو آئندہ آتا ہو تھوڑی دیر کا فعل ہوتا ہے، برخلاف جہاد کی تیاری کے کہ وہ ہمیشہ رہتی ہے، اس لیے وہاں اسم فاعل کا صیغہ استعمال ہوا تاکہ دوام و ثبوت پر دلالت کرے۔

(۵) پانچواں وصف فوسطن بہ جمعًا پھر ان کی قسم جو صبح کے وقت دھاوا کرنے اور غبار اٹھانے کے بعد مخالفوں کے انبوہ میں گھس جاتے ہیں، یہ نہیں کہ دھمکی دے کر رہ جاتے ہیں اور وقت پر نامردی کرتے ہیں۔

یہ پانچ وصف جنگی گھوڑوں کے ہیں بالترتیب لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حج میں جانے والے اونٹوں کے اوصاف ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بارے میں ایک روایت بھی کرتے ہیں۔

صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ عٰدیٰت سے نفوس انسانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے جن کو ریاضت کے میدان میں دوڑنے سے دوڑنے والے گھوڑوں کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہی اپنی ریاضت و مجاہدات کے نعلوں سے آگ چمکاتے ہیں جس سے اشتیاق و تجلی کے شرارے مراد ہیں اور یہی بوقتِ تجلی جو صبح سے مشابہ ہے اس میدان میں دھاوا کرکے جسمانی خواہشوں کی گرد اڑاتے اور مقامِ وصل و قرب میں جا گھستے ہیں۔ یہ ظاہر الفاظ کے معنی نہیں مگر اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ قرآن کا کمالِ اعجاز ہے کہ اس کے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔

پھر ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے: ان الانسان لربہ لکنود کہ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکر اور احسان نہ ماننے والا ہے۔ اول تو اس کی نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو بے موقع صرف کرتا ہے۔ سوم اپنے محسن و مربی کی طرف نہیں جھکتا، لذات و شہوات میں مستغرق رہتا ہے۔

وانہ علیٰ ذٰلک لشھید اور وہ اس بات پر گواہی دیتا ہے۔ اس کا حال اور اس کی بناوٹ اور رات دن کے تغیرات میں اس کے دستِ قدرت کی امیدداری کہہ رہی ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں شخص فلاں نعمت کا شکر نہیں کرتا سو وہ اس کی نسبت بھی یہی کہتا ہے، گویا دوسرے کو یہ کہنا اور آپ اسی حالت میں مبتلا ہونا اپنے لیے آپ اقرار کرنا اور گواہی دینا ہے کہ میں ناشکر ہوں، یہ اس کی دوسری بات تھی۔

اب تیسری یہ ہے کہ وانہ لحب الخیر لشدید وہ مال کا بڑا دوست اور سخت لالچی بھی ہے۔

یہ انسان کے تین افعالِ بد تھے جو اس کو ہاویہ کی طرف لے جاتے ہیں۔

اب اس ناسپاس کے مقابلہ میں ان حیوانات کو دیکھنا چاہیے جو مالک کے مطیع ہیں جیسا کہ گھوڑا جس کے اوصاف کی قسم کھائی جس سے تعریض ہے کہ ایسا انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہے جس میں مالک کی اطاعت کا مادہ نہیں، اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے ناسپاس نافرمان شہوات و لذات کے بندے، مال و زر کے عاشق ایک روز ایسے جہادی گھوڑوں کے پاؤں میں روندے جاتے ہیں جن کی ٹاپوں سے آگ نکلتی ہے اور جو دشمنوں کے خرمنِ آرام کو جلاتی ہے۔

ان الفاظ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا انجیلِ متی کے تیسرے باب میں ذکر ہے کہ یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام کے پاس جب یہود کے لوگ فریسی اور صدوقی فرقے اصطباغ پانے آئے تو آپ نے فرمایا قولہ "میں تو تمہیں توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ[1] دیتا ہوں لیکن وہ

[1] غوطہ ۱۲ منہ

میرے بعد آتا ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے کہ عیسیٰؑ تو ان کے بعد نہیں آئے بلکہ روبرو آئے تھے اور نیز بعد کے اوصاف بھی ان میں نہیں پائے جاتے) جو مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں روح اور آگ سے بپتسمہ دے گا اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے وہ اپنے کھلیان کو پھٹکے گا اور گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا اور بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو کبھی نہیں بجھتی"۔

وہ آگ جہاد کی آگ ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے نکلتی ہے اور جو قیامت تک نہ بجھے گی۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لن یبرح ھذا الدین قائما یقاتل علیہ عصابۃ من المسلمین حتی تقوم الساعۃ (رواہ مسلم) کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا قیامت تک مسلمانوں کی ایک نہ ایک جماعت اس پر لڑتی رہے گی۔

فتح مکہ کے روز آپؐ نے فرمایا کہ "اب ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم کو لڑنے کے لیے حکم دیا جائے تو نکلو"۔ (متفق علیہ) اور فرمایا کہ "میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا' اپنے مخالف پر فتح پائے گا۔ یہاں تک کہ آخر کے لوگ دجال سے لڑیں گے (رواہ ابوداؤد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البرکۃ فی نواصی الخیل (متفق علیہ) کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں رکھی ہوئی ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا کہ الخیل معقود بنواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ الاجر والغنیمۃ (رواہ مسلم) کہ گھوڑوں کی پیشانی یا چوٹی میں قیامت تک بہتری باندھی گئی ہے اور وہ بہتری کیا ہے آخرت کا اجر اور دنیا کی غنیمت۔

اور یہ سچ ہے جس قوم میں ترفہ اور نزاکت اور عیش پسندی آجاتی ہے خواہ کتنی ہی ہنرمند صناع ہوشیار ہو' ایک روز اس قوم کا مال ہو جاتی ہے جو گھوڑوں پر چڑھنے والے سپاہی اور موٹا پہننے والے اور موٹا کھانے والے اور بہادر اور جفاکش ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں جب سلطنت اور دولت نے (جو ان کے باپ دادا نے کہ جواں مرد اور جفاکش سپاہی تھے حاصل کی تھی) کئی صدیوں تک مقام کیا تو نزاکت اور عیش پسندی آگئی' پھر تو امراء کی یہ حالت ہوگئی کہ دھوپ کی برداشت اور گھڑی بھر بھوک اور پیاس اور شہوت کی برداشت کا تو کیا ذکر ہے' پاخانہ میں لوٹا بھی خادم ہی دھرے تو دھرے تو پاخانہ پھریں کپڑے بھی کوئی دوسرا پہنائے تو پہنیں۔ رات میں چار قدم باہر جاتے ڈر لگتا ہے' ذرا چلیں اور اچھل کر گھوڑے پر چڑھیں تو ناف ٹل جائے' کسی کام میں دل توڑ کر محنت کرنا کیسا رات دن داستان گو اور فواحش اور مسخروں کے جلسے' کھانوں اور عمدہ مکانوں اور آرائش تن کے چرچے اور پھر گنجفہ اور شطرنج اور مرغ بازی' پتنگ بازی' بٹیر بازی' کبوتر بازی اور کون بازی اور کورن بازی اور شراب خواری اور عیاشی اور بستر راحت پر پہر دن چڑھے تک سونا اور جاگنا تو گھنٹوں جمائیاں اور انگڑائیاں لینا اور دو گھنٹے پیخانے میں بیٹھنا' پھر دن کو منہ دھونا' سنگار کرنا' مستی کی دھڑی جمانا' آئینہ سامنے رکھ کے اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا وغیرہ بدعادات آئیں جن کو ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا' اس کے ساتھ علم بھی رخصت ہوا' دانائی بھی گئی' دل کی جواں مردی بھی گئی' بندوق کی آواز سے دل دھڑکنے لگا۔ اور اس پر بے جا مصارف' کار خیر سے ہاتھ بند' قومی حمیت رخصت ہوئی' رہ گئی تو خود پسندی' آبائی مفاخر پر لاف زنی' کمینہ پن' رذالوں کمینوں سفلوں سے رغبت' باہمی نفاق' حسد و بغض' کمینہ تدبیریں پس سلطنت و دولت و عزت و شوکت بھی چل دی' بھیک مانگنے کی نوبت آگئی' اپنے آبائی خدمت گاروں کی چلمیں بھرنے کی نوکری رہ گئی' عورتوں کے ننگ و ناموس بھی گئے۔ الغرض دین بھی گیا دنیا بھی گئی۔

یہ اس لحب الخیر لشدید' کی بے لکنود کی تفسیر ہے۔ عبرت عبرت!

خیر دنیا تو گئی تھی سو گئی تھی اب تو افلاس یا بقیہ گنڈ دولت کے خمار میں حق سبحانہ' سے لڑائی کی ٹھیرا دی لگے کفر بکنے، احکام ربانی کو ٹالنے، اب دین اور عقبیٰ بھی چلے' اس لیے فرماتا ہے افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور وحصل ما فی الصدور ان ربھم بھم یومئذ لخبیر کہ کیا یہ ناشکرا انسان جو ایسے کام کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں سے مردے اٹھائے جائیں گے اور جو سینوں میں خیالاتِ فاسدہ مخفی ہیں حبِّ شہوات وغیرہا وہ ظاہر کیے جائیں گے بلکہ متشکل کرکے سامنے لائے جائیں گے تو اس دن کا رب ان سے خبردار ہے۔ بات دنیا میں جو کی تھی اس کو معلوم ہے پھر وہ وہاں کیا ان اعمالِ بد اور عقائدِ فاسدہ کی سزا نہ دے گا؟ ضرور دے گا۔ اگرچہ وہ اب بھی خبیر ہے، کوئی بات اس سے مخفی نہیں، مگر یہ کہنا کہ اس روز جو سزا و جزا کا دن ہے خبردار ہے عقلمند کو پوری تہدید ہے۔ جلد توبہ کرنا چاہیے۔

اللّٰھم تبتُ الیک

سورہ قارعہ

مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢

کھڑکھڑا دینے والی (قیامت) کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣

اور (اے مخاطب) تو کیا جانے وہ کھڑکھڑا دینے والی چیز کیا ہے ؟

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

(وہ ایک ایسا وقت ہے) کہ لوگ اُس دن بھنگوں کی طرح

الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ

تتر بتر ہوں گے اور پہاڑ

الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥

دُھنکی ہوئی اُون جیسے ہو جائیں گے

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦

پھر تو جس کے اعمال[1] تول میں بھاری ہوں گے

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧

تو وہ من مانے عیش میں ہوگا

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨

اور جس میں تول ہلکی ہوگئی

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ اَدْرٰىكَ

تو اس کا ٹھکانا گڑھا اور تو کیا جانے

ع ۱ (۱۱) ۲۶ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

وہ کیا ہے ؟ آگ ہے دہکتی ۝

ترکیب

القارعة مبتدء ما القارعة خبر۔ قرء الجمہور بالرفع والقرع الصوت الشدید ومنہ قوارع الدہر والمراد بہا القیامۃ وانہا من اسماء القیامۃ کالحاقۃ وانما سمیت بہا لانہا تقرع

---

[1] نیک اعمال ۱۲

قلوب الانسان وتقرع اعداء اللہ بالعذاب، والعرب تقول قرعتهم القارعة اذا وقع بهم امر فظيع وما الاستفهامية مبتدء ادراك خبرها القارعة مبتدء وخبر والجملة مفعول ثانى لادراك اى واى شئ اعلمك ماشان القارعة۔ ثم هو سبحانه بيّن بعض شيونها فقال يوم يكون والناصب فى يوم القارعة اى تقرعهم يوم يكون الخ وقيل اذكر وقيل خبر مبتدء محذوف وانما نصب لاضافته الى الفعل فالفتحة بناء لا نصب اعراب۔ والفراش جمع فراشة وهى الطيور التى تتساقط فى النار و السراج وبها يضرب المثل فى الطيش والهوج يقال اطيش من فراشة المبثوث المتفرق المنتشر ويجوز مبثوث كما يجوز مبثوثة كما فى قوله تعالىٰ كانهم جراد منتشر واعجاز نخل منقعر واعجاز نخل خاويه وتكون الجبال عطف الجملة على الجملة والعهن الصوف المصبوغ بالالوان المختلفة المنفوش المندوف الذى نقش بالندف فاما من شرط فهو فى الخ جوابه موازينه جمع موزون وهو العمل الذى له وزن وخطر عند اللہ وهذا قول الفراء وغيره، وقيل جمع ميزان وقيل المراد بها الحجج و الدلائل عيشة راضية اسناد مجازى او استعارة مكنية وتخيلية فامه اى مسكنه وسماه بالام لانه يأوى اليه كما يأوى الى امه هاوية من اسماء جهنم وسميت بها لانه يهوى فيها مع تعرها و المهواة مابين الجبلين ماهيه اصله ما هى الضمير يعود الى الهاوية وزيدت الهاء بعد الياء للسكت۔

تفسیر

یہ سورت بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی، ابن عباسؓ بھی یہی کہتے ہیں۔

وجہِ تسمیہ اس سورت کا نام قارعہ ہے اور قرعہ لغت میں ٹھونکنے اور کھڑکھڑانے کو کہتے ہیں اور اسی لیے ایسے حوادثِ دہر کو جو عاقل کو دہلاتے اور دل کو ہلاتے ہیں قوارع الدہر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی اس قسم کی آیات کو جو طبعِ بشری کو جنبش دینے والی ہیں قوارع القرآن کہتے ہیں۔ اور اس سورت میں بھی وہ مضامین ہیں جو انسان کو خوابِ غفلت سے جگاتے اور اس کے دل کو ہلاتے ہیں یا اس میں اس حادثہ کا ذکر ہے جو دنیا کو زیر وزبر کر دے گا یعنی قیامت اس لیے اس کا نام قارعہ ہوا۔

ثقل کی توضیح واضح ہو کہ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل یعنی بوجھ یا بھاری پن رکھا ہے جیسا کہ روحانیات میں تجرد اور سبکائی اور یہ ایک قدرتی بات ہے اور یہی ثقل اس کو سکون و قرار پہ مجبور کرتا ہے اور یہی اس کو اس کے حیزِ طبعی کی طرف جھکاتا ہے پھر ایک تو یہی ثقلِ جسمانی ہے جس سے علیٰ قدرِ مراتب کوئی جسم بھی خالی نہیں۔

ایک معنوی ثقل بھی ہے جس کو وقار کہتے ہیں، یہ ادراک وحواس والے اجسام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ان کے لیے خوبی ہے بالخصوص انسان میں جو اس کے مردانہ پن اور تحمل و برداشت کا باعث ہے، پھر جس میں یہ وصف نہیں اور تر پھر کرتا ہے، بیٹھنے میں بھی کہیں ہاتھ ہلتے ہیں کہیں پاؤں، کبھی آنکھیں پھڑکتی ہیں تو کبھی جلد جلد بات چیت کرتا ہے اس کو معیوب سمجھتے ہیں اور بندر اور اس قسم کے جانوروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جواں مردوں کو اپنے استقلال اور قائم مزاجی پر بڑا ناز ہوا کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں ہم پہاڑ ہیں، حوادثِ دہر ہم کو جنبش بھی نہیں دے سکتے۔ کفارِ قریش اپنے اس وصف پر بڑے نازاں تھے اور یہاں تک دعویٰ تھا کہ اگر کوئی ہمارے جسم میں زخم بھی لگائے تو ہم جس وضع پر بیٹھے ہوں اس میں کچھ بھی فرق نہ آئے اور اس کی وہ مثالیں بھی کیا کرتے تھے، اور اسی کو میدانِ جنگ اور دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا سبب جانتے تھے۔

سو اول قسم کا ثقل زیادہ تر پہاڑوں میں ہے کہ جب سے ان کو قدرت نے جہاں بٹھایا ہے وہیں بیٹھے ہیں، ہلتے ہی نہیں، اور اسی لیے اس امر میں ثابت قدموں کو پہاڑ سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے۔

اور دوسری قسم کا ثقل انسان میں ہے۔ مگر انسان کے اس ثقل سے عالمِ بالا کا مقصود اخلاقِ حمیدہ اور ملکاتِ کاملہ میں ثابت قدم رہنا ہے جو حسنات حاصل کرنے کا سبب اور معاصی اور لذات و شہوات کے جھونکوں میں اڑنے سے بچنے کا باعث ہے، اور دنیا میں اس کے آنے سے یہی مقصود ہے کہ وہ اس ثقل کو حاصل کرلے جائے، اور جس میں یہ ثقل جس قدر ہے اسی قدر وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک گرامی اور بھاری ہے، اور جس میں یہ ثقل نہیں وہ بے وقار اور ہلکا ہے اور اس کا ان نیک باتوں سے ہلکا ہونا بہیمیت اور جسمانیت کا بھاری پن ہے جس کا حیز طبعی ہاویہ یعنی مقامِ اسفل ہے۔ ان باتوں کی طرف خدا پاک اس سورت میں ایما کرکے انسان کو ابوابِ خیرات کی طرف رغبت دلاتا اور اس کے ثمرات و نتائج عیشۃ راضیۃ ظاہر فرماتا ہے اور بدوں کو ہاویہ میں لے جانے والے بوجھ سے سبکی حاصل کرنے اور ثقلِ مقصود حاصل کرنے کی طرف اُبھارتا ہے، اور نبوتِ کبریٰ کا یہی مقصدِ اصلی ہے اس لیے فرماتا ہے:

القارعۃ ما القارعۃ وما ادراک ما القارعۃ

کہ قارعہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی۔ اور اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے کھڑکھڑانے والی چیز۔ اس لیے کہ وہ اس عالم کی فنا اور فنا کے مقدمات ہیں جو بغیر دلیلِ سمعی کے سمجھ میں نہیں آتے کس لیے کہ انسان ہمیشہ سے آسمان و زمین پہاڑوں اور دریاؤں اور چاند ستاروں کو دیکھتے دیکھتے یہ سمجھ گیا ہے کہ یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، ان کو فنا نہیں، صرف عناصر سے مرکب چیزوں کو فنا ہے، وہ یہی کہ ایک وقت کے بعد اس ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اپنے خیال کو مستحکم کرنے کے لیے اس نے سیکڑوں دلیلیں بنائی ہیں۔ اس لیے اس کوتاہ فہم کے حق میں یہ فرمانا کہ تو کیا جانے کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز بہت درست ہے۔

پھر آپ ہی اس کی کسی قدر کیفیت بیان فرماتا ہے

یوم یکون الناس کالفراش المبثوث جس دن کہ آدمی بکھرے ہوئے پتنگوں اور پروانوں جیسے ہوجائیں گے یعنی ان کا وہ ثقل کہ جس پر ناز تھا اس روز کے ناقابلِ برداشت مصائب دیکھ کر بالکل جاتا رہے گا اور ایسی بے قراری اور بے تابی ہوگی کہ ادھر کے ادھر اور ادھر کے ادھر مارے مارے پھریں گے۔

فراش فراشۃ کی جمع جس کے معنی پتنگا، پروانہ، بھنگا، جو رات میں روشنی یا آگ میں گرا کرتا ہے۔

جب کہ صور پھونکے گا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور ایک خدا کی طرف کا پکارنے والا عدالت کی طرف بلائیگا اور جلالِ کبریائی کی تجلی ہوگی تو دہشت کے مارے لوگ پتنگوں کی طرح یا ٹڈیوں کی طرح بے قرار و مضطرب ہوکر دوڑے آئیں گے، اور ممکن ہے کہ یہ نفخِ صورِ اول کا واقعہ ہو کہ جب آواز تیز ہوگی اور کڑک اور زلزلہ زیادہ ہوگا تو گھبراہٹ میں پتنگوں کی طرح ادھر ادھر مارے مارے پھریں گے اور بڑی بے قراری ہوگی، سب ثقل و ثبات جاتا رہے گا۔

اس تشبیہ میں چار باتیں ہیں:۔

(۱) طیش و بے قراری اور ایک دوسرے پر بدحواسی میں گرنا۔

(۲) کثرت و ضعف کہ ان کی بھنگوں جیسی کثرت ہوگی اور آج کے بڑے بڑے قوی ہیکل اور دلیر اس روز ملائکہ کے آگے بھنگے معلوم ہوں گے۔

(۳) ہر جانب اور ہر سمت سے بلانے والے کی طرف ایسا آنا کہ جیسا پتنگے چراغ کی طرف آیا کرتے ہیں۔

(۴) آگ میں گرنا جیسا کہ پتنگے گرتے ہیں اس طرح وہ آتشِ جہنم میں گریں گے، اور یہ اس لیے کہ وہ روز ظہورِ کلّی کا ہے یعنی دنیا کا پردہ اُلٹ کر ہر ایک چیز کی حقیقتِ اصلیہ دکھا دی جائے گی، پھر جس طرح آج پتنگوں کی طرح شہوات و لذات کی آگ کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں جہاں طبلہ پر تھاپ پڑی اور سارنگی کی آواز آئی لوگ دوڑ پڑے، سو اس روز یہ خواہش آتشِ جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور یہ اسی طرح اس کی طرف مجبورانہ جائیں گے وہ رغبت اور اختیار جبر و اضطرار کی صورت میں جلوہ گر ہوگا، دنیا کے خواب کی یہ تعبیر ہوگی۔

اب دوسرے ثقل کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو پہاڑوں میں رکھا ہوا ہے فقال و تکون الجبال کالعهن المنفوش اور پہاڑ دُھنی ہوئی اون جیسے ہو کر اڑتے پھریں گے۔

عہن رنگین پشم کو کہتے ہیں۔ اور رنگین پشم سے تشبیہ اس لیے دی کہ اب جو دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ ہیں سنگِ مرمر سنگِ سرخ، سنگِ سیاہ وغیرہ زلزلہ پے درپے آنے سے چورا چورا ہو جائیں گے اور باہم ملنے سے ایک رنگت پیدا ہو جائے گی۔

منفوش دُھنی ہوئی۔ نفش دُھننا، پھر دُھنیے کے دُھننے سے اور بھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑا کرتے ہیں، اسی طرح جب عالمِ بالا کے دھننے والے اس پہاڑوں کی اون کو دھنیں گے تو یہ اُڑتے پھریں گے۔ اب اس سے زیادہ کیا کھڑکھڑانے والا وقت ہوگا۔ یہ ہے القارعۃ جس کی حقیقت سے یہ مستِ بادۂ غفلت بے خبر ہیں۔

یہاں تک تو ایک مصیبت تھی اب اور دوسری سنیے، وہ یہ کہ اس روز جب یہ سب کچھ ہو چکے گا بارِ دگر لوگ اصلی حیات میں آئیں گے اور میزانِ عدالت کھڑی ہوگی تو فاما من ثقلت موازینه فهو فی عیشة راضیة اس روز جس نے اس چند روزہ حیاتِ دنیا میں اپنے اس ثقلِ خداداد کو اچھے کاموں میں صرف کیا اور ایمان و حسنات کا ثقل پیدا کر لیا تو پھر اس کی تولیں بھاری نکلیں گی۔ ایمان کی تول ہے تو ویسی ہی بھاری ہے اور نماز کی ہے تو ویسی ہی گراں بار ہے اور روزے کی ہے تو ویسی ہے اور صدقات و خیرات کی ہے تو ایسی ہے۔ شہوات و لذات سے صبر کی ہے تو ایسی ہے، اور محبتِ الٰہی کی ہے تو سب سے بڑھ کر ہے، تو وہ لوگ دل پسند زندگانی میں ہوں گے جس کو حیاتِ جاودانی اور زندگانی با کامرانی کہنا چاہیے۔

یہ لفظ عیشة راضیة بڑا وسیع المعنی لفظ ہے آخرت کی جس قدر خوبیاں ہیں، جنت اور وہاں کے نعیم اور فرح و سرور اور دیدارِ الٰہی سب کو حاوی ہے۔

واما من خفت موازینه فامه هاویة

اور جس کی تولیں ہلکی ہوں گی، اعمالِ حسنہ و ایمان میں اس ثقلِ خداداد کو کام میں نہ لایا بلکہ شہوات و لذات حبِ دنیا وغیرہ میں صرف کیا، اور اپنی نالائق باتوں پر ثابت قدمی دکھائی، کفر پر اڑے رہے، ایمان لاتے شرم آئی، بدوضعی کو وضع داری سمجھے، دنیا پر فریفتہ رہے اور اس عشق میں بڑی ثابت قدمی دکھائی۔ رسم و رواج کے پابند رہے، بڑے استقلال سے اس کو تھامے رہے۔ اور بڑا ثقل ان باتوں میں پیدا کیا تو اب یہ بھاری لنگر ان کو جہنم کے گڑھے کی طرف اس طرح کھینچے ہوئے لے جائے گا کہ جیسا اجسام کا ثقلِ طبعی پستی کی طرف لیے جاتا ہے۔

اور اسی رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لفظِ ام کا استعمال کیا، کیوں کہ ام کے اصلی معنی ہیں اصل اور

رجوع ہونے کی جگہ کے اور اسی لیے ماں کو اُمّ کہتے ہیں کہ وہ بچہ کی اصل ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے، مراد یہ کہ اس کا اصل ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔

ہاویہ گڑھے کو کہتے ہیں اور یہ جہنم کا نام ہے، اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وما ادراک ماھیہ کہ اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے ہاویہ؟ کوئی دنیا کا عمیق گڑھا یا کسی بلند پہاڑ کی کھوہ نہیں ہے کس لیے کہ اس کی اصل حقیقت بھی بغیر ملہم غیب کے سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر آپ ہی بتاتا ہے نار حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ ہے، یہ آگ حب شہوات ولذات کی اور غضب وحسد کی، بغض وعداوت کی اور تعصب کفر و بدراہی کی آگ دنیا میں دل میں تھی آج وہ جہنم کی آگ بن کر سامنے آئی۔ اور آگ بھی کیسی آگ حامیۃ بہت گرم کہ جس کی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی آگ گرم نہیں، یہ آگ اس آگ کی نسبت کچھ بھی نہیں اس لیے یہ لفظ استعمال ہوا، ورنہ آگ کے لیے تو ہر وقت حرارت لازم ہے۔

ف فرقۂ معتزلہ موازین کو دنیاوی ترازو سمجھ کر اور اس میں اعمال وایمان کا وزن جو عوارض ہیں محال جان کر یہ تاویل کرتا ہے کہ تولیں بھاری ہونے سے مراد ہے حجت قوی ہونا اور خدا کے نزدیک گرامی اور بھاری ہونا، اور کہتے ہیں یہ ایک عرب کا محاورہ ہے، اور اسی طرح تولوں کے ہلکے ہونے سے مراد ذلیل ہونا اور ان کی حجتوں کا ضعیف ہونا ہے۔

مگر یہ ان کا قصورِ فہم ہے کس لیے کہ وہ ترازو دنیا کی ترازو نہیں بلکہ وہ ہے کہ جس سے اعمال وایمان کا وزن ہوتا ہے۔ حدیثِ صحیح میں میزان کا قیامت میں قائم ہونا ثابت ہے، اہلِ سنت اس کے قائل ہیں۔

ف دو فریق بیان ہوئے اوّل وہ کہ جن کے ایمان واعمالِ حسنہ کی تولیں بھاری ہوں گی دوّم وہ کہ جن کی ہلکی ہوں گی، اور دونوں کا انجام بھی بیان فرمادیا۔ مگر ایک تیسرا[۳] فریق اور بھی ہے یہ وہ کہ جن کی نیکی اور بدی کا وزن برابر ہوگا۔ ان کا کیا انجام ہوگا؟

مناوی فرماتے ہیں کہ ان سے حساب آسان لیا جائے گا اور آخر وہ بھی بخشے جائیں گے اور ان کا ذکر اس لیے نہیں کیا تاکہ معلوم ہو کہ قابلِ عذاب وہی ہیں جن کی نیکی کی تول ہلکی رہے گی گناہوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ پھر اب اگر ایمان بھی نہیں تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا، ورنہ شفاعت یا اس کی مخصوص رحمت کے سبب وہ سزا پاکر یا ایمان کی برکت سے بغیر سزا پائے یوں ہی نجات پاجائے گا مگر خطرہ میں ضرور ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا ننانوے[۹۹] دفتر بڑے بڑے گناہوں کے اس کے پیش کیے جائیں گے، پھر حق سبحانہ پوچھے گا کہ تجھے ان میں سے کسی کا انکار ہے؟ کیا میرے فرشتوں کراماً کاتبین نے ناحق لکھ لیے ہیں؟ کہے گا نہیں یارب! پھر پوچھے گا تجھے کوئی عذر ہے؟ کہے گا نہیں یارب! تب حق سبحانہ فرمائے گا تیری ایک نیکی ہمارے ہاں ہے، ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ تب ایک ورقہ نکلے گا جس میں کلمۂ شہادت ہوگا، تب وہ شخص کہے گا بھلا ان دفتروں کے مقابلے میں اس ورقہ کا کیا وزن ہوگا، تب وہ ورق ایک پلہ میں اور وہ دفتر دوسرے پلہ میں رکھے جائیں گے تب یہ ورق بھاری نکلے گا اور وہ دفتر ہلکے ہو جائیں گے۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

سورہ تکاثر

مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ① حَتّٰی
غافل کر دیا تم کو حرص نے یہاں تک کہ
زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② کَلَّا سَوْفَ
قبریں جھانک لیں خبردار ابھی
تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ
جان لو گے پھر کہتے ہیں خبردار ابھی
تَعْلَمُوْنَ ④ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ
جان لو گے نہیں نہیں اگر تم یقینی طور پر
عِلْمَ الْیَقِیْنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ
جان جاؤ (تو غافل نہ رہو) ضرور تم کو دوزخ
الْجَحِیْمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ
دیکھنا ہوگا پھر اس کو بالیقین
الْیَقِیْنِ ⑦ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ
دیکھنا ہوگا پھر اس دن تم سے نعمتوں کا
عَنِ النَّعِیْمِ ⑧ ع ۱ ۸ ۲۷
حال پوچھا جائے گا ۔

ترکیب

اَلْھٰی فعل یقال الھاہ عن فلان اذا شغلہ عنہ و کم مفعولہ التکاثر فاعلہ ۔ والتکاثر التباہی والتفاخر بکثرۃ الاموال و الاولاد والغفلۃ عن اللہ تعالیٰ حتی غایۃ للالھاء زرتم المقابر جمع مقبرۃ ۔ والمعنی انساکم حرص الدنیا والتفاخر بالاموال و العشائر عن الدار الآخرۃ حتی ادرکم الموت وانتم علی تلک الحالۃ ۔ کلا للردع لو شرطیۃ تعلمون شرط و مفعول تعلمون محذوف ای الامر الذی انتم صائرون الیہ علما یقینا ونصب العلم علی المصدریۃ واضافتہ الی الیقین من اضافۃ الموصوف الی صفۃ وقیل العلم عام یکون یقینا و غیر یقین فاضافتہ الی الیقین اضافۃ العام الی الخاص جواب لو محذوف قال الاخفش التقدیر لو تعلمون علم الیقین ما الھاکم او نحوہ ۔ لترون الجحیم الجملۃ جواب قسم محذوف ای و اللہ لترون الجحیم فی الآخرۃ ولیس ہذا جواب لو ۔ قرء الجمہور بفتح التاء مبنیا للفاعل والرؤیۃ بصریۃ ولذا تعدت الی مفعول واحد ۔

تفسیر

یہ سورت جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں ۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایک روز ہزار آیتیں پڑھ سکتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ بھلا ہر روز کون پڑھ سکتا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم الھٰکم التکاثر نہیں پڑھ سکتے؟ (روایت کیا اس کو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں) ۔

ربط اس سورت کا ربط القارعۃ سے یہ ہے کہ اس سورت میں انسان کو حوادث ہولناک سے خبر دے کر متنبہ کیا تھا کہ ہوشیار خبردار تجھ پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے ۔ اس کے لیے تیاری کر اور ادھر ادھر کے فضول جھگڑے جو کچھ بھی کارآمد نہیں چھوڑ دے مگر برخلاف اس کے انسان ایسی فضول باتوں میں غرق ہے کہ جو اس کو کچھ بھی مفید نہیں ۔ وہ کیا کثرت مال و اولاد کی حرص اور اسی پر فریفتہ ہو کر تدابیر ضروریہ سے غافل ہو جانا ، اس لیے اس سورت میں اس بات کی برائی بیان فرمائی جاتی ہے کہ

او انسان تجھے اس تکاثر نے اصلی کام سے غافل کر دیا اور ایسا غافل کہ کبھی بھی اصلی کام کی فرصت نہیں دی، موت تک اسی فضول دھندے میں پڑا رہا۔ اور دراصل یہی اس کا سبب نزول ہے۔

شانِ نزول مگر قتادہ و مقاتل کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مدینہ میں یہود تفاخر کیا کرتے تھے کہ ہم فلاں فلاں قوم سے مال و قبائل میں زیادہ ہیں یہاں تک عمر بھر اسی تفاخر میں رہے اور جو کچھ کرنا تھا وہ نہ کیا اس لیے ان کا حال قابل افسوس بیان کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

کلبی کہتے ہیں اس کا سببِ نزول یہ ہے کہ قریش کے دو قبیلے تھے ایک بنی عبدِ مناف دوسرے بنی سہم۔ دونوں قبیلوں کے لوگ کسی مجلس میں اپنے اپنے مفاخر ذکر کرنے لگے، ایک نے کہا ہمارا قبیلہ مال دار ہے اور آدمی بھی اس میں زیادہ ہیں، سرداری اسی کا حق ہے۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں، ہمارے لوگ بہادر زیادہ ہیں اس لیے بیشتر جنگ میں مارے گئے۔ اسی پر بات بڑھ گئی تو یہ ٹھیری کہ چلو قبریں گن ڈالیں چنانچہ قبرستان گئے اور قبریں گنیں۔ اس بے ہودہ اور فضول تفاخر کی برائی میں جو انسان کو دارِ آخرت کے اسباب پیدا کرنے سے روکتا ہے یہ سورت نازل فرمائی۔

الھٰکم التکاثر حتی زرتم المقابر کہ تم کو تفاخرِ مال و قبائل نے غافل کر دیا یہاں تک کہ قبریں جھانکیں یعنی موت تک اور بڑھاپے میں بھی جو چلنے کا وقت ہے۔ اور ایسے وقت کی نسبت کہتے ہیں کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا ہے۔ یعنی مرنے کو تیار بیٹھے ہو اس وقت تک بھی تو تم کو اس تفاخر نے اصلی کام سے غافل اور بے خبر کر رکھا ہے پھر یہ نہیں سوچتے کہ دارِ آخرت کی تدبیر کا کون سا وقت آئے گا۔

تفاخر اور تکاثر ایک معنی میں ہیں اور حرص کرنا بھی اس کے معنی ہیں۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی پُر درد اور پُر اثر الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ مسلم و ترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن شخیرؓ سے روایت کی ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپؐ اس کو پڑھ کر فرما رہے تھے کہ "ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور تیرا تو وہی مال ہے جو تو نے کھا لیا یا پہن لیا یا دے دیا خیرات کر کے"۔

اقسامِ سعادت

واضح ہو کہ انسان کی دو سعادت ہیں۔

سعادتِ دنیا ایک سعادتِ دنیا اور اس کی تین قسم ہیں اوّل خاص اس کے جسم کی بناوٹ کے متعلق حسن و جمال۔ دوسری جسم کے آرام و آسائش کے متعلق وہ کیا؟ تن درستی اور مال و اسباب و مکان کی فراہمی اور ان میں کامیابی۔ تیسرے اپنے بعد اپنے ذکرِ خیر کی بقا کے اسباب بہم پہنچانا اور زندگی میں عزت اور آپس کے لوگوں میں سربلندی حاصل کرنے کے اسباب مہیا ہونا۔ وہ کیا؟ اولاد اور اقارب اور قوم کی سربلندی یا عمارت وغیرہا یادگار چھوڑ جانا۔ تمام دنیا کی خوبیاں جن پر انسان فریفتہ ہے انہیں میں منحصر ہیں۔ اس سعادت کو نعمتِ الٰہی سمجھا جاتا ہے اور بقدرِ ضرورت اس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی بری بات نہیں، مگر اس میں غرق ہو جانا اور آتشِ حرص کا ہر وقت شعلہ زن رہنا اور پھر آسائشِ تن سے زائد بے کار باتوں میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا اور سعادتِ اخرویہ سے بالکل غافل رہنا محض حماقت ہے۔ ہزاروں شخص ایسے ہیں کہ بقدرِ ضرورت یہ سب سامان ان کو

میسر ہیں مگر حرص اور باطل تمناؤں نے بے چین کر رکھا ہے جمع کرتا ہے نہ کھاتا ہے نہ کھلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی وقت کام آئے گا حالانکہ موت کے پاس پہنچ گیا پھر بھی اس سے تمتع حاصل نہیں کیا۔ اب جانے وہ ضرورت کا وقت کب آئے گا، اسی طرح اولاد کی تربیت اور ان کی بھلائی میں کوشش کرنا بھی ایک عمدہ بات ہے مگر اس طرح غرق ہو جانا کہ اپنا آرام کھو دینا اور عقبیٰ کے کاموں سے محروم رہنا رات دن انہیں کے دھندے میں پڑا رہنا یہ عبث فعل ہے حالانکہ وہ اولاد مرنے کے بعد کیا زندگی میں بھی اپنے مشاغل میں ایسی محو ہو جاتی ہے کہ اس بوڑھے کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔

سعادتِ آخرت دوسری سعادت اخرویہ ہے وہ مرنے کے بعد ملکِ جاودانی میں کامیابی۔ پس جو اس چند روزہ سعادت میں ایسا محو ہو کہ اس سعادتِ جاودانی سے بالکل غافل ہو جائے اور موت کے وقت تک اس میں غرق رہے وہ سخت ہی بدنصیب ہے' اس بدنصیبی کا ذکر اسی آیت میں اور آئندہ آیات میں کرتا ہے۔ فرماتا ہے کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون کہ نہیں نہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ تکاثر و تفاخر مرنے کے بعد کیا کام آتا ہے؟ یعنی کچھ بھی کام نہ آئے گا' دستِ افسوس ملے گا کہ ہائے رے کس فضولی میں عمرِ گراں مایہ برباد کی' جن چیزوں کی کثرت چاہتا اور اس پر فخر کرتا تھا اولاد و مال وہ تو وہیں رہ گیا' میرے کچھ بھی کام نہیں آیا، اب تو یہاں موت بھی نہیں۔ ہائے اس بے انتہا زندگانی کا کوئی توشہ ساتھ نہیں لایا۔

حکایت کسی شہر میں کوئی بزرگ باخدا دنیا سے علیحدہ ایک گوشہ میں یادِ الٰہی میں مصروف تھا اور اس کا دوستِ قدیم ایک تاجر تھا جو رات دن غرق تھا اور بڑے بڑے مکان بنائے تھے اور ہر قسم کے سامانِ عیش و نشاط اس کو حاصل تھے۔ ایک بار اس مال دار تاجر نے اس باخدا کو ملامت کرنی شروع کی اور کہا تو بڑا نادان ہے' دیکھ میں نے اس عرصہ میں یہ کچھ پیدا کیا تو نے کیا کیا؟ اس باخدا نے جواب دیا کہ اے نادان! تو نے اس چند روزہ زیست کے لیے یہ کچھ کیا' وہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے کیا کیا؟ کیا یہ چیزیں تیرے ساتھ چلیں گی؟ اور اگر نہ چلیں تو بتلاؤ تم کو ان کے چھوٹ جانے پر کیا حسرت ہو گی۔ اب بتا تو نادان ہے یا میں؟ وہ تاجر زار زار رونے لگا۔

بعض لوگ اس کے بعد یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ آخرت کا حال معلوم ہے۔ اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں خاک بھی معلوم نہیں لو تعلمون علم الیقین اگر تم کو یقیناً وہاں کا حال معلوم ہو جائے تو یہ تفاخر و تکاثر چھوڑ کر اصلی کام میں مصروف ہو جاؤ۔ گویا تمہارا علم آخرت کے بارے میں علمِ یقینی نہیں۔

حکایت کوئی بادشاہ کسی فقیر باخدا کا معتقد تھا ان سے ایک بار کوئی دوا مقوی باہ بھی طلب کی جس سے بے حد قوت بادشاہ کو معلوم ہوئی مگر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فقیر صاحب ضرور در پردہ کوئی عورت رکھتے ہوں گے اپنی لونڈی بنا سنوار کر بھیجی۔ فقیر نے التفات بھی نہ کیا جس سے اور بھی تعجب معلوم ہوا۔ اگلے روز بادشاہ کا خیال معلوم کر کے فقیر نے کہا ایک راز کی بات ہے آپ کو مطلع کرتا ہوں' وہ یہ کہ سات دن کے اندر اندر آپ مر جائیں گے۔ یہ سنتے ہی بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ کس لیے کہ فقیر کی بات کو یقینی جانتا تھا گھر آ کر تمام امورِ عیش و عشرت کے ترک کر دیے اور رات دن رونے اور توبہ کرنے اور دعا و عبادت میں مصروف ہو گیا۔ ایک ایک گھڑی کو غنیمت جانتا تھا۔ تمام شہوانی

خیالات اور باطل تمنائیں کافور ہوگئیں۔ گھڑیاں گنا کرتا تھا۔ اس ہفت روزہ شغل میں اس کی روح پر نورانیت بھی پیدا ہوگئی اور کشود کار بھی ہوا۔ ساتویں دن موت کے انتظار میں تھا۔ اور عزیز و اقارب فرزند و زن کو رخصت کر چکا تھا، جب وہ دن بھی بخیر گزر گیا، اگلے روز فقیر کے پاس آیا اور پوچھا کہ موت تو نہیں آئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا دنیا کے سات ہی روز ہیں، اب تک گزرے نہیں۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ اس عرصہ میں اس دوا کا کیا اثر تھا۔ اور ارباب عیش و نشاط سے کیسی گزرتی تھی۔ عرض کیا کچھ بھی خبر نہ تھی۔ بادشاہ فقیر کی رمز کو سمجھ گیا اور راہ راست پر آگیا۔

حقیقت میں علم الیقین اُس جہان کا ہوجائے تو نیک پر اشتیاق میں اور بد پر خوف میں یہ زندگانی وبال ہوجائے۔ یہ اہل اللہ بالخصوص انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کا ہی حصہ ہے اور اسی لیے ان کے افعال اور عامۂ خلائق کے افعال میں جو دنیا پر فریفتہ ہیں اور ہمیشہ جینے کی امیدیں دل میں رکھتے ہیں بڑا فرق ہے۔

ف کلا سوف تعلمون کو دوبارہ لانے میں کیا حکمت ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ تاکید کے لیے ہے جیسا کہ کوئی ناصح کہتا ہے تو سمجھا تو سمجھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اول بار اہل شر کے لیے ہے اور بار دوم اہل خیر کے لیے۔ پس اول وعید اور دوم وعدہ ہے۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔

اب اس قدر فرمانا عاقل کے لیے کافی تھا کہ اگر تم کو یقین ہوجائے تو اصلی کام کرنے لگو اور اس حرص و فخر کو چھوڑ دو مگر مخاطبین کے دلوں پر تو اس حرص و فخر اور غفلت کے بے شمار پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے اب ان کو صاف صاف بتلایا جاتا ہے فقال لترون الجحیم کہ ضرور ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔

عام قراء لترون کو بفتح تا پڑھتے ہیں۔ فراء کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک بھی ہے کیونکہ یہ تہدید ہے تو عام محاورۂ عرب کے موافق اس کے الفاظ یہی ہونے چاہییں۔ بعض بضم تا بھی پڑھتے ہیں۔ اور جحیم دوزخ کو کہتے ہیں۔

پھر یہ دیکھنا عام ہے۔ ایمان دار تو یوں ہی دور سے دیکھ کر دل میں ڈریں گے اور نعمائے الٰہی اور نجات کا شکریہ کریں گے اور کفار و گناہ گار اس کا عذاب دیکھیں گے جو ان کے کرتوت کی سزا ہے اور تکاثر کا مآل کار ہے۔ ایک اور آیت میں بھی یہی مضمون ہے وان منکم الا واردھا۔

پھر دوبارہ اس بات کی تاکید کے لیے اس کلام کا اعادہ کرتا ہے فقال ثم لترونھا عین الیقین کہ ضرور تم اس دوزخ کو بالیقین معائنہ کروگے۔ اس میں داخل کیے جاؤگے اس کا مزہ چکھوگے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اول جملہ میں مرنے کے بعد عالم برزخ میں عذاب دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں حشر کے روز دیکھنے کا ذکر ہے۔ یا یہ کہ اول بار کا دیکھنا کنارے کھڑے ہوکر، بار دوم دیکھنا دوزخ میں جاکر۔

بعض مفسرین ان آیات کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر تم کو علم یقین ہوجائے تو تم دل کی آنکھ سے اب دوزخ کو دیکھ لو اور یقیناً دیکھ لو کوئی شبہ باقی نہ رہے مگر تم کو اس کا علم یقین نہیں۔

ف علم کے تین مرتبے ہیں اول علم[1] الیقین کہ جیسا کسی نے دریا کو آنکھ سے دیکھ لیا۔ دوسرا[2] عین الیقین کہ اس کے کنارے پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا ہو۔ تیسرا[3] حق الیقین کہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ آج جن نعمتوں پر بھولے ہوئے ہو اور ان کے ازدیاد کی حرص میں لگے ہوئے آخرت سے غافل

اور مالک کے ناشکر بنے ہوئے ہو قیامت کے روز ان کی بابت سوال ہوگا فقال ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم کہ اس روز دنیا کی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا تم سے پوچھا جائے گا کہ دنیا میں ہماری نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور جس لیے تم کو دی گئی تھیں ان کو حاصل کر کے وہ کام بھی کیا یا نہیں؟ یعنی عبادت۔

خدا کی بے شمار نعمتیں ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں کما قال وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا نعمائے ظاہریہ و باطنیہ تن درستی، جسم کے اعضاء کی خوبی، رزق در روزی گرمی میں ٹھنڈا پانی یا سایہ وغیرہ وغیرہ جن سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ اس لیے علیٰ اختلاف الانظار مفسرین نے متعدد اقوال میں نعیم کی تفسیر کی ہے۔ کوئی کہتا ہے عافیت کوئی کہتا ہے تن درستی اور اولاد و مال کوئی کہتا ہے ٹھنڈا پانی اور خنک سایہ کسی نے کہا حسن و ادراک کسی نے کہا پیٹ بھر کر کھانا اور آرام سے سونا اور بدستور بول و براز خارج ہو جانا۔ وغیر ذلک یہ سب قول ٹھیک ہیں۔

مسلم وغیرہ اہل سنن نے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تو باہر ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی پایا، آپؐ نے فرمایا اس وقت تم کس لیے گھر سے نکلے ہو کہا بھوک کے نکلے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں بھی اسی لیے نکلا، تب سب ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے جس کے پاس کھانا تیار نہ تھا، اس نے اور اس کی بیوی نے دیکھ کر کہا مبارک مہمان اور ہماری زہے عزت تب سب کو ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھایا اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکایا اور سامنے لایا اور چھوہارے بھی لایا سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ٹھنڈا پانی پیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بخدا آج کی اس نعمت کی بابت بھی تم سے پوچھا جائے گا قیامت کے دن۔

حکایت: کوئی مفلس شخص افلاس سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کا ناشاکی ہوا اور سفر کو گیا، وہاں اس کو اس قدر مال و زر حاصل ہوا کہ تین خچر لاد کر لایا راستہ میں پانی نہ ملا اور گرمی سے ہلاک کی نوبت پہنچی، تب ایک شخص نمودار ہوا جس کے پاس سرد پانی تھا اس نے پانی کا سوال کیا اس نے کہا ایک خچر مال کا دے تو دیتا ہوں۔ آخر کار دینا ہی پڑا ورنہ موت سامنے دکھائی دیتی تھی۔ پانی پی کر بھوک لگی اور سخت بے تابی ہوئی ہلاکت کی نوبت آ گئی تب ایک شخص ملا جس کے پاس روٹی تھی۔ اس سے روٹی کا سوال کیا، اس نے کہا اگر ان دونوں خچروں میں سے ایک دے تو دیتا ہوں ورنہ تو مر جائے گا دونوں یہیں رہ جائیں گے، ایک خچر دے کر روٹی لی اور پیٹ بھر کر کھایا تھوڑی دیر کے بعد پیٹ میں پاخانہ اور پیشاب بند ہو جانے سے اس شدت کا درد ہوا کہ ہلاکت کی نوبت آ گئی۔ ایک شخص حکیم نمودار ہوا جس نے کہا یہ خچر مجھے دے تو ابھی آرام ہوتا ہے، آخر جان عزیز تھی وہ بھی دے دیا درد سے نجات ملی۔ تب ہاتف غیب نے کہا روٹی اور ٹھنڈا پانی اور درد سے سلامتی اس قدر مال دے کر آج لی ہے اس سے پہلے تجھے خدا ہمیشہ مفت دیتا رہا اس پر بھی تو اس کا ناشاکی ہوا، یہ کیا انصاف ہے؟ وہ شخص رویا اور تائب ہوا۔ اس کی نعمتوں کا شکریہ ہر حال میں واجب ہے۔ ولہ الحمد والمنۃ علیٰ کل حال ⁂

سورہ عصر

مکیہ ہے اس میں تین آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ
قسم ہے عصر کی بے شک انسان خسارہ

خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ
انہوں نے نیک کام کیے اور حق پر قائم رہنے کی

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ⓺
اور صبر کرنے کی باہم ہدایت کرتے رہے

ترکیب

و للقسم العصر مقسم بہ والمراد بہ الدہر عموماً وقیل العشی وہو ما بین زوال الشمس وغروبہا وقیل صلوٰۃ العصر۔ قرء الجمہور بسکون الصاد وقرئ بکسرہا ایضاً ان الانسان اسم ان لفی خسر خبرہا والجملۃ جواب القسم۔ قرء الجمہور بضم الخاء وسکون السین وقرئ بضمہما ایضاً والمعنی فی نقصان وخسران وشر۔ الا استثناء متصل من الانسان وقیل منقطع علی ان المراد بالانسان الکافر وعملوا وما بعدہ عطف علی آمنوا و التواصی وصیۃ بعضہم لبعض۔

تفسیر

یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ صرف قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔

ربط اس سورت کا ربط سورۂ تکاثر سے یہ ہے کہ انسان تمام عمر کثرتِ مال و اولاد و فراہمی اسباب عیش و نشاط میں صرف کرنا اپنے اوقاتِ گراں مایہ کا حاصل سمجھتا ہے ورنہ جانتا ہے کہ میرے اوقات خراب ہوئے اور عمر ضائع ہوئی اور اسی کو وہ مقصودِ اصلی جانتا ہے اور اسی لیے وہ اس کی حرص کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔ اس خیال کے رد کرنے کو یہ سورت نازل فرمائی کہ کوئی کیسا ہی مال و دولت میں کامیابی حاصل کرے مگر پھر بھی نقصان اور خسارہ ہی میں ہے۔ اس خسارہ سے تو وہ بچے ہوئے ہیں جو

۱
ع ۳
۲۸
ایمان لائے اور نیک کام کر گئے اور نیک کاموں کی بنیاد اپنے بعد ڈال گئے۔ عمر گراں مایہ کا اصلی نفع یہی ہے' نہ وہ کہ جو عموماً طبائع انسانیہ سمجھی ہوئی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کے جاہلیت کے دوست ابوالاسد نے بطور طنز کے یہ کہا تھا کہ تم بڑے ہوشیار اور تجارت میں خبردار تھے کبھی نقصان نہیں اٹھایا' اب کیا نادانی چھا گئی جو تمام مال صرف کر کے ایک شخص کے معتقد ہو گئے اور قدیم دین کو چھوڑ بیٹھے' یہ تم نے بڑا خسارہ اٹھایا' اس کا خیالِ باطل بھی اس سورت میں رد کر دیا گیا۔

فقال والعصر کہ قسم ہے زمانہ کی جس میں یہ انسان زندہ ہے اور یہ ایک نہایت قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے انسان کو دے کر دنیا میں ایمان اور نیکوکاری کی تجارت کرنے بھیجا ہے' اور یہ سرمایہ ایسا بے ثبات ہے کہ برف کی طرح آپ ہی آپ پگھلتا جاتا ہے اگر اس نے بجائے ایمان اور عملِ نیک کے بُرا سودا خریدا یا کچھ بھی نہیں خریدا تو بھی انسان خسارہ میں ہے' اس لیے اس وقتِ عزیز کی قسم کھائی جس کو یہ ناقدر انسان برے کام میں صرف کرتا ہے' یا یوں ہی ضائع کرتا ہے' اور اس قسم کو اپنے مابعد کے مضمون سے نہایت ارتباط ہے۔

معنی عصر

گویا وہ دعویٰ ہے تو یہ اس کی دلیلِ مقدم ہے تاکہ مخاطب کو اس مضمون میں کہ انسان خسارہ میں ہے (سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے) کوئی تردد نہ رہے اور یہ قرآن مجید کا کمالِ بلاغت ہے ولہ الحمد۔

مفسرین کے عصر کے معنی میں چند قول ہیں۔

(۱) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عصر سے مراد مطلقاً زمانہ ہے جس کو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اس کی قسم کھانے میں اپنی قدرت وحکمت کی باریکیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ اور یہ اس لیے کہ زمانہ کی تمام چیزوں پر زمانہ کا پورا احاطہ ہے کوئی بادشاہ کوئی مال دار کوئی شہ زور ایسا نہیں کہ زمانہ کی نیرنگیوں سے نکل جائے۔

زمانہ کا پہلا اثر موسموں کا تبدّل ہے۔ جب سردی آتی ہے تمام لوگوں پر سردی کا اثر پھیل جاتا ہے اور جب گرمی کی سلطنت آتی ہے تو سب پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اسی طرح جب رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور جب دن کی سلطنت آتی ہے تو رات کافور ہو جاتی ہے زمین پر نور پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی عمر پر زمانہ کا وہ نمایاں سکّہ چلتا ہے کہ کسی طرح ٹلتا ہی نہیں لڑکپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا بے اختیار آتا ہے اور پھر زمانہ زمانیات کو فنا کرتا ہے اور پھر حیوانات جمادات اور حیوانات میں سے انسان کو مار کر ایسے فنا کے عمیق گڑھے میں ڈال دیتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے وہ فنا شدہ اتنا ہی نیچے چلا جاتا ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ زمانہ کی ڈوریاں کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اسی قادرِ مطلق کے، لیکن جن کی نظر دور تک نہیں پہنچتی وہ ان سب حوادث کو زمانہ کے مستقل افعال جانتے ہیں جیسا کہ فرقۂ دہریہ۔ اور جن کی نگاہیں دور جاتی ہیں اور وہ گہری نظروں سے دیکھتے ہیں وہ اس کل کے موجد اور اس کے چلانے والے کے ہاتھ کی کاری گری سمجھتے ہیں جو زمانہ سے باہر ہو کر زمانہ کی کل چلا رہا ہے۔ اس لیے زمانہ کی قسم کھائی کہ وہ اس کی ایک عمدہ اور بڑی کل ہے جس میں اشارہ ہے کہ زمانہ کے موافق بنو۔ زمانہ تمہارے موافق نہیں بنے گا اور جب کسی نے زمانہ سے لڑائی کی تو فوراً شکست کھائی اور اسی بات کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ابنِ آدم مجھے ایذا دیتا ہے جو دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے دہر تو میں ہوں میرے ہاتھ میں سب کام ہے میں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں"۔ (متفق علیہ)

(۲) بعض فرماتے ہیں اخیر دن کا وقت مراد ہے جو زوال سے غروب تک کا وقت ہے جس کو عربی میں عشی کہتے ہیں۔ یہ قتادہ اور حسن بصری کا قول ہے، اور اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع و نقصان اخیر دن میں ظاہر ہوتا ہے، دن بھر بیچ کھوچ کر سوداگر دکان بڑھاتا ہے اور اپنے گھر کا رستہ لیتا ہے اور نیز زیادہ بیع وشرا کا بازار اسی وقت گرم ہوتا ہے اور نیز ایک انقلابِ عظیم کی یہ تمہید ہے یعنی دن کا جانا رات کا آنا اور اسی لیے اس وقت کی نماز کی جس کو صلوٰۃ الوسطیٰ اور صلوٰۃ العصر کہتے ہیں بڑی تاکید ہے، پس اس میں اشارہ ہے کہ اے انسان تیری زندگانی کا بہت سا زمانہ گزر گیا اب اخیر وقت رہ گیا تو اپنی تجارت میں جو آخرت میں کام آئے سرگرمی کر لے۔ وقت بہت نہیں رہا، ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے جو بڑا متبرک زمانہ ہے اور جس میں تجارتِ آخرت کا بازار بڑا گرم تھا، جس نے سعادت کی طرف ذرا توجہ کی اس نے سلطنتِ آسمانی حاصل کر لی اور جس نے بُرا سودا کیا عمر کھو کر کفر و بدکاری خریدی گھاٹا اٹھایا اور بڑا گھاٹا۔ اسی لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا خیر القرون

قرنی الحدیث، کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے الخ جب کہ صبح سے لے کے تھوڑا دن رہے تک بنی آدم آخرت کے سودے میں پورے کامیاب نہ ہوئے اور وقت رہ گیا تو اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی برپا کیا جو دنیا کو نافع تجارت سکھانے آیا، ایسی تجارت کہ تھوڑے سے داموں پر (یعنی چند روزہ زندگی سے جو امم سابقہ کی بہ نسبت وقت عصر ہے اور تھوڑے سے اعمال سے) بے بہا دولت حاصل ہوتی ہے یعنی دار آخرت اور اس کے نعمائے باقیہ اس لیے لفظ والعصر میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ بس اب اور وقت نہیں رہا جو اور نبی آئے گا، انہیں پر سلسلہ تمام ہے۔ پھر اب بھی جو کوئی ہدایت پر نہ آئے تو ازلی بد نصیب ہے، دنیا کی دکان بڑھا چاہتی ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں اور انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی یعنی ساتھ لگے ہوئے، میرے بعد قیامت ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں کہ خاص نماز عصر کی قسم مراد ہے، یہ مقاتل کا قول ہے۔ اس لیے اس نماز کی قسم کھائی کہ یہ اس دار آخرت کی تجارت کا ایک مخصوص وقت ہے اور نیز دنیاوی تجارت کا بھی وقت ہے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا وقت ہے اور نیز دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے، اس کے بعد سے رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے اور اسی لیے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جس کی نماز عصر قضا ہوگئی گویا اس کا گھر بار لٹ گیا۔ اور قرآن مجید میں صلوٰۃ وسطیٰ سے (جس کی محافظت کی تاکید ہے) یہی نماز مراد ہے۔

شبہ قرآن مجید میں بہت سی چیزوں کی خدا پاک نے قسم کھائی ہے رات کی، دن کی، آفتاب کی، آسمان کی، زمین کی، مکہ شہر کی، انجیر کی، زیتون کی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی وغیرہ۔ حالانکہ حدیث شریف میں بندوں کے لیے بجز خدا پاک کے نام کے قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے، اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قسم کھانے میں تعظیم بے حد ہے اور اس کا مستحق وہی حق سبحانہ ہے اور اہل توحید کا شیوہ خاص ہے کہ اس کی تعظیم کے برابر کسی کی تعظیم نہ کریں، پھر حق سبحانہ نے اپنی مخلوقات کی کیوں قسمیں کھائیں، اپنی ذات وصفات کی قسم پر انحصار کیوں نہ فرمایا؟

جواب اس میں علماء کا اختلاف ہے جمہور معتزلہ اور بڑے بڑے علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ ایسے مقامات پر لفظ رب محذوف ہے جیسا کہ والتین قسم ہے رب تین یعنی رب انجیر کی پھر ان اشیاء کے ذکر کرنے میں اور ان کی ربوبیت کے اظہار میں بندوں کو ان چیزوں سے جو منافع اور فوائد ہیں ان کا اظہار کرنا مقصود ہے تاکہ ان چیزوں میں اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ دیکھ کر ایمان لائیں اور اپنے قدیم محسن اور آقائے ولی النعمۃ کی طرف جھکیں، یعنی ہر جگہ اپنی ہی قسم کھائی ہے نہ کہ مخلوق کی اکثر متکلمین کا بھی اسی طرف رجحان ہے اور بات بھی یہی قوی ہے۔

لیکن علماء کرام کی ایک جماعت ظاہر الفاظ پر خیال کر کے یہ بھی کہتی ہے کہ لفظ رب کے محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انہیں چیزوں کی قسم کھائی ہے، مگر ہر ایک قسم کھانے والے کی حالت اور شان کے مطابق اس چیز کی قسم کھانے سے جو مقصود ہوتا ہے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص بادشاہ کے سر کی قسم کھائے یا تخت کی تو اس کا مقصود عزت وعظمت بادشاہ کی اور اس کے تخت کی ہوگی، اور جو کوئی اپنی اولاد یا مال کی قسم کھائے تو مقصود محبت ہوگی علیٰ ہذا القیاس۔ پس حق سبحانہ جو اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو مقصود اس چیز کے پیدا کرنے میں جو اس نے اسرار

قدرت اور بندوں کے منافع رکھے ہیں ان کا اظہار ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ شئے جملہ مخلوق میں بڑھ کر ہے یا نہیں اور کبھی محض اس چیز کا شرف و عزت بندوں کی نگاہ میں ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یا مکہ معظمہ کی قسم۔ اب کوئی محلِ اعتراض باقی نہیں رہا۔ اس پر بھی جو کوئی اس رمز سے ناواقف ہو کر عیب لگائے اور طعن کرے تو یہ اس کی بھونڈی سمجھ ہے۔

الحاصل عصر کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لفی خسر کہ بے شک ابنِ آدم نقصان میں ہے کس لیے کہ اس کی عمر گراں مایہ جو بڑا مال ہے اور جس سے دارِ آخرت کی کار آمد چیزیں خریدی جاتی ہیں وہ ہر آن گھٹتی جا رہی ہے اور جو گھٹتی ہے اس کے پھر آنے کی امید منقطع ہے۔ کیا خوب کہا ہے حافظ مرحوم نے ؎

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محمل ہا

اور اگر اس عمر گراں مایہ کو گناہوں اور شہوات و لذاتِ فانیہ میں صرف کیا یا کھیل کود لہو و لعب میں گزار دیا تو اور بھی نقصان ہوا اور خسرانِ سرمدی و حرمانِ ابدی نصیب ہوا۔

لیکن اس عمرِ چند روزہ میں اگر نفع حاصل کرنا چاہے اور نقصان سے محفوظ رہنا چاہے تو اس کے لیے یہ دو باتیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے اور دوم یہ کہ مرنے کے بعد بھی حسنات و باقیات کا سلسلہ باقی چھوڑ جائے تاکہ اس کے بعد بھی اس کے حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں۔ اور اس سبب سے اس کو اکتسابِ حسنات کے لیے ایک وسیع زمانہ مل جائے ورنہ عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے خصوصاً جب کہ ایک اس میں سے لڑکپن اور بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ کم کر دیا جائے کیونکہ ایسے وقت انسان بے کار ہو جاتا ہے اور اعضاء جواب دے چکتے ہیں تو بہت ہی کم حصہ رہ جاتا ہے اس لیے ان خسارہ پانے والوں میں سے جن میں یہ دو وصف ہوں ان کو مستثنیٰ کرتا ہے۔

(۱) الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت مگر وہ جو ایمان لائے اور ایمان لا کر نیک کام بھی کیے۔ یہ وہ پہلی بات ہے جو اپنی حیات کی کمائی تھی۔ اس کے دو مرتبے ہیں۔

اول: معرفت اور حقائق الاشیاء کا علمِ صحیح خصوصاً حق سبحانہ اور وسائلِ ہدایت[1] و ارشاد کی بابت اعتقادِ صحیح جس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ یہ اعلیٰ کمال ہے روح کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد یہ کمال ساتھ رہتا ہے اور اسی کو حکماء بھی سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اہلِ ہند بھی اس کو گیان کہتے ہیں جو ان کے نزدیک نجات کا وسیلہ ہے۔ مگر حکماء کے علمِ حقائق الاشیاء اور ہندوؤں کے گیان اور شرعی ایمان میں بڑا فرق ہے، شرعی ایمان وہ علم اور وہ گیان ہے جس میں شکوک و خطرات یا توہمات و تخیلات کی بو بھی نہیں وہ ان ظلمانی دھبوں سے پاک ہے، نہ اس کے حصول کے وہ ذرائع ہیں جن میں عقلی قیاسات اور وہمی ٹُک بندیوں کو دخل ہو نہ تمام مخلوق کی حقیقت دریافت کرنے کی تکلیفِ مالا یطاق، نہ آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے کی حاجت۔

دوسرا امر یہ ایمان کے بعد نیک کام کرنے کا ہے۔ یہ لفظ بڑا وسیع المعنی ہے ہر ایک نیک کام کو

[1] وسائلِ ہدایت فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اور پھر انبیاء کی کتابیں ان سب پر ایمان ضروری ہے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

خواہ عبادتِ بدنی ہو خواہ مالی خواہ ذکر و مراقبہ و فکر و تسبیح و تہلیل ہو اور خواہ نماز و خیرات ہو، خواہ صلہ رحمی، مخلوقِ خدا پر ترحم اور نفع رسانی ہو۔ کس لیے کہ اگر ایمان ہے اور اعمالِ صالحہ نہیں تو ایمان ایک درخت بے ثمر ہے۔ اور اگر دونوں باتیں حاصل ہیں تو دنیا سے نفع کما لایا۔

(۲) وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کہ اپنے بعد بھی سلسلۂ حسنات باقی چھوڑ گئے۔ اس لحاظ گویا وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور ہمیشہ دنیا میں نیک کام کر رہے ہیں کس لیے کہ جو اپنے بعد نیک کاموں کی بنیاد ڈال جاتے ہیں جب تک وہ نیک کام باقی رہیں گے اور لوگ ان سے نفع حاصل کریں گے ان کی بنیاد ڈالنے والوں کو بھی اسی قدر ثواب ملتا رہے گا اور احادیثِ صحیحہ میں بھی یہی مضمون وارد ہے۔ چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو بھی اتنا ہی اجر ہے کہ جتنا اس ہدایت قبول کرنے والے کو ہے۔ اور جس نے کسی کو برے کام کی ترغیب دلائی تو اس کو بھی اسی قدر گناہ ہے کہ جس قدر اس برے کام کرنے والا کو ہے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور ترمذی و ابنِ ماجہ وغیرہ نے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

اس نیک کام کی بابت دو لفظ ارشاد فرمائے کہ جس کی اوروں کو تقید کر کے دنیا سے چلے تھے۔

اول حق پر قائم رہنے کی تاکید۔ یہ لفظ بھی وسیع المعنی ہے، دینِ حق پر قائم رہنے کو بھی شامل ہے، اور راست بازی اور نفعِ خلائق کو بھی شامل ہے۔ پھر دین میں عبادات سے لے کر اعتقادِ صحیح اور اخلاقِ کریمانہ خیرات و صدقات سب کو شامل ہے۔ بنائے مساجد و مدارس اور اسلام کے قیام و استحکام کی بابت تدابیر اور عمدہ تصانیف اور تعلیم علوم سب اس میں آگئے، اسی لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام میں اعلیٰ درجات رکھتے ہیں کہ اپنے بعد مفید اسلام وہ وہ باتیں زندہ چھوڑ گئے جن سے آج تک مسلمان نفع پا رہے ہیں۔ اور ان کے بعد ائمہ دین مجتہدین و پیرانِ طریقت وغیرہم ہیں۔

اور دوسرا لفظ صبر ہے یہ بھی بڑا وسیع المعنی لفظ ہے کس لیے کہ مخالفوں کی ایذا اور بدگوئی کی برداشت بھی صبر ہے۔ اور یہ وصف ہر ایک عالی حوصلہ کو لازم ہے اگر یہ نہیں تو نہ ہم چشموں میں عزت ہے نہ عافیت ہے۔ بات بات پر لڑنا، مقابلہ کرنا لوگوں سے انتقام لے کر دشمن بنانا زیست تلخ کر دیتا ہے۔

حکایت سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک بدوی نے جب کہ آپ خلیفہ تھے مجمع عام میں سخت الفاظ کہے اور گالیاں بھی دیں، لوگوں کو غصہ آیا، فرمایا نہیں تو کچھ نہیں کہا، مجھے کہا ہے، آپ نے حکم دیا کہ غریب بھوکا ہوگا کھانا کھلاؤ، عمدہ کپڑے دو خرچ سے تنگ ہوگا روپے دو۔ چنانچہ حضرت کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ تیسرے دن اس شخص کو روبرو بلا کر پوچھا کہ بھائی اب بھی تم مجھ سے خفا ہو؟ وہ شخص رو پڑا اور کہا کہ میں نہ پہلے خفا تھا نہ اب ہوں صرف امتحان منظور تھا کہ دیکھوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خون آپ میں کس قدر ہے، ان کے اوصافِ حمیدہ سے کتنا حصہ ملا ہے؟ آپ نے فرمایا بحمد اللہ ہم پہاڑ ہیں، ایسے جھونکوں سے ہلنے والے نہیں۔

صبر کی تاثیر ہے کہ مخالف برائی کر کے آپ شرمندہ

ا (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بغیر اس کے معرفت و علم ناقص ہے اس لیے نجات نہیں ۱۲ منہ

ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید میں جابجا اس کی تاکید ہے ادفع بالتی ھی احسن الخ کہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کر کوئی گالی دے تو تو دعا دے۔

نفس بد کا مقابلہ اور پھر مقابلہ میں ثابت قدمی بھی صبر ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ رات کو گرم ہوکر سو رہو مگر یہ جواں مرد نہیں مانتا، نماز پڑھتا ہے، سردی گرمی کی برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح جملہ اخلاق میں نفسانی خواہش روکنے میں ثابت قدمی صبر ہے، اسی طرح صف جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ اور مقابلہ میں استقلال بھی صبر ہے۔ خدا کی راہ میں مشقتوں کی برداشت بھی صبر ہے۔ مصائب ارضی و سماوی پر استقلال بھی صبر ہے۔

انسان کی سعادت کے دو بازو ہیں جن سے وہ اُڑ سکتا ہے۔ اول درستی اعتقاد یعنی تکمیل قوتِ نظریہ۔ یہ دایاں بازو ہے اس کے لیے تواصوا بالحق استعمال ہوا دوسرا بایاں بازو نیک کام کرنا بُری باتوں سے پرہیز کرنا ہے، یعنی قوتِ عملیہ کی تکمیل، اس کے لیے تواصوا بالصبر استعمال ہوا۔ تمام حکمتِ نظریہ و عملیہ کا انہیں دو لفظوں میں خاتمہ کر دیا۔

اور یہ بھی ہے کہ اول انسان آپ کامل ہولے اس بات کی طرف اٰمنوا و عملوا الصلحٰت میں اشارہ کیا تھا اور آپ کامل ہوکر اوروں کی تکمیل کی بھی فکر کرے اور حکیم روحانی بن کر مریضانِ بنی آدم کا علاج کرے، یہ پورا کمال ہے اس لیے اس کے لیے تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر میں اشارہ فرمایا۔ حق پر قائم رہنے کی وصیت و تاکید گویا دوا پینے کا حکم ہے، اور تواصوا بالصبر میں اشارہ ہے پرہیز کا کیونکہ اگر مریض دوا پی کر مضر اشیاء سے پرہیز نہ کرے گا، کبھی فائدہ نہ اٹھائے گا۔

وصیّت کے معنی

تواصوا وصیت سے ہے یہ لفظ عرفِ شرع میں تقید و تاکید کے معنی میں بھی مستعمل ہوا کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا ووصینا الانسان بوالدیہ احسانًا[1] اور عرفِ عام میں وصیت اس بات کو کہتے ہیں جس پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہو یا کہو بوقتِ مرگ حکم دے، اس لیے اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ رمز ہے کہ مرتبہ ارشاد و تکمیل کا نفس فنا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ گویا یہ لوگ نفس کو مار کر جیتی زندگی میں مر گئے یا قریب بمرگ ہیں۔ اب جو کچھ کہتے ہیں گویا وصیت کرتے ہیں، اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ابتدائے سورت میں لفظِ عصر کی قسم کھائی تھی جو اخیر وقت ہے گویا ہر زندہ دل اپنی زندگانی پر بھروسہ نہ کر کے ہر وقت کو دمِ اخیر سمجھتا ہے، پس وہ جو کچھ فرماتا ہے گویا بوقتِ مرگ فرماتا ہے جس کی پابندی پچھلوں پر بہ لحاظِ محبت واجب ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اچھے لوگ بوقتِ مرگ دنیاوی جھگڑے چھوڑ کر اپنے مریدوں محبوں کے لیے حق پر قائم رہنے اور صبر کرنے کی وصیت کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے ووصّٰی بھا ابرٰھیم بنیہ ویعقوب یٰبنی ان اللّٰہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون ام کنتم شھداء اذ حضر[2]

---

[1] ہم نے انسان کو ماں باپ سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے ۱۲ منہ

[2] ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ دینِ حق خدا نے تمہارے لیے پسند کیا اب تم ایمان و اسلام ہی پر مرنا ۱۲ منہ

یعقوب الموت اذ قال لبنیہ الخ

سورۂ ہمزہ

مکیہ ہے اس میں نو آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ ○

خرابی ہے ہر ایک طعنہ زن آوازہ کش کی

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ○

اس کی کہ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن رکھا

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗٓ اَخْلَدَہٗ ○

سمجھتا ہے کہ میرا مال مجھے سدا رکھے گا

کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ○

یہ نہ ہوگا البتہ وہ تو حطمہ میں پھینکا جائے گا

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَۃُ ○

اور تو کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ○ الَّتِیْ

اور وہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے جو

تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ ○ اِنَّھَا

دلوں تک جا پہنچتی ہے وہ

عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَۃٌ ○ فِیْ

اس میں بند کیے جائیں گے بڑے

عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ○

بڑے ستونوں سے باندھ کر ⁂

ترکیب

ویل مبتدء وجاز الابتداء بالنکرۃ لکونہ دعاء علیهم لکلّ همزۃ لمزۃ ۔خبرہ۔ قرء الجمہور بضم اولهما وفتح المیم وقرئ بسکون المیم فیهما واصل الهمز الکسر والضرب و کذا اللمز یقال همزہ یهمزہ همزا ولمزہ یلمزہ لمزا۔ قال الرازی الهمزۃ الکسر قال تعالیٰ همّاز مشّاء واللمزۃ الطعن ولا تلمزوا انفسکم والمراد الکسر من اعراض الناس والغض منهم والطعن فیهم۔ همزۃ لمزۃ علی وزن فعلۃ وبناء فعلۃ لمبالغۃ الفاعل کالضحکۃ واللعنۃ ای کثیر الضحک وکثیر اللعن۔ واذا اسکنت العین یکون لمبالغۃ المفعول یقال رجل لعنۃ بسکون العین اذا کان ملعونا للناس یکثرون اللعن علیہ۔ الذی الخ بدل من کلّ او فی محل نصب علی الذم او تعلیل لماقبلہ عدّدہ قرء الجمہور بالتشدید و قرئ بالتخفیف ومعناہ حصاہ فهو ماخوذ من العدّ قال الزجاج عدّدہ لنوائب الدهر یقال اعددت الشئ و عددتہ اذا امسکتہ۔ یحسب الخ مستانفۃ لتقریر ما قبلها وقیل فی محل النصب علی الحال من فاعل جمع اخلد ماض معناہ المضارع ای یخلدہ والخلد بالضم البقاء کلّا ردع لینبذن الخ اللام جواب قسم محذوف حطمۃ علی وزن همزۃ مبالغۃ فی الحطم بمعنی الکسر تحطم و تکسر من القی فیها والحطمۃ من اسماء النار۔ فی عمد ممدّدۃ فی محل نصب علی الحال من الضمیر فی علیهم ای کائنین فی عمد ممدّدۃ موثقین فیها وقیل خبر مبتدء محذوف ای هم او صفۃ لمؤصدۃ قرء الجمہور عمد بفتح العین والمیم جمع عمود کادیم وادم وقال ابوعبیدۃ جمع عماد وقیل اسم جمع لعمود قال فی الصحاح العمود عمود البیت وجمع القلۃ اعمدۃ وجمع الکثرۃ عمد۔

۱ ع ۹ ۲۹

تفسیر

یہ سورت بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ اس کی نو آیات ہیں۔

وجہِ ربط

اس کی وجہِ ربط سورۂ عصر سے یہ ہے کہ سورۂ عصر میں بیان تھا کہ انسان خسارہ میں ہے، اب اس سورت میں انسان کے خسارہ میں پڑنے کے چند اسباب بیان فرمائے جاتے ہیں۔

واضح ہو کہ گناہ دو قسم کے ہیں۔

اول حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا. عبادت نہ کرنا زنا کرنا وغیرہ۔

دوم وہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں جیسا کہ کسی کا حق ادا نہ کرنا، یا تکلیف و ایذا بلاوجہ پہنچانا، آبرو ریزی کرنا، دل کو رنج پہنچانا خصوصًا خاصانِ خدا کی دل آزاری کرنا اور ان کی جو بندگانِ خدا کی اصلاح و تعلیم کے لیے اپنی جان اپنا مال اپنا آرام نذر کر چکے ہوں۔ یہ قسمِ دوم کے گناہ ایسے برے ہیں کہ بغیر اس کے کہ جس کو ایذا دی گئی ہے وہ معاف نہ کرے تو توبہ و استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے اور نیز ان افعالِ قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا ہے، فساد کا دروازہ کھلتا ہے، تمدن میں خلل واقع ہوتا ہے اور اس لیے قرآن مجید میں غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور اس کو زنا سے سخت بیان فرمایا ہے اسی طرح لوگوں پر طعن کرنا منہ چڑانا ان پر ٹھٹھا کرنا مضحکہ اڑانا، آواز اور ان کی صورت کی نقلیں کرنا یہ کمینہ اخلاق بڑے خسارہ کا باعث ہیں، ان سے دنیا میں بھی خسارہ ہے، عداوت پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کی عزت لوگوں کی نگاہ میں نہیں رہتی خود اسی کو بے ہودہ اور مسخرہ کہنے لگتے ہیں اور آخرت میں تو اس دل آزاری کی وجہ سے وہ آگ ہے جو تطلع علی الافئدۃ جو ان کے دلوں کو جلائے گی نعوذ باللہ منہا۔ اور یہ عیب جاہلوں بدبختوں میں زیادہ مروج ہوتا ہے اور لطف یہ کہ اس کو عیب نہیں بلکہ ہنر جانتے ہیں۔

مکہ کے قریش کافر اس بلا میں سخت مبتلا تھے، بالخصوص ولید بن مغیرہ و اخنس بن شریق و امیۃ بن خلف۔ یہ بدنصیب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے تھے اور غریب ایمان داروں کی نماز و عبادت کی نقلیں کر کے لوگوں کو ہنسایا کرتے اور نفرت دلایا کرتے تھے، اور اسی سبب سے بعض مفسرین نے انہیں کے ان افعالِ قبیحہ کو سببِ نزول قرار دیا ہے، مگر دراصل سببِ نزول وہی ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔

پس اس سورۂ مبارک میں بڑے پُر اثر الفاظ میں ان اخلاقِ رذیلہ کی برائی بیان فرمائی جاتی ہے جو باعثِ خسران ہیں فقال ویل لکل ھمزۃ لمزۃ کہ خرابی ہے ہر ایک بدگوئی کرنے والے عیب چین کی۔ اور وہ خرابی کیا ہے اس کو آخر میں بیان فرماتا ہے لینبذن فی الحطمۃ کہ وہ آگ میں ڈالا جائے گا الخ۔

ہُمزہ اور لُمزہ کی تحقیق

ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) ابو عبیدؒ کہتے ہیں دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والا۔

(۲) ابو العالیہ و حسن و مجاہد و عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ ھُمزہ اس کو کہتے ہیں جو روبرو بدگوئی کرے اور لُمزہ اس کو جو پیٹھ پیچھے برا کہے۔

(۳) قتادہ اس کے برعکس معنی بیان کرتے ہیں۔

(۴) قتادہ و مجاہد سے یہ بھی منقول ہے کہ ھُمزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے کہ فلاں کمینہ ہے، اس کی ماں

ایسی تھی، باپ ایسا تھا، اس کی قوم ایسی ہے وہ شریف نہیں وغیرہ۔ اور لُمزہ وہ ہے کہ ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ اعضا کے اشاروں سے کسی کی آبرو ریزی کرے جیسا کہ سفلوں کی عادت ہوتی ہے کہ آنکھ بھوؤں یا منہ بنانے سے کسی کی بے عزتی کرنے کے لیے اشارے کیا کرتے ہیں۔

(۵) ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ ہُمزہ وہ ہے جو زبان سے برائی کرے اور لُمزہ وہ جو افعال سے یعنی اعضاء کے اشاروں سے۔

ان سب اقوال کا مطلب ایک ہی ہے، یعنی طعن اور اظہارِ عیب کسی کی دل آزاری اور بے عزتی کرنا چغل خوری اور دو میں لڑائی کرا دینا اور ایک کی بات دوسرے سے کہہ کر رنج پیدا کر دینا اور نقلیں کرنا اور آوازہ کھینچنا اور قہقہے اڑانا اور آوازیں نکالنا سب اس میں آگئے۔

افسوس آج کل یہ کفار کی عادت مسلمانوں میں رواج پائی، ایسی کوئی مجلس نہ دیکھو گے کہ جس میں دوسرے پر طعن و تشنیع نہ ہو اور امیروں کے ہنسانے اور خوش کرنے کے لیے لُچوں شُہدوں نے اپنا وطیرہ کر لیا ہے۔ بلکہ وعظ و اسپیچ میں بھی ایک دوسرے پر آوازہ کستا ہے، الا ما شاء اللہ۔ اسی لیے صلحاء نے مخالطت و مجالستِ عامہ کو ترک کر دیا اور اب تو یہ خرافات لکھی بھی جاتی ہے، ایسے ایسے رسائل شائع ہوتے ہیں کہ جن میں ایک دوسرے پر لعن و طعن کرتا ہے، کوئی لفظِ نحیف اٹھا نہیں رکھتا، اور اخباروں میں تو روز مرہ یہی دیکھنے میں آتا ہے، اور "پنچ" اخبار تو اس کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں، ہائے ہائے اسلامیوں کے عادات و خصائلِ حمیدہ کہاں چلے گئے۔ بزرگانِ دین نے عمر بھر بھی کسی کی غیبت نہیں کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت میں مجھ سے غیبت کی بابت مواخذہ نہ ہوگا، میں نے کسی کی غیبت عمر بھر نہیں کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خرابی ہے اس کی کہ جو لوگوں کے ہنسانے کو جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔ خرابی ہے اس کی، خرابی ہے اس کی (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و الدارمی)

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ بتائیے آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند کر اور گھر میں بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (رواہ احمد والترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن نہ طعنہ باز ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا ہوتا ہے نہ فحش بکنے والا نہ بے حیائی کرنے والا (رواہ الترمذی) یعنی ایمان کی شان نہیں کہ وہ لوگوں کو برا کہا کرے فحش بکے گالیاں دیا کرے، ننگا لُچا بن جائے جو منہ میں آئے بک دیا کرے اور اس کو آزادگی سمجھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کیا ہے غیبت (بدگوئی)؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنی جو اس کو بری معلوم ہو، کسی نے عرض کیا کہ اگر در اصل اس میں وہ عیب ہو تو بھی غیبت ہے؟ فرمایا اگر عیب ہے اور تو نے بیان کیا تب ہی تو غیبت ہے ورنہ وہ تو بہتان ہے (رواہ مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اس کے عیب پر طعنہ زنی نہ کر خدا اس پر رحم کرے گا اور تجھے اسی بلا میں مبتلا کر دے گا (رواہ الترمذی)

یہ ہے تہذیب اخلاق جس سے لوگ آج بالکل بے خبر ہو رہے ہیں اور انگریزی روش کو تہذیب اخلاق سمجھ رہے ہیں۔

ہُمزہ اور لُمزہ فعلہ کے وزن پر ایک صیغہ ہے جو مبالغہ کے لیے عرب کی زبان میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ ضحکۃ۔ اسکو

کہتے ہیں جو بہت ہنسا کرے، اس صیغہ کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس بدبخت کی یہ عادت ہوگئی اور اکثر ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کرتا ہے۔

غالباً اس خبیث عادت کا سبب کبر و تعلّی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اس سے کہ جس کی بدگوئی کرتا ہے اچھا اور برتر سمجھتا ہے اور اس غرور و تعلی کے چند اسباب ہوتے ہیں حسن و جمال شرافتِ نسب و حسب، علم و ہنر اور سب سے بڑھ کر مال ہے، یہ وہ نشہ ہے کہ انسان کو اندھا ہی کر دیتا ہے اور افلاس میں تو سارے غرور خاک میں مل جایا کرتے ہیں اس لیے اب اس کے اس مایۂ ناز کی حقیقت کھولتا ہے۔

فقال الذی جمع مالا وعددہ کہ وہ جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ اس گن گن کے رکھنے میں اشارہ ہے کہ وہ مال اسباب خیر اور نیکی کی راہوں میں خرچ کرنے کے لیے جمع نہیں کرتا بلکہ دھر رکھنے کے لیے اور حوادث میں کام آنے کے لیے، اس سے معلوم ہوا کہ حرص اور حبِ مال اس کے دل پر غالب ہے اور یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یوں مال فی نفسہ برا نہیں نہ اس کا جمع کرنا بشرطیکہ جائز طریقوں سے حقوق بھی ادا کیے جائیں۔ زکوٰۃ، غربا کے ساتھ صلہ رحمی، دینی کاموں میں تائید کی جائے، برائی اسی قسم کے مال جمع کرنے کی ہے کہ جس کا ذکر ہوا۔

اور جس بخیل مال دار سے پوچھیے گا کہ یہ کس لیے جمع کیا ہے تو یہی کہے گا کہ وقت پر کام آئے گا اس بات کو رد کرتا ہے فقال یحسب ان مالہ اخلدہ کہ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا موت سے بچالے گا آسمانی مصائب کو ٹال دے گا تغیراتِ جسم کو روک دیگا۔ اگر یہ نہیں سمجھتا تو پھر یہ بخل یہ تکبر کس لیے۔ آخر ایک روز خاک میں مل جانا ہوگا سب سامان یہیں رہ جائے گا، اس لیے فرما دیا کلا کہ ہرگز ایسا نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے کس لیے کہ کسی مال دار نے اپنی موت کو نہیں ٹال دیا ہے کوئی بڑھاپے کی مصیبت سے نہیں بچا ہے۔ پھر جب دنیا میں ایسے موقعوں پر کام نہیں آیا تو آخرت میں کیا آئے گا؟ اس کا بھی جواب دیتا ہے۔

لینبذن فی الحطمۃ کہ آخرت میں آگ میں پھینکا جائیگا جو چورا چورا کر دینے والی ہے۔ یہ جملہ دراصل ویل کی تفسیر ہے۔

حطمہ کی خصوصیات

حطمہ بھی فعلہ کے وزن پر ہے حطم توڑنا۔ حطمہ بہت توڑنے والی، یہ جہنم کی آگ کی صفت بیان ہوئی جو اس کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے یہ بھی دنیا میں اپنی بداخلاقیوں سے لوگوں کے دل توڑا کرتا تھا۔ آگ کا تسلط اولاً صورت پر ہوتا ہے کہ جلنے کے بعد صورت بگڑ جاتی ہے، پھر گوشت و پوست پر نوبت پہنچتی ہے پھر ہڈیوں کو توڑتی ہے جہاں یہ مال کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔

اس قدر اوصاف میں دنیاوی آگ بھی شریک تھی، لیکن آتشِ الٰہی ان سے تاثیر میں بالاتر ہے اس لیے کسی قدر اس کے حالات ظاہر کرنے کے لیے بطریق سوال و جواب کے ذکر کرتا ہے تاکہ اس عالم کی آتش کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ فقال وما ادرٰک ما الحطمۃ کہ تو اے مخاطب کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ؟ یعنی اس کی شناخت حکماء و عقلاء کے فہم سے بالاتر ہے کس لیے کہ ان کے نزدیک تو یہی چند اقسام آتش کی ہیں ایک تو یہی معمولی آگ عنصری یا کوکبی جیسا کہ آفتاب اور بعض ستاروں کی حرارت یا بجلی کی حرارت۔ یا اجسام کی باہم مصادمت، اور حرکت کی حرارت یا مزاجی حرارت جیسا کہ حیوانات میں زیادہ محسوس ہے اور خصوصاً انسان میں بخار کے وقت زیادہ محسوس ہوتی ہے لیکن یہ آتش ان سب قسموں سے ایک جداگانہ حرارت ہے، پھر وہ کسی کی سمجھ میں کیونکر آسکتی ہے؟

آپ ہی بیان فرماتا ہے نار اللہ کہ وہ غضب الٰہی اور اس کے قہر کی آگ ہے۔ الموقدۃ روشن کی گئی اور دہکائی گئی ہے بندوں کے گناہوں کے ایندھن سے۔

اب اس کی ایک اور صفت بھی سنو التی تطلع علی الافئدۃ وہ یہ ہے کہ جو دلوں کو جھانکتی یا دلوں تک پہنچتی ہے یعنی اس کا ایک مخصوص صدمہ دل پر پہنچتا ہے کس لیے کہ دنیا میں لوگوں کے دلوں کو جلایا تھا، دنیاوی آگ اول جسم پر اثر کرتی ہے اس کے بعد جو جسم میں ہے وہاں تک پہنچتی ہے' برخلاف اس آتشِ قہرِ الٰہی کے کہ یہ اولاً دل پر پہنچتی ہے پھر جسم پر اثر کرتی ہے۔ اس میں عذابِ روحانی کی طرف اشارہ ہے جو جسمانی عذاب سے بدرجہا سخت تر ہے اور حکماء مرنے کے بعد اسی غم و الم کو جو افعالِ ناشائستہ پر ہوگا روحانی عذاب کہتے ہیں۔

دنیا میں اس آتش کے مشابہ بخار کی آتش ہے یا غم کی آتش ہے لیکن وہ دو وجہ سے کبھی ہلکی بھی ہو جاتی ہے اول سانس لینے سے کہ ٹھنڈا سانس باہر سے اندر جائے اور گرم باہر آئے' سو وہاں یہ بھی نہیں کس لیے کہ انہا علیہم مؤصدۃ وہ ان پر سرپوش کی طرح بند کی جائے گی' ہر طرف سے احاطہ کیے ہوگی' نہ اندر کا گرم سانس باہر نکلنے دے گی' نہ باہر سے سرد سانس اندر آنے دے گی یعنی گھونٹ دیے جائیں گے۔ اور کبھی تڑپنے یا باہر پھرنے سے بخارات گرم پسینے میں نکل کر کسی قدر کمی ہو جاتی ہے' باہر پھرنے سے کسی قدر غم غلط ہو جاتا ہے' اور اسی لیے غمگین اور عشاق کو جنگلوں اور دریاؤں اور باغوں کی سیر مفید ہوا کرتی ہے' سو وہاں یہ بھی نہ ہوگا کس لیے کہ فی عمد ممددۃ کہ وہ لوگ بڑے بڑے آتشیں ستونوں سے جکڑے ہوئے ہوں گے' ہل بھی نہ سکیں گے، نہ ان ستونوں کو اکھیڑ سکیں گے۔

لینبذن فی الحطمۃ کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے خصائلِ بد کے سبب انسان انجام کار طبیعتِ غالبہ کی آگ میں ڈالا جاتا ہے جو روحانی آگ ہے غموم و ہموم دائمی میں جلا کرتا ہے۔

اور مؤصدۃ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر طرف سے محیط ہوتی ہے' ابوابِ سرورِ ابدی بند کر دیے جاتے ہیں اور بہیمیت و سبعیت و شیطانیت اس پر غالب آجاتی ہے۔

اور عمد ممددۃ سے طبائعِ عنصریہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو آسمان تک بلند ہیں اور یہ ان کے سلاسل میں جکڑا ہوتا ہے۔

واللہ اعلم باسرار کلامہ

سورۃ فیل

مکیۃ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں

بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝١ اَلَمْ يَجْعَلْ

سے کیا کیا ان کا

كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝٢ وَّ

داؤ غلط نہیں کر دیا اور

اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝٣

ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دیے

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾

جو ان پر کنکریلی پتھریاں پھینک رہے تھے

ع ۱ ۵

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ﴿۵﴾

پھر تو ان کو آخور کی مانند بنادیا ؎

ترکیب

أ الهمزة للاستفهام التقريري لم تر اصله ترى حذفت الالف بالجازم والرؤية قلبية وانما عبر العلم بالرؤية ايماء الى هذه الواقعة بمنزلة المشاهد المحسوس وان مضت قبل ولادته صلى الله عليه وسلم بنحو شهرين ولكنها لتواترها كانت كالمحسوس المبصر۔ كيف فعل ربك الخ هذه الجملة سدت مسد مفعولى ترى وكيف منصوب على المصدرية او الحالية واختار الاول ابن هشام في المغنى والمعنى اى فعل فعل الم يجعل الاستفهام للتقرير كانه قال قد جعل كيدهم في تضليل والكيد ارادة المضرة بالغير بالخفية وارسل عطف على الم يجعل طيرا اسم جنس يذكر ويؤنث مفعول ارسل۔ ابابيل نعت لطير قيل جمع ابول بكسر الهمزة مثل عجول وقيل جمع ابيل كسكين وقيل جمع ابالة وقال الفراء لا واحد له من لفظه مثل الشماطيط والعباديد واصله من الابل قال ابو عبيدة ابابيل جماعة في تفرقة يقال جاءت الخيل ابابيل من ههنا وههنا اى اقاطيع يتبع بعضها بعضا كالابل المؤبلة ترميهم قرء الجمهور بالفوقية وقرئ بالتحتية والضمير في الحالين الى الطير لانه اسم جنس يذكر ويؤنث وقيل الضمير في القراءة الثانية لله عز وجل والجملة في محل نصب صفة اخرى لطير سجيل قال الزجاج مشتق من السجل اى مما كتب عليهم العذاب وقيل معرب من "سنگ گل" وهى حجارة من طين طبخت بالنار وقيل السجيل الشديد وقال عبد الرحمن بن ابزى من السماء وقيل من سجين ثم ابدلت النون۔

كعصف عصف برگ کشت قوله تعالى كعصف مأكول (صراح) وعصيفه وعصافه بمعناه۔

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے، اس کی پانچ آیات ہیں اور اس میں فیل کا اول ذکر ہے اس لیے اس کو سورۂ فیل کہتے ہیں۔

ربط اس کا سورۂ ہُمَزہ سے یہ ہے کہ اس سورت میں انسان کے چند اخلاقِ رذیلہ بیان فرما کر ان کی سزا اُخروی بھی بیان فرما دی تھی اس سورت میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے۔ بیشتر قریشِ مکہ میں اخلاقِ رذیلہ تھے جن سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچتی تھی اور ان منکرینِ قیامت کو عذابِ آخرت کی تو کچھ پروا نہ تھی اس لیے اب اس سورت میں ان کو ایک ایسے واقعۂ ہولناک کو یاد دلا کر جو ان کے سامنے گزرا ہے تنبیہ کی جاتی ہے کہ جب ہم نے خانہ کعبہ کے ڈھانے والے کی دنیا میں یہ سرکوبی کی حالانکہ وہ بڑا لشکر لے کر آیا تھا تو جو اس گھر کو شکستہ کرنا چاہے گا جو اللہ کا گھر ہے یعنی اہل اللہ کا دل تو وہ کیونکر ہمارے عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے، دنیا میں اس کی سرکوبی ہوگی جو یاد کرے گا چنانچہ چند مدت کے بعد ان بدبختوں پر طرح طرح کے مصائب آئے، قحطِ شدید میں مبتلا ہوئے، بدر میں قتل اور ذلیل و رسوا ہوئے، جس مکہ شہر کی یہ عزت ہے کہ اس پر حملہ کرنے والے کا سر توڑا گیا اور مکہ کی برکت سے۔ قریش اس آفت سے بچے جو ابرہہ اشرم ان پر لانے والا تھا تو پھر مکہ میں رہ کر اس کے ساتھ یہ بدسلوکی اور یہ ظلم و ستم وحشیانہ کہ جس کی برکت سے مکہ محفوظ رہا بڑی سزا کا مستوجب ہے۔

اصحابِ فیل کا واقعہ

اور یہ واقعہ جس سال گزرا ہے اسی سال میں ایک مہینہ پچیس روز کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، یہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے جس کو ارہاص کہتے ہیں۔

فرماتا ہے الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ وہ کون لوگ تھے؟ ابرہہ اشرم یمن کا بادشاہ حبشی، جو نجاشی شاہِ حبش کا نائب تھا اور اس کے لشکر والے، حبش والے۔ حبش میں بھی ہندستان کی طرح ہاتھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس بادشاہ کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔

مختصراً اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ یمن کے ملک میں جب وہاں کا بادشاہ ذو نواس قوم حمیر کا اخیر بادشاہ تھا یہودی ہوگیا اور بہت کو یہودی کر ڈالا اور اس نے اسی تعصب میں آکر نجران کے عیسائیوں کو جو اس وقت ٹھیک مذہب عیسوی پر تھے ناحق ظلم سے مارا۔ خندق کھدوا کر ان میں آگ جلائی اور ان مسکینوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالا جس کا ذکر سورۂ بروج میں ہے تو ان عیسائیوں میں سے کچھ لوگ جلی ہوئی انجیل لے کر قیصرِ روم کے پاس فریادی پہنچے کیونکہ وہ بھی عیسائی تھا اس نے نجاشی حبش کے بادشاہ کو جو اس کا تابع اور عیسائی تھا، مدد کرنے کو لکھا۔ نجاشی نے ابرہہ کو ایک لشکر دے کر یمن کو بھیجا، اس نے ذو نواس اور اس کی سلطنت کو برباد کیا، اور آپ یمن کا بادشاہ بن گیا۔ یہ بڑا بد ذات اور شہوت پرست اور کمینہ خصلت شخص تھا، اس نے کعبہ کی رونق گھٹانے کے لیے اپنے پایۂ سلطنت شہر صنعا میں ایک کنیسہ[1] بنایا اور اس کی بڑی تیاری کی اور عرب کے لوگوں کو حج کعبہ سے جو ان میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے عہد سے ایک عبادت کا دستور چلا آتا تھا روکا[2] اور طرح طرح کا تشدد کرنا شروع کیا اور حکم دیا کہ میرے کنیسہ کا حج کیا کریں، مگر لوگوں کے دل تو خدا کے ہاتھ میں ہیں مقبولیت اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ کون مانتا تھا، اس وجہ سے اس کو خانۂ کعبہ اور شہر مکہ اور وہاں کے لوگوں سے عداوت قلبی پیدا ہوگئی۔ مگر اس دبی ہوئی آگ کے ابھارنے کا یہ سبب ہوگیا کہ اس کنیسہ کے جاروب کش نے اس میں رات کو پاخانہ پھر کر اس کو جا بجا سے گندہ کر دیا اور بھاگ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ مکہ کا رہنے والا تھا، اس نے عداوت سے یہ کام کیا ہے۔ پھر چند روز کے بعد اس کنیسہ میں کسی سبب سے آگ لگ گئی اور جل کر خراب ہوگیا جس سے لوگوں کی نظروں میں اور بھی اس کی بے وقعتی ہوگئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے، اب تو اس کو غصہ آگیا اور ایک لشکر جرار لے کر جس میں ہاتھی بھی تھے اور بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا مکہ کی طرف کعبہ ڈھانے کے لیے چلا، اور دل میں یہ داؤ بھی تھا کہ صرف کعبہ کا ڈھانا مشہور کر دوں تاکہ لوگ نہ بھاگیں، ان کو امن کا اشتہار دے دیا تھا اور جب وہ اس کو ملیں تو زن و فرزند صغیر و کبیر سب کو قتل کر دوں۔ جب وہ مکہ کے پانچ چار کوس قریب آگیا، اور مکہ کے لوگ ڈر کر بھاگ گئے، صرف عبد المطلب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا رہ گئے تھے اور وادئ محسر[3] میں یا بقول ابن عباس صفاح میں ڈیرا کر دیا تو اس کے پاس عبد المطلب آئے اس نے ان کو تعظیم سے بٹھایا اور پوچھا کیا چاہتا ہے؟ عبد المطلب نے کہا میرے اونٹ تیرے لشکریوں نے پکڑ لیے ہیں وہ دلا دو، اس نے

[1] گرجا ۱۲ [2] جو کعبہ سے روکتا ہے دنیا میں مبتلائے مصائب ہوتا ہے ۱۲ منہ [3] یہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی ہے۔ یہ قول ابن حجر کا ہے ۱۲ منہ

تعجب سے کہا کہ اونٹوں کی فکر کی کعبہ کے لیے تو نے کچھ نہ کہا۔ عبدالمطلب نے کہا اونٹ میرے تھے مجھے ان کی فکر ہے۔ اور یہ تو اللہ کا گھر ہے جو سب پر غالب ہے اس کی وہ آپ تدبیر کرے گا۔ اور رستہ میں بھی بہت کچھ عربوں نے منت و زاری کی تھی کہ تو یہ نہ کر مگر ابرہہ کب مانتا تھا۔ آخر ڈھانے کا حکم دے دیا اور ہاتھیوں کو ڈھانے کے لیے آگے کیا۔ ہر چند فیل بان ہاتھیوں کو مارتے تھے مگر وہ آگے قدم نہ بڑھاتے تھے۔ اسی میں تھے کہ جدہ شہر کی طرف سے جو سمندر کے کنارہ پر ہے بڑے بڑے سبز جانور (بعض کہتے ہیں سیاہ تھے جو کبھی پہلے دیکھے نہ گئے نہ بعد میں) بڑی چونچ اور پنجوں والے پرے کے پرے نمودار ہوئے۔ ایک ٹکڑی کے بعد دوسری ٹکڑی آتی تھی۔ دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور ایک چونچ میں تھی جن کو وہ پھینکتے تھے۔ پھر اس لشکر میں سے جس پر وہ پڑتی تھی خواہ انسان خواہ حیوان سر سے نیچے تک نکل جاتی تھی انہوں نے سب کو غارت کر دیا اور قریش مکہ ادھر ادھر پہاڑوں میں چھپے ہوئے یہ واقعہ آنکھ سے دیکھ رہے تھے، چنانچہ بہت لوگ اس سورت کے نازل ہونے کے وقت اس واقعہ کے دیکھنے والے مکہ میں موجود تھے اور ان کنکریوں میں سے بعض کنکریاں بعض صحابہؓ کے پاس بھی تھیں۔

یہ بات کہ ابرہہ کے بعد یمن کا کون حاکم ہوا ہم تاریخ عرب میں بتلا دیں گے اور یمن عرب میں کس حصہ کا نام ہے اس کو جغرافیہ عرب میں دکھائیں گے۔

اس واقعہ کا جو قریش پر نعمت[1] اور عبرت خیز تھا، خدا پاک اس سورت میں ذکر فرماتا ہے الم یجعل کیدھم فی تضلیل کہ کیا اس نے ان کے داؤ کو غلط نہیں کر دیا؟ ضرور کر دیا جو انہوں نے چاہا تھا اور جو ان کے دلوں میں تھا، وہ حسرتیں ساتھ لے کر جہنم کو گئے یہ جملہ کیف فعل کی تفسیر ہے۔

پھر اور تفسیر کرتا ہے وارسل علیھم طیرا ابابیل اور ان پہ پرندے بھیجے جوق جوق۔

ابابیل کی تحقیق

لفظ ابابیل جمع ہے جس کے مفرد میں اختلاف ہے۔ کوئی ابابیل، کوئی ابول کوئی ابالہ کہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مفرد اس لفظ سے نہیں آیا اور اس کے معنی ہیں جوق جوق یا پرے کے پرے، مگر لفظ ابابیل سے یہ چھوٹا جانور جس کو اردو میں ابابیل کہتے ہیں سمجھ لینا بڑی غلطی ہے، یہ جانور سمندر میں سے اٹھے تھے اور عرب کے جانور تھے۔

پھر ان پرندوں نے جو کچھ کیا اس کو بیان فرماتا ہے ترمیھم بحجارۃ من سجیل ان پر پتھریاں پھینکتے تھے اور پتھریاں کاہے کی تھیں؟ پختہ

سجیل کی تحقیق

ف لفظ سجیل میں جو اس جگہ وارد ہے مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) بعض کہتے ہیں یہ سنگِ گل کا معرب ہے اور سنگِ گل وہ ہے جو پزاوہ میں پک کر مٹی پتھر بن جائے جس کو کھنگر یا جھانوہ کہتے ہیں۔

(۲) بعض کہتے ہیں اصل میں سجین تھا نون لام سے بدل گیا جس میں اشارہ ہے کہ وہ پتھریاں اور کنکر کچھ معمولی کنکر نہ تھے بلکہ عالمِ غیب میں سے اس طبقہ کے تھے کہ جہاں ارواحِ کفار کو عذاب دیا جاتا ہے ان کنکریوں کی یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں پار نکل جاتی تھیں پھر وہاں کی اور چیزوں میں کیا کچھ تاثیر نہ ہوگی معاذ اللہ۔

[1] اس لیے کہ قریش کی جان و مال و آبرو محفوظ رہی اور ان مُردوں کے مال ہاتھ لگے جس سے اہلِ مکہ مالدار ہو گئے اور اس مال سے تجارت کیا کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ قریش میں آتا ہے ۱۲ منہ

(۳) بعض کہتے ہیں سجل سے مشتق ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں یا لکھی ہوئی چیز یا دفتر کے جس میں اشارہ ہے کہ وہ کنکریاں ازل میں ان بدبختوں کے لیے لکھی ہوئی تھیں۔ اور یہ ان کے لیے غیب کے پروانے یا وارنٹ تھے، ہر کنکری پر بخطِ غیب جس کو اس جہان کے لوگ پڑھ نہیں سکتے لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں کے لیے ہے۔

پھر جب سیسہ کی گولی بارود کے زور سے انسان اور حیوان میں سے پار نکل جاتی ہے تو کیا عالمِ غیب کی گرمی جو قہرِ الٰہی کی بارود تھی اس کے زور سے ان کنکریوں کا اصحابِ فیل میں سے پار نکل جانا کوئی محال بات ہے؟ اس سے بھی بڑھ کر ہزاروں اس کی قدرت اور کمال کے کرشمے دیکھے جاتے ہیں اور پہلے دیکھے گئے اور آئندہ دیکھے جائیں گے۔ اوپر کوئی تو ایسی گرم بھٹی قدرت کی ہے کہ جس کی چنگاریاں کبھی کبھی زمین پر گرا کرتی ہے۔

مؤرخینِ حال نے بارہا ایسے واقعات نقل کیے ہیں کہ فلاں موضع میں اوپر سے ایک آتشیں گولہ پڑا جس کی ہیبت ناک آواز تھی اور گزوں زمین میں گھس گیا اور بہت کو جلا دیا، پھر ٹھنڈا ہونے کے بعد جو نکالا گیا تو ایسا سخت لوہا تھا کہ بمشکل گرم ہوتا تھا وغیر ذلک۔

اگر ہم ایسے ایسے واقعات یا ان سے بھی بڑھ کر حیرت ناک ان واقعات کی تفصیل لکھیں جو حال کے جرائد اور اخبارات میں درج ہیں تو ایک مجلد کتاب تیار ہو جائے، اور جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اور مؤرخوں نے چشم دید لکھے ہیں وہ بھی ملائے جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں، پھر ان سب کو غلط بتانا اور اسی دہریت اور سڑے گھسے تراشیدہ نیچر کے اصول پر واقعات کا انکار کرنا خلافِ بداہت ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قریشِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی تلاش میں تھے پھر اگر یہ واقعہ غلط ہوتا تو آپ اس کو انہیں اہلِ مکہ کے روبرو کہ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اور جس واقعہ کے دیکھنے والے بھی موجود ہیں بیان کرتے؟ ہرگز نہیں اور بیان کرنے سے آپ پر کیا کیا دروغ گوئی اور ابطالِ نبوت کے الزام قائم ہوتے۔ پھر جب ابوجہل اور ولید بن المغیرہ اور امیہ بن خلف جیسے معاندین نے بھی بجز تسلیم کے چارہ نہ دیکھا تو اب ان سے کوئی بڑھ کر منکر پیدا ہوگیا ہے جو انکار کرتا ہے، اور انکار بھی محض بے دلیل، اور دلیل بھی ہے تو یہ کہ نیچر کے خلاف ہے یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اس وجہ سے اس کی تاویل کرکے اور اس کو چیچک نکلنا بتلا دے، عقل مندی کی شان سے بعید ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کا انجام کار ان پرندوں کے سبب سے خدائے قہار و جبار نے کیا کیا؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے فقال فجعلھم کعصف ماکول کہ ان کو بھس یا آخور جیسا چورا چورا کر دیا۔ عصف گھاس یا اناج کے پیڑوں کے پتھے اور پتے جوار باجرہ گیہوں وغیرہ کے جب ان کو جانور کھاتا ہے تو پیچھے بچا ہوا آخور چورا چورا ہو جاتا ہے۔ یا ماکول باعتبار مایؤکل کے فرمایا کہ کھایا جائے گا کھانے کے لیے تیار ہے جس کو بھس کہتے ہیں یا حقیقت پر محمول ہے پھر اس کے دو معنی یا تو جو کھانے سے، بچا ہوا آخور یا جو کھا کر لید کر دیتے ہیں اور گدھے گھوڑے کی لید میں چورا چورا ہو کر نکلتا ہے اس کو بھی عصفِ ماکول کہہ سکتے ہیں ہر ایک تشبیہ درست ہو سکتی ہے۔

غرض اس تشبیہ سے یہ ہے کہ ان کنکریوں میں سمیت بھی ایسی تھی کہ لگتے ہی جسم میں جابجا آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم کر آتا تھا اور شکل بھی بدل جاتی تھی اور چورا چورا ہو جاتا تھا۔ شاید اس بات سے اس مؤول[1] نے اس واقعہ کو چیچک

[1] یعنی نیچری مفسر نے۔

نکلنے پر محمول کیا ہے، یہ اس کی غلط فہمی ہے، واقعہ ٹھیک یوں ہے کہ جس طرح ہم نے بیان کیا اور جو قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کنکریوں میں جو زہر اور قہر میں بجھی ہوئی تھیں یہ تاثیر تھی کہ جس پہ پڑتی تھیں اس کے بدن پر آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم ہو کر صورت بھی بگڑ جاتی تھی چنانچہ اسی بات کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں روی عن عکرمۃ عن ابن عباس قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منہم الا نفط جلدہ وثار بہ الجدری وھو قول سعید بن جبیر انتہٰی۔ خوش فہم مؤرخوں نے اسی بات کو اصحاب الفیل کی مصیبت سمجھ لیا کہ بس چیچک نکلی تھی اور پرندوں نے کنکریاں کچھ نہ پھینکی تھیں۔ چیچک نکلنے کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

ف اصحاب الفیل کہا ارباب الفیل نہ فرمایا۔ اس میں نکتہ ہے، وہ یہ کہ چیز کو اعلیٰ کی طرف لفظِ اصحاب سے منسوب کرتے ہیں اس لیے حضرتؐ کے دوستوں کو اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں نہ کہ آپؐ کو ان کا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان احمقوں پر بہیمیت غالب تھی اور ہاتھی کی طرح سیاہ باطن و سیاہ ظاہر تھے، ہاتھی سے بھی
کم تر عقل رکھتے تھے۔ ع ۱ ۳

ف فیل ہاتھی اس کی جمع افیال و فیلۃ ہے، جمع کا صیغہ اس لیے نہیں آیا کہ گو اس وقت ان کے پاس تیرہ ۱۳ ہاتھی تھے مگر بڑا ہاتھی محمود تھا جو کعبہ کی طرف نہیں جاتا تھا اس لیے اسی کا اعتبار کر کے مفرد لفظ آیا۔ اور نیز یہ اسم جنس بھی ہے سب کو شامل ہے، اور اس میں آیات کے فواصل کی بھی رعایت ہے۔

وللہ الحمد حمداً کثیراً

سورۃ قریش

مکیۃ ہے اس میں چار آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ اٖلٰفِهِمْ
قریش کے شوق کے لئے ان کو جو

رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾
سردی و گرمی کے سفر کا شوق ہے

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾
پھر تو اسی گھر کے رب کی عبادت کیا کریں

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ
جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور

اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾
ان کو خوف میں امن دیا۔

ترکیب

لہ چوں کہ ان کو سردی اور گرمی کے سفر کا شوق ہے سردی میں یمن کی طرف جاتے ہیں تجارت کے لیے اور گرمی میں شام کی طرف اس شوق اور محبت کو قائم رکھنے کے لیے اصحابِ فیل کو غارت کر دیا اور اس گھر کو یعنی کعبہ کو بچا لیا جس کے سبب یہ امن سے گرمی سردی میں سفر کرتے اور نفع اٹھاتے ہیں، پھر اس گھر کے مالک کو کیوں نہیں پوجتے ۱۲ منہ

لایلف قریش بما یتعلق اللام فیہ وجوہ (۱) انہا تتعلق بماقبلہا (۲) متعلقۃ بما بعدہا (۳) لایتعلق بشیٔ فہی لام التعجب کما فی قولہم لزید وماصنعنا بہ ای اعجبوا من شان زید ومعنی الآیۃ اعجبوا لایلاف قریش وہذا قول الاخفش والکسائی۔ علی الاول ہی تتعلق بجعل والتقدیر جعلہم کعصف ماکول لایلف قریش لبقاءہم ورحلتہم فی الاسفار۔ وہو قول الزجاج وابی عبیدۃ۔ او متعلقۃ بفعل ای فعل ربک باصحاب الفیل لایلف قریش ای کل مافعلنا باصحاب الفیل فقد فعلناہ بخاطر القریش او ہی بمعنی الی ویتعلق بفعل کانہ قال فعلنا کل مافعلنا فی السورۃ المتقدمۃ الی نعمۃ اخری علیہم وہی ایلفہم رحلۃ الشتاء والصیف تقول نعمۃ الی نعمۃ ہذا قول الفراء۔ وعلی القول الثانی ہی تتعلق بقول فلیعبدوا وہو قول الخلیل وسیبویہ والتقدیر فلیعبدوا رب ہذا البیت لایلف قریش ای لیجعلوا عبادتہم شکراً لہذہ النعمۃ ودخول فاء فی فلیعبدوا لایمنع ذلک وفی الایلف ثلثۃ اوجہ۔ احدہا ان الایلف بمعنی الالف یقال الفت الشیٔ وآلفتہ الفا لافا ایلافا۔ بمعنی واحد وقرء ابوجعفر لالف قریش بغیر الیاء۔ والآخرون لایلف بیاء۔ وقرء عکرمۃ لیلف قریش۔ والثانی یکون بمعنی اثبات الالفۃ بالتدبیر الذی فیہ لطف والمعنی ان ہذہ الالفۃ فی قریش انما حصلت بتدبیر اللہ تعالیٰ وہو انہ اہلک اصحاب الفیل فحصل المسرۃ وعند المسرۃ یقع الاتفاق والموانسۃ فالمصدر مضاف الی المفعول والثالث ان یکون الایلف بمعنی التہیئۃ والتجہیز وہو قول الفراء وابن الاعرابی والمعنی لتجہیز قریش رحلتہا فالمصدر مضاف الی الفاعل وقریش ہم بنو النضر بن کنانۃ بن خزیمۃ ابن مدرکۃ بن الیاس بن مضر۔ وقیل ان قریشاً بنو فہر بن مالک ابن النضر۔ وقریش منصرف ان ارید بہ الحی وغیر منصرف ان ارید بہ القبیلۃ۔ وہو تصغیر القرش۔ وفی القرش اقوال۔ قیل دابۃ فی البحر تعبث فی السفن ولاتنطلق الا بالنار وسمیت قریش بہا لشجاعتہم۔ وقیل انہ ماخوذ من القرش وہو الکسب لانہم کانوا کاسبین بتجاراتہم وضربہم فی البلاد وقیل کانوا متفرقین فجمعہم قصی بن کلاب فی الحرم حتی اتخذوہا مسکناً فسموا قریشاً، لان التقرش ہو التجمع۔ (من الکبیر)

ایلفہم تاکید لفظی وقیل بدل رحلۃ الشتاء منصوبۃ علی المفعولیۃ وقیل علی الظرفیۃ۔

مقامِ نزول اور وجہ تسمیہ یہ سورت بھی جمہور کے نزدیک مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابنِ عباسؓ کا بھی یہی قول ہے، مگر ضحاک و کلبی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن یہ وہم ہے اور قولِ اول صحیح ہے۔ اس میں قریش کا ذکر ہے اس لیے اس کو سورۂ قریش کہتے ہیں اور اس میں چار آیات ہیں۔

ربط ربط اس کا سورۂ فیل سے یہ ہے کہ سورۂ فیل میں قریش پر اپنی نعمت کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے اصحاب الفیل کو جو اس گھر کو ڈھانے آئے تھے، ان کو اس گھر کی برکت سے غارت کر دیا اور تم کو ان سے بچا لیا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا جو تمہاری گرمی اور سردی میں سرد اور گرم ملکوں میں تجارت کی طرف رغبت کا باعث ہوا۔ اب اس سورت میں بتلاتا ہے کہ تم پر ہمارا یہ انعام ہوا، اب تم کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کرو، نہ کہ جھوٹے معبودوں کی اور من جملہ عبادت کے یہ بھی ہے کہ جس کو اس گھر کے رب نے تمہاری اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اس کے کہنے پر عمل کرو اور اس کے یار و مددگار بن کر جس طرح دنیا کمانے کے لیے سفر کیا کرتے ہو دین پھیلانے کے لیے سفر کرو۔ اب یہ دوسری تجارت تمہیں بتلائی جاتی ہے۔

قبیلۂ قریش واضح ہو کہ قریش عرب کے اس قبیلہ کا نام ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ اسی قبیلہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں کیوں کہ آپؐ نضر بن کنانہ کی تیرھویں پشت میں ہیں۔ آپؐ کا نسب نامہ یہ ہے:-

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ پھر آگے چل کر یہ نسب نامہ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام سے جا ملتا ہے۔ یہ قبیلۂ قریش مکہ میں رہا کرتا تھا اور خانہ کعبہ کی خدمت اور زم زم کی حفاظت انہیں کے سپرد تھی۔ اس لیے تمام قبائل عرب ان کی عزت و حرمت کرتے تھے۔ اور جب یہ لوگ باہر جاتے تو خادم کعبہ سمجھ کر لوگ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے۔ پہلے یہ ملتِ ابراہیمیہ پر تھے مگر عرصہ سے ان میں بھی بت پرستی آگئی تھی اور جو تاریکی تمام عرب بلکہ اُس وقت دنیا پر چھائی ہوئی تھی ان پر بھی چھاگئی تھی۔ اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے مبعوث کیا اور آپ نے بت پرستی کی برائی بیان کرنی شروع کی تو یہی لوگ دشمن ہو گئے۔ ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ وغیرہ قریش کے سردار سخت دشمنی کرنے لگے مگر بعد میں قریش میں سے بہت سے لوگ ایمان لائے اور قریش میں سے بڑے بڑے نامور صحابہ ہوئے۔ چاروں خلفاء قریش میں ہی سے تھے، اور اسلام کے شائع کرنے میں قریش کی عادتِ سفر بڑی کارگر ہوئی، اس لیے چند روز میں اندلس سے چین تک اسلام پھیل گیا۔

قریش کی تحقیق

قریش تصغیر ہے قرش کی جس کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) یہ کہ قرش ایک سمندر کا سخت اور بہادر جانور ہے چونکہ قریش کا قبیلہ بھی بہادر تھا اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔

(۲) تقرش کے معنی ہیں جمع کرنے کے چونکہ قصی بن کلاب نے اس متفرق قوم کو مکہ میں جمع کیا تھا اس لیے انکو قریش کہتے تھے۔ اور جمعیت و اتفاق بھی ان میں بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ تھا۔

(۳) یہ کہ قرش کے معنی کسب کے بھی ہیں چوں کہ یہ لوگ تجارت سے کسب کرتے اور کما کر کھاتے تھے لوٹ مار کم کرتے تھے اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔

اسلام میں اس قبیلہ کی بسبب ان کی مساعی جمیلہ کے اور بسبب قرابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت ہے۔

تفسیر

فرماتا ہے لا[۱]یلٰف قریش کہ ہم نے یہ جو کچھ اصحاب فیل سے کیا قریش کے الفت دلانے کے لیے کیا کہ ان کو اس گھر کے رب کی الفت دلائیں تاکہ وہ اس کا یہ انعام و افضال خیال کر کے اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ یا یہ معنی ہیں کہ

[۱] لایلف کے تعلق میں دو قول ہیں۔

اول یہ کہ لام جملۂ گزشتہ کے کسی فعل فعلنا وغیرہ سے متعلق ہے۔ یعنی اصحاب فیل سے ہم نے جو کچھ کیا قریش کی الفتِ سفر کے لیے کیا جو گرمی و سردی میں سفر کا شوق رکھتے ہیں یعنی اصحابِ فیل کی ہلاکت قریش کی آزادی سفر کا باعث ہے، یہ اس کی نعمت ہے۔

دوسرا[۲] قول یہ کہ لام لیعبدوا سے متعلق ہے کہ قریش اپنے اس گرمی جاڑے کے شوقِ سفر ہی کے سبب جو خدا نے اصحابِ فیل کو غارت کر کے قائم رکھا اپنے اسی گھر کے مالک کی پوجا کریں۔ تیسرا[۳] قول ایک اور بھی ہے وہ یہ کہ لام تعجب کے لیے ہے جس کا با محاورہ ترجمہ یہ ہے "قریش کے شوقِ سفر کو تو دیکھو کیسا ہے اور یہ اس گھر کی برکت ہے جو امن سے سفر کرتے ہیں" الخ ۱۲ منہ

عجب ہے کہ قریش کی الفت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے تجارتِ یمن اور شام کے واسطے ہے' یعنی ان کو اس کی عجب الفت ہے حالانکہ یہ سردی میں یمن کو جانا جو گرم ملک ہے اور گرمی میں شام کو جانا جو سرد ملک ہے محض اسی گھر کی بدولت ہے جو اصحاب الفیل کے صدمہ سے بچائے گئے اور ان کا مال بھی ان کو ملا' پھر تو الفت ہے مگر جس کا یہ طفیل ہے یعنی کعبہ کا جس کی وجہ سے لوگ باہر تعظیم بھی کرتے ہیں اور دیتے بھی ہیں اس کی عبادت نہیں کرتے' نہ اس کے رسول کو مانتے ہیں۔

پھر اس الفتِ قریش کی تصریح کرتا ہے۔ فقال الٰفھم رحلۃ الشتاء والصیف ان کی رغبت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے ہے سردی میں گرم ملکوں اور گرمی میں سرد ملکوں میں تجارت کے لیے اور بادشاہوں اور امراء سے تحائف لینے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اسلام سے پہلے ہی قریش میں باہر کے ملکوں میں جانے اور سفر کرنے کا مادہ تیار کر رکھا تھا جو اسلام لانے کے بعد وہ اشاعتِ اسلام اور فتوحاتِ ملک میں بہت کام آیا۔

سفر اور تجارت کے فوائد

یہ تجربہ کی بات ہے کہ جو قومیں دور دراز سفر کرنے کی عادی ہوتی ہیں ان میں حوصلہ اور لیاقت بھی آجاتی ہے اور مالی ترقی بھی ہوتی ہے' ہر ایک قوم کے ملنے جلنے سے تبدلِ خیالات ہوتا ہے' اولوالعزمی پیدا ہو جاتی ہے خصوصاً تجارت کے ذریعہ سے۔ آج کل وہ قومیں جو پہلے خوار و ذلیل تھیں علوم و فنون کی مالک ہو گئیں' اور سلطنت ہاتھ آئی۔ صحابہؓ میں یہی اولوالعزمی تو تھی کہ لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور پہاڑوں اور جنگلوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے اُدھر مغرب میں بربر تک پہنچے' افریقہ کے بیابان کھنڈل ڈالے اور ادھر مشرق میں عراق و ایران و خراسان و ترکستان کو طے کرتے ہوئے چین تک بلند اقبالی کے پھریرے اُڑاتے ہوئے جا پہنچے۔ اس لایلف قریش میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

گو قریش کے ساتھ اور قومیں بھی شریک تھیں مگر اور قومیں قریش کے تابع تھیں' کس لیے کہ نبی علیہ السلام تھے تو اسی قوم کے اور پھر خلفاء تھے تو اسی قوم کے جن کے حکم سے وہ یہ فتوحات حاصل کر رہے تھے' اور اسلام نے قریش کے گھر میں جنم لیا تھا اس لیے غیرت و حمیتِ اسلامی اسلام لانے کے بعد ان میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی اور قریشی خون میں یہ تاثیر دی تھی کہ اسلام کی ہتک اور قومی ذلت دیکھ کر اس کو حرکت ہوتی تھی' اس لیے ائمہ بھی اسی قوم میں سے بنائے گئے اور قانون ہو گیا کہ اسی قوم کے ائمہ ہوں اور قربِ قیامت میں جو مخالفوں کے جھنڈے گرا دینے والا اور ان کی جمعیت کو زیر و زبر کر دینے والا امام مہدیؑ ظہور کرے گا وہ بھی قریشی ہی ہو گا۔

اب ان مکہ کے جاہل اور مخالفینِ اسلام قریش کو اپنی نعمت جتلا کر فرماتا ہے فلیعبدوا رب ھذا البیت کہ اور کچھ نہیں تو اسی گھر کے رب کی عبادت کریں' اسی بات کو ملحوظ رکھیں۔ بت پرستی چھوڑ دیں۔

پھر اور بھی توضیح کرتا ہے فقال الذی اطعمھم من جوع وآمنھم من خوف کہ اس کی بندگی کریں کہ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور کھلاتا ہے اور خوف میں امن دیا۔

مکہ کی سرزمین کھیتی کے قابل نہیں خشک پہاڑ یا ریگستان ہے جہاں کوئی سبز درخت بھی نظر نہیں آتا۔ نہ پانی کے چشمے نہ کوئی پیداوار ہے۔ پھر ان کے لیے روزی کے کیا کیا سامان کیے۔ خانہ کعبہ کی عزت و حرمت سے دور دراز کے لوگ حج کو آتے ہیں اور پہلے بھی ہمیشہ سے

آیا کرتے اور غلہ وغیرہ ہر قسم کی چیزیں لایا کرتے تھے اور نیز خود قریش کو بھی گرمی اور سردی میں سفر کرنے کا اور تجارت کے لیے جانے کا حوصلہ دیا جس کو ایلٰف قریش میں بیان فرمایا، پھر یہی تو بھوک میں کھانا دینا ہے۔

اور خوف میں امن دینا یہ ہے کہ عرب میں ہر جگہ مار دھاڑ تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے۔ برخلاف قریش کے کہ ان کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا محض کعبہ کی حرمت سے خصوصاً مکہ دارالامن تھا اور قیامت تک رہے گا۔ حرم مکہ میں جو اس ارد گرد کوسوں کی سرزمین ہے اگر اس جگہ کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو اس پر ہاتھ نہ اٹھاتا تھا، اور نیز اصحاب الفیل کی طرح جو کوئی یہاں چڑھ کر آیا غارت ہوا، یہی وجہ ہے کہ آج تک کبھی کوئی دشمن کعبہ پر آکر فتح یاب نہیں ہوا نہ کسی جبار بادشاہ کا آج تک وہاں تسلط ہوا، برخلاف اور معابد کے۔ بیت المقدس ہی کو دیکھیے کہ بار اس کے مخالف اس پر چڑھ کر آئے اور شہر کو منہدم کر گئے اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہا گئے۔ بخت نصر اور سیسق اور اینٹوکس اور رومی بادشاہوں نے کیا کیا آفتیں ڈھائیں، مسجد کو جلایا، اس کی گستاخی کی۔ تاریخ بیت المقدس دیکھنے سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

سوال خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مدینہ سے لشکر لے کر اس شہر پر چڑھ کر آئے اور فتح پائی اور امن عام زائل کر دیا، اور اسی طرح حجاج بن یوسف نے آگھیرا اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا۔ اور کئی بار ایسے واقعات پیش آئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ شہر مکہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے لیے نہیں آئے تھے، نہ ان کا مقصود یہ تھا بلکہ مجرموں کو سزا دینے آئے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ دراصل مجرم تھے جیسا کہ فتح مکہ کے وقت کفار تھے یا جیسا کہ بعد کے واقعات کے وقت۔ اور یوں تو اب بھی مکہ معظمہ میں مجرم سزا سے نہیں بچ سکتے۔ مکہ کو دارالامن اسی معنی سے کہتے ہیں جو ہم نے بیان کیے اور نیز آیت پر تو یہ شبہ وارد ہی نہیں ہو سکتا کس لیے کہ آیت میں قریش معاصرین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہے کہ تم کو بھوک میں کھانا کھلایا جس کی صداقت کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ قحط تھا، بھوکے مرتے تھے، ارزانی کی اور اصحاب الفیل کے وقت خوف تھا امن دیا۔

اس آیت میں کس لطف کے ساتھ مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کی خدائی باطل کی ہے کس لیے کہ کم سے کم انسان کی دو حاجت ہیں، بھوک میں کھانا اور امن سے رہنا، پھر جس معبود سے ان دونوں کا کچھ بھی انصرام نہیں ہوتا وہ کیا خدائی کر سکتا ہے مگر مشرکین اس کو بھی نہیں سمجھتے۔ یوں ہی تقلیداً غیر اللہ کی عبادت کیے چلے جاتے ہیں، ان کے ناموں کی دہائی دیا کرتے ہیں، مصائب میں انہیں پکارا کرتے ہیں۔

سورۃ ماعون

مکیہ ہے اس میں سات آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ؕ ۱

تو نے اس کو بھی دیکھا جو جزاء کا انکار کر رہا ہے

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ ۲

پھر یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے

ف۱ یعنی جب جزا و سزا کا قائل نہیں تو پھر ہر قسم کی بے رحمی اور سنگدلی کرتا ہے یتیم پر رحم کرنا مسکین کو کھانا کھلانا (باقی بر صفحہ آئندہ)

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ

اور فقیر کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دلاتا

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ

پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو

هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ

اپنی نماز سے بے خبر ہیں

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ وَ

وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور

يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۧ

برتنے کی چیزیں نہیں دیتے ۔

ترکیب

أ الہمزۃ للاستفہام لقصد التعجب رءیت والرؤیۃ بمعنی المعرفۃ فتعدی الی مفعول واحد وہو الذی الخ وقیل بمعنی اخبرنی فتعدی الی مفعولین والثانی محذوف ای من ہو فل لک الخ الفاء جواب الشرط والتقدیر ان تأملتہ فذالک ویجوز ان تکون عاطفۃ علی الذی یکذب اما عطف ذات علی ذات اوصفۃ علی صفۃ فعلی الاول ذٰلک مبتدء الذین یدع الخ خبرہ ولا یحض الخ عطف علیٰ یدع وعلی الثانی فی محل النصب عطفاً علی الموصول الذی ہو فی محل نصب یدع یدفع یعنف منہ قولہ یدعون الیٰ نار جہنم دعا فویل مبتدء للمصلین خبرہ والفاء لترتیب الدعاء علیہم بالویل الذین ہم بیان للمصلین و

کذا مابعدہ ویمنعون معطوف علی یراءون والماعون فاعول من المعن وہو الشئ القلیل یقال مال معن ای قلیل قالہ قطرب وقیل مفعول من عانہ یعینہ والاصل معوون فحذفت احدی الواوین کمقول. والماعون اسم لما یتعاورہ الناس بینہم من الدلو والفاس والقدر۔

مقامِ نزول اور وجہِ تسمیہ

یہ سورت بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ عطاء وجابر وابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ مگر قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نصفِ اول مکی ہے جو عاص بن وائل کی شان میں اور نصف مدنی ہے جو عبداللہ بن ابی منافقِ مدینہ کی شان میں نازل ہوئی لیکن قولِ اول قوی تر ہے۔

ع ۱
۳۲

اور ماعون برتنے کی چیزوں کو کہتے ہیں۔ اس میں ماعون کے منع کرنے والوں کی برائی ہے جو ادنیٰ مرتبہ احسان کا ہے اس لیے اس کو سورۂ ماعون کہتے ہیں۔ اس میں سات آیات ہیں

ربط

ربط اس کا سورۂ قریش سے یہ ہے کہ سورۂ قریش میں خدا تعالیٰ نے اپنے انعام یاد دلا کر قریش کو اپنی عبادت اور راستی کی طرف رغبت دلائی تھی اور اس سورت میں قریش کے وہ امراضِ روحانیہ بتلائے جاتے ہیں کہ جو مہلک ہیں اور خدا سے ملنے میں سدِ راہ ہیں۔

تفسیر

واضح ہو کہ یہ سورت تمام حکمتِ نظریہ اور عملیہ میں سے تہذیبِ اخلاق، سیاستِ مدن، تدبیر المنزل کا لُبِ لباب ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رحم دلی کی بات ہے اس کو بھی نہیں کرتا اور خدا کی طرف بھی نہیں جھکتا اس لیے غفلت اور دکھاوے کی نماز پڑھتا ہے اور یہاں تک دنی الطبع ہو جاتا ہے کہ معمولی برتنے کی چیزیں بھی مانگے نہیں دیتا ۱۲ منہ

کس لیے کہ سب سے اول بات حکمتِ نظریہ کی اعتقاد درست کرنا ہے۔ خصوصاً اس بات کا یقین کر لینا کہ انسان کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملتی ہے۔ مرنے کے بعد روح ایک دوسرے عالم میں جاتی ہے جہاں اس کو اپنے نیک و بد اعمال کا ثواب و عذاب دیکھنا پڑتا ہے۔ خدائے عادل انسان سے ضرور باز پرس کرتا ہے، اس کی مساعیٔ جمیلہ کا نیک بدلہ دیتا ہے یہی اعتقاد تمام حکمت کی جڑ ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں تو ہر قسم کی بدکاری دل کھول کر کرنے میں کوئی مانع نہیں، اور اعمالِ خیر کی مشقت اٹھانے اور مال صرف کرنے کا بھی کوئی محرک نہیں اس لیے سب سے اول دین یعنی جزا و سزا کی تصدیق ضرور ہے اور یہ سعادت کی سیڑھی کا اول درجہ ہے۔ اور جزا و سزا کا اعتقاد مع درستیٔ اعمال دینِ اسلام کا جزء ہے۔ اس لیے اگر دین سے مراد دینِ اسلام کی تصدیق لی جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اس لیے سب سے اول دین کے منکر کی تعجب کے صیغوں میں برائی بیان فرماتا ہے۔

فقال ارءیت الذی یکذب بالدین کہ اے پیغمبر علیک السلام یا اے مخاطب! تونے اس کو بھی دیکھا جو دین یعنی اعمال کی جزا و سزا کو یا دینِ اسلام کو جھٹلا رہا ہے، ایسے بھی لوگ ہیں۔ یہ تکذیب سے روکنے میں نہایت پُراثر الفاظ ہیں۔ یعنی ایسا نہ کرنا چاہیے بلکہ تصدیق کرنی چاہیے۔

حکمتِ نظریہ کے اصل الاصول سے فارغ ہو کر حکمتِ عملیہ کے اصول کی طرف توجہ کرتا ہے۔ حکمتِ عملیہ میں سب سے پہلی بات تہذیب اخلاق ہے اور تہذیبِ اخلاق میں دو ہی جزء ہیں۔

اول دفعِ شر بالخصوص یتیم یعنی نابالغ بچے سے برائی نہ کرنا کہ جس کا سرتاج اور سر کا سایہ مشفق باپ اُٹھ گیا ہے۔ اگر خیر اور بھلائی نہ پہنچا سکے تو سختی اور کوئی دل آزاری بھی تو نہ کرے، چونکہ دفعِ شر طلبِ منفعت سے مقدم ہے اس لیے اس کو مقدم کیا اور فرمایا فذٰلک الذی یدع الیتیم کہ جزا کا جھٹلانے والا ہی سنگدل یتیم کو دھکے دیتا اور جھڑکتا ہے کس لیے کہ جانتا ہے کہ مرکر کسی فعل کی سزا اور کسی عمدہ کام کی جزا تو ملنی نہیں۔ اس شنیع فعل کو تکذیبِ دین کی علامت کر دیا جس میں ایسی ناپاک خصلت ہے گویا اس کو دین کی تصدیق نہیں کس لیے کہ تصدیق و تکذیب ایک ذہنی چیز ہے، بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔ اب اس کی علامت بیان فرمادی کہ وہ مکذب ہے جو ایسے افعال کرتا ہے، درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔

دوسرا مرتبہ تہذیبِ اخلاق کا یہ ہے کہ بندگانِ خدا پر رحم کرے، اور جو خود سلوک کرنے کی قدرت نہ ہو تو ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اوروں کو ہی ترغیب دلائے پھر جس میں یہ ادنیٰ مرتبہ بھی نہیں وہ تہذیبِ اخلاق سے محروم ہے، اس لیے اس کے بعد اس کو بیان فرماتا ہے و لایحض علیٰ طعام المسکین کہ فقیروں محتاجوں کو خود کھانا دینا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا یعنی اس کی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ یہ تکذیب کی دوسری علامت ہے، کس لیے کہ جب سزا کا معتقد نہ ہوا تو برے کاموں سے کیوں باز آنے لگا، اور جب جزائے خیر ملنے کا معتقد نہیں تو نیک کام کیوں کرنے لگا۔

یہ تہذیب اخلاق وہ تھی کہ جس کا تعلق لوگوں سے تھا، اس لیے اس کو تدبیر المنزل کا بھی مسئلہ کہا جاتا ہے اور سیاستِ مدن کا بھی، کس لیے کہ جب لوگوں پر ظلم سے باز نہ آیا اور درماندوں کے ساتھ نیک سلوک نہ کیا تو اس سے معاشرت اور تمدن میں بڑا خلل واقع ہوتا ہے۔ اور اگر بغور دیکھیے تو تمدن اور معاشرت میں جو کچھ رنجشیں اور باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے انہیں دو باتوں سے ہوتی ہے۔ جس جھگڑے اور قضیے کی اصل دریافت کرو گے تو

بھی دو باتیں نکلیں گی، یا تو تعدی اور زیادتی ہوگی، خواہ زبان سے سخت کلامی بد خلقی غیبت گالی گلوچ ہجو و توہین یا ہاتھ پاؤں سے، دوسرے کے مال یا آبرو پر حملہ ہوگا، خواہ سرقہ کے طور پر یا علانیہ غصب ہوگا اور کوئی چالاکی۔ الغرض کوئی نہ کوئی تعدی وظلم مخاصمت کی بنیاد ہوگی۔ یا اپنی خوبی و منافع کا بند کرنا ہوگا۔ حق داروں کو نہ دینا۔ بیوی بچوں کو ترسانا۔ ہمسایوں دوستوں کو محروم رکھنا خواہ مال سے خواہ کلمۃ الخیر سے خواہ کسی اور مفید کوشش سے، پھر یہی اسباب باہمی رنج اور حسد و بغض و کینہ و عداوت کے باعث ہو جاتے ہیں اور جہاں یہ دونوں نہیں یہ فساد بھی نہ ہوں گے۔

دوسری قسم کی تہذیبِ اخلاق اور بھی ہے جو اس قسمِ اول کے بعد ضروری ہے، وہ کیا؟ اپنے مالک و خالق کے ساتھ رابطہ اور اخلاص و نیاز پیدا کرنا، یہ تہذیبِ نفس ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے۔ یہ خاص حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کا ہے اور اس لیے اس کو حکمتِ نوامیسیہ کہتے ہیں۔ یہ وہ فن ہے کہ جس سے روح میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی روح عالمِ قدس کی طرف اس طرح دوڑتی اور اڑ کر جاتی ہے کہ جس طرح اوپر سے ڈھیلا نیچے اپنے حیزِ طبعی کی طرف میل کرتا ہے اور اس فن کی طرف فقراء اہلِ کمال کو بڑی رغبت ہوتی ہے، اور جس کو اس کی لذت نصیب ہو جاتی ہے پھر وہ دوسرے شغلوں میں مشغول ہونا ایک جبر سمجھتا ہے۔ اسی کے لیے مرتاضین جنگلوں پہاڑوں میں گوشہ نشینی کرتے ہیں اور کیا کیا محنتیں اٹھاتے ہیں مگر بغیر مرشدِ کامل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچتے۔ اس کو تزکیۂ نفس بھی کہتے ہیں۔

اب اس کے دو اصول ارشاد فرماتا ہے۔ اول فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون کہ خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔

فضائلِ نماز

نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں جسم اور روح دونوں شریک ہیں، اور یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر بحضورِ قلب اور مع شرائط ہو تو روح کو ایسا جلد روشن کرتی ہے کہ پھر بندہ کو خود بخود معاصی اور ہر قسم کی بدکاری سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں آیا ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر پھر ایسے بدبخت جو نماز سے بے خبر ہیں افعالِ ذمیمہ مذکورِ بالا سے کس طرح باز آ سکتے ہیں کس لیے کہ ان میں ملکیت کا تقاضا جا کر بہیمیت و شیطانیت کا تقاضا غالب آ جاتا ہے۔ اس جملہ میں نہ صرف نماز ادا کرنے کی تاکید ہے بلکہ ہمہ تن متوجہ ہونے کا بھی حکم ہے کس لیے کہ دکھلاوے اور غفلت کی رسمی نماز نماز نہیں۔ ایسا نمازی در اصل نماز سے بے خبر ہے۔ یہ تزکیۂ نفس کا اول رکن ہے جو اسلام میں پنج گانہ فرض ہے۔

ف "نماز سے سہو" جیسا کہ آیت میں ہے اور "نماز میں سہو" فرق رکھتا ہے۔

اول کے معنی ہیں نماز میں سستی کرنا یا بالکل ترک کرنا۔ اور شرائط سے وقت پر نہ پڑھنا، حضورِ دل سے ادا نہ کرنا جیسا کہ مدینہ کے منافق کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے حق میں فرمایا واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراءون الناس (کہ جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو یاد نہیں کرتے)۔

"نماز میں سہو" اس کی کسی چیز کو بھول جانا، پھر یہ کبھی استغراقِ کلی سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں بھول گئے اور بیچ کا قعدہ کیے بغیر دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے اور پھر آخر میں

سجدۂ سہو کیا۔ اور اکثر اولیاء کرام کو بھی پیش آیا ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے بھی پیش آتا ہے، مگر اس کا تدارک شرع میں سجدۂ سہو سے کر دیا گیا ہے۔

بہرطور "نماز میں سہو" منافقین کی شان نہیں پیدا کرتا اور یوں انسان کو بھول چوک لگی ہوئی ہے مگر "نماز سے سہو" سخت بات ہے۔

ف مکہ معظمہ میں جب کہ یہ سورت نازل ہوئی تھی مسلمانوں میں نماز شروع ہو گئی تھی جس پر کفار قریش مسلمانوں سے تمسخر کیا کرتے تھے اور یہی ان کا نماز سے اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہونا تھا۔ پھر اس لیے کہ نماز سے غفلت مدینہ کے منافق کرتے تھے اس سورت کے نصف کا نزول مدینہ میں قرار دینا بے کار تاویل ہے۔

اب تزکیۂ نفس کا دوسرا اصل الاصول بیان فرماتا ہے الذین ھم یراءون کہ خرابی ہے ان کی جو کوئی نیکی بھی کرتے ہیں تو لوگوں کے دکھانے اور نمود کے لیے کرتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ خلوص نیت اور توجہ الی اللہ ہر کام کے لیے ہونی چاہیے۔

خلوص کے فضائل

ہر ایک نیک کام جس کی بنیاد خلوص پر ہوگی اس کا نیک ثمرہ دنیا و آخرت میں ہوگا ورنہ برباد ہو جائے گا۔ خلوص عجیب چیز ہے تمام حسنات کی بنیاد یہی ہے اور جو کام خلوص سے ہوتا ہے روح میں اس سے نورانیت حاصل ہوتی ہے، مرنے کے بعد رفع درجات کا باعث ہوتا ہے، یہ ریاکاری کہ جس کی مذمت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کے فقیہوں کے سامنے بیان فرمائی ایک روحانی مرض ہے، اور برا ہی مرض ہے۔ اگر کوئی ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہو تو فوراً کہہ سکتا ہے کہ رات بھر پیر و مرشد اور ولی اور بزرگ کہلانے کے لیے جاگنا، روزے رکھنا، مال خرچ کرنا، دنیا کی آسائش جائز چھوڑ کر زاہد بننا زاہدوں کا لباس پہننا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھانا، مال نمود کے لیے صرف کرنا ایک لغو حرکت ہے۔ آخرت میں تو کچھ ثواب نہیں اس بات پر تو اس ریاکار کا دل بھی جو خلوص سے خالی ہے فتویٰ دیتا ہے۔

اب رہی دنیا کی نیک نامی سو ایسا کون ہے جس کو سب نے مان لیا ہو، پھر بھی ہزاروں برا کہنے والے ہوتے ہی ہیں، اور جو کسی نے دھوکہ کھا کر اچھا بھی جانا تو اس کو کیا ملا، صرف یہی بات کہ نفس خبیث خوش ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی جب کہ یہ جھوٹا ملمع اتر جاتا ہے تو اتنا ہی رنج بھی ہوتا ہے، اور سنت اللہ جاری ہے کہ وہ جھوٹے ملمع کو زائل ہی کر دیتا ہے، بہت سے ریاکاروں کی چند روز چمک ظاہر ہوئی مگر تھوڑے ہی دنوں بعد نیست و نابود بھی ہو گئے نام رہا نہ نشان، قبروں پر گدھے کھڑے ہگتے ہیں۔ اور جو خلوص قلبی سے حسنات کرتے ہیں نہ ان کو کسی کے اچھا کہنے کی پروا، نہ برا کہنے کی پروا، اور وہ سات پردوں میں بھی اپنے آپ کو چھپاتے ہیں مگر خدا پاک ان کو دنیا میں قبولیت عامہ عطا کرتا ہے۔ بنی آدم کے دلوں میں میلان و محبت پھونک دیتا ہے۔ وہ دنیا میں عرصہ دراز تک نیک نامی سے یاد کیے جاتے ہیں۔ بات یہ ہو کہ ع

نمے گنجد اندر خدائی خودی

جو خدائے جبار و جلیل کی بقاء و کبریائی کا حصہ لینا چاہتا ہے تو غیرت الٰہی اس کو مٹا ڈالتی ہے، جن کی بقاء اپنی ہستی مٹانے کے بعد ہوئی ہے وہ اسی کی بقاء سے ہمیشہ باقی رہا کرتے ہیں۔ ریاکار نماز میں خدا کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ انہیں کو کرتے ہیں جن کو یہ سجدہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہائے ہائے ان کا معبود اصلی اہل دنیا اور دنیا ہوتی ہے۔ اور اسی طرح جو لوگ شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی دنیاوی کام کرتے ہیں اور فضول خرچی میں برباد ہو جاتے ہیں آخر ان کی شہرت بھی خاک میں مل جاتی ہے۔ دو دن کے بعد اس کی فضول خرچی کا

تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔

الغرض شہرت اور نمود نہایت بے کار چیز ہے جس سے کوئی فائدہ دینی و دنیاوی نہیں، اور اس کی طلب امراض نفسانیہ میں سے بڑا سخت اور مہلک مرض ہے۔ اس مرض اور جملہ امراضِ روحانیہ سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو شفا بخشی تھی اور اس نجاست سے پاک کر دیا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے ویزکیھم۔

اب ایک تیسرا اصل الاصول اور بیان فرماتا ہے فقال ویمنعون الماعون کہ وہ جو ماعون کو منع کرتے ہیں ان کی خرابی ہے۔ یہ وہ بات ہے جو نظرِ توحیدی سے محجوب ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

ماعون کے معنی میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) ابوبکرؓ و علیؓ و ابن عباسؓ و ابن الحنفیۃ و ابن عمر و حسن و سعید بن جبیر و عکرمہ و قتادہ و ضحاک کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے کس لیے کہ بندگی جو تہذیبِ نفس اور تنویرِ روح کا سبب ہے اس کی دو قسم ہیں اوّل جانی، سو وہ نماز ہے۔ دوّم مالی، وہ زکوٰۃ ہے اس لیے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر آیا۔

(۲) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ماعون وہ چیز ہے کہ جس کو عادۃً مانگنے پر روکا نہیں جاتا۔ اور جس کو امیر و فقیر دونوں بوقتِ ضرورت مانگ لیا کرتے ہیں، اور جو اس کو نہ دے وہ بدخلق اور لئیم الطبع اور دون ہمت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کُدال، پھاوڑہ، ڈول، رسی، چھلنی، نمک، آگ، پانی، ہانڈی وغیرہ استعمال کی چیزیں۔

اور ماعون فاعول کے وزن پر معن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی حقیر چیز جیسا کہ برتنے کی چیزیں۔ اور زکوٰۃ کو بھی اسی لیے ماعون کہا جا سکتا ہے کہ وہ کل مال کا چالیسواں حصہ ہے جو کل کی نسبت بہت ہی تھوڑا ہے۔

بخل اور دنارت کی ممانعت کرنا مقصود ہے جو بندے اور خالق میں حجاب اکبر ہے اور اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے گھر میں ایسی چیزیں رہیں جو ہمسایہ کے کام آئیں۔ اور سرّ اس کا یہ ہے کہ ایک دل میں دو محبت جمع نہیں ہو سکتیں، پھر جن پر تجلی انوارِ الٰہی ہے وہ اسی کو سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں کما قال والذین اٰمنوا اشدّ حبّاً للّٰہ پھر یہ محبت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی مخلوق کو بھی نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے اور اپنے آقا کے گھر کے آدمی یعنی غلام سمجھا کرتا ہے خواہ کوئی نمک حرام اور نافرمان ہی غلام کیوں نہ ہو مگر اس کی حاجت روائی اور کاربرآری بھی یہ اسی محبت سے عمدہ جانتا ہے، اس لیے اپنی جان سے مال سے دریغ نہیں کرتا، حاجت مندوں کے لیے یہ وقف ہوتا ہے۔ اور جس کو اس کی محبت نہیں تو اس کے دل میں دنیا کی محبت بھر جاتی ہے دنیا کے اسبابِ معاش اس کے دل میں جگہ پائے ہوتے ہیں، اس لیے وہ اپنی محبوب چیز کو کسی کو دینا اور اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا اور اسی کو بخل کہتے ہیں، اور یہ حالت بندے اور خدا تعالیٰ میں ایک بڑا پردہ ہے۔

یہ حالت سخت ظلمت کی ہے جو مرنے کے بعد جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور مرتے وقت ہر ہر شئے کی محبت اس کی جان کو عذاب الیم ہوگی اور اس لیے بخیل مرنے سے بہت ڈرتا ہے اس کی روح اس عالم کی طرف جانے کا نام سن کر لرزتی ہے کس لیے کہ وہ تو اسی خسیس جہان پر فریفتہ ہے، اول تو دوسرے جہان کا یقین نہیں کس لیے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، کان بہرے ہیں، دیوار حائل ہے اور جو یقین بھی ہو تو وہاں کا چور ہے جاتے ہوئے ڈرتا ہے۔ اس جملہ ویمنعون الماعون میں بخل کی برائی بیان ہے جو تزکیۂ نفس کے لیے ضروری بات ہے اسی لیے بخیل کو کبھی خدا تعالیٰ کا قرب میسر نہیں آتا ہے

بخیل ار بود زاہد بحر و بر
بہشتی نباشد بہ حکم خبر

سبحان اللہ کس عمدہ پیرایہ میں مکارم اخلاق کی تعلیم کی گئی ہے اور حکمت کے فنون سکھائے گئے ہیں اس قدر مختصر کلام میں یہ مضامین اور پھر الفاظ کی فصاحت کلام کی بلاغت بڑا اعجاز ہے۔

ع ۳ ۱ ۳۳ **ف** سورت کے الفاظ میں کسی شخص کا ذکر نہیں بلکہ عموماً طبائع انسانیہ کے رذائل بتلائے گئے ہیں جو اس کو خسارہ میں ڈالنے والے ہیں، خواہ وہ ابوجہل میں ہوں، خواہ ابولہب میں، خواہ امیہ بن خلف میں یا عاص بن وائل میں یا مدینہ کے منافق عبداللہ بن ابی میں، اور دراصل ان لوگوں میں یہ رذائل موجود تھے۔ یتیم کے جھڑکنے کی بابت ابوجہل کا ایک قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فریبی جب کوئی دولت مند مکہ میں مرنے کو ہوتا تو اس کے پاس جاکر کہتا کہ اپنا میرے سپرد کر دے ورنہ تیرے بال بچے بعد میں اور وارثوں کے سبب تباہ ہو جائیں گے، اس لیے وہ اس کو دے دیا کرتا تھا، پھر یہ اس کے یتیم بچوں کو صاف جواب دے دیتا تھا اور جھڑک کر نکال دیتا تھا۔ چناں چہ ایک یتیم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ میری طرف سے چل کر فرمائیے۔ آپ تشریف لے گئے، اس پر ابوجہل اور بھی برافروختہ ہوگیا اور یتیم کو مارنے کو اٹھا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا۔ اس کے بعد یہ سورت نازل ہوئی جس میں ان قبائح کی برائی ہے۔

سورہ کوثر

مکہ میں نازل ہوئی اس کی تین آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ ﴿۱﴾
اے پیغمبر ہم نے تمہیں بہت کچھ دیا ہے

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡؕ ﴿۲﴾
پھر اسی کی نماز پڑھو اور قربانی کرو

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾ ع
تمہارا بدخواہ ہی بس بریدہ ہے۔

ترکیب

انّا مبتدا، اعطینٰک[لہ] خبر والکاف مفعول اول لاعطینا الکوثر مفعول ثان، والکوثر علی وزن فوعل من الکثرة وصف بہ للمبالغة فی الکثرة مثل النوفل من النفل والجوہر من الجہر والعرب تسمی کل شئ کثیر فی القدر والعدد والبرکات کوثرا۔ فصلّ الفاء لترتیب ما بعدہا علی ما قبلہا او للتفریع صلّ امر لربّک متعلق بصل وانحر عطف علی صل ان اسمہا شانئک اسم الفاعل من الشنأن لا من الشین فان اسم الفاعل منہ شائن لا شان والشانئ المبغض العدو ھو فصل او تاکید الابتر خبران وقیل ھو مبتدء والابتر خبرہ والجملة خبر ان الابتر افعل من البتر بمعنی القطع من الاصل۔ یقال بترتہ ابترہ بترا والابتر من الرجال من لاعقب لہ من النسل وذکر الخیر ومن الدواب ما لا ذنب لہ۔

لہ وقرء طلحة والزعفرانی وانس وابن محیص انطیناک بالنون وہی بمعنی قضیناک فی لغة العرب العاربة ۱۲ منہ

تفسیر

یہ سورت اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی، ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ و عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل اور کلبی اسی کو ترجیح دیتے ہیں مگر قتادہ اور مجاہد و عکرمہ و حسن بصری کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی، اول قول جمہور کا ہے اور قوی تر ہے، اس میں تین آیات ہیں۔

ربط ربط اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ ماعون سے یہ ہے کہ سورۂ ماعون میں حکمت کے جمیع اقسام بیان ہوئے تھے اور یہ بھی ضمناً بتلایا گیا تھا کہ ایسے بھی محروم اور بدبخت بنی آدم ہیں کہ جن کو اس حکمت میں سے کچھ بھی نصیب نہیں یا بعض اقسام نصیب نہیں وہ دنیا میں آئے اور خالی ہاتھ چلے گئے نہ وہاں کے لیے کچھ خیر لے گئے نہ دنیا میں زندہ نام اور یادگار چھوڑ گئے۔ یہ لوگ در اصل ابتر یعنی بے نسل اور دُم بریدہ ہیں جس سے کفارِ مکہ کی طرف بھی اشارہ تھا کہ جن پر ازلی بدبختی سوار تھی ابوجہل وغیرہ۔

اب اس سورت میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایسے بھی خوش نصیب ہیں کہ جن کو جمیع اقسام کی حکمت عطا ہوئی اور ان کے سینوں سے اوروں کے لیے حکمت کی نہریں نکلی ہوئیں تاقیامت یادگار باقی رہیں گی اور ان کا دل حکمت کا حوض یا دریائے بے پایاں ہے اور در اصل حکمت ہی خیرِ کثیر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔

اس میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ بانصیب لے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں آپ اور آپ کے جانشین اور متبعین ہیں۔ اس لیے اس سورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان جملہ فنونِ حکمت سے فیض یاب ہونا بیان فرماتا ہے، اور یہ بھی کہ یہ آپؐ کا فیض تاقیامت جاری رہے گا جس سے بنی آدم کے نیک لوگ آپؐ کو ہمیشہ نیکی سے یاد کیا کریں گے، واعظین اپنے منبروں پر اور مصنفین اپنی کتابوں میں ابد تک آپؐ کی ثناء وصفت کریں گے اور آپؐ کی ذریت دنیا میں پھیل گئی اور کبھی منقطع نہ ہوگی اور ان احمقوں کے نزدیک جو سلسلہ جاری رہنے کا باعث خاص صلبی بیٹوں پر منحصر ہے اور تیرے دو صلبی بیٹوں[1] کے فوت ہو جانے سے جو خدیجۃ الکبریٰؓ کے پیٹ سے تھے اور مکہ میں فوت ہو گئے تھے ان کا خوش ہو کر یہ کہنا کہ چلو سلسلہ منقطع ہوا ان کے بعد کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہے گا، اب یہ ابتر ہو گئے محض بے ہودہ خیال ہے۔ در اصل یہی ابتر یعنی مقطوع السلسلہ ہیں، ان کے پیشاب کے بیٹے ان کا نام زندہ رہنے کا باعث نہیں ہو سکتے۔

بعض مفسرین نے خاص اسی بات کو کہ آپؐ کے فرزند کے مرنے کے بعد کفارِ قریش نے آپؐ کو ابتر کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ آپؐ کے رنج و ملال کا باعث تھا جس کے دور کرنے کو سورۂ کوثر نازل ہوئی، سبب نزول قرار دیا ہے لیکن سبب نزول وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا۔

اس سورۂ مبارک کی تین آیات ہیں اور ہر ایک میں اسرار و لطائف ودیعت رکھے ہیں۔

فرماتا ہے انا اعطینٰک الکوثر کہ ہم نے نہ کہ کسی اور نے تجھے جو تیری ہمیشہ سے تربیت کرتے رہے ہیں کوثر عطا کیا ہے۔

کوثر کی تحقیق کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس کے لغت میں معنی ہیں "بہت زیادہ" کے۔

[1] قاسم و عبداللہ ۱۲ منہ

جس سے مراد خیرِ کثیر یعنی ہر قسم کی بھلائی اور بہتری اور برتری ہے۔ اور معنی لغوی کے لحاظ سے ابن عباسؓ نے جو حبر الامۃ ہیں اس لفظِ کوثر کی تفسیر کی ہے۔ جیسا کہ بخاری و ابن جریر و حاکم نے اور اسی طرح ترمذی و امام احمد و ابن ماجہ نے بروایت سعید بن جبیر نقل کیا ہے۔

اور وہ خیرِ کثیر حکمت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور پھر یہ لفظِ کوثر جس کے معنی خیرِ کثیر کے ہیں بڑا وسیع المعنی ہے، ہر ایک قسم کی خیرِ کثیر کو شامل ہے۔ مفسرین نے ہر ایک خیر کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے، اس لیے اس بارے میں ان کے پندرہ قول ہیں جن کو امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شرح و بسط سے نقل کیا ہے، لیکن خلاصہ ان کا یہ ہے۔

(۱) وہ حوضِ کوثر ہے جس کی بابت بے شمار احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں پیاس اور گرمی ہوگی اور کسی کو پانی نہ ملے گا العطش العطش پکاریں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حوض عطا کرے گا جس کی درازی اور چوڑان سیکڑوں کوس کا ہوگا اُس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا جو ایک بار پیے گا پھر عرصات میں اس کو پیاس نہ لگے گی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ و اہلِ بیتؓ لوگوں کو پلائیں گے، تمام اولین و آخرین پیاس کے مارے ادھر ہی دوڑتے چلے آئیں گے جو سعید ہیں اس سے فیض یاب ہوں گے اور شقی محروم کیے جائیں گے۔

یہ اس حکمتِ الٰہیہ کا مظہر ہے جو آپؐ کے دل فیض منزل میں بھر دی گئی تھی اور حوضِ دل کا مظہر حوض کوثر ہوگا جس کی وسعت کی کچھ انتہا نہ تھی پلانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو دنیا میں اس حکمت کے جام پلاتے تھے پھر جس نے دنیا میں آپؐ کے حوضِ حکمت کا جام پیا وہ وہاں بھی پیے گا اور جو بدبخت یہاں محروم رہا وہاں بھی رہے گا اللھم اسقنا من حوضہ۔ یہ ہے وہ حوض کوثر کا سرّ جو کج فہموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) کوثر وہ جنت کی نہر ہے جو آپؐ کو شبِ معراج میں دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے۔ آپؐ نے اس کے پانی کو جو دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ پھر آپؐ نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے تم کو دیا ہے (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما)

یہ بھی اسی نہرِ غیبی کا مظہر ہے جو آپؐ کے حوضِ قلب میں رات دن پڑا کرتی تھی اور وہ حوضِ دل ہمیشہ لبریز رہا کرتا تھا۔

(۳) اولاد کی کثرت۔ سو اولاد دو قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی۔ بحمد اللہ جسمانی نسل بھی آپؐ کی بکثرت ہے اور روحانی تو تمام امت ہے جو تعداد میں صحیح جغرافیہ کے لحاظ سے ہر قوم سے زائد ہے حالانکہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی ذریت کسی کی بھی نہیں پھیلی اور دن بہ دن ترقی پر ہے اور ایک وقت آنے والا ہے کہ تمام دنیا یا اکثر حصہ میں آپؐ ہی کی ذریت ہوگی قوم میں اسلام لے آئیں گی وللہ الحمد۔

(۴) علماء و اولیاء، سو یہ بھی ایک خیرِ کثیر ہے اور بحمد اللہ اس امت میں جس قدر اہلِ کمال گزرے ہیں، اور اب بھی ہیں اور آئندہ ہوں گے جو بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں یہ سلسلہ حواریوں پر ختم ہوگیا، ان کے بعد پھر نہیں دیکھا گیا کہ کوئی صاحبِ نفسِ قدسی پیدا ہوا ہو جس کی کرامات و کمالات انہیں کے اعجاز شمار ہوتے ہوں اور در اصل کمالات کی

نسل یہی لوگ ہیں۔ مثلاً کوئی خوش نویس ہے اس کی خوش نویسی کی اولاد وہ صلبی فرزند نہیں جو اس کمال سے بے بہرہ ہے وہ صرف اس کے جسم کی اولاد ہے جو اس کا کمال نہ تھا بلکہ شاگرد رشید فرزندِ کمال ہے۔ اسی طرح نبوت کی پاک نسل اور روحانی فرزند وہی ہیں جن میں کمالاتِ نبوت اور اس کی برکات ہوں اور یہی سرّ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون ہوئے (علیہ السلام) جو ان کے فیضِ نبوت کے فرزندِ رشید تھے حالانکہ صلبی اولاد بھی موجود تھی اور یہی سبب ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے روحانی فرزندِ اکبر ابوبکر صدیق جانشین قرار پائے جن کی نسبت آپ نے یہ فرمایا تھا ماصب اللہ فی صدری صببتہ فی صدر ابی بکر (کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا) یہ نسل بھی آپ کی تا قیامت باقی رہے گی۔

(۵) نبوتِ عظمیٰ، سو یہ اعلیٰ درجہ کی خیرِ کثیر ہے، یہ بجز آپ کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی کوئی بھی تمام دنیا کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا نہ اس قدر برکات و انوارِ غیبیہ کسی کے ظاہر ہوئے نہ کسی پر سلسلۂ نبوت بجز آپ کے تمام ہوا۔

(۶) قرآن مجید سو یہ بھی خیرِ کثیر ہے جس کی برکات کا کچھ شمار نہیں۔

(۷) کوثر دینِ اسلام ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ دارین کی حسنات و برکات اسی پر موقوف ہیں۔

(۸) وہ فضائلِ روحانیہ جو آپ کو حاصل ہوئے۔

(۹) آپ کی رفعتِ ذکر کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے یاد کیا جاتا ہے یہ بھی بڑی خیرِ کثیر ہے، ہر ایک کے نصیب نہیں ہوتی، ہزاروں اس کی تمنا میں مر گئے۔

(۱۰) آپ کے علوم جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ مجھے اولین و آخرین کے علوم دیے گئے۔

(۱۱) کوثر آپ کا خُلقِ عظیم ہے اور درحقیقت اخلاقِ حمیدہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔

(۱۲) کوثر مقامِ محمود ہے جو قیامت کے دن آپ کو دیا جائے گا جس کو دیکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کریں گے۔

(۱۳) کوثر یہ سورۂ مبارکہ ہے کل تین آیات ہیں اور بے شمار مطالب کو حاوی ہے اور جس کا مقابلہ کسی عرب کے شاعر و بلیغ سے نہ ہو سکا۔ مشہور ہے کہ جاہلیت میں فصحاء بلغاء اپنے اس کلام کو جو ان کے نزدیک بے مثل ہوتا تھا تفاخر سے لکھ کر کعبہ کے پردے پر لگا دیتے تھے جب یہ سورت نازل ہوئی تو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے اور سب نے اپنے کلام اتار لیے۔ پھر کسی کو بھی اس کے اوپر لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ایک بڑے فصیح و بلیغ نے اس کے اوپر یہ لکھ دیا ماھذا کلام البشر کہ یہ بشر کا کلام نہیں کیونکہ قوتِ بشریہ کے احاطہ سے باہر ہے اور یہ اعجاز ہے۔ اور یہ خیرِ کثیر ہے۔

(۱۴) کوثر سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں۔

(۱۵) کوثر وہ اعلیٰ مقامِ قرب ہے جس سے اوپر اور مقام بندہ کو مل نہیں سکتا۔

دراصل یہ سب اقوال اسی پہلے معنی خیرِ کثیر کی تفسیرات ہیں۔

ف انا اول لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہے ہماری عطا ہے۔ اور نیز عاشقِ صادق کو جو کچھ فرحت معشوق کی ذات سے ہوتی ہے وہ اس کے عطیات سے نہیں ہوتی اس لیے انا فرما کر اول اپنی ذات کی طرف متوجہ کیا،

پھر صفات کی طرف اور یہ اعلیٰ مقام ہے اور جس کو کوثر عطا ہو اس کے مناسب ہے۔

اعطینا فرمایا آتینا نہ فرمایا کس لیے کہ دینا عام ہے خواہ کسی خدمت کے معاوضہ میں ہو خواہ مفت، برخلاف اعطاء کے کہ وہ مفت ہوتی ہے اور کرم ہی کرم ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہوا ہے ہمارے فضل و عنایت سے ہے جس کا شکریہ لازم ہے۔ پھر اعطینا ماضی کا صیغہ استعمال میں آیا نہ کہ نعطی مضارع کا تاکہ معلوم ہو کہ آپؐ کو دے دیا گیا۔ صرف وعدہ ہی وعدہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی سمجھا جائے کہ جن چیزوں کا آئندہ ملنا ہے وہ بھی یقیناً ملیں گی، گویا ایسے کریم کا وعدہ بمنزلہ دے دینے کے ہے۔

پھر کَ خطاب میں لفظ مفرد استعمال ہوا کم نہ فرمایا تاکہ یہ سمجھا جائے کہ یہ عطیہ خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے، اس میں اور کسی کا حصہ نہیں۔ اور جو کسی کو حصہ ملتا ہے تو آپؐ ہی کے طفیل سے ملتا ہے بالاستقلال کچھ نہیں ملتا اور اس لیے کوئی کیسی ہی عبادت کرے ریاضت کرے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نہ پکڑے وہ درگاہِ حق سبحانہ سے محروم رہتا ہے، کبھی کشود کار نہیں ہوتا، اسی لیے صدہا جوگی فقیر جنہوں نے عمر بھر ریاضاتِ شاقّہ کی تھیں اور فتوح غیب کا دروازہ ان پر نہ کھلا تو اسلام لائے۔

پھر یہ فرمانا کہ ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا یہ بتلانا ہے کہ برخلاف ان بدنصیبوں کے کہ جن کا ذکر سورۂ ماعون میں ہوا آپؐ کو حکمت و انوارِ غیبیہ سے مالامال کر دیا گیا۔ اور آپؐ اس دولت کو اپنی فیاضانہ طبیعت سے لوگوں کو دیتے ہیں اور وہ نہیں لیتے بجائے شکر کرنے کے لڑتے مارتے ہیں ان کو بخل و دناءت کا وصف حاصل تھا یتیم کو جھڑکتے اور کھانے کی رغبت نہیں دلاتے اور آپؐ کی یہ فیاضی ہے۔ یہ نعمتِ کوثر ان کے اس وصف کے مقابلہ میں ہے۔

پھر جس طرح تکذیبِ دین کا ناپاک مادہ ان میں تھا اور ان کو ویسے ہی بدافعال پر ابھارتا تھا، بخل و دناءت اور ناشکری ان سے سرزد ہوتی تھی اسی طرح آپؐ کو کوثر عطا ہے، آپؐ کو اس کے موافق کام کرنا چاہیے، اسی لیے فرماتا ہے فصل لربک کہ خاص اپنے رب کے لیے نہ کہ کسی غیر کے لیے نماز پڑھیں شکریہ میں، اور نماز کو کوثر سے کمال مشابہت بھی ہے کس لیے کہ اس میں اپنے خالق سے مناجات و عجز و نیاز شہد سے زیادہ شیریں ہے اور جو اس میں انوارِ غیبیہ چمکا کرتے ہیں وہ دودھ سے زیادہ سفید اور روشن ہیں، اور دل کو جو یقین و سرور اس میں حاصل ہوتا ہے وہ برف سے زیادہ سرد ہے، اور آداب و سنن نماز کے ان سرسبز درختوں اور جواہر کی پٹریوں سے مشابہ ہیں جو حوض کوثر کے اردگرد ہوں گے اور اذکار و تسبیحات جو نماز کے ہر رکن میں مقرر ہیں ان جواہرات کے آب خوروں اور پیالوں سے مشابہ ہیں کس لیے کہ ان سے بھر بھر کر شرابِ محبتِ الٰہی پی جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو بجھایا جاتا ہے۔

اور نیز یہ ان بدبختوں کے اس فعل کے مقابلہ میں ہے الذین ھم عن صلاتھم ساھون کہ وہ اپنی نماز سے بے خبر ہیں، اور لربک کا لفظ یراءون کے مقابلے میں ہے کہ وہ دکھاوے کو کرتے ہیں، آپ نماز اور ہر کار نیک اپنے رب کے لیے کیجیے۔

اور یہ بھی ہے کہ شکرانہ نعمت جان سے بھی کرنا چاہیے جو نماز پڑھنا ہے اور مال سے بھی اس لیے اس کے بعد فرمایا وانحر کہ اس کے لیے قربانی بھی کیجیے جو جان کی قربانی کے قائم مقام ہے اور اس سے فقراء کو نفع بھی پہنچتا ہے، یہ ان کے اس بخل کے مقابلہ میں ہے

ویمنعون الماعون کہ وہ لوگوں کو برتنے کی چیزوں سے بھی منع کرتے ہیں جس میں کوئی حرج ان کا نہیں تھا۔

ف النحر سے مراد جمہور کے نزدیک قربانی کرنا ہے پھر عام ہے کہ حج میں ہو یا عید الاضحیٰ کے روز یا عقیقہ میں جیسا کہ صلّ میں نماز پڑھنا عموماً مراد تھا نماز فرض اور نفل اور نماز عید و نوافل سب کو شامل تھا۔ یہ اس لیے کہ مکہ میں اس وقت نماز بھی فرض ہو چکی تھی اور نوافل بھی آپؐ بہ کثرت پڑھتے تھے اور قربانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے چلی آتی تھی۔ مگر فرق یہ تھا کہ کفار قریش نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ میں تحریف کر دی تھی، نماز میں صرف تالیاں بجانا اور کودنا ہی رہ گیا تھا اور وہ بھی بتوں کے آگے اور اسی طرح قربانی بھی بتوں کے لیے کرنے لگے تھے اس لیے اس آیت میں انہیں دونوں اصولِ عبادت کی اصلاح کے لیے فرمادیا کہ اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اُن قواعد سے جو تجھے بتائے گئے اور قربانی بھی اپنے رب کے لیے کر نہ کہ غیر اللہ کے لیے۔

اس قربانی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نفس کو ذبح کر دو، اپنی ذات کو اس کی ذات میں فنا اور محو کر دو اور یہ روحانی قربانی ہے جو خاص حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کا حصہ ہے۔ اور اسی طرح ان کی نماز بھی رب کے لیے ہے نہ کہ ثواب کے لیے اور نہ عذاب سے بچنے کے لیے بلکہ محض اس کی ذاتِ پاک کے لیے ہے۔

بعض علماء النحر سے مراد نماز کے متعلق افعال لیتے ہیں جیسا کہ صلّ سے شکر گزاری کرنا مراد لیتے تھے۔ پھر ان کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔

(۲) بعض کہتے ہیں ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ دعا کے وقت سینہ تک ہاتھ اٹھانا۔

(۴) جلسہ استراحت کرنا کہ سینہ سیدھا ہو جائے۔

واحدی فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کی اصل یہ ہے کہ نحر سینے کو کہتے ہیں۔ (نحر شتر کشتن و بریدن سینہ و بر سینہ زدن و در سینہ شدن نحر و منحر بالفتح پیش سینہ صراح) اونٹ کی قربانی بھی سینہ کے پاس سے یعنی اس کے حلقوم کی جڑ سے ہوتی ہے جو سینہ سے ملا ہوتا ہے اور رفع الیدین میں بھی سینہ تک ہاتھ اٹھانا ہوتا ہے۔ مگر قربانی کرنے کے معنی اس جگہ مراد ہیں اور یہی قول قوی ہے کس لیے کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا اکثر جگہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اور قربانی بھی ایک قسم کی زکوٰۃ ہے۔

دوئم مشرکین بتوں کے لیے نماز پڑھتے تھے سجدہ و رکوع کرتے تھے اور انہیں کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے جیسا کہ اب مشرکین ہند بتوں کو بکرا چڑھاتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں تاکید کر کے مشرکوں کو سنا دیا گیا کہ یہ فعل بد ہے۔ ہر عبادت کا مستحق حق سبحانہ ہے اور اہلِ توحید کا یہی دستور ہے اور رفع الیدین وغیرہ آداب صلوٰۃ تو فصلّ میں آگئے پھر ان کے بالخصوص ذکر کرنے سے کیا فائدہ تھا؟

سوم، عبودیت کی دو ہی باتیں ہیں اول تعلیم امر اللہ دوم شفقت بر خلق خدا پس فصلّ میں پہلی بات کی طرف اور وانحر میں دوسری کی طرف ایماء ہے۔

چہارم۔ النحر کا لفظ عرب کے محاورہ میں قربانی کے معنی میں مستعمل ہے اور معنی پیدا کرنا لغت تراشی ہے۔

سعادت کے طریقے بیان فرما کر یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ یہ سعادت آپؐ ہی کے اتباع میں حاصل ہے کس لیے

کہ آپ اللہ کی طرف سے مامور ہیں اور جو آپ سے محبت نہ رکھے بغض و عداوت رکھے وہ دین و دنیا میں نامراد ہے اس لیے فرماتا ہے ان شانئک ھو الابتر کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے عداوت رکھنے والا جو دراصل اللہ تعالیٰ سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہی پس بریدہ ہے جس کا بعد میں کوئی عمل صالح دنیا میں باقی نہیں، نہ اس کا کوئی نام لینے والا، نہ اس کے بعد میں اس کا سلسلہ جاری ہے یعنی جمیع اقسامِ حسنات سے محروم ہے۔

بحمد اللہ آج تک کہ تیرہ سو چودہ برس ہوئے یہ پیشین گوئی آفتاب کی طرح روشن چلی آرہی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور توہین کرنے والے جو آپ کے عہد میں تھے کیا کیا مصیبت دیکھ کر مرے اور پیچھے نام رہا نہ نشان۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرزندوں کا انتقال ہوگیا تو عاص بن وائل سہمی وغیرہ کفارِ مکہ نے آپس میں یہ کہا تھا کہ یہ ابتر یعنی اوت نپوت ہے۔ حق سبحانہ اپنے حبیب کی طرف سے آپ جواب دیتا ہے کہ دراصل وہی اوت نپوت ہیں ؎

ع ۶ ۳۴

سُورَۃ کٰفِرُون

مکہ میں نازل ہوئی اس کی چھے آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَآ اَعْبُدُ

(اے پیغمبر) کہہ دو اے کافرو! نہ تو میں تمہارے

مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَلَآ اَنْتُمْ

معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تمہیں

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ③ وَلَآ

میرے معبود کو پوجتے ہو اور نہ

اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ④ وَلَآ

میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ

اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ⑤

تم میرے معبود کی عبادت کروگے

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ⑥ (ع)

تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ

ترکیب

یاایہا حرف النداء الکٰفرون المنادی لا اعبد الخ نداء و الجملۃ مقولۃ قولہ قل وفی تکریر قولہ لا اعبد الخ ولا انا عابد الخ قولان الاول التکریر للتاکید والمقام مقام التاکید لان الکفار یطلبون منہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادۃ اصنامہم بالاصرار و الثانی ان الاول للمستقبل والثانی للحال لان لا لاتدخل الا علی المضارع بمعنی المستقبل فقولہ لا اعبد الخ معناہ لا اعبد فی المستقبل ماتطلبونہ منی من عبادۃ اصنامکم ولا انتم فاعلون فی المستقبل ما ارید منکم من عبادۃ ربی وقیل علی العکس وفی ما سوال لانہا لغیر ذی العقول فکیف یصح قولہ ما اعبد فانہ صلی اللہ علیہ وسلم یعبد اللہ تعالیٰ وہو اعلم العالمین والجواب منہ علی وجہین الاول ان ما مصدریۃ فی الجملتین کانہ قال لا اعبد عبادتکم ولا تعبدون عبادتی لا فی الحال ولا فی الاستقبال والثانی ما بمعنی الذی والعائد محذوف وقیل الاولیان بمعنی الذی والاخریان مصدریتان دینکم مبتداء موخر لکم خبر مقدم دین اصلہ دینی حذفت النون لتوافق رؤس الآیات

وبقیت الکسرۃ علامۃ علیھا۔

تفسیر

مقامِ نزول یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود و حسن و عکرمہ کا بھی یہی قول ہے، مگر قتادہ اور ابن زبیر و ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی چھ آیات ہیں۔

ربط اس سورت کا کوثر سے یہ ہے کہ سورۂ کوثر میں آپؐ کو بشارت دی تھی کہ آپ ہر طرح دین و دنیا میں کامیاب ہیں، آپ کے اتباع کی کثرت و شوکت عالمِ غیب میں ٹھہر چکی ہے، اس سے آپؐ کو اطمینانِ کلی اور ہمت دلائی تھی تاکہ دنیا بھر کے مخالفوں کی کثرت و شوکت کا کچھ بھی دل میں اثر نہ ہو اس لیے آپؐ کا دل قوی کر کے اس سورت میں اس وقت کے تمام دنیا کے لوگوں کو جو کفر و بت پرستی کی اندھیریوں میں سرگرداں تھے اور اپنے دین وملت پر نازاں تھے اعلانِ عام کھلے کھلے الفاظ میں کرایا جاتا ہے کہ تم کافر ہو اور میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہ کروں گا، اور نہ تم میرے معبودِ برحق کی بلاشائبہ شرکت عبادت کرنے والے ہو۔

شانِ نزول شانِ نزول بھی اسی مضمون کی تصدیق کر رہا ہے۔ اور وہ شانِ نزول یہ ہے کہ کفارِ قریش کی ایک جماعت نے جن میں ابوجہل، وعاص بن وائل و ولید بن المغیرہ و اسود بن عبد یغوث و اسود بن عبد المطلب بھی تھے عباسؓ کی معرفت یہ کہلا کر بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی اور ان کی پرستش کی برائی کرنی چھوڑ دیں۔ اگر آپ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنائیں اور اگر مال مقصود ہے تو مال چندہ کر کے دیں اگر عورت سے شوق ہو تو جو عورت تمام قبائلِ قریش میں حسین ہو وہ آپ کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں، میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور راہِ راست اختیار کر لو۔ اس کے بعد پھر ان لوگوں نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں، ہم آپ کے معبود کی کریں گے، اس وجہ سے باہم تفرقہ نہ ہوگا، نہ کوئی رنجش پیش آئے گی ورنہ آپ کو ہمارے معبودوں سے الگ ہو کر برا کہنے اور توحید جاری کرنے میں بڑی بڑی مصیبتیں دیکھنی پڑیں گی۔ اس کے جواب میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس میں صاف صاف کہہ دیا کہ تم کافر ہو مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھو۔

فرماتا ہے قل کہ اے محمد کہہ دے۔ ہر چند آپؐ مامور من اللہ تھے جو کچھ فرماتے تھے اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اور اسی کے فرمانے سے، مگر اس جگہ اور اس کے بعد اور تین اخیر کی سورتوں میں اس لفظِ قل کا ابتدا میں لانا ایک خاص رمز ہے، اس جگہ یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے تم کو کافر نہیں کہتا، نہ از خود تمہارے بتوں کی پرستش کو برا کہتا ہوں، بلکہ میں مامور ہوں اور اس کہنے میں بے اختیار ہوں پھر میرا کہا نہ ماننا بلکہ مجھے ستانا تمہاری زیادتی اور صریح ظلم ہے ورنہ پہلے بھی تو میں تمہیں میں رہا کرتا تھا، پہلے نہ کچھ کہہ دیا۔ اس بات کو سوچ لو کہ تم مریض ہو اور میں تمہارے علاج کے لیے تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جس نے اپنی رحمت سے مجھے بھیجا ہے اور حکیم کا فرض ہے کہ جو کچھ مریض میں مرض ہو اس کو بیان کر دے بیمار کے برا ماننے کی پروا نہ کرے تاکہ بیمار متوجہ ہو کر علاج کر لے، اس لیے اس کے بعد یاایہا القوم نہ فرمایا بلکہ یاایہا الکفرون کے خطاب سے مخاطب کیا کہ تم کفر کے مرضِ مہلک میں گرفتار ہو اور بجائے ازالۂ مرض کے خود حکیم کو اپنے مرض میں شریک کرنا چاہتے ہو، لو سن لو۔

لا اعبد ما تعبدون میں ان جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو۔ میں خاص خالق کی عبادت کرتا ہوں اور وہی عبادت کرنے کے لائق ہے اور تم مخلوق کی عبادت کرتے ہو۔ کہیں ستاروں کی، کہیں ارواحِ غیر مرئیہ جن اور بھوت اور ملائکہ اور ارواحِ حضراتِ انبیاء واولیاء کی۔ کہیں اجسامِ علوم کے نفوس کی اور کہیں اجسام واصنام کی، کہیں عناصر کی، کہیں بنی آدم کے محترم لوگوں کی، کہیں ہوا، پانی، خاک، آگ کی۔ کہیں نباتات، کہیں حیوانات کی، اور لطف یہ کہ ان چیزوں کی عبادت کو حق سبحانہ کی عبادت اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہو۔ اور مخلوق کو خالق جانتے ہو۔ اس لیے ان سے حاجات طلب کرتے ہو، دُہائی دیتے ہو، مدد مانگتے ہو، نذر نیاز کرتے ہو یہ بت پرستی ہے نہ کہ خالق پرستی۔ اور بلاشرکت خاص خالق کی عبادت کو تم بےکار جانتے ہو۔

یہ بلا نہ صرف عرب میں تھی بلکہ اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، یورپ، افریقہ سب ممالک اور سب قومیں عیسائی یہودی پارسی ہنود اس بلا میں گرفتار تھے۔ اس لیے آپؐ نے بآوازِ بلند کہہ دیا کہ میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں۔

مگر اے سیاہ باطنو! تم بھی تو میرے معبودِ برحق کی عبادت نہیں کرتے فقال ولا انتم عٰبدون ما اعبد کہ تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کرتے ہو کس لیے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ ہم ان اشیاء کو جہتِ قبلہ اور وسیلہ سمجھتے ہیں اور در اصل عبادت اللہ ہی کی کرتے ہیں غلط خیال ہے کس لیے کہ در اصل یہ عبادت انہیں معبودوں کی ہے نہ کہ میرے معبودِ برحق کی۔ وہ اس قسم کی عبادت سے بری ہے۔

اور آئندہ بھی مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا اس لیے فرمایا ولا انا عابد ما عبدتم اور نہ میں آئندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا۔

اور مجھے تو تم سے یہ توقع ہی نہیں ولا انتم عٰبدون ما اعبد کہ تم اس کی عبادت کرو جس کی میں کرتا ہوں۔ اس میں ان کفار کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تقدیر میں کفر پر مرنا مقرر ہو چکا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا گیا تھا ان کو سمجھانا صرف حجت کا تمام کر دینا تھا یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی نسبت یہ ارشادِ الٰہی ہو چکا ہے ختم اللہ علیٰ قلوبھم کہ ان کے دلوں پر مہر خدا نے لگا دی ہے۔ اور وہ لوگ جو بالفعل کافر ہیں اور آئندہ ایمان لانے والے ہیں وہ در اصل ازلی کافر نہیں، وہ تو ہزاروں ایمان لائے اور خالص اللہ کی عبادت کرنے لگے، سو اس جملہ میں وہ مراد نہیں نہ اس سے پہلے جملہ میں۔

ف مفسرین فرماتے ہیں کہ دوبارہ اسی جملہ کا لانا محض تاکید کے لیے ہے کیوں کہ وہ حضرتؐ سے اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ ہم آپؐ کے معبود کی عبادت کریں، آپ ہمارے معبودوں کی کیجیے تاکہ نفع نقصان میں برابر ہو جائیں اور بار بار اس پر اصرار کرتے تھے اس لیے دوبار فرمایا گیا اور یہ بلاغت کا اصول ہے کہ مخاطب کے حال کے موافق کلام کیا جائے جس طرح ہماری زبان میں تاکید کے لیے کہہ دیتے ہیں میں نہیں کروں گا میں نہیں کروں گا۔

لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جملہ لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عٰبدون ما اعبد میں حال کی نفی تھی کہ بالفعل نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور دوسرے جملہ ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عٰبدون ما اعبد میں استقبال کی نفی ہے کہ نہ آئندہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اول جملہ استقبال کے لیے تھا اور یہ حال کے لیے ہے۔

جب یہ اتحاد یک لخت منقطع کر دیا گیا تو صاف صاف علیحدگی کی بھی خبر دے دی فقال لکم دینکم تمہارے لیے تمہارا طریقہ پسند ہے کہ اسی پر چلتے ہو ولی دین اور مجھے اپنا طریقہ پسند ہے، اسی پر چلوں گا اور چلتا ہوں۔

ف۱ اُس زمانہ میں کہ تمام دنیا کفر و بت پرستی کی نجاستوں سے بھری ہوئی تھی اور انسانی بدی کی گھن گھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، روشنی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا، اصولِ ملتِ بیضاء ارکانِ طریقتِ حنفیہ مٹ چکے تھے اور اہلِ کتاب کے مذہب میں جو کسی قدر چمک تھی اس پر بھی دنیا پرست احبار اور راہبوں نے گرد و غبار ڈال رکھا تھا، ایسا دعویٰ کر دینا اور برملا اشتہار کفر جاری کر دینا، نہ اس وقت کوئی ظاہری سامان نہ یار و انصار بلکہ اپنا شہر اور خاندان ہی دشمن، نہ کسی بادشاہِ وقت کی مدد، نہ کسی حکومت کا سہارا۔ اگر یہ اس تائیدِ غیبی اور عطائے کوثر کا اثر نہیں کہ جس کا ذکر یسعیاہ علیہ السلام نے بطریق پیشین گوئی کے فرمایا ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا طلب کبھی ایسا نہیں کر سکتا، وہ اگر ایک قوم کو مخالف کرتا تو دوسری کو موافق بھی بنا لیتا ہے۔ اور پھر اخیر تک آپ اس دعوے پر ایسے قائم رہے کہ دنیا کے مصائب اور قبائل کی مار دھاڑ قتل و ضرب نے کچھ بھی جنبش نہ دی، یہ دلیل ہے کہ آپ مؤید من اللہ تھے۔

ف۲ بعض علماء اس سورت یا اس آیت لکم دینکم ولی دین کو منسوخ بتلایا کرتے ہیں، بلکہ منسوخ الحکم کی مثال میں پیش کیا کرتے ہیں۔ اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سورت میں جہاد ترک کر کے بیٹھ رہنے کا حکم ہے اور آیتِ قتال جاھد الکفار الآیہ میں ان سے جہاد کا حکم ہے کہ ان کو ان کے دین سے مجبور کر کے اسلام کی طرف لاؤ اور اگر نہ مانیں تو قتل کر ڈالو۔ اس لیے یہ سورت منسوخ اور آیتِ قتال ناسخ ہے۔

مگر یہ قول ضعیف ہے کس لیے کہ اس سورت میں یہ کہیں نہیں کہ کفار کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہے اور لکم دینکم کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔ دوئم اس سورت میں حکم نہیں بلکہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوا کرتی اور اب بھی یہی بات ہے کہ اہلِ اسلام کفار کے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے نہ کریں گے وہ اللہ جل وعلا کی خالص توحیدِ محمدی سے عبادت کرتے ہیں۔ کفار کو اپنا دین پسند ہے۔ مسلمانوں کو اپنا دین پسند ہے، بلکہ بوقتِ جنگ بھی یہی بات ہے پس محققین کے نزدیک یہ سورت محکمہ ہے نسخ کا اس میں دخل بھی نہیں ہے۔

ف۳ احادیثِ صحیحہ میں اس سورت کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔

ازاں جملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو ترمذی نے نقل کیا ہے عن ابن عباس و انس بن مالک قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زلزلت تعدل نصف القرآن وقل ھو اللہ تعدل ثلث القرآن وقل یایھا الکفرون تعدل ربع القرآن (رواہ الترمذی) کہ ابنِ عباسؓ و انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا زلزلت نصفِ قرآن کے برابر ہے اور قل ھو اللہ ثلثِ قرآن کے برابر ہے اور قل یا ایھا الکفرون ربع قرآن کے برابر ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کل قرآن میں یا نیک باتوں کا حکم ہے یا بری باتوں سے ممانعت ہے اور ہر ایک کی دو دو قسم ہیں کیوں کہ یا تو ان باتوں کا حکم ہے جو دل سے متعلق ہیں یا ان کا جو اعضا سے متعلق ہیں، اور اسی طرح ممانعت یا تو افعالِ قلبیہ سے ہے یا افعالِ جوارح سے، یہ چار قسم ہوئیں اور اس سورت میں صرف

ان باتوں سے ممانعت ہے جو قلوب سے متعلق ہیں اور وہ شرک ہے اور گو بظاہر عبادتِ غیر اللہ اعضاء سے بھی متعلق ہے مگر محرک دراصل دل ہے' اس وجہ سے اس سورت کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا۔

احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی وغیرہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوفل بن معاویہ اشجعیؓ نے پوچھا تھا کہ یا حضرت میں سوتے وقت کیا پڑھا کروں؟ آپؐ نے فرمایا قل یاایھا الکفرون پڑھ کر سویا کرو کس لیے کہ یہ شرک سے برات ہے۔ یعنی دل سے پڑھنے والا شرک سے بری ہو جاتا ہے اگر مر گیا تو توحید پر مرے گا۔

ع ۲ ۳۵

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو تو میں تمہیں ایسا کلمہ بتلاؤں جو شرک سے بری کر دے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا سوتے وقت قل یاایھا الکفرون پڑھ لیا کرو۔ (اخرجہ ابویعلی والطبرانی)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربك پڑھتے تھے اور دوسری میں قل یاایھا الکفرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد۔ یہ سورت توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری کا اعلان ہے' اور یہی جمیع عبادات کا اصل الاصول ہے۔

سورۂ نصر

مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تین آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَ

جب کہ اللہ کی مدد اور فتح آ چکی اور

رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ

آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق

دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ

داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ

تسبیح کرو ستائش کے ساتھ اور اس سے معافی مانگو بے شک وہ

كَانَ تَوَّابًا ③

توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ترکیب

اذا منصوبۃ بجاء وقیل بسبح نصر اللہ مصدر مضاف الی الفاعل والمفعول محذوف ای نصرہ ایاک او المؤمنین وہذا فاعل جاء۔ ومعناہ حصل وانما عبر بہ بالمجی تجوزا للاشعار بان نصرہ یقینی وقد قرب حصولہ والفتح عطف علی نصر اللہ ورایت عطف علی جاء ورایت ان کان بمعنی العلم فمفعولہ الاول الناس والثانی یدخلون وان کان بمعنی ابصرت فیدخلون حال۔ وعلی التقدیرین افواجا حال فاعل یدخلون ای فوجا بعد فوج فسبح الخ جواب الشرط بحمد ربك فی محل النصب علی الحال ای سبح اللہ حامدا لہ او متلبسا بحمدہ ای قل سبحان اللہ بحمدہ واستغفرہ عطف علی سبح انہ کان الخ تعلیل لقولہ استغفرہ ای لان من شانہ قبول التوبۃ۔

تفسیر

وقت و مقام نزول

یہ سورت جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی ہے مگر ابو یعلیٰ و بزار و بیہقی نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت ایام التشریق میں بمقام منیٰ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی جس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ میرے لیے اُدھر کا پیغام ہے یعنی آپؐ جس کام کے لیے بھیجے گئے تھے اب وہ پورا ہوچکا یا ہوچکنے کو ہے، دنیائے دنی آپؐ کے ٹھیرنے کی جگہ نہیں، اب ہماری طرف توجہ کیجیے، تسبیح کیجیے اور حمد بیان کیجیے اور امت کے لیے استغفار کیجیے۔

ابنِ عباسؓ کو حضرت عمرؓ بدری لوگوں کے ساتھ بلایا کرتے تھے، بعض صحابہ کو یہ برا معلوم ہوا کہ یہ بچہ ہے ہمارے ساتھ اس کو کیوں بلایا کرتے ہیں۔ عمرؓ نے فرمایا اس لیے کہ اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں۔ پھر ایک بار مجلس میں بلایا اور لوگ بھی موجود تھے، ان سے سوال کیا کہ اس آیت کے تم کیا معنی بیان کرتے ہو اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح لوگوں نے کہا یہ کہ جب ہم کو فتح و نصرت نصیب ہو تو اس کی تسبیح کریں اور معافی مانگیں۔ عمرؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو؟ ابنِ عباسؓ نے کہا "یہ مطلب نہیں، بلکہ یہ علامت ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی جو آپؐ کو بتلائی گئی" عمرؓ نے فرمایا میں بھی یہی سمجھتا ہوں (رواہ البخاری)

اس پر اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہ سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کئی مہینے پہلے نازل ہوئی ہے، اس میں تین آیات ہیں۔

ربط۔ اس سورت کو قل یاایہا الکفرون سے یہ ربط ہے کہ سورۂ کافرون میں بے دغدغہ اعلان تھا کہ میں تمہارے معبودوں سے بے زار ہوں اور تم بت پرست کافر ہو۔ اور اس سے پہلے سورۂ کوثر میں یہ مژدہ عطا ہوچکا تھا کہ آپ کو کوثر عطا ہوا ہے، آپ کی ذریت اور اتباع کی کثرت ہوگی اب اس سورت میں تسلی دی جاتی ہے کہ آپ اس اعلان کے بعد کفار کے غلبہ سے خوف نہ کریں گو ہر طرف وہی محیط ہیں، قریشِ مکہ اور جمیع قبائلِ عرب سے یہود و نصاریٰ و مجوس تک سب آپ کے بدخواہ ہیں مگر آپ کچھ بھی پروا نہ کریں۔ آپ کے لیے اللہ کی مدد اور فتح تیار ہے، ایک دن آنے والا ہے گویا آہی چکا ہے کہ آپ کا دین غالب آجائے گا، کفر کو شکست ہوجائے گی بت پرستی منہ موڑ کر بھاگے گی اور اس کفر و بت پرستی کے حمایتی مغلوب ہوجائیں گے اور گروہ کے گروہ لوگ آپ کے دین میں داخل ہوں گے اور وہ آپ کے کام کا اخیر ہوگا، تب ہماری طرف آنے کی تیاری کیجیو، تسبیح و تحمید اور امت کے لیے استغفار کی کثرت کیجیو۔ چنانچہ اس بشارت کے موافق واقع ہوا جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے۔ اس مناسبت سے یہ سورت قل یاایہا الکفرون کے بعد رکھی گئی۔

فقال اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور تم نے اے نبی علیک السلام لوگوں کو خدا کے دین میں جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیا کہ آج ایک جماعت اسلام لائی کل دوسری قوم اسلام لائی۔

آیت میں چار باتیں بیان فرمائیں (اوّل) اللہ کی نصر کا آنا (دوم) فتح کا حاصل ہونا (سوم) لوگوں کا دینِ الٰہی میں داخل ہونا۔ (چہارم) ایک ایک دو دو کا نہیں بلکہ جماعتوں کا اور قوموں کا دین میں داخل ہونا۔

اب ہم ان چاروں باتوں کی تشریح کرتے ہیں تاکہ

کلام الٰہی کے معنی خوب طرح ذہن نشین ہو جائیں۔

نصر و فتح (نصر) تحصیل مطلوب میں اعانت (فتح) تحصیلِ مطلوب یعنی مقصود کا حاصل کر دینا اور نصر فتح کا سبب ہوتا ہے اس لیے نصر کے بعد فتح کا ذکر عطف کے طور پر کیا گیا۔ پھر اعانت عام ہے یہ کبھی اسباب ظاہری کے پیدا کر دینے سے ہوتی ہے جیسا کہ مخالفوں پر فتح پانے میں لشکر اعوان وانصار کا موجود کر دینا یا جو لشکر کو کار آمد چیزیں ہوتی ہیں ان کا موجود کر دینا ہتیار اور خوراک وغیرہ، یا مخالفوں سے مدافعت کرنے کے اسباب پیدا کر دینا ان میں بزدلی اور ہیبت اور سوء تدبیری پیدا کر دینا، اسی لحاظ سے بدر کے معاملہ میں فرمایا ہے وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم۔

اور یہی حال ہے انسانی جذبات کے مقابلہ میں۔ انسان جب تہذیب نفس حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس ملک کے فتح کرنے کے لیے قوائے بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ کے لشکروں سے لڑنا پڑتا ہے، اس موقع پر جو تائیدِ غیبی ہے وہ اللہ کی طرف کی نصرت ہے اور اس کے بعد مقصود کا حاصل ہونا فتح ہے۔

اسی طرح بدراہ قوموں کی اصلاح اور ان کے نفوس کی تہذیب حضرات انبیاء علیہم السلام کا بڑا مقصد ہوتا ہے، اور یہ حاصل ہونا کچھ آسان بات نہیں اس میں مددِ غیبی درکار ہے، وہ کیا؟ لوگوں کے دلوں میں اس شخص کی قبولیت اور اس کی بات کا اثر پیدا کر دینا، یہ نصر اللہ ہے جس کے بعد فتح ہی فتح ہے یعنی پھر جوق جوق اور گروہ کے گروہ دین اللہ میں ایک کششِ باطنی سے خود بخود داخل ہونے لگتے ہیں اور اسی کو فتح مبین بھی کہتے ہیں، سو یہ اسی کوشش کے عطا کرنے کا ظہور ہے۔ اور اخیر عمر میں جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آرہے تھے یہ بات حاصل ہونے لگی تھی اور یوماً فیوماً ترقی پر تھی خصوصاً فتح مکہ کے بعد سے روزمرہ قبائل کے قبائل اور کبھی ان کے ایلچی آتے اور تلقین پاکر جاتے اور سب مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپؐ نے خود جماعتوں کی جماعتوں کو دینِ الٰہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ اور خدائے پاک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور پھر آپؐ کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا۔

فتح مکہ مفسرین نے لفظِ نصر اور فتح کے وسیع معنوں کو ایک ایک بات میں محدود کیا ہے حالانکہ وہ سب کو شامل ہیں اور سب ہی مراد ہیں پس جس طرح نصرتِ الٰہی کے متعدد طریقے معلوم ہوئے اسی طرح فتح کے بھی ہیں۔

اول فتح مکہ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ عرب کے اکثر قبائل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مگر مکہ کے لوگ ابھی تک اسی بت پرستی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر تلے ہوئے تھے اور کئی بار لڑائیاں میدان میں آکر لڑ چکے تھے، یہ شہرِ مقدس کفار کا مرکز ہو رہا تھا۔ ہجرت کے آٹھویں[1] سال جیسا کہ بخاری میں معمر سے روایت ہے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا جس کی بابت کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۴۲ باب میں پیشین گوئی ہے جس کے جملے یہ ہیں "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا الخ اس کا زوال نہ ہوگا اور مسلا نہ جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے" الخ اس میں اذا جاء نصر اللہ والفتح الخ کے مضمون کی پوری

[1] صحیح یہ ہے کہ ساتواں سال تھا ۱۲ منہ

تائید ہے۔ "خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اُسکائے گا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی قوموں کو بلایا اور قبائل جمع ہوئے دس ہزار کا لشکر ساتھ ہوا، مکہ کے لوگ امان کے طالب ہوئے، آپؐ نے امان دی اور سب نے یک لخت اسلام اختیار کرلیا کفر کا جھنڈا اُکھڑ گیا۔ اب عرب میں کوئی مذہبی مخالف باقی نہیں رہا۔

(۲) بعض کہتے ہیں فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے جو سالِ حدیبیہ کے بعد جب کہ مسلمانوں کو رنج و ملال تھا واقع ہوئی اور جس کے بعد مسلمانوں کو فراخ دستی میسر آئی۔

(۳) جمیع فتوحات مراد ہیں جو غزوات میں پے در پے نصیب ہوئیں اور اسلامی شوکت زور پکڑتی گئی۔ فتح مکہ خیبر، طائف، حنین وغیرہ۔

(۴) فتوحاتِ غیبیہ، علوم و اسرارِ ملکوتیہ جو رفتہ رفتہ آپؐ پر منکشف ہوتے تھے اور آخر اُس کا حضرتِ احدیت کا دروازہ کھل جانا اور کشفِ ذاتی ہے کہ پھر یہ کثرت وحدت کے ملاحظہ کے لیے کسی طرح بھی حاجب نہ ہوتی تھی۔ اور عرفاء و کملاء ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان پر عالمِ غیب کے دروازے کھل جاتے ہیں تب وہاں کی چیزیں عیاناً نظر آنے لگتی ہیں اور اُسی عالم کے لوگوں سے موانست زیادہ ہونے لگتی ہے، اس عالم سے بے اعتنائی ہوجاتی ہے۔

پھر جس طرح اُس عالم کے لوگوں کا شغل خدا پاک کی تسبیح و تقدیس ہے اور یہی باعثِ راحت اور سرورِ روح ہے ان لوگوں کا بھی ہوجاتا ہے، اس لیے فرمایا ہے فسبح کہ خدا پاک کی تسبیح کیا کرو اور تسبیح بھی کیسی بحمد ربک جملہ سے ملا کر سبحان اللہ وبحمدہ۔

تسبیح کی حقیقت

واضح ہو کہ حق سبحانہٗ کو صفاتِ مذمومہ سے مبرا سمجھنا عین عبودیت ہے کہ وہ فانی نہیں، حادث نہیں کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں، الواثِ بشریہ و کدوراتِ امکانیہ سے پاک ہے، نہ وہ سوتا ہے، نہ بیمار ہوتا ہے وغیر ذلک۔ پس اس قسم کے اوصافِ بد سے مبرا سمجھنا تسبیح ہے اور اس کے لیے شرع میں الفاظ مقرر ہیں سبحان اللہ وغیرہ کہنا۔

پھر یہ تسبیح زبان سے بھی ہوتی ہے اور دل سے بھی اور کبھی انسان یا ممکنات کی حالت سے بھی کہ خود بخود اس کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ خالق جمیع عیوب اور نقصانوں سے پاک ہے، اور اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقہون تسبیحہم کہ ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے ہو۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش ست
ولے داند دریں معنیٰ کہ گوش ست
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانے ست
کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست

پھر اُس تسبیح کے مراتب متفاوت ہیں۔ ادنیٰ مرتبہ زبان سے کہنا، اور اعلیٰ یہ کہ زبان اور قلب دونوں سے تسبیح کرنا۔ اور جن جن نقصانوں سے اس کی پاکی بیان کی جاتی ہے ان کے برخلاف اوصافِ کمال کا اس کی ذات میں مشاہدہ کرنا اور اس مشاہدہ سے انوار کا اس کی ذات پر انعکاس پڑنا اور اس کا بھی ان نقائص سے پاکیزہ ہوجانا گو حدوث کے خصائص سے چھٹکارا مشکل ہے مگر تسبیح سے اس پر ایک ایسی تجلی پڑتی ہے کہ جس سے روح کو نورانیت حاصل ہوتی ہے اور آخر کار اس کے خصائصِ بشریہ مٹتے مٹتے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے

کہ یہ مجردات و ملائکہ میں مل جاتا ہے اور پھر ان سے بھی بڑھ کر بارگاہِ قدس میں جگہ پاتا ہے جیسا کہ فرمایا فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔

تسبیح عارف کی حالتِ ابتدائی ہے کس لیے کہ پہلے آئینے یا کسی لوح کی جس پر کوئی نیا رنگ جمانا ہوتا ہے تو صفائی کر لی جاتی ہے پھر رنگ یا نقش قائم کرتے ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ بندہ حادث ہے، حدوث و جسمانیت کے ہزاروں خصائص میں آلودہ ہے۔ بہیمیت کی تاریکی اس پر محیط ہے، مجردات اور عالمِ ملکوت سے یوں بعید ہے حتیٰ کہ اس کے ادراکات میں بھی صفائی نہیں، قوتِ وہمیہ اپنا دخل دیے بغیر نہیں چھوڑتی، جب کوئی معانی مجردہ اس کی لوحِ قلب پر ڈالے جاتے ہیں تو قوتِ وہمیہ ضرور ان کو بھی کسی نہ کسی جسمانی قالب میں ڈھال ہی لیتی ہے، اسی لیے حق سبحانہٗ اور ملائکہ جو جسمانیت سے پاک ہیں جب ان کا تصور کرتے ہیں تو کسی خوبصورت آدمی کی شکل میں یا اور کسی جسمانی چیز میں، اور اسی لیے خواب میں جب روح دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہاں کے علوم اس پر فائض ہوتے ہیں تو قوتِ وہمانیہ ان کو بھی ان کے مناسب صُوَر میں ڈھال لیتی ہے جن سے جدا کر کے بتانا تعبیر دینا ہے۔

اسی لیے اگلی قوموں میں چوں کہ بہیمیت غالب تھی وہ حق سبحانہٗ کی عبادت بغیر کسی مجسم صورت پر دھیان دھرے کر ہی نہیں سکتے تھے اور اب بھی جن کی بہیمیت غالب ہے ان پر جو کبھی تجلی ہوتی ہے تو کسی محبوب اور دل کش صورت میں۔ اسی لیے ان لوگوں نے بُت آگے رکھ کر عبادت کا طریقہ نکالا تھا جیسا کہ خام کار اور لڑکے خاکہ آگے رکھے بغیر کوئی کام ہی نہیں کر سکتے۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں نورانیت و ملکیت کا غلبہ ہوا اور یہ ابتدائی مشق اٹھوا کے بغیر شائبۂ حدوث و امکان بلاکیف اس خالقِ قادر کی عبادت قائم کی گئی، اور عبادت میں بھی اول تسبیح قائم ہوئی کہ ان کدورات والواثِ بشریہ سے اس کی ذاتِ مقدس کو پاک اور مبرا سمجھا جائے۔

اس کے بعد صفاتِ حمیدہ سے موصوف سمجھانا یعنی جو جو اس کی صفاتِ کاملہ ہیں ان کا اس کی ذاتِ پاک میں ثابت کرنا۔ جیسا کہ وہ حیّ ہے، کریم ہے، باقی ہے، ازلی ہے، ابدی ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، عادل ہے، رحیم ہے، وغیر ذلک۔ اس کو تحمید کہتے ہیں یعنی اس کے اوصافِ حمیدہ کے ساتھ اس کو یاد کرنا، عام ہے کہ ان نعماء کا ہی ذکر ہو کہ جو اس نے بندہ کو عطا فرمائیں یا نہیں۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے رنگ یا نقش جمانے کا۔ ہر ایک صفتِ باری تعالیٰ کا جب بار بار مراقبہ کیا جاتا ہے اور تصور صحیح جمایا جاتا ہے تو ضرور روح پر اس کا پرتوا پڑتا ہے اور پھر مشق کرتے کرتے نوبت دور تک پہنچ جاتی ہے، لیکن روح کی استعداد و قابلیت میں فرق بھی ضرور ہے۔ بعض قابل اور مستعد ارواح کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ تسبیح سے فنا طاری ہو جاتی ہے اور تحمید سے بقا کا پرتوا پڑ جاتا ہے۔ پھر اس میں بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اس رمز کے لیے قرآن مجید میں اور بالخصوص اس سورت میں تسبیح کے ساتھ تحمید کا حکم دیا اور اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العلیّ العظیم اکثر کہا کرتے تھے اور لوگوں کو ترغیب بھی دلاتے تھے۔

اور بندہ گو ہزار کوشش اس کی عبادت میں کرے مگر جیسا حق ہے ویسا ادا ہونا مشکل ہے، اسی لیے اعترافِ قصور بھی ایک شانِ عبودیت ہے اور نیز بارگاہِ اعلیٰ میں بندے کی عاجزی بہت ہی پسند ہے، اس لیے اس کے بعد یہ بھی جملہ ارشاد فرمایا واستغفرہ کہ اپنے رب سے

بخشش اور معافی مانگ۔ باوجود اس تسبیح و تحمید کے پھر بندہ کا عجز و انکسار کرنا اور اپنے آپ کو خطاوار سمجھ کر معافی مانگنا نہایت عبادت ہے۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دن بھر میں ستر بار خدا سے استغفار کرتا ہوں' اور یہ بھی ہے کہ یہ استغفار امت کے لیے ہے کس لیے کہ یہ آپؐ کا اخیر وقت ہے اور آپؐ کی تکمیل انتہا کو پہنچ گئی ہے' اور آپؐ نے اقوام کو دینِ الٰہی کی طرف بلایا ہے۔ اب اس وقت ان کے لیے آپؐ کا شفیع بن کر استغفار کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے' اس لیے آپؐ امت کے لیے استغفار کیا کرتے تھے۔ اور یہ امت کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جس کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور استغفار کرے۔

اس سورت کے نازل ہونے کے وقت اکثر رموز شناس صحابہؓ سمجھ گئے تھے کہ عن قریب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے اٹھ جانے والے اور ہم کو داغ مفارقت دینے والے ہیں' چنانچہ صدیق اکبرؓ اس سورت کو سن کر زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے کہا یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ اللہ نے نصرت و فتح کا مژدہ دیا اور قوموں کے جوق جوق اسلام میں آنے کی خوش خبری سنائی۔ پھر یہ بوڑھا کیوں روتا ہے۔ بعض نے کہا یہ حضرتؐ کا قدیم رازدار ہے کوئی تو رمز ہے جو یہ سمجھ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکرؓ کے آنسوؤں کا سلسلہ داڑھی پر بہتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ اس رمز کو پا گئے ہیں۔ فرمایا "سب لوگوں سے مجھ پر خدمت گزاری میں اور مالی مدد میں ابوبکر کا بڑا احسان ہے اور اگر میں خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو، مگر خلتِ اسلامی کافی ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں آنے کے لیے جو کھڑکیاں ہیں سب بند کر دی جائیں مگر ابوبکر کی کھڑکی کھلی رہے' یہ اس لیے کہ ان کو نہایت عشق ہے اور رازدار ہیں تاکہ ہر وقت صحبت اٹھانے کا موقع ملے۔ پھر جو اور لوگوں کو بھی یہ راز معلوم ہوا اور لوگوں نے اپنا اظہارِ غم و رنج کیا تو آپؐ نے فرمایا "کیوں غم کرتے ہو خوش نصیب ہے وہ امت جس کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور جا کر ان کے لیے تیاری کرے' اور بدنصیب ہے وہ قوم کہ جن کا رسول ان میں زندہ رہے اور وہ قہرِ الٰہی سے ہلاک ہوں"۔ چنانچہ اس سورت کے نزول کے کئی مہینے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بخاری میں ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد ہر نماز کے رکوع و سجود میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی (کہ اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ستائش کرتا ہوں' اے رب بخش دے)۔ اور گویا آپؐ اس سورت پر عمل کرتے تھے۔

اور **بخشش** اس سے اس لیے مانگ کیوں کہ انّہ کان توّابًا وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے' اس کو بندے کے رجوع ہونے سے بڑی خوشی ہوتی ہے' توبہ کرتا ہے تو وہ درگزر کرتا ہے' بڑا ہی حلیم ہے اس کے آگے سر رکھ دینا چاہیے پھر اس کی مہربانی اور عنایت کی کیا کمی ہے۔ اللھم اتوب الیک اغفرلی ولوالدی ولجمیع المسلمین۔

سورۂ لہب

مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾

ٹوٹ جائیں ابی لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ٹوٹ بھی گیا

مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿۲﴾

نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾

وہ اب دہکتی آگ میں گرتا ہے

وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾

اور اس کی جورو بھی جو لکڑیوں کا پشتارہ اٹھائے

فِیْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾ ع ۱ ۵ ۳۶

گلے میں مونج کی رسّی ڈالے پھرتی ہے۔

صفة وامراته معطوف على الضمير المتصل وجاز ذلک للفصل حمالة الحطب قرأ الجمهور حمالةُ بالرفع على الخبرية او النعتية وقرء عاصم بالنصب على الذم او على انه حال من امرأته حبل موصوف من مسد صفة مبتدأ مؤخر في جيدها خبر مقدم والجملة في محل النصب على انها حال من الضمير في حمالة وقيل في محل الرفع على انها خبر آخر لقوله وامرأته الجيد العنق. والمسد الليف الذي تفتل منه الحبال. قيل المسد بسكون السين مصدر بمعنى الفتل وبفتحها المحور من حديد او حبل من ليف او كل حبل محكم الفتل والجمع مساد وامساد كذا في القاموس وقيل امرأته مبتدأ حمالة الحطب خبره في جيدها الخ حال من الضمير في حمالة. كذا قال ابن الصائغ۔

ترکیب

تبت فعل يدا اصلهما يدان سقطت النون بالاضافة ابی لهب مضاف اليه والمضاف مع ما اضيف اليه فاعل تبت واليد مؤنث عند العرب و ابولهب كنية عبد العزىٰ ابن عبد المطلب بن هاشم والعزىٰ اسم صنم وهو عم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وكان مشهورا بالكنية وانما اشتهر بهذا لانه كان جميلا وان وجهه كان يتلهب لمزيد حسنه كما يتلهب بالنار۔ وتب فعل والضمير فاعله يرجع الى ابی لهب عطف الجملة على الجملة والتباب الخسران والحرمان من كل خير وقيل الهلاک والتردی. والجملتان دعاء عليه وقيل الاولىٰ دعاء والثانية اخبار. ما نافية اغنىٰ فعل عنه متعلق به ماله فاعله معطوف عليه وما موصولة كسب صلة والعائد محذوف والكل معطوف وقيل ما مصدرية فما كسب بتاويل المصدر فاعل اغنىٰ والجملة بيان لتبابه سيصلىٰ فعل والضمير الراجع الى ابی لهب فاعله نارا مفعول به موصوف ذات لهب

تفسیر

مقامِ نزول یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیرؓ و ابن العباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔

ربط اس کا ربط سورہ نصر سے یہ ہے کہ اُس سورت میں بتلایا گیا ہے کہ آخرت تو آخرت دُنیا میں بھی آسمانی حکم قبول کرنے والوں کے لیے فتح و نصرت ہے۔ دین اور دنیا کی کامیابی نصیب ہوتی ہے، اسی طرح اس آسمانی حکم سے سرتابی کرنے والوں اور مقابلہ اور عداوت سے پیش آنے والوں کے لیے بھی دنیا و آخرت کا خسارہ اور بربادی اور ہلاکی ہے۔ اس پہلی بشارت کا اول مستحق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر مژدہ سنایا تھا اذا جاء نصر اللہ والفتح کہ لو آگئی مدد اور فتح اللہ کی، گو یا آ ہی گئی۔

اس سورت میں اس خسران و بربادی کا طوق ابی لہب حضرتؐ کے حقیقی چچا کے گلے میں ڈال کر جملہ مخالفوں کو دکھایا جاتا ہے کہ مخالفت و عداوت کا یہ نتیجہ بد ہے جس کی طرف سورۃ کوثر میں اشارہ تھا کہ آپ کو اے محمدؐ کوثر عطا کیا اور آپ کے دشمن کو ابتر کیا اس لیے اس سورۃ لہب میں اُس بدبختی کا بھی حال بیان فرمانا ضرور تھا جو دینِ الٰہی کے مقابلہ اور عداوت میں ظاہر ہوتی ہے۔

شانِ نزول

اس سورت کا شانِ نزول بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری وانذر عشیرتک الاقربین تو آپؐ کوہ صفا پر چڑھے اور چڑھ کر اول سے لے کر اخیر تک کے قبائلِ قریش کے نام لے لے کر پکارا کہ اے بنی فلاں آخر اے بنی ہاشم اے بنی عبدالمطلب۔ سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ بھلا اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن کا لشکر تمہارے لیے تیار ہے شب خون مارے گا تو کیا تم مجھے سچا جانو گے؟ سب نے کہا بے شک۔ آپؐ نے فرمایا تو اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ عذابِ الٰہی تم پر آنے والا ہے نجات کا رستہ اختیار کر لو اور اپنے بچنے کی تدبیر نکالو۔ میں کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر خاص اپنے خاندان کی طرف جو بہت قریب تھے خطاب کیا کہ اے عباس و اے فلاں اور اے صفیہ میری پھوپی اور اے فاطمہ میری بیٹی اس پر بھروسہ نہ کرو کہ ہم پیغمبرؐ کے رشتہ دار ہیں، میں خدا کے ملزم کو نہیں بچا سکتا۔ یہ گفتگو اور وعظ سن کر ابولہب نے جو آپؐ کا چچا تھا خفا ہو کر یہ کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تبا لک (کیا تو نے اسی بات کے لیے ہمیں بلایا تھا) اور یہ کہہ کر ایک پتھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا اور بہت کچھ گالی گلوچ بکیں جس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ یہ واقعہ اس کے نزول کا محرک ہوا جس میں مخالفینِ دین کا دنیاوی اور دینی انجام بد بیان فرمایا جاتا ہے۔

ابولہب عبدالمطلب کا بیٹا حضرتؐ کا حقیقی چچا تھا اور نام اس کا عبدالعزیٰ تھا، سرخ رنگ خوب صورت آدمی تھا، اور اس کے چہرے کی چمک دمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب ہو گئی تھی۔ کیونکہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور کسی وصف کے بتانے کے لیے عرب میں اَبو اور اِبن اور اَخ کے ساتھ منسوب کرنا ایک عام محاورہ ہے۔ مسافر کو ابن السبیل، چاند کو ابن اللیل عربی کو اخا العرب مٹی لگے ہوئے کو ابوتراب کہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ لہب اس کا کوئی بیٹا تھا اور یہ اس کا باپ تھا۔ اس کی بیوی کا نام اُم جمیل تھا۔ حرب کی بیٹی اور ابوسفیانؓ کی بہن معاویہؓ کی پھوپی یزید بدبخت کی رشتہ کی دادی۔ ان دونوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ازحد عداوت تھی۔ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور عُتیبہ جن سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحب زادیاں منسوب تھیں وہ بھی سخت دشمن تھے۔ ام جمیل رات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی کہ اندھیرے میں چبھیں اور آپؐ کو تکلیف ہو۔ پھر اس سورت کے نازل ہونے کے بعد تو قوم میں ابولہب اور اس کی جورو کا خاکہ اُڑ گیا اور بھی عداوت بڑھ گئی اور انہوں نے اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ محمدؐ کی بیٹیوں کو طلاق دے دو اور منہ پر جا کر سخت کلمات کہہ کر چھوڑ دو۔ چنانچہ عتبہ ناہنجار نے آکر حضرتؐ کے روئے مبارک پر تھوکا اور برے الفاظ سے طلاق دی۔

فرماتا ہے تبت یدا ابی لہب وتب کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مگر یہ اور اس قسم کے کلمات عرب کے محاورہ میں بددعا کے لیے مستعمل ہوتے ہیں، حق سبحانہٗ کسی کو دعا نہیں کرتا ہے بلکہ اس محاورہ میں اس پر بربادی آنے کی خبر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اس پر آنے والی تھی۔

تب محاورہ کے موافق یہ ترجمہ ہوگا کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود بھی خراب ہو جائے یا یہ کہ ہوگیا۔ محاورہ ہے بد دعا کے بعد ایسا کلمہ مستعمل ہوتا ہے جو قبولیت پر دلالت کرے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

جزی ربہ عنی عدیّ بن حاتم
جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

ہمارے محاورے میں کہتے ہیں خدا اس کو غارت کرے اور کر دیا۔

ف ۱ دونوں ہاتھ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہری دونوں ہاتھوں کا ٹوٹنا مراد نہیں بلکہ ہاتھ یا گردن یا سر سے انسان کو تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مراد یہ کہ وہ خراب ہو جائے۔

انسان کے اندر خدا پاک نے دو قوت رکھی ہیں۔ ایک قوتِ نظریہ جس کے سبب چیزوں کا علم آتا ہے ہر ایک چیز کو جانتا ہے امورِ غیب کی تصدیق کرتا ہے برے بھلے کاموں کا انجام سوچتا ہے، نفع و نقصان کو جانتا ہے۔ دوسری قوتِ عملیہ کہ جس کے سبب نیک و بد کام کرتا ہے۔ یہی دونوں قوتیں انسان کے حسنات اور سعادتِ دارین حاصل کرنے کے دو بازو ہیں، پھر جس نے ان دونوں کو برباد کر دیا اور برے برے علم حاصل کیے، عقائدِ فاسدہ کو دل میں جگہ دی کہ مرنے کے بعد حساب و کتاب سزا و جزا کچھ نہیں، خدا تعالیٰ کے کاروبارِ قدرت وصفات میں اور بھی شریک ہیں جو نفع و نقصان دے سکتے ہیں، نبی کوئی شخص نہیں نہ نبوت کی ضرورت ہے وغیرہ۔ اور اسی طرح قوتِ عملیہ کو برے کاموں میں صرف کیا، مخلوق کے ساتھ بھلائی اور رحم دلی کی جگہ ظلم کیا، عفت کی جگہ بدکاری کی، جن کی اطاعت کرنی چاہیے تھی ان سے سرکشی کی مقابلہ کیا، عبادت الٰہی کی جگہ شہوت پرستی اور تن پروری کی، خیرات کی جگہ بخیلی اور کنجوسی کی وغیرہ اس نے اپنی کمائی کے دونوں ہاتھ توڑ دیے۔ یہ بات ابولہب کو حاصل تھی اس لیے اس کے حال کی اس مغرور و بے خبر کو خبر دی جاتی اور مطلع فرمایا جاتا ہے اور اس رمز کے لیے اس کی ذات کے برباد و خراب ہونے کو دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ انسان کی دو حالت ہوتی ہیں ایک موجودہ دوسری آئندہ۔ چوں کہ ابولہب کی دونوں حالتیں خراب تھیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے خراب ہو چکنے کو تھیں اس لیے بطور پیشین گوئی کے دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ تجھ پر دنیا میں بھی آفت آنے والی ہے اور آخرت میں بھی۔

دنیا میں تو چند روز کے بعد اس پر افلاس شدید آیا وہ بیٹا کہ جس پر ناز تھا اور جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر تھوکا تھا اور گالیاں دے کر صاحب زادی کو چھوڑا تھا اور جس کے لیے آپ نے بددعا کی تھی کہ الٰہی اس پر تو اپنا کتا مسلط کر اور وہ اس بد دعا سے اندیشہ بھی کرتا تھا شام کے ملک میں جا رہا تھا یا وہاں سے آ رہا تھا اور درندوں سے اپنی حفاظت بھی کرتا تھا رات کو شیر آیا اور آ کر اس نے چبا کر چورا چورا کر دیا۔ اور پھر اس بیماری میں کہ جس کو عرب عدسہ کہتے ہیں خود ابولہب مبتلا ہوا، وہ مرض متعدی ہے اس لیے کوئی پاس نہیں جاتا تھا، بڑی تکلیف دیکھ کر مرا، چہرہ بگڑ گیا تھا، دیکھنے والوں کو ہیبت آتی تھی۔ کتوں جیسی آوازیں نکالا کرتا تھا۔ اور پھر اس کی وہ جورو بھی مصیبت دیکھ کر مری، افلاس یہاں تک غالب آیا کہ لکڑیوں کا گٹھا باہر سے خود لاتی۔ ایک گٹھا سر سے گر پڑا اس لیے کہ غم زدہ ہو چکی تھی، مصائب نے کمر توڑ دی تھی اور رسی کا پھندا جو گلے میں پڑا ہوا تھا وہ کھنچا

گلا ایسا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ غرض ستیاناس ہوگیا مگر اللہ رحمت للعالمین کا دل ان کی اس مصیبت پر بھی رنج کھاتا تھا اور رحم آتا تھا مگر کیا ہوتا ہے، قضا کا تیر چھوٹ چکا تھا۔ خدا پاک کو اپنی بے نیازی کی شان دکھانی تھی کہ بھتیجے کو کوثر عطا کرے اور اسی گھر میں چچا ابتر بنے جس کا کوئی نام لیوا بھی نہ رہا۔

آیت میں اس کا نام عبدالعزیٰ نہیں لیا کنیت سے یاد کیا۔ اس کی کئی وجہ ہیں۔

(۱) یہ کہ عُزیٰ بت کا نام تھا جس کا یہ بندہ بنا تھا ایسے مکروہ اور ناپسند نام کہ جن میں شرک کی بدبو آتی ہو عالمِ بالا کے نزدیک ذکر کرنے کے بھی قابل نہیں۔

(۲) ابی لہب کا لفظ جس میں لہب یعنی شعلۂ آتش پڑا ہوا تھا گویا ابتدا ہی سے اس کے جہنمی ہونے کی خبر دے رہا تھا اس لیے اس منحوس لقب کے ساتھ یاد کیا گیا اور اس میں اہلِ بلاغت کے نزدیک ایک عجیب لطیفہ ہے۔

(۳) وہ ابی لہب سے مشہور تھا۔ اگر نام عبدالعزیٰ لیا جاتا تو جلد نہ سمجھا جاتا اس لیے یہ نام لیا گیا۔

اب اس کی خرابی کی تشریح فرماتا ہے ما اغنیٰ عنہ مالہ وما کسب کہ نہ اس کا مال کام آئے گا نہ کمائی نہ عزت و شہرت جو قوم میں حاصل کی تھی۔

عائشہ صدیقہؓ و ابن عباسؓ و مجاہد فرماتے ہیں "کمائی سے مراد اولاد ہے عرب کے محاورے ہیں۔" اور اسی کے مطابق ہوا بھی کس لیے کہ جب انتقامِ الٰہی کا وقت آیا تو دنیا میں مال کام آیا نہ اولاد، کوئی بھی اس آفت کو ٹال نہ سکا۔ اور اسی طرح مرنے کے بعد جو عذابِ دردناک پیش آیا اور قیامت میں آئے گا وہاں بھی نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، نہ دنیاوی عزت و وجاہت حسب و نسب۔ پھر جب یہ ایسی بے بنیاد چیزیں ہیں تو اتنا ان پر فریفتہ ہونا اور آخرت کو بھول جانا اگر تباب و خسرانِ ازلی نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اب آخرت کا حال بیان فرماتا ہے سیصلیٰ نارًا ذات لہب کہ عن قریب وہ ایک ایسی آگ میں پڑے گا جو شعلہ مارتی ہوگی۔ یہ وہی آتش عداوت و عناد ہے جو دنیا میں شعلہ زن تھی۔

صرف اسی پر بس نہیں بلکہ وامرأتہ اس کی جورو بھی اس آگ میں گرے گی کس لیے کہ اس کے دل میں بھی آتش عداوت شعلہ زن تھی۔

شعلہ مارنے والی آگ میں مرنے کے بعد تو وہ دونوں گرے ہی ہیں مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روز افزوں ترقی اور اپنا تنزل دیکھنا بھی آگ میں گرنا تھا اور پیشینگوئی کے مطابق وہ بہت جلد اس میں گرے جو رات دن جلا کرتے تھے۔

اب اس کی جورو کا حال بیان فرماتا ہے حمالۃ الحطب[1] جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے اور فی جیدھا حبل من مسد اس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے۔

[1] حمالۃ الحطب میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کے گناہوں کا گٹھا اس کی پشت پر تھا اور خواہشِ دنیا کی رسی اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ اور حمالۃ الحطب میں اس کے خاوند کی نالائقی کی طرف بھی اشارہ ہے کیوں کہ عورت بوقتِ مخصوص خاوند کو اپنے اوپر لادتی ہے اس کا خاوند ایک لکڑیوں کا پشتارہ ہے جو جلانے کے قابل ہے اور فی جیدھا الخ میں خاص اس کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے نفس بد کی یا اس نالائق خاوند کی بڑی مطیع ہے گویا اطاعت کی گلے میں رسی پڑی ہوئی ہے اور رسی بھی بڑی مضبوط کھجور کے چھوٹی

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اس کی بیوی کے وہ اوصاف ہیں جو دنیا میں اس کو حاصل تھے۔ پھر اس تقدیر پر یا تو حقیقی مراد ہیں کہ خسیس و ذلیل تھی آپ لکڑیاں لایا کرتی تھی اور جس طرح لکڑہاروں کے گلے میں رسی بندھی ہوتی ہے جب کہ وہ لکڑیوں کو جاتے ہیں اسی طرح اس کے بندھی رہتی تھی۔ پھر ایسی خسیس و دنی الطبع کا خیرات و صدقات میں صرف کرنا کیسا؟

یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں حمالۃ الحطب عرب کے محاورہ میں اس عورت کو کہتے ہیں جو لگائی بجھائی کرے اور چغل خوری کر کے لڑائی کرائے، چغل خور کو عرب کہتے ہیں فلان یحطب علیٰ فلان یہ استعارہ ہے اور فارسی میں بھی سخن چین کو ہیزم کش کہتے ہیں۔ اس بدنصیب کی یہ بھی عادت تھی کہ لوگوں کو لڑا مارتی تھی اور عورتوں میں یہ عیب زیادہ ہوتا ہے، ادھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی ادھر لے جایا کرتی ہیں۔ یہ قتادہ و مجاہد و سدّی کا قول ہے اور حقیقی معنی مراد لینے کا ابن زید و ضحاک و ربیع بن انس و مرہ ہمدانی کا قول تھا۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہ اس کی آخرت کی حالت ہے کہ جس طرح دنیا میں حضرتؐ کے راستے میں ڈالنے کو کانٹے باندھ کر لاتی تھی اور اپنے گلے کے گلوبند پر جو بڑا قیمتی تھا ناز کرتی تھی اور کہتی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہلاک کرنے میں اس کو صرف کر دوں گی، اسی طرح جہنم میں اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہوگا اور وہ گلوبند ایک مستحکم رسہ بن کر گلے میں پڑا ہوگا جس سے فرشتے اس کو گھسیٹیں گے۔ ع ۱ ۴ ۲۷

گلے میں مضبوط رسی سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بہیمیت و شیطانیت کی مضبوط رسی اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی جس کو پکڑ کر اس کا نفسِ خبیث راہِ حق سے کھینچتا تھا۔ ہر کافر و مشرک کے گلے میں اس قسم کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ بدکاروں کے گلے میں شہوات کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ محبانِ خدا کے گلے میں محبت کی رسی ہے۔ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

سورۃ اخلاص

مکہ میں نازل ہوئی اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①
(اے نبی) کہہ دو یہ کہ اللہ یگانہ ہے

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ
اللہ بے نیاز ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوا

وَلَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ
نہ وہ کسی سے اور نہ

يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④
کوئی اس کا ہمسر ہے۔

ترکیب

ھو الضمیر للشان اللّٰہ مبتدأ احد خبرہ والجملۃ تفسیر للضمیر وھو مرجعہ، ویمکن ان یرجع الضمیر الی المذکور وھو الرب وعلی ہذا التقدیر ھو مبتدأ اللّٰہ احد الجملۃ خبرہ ویمکن ان یکون

اللہ خبر اول احد خبر ثان ویجوز ان یکون اللہ بدلا من ھو او یجوز ان یکون احد خبر مبتدء محذوف۔ والفرق بین احد و واحد مشھور۔ اللہ مبتدء الصمد خبرہ لم یلد ہذہ الجملۃ وکذا ما بعدھا تفسیر للصمد۔ ولم یکن اسمہ احد و فی الخبر وجہان احدہما کفوا ولہ اما متعلق بکان او حال من کفوا والثانی الخبر لہ و کفوا حال من احد ای ولم یکن لہ احد کفوا فلما قدم النکرۃ قدم نصبہا علی الحال۔

تفسیر

مقام نزول یہ سورت جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ عطا و عکرمہ و جابر و ابن مسعود کا بھی یہی قول ہے، لیکن قتادہ و ضحاک و سدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس ؓ سے بھی ایک روایت کرتے ہیں مگر قوت جمہور کے قول کو ہے۔ اس سورت کی چار آیتیں ہیں۔

ربط اس سورت کا ربط سورہ لہب سے یہ ہے کہ ابو لہب اور دیگر عمائد قریش جس بلا میں پڑے ہوئے تھے وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کو جیسا جاننا چاہیے اس کے مطابق نہ جاننے سے پڑے تھے۔ اب اس سورت میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ حق سبحانہ کیسا ہے اور اس کو کیسا سمجھنا چاہیے اور نیز سورۂ کفرون میں جس کی عبادت کا اقرار تھا اس کے کامل اوصاف بیان کر دینا مقتضائے رحمت اور حجت کا اتمام ہے۔ اگر اس کو سن کر بھی یقین نہ لائے اور اس کی ذات مبارک میں باطل خیالات پیدا کرے جو محض توہمات پر مبنی ہیں تو اپنا سر کھائے اور ابتر بنے، کوثر سے محروم رہے اور ابولہب والی بلا میں گرفتار ہو۔ اس لیے اس کے بعد اس سورت کو رکھا گیا۔

شانِ نزول شانِ نزول اس کا مجملاً یہ ہے کہ کفار قریش نے یا کسی اعرابی نے یا یہود کے علماء کعب بن اشرف و حیی بن اخطب وغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ تو ہم سے اپنے رب کے اوصاف بیان کر تاکہ معلوم ہو کہ وہ کیسا ہے۔ اس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ پھر اس بات کو محدثین نے مختلف الفاظ سے اور قدرے اختلافِ مضامین سے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

چنانچہ امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے اُبی بن کعب ؓ سے روایت کی ہے کہ مشرکین نے حضرت ؐ سے پوچھا تھا کہ اپنے رب کو بیان فرمایئے تو یہ سورت نازل ہوئی الخ اسی طرح ترمذی نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے۔

طبرانی و بیہقی و ابو نعیم نے جابر سے روایت کی ہے کہ کسی اعرابی نے عرض کیا تھا کہ رب کے اوصاف بیان فرمایئے۔ تب یہ سورت نازل ہوئی اور بیہقی وغیرہ نے علماء یہود کے سوال پر نازل ہونا بیان کیا ہے۔

اور یہ ممکن ہے کہ اول مکہ کے قریش نے سوال کیا ہو اور سورت نازل ہوئی اور پھر مدینہ میں آ کر یہود نے یا اعرابی نے بھی یہی سوال کیا ہو اور آپ ؐ نے اس سورۂ مبارکہ کو پڑھ کر سنایا ہو۔ مفسرین کے نزدیک ایک سوال کے جواب میں کسی آیت یا سورت کا پڑھ دینا بھی نازل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ اس تقدیر پر روایتِ مذکورہ بالا میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔

فضائل

اس سورۂ مبارکہ کے بہت کچھ فضائل ہیں یہ توحید عقائدِ اسلامیہ جو ذاتِ پاک حق سبحانہ کی بابت ہیں اور

جن کو ایمان سمجھا جاتا ہے بنیاد ہے وہ سب اس سورت میں مذکور ہیں، اور گویا اس بارے میں قرآن مجید کا خاتمہ اسی پر ہے اور باقی پچھلی دو سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تتمہ کے طور پر ہیں جن میں ہر ایک قسم کے شر سے جو آسمانی ہو یا اس کے اسبابِ ظاہری بندے ہوں جو توحید و اعتقاد میں فرق ڈالنے والے شر ہیں حق سبحانہ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جس میں اشارہ ہے کہ ان شرور سے بچتے رہو اور ان خطرات و وسواس کو دل میں جگہ نہ دو اور اپنے اسی اعتقاد پر دمِ اخیر تک قائم رہو۔

امام بخاری و احمد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ امام احمد و نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جس نے یہ سورت پڑھی گویا اس نے تہائی قرآن مجید پڑھا، تہائی کے برابر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ مضامین قرآن مجید تین قسم کے ہیں۔ توحید و صفات باری تعالیٰ کیفیتِ افعالِ عباد۔ قیامت اور وہاں کے حالات۔ سو اس سورۂ مبارکہ میں توحید و صفات پورے ہیں۔

بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ آپ نے چند شخصوں کو جہاد میں بھیجا، ان کا امام نماز میں جب قرأت کرتا تو قل ہو اللہ پر کرتا۔ لوگوں نے واپس آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا تھا، اس نے جواب دیا کہ اس میں حق سبحانہٗ کی صفات ہیں اس لیے میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو خبر کر دو کہ خدا تجھ کو دوست رکھتا ہے۔

اور بھی احادیث اس کے فضائل میں وارد ہیں۔

تفسیر

فقال قل لے نبی کہہ دو۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ از خود نہیں فرماتے یہ اسرار کہ جن تک حکماء کی عقول کو بھی برسوں کی ریاضت اور غور و فکر کے بعد بھی رسائی نہیں ملہم غیب کی طرف سے ہیں۔ اس لفظ کے سننے کے بعد مخاطب کو شوق اور انتظار بھی پیدا ہوتا ہے کہ دیکھیے عالمِ غیب سے اس کے بعد کیا ارشاد ہوتا ہے۔

ھو اللہ احد کہ وہ رب کہ جس کی صفت تم بیان کرتے ہو اللہ ہے جو یکتا ہے اس کی ذات اور صفات میں یکتائی ہے۔ ذات میں اس طرح سے کہ نہ اور کوئی شریکِ الوہیت ہے نہ اس کی ذات کے لیے اجزاء ہیں نہ تحقیقی نہ تقدیری نہ ترکیبی نہ تحلیلی۔ اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں، وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں، وہی قادرِ مطلق ہے اور کوئی نہیں، وہی علیمِ مطلق ہے کہ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، اور غیب کے علوم اور اسرار اس کے سامنے حاضر ہیں اور کوئی ایسا نہیں، وہی رحمٰن و رحیمِ حقیقی ہے اور کوئی نہیں، وہی موجودِ اصلی ہے اور کوئی نہیں، اور جو موجودات ہیں تو ان کا وجود ذاتی نہیں بلکہ مستعار ہے، اسی کے وجود کا پرتوا ہے، وہی مستغنی ہے اور کوئی نہیں، الغرض وصفِ احدیت اسی کا حصہ ہے، اس لیے لفظِ احد آیا جس کے معنی ہیں یکتا نہ کہ واحد جس کے معنی ہیں ایک۔

احد اور واحد کا فرق

احد اور واحد میں فرق ہے جمہور کے نزدیک۔

ازہری فرماتے ہیں کہ احدیت کے ساتھ بجز حق سبحانہ کے اور کوئی متصف نہیں ہو سکتا رجل احد، درھم احد نہیں کہتے بلکہ رجل واحد، درھم واحد کہتے ہیں، اور واحد احد میں داخل ہے نہ کہ احد واحد میں کس لیے کہ ایک اور یکتا میں فرق ہے۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ ایک شخص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو سمجھ جائے گا کہ دو کر سکتے ہیں۔ برخلاف احد کے، اور اسی طرح عربی میں کہیں گے لا

یقاومہ احد تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسی لیے واحد اثبات کے موقع میں اور احد نفی کے موقع میں مستعمل ہوتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ واحد کے اوپر اثنین ہے احد پر نہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ احد وہ ذات ہے من حیث ہی ہی جس میں نہ کثرت کا لحاظ ہے نہ قلت کا، نہ کسی شرط کے وجود کا، نہ عدم کا، یعنی حقیقتِ محضہ جو منبع ہے جمیع صفات اور جمیع شئون کا، اور واحد ذات مع صفت ہے بالخصوص یکتائی کی صفت معتبر ہے اور اسی لیے اول ھو فرمایا جو ذاتِ بحت ہے اور پھر اس کے نام کو ذکر کیا جو اللہ ہے اور اسی لیے اس کو اسمِ ذات کہتے ہیں، اور چونکہ جمیع صفاتِ کمالیہ بھی اس میں معتبر ہیں تو اس کے بعد لفظ احد لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اس کی صفات اس میں کثرت نہیں پیدا کرتیں اور جو کثرت بھی ہے تو محض اعتباری جو درحقیقت کثرت نہیں، اسی لیے اس کی احدیت میں کوئی بھی فرق نہ آیا۔ اور اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک مقامِ احدیت اور مقامِ واحدیت میں فرق ہے۔

خلیل کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی زبانِ عرب میں ہیں، صرف تخفیف کے لیے واحد کے واو کو ہمزہ سے بدل لیا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ

اس سورت میں بندوں کے مراتب کا ایما بھی ہے اور دنیا پر جس قدر مذاہب باطلہ تھے یا ہیں ان کا بھی ردّ ہے اور اپنی صفات کا بھی اظہار ہے۔ یہ تین باتیں ہوئیں۔

اول بات کی طرف اس ایک آیت میں اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بندوں کی تین قسم ہیں۔

اول مقربین کہ جن کی بہیمیت پر ملکیت بالکل غلبہ کر گئی اور اسی لیے بہیمیت کے ظلمانی پردے ان کی آنکھوں سے اٹھ گئے، اب ان کو عالم میں کسی کی ہستی نہیں دکھائی دیتی، اس آفتابِ حقیقی کے سامنے تمام وجودات کے ستارے مخفی ہو گئے یا یوں کہو کہ اشیاء کے تعینات پر نظر نہیں رہی، پھر تو تمام اسی کی ہستی اور اسی کے وجود کا دریا رواں دیکھتے ہیں ؎

چو سلطانِ عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیبِ عدم در کشد

اور اسی معنی میں عارفِ جامیؒ نے فرمایا ؎

بخدا غیرِ خدا در دو جہاں چیزے نیست
بے نشان است کزو نام و نشاں چیزے نیست

اور بندہ کی ایسی حالت ہو جانی عقلاً ممکن ہے اور اس کی تمثیل یہ ہے کہ جب کوئی سبز یا سرخ شیشہ آنکھوں پر رکھ کر دیکھتا ہے تو باوجودے کہ اشیاء باہم متمیز ہیں مگر سب اس کو سرخ یا سبز ہی نظر آتی ہیں۔ یہ مقربین حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ہیں جن میں صدیقین و شہداء بھی داخل ہیں، ان کو بجز اس کے اور کی حقیقی ہستی ہی معلوم نہیں ہوتی، اس لیے ان کے لیے لفظِ ھو فرمایا۔ گو یہ اشارہ مطلق ہے کہ کوئی قید نہیں مگر جب مشار الیہ معین ہے تو بجز اس کے اور کون مراد ہو سکتا ہے۔

دوم اصحاب الیمین جو صلحاء و ابرار ہیں۔ ان کی بہیمیت کا اور ملکیت کا وزن برابر ہے اس لیے ان کی آنکھوں میں مخلوق کا بھی وجود ہے۔ ان پر وہ حالت طاری نہیں جو مقربین پر تھی۔ اس لیے لفظِ ھو ان کے لیے کافی نہ تھا بلکہ ایک ایسا لفظ درکار تھا جو خالق و مخلوق میں امتیاز کر دے اسی لیے اس کے بعد لفظِ اللہ آیا، ان کے سننے سے ان پر انکشاف ہو گیا کہ مستجمع جمیع صفاتِ کمال اور الوہیت کا مستحق وہی ہے اور کوئی نہیں۔

سوم[3] اصحاب الشمال یعنی اشرار جن کی ملکیت پر بہیمیت غالب آگئی اور آنکھوں پر بھاری پردے پڑ گئے، عقلِ خداداد کا نور زائل ہوگیا۔ قلب کے آئینہ پر زنگ لگ گیا، روح کا جوہر بگڑ گیا۔ یہ کفار و مشرکین ہیں، ان عقل کے اندھوں کے نزدیک جہاں کوئی بڑی چیز سامنے آگئی اور اس کا کرشمہ ان کے دل پر نقش ہوگیا اسی کو اُلوہیت میں شریک کر لیا، پھر کسی نے اس کو مستقل دوسرا خدا مان لیا۔ کسی نے خدائی کا حصہ دار ٹھیرا لیا۔ آفتاب، ستارے، عناصر، احجار و اشجار و ملائکہ و بنی آدم کے ابرار و مقربین اور جن و خبیث سب کو خدائی میں شریک کر لیا۔ ان کی مثال گدھے کے نادان بچے کی سی ہے کہ گائے دیکھی تو اس کو ماں سمجھ کر پیچھے ہولیا۔ بیل دیکھا تو اس کو ماں سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ پھر کسی نے ذاتِ حق سبحانہ کا شریک ٹھیرایا تو کسی نے صفات کا۔ ان کے لیے لفظِ احد ارشاد فرمایا تاکہ اس لفظ کو سن کر ہی سمجھیں۔

دوسری بات۔ یوں تو بہت سے باطل مذہب ہیں اور اُس وقت بھی تھے مگر ان کی تقسیم یوں کر کے ضبط کر سکتے ہیں کہ

یا تو[1] وہ لوگ ہیں جو سرے سے اس کائنات کے بانی کا مستقل وجود ہی نہیں مانتے، عناصر و حرکات کو کہتے ہیں قدیم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے زمین، ہوا، آتش، افلاک و سیارات اور پھر ان کی ترکیب سے حیوانات و جمادات و نباتات موالید ثلاثہ پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تک وہ قوت جو مرکب ہونے سے ان میں آئی ہے باقی ہے اور محافظ قوت ان کی صورت ہے یہ باقی ہے تو قوی بھی رہتے ہیں، نہیں تو ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے اور ہر جزء اپنی اپنی جگہ جدا ہو کر چلا جاتا ہے اور اسی کا نام فنا ہے، نہ کوئی خدا ہے، نہ ملائکہ، نہ غیر محسوس چیزوں کا وجود ہے، نہ مرنے کے بعد حساب ہے، نہ ثواب و عذاب، انبیاء و دیگر اچھے لوگ بندوں کی تعلیم کرنے کے لیے اور ترغیب و ترہیب کے لیے جنت و دوزخ سے ڈراتے ہیں۔

یہ ایک مذہب ہے پھر اس کی بہت سی شاخیں ہیں دہریہ اور طبعیہ اور یورپ میں آج کل اپنی ملکی زبانوں کے ناموں سے مختلف القابوں سے موسوم ہیں۔ حکمائے یونان میں بھی ایسے بہت لوگ تھے اور دیگر ممالک میں بھی۔ اور ہنود میں بھی ایسے بہت گروہ ہیں۔ یہ بلا پہلے بھی بہت پھیلی تھی اور آج کل نئی تعلیم کا زور اسی پر ہے اور ان کو شرع میں ملحد بھی کہتے ہیں۔ ملحدوں کی بڑی بڑی تصانیف ہیں۔

یا وہ[2] اس کائنات کے بانی کا وجود مستقل مانتے ہیں اور اس کی ہستی کائنات کی ہستی سے جدا تسلیم کرتے ہیں، پھر اس کے ہر زبان میں جدا جدا نام ہیں خدا، اللہ، گاڈ، پرمیشر، ننکری وغیرہ۔ اور یہ فرقہ بہت ہے۔ اور اکثر دنیا کی آبادی میں یہی لوگ پائے جاتے ہیں۔

پھر ان کی دو قسم ہیں یا[1] تو وہ کسی آسمانی کتاب اور نبی کے قائل ہیں یا نہیں۔ جو قائل ہیں ان کو متدین کہتے ہیں اور جو قائل نہیں وہ غیر متدین ہیں۔

غیر متدین لوگوں کے پھر بہت سے فریق ہیں جیسا کہ افریقہ اور ہند کے جنگلی لوگ۔ پھر جو ان میں شائستہ ہیں انہوں نے از خود یا ان کے پیشواؤں اور علماء نے ان کے لیے قوانین بھی بنائے ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہیں۔ میرے نزدیک اکثر ہنود کے مذاہب اور اسی طرح اہلِ چین و تاتار کے مذاہب اور اسی طرح مجوسیوں کا مذہب اسی قسم میں داخل ہے۔ اس فریق کے آگے بہت سے فریق ہیں مگر سب نے بانیٔ کائنات حق سبحانہ کی ذات پاک اور اس کی صفاتِ مقدسہ میں کائنات میں سے بڑی بڑی چیزوں کو حصہ دار ٹھیرایا ہے۔ عناصر و کواکب و احجار و اشجار و ارواحِ غیر مرئیہ کو، ان اشیاء کو سمجھتے ہیں کہ یہ مستقل خدا تو نہیں مگر خدا تعالیٰ ان بغیر کوئی کام بھی نہیں کر سکتا، اس لیے ان کی خوشامد کرنا بھی انہیں ضرور ہوا، اور پھر ان چیزوں کی پرستش اور نذر و نیاز کے عجائب عجائب دستورات و قانون بنائے۔ کسی نے

ان کے نفوس کی پرستش کی، کسی نے ان کے اجسام کی مورتیں بنائیں، پھر کسی نے صرف علویات کی پرستش پر قناعت کی ستاروں اور کواکب کو پوجنا اختیار کیا، فرقۂ صابئہ جو کئی جگہ مذکور ہوا اس کا یہی طریق تھا۔ قدیم یونانی اور اہلِ مصر اور اہلِ شام و عراق کا بھی یہی مذہب تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے بھی اسی طرح صدہا معبود تھے کہ جس طرح اب تک ہنود کے ہیں۔ اور مجوس بھی اسی طرح عناصر پرستی کرتے تھے جیسا کہ اب تک کرتے ہیں۔

اب رہا فرقۂ متدین جو دنیا پر تعداد میں سب سے زیادہ ہے۔ پھر ان کے بھی اقسام ہیں۔ یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اوپر تک کے اکثر نبیوں کو مانتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت اور دیگر صحفِ انبیاء علیہم السلام کی جو ان کے پاس محرف موجود ہیں تعظیم کرتے ہیں۔ سامریہ جو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کو مانتے ہیں وہ بھی یہود میں سے ایک شاخ نکلی ہوئی ہے۔ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان سے پہلے سب انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں اور توریت کو بھی انجیل کی طرح مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ متدین فریق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، پھر ہر نبی اس طریقہ کی تقویت کرنے کو آیا۔ مگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ نے اس طریقہ کو نہایت رونق دی اور اس کی بنیاد کے مستحکم پتھر رکھے اس لیے اس بزرگ با خدا کی طرف ہر فریق متدین منسوب ہوتا ہے اور اس کو حنیفیہ کہتے ہیں۔ طریقۂ حنیفیہ میں خدا تعالیٰ کی توحید اور قیامت کا اعتقاد اور مرنے کے بعد جزا و سزا کا اقرار شرط ہے۔ خالص عبادت کی تاکید اگلے نبیوں اور ان کی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانے کی تاکید ہے، ناجائز افعال کے ارتکاب سے ممانعت ہے، عرب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں اس طریقہ کی پابندی کا دعویٰ تھا۔

مگر حنیفیت میں غیر مذاہب کے اختلاط سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بہت خلل و نقصان آ گیا تھا، یہ محل بوسیدہ ہو کر گرنے کے قریب ہو گیا تھا، یہود میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے، بہت سے قیامت کے ہی منکر ہو گئے تھے، اور بہت میں بت پرستی رواج پا گئی تھی، اور اسی طرح رومیوں اور یونانیوں اور دیگر بت پرست قوموں کے اختلاط سے عیسائیوں میں صدہا فرقے ہو گئے تھے اور اب تک ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے پاک کا بیٹا اور خدائی کا تیسرا جزء سمجھنے لگے، اور بعض تو حضرت مریم کو بھی پوجنے لگے تھے، اور عرب میں بھی حنیفیت کے نشان مٹ چکے تھے، عموماً بت پرستی رواج پا گئی تھی۔

اخیر زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عرب میں ایک ایسا نبی بھیجا جس نے اپنی روحانی طاقت سے اس ملتِ حنیفیہ میں پھر جان پھونک دی اور جو کچھ اس فرقہ میں نقص پیدا ہو گئے تھے ان کو دور کر دیا۔ اور اس نبی پر یہ سورت نازل فرمائی جس میں جمیع مذاہبِ باطلہ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے قبائح پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اب دنیا میں اصل فرقۂ حنیفیہ جو ہے وہ اسی نبی کے متبعین ہیں، اور در اصل یہی لوگ حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ بزرگوں کے ماننے والے ہیں۔

اب میں فرقوں کے ابطال کی اس سورت کے الفاظ سے تشریح کرتا ہوں۔

ھو سے ان ملحدوں اور خدا کے منکروں کو تنبیہ ہے جو کسی قدر عقل و ادراک سے بھی بہرہ ور ہیں، کس لیے کہ موجودات میں سے جب وہ ایک چیز کو بھی غور کریں گے تو آخر یہی بول اٹھیں گے کہ وہی ہے وہی۔ اب آفتاب ہی کو دیکھو اور اپنے علم کے گھوڑے دوڑاؤ اور اس کو ساکن بھی

مان لو اور زمین کو اس کے ارد گرد حرکت کرتے ہوئے سمجھ لو تو اب یہ بتاؤ کہ اگر یہ خود بخود بن گیا ہے تو گول کس نے کر دیا اور پھر اور ستاروں سے یہ کیوں بڑا بن گیا' ان میں نور کیوں نہیں' کس لیے کہ جس طرح از خود یہ بنا ہے وہ بھی بنے ہیں' پھر اس کے نور میں گرمی کی کیا وجہ ہے؟ اوروں کے نور میں سردی کا کون سبب ہے؟ پھر ان کے باہم یہ ابعاد اس مقدار پر کیوں ہیں؟ اور جب یہ کسی کے مسخر نہیں تو پھر اس فاصلہ میں تفاوت کیوں پیدا نہیں ہوتا اگر کہو مادہ علت ہے تو مادہ تمہارے قول کے بموجب غیر محسوس چیز ہے' اس کے قائل ہونے کا کون سبب؟ پھر مادہ کو اس طرح کس نے تقسیم کیا' اور مادہ تو سب کا ایک ہے پھر تفاوت کیوں ہے؟ پھر اگر کہو صورت کے سبب سے تفاوت ہے تو اس صورت کو کس نے پیدا کیا اور کیوں مختلف صورتیں پیدا ہوئیں؟ پھر اگر وہی مادہ سبب اور علت ہے تو ترجیح بلا مرجح ہے' اور اگر کوئی مرجح ہے تو وہی ہے آخر کار ہر پھر کر اسی طرف آنا پڑتا ہے۔ مادی اور طبعی لوگوں کو بجز سکوت اور حیرت کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ مادی اور طبعی آج کل حکماء یورپ ہیں۔ اس بحث کو ہم اسی قدر پر تمام کرتے ہیں۔

اور جو بطی الفہم ہیں ان کے لیے لفظِ اللہ خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

اب رہے وہ فرقے کہ جو خدا تعالیٰ کے وجودِ مستقل کے قائل ہیں اور اس کو قادر بھی مانتے ہیں مگر ساتھ ہی اور موجودات کو بھی خدائی میں شریک کرتے ہیں چنانچہ مجوس کہتے ہیں کہ ایک نوری خالق ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور ایک ظلمانی جس کو اہرمن کہتے ہیں' یزدان نیک اشیاء اور نیک کام پیدا کرتا ہے اور اہرمن مضر چیزیں اور برے کام کراتا ہے' اور دونوں کا باہم مقابلہ بھی ہوا کرتا ہے' کبھی وہ غالب یہ مغلوب اور کبھی یہ غالب وہ مغلوب' اور دیگر مشرکین اور اشیاء کو اس کی صفات میں شریک کرتے ہیں۔ عرب فرشتوں کو اور جنوں کو خدا کے رشتہ دار اور بیٹیاں سمجھ کر کارخانۂ قضاء و قدر کا مختار کل جانتے تھے' اسی طرح عناصر اور کواکب کو مظہر تجلی سمجھ کر ان کو قاضی الحاجات دافع البلیات خیال کرتے تھے بلکہ ہنود اور مجوس اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر ان کی عبادت کے ہو نہیں سکتی' نہ اس تک ان کے وسیلہ بغیر فریاد پہنچ سکتی ہے نہ نذر و نیاز' اور ہنود نے حیوانات و نباتات کو بھی اس مرتبہ میں سمجھ رکھا ہے' اور عرب کے مشرکوں اور دیگر اقوام کا بھی اسی کے قریب قریب حال تھا' پھر کہیں کسی دیوتا کو پانی کا' کسی کو صحت و تن درستی کا کسی کو ارزانی کا اور کسی کو گرانی کا اور کسی کو اولاد و مال کا اور کسی کو فتح و شکست کا اور کسی کو موت و حیات کا مختار سمجھ رکھا ہے' اور عرب نے بھی سمجھ رکھا تھا۔ پھر ان دیوتاؤں کی مورتیں پیتل تانبے سونے چاندی پتھر کی بنا رکھی تھیں اور مکانات میں رکھ چھوڑی تھیں جیسا کہ ہنود کے مندر یا بت خانے' پھر ان کے آگے سجدہ کرتے تھے' قربانیاں کرتے تھے نذر و نیاز پیش کرتے تھے' ناچ دکھاتے گانے سناتے تھے' بخور جلاتے تھے' باجے بجاتے تھے اور ان مندروں کے پجاری مقرر تھے' اور اسی طرح زہرہ' مشتری' آفتاب' ماہتاب وغیرہ ستاروں کے مندر بنے ہوئے تھے۔

اب جس کو ان اگلے لوگوں کے حالات دریافت کرنے ہوں تو ہندستان میں آکر ہنود کے معابد دیکھ لے' کہیں ہنومان جی کھڑے ہیں تو کہیں مہادیو کی مورت ہے اور کہیں کشن کی اور کہیں بھیروں کی اور کہیں کالی دیوی کی تو کہیں لاٹوں والی کی تو کہیں کسی اور کی خصوصاً شہر بنارس میں یہ تماشہ خوب موجود ہے۔ ہر چند مسلمانوں کے

آنے سے بہت کم ہو گیا پھر بھی بہت ہے۔ پھر کہیں مرد کے اعضائے تناسُل کی مورت جس کو مہادیو کا لنگ کہتے ہیں ہیں ایک کھرل میں کھڑا ہے جس کو پاربتی زوجۂ مہادیو کا اندامِ نہانی سمجھا جاتا ہے۔ سانپوں کا مالک و مختار گوگا پیر سمجھا جاتا ہے جو ایک مارواڑی راج پوت تھا۔ اسی طرح اور صد ہا مکروہات ہیں۔

ہنود کا فرقۂ محدثہ جس کا آریہ نام ہے ہر چند تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعہ سے اس داغِ بدنامی کو اپنی کتب سے مٹانا چاہتا ہے اور جن کتابوں سے مٹ ہی نہیں سکتا جیسا کہ اٹھارہ پوران اُن کا منکر ہو گیا ہے مگر سناتن دھرم کے پنڈت ان کی اس تدبیر کو کب چلنے دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ان چیزوں کی پرستش جیسا کہ ہزارہا سال سے مروّج ہے ہمارے چاروں اور چھوؤں شاستروں اور اٹھارہ پورانوں کی صریح عبارات سے ثابت ہے۔ کوئی ایک آدھ جملہ نہیں جو اس کی تاویل کی جائے بلکہ بڑے لمبے چوڑے مضامین ہیں، اور ہمارے تمام پنڈت جو سنسکرت زبان کے ماہر تھے یہی مطلب سمجھتے آئے ہیں اور قدیم شرّاح نے یہی مطالب بیان کیے ہیں۔ پھر یہ دیانند جو دراصل سنسکرت کا ماہر بھی نہ تھا نہ اس کے پورے قواعد جانتا تھا ہزاروں برس کے بعد کہاں کا پنڈت پیدا ہو گیا جو ہیر پھیر کے، خلاف محاورے زبان کے معنی بیان کرنے لگا۔ یہ کتابیں نہ آسمانی ہیں نہ ایک شخص کی تصنیف ہیں، چاروں ویدوں میں سے رگ وید اول کتاب ہی کو دیکھو کہ متعدد اشخاص کے کلام متعدد مذاق کے موافق ہیں جن کے نام بھی شراح نے ہر شُکتی کے سر پر لکھ دیے ہیں۔ نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کتابوں میں کبھی تغیر نہیں ہوا کس لیے کہ کئی بار یہ کتابیں دنیا سے معدوم ہو چکی ہیں جن کو اوتاروں نے موجود کیا ہے۔ اگر آریہ فرقہ کو جو دیانند جیسے بے علم کا معتقد ہے، نئی تعلیم اور مسلمانوں کی توحید سے یہ بت پرستی ناپسند ہے اور مذہبِ قدیم ان کے نزدیک سراسر جاہلانہ خیالات کا مجموعہ ہے کہ جس کو کوئی روشن دماغ قبول ہی نہیں کر سکتا اور اسی لیے وہ ہمیشہ ہندوستان ظلمت نشان کے باہر بھی نہیں نکلا تو وہ ان کتابوں اور اس مذہب کی کہاں تک مرمت کرے گا۔ حق پسندی یہی ہے کہ صاف صاف اقرار کرے کہ یہ باطل ہے اور مذہبِ اسلام کو قبول کر لے۔ اگر اس بارے میں قوم سے ڈرتے ہیں اور اپنی پرانی گدڑی کو گانٹھ کر تعصب سے دوشالہ کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور حب الوطن کا حق ادا کرتے ہیں تو یہ ایمان داری نہیں پوری خیانت ہے (میں پنڈتوں کی اس گفتگو سے اتفاق کرتا ہوں)۔

الغرض سینکڑوں معبود ہیں ایک دو نہیں۔ اسی طرح بعض قوموں نے اور الٰہ بنائے تھے۔ ان سب کے ردّ کے لیے لفظ احد آیا کس لیے کہ حق سبحانہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے کوئی اس کا کسی وصف میں شریک نہیں۔ اب اس کی توحید کے دلائل اگر میں مفصلاً بیان کر دوں تو اور ایک مبسوط کتاب بن جائے۔ خصوصاً ان قوموں کے لیے (جو خدا تعالیٰ کو بھی قادر جانتے ہیں مگر مخلوق کو مظاہر یا اس کے کارخانوں کا مالک و مختار جان کر پوجتے ہیں) تو لفظِ احد اس غلط خیال کے مٹانے کو سیفِ قاطع ہے کس لیے کہ مقامِ احدیت میں اس کے سوا اور کسی کا وجود بھی نہیں۔ پھر صفات میں شرکت کیسی؟ وہ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مگر بلید الفہم لوگوں کو اس کے بعد بھی تسلی نہیں ہوتی اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا اللّٰہ الصّمد کہ اللہ بے نیاز ہے، اس کو اپنے کسی کام میں کسی کی حاجت نہیں اور وہ حاجت روا اور قاضی الحاجات بھی ہے، پھر کون ہے جو بندوں کی حاجت برآری کرے؟ اور کسی کی مجال ہے جو اس کے آگے دم مارے؟ اس کی شان

صمدیت نہیں چاہتی کہ اور کی عبادت کی جائے۔

اب فرقِ متدینین کی خام خیالیوں کا بطلان کرتا ہے فقال لم یلد اس نے کبھی کسی کو نہیں جنا۔ توالد و تناسُل اس کی احدیت و صمدیت کے برخلاف ہے کس لیے کہ بیٹا باپ کے ہم جنس ہوا کرتا ہے، پھر جب دوسرا اس جیسا ہوا تو نہ احدیت رہی نہ بہ لحاظ صفات کے صمدیت باقی رہی کس لیے کہ صمد وہی ہے کہ جس کو کسی کی طرف حاجت نہ ہو۔ اور سب کو اس کی طرف حاجت ہو۔ پھر بیٹا باپ کا ہم جنس جب ہی ہوگا کہ وہ بھی اس کے مانند اوصاف رکھ کر حاجت براری کرے۔ پس نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں نہ جن، نہ حضرت مسیح علیہ السلام بیٹے ہیں نہ حضرت عزیر علیہ السلام جیسا کہ عیسائیوں اور یہود کا خیال ہے، نہ خود یہود یا اور کوئی قوم اس کی اولاد ہے جیسا کہ وہ کہتے تھے نحن ابنؤا اللہ و احباؤہ۔

ولم یولد اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے، اس کا کوئی باپ نہیں کس لیے کہ اگر باپ ہو تو حادث ہو جائے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا، اگرچہ کسی مشہور فریق کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا باپ ہے، مگر یہ جملہ اس لیے ارشاد ہوا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کسی سے جنا گیا وہ خدا نہیں ہو سکتا اس قاعدہ پر وہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کو عیسائی خدا کا بیٹا اور خدا بھی کہتے ہیں اور اب تک الوہیتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں اور اسی فاسد اعتقاد کو ایمان اور موجبِ نجات جانتے ہیں اس کا بھی کامل رد ہو گیا۔

تثلیث کا رد

عیسائیوں کا ایک اور فاسد عقیدہ ہے وہ کیا؟ تثلیث کہ باپ خدا، یعنی حق سبحانہ اور بیٹا خدا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس جبرئیل علیہ السلام یا دوسرا فرشتہ یا روح اعظم خدا۔ پھر سب ایک خدا نہ کہ تین۔ ہر چند مذکورہ بالا دلائل سے یہ عقیدہ بھی باطل ہو گیا مگر اس کی زیادہ تر تصریح کرنے کے لیے فرمادیا ولم یکن لہ کفوًا احد کہ اس کا کوئی کفو یعنی مثل بھی نہیں۔ جب اس کا کوئی ہم سر نہیں اور احدیت و صمدیت اور کسی کو نہ جننا نہ کسی سے جنا جانا اسی کا مقتضیٰ بھی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس پر خدا کا اطلاق کرنا ہم سر اور کفو ثابت کرنا ہے جو بدیہی البطلان بات ہے، اور عیسائی تینوں کو برابر خدا کہتے ہیں پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہم سری اور کفویت ہوگی؟

جمیع مذاہبِ باطلہ کے عقائدِ فاسدہ کا کن مختصر الفاظ میں اور کس شائستہ اسلوب میں رد کیا گیا ہے۔

صفات کا ثبوت

تیسری بات اس کی صفات کا ثبوت اور توضیح و تشریح اس کی کہ جس کے سننے کے مشرکین یا یہود مشتاق تھے اس طرح سے ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات یا ثبوتیہ ہیں یا سلبیہ پھر ثبوتیہ یا اضافیہ ہیں یا غیر اضافیہ۔

صفاتِ ثبوتیہ غیر اضافیہ جیسا کہ اس کا حی یعنی زندہ ہونا ازلی ہونا ابدی ہونا۔

صفاتِ اضافیہ کہ جن کا تعلق یا تعقل دوسری چیز سے ہو جیسا کہ اس کا قادر ہونا، عالم ہونا، سمیع و بصیر ہونا، صاحبِ ارادہ ہونا، خالق و رازق ہونا۔

صفاتِ سلبیہ جیسا کہ نہ جوہر ہونا نہ جسم ہونا نہ کسی مکان و زمان میں ہونا، حدوث اور امکان کے خصائص سے مبرا ہونا، نہ کسی کا باپ ہونا، نہ کسی کا بیٹا ہونا۔

پس ھو اللہ میں صفاتِ ثبوتیہ آ گئے کس لیے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جس میں تمام کامل صفات پائی جائیں اور وہ مستحق عبادت ہو۔

ھو اس کے وجودِ اصلی پر دلالت کرتا ہے۔

لفظِ اللہ اس کے حی قیوم سمیع و بصیر علیم و خبیر قادر و مالک ہونے پر اور دیگر اوصافِ کمال پر دال ہے۔

احد صفاتِ سلبیہ پر دلالت کرتا ہے کس لیے کہ احدیت سے مراد اس کی ذات کا منفرد اور تمام قسم کی ترکیبات سے منزّہ ہونا ہے، اور جب احدیت ہے تو وہ مکان اور جسم سے بھی پاک ہے کس لیے کہ مکان یعنی جگہ مجسّم شے کے لیے ہوتی ہے اور جو چیز مجسم ہے ضرور مرکب ہے، اس کے اجزاء لایتجزیٰ ہوں یا ہیولیٰ وصورت ہوں اور ترکیب منافیٔ احدیت ہے اور جب وہ نہ جسمانی ہے نہ مکانی تو جمیع عوارضِ مکان وجسم بلکہ زمانہ سے بھی پاک ہے، نہ اس کو موٹا کہہ سکتے ہیں نہ دُبلا نہ لمبا نہ پستہ قد نہ گورا نہ کالا نہ بوڑھا، نہ جوان، نہ وہ کسی میں حلول کیے ہوئے ہے نہ کوئی اس میں کس لیے کہ حلول بھی مستلزم ترکیب ہے، پھر یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ فلاں شخص میں گھس آیا، فلاں شخص خدا کی ذات میں داخل ہو گیا محض لغو ہے اور جب وہ مجسّم نہیں تو شکل وصورت سے بھی پاک ہے۔ اور محسوس بھی نہیں اور لفظِ احد اس کی یکتائی واستقلالِ صفات پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

اس کے بعد پھر صفات کی تشریح فرماتا ہے اللہ الصمد۔ صمد کے لغت میں دو معنی ہیں۔

اوّل قصد وارادہ کرنے کے۔ اس تقدیر پر صمد بمعنی مصمود ہوگا کس لیے کہ فعل بمعنی مفعول زبانِ عرب میں بہ کثرت مستعمل ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کا مقصود ہے، ہر کوئی اس کی طرف قصد کرتا ہے۔

دوم صمد کے معنی ہیں ٹھوس کے کہ اس پر کوئی تغیر نہیں آتا، وہ قوی اور مستقل ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ واجب الوجود کے معنی میں ہے۔

یہ لغوی معنی کی تحقیق تھی۔ مگر عرفِ عرب میں یہ لفظ بہت سے معانی میں مستعمل ہے، اس لیے مفسرین میں سے ہر ایک نے ایک ایک معنی اختیار کیے ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ جمیع اشیاء کا جاننے والا ہے کس لیے کہ حاجت روائی کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں۔

(۲) ابنِ مسعودؓ کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں سردار کے جو سب سے اعلیٰ سردار ہو۔

(۳) اصم کہتے ہیں کہ صمد جمیع اشیاء کے خالق کو کہتے ہیں۔

(۴) سُدّی کہتے ہیں کہ صمد اس کو کہتے ہیں کہ جو ہر کام میں مقصودِ اصلی ہو اور اس کی طرف فریاد لے جاتے ہوں۔

(۵) حسین بن فضل کہتے ہیں کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے۔

(۶) صمد فردِ کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں۔

یہ سب قول اول لغوی معنی کی تائید کرتے ہیں اور سب صفاتِ ثبوتیہ پر دلالت کرتے ہیں۔

چند اقوال اور بھی ہیں جو دوسرے لغوی معنی کی تائید کرتے ہیں اور وہ سب صفاتِ سلبیہ پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱) صمد بے نیاز کہ جس کو کسی کی کسی بات میں حاجت نہ ہو۔

(۲) صمد وہ کہ جس کے اوپر اور کوئی بالادست نہ ہو۔

(۳) قتادہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کھائے نہ پیے۔

(۴) صمد وہ جو خلق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے فنا نہ ہو جائے۔

(۵) حسن بصری کہتے ہیں صمد وہ کہ جس کو زوال نہ ہو جیسا تھا ہمیشہ ویسا ہی رہے۔

(۶) اُبی بن کعب کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی مرے نہ کوئی اس کا وارث بنے۔

(۷) یمان اور ابو مالک کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی سوئے

نہ بھولے۔

(۸) ابن کیسان کہتے ہیں صمد وہ جو اور کوئی اس کی صفات سے موصوف نہ ہو۔

(۹) مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ صمد بے عیب کو کہتے ہیں۔

(۱۰) ربیع بن انس کہتے ہیں صمد وہ کہ جس پر کوئی آفت نہ آئے۔

(۱۱) سعید بن جبیر کہتے ہیں صمد وہ جو اپنی جمیع صفات اور افعال میں کامل ہو۔

(۱۲) جعفر صادق فرماتے ہیں صمد وہ جو غالب رہے مغلوب نہ ہو۔

(۱۳) ابوہریرہؓ کہتے ہیں صمد کے معنی ہیں بے نیاز اور سب سے بے پروا۔

(۱۴) ابوبکر وراق کہتے ہیں صمد وہ جس کی کیفیت دریافت کرنے سے مخلوق ناامید ہوگئی ہو۔

(۱۵) صمد وہ جو کسی کو نظر نہ آسکے۔

(۱۶) ابوالعالیہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کسی کو جنے نہ کسی نے اس کو جنا ہو۔

(۱۷) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صمد بڑا کہ جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔

(۱۸) صمد وہ ہے جو زیادتی اور نقصان سے پاک ہو۔

الغرض لفظِ صمد دونوں قسم کی صفات کا مجمع ہے۔

اس کے بعد بالخصوص چند اور صفاتِ سلبیہ بیان فرماتا ہے۔

لم یلد کہ اس نے کسی کو نہیں جنا یعنی وہ کسی کا باپ نہیں کیوں کہ بیٹا باپ کے مثل ہوتا ہے، وہ اپنا مثل بنانے سے پاک ہے، اور نہ وہ جورو رکھتا ہے جس سے کسی کو جنائے اور وہ خواہشِ نفسانی سے پاک ہے۔

ولم یولد اور وہ کسی سے پیدا بھی نہیں ہوا کوئی اس کا باپ نہیں یعنی حادث نہیں، قدیم ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس پر کوئی وقت نیست کا گذرا ہو۔

ولم یکن لہ کفوًا احد وہ اس سے بھی پاک ہے کہ کوئی اس کا مثل اور ہم سر اور کنبہ و قبیلہ ہو۔ اس کی کسی بات میں کوئی مساوی نہیں، نہ ذات میں، نہ وجود میں۔ کس لیے کہ اس کا وجود ذاتی ہے، برخلاف مخلوق کے کہ ان کا وجود اس کی طرف سے آیا ہے، نہ اس کے علم میں کسی کو ہم سری ہے کس لیے کہ اس کا علم بھی ذاتی ہے۔ اس کی ذات منشأ علم ہے۔ نہ اس کی قدرت میں کسی کو مساوات ہے کس لیے اس کی قدرت ذاتی ہے۔ اور کسی کو جو قدرت آئی ہے اول تو وہ محدود ہے دوم اس کی طرف سے ہے۔

ف یہ سورت حق تعالیٰ کے محامد میں ہے جیسا کہ سورۂ کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں تھی، مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے بیٹا نہ ہونے سے عیب لگایا اور ابتر کہا تھا، برخلاف اس کے حق سبحانہ پر بیٹا ثابت کرنے سے نصاریٰ نے عیب لگایا تھا۔ پھر جس طرح وہاں آپ حق سبحانہ نے اپنے نبی کریمؐ کی طرف سے جواب دیا اور فرمایا کہ تیرا دشمن ہی ابتر ہے اسی لیے اُس سورت میں لفظِ قُل نہیں فرمایا، اِس سورت میں اپنی طرف سے اپنے نبیؐ کو مخالفوں کو جواب دینے پر مامور کیا اور اسی لیے ابتدا میں لفظِ قُل استعمال ہوا۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکینِ عرب اپنی جہالت سے آپؐ کے دشمن ہیں مگر یہ اہلِ کتاب باوجود علم و کتاب کے میرے دشمن ہیں، جو مجھ پر ایسا عیب لگاتے ہیں۔ سبحٰن اللہ عما یصفون۔

سُورۂ فلق

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱

(اے نبی یوں) دعا مانگا کرو کہ میں تمام مخلوق کے شر سے صبح کے

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ

رب کی پناہ مانگتا ہوں اور اندھیرے کے

شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَ

شر سے کہ جب وہ پھیل پڑے اور

مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝۴

گرہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے

ترکیب

برب الفلق الجار متعلق باعوذ الفلق بالتحریک الصبح واصلہ الشق یقال فلقت الشیٔ فلقاً شققتہ والتفلیق مثلہ یقال فلقتہ فانفلق وہو عام یتناول فلق الصبح من ظلام اللیل والحبوب والنباتات من الارض والماء من الجبال قال اللہ تعالیٰ فالق الاصباح وقال فالق الحب والنویٰ وقال فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم من شر ما خلق متعلق باعوذ ما بمعنی الذی والعائد محذوف ویجوز ان تکون مصدریۃ ویکون الخلق بمعنی المخلوق وقرء الجمہور باضافۃ شر الی ما. وقرء ابوحنیفہ رحمہ اللہ بتنوین شر وما علی ہذا مع الفعل بتاویل المصدر فی موضع الجر بدل من شر ای شر خلقہ. وقال بعضہم ما نافیۃ والمعنی من شر لم یخلقہ وہذا فاسد لان النافیۃ لا یتقدم علیہا ما فی حیزہا. وہذا عام وما بعدہ من الشرور الثلاثۃ تخصیص بعد التعمیم. الغاسق اللیل والغسق الظلمۃ و ہذا قول الفراء وابی عبیدۃ وقال الزجاج الغاسق البارد وانما سمی اللیل بہ لانہ ابرد من النہار وقب من الوقوب وہو دخول ظلامہ یقال وقبت الشمس اذا غابت النفّٰثٰت ہذا قراءۃ الجمہور وہی جمع نفاثۃ علی المبالغۃ وقریٔ النافثات جمع نافثۃ والنفث والنفخ والعقد جمع عقدۃ (گرہ)

تفسیر

مقام نزول حسن بصری و عکرمہ و عطاء و جابر کہتے ہیں کہ یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی لیکن ابن عباسؓ وغیرہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور یہی قول قوی تر ہے اور اس میں پانچ آیت ہیں۔

ع ۱ ۵ ۲۸

معوّذتین قرآن کا جزو ہیں

عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک اختلاف مشہور ہے، وہ یہ کہ ان کے نزدیک یہ دونوں اخیر کی سورتیں کلام الٰہی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منزل تو ہیں مگر قرآن مجید کا جزو نہیں بلکہ قرآن مجید قل ھو اللہ پر تمام ہوگیا اور یہ دونوں سورتیں بطور تعویذ و حفاظت کے نازل ہوئی ہیں، اور اسی لیے وہ ان کو اپنے قرآن میں نہیں لکھتے تھے۔ یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کو کلام الٰہی اور منزل من اللہ نہیں جانتے تھے۔ جس نے ان کی نسبت یہ خیال کیا ہے یہ اس کی سخت غلط فہمی ہے۔

مگر جمہور صحابہؓ ان کے مخالف ہیں، سب نے عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس قول کو غلط ٹھیرا دیا تھا اور جمہور کے دلائل بہت سے ہیں از ان جملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو بخاری واحمد ونسائی وغیرہ معتبر محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے کہ زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ان دونوں سورتوں کی بابت سوال کیا، ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا آپؐ نے فرمایا تھا کہ مجھے جیسا جبرئیل علیہ السلام نے کہا ویسا ہی میں نے کہا یعنی ان کو بھی جبرئیل لائے ہیں اور یہ بھی قرآن کا جزء ہیں۔ اُبی کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اور دوسری حدیثِ صحیح اور ہے کہ جس کو مسلم و ترمذی ونسائی وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "آج کی رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جن کی مثل اب تک میں نے نہیں دیکھی تھیں یعنی قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس"۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ بھی ان کو جزء قرآن سمجھتے تھے مگر الحمد کی طرح ان کو بھی اکثر پڑھا کرتے تھے اس لیے ان کے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی۔ اس نہ لکھنے کی وجہ سے لوگوں نے خیال کر لیا کہ وہ ان کو جزء قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ اور بات بھی اصل یہی معلوم ہوتی ہے مگر اس بحث سے قرآن مجید میں تحریف کا شبہ پیش کرنا اور اپنے اوپر سے الزام تحریف اٹھانے کے لیے اس بحث کو دکھانا محض بے فہمی ہے اور کیوں کر تحریف کا الزام قائم ہو سکتا ہے جب کہ یہ سورتیں مصحف میں لکھی ہوئی تھیں اور سب صحابہؓ ان کو یاد رکھتے تھے نمازوں میں پڑھتے تھے۔ اگر کسی وجہِ خاص سے اپنی کتاب میں کسی نے نہیں لکھا تو کیا قرآن مجید سے خارج سمجھی جائیں گی یا تردد سمجھا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔

ربط

اس سورت کا سورۂ قل ھو اللہ سے یہ ربط ہے کہ انسان کی نجات کا مدار اعتقاد کی درستی پر ہے اور مرنے کے بعد بھی نورِ روح کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے جو اُس عالم میں اس کے لیے سُرورِ ابدی کا باعث ہوتا ہے اور وہ اعتقادِ کامل سورہ قل ھو اللہ میں تمام و کمال بیان کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ اعتقاد مراتب رکھتا ہے اصحٰب الیمین کا اعتقاد راسخ ہے جو حق الیقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے وہ کسی کے شبہ اور دنیاوی کش مکش اور اس کی مزخرفات سے زائل نہیں ہوتا مگر اوساط اور نیچے کے طبقہ کے بھی لوگ ہیں جن کو یہ اعتقاد تقلید سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ لفظِ قل اس پر دلالت کرتا ہے۔

عقیدہ میں خلل انداز یہ چند چیزیں ہیں۔

اوّل وہ امور جو ان کی بہیمیت کی تاریکی سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے نورِ عقل کو ڈھانک لیتے ہیں پھر اس موقع میں وہی رب الفلق جو ظلمات کو دور کر کے صبح کی روشنی پھیلاتا ہے اگر دستگیری نہ کرے تو توہمات کے گرداب سے بچ نہیں سکتا اس لیے ان امور سے پناہ مانگنے کا من شر ما خلق و من شر غاسق اذا وقب میں ذکر فرمایا۔

(۲) دنیا کے تجملات اور اس کے شہوات ہیں جو انسان کے مدارک و مشاعر کی گرہوں میں ایسا منتر پھونکتے ہیں کہ اس کو دیوانہ اور احمق ہی کر ڈالتے ہیں اس کے علاوہ خیالات اور صحیح اعتقاد میں تغیر پیدا کر دیتے ہیں ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں ہے و من شر النفثٰت فی العقد۔

(۳) مصائب اور دنیا کے مکروہات اور اعداء کا جبر

اور ایذا رسانی ہے، اس سے پناہ مانگنے کا ذکر ومن شر حاسد اذا حسد میں کیا۔

اب رہے اوساط سے نیچے درجہ کے لوگ ان کے ایمان و یقین میں جو چیزیں خلل انداز ہیں ان کا اور ان سے پناہ مانگنے کا ذکر سورہ قل اعوذ برب الناس میں ہے جن کا ذکر ہم اس کی تفسیر میں کریں گے۔

ف اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب بندہ دل سے اس کی پناہ چاہتا ہے تو غیب سے اس کی حمایت ہوتی ہے اور نیز اس میں اشارہ ہے کہ اپنے کسی کمال پر نازاں نہ ہونا چاہیے، دل کی حالت بدلتے کوئی دیر نہیں لگتی، اسی لیے اہل کمال ہر وقت لرزاں ہی رہا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے تھے، اور نیز پناہ مانگنا ایک عجز اور عمدہ عبادت ہے جو بندہ کے دل پر نورانی کیفیت طاری کر دینے میں عجب اثر رکھتی ہے۔ اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

قل کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اس لفظ کے شروع میں لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وہ عقائد صحیحہ جو سورۂ قل ہو اللہ میں بیان ہوئے میری طرف سے نہ تھے بلکہ من جانب اللہ جو آپ اس نے اپنے اوصاف بیان فرمائے کسی دلیل و برہان منطقی اور کسی کے انکشاف سے ثابت نہ تھے جن میں غلطی کا احتمال باقی رہتا۔ اسی طرح ان اشیاء کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنا بھی اسی کا حکم ہے جو اس نے اپنے بندوں کی اندرونی حالت پر نظر کر کے ارشاد فرمایا ہے اور خلق کے جملہ حالات اور ان کے تغیرات خصوصاً جزر و مد انسانی کو جس قدر خالق جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اعوذ برب الفلق کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے پروردگار کی جو رات کی ظلمت دور کرتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے۔

ف فلق کے لغوی معنی پھاڑ چیر کر نکالنے کے ہیں، زمین سے دانہ نکالنے میں بھی حق سبحانہ کو فالق الحب و النوی کہا گیا ہے، اور رات میں سے صبح کی روشنی نکالنے پر بھی یہ لفظ اس کی نسبت بولا گیا ہے فالق الاصباح اس میں اس کی قدرت و جبروت کا اظہار ہے اور ایسا ہی شخص پناہ دینے کے قابل بھی ہے، اور اسی کا مرتبہ پناہ دینا اور شر سے بچانا ہے۔ یہ تھے لغوی معنی۔

پھر مفسرین کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ اس جگہ فلق سے مراد صبح ہے ہر چند وہ سب چیزوں کا رب ہے مگر صبح کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر قسم کی تاریکی کو دور کر کے وہی نور نکالنے والا ہے۔

تاریکی کے اقسام

تاریکی کے چند اقسام ہیں۔

اول عدم کی تاریکی جو بڑی تاریکی ہے جس میں کچھ کسی کا نیک و بد معلوم نہیں ہوتا تھا، تمام عالم اس تاریکی کی رات میں تھا، اسی نے ہستی کی صبح پیدا کی اور مخلوق کو وجود کی روشنی میں لایا جس سے یہ بتایا جاتا ہے کہ وہی نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔

دوسری جہل اور بہیمیت کی سیاہی اور حب شہوات و لذات کی رات۔ اس میں سے صبح نکالنا فطرت اور ملکیت اور روحانیت کی روشنی پیدا کر دینا ہے۔ اس رات میں سے وہی نور کی صبح پیدا کرتا ہے جس میں انسان نیک و بد اور غلط و صحیح میں امتیاز کرتا ہے اور حقائق صحیحہ پر قائم رہتا ہے۔

تیسری ظاہری رات کی سیاہی جس میں خبائث و شیاطین چور و قزاق موذی جانور نکلتے اور اپنا شر پھیلاتے ہیں، وہی دامن شب سے صبح کا نکالنے والا اور ان کو دفع کرنے والا ہے۔

کاہے سے پناہ مانگنی چاہیے؟ اس کا آپ ہی بیان

فرماتا ہے من شر ما خلق اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے۔ خدا تعالیٰ نے جو ہستی کا باغ لگایا تو اس نے اس باغ میں سب قسم کے بوٹے لگائے ہیں، میٹھے بھی، کڑوے بھی، خار دار بھی، ثمردار بھی۔ پھر ایک مخلوق دوسری کو اپنے کام میں بھی لاتی ہے۔ مثلاً شیر بھیڑ بکری کو کھاتا ہے۔ یہ شیر کے لیے خیر ہے اور بکری بھیڑ کے لیے شر علیٰ ہذا القیاس۔ یہ ہے مخلوق کا شر۔ پھر شر عام ہے، روحانی ہو یا جسمانی۔ روحانی شر عقائد کا فساد بری باتوں کی طرف میلان، جسمانی شر خسارتِ مال و امراض غلبۂ اعداء وغیر ذلک۔

شر کے صدہا اقسام ہیں سماوی ارضی اختیاری بلا اختیاری دنیا کا شر آخرت کا شر قبر کا عذاب، جہنم کا عذاب۔ ان سب شروں سے اسی کی پناہ مانگنی چاہیے۔

شرِ بندہ کی مضرت ماخلق جو اس نے بنایا یعنی اس کی مخلوق انسان پر دنیا میں یا مرنے کے بعد جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ سب اشیاء کے ذریعہ سے پہنچتی ہے جو اس کی مخلوق ہے۔ سانپ نے ڈس لیا، آگ نے جلایا، غذا نے فساد پیدا کیا، یہ سب شر ہیں بندہ کے حق میں۔ مگر بالخصوص ان تین شروں سے تو ضرور ہی پناہ مانگنی چاہیے جو بڑے شر ہیں۔

(۱) ومن شر غاسق اذا وقب اندھیرے کے شر سے جب کہ وہ پھیل جائے۔

اول تو رات کی اندھیری ہے جو محسوس ہے اور اسی لیے اکثر مفسرین نے غاسق سے مراد اندھیری رات لی ہے۔ اندھیری رات میں موذی اور درندے جانور نکلتے ہیں، ان سے اذیت پہنچتی ہے اور چور و قزاق بھی نکلتے ہیں لوگوں کو شر پہنچاتے ہیں، جن و خبائث نکلتے ہیں کس لیے کہ نور سے ان کو نفرت ہے کیوں کہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ ان سے بھی بنی آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔

دوسری بہیمیت اور قوائے شیطانیہ کی اندھیری ہے، معاذ اللہ جب یہ آکر گھیر لیتی ہے تو پھر شر ہی شر ہے، اس میں غصہ ہے تو وہ ہے جو نہیں کرنا تھا وہ کرا دیتا ہے۔ طمع ہے تو وہ ہے جو دام میں پھنسا کر دار بن کے قید خانہ میں قید کرا دیتی ہے، اور شہوت وہ بلا ہے کہ الٰہی توبہ پھر ادراک و شعور میں بھی فرق آجاتا ہے، اچھے کام برے اور برے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں، وہ نورِ عقل و ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

تیسری حجاباتِ روحانیہ کی اندھیری ہے جو واصلانِ محبوب پر طاری ہو جاتی ہے اور ان کو مشاہدہ سے محروم کر دیتی ہے، پھر اس سے بڑھ کر ان کے لیے کیا شر ہے جو شرِ محض ہے، ان سب شروں سے اسی کی پناہ مانگنی چاہیے جو ان سب اندھیریوں کو دور کر کے روشنی نکالتا ہے اور خدا کی صفات میں سے بالخصوص ربّ الفلق کو ان شرور سے پناہ مانگنے میں ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔

(۲) ومن شر النفّٰثٰت فی العقد گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے بھی پناہ مانگنا چاہیے۔ نفث لغت میں پھونکنے اور دم کرنے کو کہتے ہیں۔ نفّٰثٰت نفاثہ کی جمع ہے۔ اور بعض قراء نے نافثات بھی پڑھا ہے، وہ نافثہ کی جمع ہے، نفاثہ وہ عورت جو بہت پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہو اور تاگے میں گرہیں لگاتی ہو جس کو جادوگرنی کہتے ہیں۔

سحر کے اثرات پر بحث

مفسرین کا ایک گروہ نفاثات کو ظاہری معنی پر محمول کرتا ہے کہ جادوگرنیاں جو جادو کرتے وقت پھونک پھونک کر تاگے میں گرہیں لگاتی ہیں، ان کے شر سے پناہ

مانگنی چاہیے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سحر میں اثر ہے جیسا کہ نظر میں ہے اور اس کا صدہا بار لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے خدا پاک کی پناہ مانگنی چاہیے کہ ان کے جادو کا اثر نہ چلے۔ ورنہ آدمی کو دیوانہ کر دیتی ہیں۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کا فی نفسہ تو کوئی اثر نہیں نہ عقلِ سلیم اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ البتہ قوتِ وہمیہ میں ایک اثر ضرور پیدا ہوتا ہے، جب جادوگر پھونک پھونک کر تاگوں میں گرہیں لگاتے ہیں تو قوتِ متوہمہ اس سے منفعل ہوتی ہے اور یہ وہم قوی ہوتا جاتا ہے کہ جادو کا اثر مجھ پر ہوا پھر آئندہ جو کچھ افعالِ طبعیہ یا صحت میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ اس وہم کے سبب سے پیدا ہوتا ہے' اور وہم کی مضرت کی صدہا مثالیں اور بہت سی سچی حکایتیں ہیں۔

نقل ہے کہ ایک عورت نے اپنے سوتیلے بیٹے کے بیمار کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ تم نے جو آبخورے سے سوتے سے اٹھ کر پانی پیا تھا اس میں سانپ کا چھوٹا سا بچہ تھا، میں نے دیکھا تھا، میں اور کام میں مصروف ہو گئی اس کو مار نہ سکی۔ افسوس تم پی گئے، اب وہ پیٹ میں بڑا ہو کر کیا کرے گا؟ الغرض ایسا خیال جمایا کہ اب جو پیٹ میں ریاح سے قراقر ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ سانپ کا بچہ پھرتا ہے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ نحیف وضعیف ہوتا گیا، ہلاکت تک پہنچ گیا۔ ہر چند علاج کیے جاتے تھے کچھ بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس راز سے ایک اور عورت بھی واقف تھی۔ اس نے لڑکے کے والد سے کہا اس کا علاج میرے ہاتھ میں ہے، اور اس سے وہ فوراً تن درست ہو جائے گا، اس نے بیمار سے کہا کہ میں اپنے منتر کے زور سے اس کو تیرے پیٹ سے نکال دوں گی، ہر روز آ کر کچھ بڑبڑاتی اور اس پر دم کر جاتی۔ ایک روز ایک سانپ کا بچہ بھی مخفی طور پر ساتھ لے آئی۔ مریض سو رہا تھا کہ اس کو اس کے پائجامہ میں آہستہ سے چھوڑ دیا۔ اس کے کاٹنے کا اندیشہ نہ تھا کیوں کہ دانت توڑ دیے تھے، زہر کی پوٹلی نکال ڈالی تھی پھر لڑکے کو فوراً بیدار کیا کہ دیکھ کیا ہے۔ اس نے کوئی چیز پائجامہ میں پھرتی دیکھی۔ گھبرا کر پائجامہ اتار پھینکا تو اس میں سانپ تھا، اس عورت نے کہا دیکھ یہی تو تیرے پیٹ میں تھا جو نکل گیا، بیمار کو یقین آگیا، وہ خیال جاتا رہا، یوماً فیوماً تن درست ہوتا گیا۔

اس قسم کے بہت سے شعبدے دیکھنے میں آئے ہیں اور عملِ مسمریزم کی تو اسی پر بنیاد ہے اور قوتِ وہمیہ ہر ایک شخص میں ہے خواہ نیک ہو یا بد مگر زیادہ مادہ کم علموں میں ہوتا ہے خصوصاً لڑکوں اور عورتوں میں، اس لیے ان پر وہم کی زیادہ فسوں گری چل جاتی ہے، اور اسی طرح جاہل اور ناشائستہ اقوام کا حال ہے اور انہیں لوگوں میں سحر اور جھاڑ منتر کا زیادہ چرچا بھی ہوتا ہے۔

پھر گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ مانگنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی فسوں گری کو عقلِ سلیم دفع کر دیا کرے وہم و خیالِ فاسد اپنا سکہ نہ جمانے پائے۔ وہم کی ظلمت طاری نہ ہونے پائے اور اسی لیے ربِّ الفلق سے پناہ مانگی جاتی ہے کہ اے ربِ نور روشنی کی صبح وہم کی رات سے نکالتا ہے، مجھے وہم کی اندھیریوں سے محفوظ رکھیو۔

سوال جادوگر تو مرد بھی ہوتے ہیں نفّٰثٰت جمع مؤنث کے صیغہ کے لانے کی کیا وجہ؟

جواب (۱) جمہور کے قول پر تو یہ وجہ ہے کہ بیشتر یہ جادوگری بسبب کم عقلی اور دنائتِ طبع کے انہیں میں ہوئی ہے اور جو کوئی مرد ہو کر بھی یہ کام کرتا ہے تو وہ بھی نامرد عورت ہے اور عورتوں کی جماعت میں داخل ہے۔

(۲) بعض فرماتے ہیں کہ نفّٰثٰت سے مراد نفوس ہیں سو وہ عرب کی زبان میں مؤنث ہیں تب یہ معنی ہوئے کہ نفوسِ انسانیہ کے اثرِ بد سے جو لوگوں کے دلوں کی

گرہوں میں پھونکتے ہیں پناہ مانگو۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ جماعتیں مراد ہیں۔ اور جماعت کو صیغۂ مؤنث سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔

(۴) نفثٰت سے عورتیں مراد نہیں بلکہ اس قسم کے اور بھی الفاظ قرآن مجید میں مستعمل ہوئے ہیں جیسا کہ ذٰریٰت ونشطٰت جس سے مراد خبائث ہیں جو انسان کے دل و دماغ و جگر وغیرہ اعضاء ہیں جن کو اصل اور استحکام کے لحاظ سے عقد کے ساتھ استعارہ کے طور سے تعبیر کیا ہے اپنا اثر بد پھونکتے اور سکہ جماتے ہیں۔

ابو مسلم نفثٰت فی العقد کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ مراد عورتیں ہیں مگر ان کی جادوگری اور گرہوں میں پھونکنے سے ظاہری تاگوں پر پھونکنا مراد نہیں بلکہ مردوں کے ارادوں اور ان کی مستحکم راؤں میں (جن کو بطور استعارہ کے گرہوں تعبیر کیا جاتا ہے، کسی بات پر قوی ارادہ کرنے کو کہتے ہیں کہ گرہ باندھ لی) تغیر پیدا کر دیتی ہیں، اور نفث استعارہ ہے ڈھیلا کر دینے سے کس لیے کہ جب گرہ کو کھولنا ہوتا ہے تو اس میں ذرا تھوک لگاتے ہیں کہ نرم ہو کر کھل جائے۔

پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ عورتوں کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے جو مردوں کی ہمتوں اور مستحکم ارادوں کو مکر کی پھونک مار کر ڈھیلا کر دیتی ہیں، اور حقیقت میں عورت کی طرف مرد کو ایک طبعی کشش ہے۔ پھر یہ مردوں پر وہ فسوں گری کرتی ہیں کہ ایک قصد کو تڑوا کر دوسری طرف لگا دیتی ہیں۔ عورت کے جادو سے خدا کی پناہ، اس کے بنائے سیکڑوں عاقل و فرزانہ دیوانے بن گئے۔ عقائد حسنہ اور اعمال صالحہ ترک کر دیے۔ اس کے جادو کی تاثیر کے معتزلہ اور حکمائے فرنگ بھی قائل ہیں۔ یہ شر بھی بڑا شر ہے اور اسی لیے قرآن مجید میں ایک جگہ یوں آیا ہے زین للناس حب الشھوات من النساء الخ اور پھر یہ بھی فرما دیا ہے ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم کہ تمہارے زن و فرزندوں میں سے ایسے بھی ہیں جو تمہارے دشمن ہیں ان سے بچتے رہا کرو۔

الحاصل یہ کہ دوسرا شر جس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے حب الشھوات ولذات کا شر ہے جس کا جادو انسان کے دل و دماغ اور باطنی قوتوں پر چلتا ہے اور یہ گرہیں ہیں، ان میں وہ ایسا منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہیں کہ سب ڈھیلے ہو جاتے ہیں مگر وہ رب الفلق کہ جو سیاہی میں سے روشنی نکالتا ہے اگر اپنی پناہ میں لے لے اور تائید کرے اور قوائے بہیمیہ کی تاریکی میں سے صبح نور فطرت پیدا کرے تو کچھ غم نہیں ؎

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم
گر تو با مائی نباشد ہیچ غم

ف اس آیت میں یا اور کسی آیت میں اس بات کا ذکر تک بھی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کسی نے سحر کیا تھا یا نہیں۔ اور کیا تھا تو کس نے اور کب کیا تھا اور اس کا کیا اثر ہوا تھا؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر ہوا تھا یا نہیں؟

یہ ساری بحث ایک بالائی بات ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل روایت کہتے ہیں کہ مدینہ میں لبید بن اعصم یہودی نے اپنی بیٹیوں سے حضرتؐ پر جادو کرایا تھا اور انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک پر کچھ پڑھ کر اور ایک تاگے میں گرہیں لگا کر ایک کوئیں میں جو خشک تھا جس کو ذروان کہتے تھے رکھوا دیا تھا، اس نفثٰت فی العقد میں اس کی لڑکیوں کی طرف اشارہ بتاتے ہیں۔ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے بھی

دو روز یہ حالت رہی تھی، پھر جبرئیل علیہ السلام نے مطلع کیا تو حضرت علی رضؓ وطلحہ رضؓ گئے اور اس کوئیں سے وہ تاگا اور بال نکال کر لائے۔ جوں جوں اس کی گرہ ہیں کھلتی جاتی تھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام ہوتا جاتا تھا۔

مگر معتزلہ اور بالخصوص قاضی وغیرہ ان روایات کا صاف انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ غلط اور بے اصل روایات ہیں، اور اس کے خلاف یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طعن کی راہ سے مسحور کہتے تھے یعنی جادو کیا گیا۔ اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو پھر ان کا یہ طعن صحیح ہو جاتا ہے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع تھی کہ کسی کی کوئی مضرت پہنچے کس لیے کہ اللہ کا وعدہ تھا واللہ یعصمک من الناس کہ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ پھر اس حفاظت میں کون خلل انداز ہو سکتا ہے؟۔

فریق سابق کہتا ہے کہ وہ (کفار) آپ کو مسحور بمعنی مجنون کہتے تھے یعنی جادو سے کسی نے ان کو دیوانہ کر دیا ہے جو ایسی باتیں کہتا ہے، اور اس قسم کے سحر سے کہ جس سے عقل و ہوش میں کچھ فرق نہ آئے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تھا اور یہ سحر اس قسم کا نہ تھا۔ اور لوگوں سے محفوظ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ تجھے کوئی قتل نہ کر سکے گا۔ جیسا کہ کفار ارادہ کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ کوئی بیماری یا جسمانی مضرت یا اور کوئی ایذا بھی نہ پہنچے گی کس لیے کہ اُحد کی لڑائی میں آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، خیبر میں یہودیہ نے بکری کے گوشت میں ملا کر زہر دیا جس کی مضرت ہر شروع گرمی پر نمایاں ہوتی تھی۔ پھر جب یہ امور اس حفاظت کے مخالف نہیں تو یہودیہ کے جادو کرنے سے بیماری پیدا ہو جانا اور وہ بھی چند روزہ کیونکر مخالف ہو سکتی ہے۔

اور سحر کا اثر نمایاں ہو جانا منافیٔ شانِ نبوت نہیں کس لیے کہ یہ بحیثیتِ بشریت اثر نمودار ہوا تھا اور کھانے پینے سونے وغیرہ خواصِ بشریہ میں آپ بھی شریکِ بشر ہیں اور مصلحت اس میں یہ تھی کہ کفار جو آپ کو جادوگر کہتے تھے ان کا گمان غلط کرنا تھا کس لیے کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جادوگر پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔

تعویذ اور دم کا مسئلہ

ف ۲۔ تعویذ لکھ کر یا کوئی کلام پڑھ کر دم کرنا دفعِ مرض کے لیے شرعاً کیسا ہے؟

علماء کے اس میں دو قول ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ نہیں کرنا چاہیے کس لیے کہ یہ مشرکین اور یہود کا دستور ہے جس کی مذمت اس آیت سے ثابت ہے، اور نیز احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سے ستر ہزار شخص بلا حساب جنت میں جائیں گے ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربھم یتوکلون (متفق علیہ) کہ وہ جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں نہ فال و شگن لیتے ہیں اور اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔

ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ زینب جو عبداللہ ابن مسعود رضؓ کی بیوی تھیں وہ کہتی ہیں عبداللہ بن مسعود رضؓ نے میرے گلے میں تاگا پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا ہے یہ؟ وہ کہتی ہیں میں نے کہا یہ تاگا پڑا ہوا ہے (گنڈہ) تب ابنِ مسعود نے اس کو پکڑ کر توڑ ڈالا اور کہا تم میرے گھر والے شرک سے بے نیاز ہو، میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھاڑ اور تعویذ اور ٹوٹکا شرک ہے۔

جابر رضؓ کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے حاضراتؔ کی بابت پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا یہ شیطانی کام ہے (رواہ ابوداؤد)

مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے داغؔ دلوایا یا جھڑوایا وہ توکل سے دور ہوگیا (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

عیسی بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم کے پاس گیا ان کو حمرہؔ تھی۔ میں نے کہا آپ تعویذ کیوں نہیں ڈال لیتے۔ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ اس سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی کچھ تعویذ گنڈہ لٹکائے گا تو اسی کے حوالے کیا جائے گاؔ۔ خدا تعالیٰ ہی کا توکل بس ہے۔

اکثر اہل علم کا قول ہے کہ تعویذ یا جھاڑنے ہیں بشرطیکہ کلمات شرک نہ ہوں اور اس میں بھی دوا کی طرح خدا کی عطا کی ہوئی تاثیر سمجھتا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ جو احادیث مذکورہ بالا میں ممانعت مذکور ہے یا تو اُن تعویذ اور گنڈوں اور منتروں کی بابت ہے کہ جن کو جاہلیت میں مشرکین عمل میں لاتے تھے اور ان میں غیراللہ سے استمداد و استعانت تھی یا ان خاص لوگوں کے لیے حکم تھا کہ جن کی توکل میں شان بلند تھی، اور عوام کے لیے ممنوع نہیں۔ اور حق سبحانہٗ نے جس طرح دواء میں تاثیر عطا کی ہے اسی طرح اسماء میں بھی دی ہے اس کا انکار کرنا مکابرہ ہے اور اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس وغیرہ ادعیہ پڑھ کر دم کرتے تھے اور صحابہؓ نے بھی ایسا کیا ہے، اور کلمات مبارکہ بھی لکھ کر تعویذ کے طور پر باندھتے ہیں۔ اس امر کے ثبوت کے لیے بہت سی احادیث ہیں جن کے نقل کرنے کی حاجت نہیں، البتہ جو کوئی توکل کرے تو اولیٰ ہے۔

اب تیسرے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرماتا ہے۔ وہ بھی بڑا ہی شر ہے فقال ومن شر حاسد اذا حسد اور کہہ کہ میں حاسد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جب کہ وہ حسد کرے۔

حسد کا بیان

حسد دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلنا اور اس کے برباد کرنے کی کوشش کرنا اور طرح طرح کے حیلے اور تدابیر عمل میں لانا۔ اور غبطہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر اپنے لیے بھی اس کی آرزو کرنا بغیر اس کے کہ اس کا برباد کرنا چاہتا ہو۔ اس لیے حسد حرام ہے مگر غبطہ جائز ہے۔

دنیا میں جس قدر شر ہیں دو ہی قسم کے ہیں۔

اول وہ جو بغیر ارادہ اور کسی خاص کاوش کے پیش آتے ہیں جیسا کہ اتفاقاً آگ میں جل جانا، پانی میں غرق ہو جانا۔

۱؎ اکثر عامل جنوں کو حاضر کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں ۱۲

۲؎ عرب میں مرض کا علاج داغ بھی تھا، اس سے آپؐ نے منع فرمایا کہ ناحق شکل بگاڑنا ہے۔ کیا اور کوئی دوا نہیں ۱۲

۳؎ حمرہ حائے مہملہ سے سرخ رنگ کے دانے نمودار ہوجانا ایک مرض چیچک کے اقسام سے ہے جس کو سرخ بادا کہتے ہیں ۱۲

۴؎ یعنی اللہ تعالیٰ کی حمایت دور ہوکر اب وہ تعویذ گنڈہ ہی اس کا کارساز رہ گیا جو بغیر حکم الٰہی کچھ نہیں کر سکتا ۱۲ منہ

دوم[۲] وہ کہ ارادہ و اختیار سے سرزد ہوں جیسا کہ قتل، لوٹ، چوری وغیرہ۔ اور یہ شر جو بالارادہ سرزد ہوتا ہے حتے المقدور بچنے کی راہ بھی باقی نہیں چھوڑتا اور بالارادہ جس قدر شر ہیں ان کی بنیاد حسد پر ہے۔ حاسد کے اندر جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لیے اپنی خرابی اور بربادی کی بھی پروا نہیں کرتا اس لیے یہ شر بڑا شر ہے۔

اسی لیے حکما نے کہا ہے کہ یہ وہ مرضِ جہاں سوز ہے کہ جس کی آگ میں پہلے حاسد جلتا ہے۔ پہلا گناہ جو عالم میں پیدا ہوا وہ ابلیس کا حسد حضرت آدم علیہ السلام سے تھا وہ آپ بھی برباد ہوا مگر حضرت کو بھی مبتلائے مصیبت کر ہی چھوڑا۔ اور زمین پر جو پہلا گناہ ہوا وہ قابیل کا حسد اپنے بھائی ہابیل سے تھا کہ اپنی عقبیٰ بھی برباد کی اور اس مظلوم کو بھی قتل کیا۔

اس کے شر سے خدا محفوظ رکھے، یہ بدنصیب انسان کے خیالات بھی بدل ڈالتا ہے، اس لیے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ قادرِ مطلق اس کی مضرت کے اسباب سے محفوظ رکھے۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا حسد کی صفت بد سے بھی محفوظ رکھے، یہ دل میں پیدا نہ ہونے پائے ورنہ پھر وہ سعادت جو پہلے تعلیم ہوئی تھی برباد ہو جاتی ہے۔ یہود باوجودے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے تھے مگر حسد کی آگ میں جل مرے، سعادت سے محروم رہ گئے۔ حاسد کو کوئی سعادت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کا دل ملعون ہو جاتا ہے۔

ف بعض عارفین (صوفیہ) اس سورت کی اس طرح سے تفسیر کرتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں الوہیت کی شان بیان فرمادی تو اب مخلوقات کے مراتب کی شرح کرتا ہے اس لیے کہ ظلماتِ عدم طاری تھے اور اس کے شر میں سب غرق تھے۔ اس لیے اس نے ان عدم کی اندھیریوں کو پھاڑ کر نورِ وجود نکالا اس لیے فرمایا کہ قل اعوذ برب الفلق کہہ مجھے اس کی پناہ ہے جو اندھیریوں کو پھاڑ کر ہستی کے نور میں لایا اور ممکنات پیدا کیے۔

پھر ممکنات کی دو قسم ہیں ایک عالم بالا جس کو عالمِ امر کہتے ہیں[۱]۔ ارواح و ملائکہ۔ وہاں خیر ہی خیر ہے شر نہیں۔ دوسرا عالمِ خلق یعنی عالمِ محسوس جس میں شر بھی ہے اور خیر بھی، اس لیے اس کے بعد فرمایا من شر ما خلق کہ عالمِ خلق کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرو اس سے پناہ مانگو۔

پھر عالمِ خلق یا علویات ہیں یا سفلیات ہیں۔ علویات میں بھی چنداں شر نہیں، لیکن سفلیات میں جمادات نباتات حیوانات تین ایسی قسم ہیں کہ جن میں شر ہے کس لیے کہ جمادات میں تو کوئی قوتِ نفسانیہ نہیں، وہ تو شر ہی شر ہے کس لیے کہ عدم ظلمت ہے اس لیے سب سے اول اس کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر کرتا ہے۔ فقال من شر غاسق اذا وقب اور نباتات میں ایک قوتِ غاذیہ ایسی ہے جو اس کو طول و عرض و عمق میں بڑھاتی ہے اور یہی اس کی گرہ ہیں جن میں وہ قوتِ نباتیہ پھونکتی ہے۔

پھر نباتات کے شر ظاہر ہوتے ہیں، اس لیے اس کے بعد ان کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا ومن شر النفثت فی العقد۔

پھر حیوان میں قوائے حیوانیہ ہیں، حواس ظاہرہ اور حواس

---

[۱] قرآن مجید کی اس آیت الا لہ الخلق والامر میں انہی دونوں عالموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۱۲ منہ

باطنہ اور بالخصوص شہوت اور غصہ اور طمع اور یہ سب کے سب روح کو عالم غیب کی طرف متوجہ ہونے اور جلالِ الٰہی میں مشغول ہونے سے حاسد بن کر روکتے ہیں اس لیے ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں آیا ومن شر حاسد اذا حسد۔

اب عالمِ سفلی میں انسان ہی باقی رہا اس لیے اس کے مراتب کا ذکر سورہ قل اعوذ برب الناس میں کیا (کبیر)

ف واضح ہو کہ اس سورت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول تو اجمالاً جملہ شروں سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی اور پناہ بھی کس سے مانگے؟ رب الفلق سے جو اندھیرے میں سے روشنی نکالنے کا رب ہے۔ اس کے بعد تین شر کو بالخصوص ذکر کیا تعمیم کے بعد تخصیص کے طور پر اور وہ تین شر یہ ہیں۔

(۱) اندھیرے کا شر جب کہ پھیل پڑے، خواہ رات کا اندھیرا ہو جس میں موذی چیزیں نکلتی ہیں۔ خواہ قوتِ بہیمیہ کا اندھیرا جب کہ نورِ عقل پر چھا جائے اور انسان کو اندھا کر دے۔

(۲) گرہوں پر پھونک مارنے والیوں کا شر عام ہے کہ تاگے کی گرہوں پر جادو منتر پڑھ کر پھونک مارنا ہو جیسا کہ ڈائنیں اور جادوگرنیاں کیا کرتی ہیں یا انسانی مدارک و مشاعر دل و دماغ کو اپنے حسن و جمال کے منتر سے بے کار کرنے والی عورتیں ہوں یا عورتوں کے سوا وہ شہوات و لذات ہوں جو انسان کے دل و دماغ کی گرہوں کو اپنے منتر سے ڈھیلا کر دیتی اور مخبوط بنا دیتی ہیں۔

(۳) حاسد کا شر خواہ کوئی انسان ہو یا اسی کے اندر کا نفسِ امارہ ہو جب کہ روح پر حسد کر کے اس کی ترقی کو مٹانا چاہے۔

الغرض یہ تینوں شر ایسے ہیں کہ جن میں ظلمت ہے۔

اول شر میں تو ظلمت ظاہر ہے۔

دوسرے شر میں بھی ظلمت ہے۔ جادوگرنیوں کے جادو سے بھی نورِ عقل پر قوتِ متوہمہ کی ظلمت طاری ہو جاتی ہے اور اسی طرح حسین عورتوں کے ناز و کرشمے بھی بہیمیت کی ظلمت پھیلا دیتے ہیں اور شہوات کی ظلمت تو اندھا ہی کر دیتی ہے۔

تیسرے شر میں بھی ظلمت ہے کس لیے کہ نفسِ امارہ کا حسد جب روح کے مقابلہ میں زور کرتا ہے تو ظلمات کا تلاطم ہونے لگتا ہے، اور اسی طرح کوئی انسانی حاسد بھی کھڑا ہو جاتا ہے تو معاذ اللہ اندھیر ہی مچا دیتا ہے، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے اور خود اس کے اندر تو ظلمات کے دھوئیں اٹھتے ہیں۔

پھر ان تینوں شروں سے جو ظلمات تھے پناہ مانگنے میں خدا تعالیٰ کی صفت رب الفلق ہی مناسب تھی یعنی رب النور۔

پس ان ظلمات پر اس رب النور ہی کی مدد اور پناہ کافی ہے، اس سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ اپنے نور کی تجلی ڈالے اور وہ اندھیرا دور ہو جائے۔ یہ کمالِ بلاغت ہے۔

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شر کی بنیاد ظلمت پر ہے اور خیر کی نور پر، اس لیے رب الفلق کا اس صفت کے ساتھ یاد کرنا اور اس سے پناہ مانگنا نور پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس خاصیت کا جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

سورۃ ناس

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں چھے آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ

اے نبی یوں کہا کرو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی

مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ

لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ

اس خطرہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی بدی سے

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ؏

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے ہو۔

ترکیب

قل اعوذ قرء الجمہور بالہمزۃ وقری بحذفہا ونقل حرکتہا الی اللام برب الناس متعلق باعوذ ملک الناس عطف بیان لرب الناس قرء الجمہور ملک الناس باسقاط الالف فی ملک والملک بکسر اللام السلطان القاہر۔ الہ الناس ایضاً عطف بیان من شر الوسواس متعلق باعوذ وہو المستعاذ منہ۔ الوسواس بفتح الواو عند الفراء اسم بمعنی الموسوس وبکسرہا مصدر ای الوسوسۃ کالزلزال بمعنی الزلزلۃ والوسوسۃ حدیث النفس یقال وسوست الیہ نفسہ وسوسۃ ای حدثتہ حدیثا واصلہا الصوت الخفی ومنہ الوسواس للصوت الحلی۔ الخناس نعت لہ مبالغۃ من الخنس وہو التاخر خنس یخنس اذا تاخر ومنہ قولہ تعالیٰ فلا اقسم بالخنس۔ قال مجاہد اذا ذکر اللہ خنس ای تاخر الشیطان واذا لم یذکر تقدم الذی الخ الجملۃ فی محل الجر علی الصفۃ للخناس او فی محل الرفع بتقدیر ہو او فی محل النصب علی الذم من الجنۃ والناس بیان للخناس او الوسواس وقیل متعلق بیوسوس فی صدورہم من جہۃ الجن والانس وقیل بدل من شر باعادۃ الجار وقیل حال من الضمیر فی یوسوس ای یوسوس وہو من الجن والناس والجنۃ والجن بالکسر بمعنی واحد۔ فی الصراح جن بالکسر پری۔ وہو خلاف الانس۔ الواحد منہ جنی بکسرتین۔ جنۃ بالکسر پریاں۔ قولہ تعالیٰ من الجنۃ والناس۔ و دیوانگی قولہ تعالیٰ ام بہ جنۃ۔ فالاسم والمصدر علی صورۃ واحدۃ۔ انتہی ملخصاً والناس اصلہ عند سیبویہ اناس فحذفت فاؤہ، وعند غیرہ لم یحذف منہ شئی واصلہ نوس اذا التصغیر نویس والواحد منہ الناسی۔

ع ۱/۶ ۳۹

تفسیر

مقام نزول و شان نزول یہ سورت بھی جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں وہی گفتگو ہے جو سورۂ فلق میں تھی۔ اس کا شان نزول اور ربط وہی ہے جو سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں بیان کر آئے ہیں۔ اس میں چھے آیت ہیں۔

ربط خلاصہ اس ربط کا یہ ہے کہ اس سورت میں ان شروں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے جو خاص انسان کے قلب پر پہنچتے ہیں اور ایمان کے زائل کرنے میں ان کو بڑا دخل ہے۔ خصوصاً عامہ ایمان داروں کے لیے

جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی تین حالتیں ہیں۔

اول طفولیت کا زمانہ جس کو عقلِ ہیولانی کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت تو حضرت کو اعضاء جسمانی کے کمزور ہونے کے سبب بدیہیات بھی معلوم نہیں ہوتے۔ ماں باپ کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ وہاں تو محض تربیت ہی تربیت ہوتی ہے جس کا متکفل وہ خداوند تعالیٰ ہے۔ اور وہ اپنی شانِ ربوبیت کا کس کس طرح سے جلوہ دکھاتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کرتا ہے اور اس نادانِ محض کی جبلت میں دودھ کا چوسنا القا کرتا ہے، ایسے زمانہ کے لحاظ سے قل اعوذ برب الناس ارشاد فرمایا اور پناہ مانگنے میں اپنی اس قدیم ربوبیت کو یاد دلایا جس سے کوئی آدمی بھی محروم نہیں۔

پھر اس کے بعد نشو و نما شروع ہوتے ہوتے اس مرتبہ پر پہنچتا ہے کہ بدیہیات کا علم حاصل ہوجاتا ہے اور بدیہیات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کو فکر و نظر سے حاصل کرنے لگتا ہے۔ اب ایک تو یہ علمی زور حاصل ہوا، دوسرے بدن کا زور، اٹھتی جوانی کا نشو و نما، لذات و شہوات کی رغبت، اس کے اوپر بادشاہی کا رنگ جما دیتی ہے، اپنی ترنگ میں کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتا، شاہانہ مزاج پیدا ہوگیا، نہ آخرت کی فکر، نہ کوئی مآل اندیشی۔ اس زمانہ کی آفات اور شر بھی ایسے ہیں کہ الٰہی توبہ۔ اس زمانہ کے لحاظ سے پناہ مانگنے میں ملک الناس ارشاد فرمایا کہ تو کیا ہے اور تیرا زور و علم کیا ہے، شاہنشاہِ مطلق ہم ہیں، ہمارے دیے ہوئے قویٰ کے لشکروں پر تو کیا غرور کرتا ہے، ہم جب چاہیں اپنے لشکروں کو تجھ سے لے سکتے ہیں اور دوسرے لشکر بھیج کر تجھے پامال کرسکتے ہیں تو اپنے زوروں پر گھمنڈ نہ کر بلکہ تمام انسانوں کے بادشاہ سے جو بڑا زور آور ہے پناہ مانگ۔

پھر اس کے بعد جب جوانی کا خمار ٹوٹتا ہے تو اس کو ادھر ادھر کی بھی سوجھتی ہے، جیسا کہ سورۂ احقاف میں فطرتِ انسانی کے اس زمانے کا نقشہ کھینچا ہے وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحًا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین کہ جب وہ چالیس برس کو پہنچا تو کہنے لگا کہ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر مبذول ہوئی ہیں شکر کروں اور وہ وہ عمدہ کام کروں جو تجھے پسند آئیں، میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں۔" اور معلومات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ اس کے سینہ میں جمع ہوا اور جو کمال اس میں ودیعت رکھے گئے تھے اور جن کا تخم اس کی استعداد کی زمین میں ڈالا گیا تھا اب وہ سب باہر آگیا، اور اس کو حکماء کے نزدیک عقل بالفعل کا مرتبہ اور کمال کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اب اس پر شانِ الوہیت آشکارا ہوئی۔ اس مرتبۂ کمال کے لحاظ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا الٰہ الناس کہ لوگوں کے معبود سے، جس میں جملہ کمالات اور تمام صفاتِ کاملہ موجود ہیں۔ اور تیرا یہ کمال اس کے کمال کے آگے کچھ بھی نہیں، پناہ مانگ۔

اب اپنے ان تینوں اوصافِ کاملہ کو (جو انسان کی عمر کے تینوں حصوں کے مناسب تھے اور اسی لیے ربوبیت، ملکیت، الوہیت کو الناس کی طرف مضاف کیا ہے) بیان فرما کر یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم کس سے پناہ مانگنے کو کہتے ہیں اور وہ کیا ہے جن سے پناہ مانگنی چاہیے وہ کون سا شر ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے من شر الوسواس کہ وسوسہ ڈالنے والے کی برائی سے۔ وسواس بفتح واؤ کے معنی ہیں وسوسہ اور خطرہ (خیال) ڈالنے والا اور بکسرہ واؤ اس کے معنی ہیں خطرہ (خیال) اور وسوسہ۔ بہر حال خطرہ (خیال) اور وسوسہ ہو یا وسوسہ اور خطرہ (خیال)

ڈالنے والا ہو اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اور دل سے کہنا چاہیے کہ الٰہی تو جو رب الناس ہے۔ سب کی پرورش اور تربیت تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو جو ملک الناس لوگوں کا بادشاہ ہے سب تیری رعیت ہیں سب پر تیرا زور چلتا ہے (پرورش کرنے والا کبھی بادشاہ نہیں بھی ہوتا جیسا کہ ماں باپ اور آقا یا عزیز و اقارب پرورش کرتے ہیں مگر بادشاہ نہیں، سب پر زور نہیں، مخالف کے زور اور اس کے شر کو نہیں روک سکتے) مگر تو پرورش کرنے والا بھی ہے اور بادشاہ بھی ہے، تجھ کو یہ فوقیت ہے۔

اور بادشاہ بھی کیسا بادشاہ؟ الٰہ الناس تو لوگوں کا خدا بھی ہے۔ بادشاہ کو اختیاراتِ شاہی حاصل ہوتے ہیں نہ کہ اختیاراتِ خدائی، وہاں وہ بھی اوروں کی طرح مجبور ہوتا ہے۔ موت اور بلائے آسمانی اور قضاء و قدر کے احکام میں اس کی کچھ بھی نہیں چلتی مگر تو تو خدا بھی ہے تیرے زور اور تیری قدرت کے کرشموں کو کسی انسان کی عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ تجھ میں بے انتہا طاقتیں ہیں تو جیسا کہ تو نے سورۂ قل ھو اللہ میں آپ بتلایا ازلی ہے، ابدی ہے، یکتا ہے، صمد ہے، یعنی بے نیاز ہے کسی کا کسی کام میں محتاج نہیں، سب تیرے ہی محتاج ہیں۔ مجھ کو وسواس یعنی وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے محفوظ رکھ میں تیری پناہ میں آتا ہوں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں، تو پناہ دے۔ میں تیرا پرورش کردہ ہوں، تیری رعیت و محکوم ہوں، تیرا بندہ ہوں، ابتدائے آفرینش سے اب تک اور آئندہ بھی تیری ہی عنایات کا خوگر ہوں، میرے کئی رابطے تجھ سے ہیں، تو ہمیشہ کا کرم گستر ہے، میں موروثی خانہ زاد رعیت ہوں۔

پھر وہ وسوسہ ڈالنے والا کون ہے جس کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے؟ اور پناہ مانگنے کا آپ ہی اپنی رحمت سے حکم دیتا ہے جس پر قبولیت کا اشارہ ہے۔ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے الخناس وہ وسوسہ ڈال کر ہٹ جانے والا چور اور داؤ گھات والا قزاق ہے یعنوس پیچھے ہٹنا کام کر کے سٹک جانا جیسا کہ چوروں بدمعاشوں کی عادت ہوتی ہے۔ خرمنِ ایمان میں چنگاری ڈال دی اور چل دیے۔

پھر اور بھی توضیح کرتا ہے کہ وہ وسواس کیا کیا کرتا ہے الذی یوسوس فی صدور الناس کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اور بدخطرہ اور ناپاک خیال ڈالا کرتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ آخر ہے کون؟ من الجنۃ والناس وہ جن ہے ابلیس اور اس کی ذریت جن کو قلوبِ بنی آدم تک رسائی ہے، اور وہ طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتے ہیں، اور انہیں پر موقوف نہیں آدمی بھی ایسے ہیں جو ایمان میں یا نیک کام میں یا کارِ خیر میں وسوسہ اور شبہ ڈال کر چلتی گاڑی میں روڑا لگا دیا کرتے ہیں کہیں طمع کار نقریر سے کہیں پُر افسوں تحریر سے کہیں ناصحِ مشفق بن کر کبھی پیر و مرشد بن کر فقیری کا لباس پہن کر۔ الغرض ہزاروں بہروپ بدل کر انسانی شیطان ایسے کام کرتے ہیں جن کی نسبت مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

انسانی خناس کے وسواس کی توضیح

ان انسانی شیطانوں کا ہر وقت اور ہر زمانہ میں ظہور رہا ہے، خصوصاً اس اخیر زمانے میں کہ جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دی تھی بہت کچھ زور ہے۔ ایمان کا تھامنا آج کل ایسا مشکل ہے کہ جیسے ہاتھ میں انگارے کا تھامنا۔

ایک طرف تو غیر مذاہب کے واعظ اس آزادی کے زمانے میں ایسے نکل پڑے کہ جیسے برسات میں حشرات الارض۔ کہیں پادری اور ان کے کاسہ لیس ہیں جو طرح طرح سے

دامِ تزویر پھیلاتے ہیں، وعظ اور خطرات (خیالات) ڈالنے والی کتابوں کی تصنیف اور اخبارات و رسائل کی اشاعت پر بس نہ کر کے مدارس بھی قائم کر دیے۔ پھر عورتوں کے دلوں میں اپنے زہریلے تخم بونے کی کوشش میں بھی کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ سادہ لوح ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنی مستورات کو بھی تختۂ مشق بنانے کے لیے ان کے حوالے کیے دیتے ہیں۔ کہیں یتیم خانے بنا کر مصیبت زدوں کے بچوں کو شکار کرتے ہیں اور روٹی کھلا کر ان کا ایمان چھین لیتے ہیں۔ کہیں شفاخانے بنا رکھے ہیں، خیراتی اور رفاہ کے کاموں کی آڑ میں ایمان سے برگشتہ کرتے ہیں۔

پھر مدارس میں بھی الحاد کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کو نیو سائنس بتایا جاتا ہے اور کس کس پیرایہ سے ایمان اسلام اور اس کے ارکان و شعائر کی توہین کی جاتی ہے۔ قہقہے اڑائے جاتے ہیں۔ پھر ان کے خوشامدی اور کاسہ لیس، جو نئے فلسفے کے شیدا ہیں بہ لباسِ اسلام لوگوں کو ملحد و دہریہ بنا رہے ہیں۔ کہیں معراج کا انکار کہیں خرقِ عادات کا انکار معجزاتِ انبیاء علیہم السلام پر تمسخر، ان کی برکاتِ نفوسِ مقدسہ پر مضحکے۔

پھر عام بدکاری کے اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ جن سے بچنا مشکل، شراب کا دریا رواں، فاحشہ عورتوں اور برہنہ تصاویر اور لہو و لعب اور طرح طرح کے باجے اور تھیٹر اور تماشے ایسے نکل پڑے کہ جن سے کوئی شہر اور کوئی محلہ خالی نہ ہوگا، دواؤں میں شراب، کھانوں میں شراب۔

پھر قانون نے شریعت کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، لوگوں سے شریعت چھڑا کر رسم و رواج کی پابندی کا پروانہ دے دیا۔

پھر سود اور اس کے معاملات کی ایسی وبا پھیلائی کہ جس سے کوئی تجارت اور کوئی معاملہ نہ بچ سکے۔ پھر ان کے خوشامدی ان باتوں کے جواز میں اپنی ملمع کار تقریروں، لکچروں میں کیا کیا کاری گریاں کرتے ہیں[1] کہ اس کو دیکھ کر بے چارہ شیطان بھی ششدر رہ جاتا ہو تو تعجب نہیں۔ شاگرد رشید استاد سے بھی سبقت لے گئے۔ لعنۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر ان کی دیکھا دیکھی وہ مذاہب بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہ جن کی بدبو سے دنیا سڑ گئی تھی اور اب تک سڑ رہی ہے، پھر وہ سیاہ باطن نئی روشنی کی خوشبو میں مل مل کر اس ناپاکی کو کیسا عطر بنا کر دکھا رہے ہیں۔ اور اسلام اور اس کے ہادیؐ کے پُر نور چہرہ پر کیسے کیسے بدنما دھبے لگانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اسلام کی فرضی تصویر دکھا کر اس کا چہرہ بگاڑ کر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والے کو گھن آجائے۔ ان کے خطرات و وسواس کی شرح کروں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔

[1] سود کے جواز کے لیے کبھی تو یہ تقریر ہے کہ سود عرب کے مفلس لوگوں کی داد و ستد تک محدود تھا کیوں کہ غریب آدمیوں کی ضرورت پر قرض دے کر ان سے سوا یا ڈیوڑھا لینا انسانی مروت کے خلاف تھا مگر شاہی بنکوں سے منافع لینے میں یہ بات نہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ سود کا مسئلہ شارعؑ نے ناتمام چھوڑ دیا ہے، یہ قیود جو لگائی ہیں تو فقہاء نے فرصت میں بیٹھ کر لگائی ہیں۔ اسلام کے وسیع دائرۂ معاش کو تنگ کر دیا ہے۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ ہندستان دار الحرب ہے یہاں سود لینا درست ہے۔ مگر دار الحرب کے معنی پوچھے جاتے ہیں تو حکام وقت کے ڈر سے چپ ہو جاتے ہیں کس لیے کہ دار الحرب کے پھر اور احکام بھی تو ہیں۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ سود جو ربٰوا کا ترجمہ ہے خاص قرض لینے دینے میں ہے، باقی تجارت اور ہنڈی بٹے اور نوٹوں کے منافع سے اس کا کچھ تعلق نہیں ۱۲ منہ

پھر خود اسلامیوں میں جو زمانہ کے اثر بد سے لوگوں نے کجیاں پیدا کر کے ان کا نام اسلام اور سنت رکھا ہے اور پھر ان کے مولویوں اور درویشوں نے جو وسواس پیدا کر کے عامہ مسلمانوں کو راہِ راستِ محمدی میں ٹھوکریں کھلائیں اور کھلا رہے ہیں، خدا تعالیٰ ان سے بھی محفوظ رکھے۔

یہ ہے انسانی خناسوں کے وسواس کی تفسیر جن کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے۔ اب میں کسی قدر شر الجنۃ کی بھی تفسیر کرتا ہوں۔

انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر خون کی طرح شیطان پھرتا ہے۔ (متفق علیہ)

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان سے شیطان پوچھتا ہے کہ یہ چیز کس نے بنائی اور یہ کس نے؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ پھر جب یہ نوبت پہنچے تو کہہ دینا چاہیے کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں (متفق علیہ)

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کا بھی ابن آدم کے دل پر گزر ہوتا ہے اور فرشتہ کا بھی، شیطان کے گزرنے سے شر پر آمادگی اور حق کی تکذیب پر تحریک ہوتی ہے۔ اور فرشتے کے گزرنے سے نیک کام کرنے اور حق کی تصدیق کرنے کی تحریک ہوتی ہے، پھر جس کو یہ بات نصیب ہو تو اللہ کا شکر کرے اور جس کو پہلی بات پیدا ہو تو شیطان مردود سے پناہ مانگے۔ (رواہ الترمذی)

اور یہ ممکن ہے، کس لیے کہ فرشتے اور اسی طرح شیطان جسم لطیف رکھتا ہے۔ سو ان کا انسان کے مجاریٔ دم میں مداخلت کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اسی لیے دل پر دریا کی طرح موجیں اٹھا کرتی ہیں، کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بدی کی طرف دل میں از خود خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تو اس کا محرک نیک کاموں میں فرشتہ کا الہام ہوتا ہے، اور بد کاموں میں خطرۂ شیطانی ہوتا ہے۔ پھر جو اس خطرۂ شیطانی پر جم گیا برباد ہوا

اصل مادہ اس شیطانی اور ملکی گزر کا انسان کے قوائے بہیمیہ اور قوائے ملکیہ کا ہیجان ہے اسی لیے بعض نے غلط فہمی سے صرف مادہ کو شیطان اور فرشتہ سمجھ کر شیطان اور فرشتہ کے وجود مستقل کا انکار کر دیا۔ یہ بھی ایک شیطانی خطرہ ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے اندر قوتِ وہمیہ بھی ایک بڑا شیطان ہے، وہ اس کو کچھ کا کچھ دکھا دیتی ہے، اور اس کے علوم و معارفِ حقہ میں فرق ڈال دیتی ہے، جس قدر گمراہ فرقے ہیں اسی قوتِ وہمیہ کے مارے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا جس سے اشارہ ہے کہ اپنے علوم و معارفِ حقہ پر جو تم کو مشکوٰۃ نبوت سے پہنچے ہیں مستقیم اور ثابت قدم رہو، خیالات کے گھوڑے دوڑا کر ہلاکت کی گھاٹی اور خسران کے گڑھے میں نہ گرو۔

ف سوال سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں رب الفلق ایک صفت ذکر کر کے تین چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر تھا، اور اس سورت میں تین صفات کا ذکر کر کے ایک چیز سے پناہ مانگنے کا فرمایا، وہ کیا؟ شرِ وسواس خناس۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟

جواب ایک تو یہ کہ اس میں جسمانی شروں سے پناہ مانگی گئی تھی جس کے لیے ایک صفت رب الفلق کافی تھی۔ لیکن اس سورت میں روحانی اور دینی شر سے پناہ مانگی گئی ہے اس لیے اس کے لیے تین صفاتِ رب کا ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ معلوم ہو کہ دینی شر بڑا شر ہے اس لیے اس سے پناہ مانگتے ہیں خدا پاک کے تین اوصاف ربّ الناس، ملک الناس، الٰہ الناس کا ذکر کرنا مناسب ہوا۔

دوسرے یہ کہ اُس سورت میں اُن تین شروں سے پناہ

مانگنے کا حکم ہے جو اعلیٰ اور اوساط کو لاحق ہوتے ہیں، مگر اس سورت میں اس شر سے بچنے کا حکم ہے جو عوام کو زیادہ لاحق ہوتا ہے جو نہایت کمزور ہوتے ہیں، اس لیے ان کو خدا تعالیٰ کے یہ تین وصف محافظ عطا کیے گئے کہ ان صفاتِ عالیہ کے ذریعہ سے شرِ شیطانی سے پناہ مانگو۔

ف ۲ بعض مفسرین نے من الجنة والناس کا بیان اس کو قرار دیا ہے جو یوسوس فی صدور الناس میں مذکور تھا تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ خناس جو جنوں اور آدمیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اس کے شر سے پناہ مانگو۔

یہ بات تو ٹھیک ہے کس لیے کہ جس طرح نیک و بد خطرات انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوتے ہیں اور وہ بھی انسان کی طرح مکلف اور مامور ہیں۔ ان میں بھی نیک اور بد ہیں، ان کے دلوں تک بھی جس طرح فرشتۂ ملہمِ خیر کا گزر ہوتا ہے، اسی طرح خناس ملہمِ شر کا گزر ہوتا ہے۔ ان میں بھی مومن اور کافر ہیں، چوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کے لیے بھی نبی ہیں اس لیے اس قوم کے ایمان داروں کو بھی پناہ مانگنا سکھایا ہے۔

مگر یہ کلام باقی رہے گا کہ ناس کا اطلاق کیا جن پر بھی ہوتا ہے جس کے بیان میں من الجنة واقع ہوا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ ناس کا اطلاق انسان ہی پر ہوتا ہے نہ کہ جن پر۔ بعض فرماتے ہیں کہ جن پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ رجال کا اطلاق سورۂ جن میں جنوں پر بھی ہوا ہے۔ فرمایا یعوذون برجال من الجن

ف ۳ **سوال** اس سورت میں خدا پاک کے تین اوصاف مذکور ہوئے۔ اگرچہ وہ بندے کی تو تینوں حالتوں کے مناسب ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مگر وسواسِ خناس سے ان تینوں صفات کو کیا اثر پہنچتا ہے؟

جواب ضرور پہنچتا ہے، کس لیے کہ جس کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے وہ وسواسِ خناس ہے، چوں کہ اس میں لطافت بھی ہے جو دلوں تک پہنچتا ہے اور بدنِ انسان میں خون کی طرح دورہ کرتا ہے اور پھر کام کر کے چل دیتا ہے، وہ قزاق ہر ایک کے قابو میں نہیں آتا اور جو پکڑا جائے تو اس کو سزا بھی ہر ایک نہیں دے سکتا۔ اس لیے اس کے شر سے پناہ مانگنے میں باری تعالیٰ کی صفات میں سے وہ تین صفات اختیار کی گئیں جو اس کے لیے کافی ہوں۔ رب الناس میں لطافتِ رب کی طرف اشارہ ہے اور پاسبانی کی طرف بھی کس لیے کہ رب وہ ذات ہے جس میں جمیع صفاتِ کمال ہیں، اور من جملہ ان کے لطافتِ علم و خبر بھی ہے جس کے بغیر ظاہری و باطنی تربیت ممکن نہیں، وہ خناس جب کبھی دل میں آئے گا تو اس کو فوراً معلوم ہو جائیگا، اور تربیت کا مقتضیٰ ہے کہ باطن کو بھی شر سے محفوظ رکھے، اس لیے اس کے پہرے دار بھی خاصانِ خدا کے ارد گرد رہا کرتے ہیں یحفظونہ من امر اللہ اور اس قزاق کی گرفتاری کے لیے ملك الناس کی صفت مذکور ہوئی۔ کس لیے کہ شاہانِ عالی شان بڑے بڑے چوروں اور قزاقوں کو بس میں کر لیا کرتے ہیں، اور پھر قابو میں کرنے کے بعد سزا دینے کے لیے الٰہ الناس کی صفت کا اظہار فرمایا۔ کس لیے کہ خدائی سے بڑھ کر پھر اور کوئی مرتبہ ہی نہیں۔ سب کو اعمال کی جزا اور سزا دینا اسی کی شاہنشاہی اور خدائی مقتضیٰ ہے۔

ف ۴ سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں پناہ گمراہی اور حجاباتِ حاجزہ سے مانگی گئی تھی۔ جس کے غالباً تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ کبھی قوتِ وہمیہ اور ہیبت کا غلبہ، اور کبھی لذات و شہوات کی رغبت، جس کی طرف ومن شر النفثٰت فی العقد میں اشارہ تھا۔ اور کبھی قوائے ملکوتیہ کا دب جانا اور عوارضِ ہیولانیہ و اسبابِ ظلمانیہ کا غلبہ پانا جس کی طرف ومن شر حاسد اذا حسد میں اشارہ تھا اس لیے استغناذہ میں خدا تعالےٰ کی صفتِ رب الفلق کا

ذکر کیا جو تنویر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور اس سورت میں شیطانی وسواس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اور شیطان کا استیلاء انسانیت پر پورا پورا ہو جاتا ہے جو طرح طرح سے تجلیاتِ باطلہ اور اشکالِ مختلفہ میں ظہور کرتا ہے اس لیے اس سے استعاذہ کرنے میں تین صفاتِ جبروت ذکر ہوئیں ربوبیت، ملکیت اور الوہیت کہ جن کے استیلاء کی صورت میں شیطانی استیلاء کو جگہ نہیں ملتی۔

ف ۵ قرآن کی ابتداء وصفِ ربوبیت سے تھی یعنی الحمد للہ رب العلمین فرمایا تھا۔ اور اختتام وصفِ الوہیت پر ہوا یعنی الٰہ الناس فرمایا تاکہ معلوم ہو جاتے کہ ربوبیت کی حق شناسی یہی ہے کہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اسی کی شکرگزاری کے ساتھ عبادت و اطاعت میں عمر گزار دی جائے۔ ولہ الحمد ظاہرًا و باطنًا۔

بتاریخ نہم شعبان ۱۳۱۴ھ بوقت صبح بمقام دہلی کتاب تمام ہوئی

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

جغرافیۃ العرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی

ہم نے تفسیر میں عرب کا جغرافیہ اور تاریخ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں جو واقعاتِ گزشتہ بطورِ عبرت بیان ہوئے ان کی پوری کیفیت ذہن نشین نہیں ہوتی جب تک کہ جس زمین پر وہ گزرے ہیں اس کا صحیح حال معلوم نہ ہو جائے اور احادیث اور فنِ سیرت میں اور نیز فقہ میں جہاں عشری اور خراجی زمین کا بیان ہوتا ہے وہاں بھی بغیر جغرافیہ جانے اچھی طرح سے حال معلوم نہیں ہوتا اور استاد و شاگرد دونوں پر جہالت کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ اور ہمارے معاصرین علماء کو اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں۔ اس لیے جو جو غلط بیانیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان مدارس کے لڑکوں کو جو فنِ جغرافیہ و تاریخ سے ماہر ہیں مضحکہ کرنے کا موقع دیتی ہیں۔ اور اسی طرح تاریخ عرب نہ جاننے سے بڑی بڑی پُرخطر گھاٹیوں میں گر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور اسی لیے اکثر تفاسیر موجودہ میں ان فنون سے بے خبر مفسروں نے سخت غلطیاں کھائی ہیں جو اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں۔

ہم قدیم اور جدید جغرافیوں کو آگے رکھ کر عرب کا جغرافیہ اور مختصر تاریخ اور اسی طرح عراق اور جزیرہ اور شام اور کنعان اور ایشیائے کوچک کا بھی مختصر سا حال لکھتے ہیں کیونکہ اسلامی کتابوں میں ان ملکوں اور ان کے شہروں کا بھی ذکر آتا ہے۔

(من کتاب "المسالک والممالک" لابی اسحٰق ابراہیم ابن محمد الفارسی الاصطخری المعروف بالکرخی المتوفیٰ فی القرن الرابع الہجری۔ طبع بریل لیڈن ۱۸۷۰ء)

ملکِ عرب ایک مستطیل زمین ہے جس کو بحرِ فارس مقامِ عبادان سے کہ جہاں دجلہ نہر آکر ملتی ہے احاطہ کرتا ہے، اور پھر بحرین شہر کو احاطہ کرتے ہوئے شہر عُمان تک پہنچتا ہے، پھر سواحلِ مہرہ و حضرموت کو احاطہ کرکے عدن کی طرف مڑتا ہے، پھر شمال کے رُخ ایک کھاڑی بن کر چلتا ہے اور جدہ تک پہنچتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ جار و مدین تک جاتا ہے، اور وہاں سے بھی گزر کر اس کھاڑی کی کہ جس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں دو شاخوں میں سے ایک ایلہ پر تمام ہو جاتی ہے اور دوسری شاخ تاران اور جُبیلات سے ہو کر قلزم پر

تمام ہو جاتی ہے اور اسی لیے اس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں۔ یہ عرب کی شرقی اور جنوبی اور کسی قدر غربی حدود ہیں۔

پھر حدِ عرب آیلہ سے شروع ہوتی ہے اور شہرِ قومِ لوط[1] اور جھیلِ مُردار سے (اس کو بحیرۂ زُغر بھی کہتے ہیں) ہوتی ہوئی شَراۃ و بَلقاء کو طے کرکے جو علاقۂ فلسطین سے ہیں اُذرعات اور حَوران اور بَثنیہ و غوطہ کے پاس سے گزر کر جو علاقۂ دمشق سے ہیں تدمر و سَلمیہ کے قریب سے گزرتی ہوئی جو علاقۂ حمص سے ہیں۔ پھر مُناصرہ اور بالس کو طے کرتی ہوئی جو قنسرین کے علاقہ میں ہیں فرات ندی تک جا ملتی ہے، پھر یہاں سے اس شمالی و شرقی حد کو دریائے فرات تمام کرتا ہے جب کہ وہ رقّہ اور قرقیسیا اور رُحبہ اور دالیہ اور عانہ اور حدیثہ اور ہیت اور انبار کے پاس سے گزرتا ہے۔ اور پھر یہ حد کوفہ کے پاس سے ہو کر فرات کے دہانوں پر تمام ہو جاتی ہے۔

پھر وہاں سے یہ حد یوں چلے گی کہ اس کو کوفہ شہر کے نواح سے لو اور حیرہ اور خورنق کو لیتے ہوئے واسط تک پہنچا دو۔ اور یہاں ایک منزل تک دریائے دجلہ کے دہانے پھیلتے ہیں، پھر وہاں سے بصرہ شہر کے نواح کو لے کر عبادان تک ملا دو۔

یہ ہے دیارِ عرب کا محیط اور حدودِ اربعہ۔ پس عبادان سے لے کر آیلہ تک جو بحرِ فارس و بحرِ ہند و بحرِ قلزم محیط ہے، یہ تین ربع عرب کو شامل ہے، جس میں تمام شرقی اور تمام جنوبی اور کچھ غربی حد آ گئی۔ اور اب کچھ غربی اور تمام شمالی حد جو باقی رہی تو وہ آیلہ سے لے کر بالس تک اور وہاں سے عبادان تک شمالی حد ہے۔ اور بالس سے انبار کے بھی آگے تک جزیرہ کی حدِ جنوبی ملتی ہے، اور انبار سے لے کر عبادان تک عراقِ عرب کی جنوبی حد ملتی ہے، اور آیلہ کے قریب سے ایک بیابان عرب سے ملحق ہوتا ہے غربی و شمالی حد میں جس کو تیہِ بنی اسرائیل کہتے ہیں یعنی وہ بیابان جس میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے، یہ بیابان عرب میں داخل نہیں اور یہ عمالیق اور یونانیوں کی سرزمین اور قبطیوں کی سرزمین کے درمیان واقع ہے۔ انہیں اقوام سے بنی اسرائیل کو اُن دنوں میں لڑائیاں پڑی تھیں، اس تیہِ بنی اسرائیل میں نہ عربوں کی چراگاہیں ہیں اور نہ ان کے پانی ہیں۔

اور اسی طرح ملکِ جزیرہ[2] بھی عرب میں شامل نہیں ہر چند اس میں ربیعہ و مُضر کے بعض قبائل آباد ہیں جیسے تغلب ربیعہ اور اسی طرح یمن کے قبائل شام میں آباد ہو گئے تھے اور وہ بھی قیصرِ روم کے تابع تھے اور مذہب عیسائی رکھتے تھے جیسا کہ تنوخ اور غسان اور بہراء اور جنوبِ ب وعراق میں اکثر عرب پارسی مذہب رکھتے تھے اور شاہانِ ایران کے مطیع تھے اور یمن میں بھی ایرانیوں کی حکومت تھی۔

عرب کی تقسیم[3]

حدِ سَرّین سے لے کر کوہِ یَلَملَم کے بیابانوں تک اور

---

[1] یعنی سدوم ۱۲

[2] ملکِ جزیرہ وہ ملک ہے جو دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان واقع ہے یعنی میانِ دوآبِ فرات و دجلہ۔ یہ بڑا شاداب اور آباد ملک ہے اور عراقِ عرب، جزیرہ سے ملا ہوا ہے وہ بھی آباد ملک ہے، عرب کے ملحقات میں سے ہے نہ کہ عرب ۱۲ منہ

[3] شرح اس کی یہ ہے کہ عرب پانچ حصوں پر منقسم ہے:

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پھر طائف سے لے کر سیدھا نجد یمن تک ادھر شرق میں بحرِ فارس تک اس بڑے حصہ کو جو تمام عرب سے تقریباً دو تہائی ہے ملک یمن کہتے ہیں جو پیداوار اور آبادی کے لحاظ سے اور حصوں سے اچھا ہے۔ قدیم زمانہ میں اسی سرزمین میں بڑے بڑے نامور بادشاہ اٹھے ہیں۔ قومِ حمیر اور شاہانِ تُبّع اور قومِ عاد کا یہی ملک ہے، ان شاہانِ سابقہ نے تمام عرب ہی پر حکومت نہیں کی ہے بلکہ مصر اور عمان اور وہاں سے گزر کر اور ممالک پر بھی فتوحات حاصل کی تھیں۔ بلقیس بادشاہ زادی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملکِ شام میں حاضر ہوئی تھی اسی ملک کی فرماں روا تھی۔

سرحدِ یمن سے لے کر سمندر کے کنارے کنارے تخمیناً مدین تک طول میں اور عرض میں شرقی سمت میں نجد سے لے کر جبلِ طے تک یمامہ سے گزرتے ہوئے بحرِ قلزم تک اس ٹکڑے کا نام حجاز ہے۔ مکہ مدینہ جدہ وغیرہ اسی ملک کے شہر ہیں۔

حدِ یمامہ سے لے کر مدینہ کے قریب تک بصرہ کے بیابانوں سمیت اور بحرین سمیت بحرِ فارس تک اس حصہ کا نام نجد ہے۔

اور عبادان سے لے کر انبار اور نجد اور حجاز تک کہ جس میں اسد اور طے اور تمیم اور تمام قبائلِ مضر ہیں بادیۂ عراق کہلاتا ہے۔

حدِ انبار سے لے کر بالس تک ملکِ شام کی جانب کہ جس میں تیما اور میدانِ خساف ہے وادی القریٰ اور حجر تک کو بادیۂ جزیرہ کہتے ہیں۔

اور بالس سے لے کر ایلہ تک حجاز کے رخ سمندر کے کنارہ تک تبوک کے سامنے کے حصہ کو دیارِ طے تک بادیۂ شام کہتے ہیں۔

بعض علماء مکہ کو تہامہ یمن میں اور مدینہ کو نجد میں قرب کی وجہ سے شمار کرتے ہیں اور تہامہ کو یمن کا غربی و جنوبی حصہ سمجھتے ہیں۔

ملکِ عرب

۱۲ درجہ سے لے کر ۲۵ درجہ تک عرضِ شمالی میں اور ۳۳ درجہ سے لے کر ۵۹ درجہ تک طولِ شرقی میں ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ عرض اس ملک کا ۱۱۵۰ میل ہے اور طول زیادہ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ (۱) یمن یہ عرب کا جنوبی حصہ، اس کے حدودِ اربعہ یہ ہیں۔ غرب میں قلزم و جنوبی تہامہ شرق میں بحرِ فارس، جنوب میں بحرِ عرب۔ شمال میں حدودِ نجد و یمامہ وغیرہ اور اس کو یمن اس لیے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے والے کے یہ بجانبِ دستِ یمن یعنی دائیں ہاتھ واقع ہے اس کے اضلاع یہ ہیں حضرموت، شحر، مہرہ، عمان، نجران۔

(۲) نجد۔ اس کے معنی ہیں بلند زمین کے چوں کہ یہ سطح مرتفع ہے اس لیے اس کو نجد کہتے ہیں اس کے حدود یہ ہیں۔ غرب میں حجاز و تہامہ جنوب میں یمامہ و یمن۔ شمال میں فرات، شرق میں عراقِ عرب، یہ حصہ زرخیز ہے شعراء نے اس کی بہت مدح کی ہے چنانچہ قیس بن ملوح شاعر کہتا ہے ؎ تمتع من شمیم عرار نجد ÷ فما بعد العشیة من عرار۔ دوسرا شاعر کہتا ہے ؎ سقی اللہ نجداً والسلام علی نجد ÷ ویا حبذا نجد علی القرب والبعد حرب البسوس عرب کی خوں خوار جنگِ باہمی اسی ملک میں واقع ہوئی ہے جو کلیب اور وائل بن ربیعہ کی خوں خوار جنگ تھی اور جبلِ عکاد بھی اسی ملک میں ہے جہاں اب تک وہی قدیم عربی زبان فصاحت سے بولی جاتی ہے، یہاں کا گھوڑا اور اونٹ ضرب المثل ہے۔

(۳) تہامہ یہ عرب کا ایک غربی مستطیل ٹکڑا ہے اس کے غرب میں بحرِ احمر جنوب میں یمن کا ایک حصہ شمال میں حجاز شرق میں نجد و یمن۔ یہاں کی رات خوش گوار مشہور ہے، یہ حصہ ریگستان ہے اور چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔

(۴) یمامہ یہ عرب کے شرقی ٹکڑے کا نام ہے اس کے غرب میں حجاز و تہامہ شرق میں بحرِ فارس بحرین وغیرہ۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

۱۴۰۰ میل ہے جغرافیہ کے میلوں سے، اور رقبہ اس کا تخمیناً گیارہ لاکھ میل مربع ہے، اور باشندے یہاں کے دو کروڑ سے زائد ہیں، مذہب سب کا اسلام اور زبان عربی ہے۔

آدمی اس ملک میں ہر قسم کی رنگت اور قد و قامت کے ہوتے ہیں، سیاہ فام بھی اور گندم گوں بھی اور شمالی عرب کے سرخ و سفید بھی۔ طبعاً بہادر اور مہمان نواز، ذکی الطبع، غیور، عفیف ہوتے ہیں مگر غصہ ور اور ہٹیلے بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ لڑائی اور شکار سے بہت رغبت رکھتے ہیں۔ تجارت کو عمدہ سمجھتے ہیں اور عمدہ زمین کے عرب کھیتی اور نخلستان کی تربیت کو بہت پسند کرتے ہیں، صنعت و حرفت کم ہے، یہ ملک اکثر ریگستان ہے جہاں کھیتی اور باغ اور نہریں اور چشمے کچھ نہیں، فقط یہ گھاس ہوتی ہے جو ان کے مواشی کو کافی ہو جاتی ہے اور ایسے بھی قطعات ہیں جہاں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے اور ہر قسم کے درخت اور چھوٹے چھوٹے چشمے بھی ہیں مگر تمام ملک میں ایسی کوئی ندی یا نہر نہیں جس میں کشتیوں کی آمد و رفت ہو اور بارہ مہینے جاری رہتی ہو اگر دجلہ و فرات کو عرب سے خارج کر دیا جائے۔

عرب میں پہاڑ بھی بہ کثرت ہیں بیشتر تو سیاہ اور خشک پہاڑ ہیں جہاں چشمے اور شادابی اور درخت بہت ہی کم ہیں، ازاں جملہ کوہ شراۃ کا سلسلہ ہے جو ایلہ تک پہنچ کر عقبہ سے گزرتا ہوا بحر احمر کے کناروں تک جا ملتا ہے۔ کہیں سے چالیس میل اور کہیں سے اسی میل ہے، پھر یہ سلسلہ مشرق کی طرف موڑ کھاتا ہے یمن کو عبور کرتا ہے خلیج فارس سے آملتا ہے، پھر وہاں سے بحرین کو طے کرتا ہوا فرات اور عمان کے دہانوں پر منتہی ہوتا ہے۔

اور مدینہ کے مشرق میں کوہ طے کے بھی دو سلسلے ہیں جن کو آجا اور سلمیٰ کہتے ہیں یہ کوفہ سے مکہ آنے والوں کو ملتے ہیں۔

اور عرب کو جو جنوباً و شمالاً تقسیم کرتا ہے وہ کوہ عارض ہے۔ اس کی جنوبی حد بلاد یمن میں سے جدہ کے قریب ملتی ہے، پھر یہاں سے یہ شمالی جانب چلتا ہے اور خلیج فارس تک جا پہنچتا ہے اور اسی پہاڑ پر شہر ہجر اور یمامہ ہے جہاں کے چشمے اور باغ نخلستان مشہور ہیں، مدینہ کے شمالی جانب ایک پہاڑ ہے جس کو جبل احد کہتے ہیں اور جنوبی پہاڑ کو عیر کہتے ہیں۔

اور حجاز کے پہاڑوں میں سے مکہ اور منیٰ کا پہاڑ ہے جس کو فاران بھی کہتے تھے۔

عرب میں کوئی بھی جھیل نہیں اگر بحر لوط کو عرب میں شمار نہ کیا جائے۔ ان پہاڑوں میں سے چھوٹے چھوٹے نالے نکلتے ہیں جو سمندر تک نہیں پہنچتے بلکہ کچھ دور تک چل کر ریت میں جذب ہو جاتے ہیں۔ البتہ صنعاء یمن کے قریب ایک نہر ہے جو بحر ہند میں گرتی ہے اور ایک چھوٹی سی نہر بلاد مہرہ میں بھی ہے جو اسی سمندر میں آملتی ہے۔

ان بلاد کے پہاڑوں کی ہوا معتدل ہے لیکن نشیبی قطعات اور ریگستانی میدانوں میں سخت گرم ہوا چلتی ہے۔ عرب کے قطعات میں مختلف مہینوں میں بارش ہوتی ہے، عرب کے بعض بلند پہاڑ ایسے بھی ہیں جن پر سردی ہوتی ہے اور کبھی کبھی برف جم جاتی ہے جیسا کہ طائف کا پہاڑ یمن کے

لہ یعنی ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۵ء کی مردم شماری کے مطابق۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جنوب میں یمن شمال میں نجد اور اس کو عروض بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے گیہوں اور کھجور مشہور ہیں۔

(۵) حجاز یہ بھی ایک مستطیل ٹکڑا ہے عرب کے غربی حصہ میں اس کے غرب میں بحر قلزم ہے غربی حد جنوب کے رخ ملک تہامہ اور شمالی رخ ایلہ اس کے شرق میں نجد و یمامہ ہے اور جنوب میں تہامہ ہے اور یمن۔ حجاز کے معنی ہیں پردے کے چونکہ یہ ملک ایک سمت سے تہامہ اور نجد کے درمیان ہے اس لیے اس کو حجاز کہتے ہیں مکہ مدینہ جدہ وغیرہ شہر اسی متبرک ٹکڑے میں واقع ہیں، یہ ٹکڑا ریگستانی اور پہاڑی ہے کھیتی باغ بہت کم ہیں ندی نالے چشمے بھی نہیں۔

مگر رسالت کا چشمہ یہیں جاری ہوا ہے جس نے دنیا کو سیراب کر دیا ۱۲ منہ

بعض بلند پہاڑ نہایت فرحت بخش ہیں۔

عرب کے بعض پہاڑوں اور ان کے نشیبوں میں ایسے قطعات ہیں جہاں زنجبیل، چنبیلی، کھجور، املی، نیشکر، بیگن، مرچ، انار، بادام، پستہ، انگور، سیب، ناشپاتی، لیموں، کیلا، انجیر، گلاب، نرگس، بنفشہ، بیر، نارجیل، کھیرے، ککڑی، تربوز، خربوزے اور ہر قسم کی چیزیں اور ہر طرح کے خوش رنگ اور خوشبودار پھول پیدا ہوتے ہیں خصوصاً نواحِ جنوبیہ میں۔ یمامہ کے گیہوں مشہور ہیں۔ باقی میدانوں میں جوار، باجرہ، چنا اسی قدر ہوتا ہے جو بمشکل وہیں کے لوگوں کو کافی ہوتا ہے۔

عرب میں ہر قسم کے جانور بھی ہوتے ہیں۔ خصوصاً نجد کا گھوڑا تو دنیا میں مشہور ہے اس کے علاوہ گدھا، گائے، بیل، اونٹ، خچر بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ بھیڑ، بکری، ہرن، خرگوش، دُنبہ بھی بہت ہوتا ہے۔ درندے بھی ہر قسم کے پیدا ہوتے ہیں۔ شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ۔ پرند بھی بکثرت ہیں۔ چڑیا، کبوتر، فاختہ، چیل، کوا، ہدہد، عقاب، گدھ وغیرہ۔ اور جنوبِ عرب میں ایک جانور نسناس پھلوں کا بڑا دشمن ہوتا ہے۔

آج کل عرب میں لوہے اور تانبے کی اور سیسہ کی کان، اور یمن میں عقیقِ یمنی کی کان مشہور ہے بلکہ یمن کے بعض پتھر بے بہا مشہور ہیں۔ اور کوہِ سینار کے پاس بہت سی کانیں ہیں لیکن اب تک ظاہر نہیں ہوئیں اور چاندی سونے کی کانیں جن پر عرب کو کسی زمانے میں فخر تھا افسوس آج کل نامعلوم ہیں۔

جب ہند اور مغربی ممالک میں آمد و رفت نہ تھی عرب کی تجارت بڑی ترقی پر تھی کس لیے کہ مغربی ملکوں میں مشرقی ملکوں کا مال اور مشرقی ملکوں میں مغربی ملکوں کی چیزیں عرب ہی کے وسیلہ سے آتی جاتی تھیں، عرب کو فنِ جہاز رانی میں بڑا کمال تھا، وہ جہازوں پر ہند اور اس کے جزائر اور چین و جاپان تک ادھر بحرِ احمر میں ہسپانیہ تک دلیرانہ سفر کیا کرتے تھے، اور جب سے رستہ نکل آیا اور دخانی جہاز ایجاد ہوگئے تو عرب کی تجارت بالکل جاتی رہی۔ عرب سے اب سنا، اور لوبان، صبر، مُر، فلفل سیاہ، حنا، عود، بُن جاتے ہیں۔ اور یورپ سے عمدہ عمدہ کپڑے ریشمی اور اونی اور لوہے کی ساخت کے ہتھیار وغیرہ اور بلور اور شیشے ظروف اور بارود چھرے بہت آتے ہیں، اور حبش سے ہاتھی دانت اور بکریاں اور مشک اور جنوبی افریقہ سے سونا اور ہاتھی دانت، کہربا اور غلام آکر بکتے ہیں۔ اور مصر و ہند سے چاول، شکر، تیل۔ اور ہند سے کتان و روئی اور شام سے صابون اور وہاں کی ساخت کے کپڑے آکر بکتے ہیں۔

قدیم زمانہ میں عرب کے بادشاہانِ حمیر نے اور ملکوں پر بھی فتوحات حاصل کی تھیں اسلام کے بعد عرب نے وہ کایا پلٹی تھی کہ روئے زمین کے فرماں روا علوم کے خزانچی صناعی و دستکاری کے استاد مانے جاتے تھے فنِ عمارت میں ان کو ایک خاص ملکہ تھا۔ اسپین میں الحمرا وغیرہ عمارات ان کی یادگار ہیں۔

یہ لوگ سفرِ بحری و بری کے بڑے مشاق تھے چین تک اول ہی صدی میں جا پہنچے ادھر غرب میں اسپین تک پہنچے۔ ترکستان وغیرہ ملک ان کے گھوڑوں نے کھندل ڈالے تھے۔ یہ جہاں جاتے تھے اسلام اور اپنے کمالات کو ساتھ لے جاتے تھے ان کو غیر لوگوں پر بہت جلد فتح حاصل کر لینے میں بڑا کمال تھا مگر فتح کرتے ہی مفتوح قوموں کو اپنی نعمتوں اور عزت میں شریک کر لینا اپنی جواں مردی اور فیاض طبیعت کا شیوہ جانتے تھے۔ اس لیے جو ملک انہوں نے فتح کیا تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں کے باشندوں کو نہال کر دیا۔ یہ عہد اور قول و قرار کے بڑے سچے تھے ان کے قوانین میں جو فروشی گندم نمائی کا دوسرا پہلو نہ تھا، ان کی پرہیزگاری اور فیاضی اس پر شجاعت غیر قوموں کو بہت جلد

اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، عیاشی اور شہوت پرستی سے ان کو دلی نفرت تھی، رعایا پر ظلم کرنا یا حیلہ و تدبیر سے ان کا مال چھین لینا ان کو کسی طرح بھی گوارا نہ تھا۔ وہ محکوموں کو اپنے برابر عزت کا مستحق بنانے میں سرگرم تھے۔ مگر اب کئی صدیوں سے یہ سب اوصاف گم ہو گئے اور دنیا بھر کی کوئی سرسبز سلطنت بھی ان کے قبضہ میں نہ رہی۔ اب جو شاہان اسلام اور ملکوں کے فرماں روا ہیں انہیں عربوں کے تعلیم کیے ہوئے شاگرد ہیں۔

اب ہم اول حجاز کے مشہور شہروں کا ذکر کرتے ہیں۔

مکہ مکرّمہ

یہ دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک مستطیل شہر آباد ہے، اس کا طول معلاۃ سے مسفلہ تک تقریباً دو میل ہے جنوب و شمال ہیں۔ اور اسفلِ جیاد سے لے کر کوہِ قیقعان کی پشت تک عرض طول سے تخمیناً دو ثلث ہے۔

اس کے مکانات گارے اور چونے اور پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ لکڑی کا بھی بہت کام ہے۔ شہر میں متعدد بازار ہیں خصوصاً بزازوں کا بازار تختوں سے پٹا ہوا ہے صرف دھوپ سے بچاؤ کے لیے۔ بازار پر رونق ہیں، ہر قسم کی چیز موجود ہے۔ رستوں اور بازاروں میں صفائی کا عمدہ انتظام ہے اور روشنی کا بھی۔ آبادی بڑھ جانے سے دونوں پہاڑوں پر بھی مکانات اور محلے آباد ہو گئے ہیں۔

آب و ہوا گرم خشک مگر صحت بخش ہے۔ چوں کہ سمندر سے یہ شہر بہت دور نہیں، اس کی غربی سمت میں کہیں دو منزل کہیں اس سے بھی کم سمندر یعنی بحرِ قلزم ہے اس لیے خشکی زیادہ نمودار نہیں ہوتی۔ مگر منطقۂ حارّہ کے قریب ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں بادِ سموم چلتی ہے۔

شہر کے قدیم رؤسا میں سے جن کو اصلی باشندہ کہنا چاہیے تین ہی گھر مشہور ہیں۔

ایک[1] شریف کا جو امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہے گویا یہ حجاز کا بادشاہ ہے۔ گورنر حجاز جس کو باشا کہتے ہیں مکہ معظمہ میں رہا کرتا ہے سلطان[2] المعظم کی طرف سے وہ شریف کا نگراں رہتا ہے۔ کبھی کبھی باشا اور شریف میں بدمزگی ہو جانے سے حجاز اور اہلِ شہر کو تکالیف بھی پہنچتی رہتی ہیں۔

دوسرا[2] گھر شیبی کا ہے جس کے پاس کعبہ کی کنجی رہا کرتی ہے۔

تیسرا[3] عباسؓ کا خاندان ہے جن کو سقایۃ الحاج اور آبِ زمزم کی خدمت حاصل ہے۔ شہر کے اکثر لوگ باہر کے یعنی آفاقی ہیں، کوئی چار پشت سے کوئی دس پشت سے کوئی خود باہر سے آ کر بسا ہے۔ مصر، شام، ہند، جاوا، اور عرب کے لوگ بہ کثرت موجود ہیں۔ ترکی نسلیں بھی ہیں، بیش تر مخلوط ہیں۔ اسی لیے اس شہر کے لوگ گورے کالے موٹے دُبلے خوب صورت بدصورت ہر قسم کے ہوتے ہیں، مگر زبان اور لباس سب کا عربی ہے، عربی زبان اس شہر کی اصلی زبان ہے۔

شریفِ مکہ کو حجاز کے قبائل بادشاہ مانتے ہیں اور سُلطان المعظم کی طرف سے بھی وہ ایک بڑا سردار یا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے، اور وہاں سے اس کو بہت کچھ ملتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا شریف اسی خاندان سے مسند نشین ہوتا ہے۔

شہر کے لوگ نفیس مزاج ہیں، مکانات میں عجب عجب آرائش کرتے ہیں۔ ہمیشہ پچھلی رات سے بازار کھل جاتے ہیں، کھانے پینے کی چیزیں دن نکلنے تک بہت کچھ بک چکتی ہیں۔

لـ یعنی عثمانی سلطانِ ترکی کی طرف سے۔ واضح ہو کہ یہ سب حالات ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء یا اس سے قبل کے ہیں ۱۲۔ مصحح

اسبابِ معاش یہاں کئی قسم پر ہیں۔

اول تجارت۔ یہ شہر بندرگاہ جدہ سے بہت قریب ہے، سمندر کی راہ سے ہر ایک ملک سے ہر قسم کی چیز آتی ہے۔ غلّہ پارچہ ظروف وغیرہ۔ اس لیے اس شہر میں بڑے بڑے تاجر ہیں اور مرفہ الحالی سے گزران کرتے ہیں۔

(۲) حرفت۔ اگرچہ یورپ کی طرح کسی کام کی بھی اس شہر میں کلیں نہیں ہیں مگر ہاتھ سے بنانے والے کاری گر بہت ہیں سینے کے اور لکڑی کے۔ خصوصاً تسبیح کے کام سے بہت لوگ واقف ہیں اور بھی کام ہوتے ہیں۔

(۳) وظائف خوار۔ بیشتر کو تو حضرت سلطان المعظم کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے، حرم شریف کے بہت سے امام اور بہت سے مؤذن اور بہت سے خادم ہیں۔ ان سب کا خرچ اور مسجد الحرام کا خرچ سب سلطان المعظم کی طرف سے آتا ہے جس کو خدیوِ مصر بھیجتا ہے۔ اور شام سے بھی آتا ہے۔ یہ کئی لاکھ روپے کا خرچ ہے۔

(۴) حجاج کی خدمت (معلمی) اس میں ایک جماعت مطوفین کی بھی ہے۔ یہی لوگ پردیسی حاجیوں کو مکان کرایہ پر دیتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کو رفع کرتے ہیں اور ان کو حج کے ارکان کی بھی تعلیم کرتے ہیں، پہلے روز یہ اپنی طرف سے ضیافت بھی کھلاتے ہیں یہ متعدد زبانیں جانتے ہیں۔ حاجی بے کھٹکے اپنی امانتیں ان کے پاس رکھ دیتے ہیں مگر آج تک ان کی امانت داری میں کوئی دھبہ نہیں لگا، خرید وفروخت بھی انہیں کی معرفت ہوتی ہے تو اچھی ہوتی ہے انہیں کی معرفت مدینہ جانے کے لیے اونٹ کرایہ ہوتے ہیں۔ یہ کام ہر شخص نہیں کر سکتا بلکہ وہی جو حکام کی طرف سے مجاز ہو۔

سلطان المعظم کے جو قانون حجاز خصوصاً مکہ اور مدینہ کی بابت ہیں نہایت نرم اور پُر رحم ہیں۔ سلطانی انتظام بہت عمدہ ہے، عدالتیں بھی ہیں، میونسپل کمیٹی بھی ہے، سرکاری مدارس اور شفاخانے اور ڈاک خانے بھی ہیں، تار گھر بھی ہے، مگر اس وجہ سے کہ گاڑیوں کا رواج اس ملک میں نہیں صرف اونٹ گھوڑے خچر گدھے بار کشی کرتے ہیں۔ ایسی سڑکیں نہیں جن پر روڑی کچی ہو اور گاڑیاں اور بگھیاں دوڑتی جائیں۔ اور اس طرف حکام کو توجہ بھی نہیں ہے[1]

شہر میں مسافر خانے بھی بہ کثرت ہیں جن کو رباط کہتے ہیں جن میں ہر قسم کا انتظام ہے۔ کرایہ کے مکان بھی بہ کثرت مل جاتے ہیں مکانات دو منزلے بلکہ سہ منزلے بھی ہوتے ہیں ہر طرف کھڑکیاں ہوتی ہیں صحن ندارد۔

شہر کے ایک گوشہ میں سلطانی لشکر بھی رہتا ہے۔ عمدہ چھاؤنی ہے، حجاز کے لشکروں کا صدر مقام یہی ہے اور جدّہ بھی ہے۔

شہر میں رات دن خدا تعالیٰ کی عبادت اور تہلیل وتکبیر کا ہر جگہ چرچا رہتا ہے۔ خصوصاً مسجد الحرام تو کسی وقت خالی نہیں رہتی۔ یہاں کے آدمی عموماً عفت شعار پرہیزگار ہیں، نہ شہر میں کہیں شراب خانہ ہے نہ کوئی مُسکر چیز بکتی ہے نہ کوئی کسبی فاحشہ ہے۔ نہ ایسے وقوعے ہوتے ہیں جیسا کہ ہند میں ہوتے ہیں۔ اتنے بڑے حج کے مجمع میں کبھی نہیں سُنا گیا کہ کسی مرد نے کسی عورت پر ہاتھ ڈالا ہو، نہ یہ کہ کسی نے کسی کو عورت یا مال کے لیے مار ڈالا ہو۔ نہ کوئی تھیٹر ہے نہ کوئی تماشہ گاہ ہے۔ نہ بد معاشی اور بدکاری کے یہ طریقے ہیں نہ کوئی ایسی موشگافیاں وہاں جانتا ہے۔ عدالتوں میں زیادہ تر واقعات کا لحاظ ہو کر دادرسی مدِ نظر رہتی ہے، نہ وہاں ملمع کاری ہے، نہ وہاں دکھاوے کی یہ چمک دمک ہے کہ بال کی کھال کھینچی جاتی

[1] جیسا کہ پہلے بیان ہوا یہ سب کوائف ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء یا اس سے قبل کے ہیں اب صورتِ حال بدل چکی ہے ۱۲ مصحح

ہے، اور نہ قانونی پیچ لڑا کر ملک کو مکر و فریب سکھانے والے وکلا رہیں، نہ شیطان کی آنت کی طرح مقدمات اس قدر طول پکڑتے ہیں، نہ اہلِ مقدمات زیرباری اور بے کاری کے سبب برباد ہو جاتے ہیں۔

پولیس کا بھی عمدہ اسلوب ہے، حتیٰ المقدور لوگوں کی آسائش و امن کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دکھاوے کی زرق برق اور مفت کے اینچ پیچ نہیں، نہ لوگوں کو شکنجوں میں کھینچا جاتا ہے۔ یہی حال میونسپلٹی کا ہے۔ ضروری کاموں کے لیے مختصر سے ٹیکس ہیں، نہ دکھاوے کی ٹیپ ٹاپ ہے اور نہ ترکوں کے آرام کے لیے منظرِ وسیع میں لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے، نہ میلوں ان کے لیے سڑک بنائی جاتی ہے، نہ ان کے لیے ٹاؤن ہال میں عیش و نشاط کے سامان بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، نہ بات بات پر ٹیکس ہے۔

شہر میں جا بجا نہرِ زبیدہ بھرتی ہے۔ اسی کے صاف اور شیریں پانی سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں جابجا حوض بنے ہوئے ہیں جن میں نہر پڑ کر نکل جاتی ہے۔ لوگ وہاں نہاتے دھوتے وضو کرتے ہیں، کوئی مانع نہیں نہ کوئی محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ شہر میں انگور، کشمش، منقیٰ، کھجور وغیرہ میوہ بہ کثرت ملتا ہے اور ارزاں بکتا ہے۔ نہ شہر میں کوئی باغ ہے نہ سبز درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں، نہ ترکاری اور سبزہ زار کے کھیت ہیں، یہ سب چیزیں موجود ہیں جو طائف وغیرہ سے آتی ہیں، یہ اس شہر کی بڑی برکت ہے۔

اس شہر میں تخمیناً تین لاکھ آدمی آباد ہوں گے خاص اس شہر اور مدینہ میں غیر مسلم کو آنے نہیں دیتے۔ لیکن یورپ کی سلطنتیں اپنے جاسوس بھیجتی رہتی ہیں جو بہ تبدیلِ لباس آیا کرتے ہیں، اور کبھی اپنی رعیت میں سے کسی مسلمان کو بھیجتے ہیں جو وہاں طرح طرح کے فتنے اٹھاتا ہے اور اس بات کی زیادہ کوشش کی جاتی ہے کہ شریف اور عربوں کو سلطان المعظم سے لڑا دیا جائے تاکہ سلطان المعظم کے ہاتھ سے خدمتِ حرمین شریفین کا افتخار جاتا رہے۔

مَسْجِدُ الْحَرَامْ

یہ تقریباً شہر کے وسط میں ہے اور اس کے چاروں طرف نہایت خوشنما سنگِ مرمر کے ستونوں پر کئی کئی درجہ کے دالان ہیں یعنی قُبّے بنتے چلے گئے ہیں اور اس نشیب کے وسط میں سنگِ مرمر کا فرش ہے۔ اس کے بیچوں بیچ ایک مربع بڑی بلند عمارت ہے جس کو **کعبہ** کہتے ہیں۔ یہ عمارت مسقف ہے، قدِ آدم کے قریب کرسی پر ایک دروازہ مقامِ ابراہیم و زمزم کے کوئیں کی طرف ہے۔ اس عمارت پر نیچے سے لے کر اوپر تک سیاہ ریشم کا کہ جس پر خطِ نسخ میں بناوٹ میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے غلاف پہنایا ہوا ہے اور نصف سے بلند سنہری حرفوں کا ایک پٹکا بنا ہوا ہے، اور کعبہ سے ملی ہوئی مغرب رُخ بیضوی شکل سنگِ مرمر کی دیوار دو ہاتھ بلند ہے اس کو حطیم کہتے ہیں، اور حِجر بھی۔ اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ پڑتا ہے جب کہ اس کی چھت پر بارش ہوتی ہے۔ کعبہ کی چھت پہ چڑھنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔

حطیم سمیت کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس رخ میں کعبہ کے ایک کونہ کو رکنِ عراقی دوسرے کو رکنِ یمانی کہتے ہیں، اور اسی طرح دوسری طرف کے دونوں گوشوں میں سے ایک کا نام رکنِ شامی ہے اور دوسرے گوشہ پہ جو دروازہَ کعبہ کے قریب ہے گز سوا گز بلندی پر ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جو عمدہ عقیق ہے ڈھال کے برابر چاندی کے حلقہ میں بندھا ہوا دیوار میں لگا ہوا ہے، طواف کے بعد اس کو بوسہ

دیتے ہیں اور اس کو حجرِ اسود یعنی کالا پتھر کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونے کے سبب نہایت قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے۔ دروازہ کے سامنے ایک کنواں ہے جس کو زمزم کہتے ہیں اور یہیں سقایۃ الحاج ہے جس کو سقایۂ عباسؓ کہتے ہیں۔

اور دار النّدوہ جو جاہلیت میں قریش کی مجلس کا مکان تھا اب حرم میں شامل ہو گیا ہے دار الامارۃ کے مغربی جانب میں تھا۔

صَفا

یہ جبلِ ابوقبیس کی ایک مرتفع جگہ کا نام ہے جیسا کہ مروہ جبلِ قعیقعان کی چٹان کا نام ہے جو اس کے مقابلہ میں ہے، اور یہی (یعنی ابوقبیس اور قعیقعان) وہ دونوں پہاڑ ہیں کہ جن کے بیچ میں شہر مکہ بستا ہے، لیکن ابوقبیس جو شرقی جانب میں ہے قعیقعان سے بلند ہے جو غربی جانب میں ہے۔ قعیقعان کے پتھروں سے کعبہ کی عمارت چنی گئی ہے، صفا و مروہ کا درمیانی میدان آج کل بازار ہے جس میں حاجی سعی کیا کرتے ہیں[1]۔

مِنیٰ

یہ مکہ سے عرفات کی جانب انہیں دونوں پہاڑوں کے سلسلہ میں تقریباً تین میل ہے، وہ ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں بازار بھی ہیں اور مکانات بھی ہیں، اور اس کے وسط میں مسجدِ خیف ہے۔ اور یہیں وہ چھوٹے چھوٹے تین مینار ہیں جن پر حاجی سات سات کنکریاں مارا کرتے ہیں مکہ کے رخ کے مینار کو جو منیٰ کے اخیر پر ہے جمرۃ العقبیٰ کہتے ہیں۔

مُزدَلِفہ

یہ منیٰ سے آگے بڑھ کر عرفات کے رستہ پر بطنِ محسّر اور مازِمین کے بیچ میں ایک مقام ہے جہاں عرفات سے واپس آکر رات کو حجاج رہا کرتے ہیں۔ بطنِ محسر منیٰ اور مزدلفہ کے بیچ میں ایک وادی کا نام ہے، اور مازمان دو پہاڑوں کی شاخ ہیں جو بطنِ عُرنہ تک گئی ہیں۔

عَرفات

یہ عُرنہ سے لے کر بنی عامر کے باغ تک کے میدان کا نام ہے، اور وہیں وہ مسجد ہے جہاں ظہر اور عصر کی نماز ملاکر پڑھتے ہیں۔ عرفات حرم مکہ میں داخل نہیں ہے۔ حرمِ مکہ کی حد صرف مازمین تک ہے۔ اسی طرح تنعیم بھی خارج حرم ہے جہاں مسجدِ عائشہ ہے۔ عرفات مکہ سے تخمیناً آٹھ نو میل ہے۔

ثَبیر

یہ بلند پہاڑی ہے جو منیٰ اور مزدلفہ سے دکھائی دیتی ہے، ایامِ جاہلیت میں جب تک اس پہاڑی پر دھوپ نکلی نہ دیکھ لیتے تھے مزدلفہ سے چلتے نہ تھے۔

مَشعَر الحرام

یہ مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے۔ اسی جگہ امامِ حج کے دنوں میں مغرب، عشاء اور صبح کی نماز پڑھایا کرتا ہے۔

[1] اب وہاں بازار نہیں ہے بلکہ مسقف اور ہموار جگہ ہے۔ (مصحح)

حُدَیبِیہ

یہ مکہ سے ایک دن کے رستہ سے زیادہ پر ایک مقام ہے کسی قدر حرم میں اور کسی قدر حِل میں داخل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کو آئے تو قریش بر سرِ مقابلہ آئے اور آپؐ کو اسی جگہ روک دیا اور یہیں صلح نامہ باہمی لکھا گیا۔

مدینہ منوّرہ

مکہ سے شمال کی جانب تقریباً دس منزل ایک شہر ہے کہ جس کی پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے۔ اس کی آبادی شہر پناہ سے بھی باہر ہے۔ آبادی مکہ سے کم ہے۔ مکانات کا طرز دہی ہے۔ یہاں تقریباً سردی اور گرمی ایسی ہوتی ہے کہ جیسی ہندستان کے دہلی شہر میں، اس کے ارد گرد کھجوروں کے باغ بہ کثرت ہیں، ان کو حائط کہتے ہیں۔ ان میں کنوؤں اور کاریزوں سے پانی دیا جاتا ہے۔

شہر کے وسط میں مسجدِ نبویؐ ہے جس کو حرم شریف کہتے ہیں، یہ نہایت شان دار اور پُر تکلف عمارت ہے جو لاکھوں روپیوں میں تیار ہوئی ہے۔ اب جو مسجد ہے وہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک محلہ تھا اور مسجدِ نبوی جو آپؐ کے عہد میں تھی وہ ایک چھوٹی سی جگہ میں تھی۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ نے اس کو وسعت دی۔ پھر خلفاء بنی امیہ نے ازواجِ مطہراتؓ کے گھروں کو اور دیگر گھروں کو بھی شامل کر لیا[1]۔

مسجد کے گوشہ میں ایک مرتفع عمارت ہے جس کے اوپر سبز گنبد ہے۔ اس کے اندر ایک درجہ چھوڑ کر ایک اور گنبد ہے جو ہر طرف سے بند ہے۔ اس کے اندر حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ کا مزار شریف ہے۔ یہ تمام عمارت نہایت پُر تکلف اور پُر زر ہے سبز مخمل سے ڈھکی رہتی ہے یعنی سبز مخمل کے بڑے بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر زری کے حرفوں سے جو نہایت خوش خط ہیں کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی شہر کی غربی جانب میں وہ جگہ بھی ہے کہ جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

اور بقیع الغرقد شہر کے شرقی دروازہ کے باہر ایک پختہ احاطہ بنا ہوا ہے جس میں بڑے بڑے صحابہؓ انصار و مہاجرین و اہلِ بیت کی قبریں ہیں۔ اب بھی یہی قبرستان ہے، بڑی پُر برکات اور عبرت خیز جگہ ہے۔

قُبا۔ دو میل کے فاصلہ پر مکہ کے رُخ ایک بستی ہے۔ ہجرت کر کے جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پہلے یہیں اُترے تھے۔

شہر کے جنوب اور شمال میں کئی میل کے فاصلہ سے پہاڑوں کے سلسلے ہیں۔ جنوبی سلسلہ کا نام جبلِ عیر ہے اور شمالی کا اُحد جو تخمیناً دو میل کے فاصلے سے ہے اور اسی کے دامن میں اُن شہداء کے مزارات ہیں جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تھے جن میں حضرتؐ کے چچا سید الشہداء حمزہؓ بھی ہیں رضی اللہ عنہم۔

مسجدِ نبوی کے غرب میں ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے اور اس کے پاس مدرسہ بھی ہے۔ یہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گھر تھا۔ اس شہر کے بازار وسیع نہیں مگر پُر رونق ہیں۔ شہر میں شیریں پانی اور سبزی ترکاری اور میوے بہ کثرت ملتے ہیں، نہایت شاداب جگہ ہے، یہاں کے آدمی (باشندے) نہایت نرم دل اور مہربان اور مہمان نواز اور بے تکلف ہیں۔

[1] اب اس کو مزید وسعت دی گئی ہے۔ (مصحح)

شہر کے شرقی طرف کئی میل کے فاصلہ پر بنی نضیر و بنی قریظہ کے یہود کی گڑھیاں بھی تھیں جن کے اب کچھ نشان بتلانے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

یہاں بھی متعدد مدرسے اور شفاخانے ہیں اور مسافروں کے لیے مہمان سرائیں ہیں۔

فُرع مدینہ کے جنوب میں چار دن کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں مسجد جامع اور کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں۔

عقیق مدینہ سے مکہ کے رخ چار میل کے فاصلہ پر ایک وادی پُر فرحت ہے جس کے کنوؤں کا پانی نہایت شیریں اور خوش گوار ہے۔

جُحفہ

یہ سمندر سے دو میل کے فاصلہ پر بڑی آباد بستی ہے۔ مکہ اور مدینہ کے رستہ میں اس سے آباد تر کوئی جگہ نہیں، جیسا کہ مدینہ اور عراق کے رستہ میں فَید سے زیادہ پُر رونق اور کوئی جگہ نہیں، اور یہ دیار طیئ میں ہے اور طیئ کے دونوں پہاڑ اس جگہ سے دو دن کے فاصلہ پر ہیں۔ یہاں کھجور بکثرت ہیں۔ طیئ کے قبائل مواشی چرانے کو یہاں آیا کرتے ہیں۔

جَبلہ

یہ ایک قلعہ ہے آخر وادی ستارہ میں مَرّ اور عُسفان کے بیچ میں۔ یہ مکہ جانے والوں کو بائیں طرف ملتا ہے، اس وادی کا طول دو دن کا سفر ہے جہاں کوئی بھی کھجور کا پیڑ نظر نہیں آتا۔ اور اس کی پشت پر ایک اور ایسی ہی وادی ہے جس کو سایہ کہتے ہیں اور ایک اور بھی ہے جس کو سائرہ کہتے ہیں۔ اسی جبلہ پر زمانہ سابق میں تمیم اور بکر بن وائل کی خوں خوار جنگ ہوئی تھی۔

خیبر

یہ مدینہ سے شمال و غرب میں چار منزل کے فاصلہ پر ایک مستحکم گڑھی ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا قصبہ بستا ہے۔ اس کے آس پاس کھجور کے باغ بہ کثرت ہیں اور قابل کاشت زمین بھی بہت ہے۔ یہاں مالدار یہودیوں کی ایک قوم رہا کرتی تھی جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، اس لیے ان پر صلح حدیبیہ کے بعد چڑھائی ہوئی اور حضرت علیؓ کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے دروازے کو اکھیڑ کر پھینک دیا اب تک وہ پتھر موجود ہے جس کو پچاس آدمی بمشکل ہلا سکتے ہیں فتح کرنے کے بعد اس کے باغ اور زمین مسلمانوں کو تقسیم کر دی گئی۔ مدینہ کی فاقہ کشی اور تنگی دفع کرنے کا یہ پہلا سامان تھا۔ یہاں سے تیماء چار منزل ہے، وہاں سے حجر چار منزل ہے۔

مدینہ کے اطراف میں اور بھی چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں جن میں عرب کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ ینبُع بحر قلزم کے کنارے پر مدینہ سے چار منزل پر یہ بہت ہی قریب بندرگاہ ہے۔ اور اسی کے متصل عیص اور مَروہ ہے۔

ینبع کے پاس جبل رضویٰ ایک سرسبز اور بلند پہاڑ ہے۔ فرقہ کیسانیہ[1] کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ اب تک زندہ اسی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ ودان جحفہ سے ایک منزل پر ہے۔ اور اس کے چھٹے میل کے قریب ابواء ہے یہاں جعفری اور حسنی قبائل رہتے ہیں جن میں باہم لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔

---

[1] شیعہ کا ایک فریق ۱۲ منہ

جدّہ

یہ مکہ سے غربی جانب دو منزل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے ایک عمدہ شہر آباد ہے جس کے چاروں طرف سنگین شہر پناہ بنی ہوئی ہے۔ اس میں بازار وسیع ہیں اور ہر قسم کے تاجر موجود ہیں، اور مال دار لوگ بھی رہتے ہیں۔ یہ حجاز کی سب سے آباد بندرگاہ ہے۔ بحرِ قلزم سے مکہ جانے والے لوگ اکثر یہیں اُترتے ہیں۔ پھر ایک منزل بیچ اگلی منزل مکہ ہے۔ اس جگہ غیر سلطنتوں کے کونسل[1] بھی رہا کرتے ہیں۔

طائف

یہ چھوٹا سا شہر جبلِ غزوان پر آباد ہے مکہ سے شرقی رخ میں تین منزل پر۔ اس پہاڑی پر بنی سعد اور ہذیل کے تمام قبائل آباد ہیں۔ قبائلِ ثقیف اور ہوازن کا بھی یہی مرکز ہے۔ یہ بڑی بلند جگہ ہے اس لیے سرد مقام ہے جس کی چوٹی پر برتن میں پانی جم جاتا ہے، تمام حجاز میں اس سے زیادہ شاداب اور سرد سیر اور بہار افزا کوئی مقام نہیں۔ یہاں میوے بہ کثرت پیدا ہوتے ہیں۔ انگور قسم قسم کا انار نہایت شیریں اور بڑے بڑے دانوں کا اور انجیر اور بہت سے میوے اور اسی طرح ترکاریاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ مکہ میں جو میوے آتے اور ارزاں بکتے ہیں سب کا خزانہ یہی مقام ہے۔ گرمیوں میں ترکی حکام اور دولت مند اشخاص اس پہاڑ پر چلے جایا کرتے ہیں۔ مکہ سے وہاں تک تار لگا ہے۔ اور پر عمدہ عمدہ مکانات اور باغ ہیں۔ مکہ شہر میں جو نہرِ زبیدہ جاری ہے جس کو زبیدہ خاتون ہارون رشید کی بیگم نے بنایا تھا اسی سلسلۂ پہاڑ کے کسی چشمہ سے نکلتی ہے۔

اور بھی بستیاں حجاز میں ہیں لیکن اب ہم اسی قدر پر بس کر کے ملکِ حجاز کا بیان ختم کرتے ہیں:

شمالی عرب کے مقامات

حِجْر

یہ ایک چھوٹا سا گاؤں وادی القُریٰ کے قریب ہے ایک دن کے فاصلہ پر پہاڑوں میں۔ یہاں قوم ثمود کے مکانات ہیں جن کی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے وثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔ ہم نے ان کے کھدے ہوئے مکانوں کو دیکھا ہے جو ہمارے مکانوں کی مانند پہاڑ تراش کر بنائے گئے تھے۔[2] ان پہاڑوں کو اثالب کہتے ہیں۔ یہ چند پہاڑ متصل ہیں، ہر ایک دوسرے سے جدا ہے۔ ان کے ارد گرد ریت ہے جس کے سبب اوپر چڑھنا نہایت دشوار ہے۔ اور یہیں وہ کنواں ہے جو صالح علیہ السلام کی ناقہ کے لیے معین ہوا تھا جیسا کہ فرمایا تھا لھا شرب ولکم شرب یوم معلوم۔

تبُوکْ

یہ حجر اور شام کے بیچ میں شروع شام سے چار منزل کے فاصلہ پر شام کے نصف رستہ میں ایک قصبہ ہے جہاں ایک قلعہ بھی ہے اور باغ اور چشمے بھی ہیں۔ کہتے ہیں اصحاب الایکہ کہ جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام

---

[1] یعنی قونصل، سفارتی نمائندے۔ (مص)

[2] یہ قول اصطخری کا ہے ۱۲ (مص)

بھیجے گئے تھے یہیں رہتے تھے۔ حضرت شعیبؑ مدین کے رہنے والے تھے ان کے لیے رسول ہو کر آئے تھے۔

مدین

یہ قلزم کے کنارے تبوک کے محاذی چھٹے منزل کے فاصلہ سے ایک بستی ہے جو تبوک سے بڑی ہے۔ یہیں وہ کنواں ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ "میں نے اس کو دیکھا ہے[1]" مگر اس کو پاٹ دیا گیا ہے اور اس کے اوپر کسی نے گھر بنا لیا ہے اور یہاں کے لوگ چشمہ کا پانی پیتے ہیں۔ مدین دراصل قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور انہیں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰؑ ان کے داماد تھے۔

بادیۂ سماوہ

یہ ایک بیابان ہے جو دُومۃ الجندل سے لے کر عین التمر تک ہے۔ اس وادی میں پیڑ سرسبز بکثرت ملتے ہیں اور چشمے بھی ہیں، اور اسی کے قریب میدان قادسیہ ہے۔

بادیۂ خُساف

یہ شہر بصرہ اور کوفہ کے درمیانی میدان میں ہے رَقّہ سے لے کر بالس تک۔ یہ بھی سرسبز ہے۔

صِفّین

یہ بھی اسی میدان میں ایک مقام ہے فرات کے قریب۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت علیؓ و معاویہؓ میں کئی مہینوں تک سخت لڑائیاں ہوئی تھیں۔

تیماء

یہ ایک قلعہ ہے تبوک سے شمال کی طرف۔ اس میں ایک بستی ہے۔ یہاں بھی چشمے اور سبز درخت بہ کثرت ملتے ہیں۔

قُلزم

یہ بحرِ قلزم کے کنارے ایک بستی ہے اور اسی کے قریب اس سمندر کی شاخ تمام ہو گئی ہے، نہ یہاں کھیتی ہوتی ہے نہ کوئی سایہ دار درخت ہے نہ پانی شیریں ہے۔ دور سے لا کر پانی پیتے ہیں۔ مصر اور شام اور فلسطین اور حجاز کے قافلے یہاں آکر ٹھہرا کرتے ہیں۔ اور اسی کے سبب اس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں۔

تاران

ایلہ اور قُلزم کے درمیان اسی بحر کے کنارے پر ایک بستی ہے۔ یہاں پہاڑوں سے ہوا ٹکر کھا کر پانی میں بڑا طوفان برپا کرتی ہے۔ اس بحر میں اس جگہ سے زیادہ اور کوئی مقام خطرناک نہیں۔ اسی جگہ فرعون مع لشکر غرق ہوا ہے۔
اس کے بعد جنوب کی طرف ایک اور مقام ہے جس کو جُبَیلات کہتے ہیں، یہاں بھی بڑا طوفان رہتا ہے۔
پھر اس سے آگے بڑھ کر جنوبی طرف میں ایک بستی ہے جس کو اُیلہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بحرِ قلزم کے کنارے ہے، اگلے زمانے میں یہاں یہود رہتے تھے یہاں کسی قدر شیریں پانی اور کھیتی بھی ہے مگر زیادہ گزران مچھلی کے شکار پر ہے، ان لوگوں کو سبت کے روز شکار کھیلنے کی ممانعت ہوئی تھی۔

[1] یہ بھی اصطخری کا قول ہے ۱۲ (مص)

انہوں نے عدول حکمی کی جس پر قہر نازل ہوا، ان کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ان کی صورتیں مسخ ہو کر وہ بندر اور سؤر نظر آنے لگے واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر۔ اسی کے سامنے شرقی طرف مدین بستی ہے۔

تِیہِ بنی اسرائیل

یہ بیابان قلزم کے شرق سے شروع ہوتا ہے، اور یہ قلزم کی دونوں شاخوں کے بیچ میں بیابان ہے۔ کوہِ طور اور سینا، وہیں واقع ہیں، مدین سے کئی منزل کے فاصلہ پر۔ پھر یہ بیابان آگے چل کر شام اور عرب کے رُخ دور تک چلا گیا ہے۔ اس میں عمالیق اور دیگر اقوام آباد تھیں۔ آج کل اکثر عرب رہتے ہیں۔ انہیں جنگلوں میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے ہیں۔ یہ بیابان کہیں تو ایسا ہے کہ جہاں نہ پانی نہ سایہ دار درخت ہے، سنگلاخ یا ریگستانی زمین اور خاردار پیڑ اور خشک پہاڑیاں ہیں۔ کہیں کہیں چشمے بھی ہیں اور کھجور کے درخت بھی ملتے ہیں۔

یمن کے مقامات

اب میں یمن کے مقامات کو بیان کرتا ہوں۔

عُمان

یہ ملکِ یمن کا شرقی حصہ سمندر کے کنارے کنارے اور کچھ جنوبی حصہ ایک مثلث کی صورت میں جس کی ابتداء شہر بحرین اور انتہا شرقی اور جنوبی حصہ کو لیتی ہوئی دفر تک ہے، اور اس کے اس موڑ پر کہ جہاں سے شرقی حد تمام ہو کر جنوبی شروع ہوتی ہے شہر مسقط آباد ہے جو تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں سے ہندستان کی بندرگاہ کراچی صرف تخمیناً چھ سو میل ہے، اور ہندستان اور عرب میں اس سے کم فاصلہ اور کسی طرف سے نہیں۔

ملکِ عمان کا کنارہ جو بحرین سے شروع ہو کر دفر پر تمام ہو جاتا ہے، یہ دور تخمیناً گیارہ سو میل ہے اور عرض اس ملک کا تقریباً دو سو میل ہے۔ یہ ملک سرسبز ہے کھجوریں اور میوے بکثرت ملتے ہیں، زراعت بھی ہے۔ سمندر کے کنارے اس کی یہ بندرگاہیں بہت مشہور ہیں۔ صُحار، یہ بڑی تجارت گاہ ہے۔ اور پُر رونق ہے۔ مسقط، یہاں عمان کا سلطان رہا کرتا ہے جو خارجی مذہب رکھتا ہے یہ رونق دار شہر ہے۔ مساجد مدارس بکثرت ہیں۔ یہاں کا حلوہ بہت مشہور ہے۔

بحرین یہ بھی ایک شہر ہے، یہاں موتی نکلتے ہیں اس لیے یہاں لوگوں کی آمد و رفت بہ کثرت رہا کرتی ہے، یہ بھی مسقط اور صحار کی طرح خلیج فارس پر آباد ہے۔

حضرموت

یہ ملک عدن اور عمان کے درمیان ہے، اور اس کے درمیانی حصہ کو نجد الیمن کہتے ہیں۔ نجد کے لغوی معنی ہیں بلندی کے یعنی اونچی زمین جس کو ہندستان میں بانگر کہتے ہیں اور پست اور نشیب کو کھادر۔

اس ملک کو بلادِ خیوان بھی کہتے ہیں اس لیے کہ بلادِ خیوان بھی اسی میں واقع ہے۔ یہ سرسبز اور آباد ملک ہے۔ اور زمین قابلِ کاشت ہے، اس کے مشہور شہر یہ ہیں۔

نجران یہ ایک بارونق شہر ہے، اسلام سے پہلے یہاں عیسائی رہا کرتے تھے اور وہی مدینہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مباہلہ کے لیے آئے تھے۔

اسی کے قریب دوسرا شہر جُرَش ہے یہاں بھی کھجور بہ کثرت ہیں اور آباد و شاداب جگہ ہے۔

ان دونوں سے زیادہ آباد شہر صَعدہ ہے۔ یہاں بھی چمڑے کے ویسے ہی کارخانے ہیں جیسے کہ صنعاء میں ہیں اور

یہاں تجار بکثرت آباد ہیں اور حسنی زیدی سردار یہیں رہا کرتا ہے۔

صنعاء

یہ یمن کا دار السلطنت ہے، اس سے زیادہ یمن میں کوئی شہر آباد اور بارونق اور مالدار نہیں ہے، اس کی آب وہوا معتدل ہے، گرمی سردی میں اور جگہ جانے کی حاجت نہیں پڑتی۔ زمانہ گزشتہ میں شاہانِ یمن کا یہی شہر دار الامارۃ تھا جہاں اب تک بڑے بڑے نشانات عماراتِ سابقہ کے پائے جاتے ہیں۔ اسی جگہ وہ قصرِ غمدان تھا جس کا حال ہم بیان کریں گے مگر اب ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ اور یہیں دو اور محل بھی تھے سلیحن اور بینون۔ انہیں کے باب میں کوئی شاعر افسوس ظاہر کرتا ہے ؎

بل من بعد غمدان او سلیحن من اثر
و بعد بینون یبنی الناس بنیانا

اسی کے قریب[1] مآرب کا بند ہے جو کسی زمانے میں شام تک ملک کو شاداب کیا کرتا تھا۔ یہ بھی دنیا کی عجائب چیزوں میں سے تھا۔ وہ دو پہاڑوں میں دو میل تک کی دیوار ہے تین سو گز بلند، مربع اور ترشے ہوئے پتھروں سے چُنی ہوئی، اور ایک پتھر کو دوسرے سے میخوں اور سیسے سے جوڑا گیا ہے۔ اس سے ان پہاڑوں اور نالوں کا پانی جمع ہو جاتا تھا اور ایک بڑی جھیل سی بن پانی کی دیکھنے میں آتی تھی اور پھر اس میں آب پاشی کے لیے بڑی حکمت اور پیمانہ سے روزن رکھے ہوئے تھے جن سے نالوں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں کے طور سے ملک کی آب پاشی ہوتی تھی۔ اس ملک میں باغ اور میوے بکثرت تھے، منزلوں درختوں کے سایہ میں مسافر چلا جاتا تھا۔ لوگوں کی ناشکری سے یہ دیوار جس کو عَرِم کہتے تھے ٹوٹ گئی اور اب تک اسی طرح خراب پڑی ہے، باغِ ارم اسی کے سبب سے تر و تازہ تھا۔

صنعاء سے شمال مشرق میں تخمیناً اسی میل کے فاصلہ پر شہر سبا کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ کسی زمانہ میں سبا بھی دنیا کے عمدہ شہروں میں سے تھا۔ بلقیس شہزادی اسی شہر کی رہنے والی اور یمن کی حاکم تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی۔ اور سبا کو مآرب بھی کہتے ہیں اور اس مقام کو شہر سبا کے قریب بتلاتے ہیں نہ کہ صنعاء کے۔ اور یہی صحیح ہے۔

مُذَیخِرہ یمن میں بلند پہاڑ ہے جس پر سبز درخت اور چشمے ہیں اور کھیتی بھی ہوتی ہے۔

شَبام یمن کے مشہور پہاڑوں میں سے ہے جو بہت بلند ہے اس پر بکثرت آبادی ہے۔

عَدَن

انتہاء یمن میں بحرِ قلزم کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے جو جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور اسی سبب انگریزوں نے حضرت سلطانِ ٹرکی سے اس کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور اپنا بہت سا سامان وہاں رکھتے ہیں صرف شہر عدن میں۔ باقی ملک اور گرد و نواح میں ان کا کچھ دخل نہیں۔ اس جگہ بھی موتی نکلا کرتے تھے۔

ارضِ مَہرہ ملکِ عمان اور حضر موت کے درمیان کا وہ حصہ ہے جو دریائے شور سے ملا ہوا ہے۔ یہاں کا بڑا شہر شحر ہے۔ یہ بے آباد ملک ہے، یہاں خانہ بدوش قبائل آباد ہیں جن کا گزارہ مواشی پر ہے، یہاں کا اونٹ تیز روی میں بہت مشہور ہے۔

[1] قریب سے مراد یہ نہیں کہ صنعاء سے کوس دو کوس بلکہ ضلع میں جس سے مراد سبا ہے ۱۲ منہ

بلادِ خیوان ارضِ نہرہ سے ملا ہوا ہے، یہ علاقہ سرسبز ہے یمن
کے بڑے قبائل یہاں آباد ہیں۔
دیارِ کندہ[۱] و خولان و ہمدان یہ یمن کے اور نجد اور تہامہ کے
درمیان ہیں۔ یہاں باغات اور آبادی موجود ہے۔
بلادِ اباضیہ یہ خوارج کا مسکن ہے، بلادِ خیوان کے قریب
بڑا سرسبز اور آباد ملک ہے، کھیتی اور باغ اور چشمے
بہ کثرت ہیں۔
مخہ عدن کی مشہور بندرگاہ ہے، یہاں سے صنعاء و تریم
بہت نزدیک ہے، اور اسی طرح مکلہ بھی مشہور بندرگاہ ہے۔
حضرموت بھی ایک شہر ہے شرق میں دریا کے قریب اور
اس کے نواح میں بہت ریت ہے جس کو احقاف کہتے
ہیں۔ یہیں حضرت ہود پیغمبر علیہ السلام کی قبر مشہور کرتے
ہیں۔ یہیں قوم عاد پر عذاب آیا تھا۔ اسی کے قریب مقامِ
بلہوت میں ایک ایسا گہرا کنواں ہے کہ جس کی تہہ تک کوئی
اتر نہیں سکتا۔ ملکِ یمن قوم عاد کا مسکن تھا اور ان کی اب
تک یادگار پائی جاتی ہیں۔

تہامہ

اس ملک کو بعض نے ملکِ یمن کا ایک حصہ قرار
دیا ہے جس کا طول آٹھ سو میل عرض دو سو میل ہے، یہاں
شیریں پانی بہ کثرت ملتا ہے۔ اس کو یوں خیال کرنا
چاہیے کہ عرب کا غربی کنارہ جو بحرِ قلزم سے ملا ہوا ہے مدین
سے لے کر عدن تک طول میں۔ اس کے دو حصے ہیں، مکہ تک
کا شمالی کنارہ ملکِ حجاز ہے۔ اور مکہ سے عدن تک جنوبی کنارہ
تہامہ ہے۔
اس قطعہ میں وہی پہاڑوں کا سلسلہ چلا آتا ہے جو
حجاز میں تھا اور یہ پہاڑ بیشتر بحرِ قلزم کے متصل ہیں کہیں
سے پھیل گئے ہیں اور کہیں سے کئی کئی سلسلے ہو گئے ہیں۔ اور
پھر ریتا بھی ہے، تہامہ کی رات اسی لیے مشہور ہے کہ دن
میں تو آفتاب کی گرمی سے زمین آگ ہوتی ہے اور جب
آفتاب غروب ہوا ہوا ٹھنڈی چلنے لگی، ریت سرد ہو گیا،
پھر نہ پسو ہے نہ کھٹمل ہے، دن کے جلے بھنوں کو اس ریت
کے نرم بستر پر کس مزے سے نیند آتی ہے۔ زبید تہامہ کا
بڑا اور آباد شہر ہے۔ اور بھی شہر ہیں جیسا کہ معقر، کدرہ، جوزہ،
عطنہ، شرجہ۔ دوبیہ۔ حمصہ۔ غلافقہ۔ مخہ۔ کمران[۲]۔
حردہ۔ لسعہ۔ شرمہ۔ عشیرہ۔ زنقرہ۔ نصوف۔ ساعد۔
مہجم وغیرہا۔

یمامہ

یہ عرب کے مشرق میں بحرِ فارس سے ملا ہوا ملک
ہے۔ یہ عمان سے اسی طرح ملا ہوا ہے کہ جس طرح تہامہ
حجاز سے۔ اس کی ابتدا طولانی بحرین کے نواح سے شروع
ہوتی ہے اور شمال میں بڑھتے بڑھتے علاقہ کوفہ سے گزر کر
بصرہ کے میدانوں تک جا ملا ہے۔ اور عرض میں سمندر کے

---

[۱] یہ یمن کے مشہور قبائل ہیں ۱۲

[۲] ہندستان سے مکہ جانے والے جہازوں کو اس جگہ حکماً ٹھیرایا جاتا ہے تاکہ امراضِ متعدیہ کا اثر زائل ہو جائے اس عمل کا نام قرنطینہ ہے۔ آبادی کمران سے دور ایک میدان میں غریب حجاج کو اتار دیا جاتا ہے جہاں نہ شیریں پانی ہے نہ سایہ دار درخت، مسافروں کے لیے جھونپڑیاں بنادی ہیں، کھانے پینے کی چیزیں بھی کم ملتی ہیں۔ یہ مصیبت یورپ کے روشن دماغ ڈاکٹروں اور خود غرض سلطنتوں کا فیض ہے اللہ رحم کرے ۱۲ منہ

کنارے سے لے کر تخمیناً دو سو میل تک غرب میں چلے جاؤ سب ملکِ یمامہ ہی کا علاقہ ملے گا۔ اور اس کے بعض علاقوں کو احسار بھی کہتے ہیں۔

یمامہ قبیلہ طسم میں سے مُرّہ کی بیٹی تھی جس کے نام سے یہ ملک نام زد ہے۔ زمانۂ سابق میں طسم اور جدیس کے قبائل یمامہ میں رہا کرتے تھے اور بحرین تک پھیلے ہوئے تھے۔ عادِ اولیٰ احقاف میں رہتے تھے جو عمان سے لے کر عدن تک پھیلے ہوئے تھے۔ احقاف ایک مشہور ریگستان ہے، یمامہ دو وادی ہیں جو شمال سے شروع ہو کر جنوب تک تمام ہوتی ہیں، اس ملک میں بہت سے چشمے اور متعدد چھوٹی چھوٹی نہریں یا نالیاں رواں ہیں جن سے ملک نہایت سرسبز اور آباد ہے۔ یمامہ کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ملک پانچ چیزوں میں بڑھ کر ہے۔

(۱) یہاں کی عورتیں نہایت خوش رنگ ہوتی ہیں سنہری رنگت ایسی خوش نما ہوتی ہے کہ سونے کا زیور پہنا ہوا دور سے معلوم نہیں ہوتا۔

(۲) یہاں کے گیہوں۔

(۳) یہاں کی کھجور نہایت عمدہ ہے کہ ایسی اور کہیں نہیں ہوتی۔

(۴) یہاں کا گوشت ایسا خوش ذائقہ اور عمدہ ہوتا ہے کہ پھر اور جگہ نہیں ملتا۔

(۵) یہاں پانی بھی ایسا شیریں ہوتا ہے کہ پھر اور پانی کیسا ہی شیریں ہو منہ کو نہیں لگتا۔

ذات النسوع - ایوانِ یمامہ میں عجائبِ دنیا سے تھا۔

احسن التقاسیم کا مصنف ابو عبد اللہ محمد المقدسی کہتا ہے کہ یمامہ دراصل ملک ہجر کا سوانا ہے یعنی علاقہ ہجر کے مشہور شہر یہ ہیں۔ احسار، سبا، توبن، نہرقار، اول، عقیر۔

اسی طرح وہ نجد الیمن کا ناحیہ یعنی "سوانا"[1] اور علاقہ احقاف کو قرار دیتا ہے، اور احقاف کے یہ شہر گنواتا ہے خاص حضرموت، حسب۔ اور اسی طرح سبا کو بھی ناحیہ قرار دیتا ہے۔

عجائباتِ یمن

(۱) یمن کے بعض علاقوں میں سے عقیقِ سرخ اور یاقوتِ خالص اور لعل برآمد ہوتا ہے جس کے آگے لعلِ بدخشانی کی اصل نہیں۔ اور بھی طرح طرح کے جواہر برآمد ہوتے ہیں۔ یمنی ایک خاص پتھر ہے جو وہاں بکثرت موجود ہے اور اس ملک کی چیز ہے۔

(۲) یمن کے پہاڑوں میں ہر قسم کی کانیں موجود ہیں۔ لوہا، جست، تانبا وغیرہ، خصوصاً پھٹکری کے بڑے بڑے پہاڑ موجود ہیں جس کو شبِ یمانی کہتے ہیں۔

(۳) یمن کے ریگستان میں شتر مرغ پایا جاتا ہے۔ ایک اور عجیب جانور بھی ملتا ہے جس کے پاؤں بیل جیسے، منہ ہرن جیسا، گردن صراحی دار کئی گز کی اونٹ سے بھی بڑی اور اسی طرح ٹانگیں بھی بڑی بڑی پتلی دبلی۔ یہ جانور اگر گردن بلند کرے تو چھ سات گز بلندی تک پہنچا دے۔[2]

(۴) اس کے بیابانوں میں بندر بکثرت ملتے ہیں۔ خیر یہ تو اور جگہ بھی ہوتے ہیں مگر ایک اور جانور بھی ہے جس کو عدار کہتے ہیں وہ ایک چار پایہ ہے اس کی صورت انسان سے بہت مشابہ ہے جہاں کہیں انسان کو دیکھ پاتا ہے تو دوڑ کر گھیر لیتا ہے اور نیچے ڈال کر اس سے مباشرت کرتا ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت، جس کے صدمہ سے انسان

[1] سوانا (Savanna) یعنی لق و دق میدان، صحرا۔ (مص) [2] غالباً زرافہ مراد ہے۔ (مص)

کم تر زندہ رہتے ہیں۔

(۵) اس ملک میں قدیم یادگاریں شاہانِ سلف کی ایسی ہیں کہ جن کا مثل اور دوسری جگہ تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتا اور وہ عمارات یہ ہیں۔ غمدان۔ مآرب۔ قصرِ مسعود۔ سدِ لقمان۔ سلیحن۔ صرواح، مرواح۔ بینون۔ ہندہ۔ ہنیدہ۔ فلتوم۔ بریدہ۔

غمدان، شہر صنعاء میں ایک چورخا ایوان تھا جس کا ایک رُخ زرد عقیق کا، دوسرا سرخ پتھر کا، تیسرا سبز کا، چوتھا سفید کا بنایا گیا تھا۔ یہ ایوان نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا اور سات منزل بلند تھا، ہر ایک منزل دوسری سے چالیس ہاتھ بلند تھی اور ہر منزل کی چھت ایک سنگِ مرمر سے پٹی تھی۔ اس ایوان کے چاروں طرف بڑی خوشنمائی اور نزاکت سے دریچے رکھے تھے جو رنگ برنگ کے عقیق اور بیش بہا پتھروں سے بنے تھے، اور اس ایوان کے فرش اور چھت اور دیواروں پر وہ گل کاری کی ہوئی تھی کہ دیکھ کر عقل حیرت کرتی تھی۔ کسی جگہ بادشاہ کی بزم کا نقشہ کھنچا تھا کہ پرستارانِ پری رُو ہاتھوں میں ظروف لیے اس زمانے کے عمدہ کپڑے پہنے کھڑی ہیں، کہیں امراء صف بستہ کھڑے ہیں جن کی تصویریں اس کی شان شوکت کو یاد دلا رہی ہیں۔ ایک بلند تخت پر کوئی بادشاہ با حشم و خشم بیٹھا ہوا اپنی جبروت و سطوت چند روزہ کو یاد دلا رہا ہے۔

اور اس کے ہر ایک گوشہ میں شیر کی مورت سنگِ ہم رنگ شیر سے بنی ہوئی تھی، اور طلسم یہ تھا کہ اس کے منہ میں آواز داخل ہو کر ہیر پھیر کھا کر پیچھے سے جو نکلتی تھی تو ہو بہو شیر کے غُرّانے کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور ہر کمرہ میں ایک ایسا مسالہ رکھا ہوا تھا کہ رات کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بجلی کی روشنی ہو رہی ہے، اور اس سبب سے تمام ایوان چمک اٹھتا تھا۔ اور اس کی دیوارول کے پتھروں میں ایسی صفائی تھی کہ وہ روشنی رات کو دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتی تھی۔ اندھیری رات میں جب کوئی صنعا کو دیکھتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ صنعاء میں بجلی کوند رہی ہے اور بارش ہو رہی ہے حالانکہ وہ سب اس ایوان کی روشنی ہوتی تھی۔ اس ایوان کے کسی ستون پر خطِ حمیری میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص اس ایوان کو گرائے گا قتل کیا جائے گا۔ یہ ایوان کسی مصلحت سے بہ حکمِ امیر المومنین عثمانؓ گرایا گیا آخر وہ شہید ہوئے۔ اب اس محل کی جگہ ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے البتہ کسی قدر زمین کے اندر کا حصہ باقی ہے۔

صنعاء میں اس قسم کے اور بھی دو ایوان تھے جن کا نام سلیحن اور بینون تھا۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ تک یہ ایوان باقی تھے۔

(۶) یمن میں کپڑے بھی نہایت عمدہ بنتے تھے۔ کسی زمانے میں بردِ یمانی بڑی عزت سے دیکھی جایا کرتی تھی۔

یمن کی اقوام اور ان کی عادات

یہاں اکثر قبائل بنی قحطان ہیں، اور یہی عرب العرباء شمار ہوتے ہیں۔ پھر ان کے باہم صدہا قبائل ہیں۔ ان میں سے قبیلہ بنو حمیر جو شاہانِ یمن تھے نہایت معزز قبیلہ ہے۔ اور بعض قبائل فاطمیوں کے بھی دوسری صدی سے وہاں آباد ہیں۔

اہلِ یمن پرہیزگار، مہمان نواز، بہادر اور علم پسند ہیں۔ اب بھی دینیات کے عالم جس قدر یمن میں ملیں گے عرب کے کسی خطہ میں نہ ملیں گے۔

نجد

شرق و غرب میں یمامہ سے لے کر مدینہ تک اور جنوب و شمال میں مکہ کے محاذی ملک سے لے کر مدینہ کے

سامنے تک یعنی حجاز میں مکہ اور مدینہ تک کی لمبائی کے مقابلہ میں دن نکلتے رخ یمامہ تک جو حصہ ہے اس کو نجد کہتے ہیں۔ بعض نے بحرین اور نواحیٔ کوفہ کو بھی نجد میں شامل کیا ہے بلکہ یمامہ کو بھی۔

مدینہ منورہ سے چند میل شرق کی طرف جانے سے نجد کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ حصہ یمن سے کم ہے مگر بڑا حصہ ہے۔ پھر اس کے اندر متعدد اضلاع ہیں جو متعدد ناموں سے نامزد ہیں۔ یہ ملک مرتفع ہے اس میں پہاڑ اور ریتلے میدان بہ کثرت ہیں اور آباد و شاداب اضلاع بھی ہیں جہاں کھجوریں اور ہر قسم کے میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔

الغرض حجاز کے مقابلہ میں بحرِ فارس کی حد تک شرقی جانب کے حصہ کو نجد کہتے ہیں۔ کوفہ بصرہ کا میدان بھی بعض کے نزدیک نجد میں داخل ہے اور بیابانِ قادسیہ اکثر کے نزدیک نجد میں داخل نہیں۔

نجد کا گھوڑا اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ وہ ریگستان جو مشہور ہے اس کا عرض شقوق سے اجفر تک اور طول جبلِ طَیّ سے لے کر شرق میں بحرِ فارس تک ہے۔ وہ زرد اور نرم ریت ہے جہاں نہ کوئی سبز درخت نظر آتا ہے نہ کوئی چشمہ پانی کا۔

عرب کے قبائل

قادسیہ سے شقوق تک طول میں اور سماوہ سے لے کر بصرہ کے جنگل تک عرض میں بنی اسد کے قبائل آباد ہیں، پھر شقوق سے گزر کر جب دیارِ طَیّ میں آ جاؤ اور معدنِ نقرہ سے گزر جاؤ تو اس کے بائیں طرف سلیم کے قبائل ملیں گے، اور دائیں طرف جُہینہ کے۔ اور مکہ و مدینہ کے درمیان بکر بن وائل کے قبائل اور مُضر کے قبائل آباد ہیں، اور مکہ کے شرق میں بنو ہلال اور بنو سعد اور ہُذیل کے قبائل آباد ہیں، اور طائف اور اس کے نواح میں بنی ثقیف ہوازن اور اوطاس ہیں، اور مکہ کے غرب میں مُذحج و غیرہ مُضر کے قبائل ہیں۔

بصرہ کے نواح میں سب سے زیادہ قبائل آباد ہیں اور ان میں سب سے زیادہ تمیم ہیں، بحرین اور یمامہ تک، اور اور قبیلہ طَیّ کے بھی جن میں سے حاتم طائی تھا اس نواح میں

ے عرب کی قدیم تاریخ اچھی طرح معلوم نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کی کچھ اولاد عراق میں جا بسی تھی۔ پھر ایک زمانہ کے بعد ان پر حام کی اولاد غالب ہوگئی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ کچھ تو شمال کی جانب آشور پہنچے اور بعض غرب کے رخ چل دیے جن کو عرب کہنے لگے کس لیے کہ سامی زبان میں غین نہیں، اس کی جگہ عین بولا جاتا تھا۔

بہر حال عراق سے خروج کر کے سام کی اولاد ملکِ عرب میں آ بسی۔ ایک زمانہ کے بعد ان میں مدیان اور عیسو اور لوط کی نسل بھی مخلوط ہوگئی۔ ادھر جنوبی ملک میں حام کی اولاد سے بھی خلط ہوا۔ اسی لیے مختلف ناموں سے مختلف قبائل پیدا ہوئے اور پھر کچھ قبائل تو آفتِ ارضی و سماوی یا باہمی جنگ و جدل سے نیست و نابود ہی ہو گئے ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ کم ہوئے اور کم ہوتے ہوتے اور قبائل میں جا ملے۔ ان کے بھی اصلی قبیلہ کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ اس قسم کے قبائل کو بائدہ کہتے ہیں۔ انہیں میں سے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کا قبیلہ تھا (تکوین ۱۰-۲۲-۲۳) جو یمن میں آباد تھا اور انہیں میں کے بادشاہ نے باغِ ارم لگایا اور بہشت بنائی تھی اور انہیں میں سے ثمود بن جاثر بن ارم بن سام کا قبیلہ تھا۔ (تکوین ۱۰: ۲۳) یہ قبیلہ بھی یمن میں بستا تھا لیکن ان کو حمیر بن عبد شمس نے جس کا لقب سبا تھا وہاں سے نکال دیا اور پھر یہ شمالی عرب بمقام حجر آ رہے تھے۔ (بقیہ آئندہ)

بہ کثرت آباد ہیں۔

یمن میں اکثر بنی حمیر اور ان کے قبائل آباد ہیں۔

اب قبائل کے نام ان کی نسلیں زیادہ پھیل جانے سے اور اور ناموں سے مشہور ہو گئے ہیں۔ خلیفہ اول کے عہد میں جو لشکر ملکوں کے فتح کرنے کو جمع کیا گیا تھا بیش تر یمن کے قبائل تھے اور بعد میں خلفاء کے لشکروں کا خزانہ کوفہ اور بصرہ کے میدان کا نواح تھا اور پھر عراق عرب ہو گیا۔

عرب کے مقامات کی مسافتیں

کوفہ مدینہ سے بیس منزل ہے، اور مدینہ سے مکہ تقریباً دس منزل ہے۔ بصرہ سے مدینہ اٹھارہ منزل۔ اور معدن نقرہ کے قریب کوفہ کا رستہ آملتا ہے۔ مدینہ سے بحرین تخمیناً پندرہ منزل۔ رقہ سے مدینہ بیس منزل، اسی طرح مدینہ سے دمشق بیس منزل اور فلسطین بھی بیس منزل، اور مصر ساحل بحر کے رستہ سے بیس منزل، شام اور عرب کا مصر سے کوئی جدا رستہ نہیں بلکہ دونوں کے رستے خشکی سے جانے والوں کے لیے ایلہ میں مل جاتے ہیں اور یہیں سے تیہ بنی اسرائیل یعنی وہ بیابان کہ جس میں وہ چالیس برس ٹکریں مارتے پھرے تھے شروع ہوتا ہے مدین سے نکل کر مصر اور فلسطین کے رستہ کی دو شاخ ہو جاتی ہیں۔

عدن سے مکہ تک دو رستے ہیں ایک تو سمندر کے کنارے کنارے یہ دور کا رستہ ہے اور دوسرا صنعا۔ صعدہ جرش نجران طائف ہو کر، یہ کم ہے۔ تیسرا اور بھی رستہ ہے۔ جو اس سے بھی کم ہے، یہ تہامہ سے ہو کر ہے پہاڑوں اور جنگلوں میں سے، مگر یہ دشوار گزار ہے اس لیے ہر ایک نہیں جا سکتا۔

حضرموت اور مہرہ کے لوگ اپنے ملکوں کو عرضاً قطع کرتے ہوئے اس مقام پر آملتے ہیں جو مکہ اور عدن کے درمیان ہے۔

عمان کے لوگوں کا رستہ مکہ تک خشکی سے دشوار گزار ہے اس لیے وہ جدہ تک دریا کے رستہ سے آتے ہیں۔ اسی طرح عمان اور بحرین کا خشکی کی راہ سے دشوار گزار رستہ ہے، عربوں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے بحرین اور عبادان کا خشکی سے رستہ کف دست میدان ہونے کے سبب دشوار گزار ہے، اس لیے پانی کے رستہ سے آتے جاتے ہیں۔

بصرہ سے بحرین اٹھارہ منزل ہے، رستہ اچھا ہے پانی ملتا ہے مگر خطرناک ہے۔

عراق عرب

زمانۂ قدیم میں دجلہ اور فرات کے درمیانی ملک کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور انہیں بائدہ یعنی فناشدہ قبائل میں سے قبیلہ طسم بھی ہے، یہ لود بن سام کی اولاد میں سے تھا۔ (تکوین ۱۰۔ ۲۳) اور انہیں فناشدہ قبائل میں سے قبیلہ جدیس بھی ہے جو جاشر کی نسل سے تھا۔ یہ دونوں قبیلے ایک جگہ رہا کرتے تھے آخر کسی بات پر تلوار چلی اور برسوں چلی یہاں تک کہ دونوں قبیلوں کو نیست و نابود کر دیا۔

انہیں فناشدہ قبائل میں سے جرہم اولیٰ کا قبیلہ ہے، اور انہیں میں سے قبیلہ عمالیق بن الیفاز بن عیسو ہے۔ یہ قبیلہ بنی اسرائیل کے عہد تک تھا۔ ان قبائل بائدہ کے صرف اشعار عرب کی زبان پر یادگار باقی ہیں، اور انہی اشعار سے کچھ کچھ ان کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام ۱۲ منہ

یونانی مسوپوٹیمیہ کہتے تھے۔ عراق اور جزیرہ دونوں اسی میں آگئے، پھر ان کی باہم یوں تقسیم کی گئی ہے کہ اس کا شرقی حصہ عبادان سے لے کر انبار تک وہ عراقِ عرب ہے، اور انبار سے لے کر ملکِ شام کی جانب کہ جس میں تیماء اور میدانِ خساف بھی ہے اس ملک کو جزیرہ کہتے ہیں، اور بالس سے لے کر ایلہ تک حجاز کے رُخ تبوک کے سامنے کا حصہ دیارِ طیٔ تک کو بادیہ شام کہتے ہیں۔ عراقِ عرب کو قدماء کلدیہ بھی کہتے تھے۔

عراق کے مشہور مقامات

بغداد

یہ دجلہ کے کنارے پر آباد ہے۔ اس وقت اس میں تخمیناً نوے ہزار یا لاکھ کے قریب آبادی ہے۔ بارونق شہر ہے، خلفاء بنی العباس کے عہد میں یہ شہر دنیا کے شہروں پر فوقیت رکھتا تھا، چنانچہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بغداد میں ساٹھ ہزار حمام علاوہ امراء کے حماموں کے تھے اور کئی لاکھ مسجدیں تھیں جن میں امام اور مؤذن مقرر تھے اور شہر پناہ کے سترہ دروازے تھے، ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک کئی میل کا فاصلہ تھا۔ اس شہر کو ہلاکو خاں بن چنگیز خاں ملعون نے ساتویں صدی ہجری میں برباد کیا۔ اس کافر بادشاہ کو جو تاتاری تھا علامہ نصیر الدین طوسی[1] چڑھا کر لایا تھا۔

اس شہر میں بڑے بڑے بزرگانِ دین کے مزارات ہیں ازاں جملہ حضرت سید عبد القادر جیلانی کا مزار پاک ہے ازاں جملہ حضرت امام اعظمؒ کا مزار ہے، اور شہر کے غربی رُخ حضرت امام ہمام موسیٰ کاظمؒ اور ان کے پوتے حضرت محمد بن علی بن موسیٰؒ کا مزار پُر انوار ہے۔ اور اسی جگہ کو کاظمین کہتے ہیں۔

مدائن

جہاں ایوانِ کسریٰ ہے عجائب زمانہ میں سے ایک عمارت ہے، بغداد کے قریب ہے۔ اس شہر کی زبان عربی ہے مگر فارسی اور ترکی بھی مروّج ہے، یہاں یہود و نصاریٰ کا بھی مجمع ہے۔

سامرا

دجلہ کے کنارے پر بغداد سے تخمیناً ستر میل شمال و مغرب میں ایک پُر رونق شہر ہے، اس کو سُرَّ مَنْ رَاٰی بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت امام علی نقی اور ان کے پسرِ بزرگوار حضرت امام حسن عسکری کا مزار پاک ہے اور یہیں ایک غار بتلاتے ہیں جس کی نسبت شیعہ مشہور کرتے ہیں کہ اس میں مہدی آخر الزماں جو بارھویں امام ہیں اور امام حسن عسکری کے پسرِ بزرگوار ہیں پانچ برس کی عمر میں، بقولِ بعض سترہ برس کی عمر میں اس غار میں خوفِ اعداء سے چھپے ہیں، اور قیامت کے قریب نکلیں گے، اور یہ واقعہ دو سو بچھتر ہجری کا ہے۔

کوفہ

یہ بغداد سے جنوب و مشرق میں تخمیناً تین منزل ہے۔ کسی زمانہ میں یہ شہر بڑا آباد تھا اور مسلمانوں ہی نے اس کی بنیاد

[1] یہ علامہ شیعہ تھا اور ہلاکو کا درباری تھا، ابن علقمی خلافتِ عباسیہ کا وزیر بھی شیعہ تھا، دونوں کی سازش سے خلافتِ بنی العباس کا خاتمہ ہوا ۱۲ منہ

ڈالی تھی بغداد جوں جوں ترقی پاتا گیا یہ اُجڑتا گیا۔ اب ایک معمولی قصبہ ہے۔

نجف

یہ کوفہ سے غربی رخ پانچ میل پر ایک شہر ہے کبھی یہ کوفہ کا ایک محلہ تھا۔ اس جگہ حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کا مزار مقدس ہے۔ آپ چالیسویں سال ہجری میں رمضان کی انیسویں شب میں ترسٹھ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ حضرت کی قبر ہارون رشید کے زمانہ تک مخفی تھی پھر تحقیق کرکے ہارون رشید نے اس جگہ ایک گنبد اور مسجد بنادی ہے۔ اس قصبہ کو لٹیرے بدوؤں کے ہاتھ سے مصیبت پہنچا کرتی تھی مگر حاجی محمد حسین خان اصفہانی نے جو فتح علی شاہ قاچار شاہ ایران کا وزیر اعظم تھا بہت سارو پیہ صرف کرکے اس کی پختہ شہر پناہ بنوادی، جب سے امن ہوگیا اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ اس سے پہلے نادر شاہ نے گنبد کو سنہری بنوادیا تھا کہتے ہیں جواہر و اسباب طلائی و نقرئی جس قدر اس درگاہ میں ہے جو شیعوں نے نذر و نیاز میں بھیجا ہے اتنا کسی سلطنت کے خزانہ میں بھی نہ ہوگا۔

کوفہ کے نزدیک ایک اور جگہ ہے جس کو ذی الکفل کہتے ہیں، یہاں حضرت حزقیل علیہ السلام کی قبر ہے جس کے پہلے متولی یہود تھے اب مسلمان ہیں، ہر سال دور دراز سے یہود زیارت کو آیا کرتے ہیں۔

کربلائے معلّٰی

یہ بغداد سے جنوب و مغرب میں پچاس میل کے فاصلہ پر ایک آباد شہر ہے جو نجف سے بڑا ہے اور نجف سے یہ شمال و مغرب میں تخمیناً چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ فرات یہاں سے قریب ہے۔

حضرت امام حسینؑ کے عہد میں یہ ایک جنگل تھا، جب حضرت کوفہ آتے ہوئے یزید کے لشکر سے اس مقام پر گھیرے گئے اور آپ اور آپ کے ہمراہی یہیں شہید ہوئے اور آپ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا یہیں مزار بنا تب سے ایک شہر بس گیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ اکسٹھ ہجری میں محرم کی دسویں تاریخ ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف چھپن برس کی تھی۔ یہاں کا گنبد بھی طلائی ہے، شاہ فتح علی خاں کے عہد میں آقا محمد خاں نے ۱۲۰۷ھ میں طلائی کرایا تھا۔ کاظمین کا گنبد بھی طلائی ہے، یہ شہر کربلا دن بدن ترقی پر ہے، آبادی عمدہ ہے، بازار بھی خوب ہیں، شہر کے وسط میں حضرت کی درگاہ ہے۔

رَقّہ

یہ فرات کے کنارے پر ایک قدیم قصبہ آباد ہے، اس کے سامنے شمالی طرف میں پینسٹھ میل کے فاصلہ پر قصبہ حَرّان واقع ہے، اور رقہ سے غربی سمت تقریباً چوالیس میل بالس ہے اور بالس کے قریب صِفّین ہے کہ جہاں حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں لڑائی ہوئی تھی۔

حِلّہ

کربلا سے تخمیناً پچیس میل مشرق میں شہر حلّہ ہے، لوگوں کا گمان ہے کہ قدیم شہر بابل کا حلّہ ایک محلہ ہے جیسا کہ موصل نینوی شہر کا محلہ ہے۔

بصرہ

اس کے نیچے فرات اور دجلہ آکر باہم ملتے ہیں اور بحر فارس میں گرتے ہیں، یہ شہر کبھی بارونق تھا مگر اب تو کھجور کی تجارت کی ایک بڑی منڈی ہے۔ بازار اور مکانات معمولی ہیں۔ زمین میں سیلابی کی وجہ سے نمی رہتی ہے گرمی

بہت ہوتی ہے، مچھر اور پسّو بھی بے حد ہوتے ہیں۔

جزیرہ

"مراصد الاطلاع" میں ہے کہ جزیرۃ اقور ھی التی بین دجلۃ و الفرات وھما مجاور الشام یشتمل علی دیار مُضَر و دیار بکر سمیت الجزیرۃ لانھا بین دجلۃ و الفرات وھما مقبلان من دیار الروم ینحطان متبائنان حتی یلتقیان قریب البصرۃ ثم یصبان فی البحر وھی صحیحۃ الھواء بھا مدن جلیلۃ وقلاع وحصون کثیرۃ۔ من امھات مدائنھا حرّان و الرّھا و الرّقہ و رأس عین و نصیبین و سنجار والخابور و ماردین و آمد و میافارقین الموصل وغیر ذلک کہ جزیرہ اس ملک کو کہتے ہیں جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور اس کو یہ دونوں دریا گھیرے ہوئے ہیں اس لیے اس کو جزیرہ کہتے ہیں اور یہ دریا شام کے متصل ہیں اور دیارِ روم یعنی آرمینیا سے آتے ہیں، پھر موڑ کھا کر برابر مشرق کی طرف بہتے ہیں یہاں تک کہ بصرہ کے قریب آکر مل جاتے ہیں (بمقام قورنہ جو بصرہ سے شرق میں ہے) اور بحرِ فارس میں جا گرتے ہیں۔ جزیرہ میں دیارِ مُضَر اور دیارِ بکر شامل ہیں اور اس کی ہوا صحت بخش ہے، اس میں بڑے بڑے قلعے اور شہر ہیں اور اس کے بڑے شہر یہ ہیں حرّان۔ رَہا۔ رَقہ۔ راس عین۔ نصّیبین۔ سنجار۔ خابور۔ ماردین۔ آمد۔ میافارقین۔ موصل وغیرہ۔

یعنی غربی حصہ اس میانِ دوآب کا جو بڑا وسیع اور دو ثلث ہے اس کو جزیرہ کہتے ہیں اور شرقی حصہ کو عراق۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک بڑی شہرت اور فوقیت رکھتا تھا۔ بابل اور نینوی کے بادشاہ اسی سرزمین کے تھے جو ایک وقت شاہنشاہ مانے جاتے تھے۔ ان کے عمارت کے یادگار اب تک زمین سے برآمد ہوتے ہیں۔

اور اس میانِ دوآب کے شمال و مشرق کے ملک کو کُردستان کہتے ہیں، جس کو یونانی جارجیا کہتے تھے۔ یہ ایک مستطیل ٹکڑا ہے، یہ بھی اس شہر میں شریک ہے۔

عراق عرب کو قدما کلدیہ کہتے تھے۔ کلدانی بادشاہ بخت نصر وغیرہ یہاں کے تھے اور کلدانی زبان اسی ملک کی قدیم زبان کا نام ہے جو اب بالکل متروک ہے۔

جزیرہ اور کردستان کے غرب و شمال کے حصہ کو شمال میں بحرِ اسود تک اور غرب میں اس پہاڑی سلسلہ تک کہ جس میں سے دجلہ اور فرات نکلے ہیں آرمینیا کہتے ہیں۔

پھر پہاڑی سلسلہ سے غرب کے رخ سمندر تک یعنی بحرِ روم تک اور شمال میں بحرِ اسود تک کو ایشیائے کوچک کہتے ہیں اور اناطولیہ بھی۔ اس کا طول غرب سے شرق تک تخمیناً ہزار میل ہے اور عرض جنوب و شمال میں چار سو میل سے پانسو میل تک ہے اور قدما اسی کو روم کہتے تھے[1]۔ اس کے مشہور شہر سمرنا یعنی ازمیر اور برسہ اور قونیہ اور پلمیرا اور آفسس کہ جہاں اصحاب الکہف غار میں چھپے تھے اور جہاں دیانا کا گنبد[2] تھا۔ ایشیائے کوچک اور یورپ کے اس براعظم کے بیچ میں کہ جس کے شرقی کونے پر قسطنطنیہ ہے صرف سمندر کی ایک کھاڑی حدِ فاصل ہے جو تخمیناً ساٹھ ستر کوس لمبی اور کہیں دو کوس کہیں اس سے بھی کم چوڑی ہے جس کو

[1] کیوں کہ یہ مشرقی رومی سلطنت یعنی بازنطینی سلطنت کا حصہ تھا۔ (مص)

[2] یہ گنبد عجائبات دنیا سے شمار ہوتا تھا ۱۲ منہ

ڈارڈینلز[1] کہتے ہیں، اس کا جنوبی سرا بحرِ روم سے ملتا ہے اور شمالی بحرِ اسود سے۔

پھر فرات سے لے کر سمندر کے کنارے تک غرب میں اور شمال میں حلب سے لے کر جنوب میں حدِ عرب تک کے قطعہ کو شام اور یونانی سیریا[2] کہتے ہیں۔ اس کے غرب میں جزیرہ سائپرس ہے جس کو عرب قبرص کہتے ہیں جو تخمیناً ایک سو چالیس لمبا اور چالیس میل چوڑا ہوگا۔

شام کی حدود مختلف رہی ہیں، کبھی فلسطین[3] اور جزیرہ اور عراق کو ملا کر شام کہتے تھے۔ شام کے مشہور شہر حلب، دمشق، حماۃ، حمص، انطاکیہ وغیرہ ہیں۔ اور قدما اس ملک کو ارام بھی کہتے ہیں۔

اس کے پانچ ضلعے ہیں۔ (۱) قنسرین (۲) حمص (۳) دمشق (۴) اردن (۵) فلسطین۔

فلسطین شام کے غرب وجنوب میں ہے یہ چھوٹا سا مستطیل قطعہ ہے جس کے غرب میں بحرِ روم ہے اور اس کو کنعان اور ارضِ مقدسہ بھی کہتے ہیں، اس کا مشہور شہر یروشلم یعنی بیت المقدس ہے اور اس کے ساحل پر بیروت، قیصریہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ یہ سمندر کے قریب قریب تخمیناً ڈیڑھ سو میل جنوب و شمال میں طویل اور تخمیناً چالیس پچاس میل شرق وغرب میں عریض ایک مستطیل ٹکڑا ہے مخروطی شکل جس کی نوک شمال میں ہے۔ اس ملک کے جنوب ومشرق میں میں جھیل مُردار ہے جس کو عرب بحرِ منتنہ کہتے ہیں۔ اسی کے کنارے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں سدوم اور عموہ وغیرہ تھیں جو ان لوگوں کی بدکاری سے اُلٹی گئیں۔ ان الٹی بستیوں کے آثار اب تک شام کے آنے جانے والوں کو نظر آیا کرتے ہیں، وانها لبسبيل مقيم۔ اس ملک کے جنوب وغرب میں وہ بیابان بھی ہے جس کو تیہہ بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ قلزم کی دونوں شاخوں کی جڑ سے لے کر شمال میں بحرِ روم تک تخمیناً سو میل طول اور شرقاً غرباً قلزم کے کناروں سے لے کر بحر المیت یعنی جھیلِ مردار کے کناروں تک یہیں بنی اسرائیل چالیس برس تک میدانوں میں ٹکراتے پھرے تھے۔ اس ملک کی زبان عبرانی اور شام کی سریانی اور کلدیہ کی کلدانی کہلاتی تھی۔

اب عموماً ان سب ملکوں کی زبان عربی ہے۔

آج کل یہ تمام ملک حضرت سلطان المعظم[4] کے قبضہ میں ہیں۔ کسی زمانہ میں ان ملکوں میں متعدد سلطنتیں تھیں، جزیرہ کی جدا اور عراق کی جدا اور کردستان کی جدا اور آرمینیہ کی جدا اور ایشیائے کوچک کی جدا اور فلسطین کی جدا۔ اور عجب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے بادشاہ کے پاس بے شمار فوج اور شاہی سامان تھا۔ خاص فلسطین کو دیکھو کہ اس کے فرماں روا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے بخت نصر شاہِ بابل کی چڑھائی تک بنی اسرائیل تھے، حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام بھی انہیں کے فرماں رواؤں میں سے تھے۔ نینوی اور بابل کے بادشاہوں کی دولت مندی مشہور رہے۔ اُس وقت یہ ملک بڑے آباد اور سرسبز تھے جن کی کاریزوں اور نہروں کے ڈھنے پھوٹے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ ملک سرد سیر اور شاداب ہیں، آب وہوا معتدل، سردی میں

ے۱ یعنی دردانیال کی آبنائے (مص)

ے۲ Syria جسے عرب سوریا کہتے ہیں۔ (مص)

ے۳ لبنان بھی اس میں شامل تھا۔ (مص)

ے۴ یعنی عثمانی سلطان مقیم قسطنطنیہ کے زیرِ تسلط۔ یہ ۱۸۹۵ء کے حالات ہیں ۱۲ (مص)

بعض مقامات پر برف بھی پڑتی ہے۔ ان ملکوں میں میوے بہ کثرت ہیں، اور آبادی بہت ہے۔ یہاں یہ قومیں زیادہ آباد ہیں۔ (۱) ترکمان یہ قبائل ان تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۲) کرُد (۳) اعراب جن کو بدو کہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی قومیں بھی ہیں مگر یہ تینوں قومیں بہادر اور جنگ جُو اور قوی ہیں۔ اگر یہ بدامنی نہ پیدا کریں تو ان ممالک میں پھر اور کوئی بدامنی نہیں پیدا کر سکتا۔

یہ ممالک روئے زمین پر اس لیے فخر کر سکتے ہیں کہ:

(۱) سلطنت و حکومت کی بنیاد طوفانِ نوح کے بعد یہیں پڑی۔ اور بڑے بڑے بادشاہِ نامور یہیں سے اٹھے۔

(۲) طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کا یہی وطن ہے، یہیں سے نکل کر وہ اور ملکوں میں پھیلے۔

(۳) حضراتِ انبیا علیہم السلام کا یہی مَولَد ہے، اسی سرزمین سے نامور انبیاء اٹھے۔ مگر ان سب کے بعد عرب سب پر فوقیت لے گیا کس لیے کہ اس سرزمین سے حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حکمت و علوم اور ایمان و معرفت کے چشمے اسی ملک سے نکلے۔

بخت نصر اور نینویٰ کے بادشاہوں اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو تینتیس ۳۳۳ برس پیشتر یونانی بادشاہ سکندرِ اعظم ان ملکوں پر مسلّط ہوا۔ اس کے بعد اردشیر بابکان کے عہد تک عراق و جزیرہ میں یونانی قابض تھے اور بعد میں دور تک رومی مالک تھے شام اور فلسطین پر بھی رومیوں کا قبضہ تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک اور اس کے بعد زمانہ اسلام تک۔ مگر ایران اور عراق کے کچھ حصوں پر اردشیر اور اس کے جانشین ایرانی بادشاہ مسلّط تھے۔ ہمارے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں روم یعنی ایشیائے کوچک اور شام کا دجلہ تک ہرقل مالک تھا، اور ایران اور اس کے نواح کا کسریٰ پرویز اور جزیرہ میں غسان جو عرب قوم سے تھا قیصر کی طرف سے فرماں روا تھا۔

یمن میں ایک زمانہ میں بنی حمیر کی سلطنت تھی اور مدتوں تک باقی رہی۔ یہاں تک کہ اسلام سے کچھ پہلے اس خاندان کے بادشاہ ذونواس کا حبش کے بادشاہ نجاشی نے خاتمہ کیا اور اس کا نائب جس کو ابرہہ کہتے تھے یمن کا اس کی جانب سے حاکم تھا۔ یہ ابرہہ خانہ کعبہ کی بے ادبی سے غارت ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا یکسوم بادشاہ ہوا، اس کو سیف بن ذی یزن حمیری نے انوشیرواں کی مدد سے ہلاک کیا، اور وہ بھی ایک حبشی کے ہاتھ سے مدت تک سلطنت کرنے کے بعد مارا گیا۔ اس کے بعد انوشیرواں نے اپنا گورنر مرزبان یمن پر بھیج دیا۔ اس کے بعد مرزبان کا بیٹا خرخرہ حاکمِ یمن ہوا، پھر ہرمز نے اس کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ باذان کو بھیج دیا، یہ باذان یمن پر اسلام کے زمانہ تک حکومت کرتا رہا یہاں تک کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے حاکم بنا کر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔

ادھر یمامہ اور بحرین اطراف کوفہ بصرہ میں یمن کے بادشاہوں کی خودسری سے ایک مستقل سلطنت ہو گئی تھی انوشیرواں کے عہد میں اس سلطنت کا مالک نعمان بن المنذر تھا۔ اور یہ بادشاہ مجوس تھے اور شاہانِ ایران کے تابع تھے۔ اسلام سے دو ایک صدیوں پہلے عرب میں طوائف الملوکی ہو گئی تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے۔ حرب البسوس بھی اسی زمانہ کی جنگ ہے پھر اسلام کا آفتاب بلند ہوا تو عرب پر سایہ افگن ہو کر عراق و شام و غیرہ ممالک پر قبضہ کرتے ہوئے شرق میں چین تک اور غرب میں اندلس تک جا پہنچا اور اپنا قدم جما دیا۔

وللہ الحمد حمدًا کثیرًا

ھدایت و اصلاح کے باب میں بینظیر کتاب

تلبیسِ ابلیس اردو

تالیف : علّامہ ابن جوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) | ترجمہ : مولانا ابو محمد عبد الحق اعظم گڈھی

شریعتِ اسلام جس قدر عظیم الشّان امر ہے اس پر عمل کرنے کے موانع بھی اتنے ہی زبردست ہیں۔ چنانچہ صاف نظر آرہے ہیں۔ یعنی نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسے۔

ابلیس کے فتنوں، اس کی قبیح بیہودگیوں اور چھپی چالوں سے خدا کی پناہ! یہ اپنے کام سے کبھی غافل نہیں رہا۔ لیکن جس قدر زمانۂ نبوت سے قرب رہا اسی قدر اس کو اپنے کام میں ناکامی ہوتی رہی۔ اور جس قدر زمانۂ نبوت سے بُعد ہوتا گیا اس کی کامیابی ترقی کرتی رہی۔ اور اس کے راستے پر چلنے کے لئے لوگ بکثرت آمادہ ہوتے گئے۔

نوبت بایں جا رسید کہ آج مکائدِ شیطانی کا بازار کھلا ہوا ہے اور قدم قدم پر شیطانی جال بچھا ہوا ہے۔ لہٰذا اس شاہراہ پر چلنے والوں کے لئے نفسانی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے واقف رہنا بیحد ضروری ہے۔ علّامہ ابن جوزیؒ نے اپنی اس تالیف میں مکائدِ شیطانی کے تمام فریبوں کی خوب تشریح کردی ہے۔ اور دکھلایا ہے کہ شیطان نے کس کس طرح سے اس اُمّت کو دھوکہ دیا ہے۔ اور کن کن راہوں سے اس کے عقائد، اعمال اور اخلاق میں رخنہ اندازی کی ہے۔

نیز علماء و محدّثین، فقہاء و واعظین، ادباء و شعراء، سلاطین و حکّام، عباد و زہاد، صوفیہ اور عوام کی علیحدہ علیحدہ کمزوریاں، غلط رسوم و عادات، مغالطے اور بے اعتدالیاں اصلاحی انداز میں بیان کی ہیں۔ اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت کو سنّت و شریعت کے معیار سے دیکھا ہے۔

عربی کا معلّم

مصنفہ

مولوی عبد الستار خاں

الناشر

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب

آرام باغ کراچی

مجید

قابل قدر دینی و علمی کتابیں

تحفۂ خطاطین

تفسیر ابن کثیر اردو کامل در ۵ جلد

لغات الحدیث (عربی اردو) کامل در ۶ جلد

صحیح بخاری شریف (اردو) کامل در ۳ جلد

الاتقان فی علوم القرآن (اردو)

مشارق الانوار مترجم عربی مع اردو

مشکوٰۃ شریف (اردو) کامل در ۲ جلد

تلبیس ابلیس (اردو)

شمائل ترمذی عربی مع اردو شرح خصائل نبوی

بلوغ المرام مترجم عربی مع اردو

حصن حصین مترجم عربی مع اردو

اصح السیر (اردو) سیرت رسول کریم

حجۃ اللہ البالغہ عربی مع اردو کامل در ۲ جلد

تحفہ اثنا عشریہ اردو

بستان المحدثین اردو

ابن ماجہ اور علم حدیث اردو

تاریخ ترجمۃ المنہاج عربی مع اردو

سیرت پاک

مختصر خصائل نبوی

مختصر شعب الایمان

فقہ الحدیث

کتاب التوحید مترجم عربی مع اردو

تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان و نصیحۃ المسلمین

کتاب الصلوٰۃ

اسباب زوال امت

علامات قیامت

اساس عربی (عربی صرف و نحو)

مقدمہ تاریخ ابن خلدون اردو

حیات وحید الزماں

قرآنی دعائیں مترجم

فوائد جامعہ — عجالۂ نافعہ کی مبسوط شرح، علم حدیث کی نادر اور اہم معلومات مشاہیر فقہاء محدثین، اور ان کی تالیفات کا مختصر و جامع تذکرہ۔

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی